بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمی وتحقیقی رسائل

جلد شانزدھم

16

1. جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا وقت
2. اذانِ جمعہ پر سعی کی تحقیق
3. بروزِ جمعہ، نمازِ جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق
4. جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق
5. تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

مصنف

مُفتی محمد رضوان

ادارہ غفران

راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد16

علمی و تحقیقی رسائل

(1)...جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا وقت

(2)...اذانِ جمعہ پر سعی کی تحقیق

(3)...بروز جمعہ، نمازِ جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق

(4)...جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق

(5)...تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

نام کتاب: علمی وتحقیقی رسائل (جلد16)

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: رمضان المبارک۱۴۴۲ھ اپریل2021ء

صفحات: 780

ملنے کے پتے

رسائل کی اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست رسالہ اول
(جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا وقت)

تفصیلی فہرست رسالہ دوم

(اذانِ جمعہ پر سعی کی تحقیق)

مضامین — صفحہ نمبر

تفصیلی فہرست رسالہ سوم

(بروز جمعہ، نمازِ جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق)

تفصیلی فہرست رسالہ چہارم

(جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق)

صفحہ نمبر	مضامین

تفصیلی فہرست رسالہ پنجم
(تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

’’مجلسِ فقہی‘‘ ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی و تحقیقی رسائل کی سولھویں جلد کے مضامین ورسائل، بحمداللہ تعالیٰ، تدوین، تحقیق اور مراجعت وغیرہ کے جملہ متعلقہ مراحل سے گزر کر اشاعت کے مرحلہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

اس جلد میں درجِ ذیل پانچ تحقیقی و علمی اور تفصیلی موضوعات پر مشتمل رسائل شامل ہیں:

(1)...جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا وقت

(2)...اذانِ جمعہ پر سعی کی تحقیق

(3)...بروز جمعہ، نمازِ جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق

(4)...جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق

(5)...تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

مزید کئی جلدوں کے رسائل و مضامین پر بھی بحمداللہ تعالیٰ مختلف جہات سے کام جاری ہے، اور بحمداللہ تعالیٰ کئی رسائل و مضامین کی کتابت و مراجعت وغیرہ کا کام مکمل ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بعافیت واستقامت اس سلسلہ کو حسبِ مراد انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ادارہ غفران کی ’’مجلسِ فقہی‘‘ کے اراکین نے اس جلد کے رسائل و مقالات کا مطالعہ کیا، اور مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی، جن میں سے بعض امور سے مؤلف نے کلی، یا جزوی اتفاق کیا، اور بعض پر مؤلف کو شرح صدر نہ ہوا، اس لیے اس میں حسبِ منشاء ترمیم، یا اس کی توضیح کی، اور اس طرح کی جزوی چیزوں میں نیک نیتی کے ساتھ، حسبِ ذوق وحسبِ استعداد، اختلاف، شرعی و فقہی اعتبار سے مذموم نہیں۔

بہرحال اراکینِ مجلس نے مفتی محمد رضوان صاحب حفظہ اللہ کے ان رسائل کو حسبِ سابق تعصب سے بالاتر ہوکر معتدل تحقیق پر مبنی اور وقت کے اہم موضوع سے متعلق محسوس کیا۔

مذکورہ جلد کے آخری تین رسائل بطورِ خاص 2020ء میں ''کرونا'' کی وباء کے دوران ''لاک ڈاؤن'' کی وجہ سے درپیش اہم مسائل کے تناظر میں تحریر کیے گئے، جس میں ''کرونا'' کی وجہ سے پیش آمدہ مسائل پر بطورِ خاص روشنی ڈالی گئی، اور غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔

دعاء ہے کہ یہ مجموعہ، اللہ کی بارگاہ میں قبول ومنظور ہو، اور علمی وفقہی دنیا میں امتِ مسلمہ کی دنیاوآخرت کی صلاح وفلاح اور افراط وتفریط سے حفاظت اور اعتدال کے قائم ہونے کا باعث بنے، اور غلط فہمی، لاعلمی یا تعصب کی بناء پر جو مسلمانوں میں باہمی اختلافات اور دوریاں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ اس کاوِش کے ذریعے ان دوریوں کا خاتمہ فرمائے، اور جملہ اراکینِ مجلسِ فقہی کے لیے مغفرت اور ترقی درجات کا ذریعہ بنے۔ آمین۔

اسمائے گرامی: اراکینِ مجلسِ فقہی، ادارہ غفران

(1)...... مفتی محمد رضوان صاحب (صدر مجلس)

(2)...... مفتی محمد یونس صاحب (نائب صدر)

(3)...... مولانا طلحہ مدثر صاحب (ناظم)

(4)...... مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(5)...... مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(6)...... مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(7)...... مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(8)...... مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

(9)...... مولانا شعیب احمد صاحب (رکن)

07/شعبان المعظم/1442ھ 22/مارچ/2021ء بروز پیر

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمعہ کے لیے جلدی

جانے کی فضیلت کا وقت

نمازِ جمعہ کے لیے جلدی جانے کی مخصوص فضیلت کی بحث
مختلف احادیث وروایات کی تشریح وتوضیح
اس سلسلہ میں جمہور وغیر جمہور اور حنفیہ کے قول کی تحقیق
متعدد علمی وفقہی عبارات کی روشنی میں راجح قول کی نشاندہی
اور اس سلسلہ میں جاری شدہ ایک فتوے پر تبصرہ

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

نام کتاب: جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا وقت

مؤلف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اول: رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ اپریل 2021ء

صفحات: 108

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی، پاکستان

فون 051-5507270 فیکس 051-5702840

www.idaraghufran.org

فہرست

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مولف)

کئی احادیث وروایات میں نمازِ جمعہ کے لیے جلدی جانے کے مختلف فضائل آئے ہیں، بعض احادیث میں صبح سویرے جانے والے کے لئے ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور ایک سال رات بھر عبادت کے ثواب کا ذکر آیا ہے، اور بعض احادیث میں پہلی ساعت میں جانے والے کے لیے اونٹ کے مثل قربانی کے ثواب کا، اور دوسری ساعت میں بکری کے برابر قربانی کے ثواب کا، اور تیسری، چوتھی اور پانچویں ساعت میں درجہ بدرجہ اس سے کم ثواب حاصل ہونے کا ذکر آیا ہے۔

جس کے بعد محدثینِ عظام اور فقہائے کرام کے درمیان یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ جمعہ کے لیے جلدی جانے پر ہر قدم کے اوپر مذکورہ عظیم ثواب کس وقت جانے سے حاصل ہوتا ہے، آیا زوال کے بعد یا صبح سویرے، نیز آگے پیچھے کی ساعتوں میں جانے والوں کے لیے جو مختلف قسم کے جانوروں کی قربانی کی فضیلت کا ذکر آیا ہے، اس کا آغاز کس وقت ہوتا ہے؟

حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام نے اس طرح کی فضیلت کا آغاز دن کے شروع کو قرار دیا، جس کے پیشِ نظر ان ساعات کا دورانیہ طویل شمار ہوتا ہے۔

جبکہ امام مالک نے اس سے اختلاف کیا، اور انہوں نے دوپہر کو زوال ہونے پر اس فضیلت کے آغاز ہونے کا قول کیا، ساتھ ہی انہوں نے صبح سویرے جمعہ کے لیے جانے کو مکروہ بھی قرار دیا، ان کے قول کے پیشِ نظر ان ساعتوں کا دورانیہ مختصر، بلکہ غیر معمولی مختصر ہوگا۔

اس سلسلے میں جمہور فقہاء ومحدثین کا قول دلائل کے لحاظ سے انتہائی راجح، اور مالکیہ کا قول دلائل کی رُو سے مرجوح قرار دیا گیا ہے۔

ہم نے اپنی تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' میں بھی مختلف دلائل کے پیشِ نظر جمہور

کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

لیکن اسلام آباد کے ایک دارالافتاء سے جو اِس سلسلہ میں فتویٰ جاری ہوا، اس میں جمہور کے بجائے امام مالک کے قول کی طرف رجحان ظاہر کیا گیا تھا، اور اس قول پر آسانی ہونے کو بنیاد بنایا گیا تھا، جس کے بعد اس کے متعلق ادارہ غفران کو ایک استفتاء موصول ہوا، جس میں مذکورہ فتوے کے متعلق استفسار کیا گیا تھا، اس کے جواب میں بندہ نے قدرے وضاحت وتفصیل کے ساتھ جواب تحریر کیا، جس کو آئندہ اوراق میں پیش کیا جارہا ہے، جس میں مذکورہ فتوے کے برعکس جمہور فقہائے کرام کے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، اور مذکورہ فتوے میں ذکر کردہ موقف کی تردید کی گئی ہے، اور اس فتوے میں پائی جانے والی بعض کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ فتویٰ مذکورہ جامعہ کے ایک متخصص طالبِ علم نے تحریر کیا ہے، جس پر جامعہ ہٰذا کے بعض قدیم اور رئیس مفتیانِ کرام نے تصدیق کی ہے، اور اس فتوے کو سراہا ہے۔

مذکورہ فتوے اور اس جیسے کئی فتاویٰ ملاحظہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ بعض مدارس وجامعات میں وہاں پر تخصّص فی الفقہ والافتاء وغیرہ کے عنوان سے تعلیم حاصل کرنے والے ناتجربہ کار متخصصین، دین کے اہم مسائل پر طبع آزمائی کرتے ہیں، اور مدرسہ وجامعہ کے مفتیانِ کرام، خود سے اصل مراجع ومآخذ کی تحقیق کیے بغیر اپنے ان متخصّصین سے انسیت واعتماد وغیرہ کی بنا پر تصدیق وتصویب کردیتے ہیں، اور اس طرح وہ فتاویٰ بڑے اداروں اور مشہور مفتیانِ کرام کی طرف منسوب ہو کر شہرت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرزِ عمل کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور بے اعتدالیوں سے نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان

17/ رمضان المبارک/ 1440 ہجری۔ بمطابق 23/ مئی/ 2019ء بروز جمعرات

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا وقت

سوال:

جناب مولانا مفتی محمد رضوان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

آپ کی کتاب ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' کے صفحہ نمبر 382 سے 386 پر ''نمازِ جمعہ کے لیے سویرے اور جلدی جانے کے فضائل'' میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ جمہور فقہاء وعلماء کے نزدیک جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا آغاز جمعہ کے دن صبح سویرے سے ہو جاتا ہے، اور اس قول کو راجح اور قوی قرار دیا گیا ہے کہ اس فضیلت کے وقت کا آغاز سورج طلوع ہونے پر ہوتا ہے۔

آپ نے مندرجہ بالا کتاب میں جمہور فقہاء وعلماء کا جو قول ذکر کیا ہے، وہ کون سے جمہور فقہاء وعلماء کا ہے؟ اور اس بارے میں حنفی فقہاء کا قول کیا ہے؟

اور آپ نے سورج طلوع ہونے سے فضیلت کے وقت کے آغاز کا جو ذکر کیا ہے، کیا یہی قول دلیل کے لحاظ سے مضبوط ہے؟

کیونکہ ہمیں دارالافتاء جامعہ .... اسلام آباد، کا ایک فتویٰ موصول ہوا، جس میں یہ عبارت تحریر کی گئی ہے کہ:

''الاولیٰ'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ''الساعۃُ الاولیٰ'' زوالِ شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، امام کے خطبہ کے لیے کھڑے ہونے تک۔

جمہور کے ہاں طلوعِ فجر سے لے کر امام کے خطبہ کے لیے کھڑے ہونے تک

وقت کو پانچ ساعات میں تقسیم کیا جائے گا۔

امام مالک کے قول پر عمل میں آسانی ہے۔

لہٰذا زوال سے کچھ پہلے اور زوال کے بعد کچھ لحظات ہیں، جو ''الساعۃُ الاولٰی'' کو شامل ہیں، اور اس کے بعد امام کا خطبہ کے لیے کھڑے ہونے تک جتنا ٹائم ہے، اس کو باقی چار حصوں پر برابر تقسیم کیا جائے گا، تو جو شخص جس حصہ میں آئے گا، اس کو اسی حصہ کے بقدر قربانی کا ثواب ملے گا۔

اگر کچھ لوگ ایک حصہ میں اکھٹے آجائیں، تو سب کو برابر ثواب ملے گا'' (مذکورہ فتویٰ کی عبارت ختم ہوئی)

یہ فتویٰ بھی آپ کے ملاحظہ کے لیے ارسال ہے۔

مذکورہ فتوے کے تناظر میں آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلے اور فتوے پر دوبارہ غور کر کے اپنی رائے عالی سے آگاہ فرمائیں کہ آپ کے نزدیک کون سی رائے راجح ہے۔

امید ہے کہ مفصل و مدلل جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

والسلام

کرنل.................بحریہ ٹاؤن

راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی طرف سے اسلام آباد کے ایک جامعہ کے ارسال کردہ فتوے پر غور کیا گیا، اور اس سلسلے میں اپنی تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' کی عبارت پر بھی نظرِ ثانی کی، جس کے نتیجے میں مذکورہ کتاب میں موجود رائے ہی سے اتفاق ہوا، اور مذکورہ فتوے سے ہمیں اتفاق نہیں ہوا۔

پہلے اس سلسلے میں ہماری کتاب کی مکمل عبارت حاشیہ سمیت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

جمہور فقہاء وعلماء کے نزدیک جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا آغاز جمعہ کے دن صبح سویرے سے ہوجاتا ہے۔ [1]

---

[1] قال الملاعلی القاری:وذهب الجمهور إلى أنها أول النهار، والرواح .قال الأزهری :إنه الذهاب سواء كان أول النهار أو آخره، أو فی الليل ;لأن ذكر الساعات إنما هو للحث على التبكير إليها، والترغيب فی فضيلة السبق، وانتظار الجمعة، والاشتغال بالتنفل والذكر، وهذا لا يحصل بالذهاب بعد الزوال اهـ .وقد كان السلف يمشون على السرج يوم الجمعة إلى الجامع، وفی الإحياء :وأول بدعة حدثت فی الإسلام ترک التبكير إلى المساجد(مرقاة المفاتيح ، ج۳، ص ۱۰۳۱ ،كتاب الصلاة، باب التنظيف و التبكير،الفصل الاول)

وقال النووی :اتفق أصحابنا وغيرهم على استحباب التبكير إلى الجمعة فی الساعة الأولى للحديث السابق وفيما يعتبر منه الساعات ثلاثة أوجه (الصحيح) عند المصنف والأكثرين من طلوع الفجر (والثانی) من طلوع الشمس وبه قطع المصنف فی التنبيه وينكر عليه الجزم به (والثالث) أن الساعات هنا لحظات لطيفة بعد الزوال واختاره القاضی حسين وإمام الحرمين وغيرهما من الخراسانيين وهو مذهب مالک.

واحتجوا بأن الرواح إنما يكون بعد الزوال وهذا ضعيف أو باطل والصواب أن الساعات من أول النهار وأنه يستحب التبكير من أول النهار وبهذا قال جمهور العلماء وحكاه القاضی عياض عن الشافعی وابن حبيب المالكی وأكثر العلماء ودليله أن النبی صلى الله عليه وسلم أخبر أن الملائكة يكتبون من جاء فی الساعة الأولى والثانية والثالثة والرابعة والخامسة والسادسة كما صح فی روايتی النسائی اللتين قدمتهما فإذا خرج الإمام طووا الصحف ولا يكتبون بعد ذلک أحدا ومعلوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراگرچہ اس بارے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس فضیلت کا آغاز صبح صادق یعنی فجر کا وقت داخل ہونے پر شروع ہوتا ہے، یا سورج طلوع ہونے پر؟

لیکن غور کرنے سے راجح اور قوی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فضیلت کے وقت کا آغاز سورج طلوع ہونے پر ہوتا ہے (کیونکہ طلوعِ فجر مراد لینے کی صورت میں صفائی ستھرائی وغیرہ کا وقت باقی نہیں رہتا، اور طلوعِ فجر سے پہلے نمازِ فجر کی تیاری کا وقت ہوتا ہے، نہ کہ جمعہ کی تیاری کا) [1]

اوراس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کو بارہ ساعتوں پر مشتمل قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أن النبی صلی الله علیه وسلم كان یخرج إلی الجمعة متصلا بالزوال وكذلك جمیع الأئمة فی جمیع الأمصار وذلك بعد انقضاء الساعة السادسة فدل علی أنه لا شیء من الهدی والفضیلة لمن جاء بعد الزوال ولا یكتب له شیء أصلا لأنه جاء بعد طی الصحف (المجموع شرح المهذب ج۴ص ۵۴۰، باب صلاة الجمعة، فی مذاهب العلماء فی مسائل من غسل الجمعة)

[1] قال ابن رجب: وقالت طائفة :أولها من طلوع الشمس، وحكی عن الثوری وأبی حنیفة ومحمد بن إبراهیم البوشنجی، ورجحه الخطابی وغیره، لأن ما قبله وقت للسعی إلی صلاة الفجر. ورجح هذا القول عبد الملك بن حبیب المالكی(فتح الباری لابن رجب، ج۸ص ۹۵،۹۶، كتاب الجمعة، باب فضل الجمعة)

[2] چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کے ضمن میں درج کردی گئی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

یوم الجمعة ثنتا عشرة -یرید -ساعة، لا یوجد مسلم یسأل الله عز وجل شیئا، إلا أتاه الله عز وجل، فالتمسوها آخر ساعة بعد العصر(ابوداؤد، رقم الحدیث ۱۰۴۸)

قال الالبانی:صحیح(صحیح وضعیف سنن ابی داؤد ، تحت رقم الحدیث ۱۳۸۲، باب الاجابة؛ أیةَ ساعةٍ هی فی یوم الجمعة)

گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہارِ عرفی پر محمول ہے، جو کہ معتدل علاقوں ہمیشہ اور ہر موسم میں بارہ ساعتوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور جب ہم سورج طلوع ہونے سے لے کر سورج غروب ہونے کے وقت کو بارہ گھڑیوں اور ساعتوں میں تقسیم کرکے دیکھتے ہیں، تو چھ گھڑیاں زوال سے پہلے اور چھ گھڑیاں زوال کے بعد ہوتی ہیں (کیونکہ نہارِ عرفی، جس کا آغاز سورج طلوع ہونے اور اختتام سورج غروب ہونے پر ہوتا ہے اس کا ٹھیک نصف یعنی آدھا، زوال کا وقت بنتا ہے)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورج کے طلوع ہونے سے زوال تک چھ ساعتیں اور زوال کے بعد غروب تک مزید چھ ساعتیں ہیں، اور سورج کے طلوع ہونے سے لے کر غروب تک کل بارہ ساعتیں ہیں، اور ساتویں ساعت میں زوال ہوجاتا ہے، اس لئے وہ وقت جمعہ کی نماز کا ہے۔

اب ان چھ ساعتوں میں سے ہر ایک کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ سورج طلوع ہونے سے لے کر سورج کے غروب تک کے وقت کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا جائے، ان میں سے ہر بارہواں حصہ ایک ساعت شمار ہوگا۔

اور اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ سورج کے طلوع سے زوال تک کے وقت کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے، جن میں سے ہر چھٹا حصہ ایک ساعت شمار ہوگا۔

اور موسم کے لحاظ سے اس ساعت کی مقدار کم وزیادہ ہوگی۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور زوال ہونے پر ہی جمعہ کا وقت شروع ہوتا ہے، اور جمعہ جلدی پڑھنا مستحب ہے، لہٰذا ساتویں ساعت امام کے خطبہ کے لیے نکلنے کی ہے۔

البتہ احادیث میں کیونکہ آخری ساعت کو بیان کرنے کے بعد کسی خاص مقدار کو بیان کیے بغیر امام کے خطبہ کے لیے نکل پڑنے پر فرشتوں کے ثواب لکھنے کا سلسلہ بند کرنے کو بیان کیا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب تک امام خطبہ کے لیے نہیں نکلتا، اس وقت تک ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اگرچہ ساتویں ساعت شروع ہوچکی ہو، لیکن اس ساعت کا ثواب مستقلاً نہیں ہوتا، بلکہ چھٹی ساعت کے تابع ہوکر آخری درجہ کا ثواب ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس تفصیل سے بحمداللہ تعالیٰ بہت سے اشکالات دُور ہوجاتے ہیں، اور سب قسم کی روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔ محمد رضوان۔

ل وقد اختلف الفقهاء فى هذه الساعة على قولين:

أحدهما :أنها من أول النهار وهذا هو المعروف فى مذهب الشافعى وأحمد وغيرهما.

والثانى :أنها أجزاء من الساعة السادسة بعد الزوال، وهذا هو المعروف فى مذهب مالك، واختاره بعض الشافعية............

واحتج أصحاب القول الأول بحديث جابر رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم ":(يوم الجمعة ثنتا عشرة ساعة) ." قالوا :والساعات المعهودة هى الساعات التى هى ثنتا عشرة ساعة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا سورج طلوع ہونے سے لے کر زوال تک کے وقت کو چھ حصوں میں تقسیم کر کے ہر پہلی ساعت میں آنے والے کا ثواب اگلی ساعت میں آنے والے سے زیادہ ہوگا (جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام، صفحہ نمبر 382 تا 386 ، طباعتِ دوم: ربیع الاول ۱۴۳۶ھ، جنوری 2015ء، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهی نوعان :ساعات تعديلية وساعات زمانية، قالوا :ويدل على هذا القول أن النبى صلى الله عليه وسلم إنما بلغ بالساعات إلى ست، ولم يزد عليها، ولو كانت الساعة أجزاء صغارا من الساعة التى تفعل فيها الجمعة لم تنحصر فى ستة أجزاء ، بخلاف ما إذا كان المراد بها الساعات المعهودة، فإن الساعة السادسة متى خرجت ودخلت السابعة خرج الإمام وطويت الصحف ولم يكتب لأحد قربان بعد ذلک كما جاء مصرحا به.............

قال أبو عمر بن عبد البر :اختلف أهل العلم فى تلک الساعات، فقالت طائفة منهم :أراد الساعات من طلوع الشمس وصفائها، والأفضل عندهم التبكير فى ذلک الوقت إلى الجمعة، وهو قول الثورى وأبى حنيفة والشافعى، وأكثر العلماء بل كلهم يستحب البكور إليها.

قال الشافعى رحمه الله :ولو بكر إليها بعد الفجر وقبل طلوع الشمس كان حسنا(زادالمعاد فى هدى خير العباد، ج ا ص ۳۸۷،۳۸۸، ملخصاً ،فصول فى هديه صلى الله عليه وسلم فى العبادات،فصل فى بيان اختلاف الناس فى ساعة الإجابة)

قال زين الدين العراقى:وقال والدى -رحمه الله -ولكن ليس العمل عليه فى أمصار الإسلام قديما وحديثا أن يبكر للجمعة من طلوع الفجر وفيه طول يؤدى إلى انتقاض الطهارة وتخطى الرقاب وصحح الماوردى أن التبكير من طلوع الشمس ليكون ما قبل ذلک من طلوع الفجر زمان غسل وتأهب قال ابن الرفعة ويؤذن به قول الشافعى -رضى الله عنه -ويجزئه غسله لها إذا كان بعد الفجر قال والدى -رحمه الله -وأهل علم الميقات يجعلون ابتداء ساعات النهار من طلوع الشمس ويجعلون ما بين طلوع الفجر والشمس من حساب الليل واستواء الليل والنهار عندهم إذا تساوى ما بين غروب الشمس وطلوعها وما بين طلوعها وغروبها(طرح التثريب، ج۳ص ۱۷۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، حديث التبكير الى الجمعة)

فقال الجمهور المراد بهذه الساعات الأجزاء الزمانية التى يقسم النهار منها على اثنى عشر جزءا ......قال بعض أصحابنا وقد ورد التصريح بذلک فى قوله -عليه الصلاة والسلام -يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة فمن راح فى الساعة الأولى فكأنما قرب بدنة......وهو صحيح الإسناد فقد صح عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال :يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة لكن لا فى معرض التبكير بل فى معرض ساعة الإجابة لكنه يستأنس به فى التبكير أيضا والله أعلم(طرح التثريب، ج۳ص ۱۷۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، حديث التبكير الى الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمارے نزدیک مذکورہ کتاب میں درج موقف ہی راجح ہے۔

اور آپ کی طرف سے ارسال کردہ اسلام آباد کے ایک جامعہ کے فتویٰ میں حنفیہ اور جمہور سے مختلف مالکیہ کی جس رائے کی طرف رجحان ظاہر کیا گیا ہے، اور اس کی وجہ سے امام مالک کے قول پر آسانی کو بیان کرکے زوال سے کچھ پہلے اور زوال کے بعد کچھ لحظات کو ''السـاعةُ الاولٰـی '' میں شامل اور اس کے بعد امام کے خطبہ کے لیے کھڑے ہونے تک کے وقت کو چار حصوں پر برابر تقسیم کرنے کا جو حکم لگایا گیا ہے، اس فتوے میں متعدد علمی وفقہی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ مذکورہ فتوے میں تحریر کردہ ترتیب وار درجِ ذیل جملے قابلِ تنقیح ہیں:

(1)......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ''السـاعةُ الاولٰی '' زوالِ شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، امام کے خطبہ کے لیے کھڑے ہونے تک۔

(2)......جمہور کے ہاں طلوعِ فجر سے لے کر امام کے خطبہ کے لیے کھڑے ہونے تک وقت کو پانچ ساعات میں تقسیم کیا جائے گا۔

(3)......امام مالک کے قول پر عمل میں آسانی ہے۔

(4)......لہٰذا زوال سے کچھ پہلے اور زوال کے بعد کچھ لحظات ہیں، جو ''السـاعةُ الاولٰی '' کو شامل ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال أهل الميقات لهم اصطلاحان فى الساعات فالساعات الزمانية كل ساعة منها خمس عشرة درجة والساعات الآفاقية يختلف قدرها باختلاف طول الأيام وقصرها فى الصيف والشتاء فالنهار اثنتا عشرة ساعة ومقدار الساعة يزيد وينقص ويشهد لهذا الاصطلاح الثانى قوله -عليه الصلاة والسلام -يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة كما رواه أبو داود والنسائى بإسناد صحيح وصححه الحاكم فلم يفرق بين الصيف والشتاء فهو دائما اثنتا عشرة ساعة وعلى هذا الثانى تحمل الساعات المذكورة فى الحديث فلا يلزم عليه ما ذكره من اختلاف الأمر باليوم الشاتى والصائف ومن فوات الجمعة فى الشتاء لمن جاء فى الساعة الخامس (طرح التثريب، ج۳ص۱۷۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، حديث التبكير الى الجمعة)

(5)......اوراس کے بعد امام کا خطبہ کے لیے کھڑے ہونے تک جتنا ٹائم ہے، اس کو باقی چار حصوں پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔

(6)......تو جو شخص جس حصہ میں آئے گا، اس کو اسی حصہ کے بقدر قربانی کا ثواب ملے گا۔

(7)......اگر کچھ لوگ ایک حصہ میں اکھٹے آ جائیں، تو سب کو برابر ثواب ملے گا۔

مذکورہ فتوے کے مندرجہ بالا الفاظ میں نمبر 1 میں امام مالک کے نزدیک ساعتِ اولیٰ کے زوالِ شمس کے بعد ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

پھر نمبر 3 میں امام مالک کے قول پر آسانی کو بنیاد بنا کر، نمبر 4 میں اس پر تفریع کرتے ہوئے ''لہٰذا'' کے ساتھ زوال سے پہلے کے کچھ لحظات کو بھی ساعتِ اولیٰ میں شامل کیا گیا ہے۔

حالانکہ نمبر 1 میں امام مالک کے نزدیک پہلی ساعت کے زوال کے بعد شروع ہونے کا حکم لگا گیا تھا، پھر زوال سے پہلے اور زوال کے بعد کے کچھ لحظات کی تفریع کیسے درست ہوگی؟

پھر مذکورہ فتوے میں نمبر 2 کے اندر جمہور کے نزدیک طلوعِ فجر سے آغاز ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

حالانکہ جمہور فقہاء کا قول دن کے آغاز کا ہے، پھر اس سے طلوعِ فجر یا طلوعِ شمس مراد ہونے میں ان کا باہمی اختلاف ہے۔

حنفیہ وغیرہ نے سورج طلوع ہونے سے اس کے آغاز ہونے کو، اور اکثر شافعیہ وغیرہ نے طلوعِ فجر سے اس کے آغاز ہونے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ شرعی دن کا آغاز طلوعِ فجر سے اور عرفی دن کا آغاز طلوعِ شمس سے ہوتا ہے۔ **ولکل وجهة هو موليها۔**

اس کے علاوہ مذکورہ فتوے میں امام مالک کے قول پر آسانی کی جو وجہ پیش کی گئی ہے، یہ بھی غیر معقول وجہ ہے، کیونکہ عظیم ثواب کے لیے اتنی سہولت وآسانی غیر معقول ہونے کے علاوہ خود نصوص کے الفاظ ومقتضیات کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ تفصیلاً آگے آتا ہے۔

پھر مذکورہ فتوے میں نمبر 7 میں لکھا گیا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایک حصہ میں اکھٹے آ جائیں، تو سب کو برابر ثواب ملے گا۔

یہ بھی مجمل اور مبہم بات ہے، کیونکہ ایک ساعت میں آنے والے مختلف لوگ اونٹ یا گائے وغیرہ کے ثواب میں تو برابر کے شریک ہوتے ہیں، لیکن آگے پیچھے آنے والوں کے اونٹ یا گائے وغیرہ کے بڑے چھوٹے اور عمدہ وغیر عمدہ وغیرہ ہونے کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے، جیسا کہ محدثین نے تصریح فرمائی ہے۔ [1]

آگے اس سلسلہ میں احادیث وروایات اور مختلف عبارات کی روشنی میں تفصیل وتحقیق ذکر کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے، کہنے، سننے اور عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

---

[1] ثم إن من جاء فی أول ساعة من هذه الساعات ومن جاء فی آخرها مشترکان فی تحصیل أصل البدنة والبقرة والکبش ولکن بدنة الأول أکمل من بدنة من جاء فی آخر الساعة وبدنة المتوسط متوسطة وهذا کما أن صلاة الجماعة تزید علی صلاة المنفرد بسبع وعشرین درجة ومعلوم أن الجماعة تطلق علی اثنین وعلی ألوف فمن صلی فی جماعة هم عشرة آلاف له سبع وعشرون درجة ومن صلی مع اثنین له سبع وعشرون لکن درجات الأول أکمل وأشباه هذا کثیرة معروفة وفیما ذکرته جواب عن اعتراض ذکره القاضی عیاض رحمه الله (شرح النووی علی مسلم، ج۶، ص ۱۳۶، کتاب الجمعة)

(فصل نمبر 1)

جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کی روایات

پہلے جمعہ کے لیے سویرے اور جلدی جانے کی مخصوص فضیلت کے متعلق چند احادیث وروایات مختصر فوائد وتشریح کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے۔

اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایات

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ، وَغَدَا، وابْتَکَرَ، فَدَنَا، وَأَنْصَتَ وَلَمْ یَلْغُ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ، کَأَجْرِ سَنَۃٍ صِیَامِھَا وَقِیَامِھَا (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث ۱۶۱۷۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (جمعہ کے دن) غسل کرے اور کرائے، اور (جمعہ کے لئے) صبح سویرے جائے، پھر (امام کے) قریب ہو، اور خاموش رہے، اور کوئی لغو کام نہ کرے، تو اسے ہر اُٹھنے والے قدم پر ایک سال دن بھر کے روزوں اور رات بھر کی عبادت کا ثواب ملتا ہے (مسند احمد)

مذکورہ روایت میں ''وَغَدَا، وابْتَکَرَ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

اور حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں

''ثُمَّ ابْتَکَرَ، وَغَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ''

''یعنی پھر جلدی جائے اور صبح سے ہی مسجد میں پہنچ جائے''۔

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ صحیح (حاشیۃ مسند احمد)

کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ [1]

اور ''غدا'' اور ''ابتکر'' نیز ''ثم ابتکر وغدا الی المسجد'' کے الفاظ جمعہ کے لیے جلدی اور سویرے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ [2]

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ، ثُمَّ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ، وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ، وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ فَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۳۴۵، کتاب الصلاة، ابواب الجمعة، باب فی الغسل یوم الجمعة، ابن ماجه، رقم الحدیث ۱۰۸۷، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۱۷۳) [3]

---

[1] عن أوس بن أوس الثقفي، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " من اغتسل يوم الجمعة، وغسل ثم ابتكر، وغدا إلى المسجد، ثم جلس قريبا من الإمام حتى ينصت كان له بكل خطوة خطاها عمل سنة صيامها وقيامها "(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ۱۶۱۷۶)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن(حاشية مسند احمد)

[2] قوله" :وغدا "بالغين المعجمة من الغدو وهو سير أول النهار نقيض الرواح وقد غدا يغدو غدوا، والغدوة -بالضم -ما بين صلاة الغداة وطلوع الشمس.

قوله" :وابتكر "وقد وقع في بعض الروايات، "وبكر وابتكر "كما في رواية الترمذي، أما بكر -بالتشديد -فمعناه أتى الصلاة في أول وقتها، وكل من أسرع إلى شيء فقد بكر إليه، وأما ابتكر فمعناه أدرك أول الخطبة، وأول كل شيء باكورته، وقيل :معنى اللفظتين واحد فعل وافتعل، وإنما كرر في بعض ألفاظ الحديث لأجل المبالغة(نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، لبدر الدين العيني، ج۶، ص۴۵، كتاب الصلاة، باب :الرجل يدخل المسجد يوم الجمعة والإمام يخطب)

[3] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح(حاشية ابی داؤد)

وقال ايضاً: إسناده صحيح(حاشية ابنِ ماجه)

وقال ايضاً: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح، غير أن صحابيه لم يخرج له إلا أصحاب السنن(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کرایا، اور غسل کیا، پھر صبح سویرے (جمعہ کے لیے) چلا، اور پیدل گیا، سوار ہو کر نہیں گیا، اور امام کے قریب بیٹھا، پھر اس نے (خطبہ کو) توجہ سے سنا، اور کوئی لغو حرکت نہیں کی، تو اس کو ہر قدم پر ایک سال (دن بھر) کے روزوں اور ایک سال (رات بھر) کی عبادت کا ثواب حاصل ہوگا (ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مسند احمد)

مذکورہ روایت میں:

"ثُمَّ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ"

کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جو صبح سویرے جانے کے مبالغے پر دلالت کرتے ہیں۔ [1]

---

[1] پھر "بکر وابتکر" کے مبالغہ کی وجہ سے مکرر ہونے کے معنیٰ کا احتمال بھی ہے، اور "ابتکر" سے خطبہ کے شروع سے شریک ہونے کے معنیٰ کا احتمال بھی ہے، ہمیں پہلے معنیٰ کا احتمال راجح معلوم ہوا۔ محمد رضوان۔

(وأما) قوله صلى الله عليه وسلم وبكر وابتكر (فقال) الأزهرى يجوز فيه بكر بالتخفيف والتشديد فمن خفف فمعناه خرج من بيته باكرا ومن شدد معناه أتى الصلاة لأول وقتها وبادر إليها وكل من أسرع إلى شء فقد بكر إليه وفى الحديث بكروا بصلاة المغرب أى صلوها لأول وقتها ويقال لأول الثمار باكورة لأنه جاء فى أول وقت قال ومعنى ابتكر أدرك أول الخطبة كما يقال ابتكر بكرا إذا نكحها لأول إدراكها هذا كلام الأزهرى والمشهور بكر بالتشديد ومعناه بكر إلى صلاة الجمعة وقيل إلى الجامع وابتكر أدرك أول الخطبة وقيل هما بمعنى جمع بينهما تأكيدا حكاه الخطابى عن الأثرم صاحب أحمد قال ودليله تمام الحديث ومشى ولم يركب ومعناهما واحد قال الخطابى وقال بعضهم بكر أدرك باكورة الخطبة أى أولها وابتكر قدم فى أول الوقت وقال ابن الأنبارى بكر تصدق قبل خروجه كما فى الحديث باكروا بالصدقة وقيل بكر راح فى الساعة الأولى وابتكر فعل فعل المبتكرين من الصلاة والقراءة وسائر وجوه الطاعة وقيل معنى ابتكر فعل فعل المبتكرين وهو الاشتغال بالصلاة والذكر حكاه الشيخ أبو حامد والقاضى أبو الطيب (المجموع شرح المهذب، ج۴، ص۵۴۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مسائل من غسل الجمعة)

وقوله "وابتكر "أى بالغ فى التبكير أى جاء فى أول البكرة على ما قال امرؤ القيس (تروح من الحى أم تبتكر) وقيل معناه ابتكر العبادة مع بكورة وقيل "ابتكر الخطبة "أى حضر الخطبة مأخوذ من باكورة الثمرة وهى أولها وغير هذا أجود لأن من جاء فى بكرة النهار لزم أن يحضر أول الخطبة (الشرح الكبير على متن المقنع، لا بن قدامة المقدسى الحنبلى، ج۲، ص۲۰۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ، وَغَدَا وَابْتَكَرَ، وَدَنَا فَاقْتَرَبَ، وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا أَجْرُ قِيَامِ سَنَةٍ وَصِيَامِهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۶۹۵۴)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (جمعہ کے دن) غسل کرائے، اور خود بھی غسل کرے، اور (جمعہ کے لئے) صبح، سویرے جائے، اور (امام کے) خوب قریب ہو، اور توجہ سے سنے، اور خاموش رہے، تو اسے ہر اُٹھنے والے قدم پر ایک سال رات بھر کی عبادت اور دن بھر کے روزوں کا ثواب ملتا ہے (مسند احمد)

مذکورہ روایت میں بھی ''وَغَدَا وَابْتَكَرَ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جو صبح سویرے جانے کے مبالغے پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

و "ابتكر "أى بالغ فى التبكير أى جاء فى أول البكرة (كشاف القناع عن متن الإقناع، لمنصور بن يونس البهوتى، ج۲، ص۴۳، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة، فصل يسن أن يغتسل للجمعة)

وقوله :بكّر :خرج فى بكرة النهار، وابتكر :بالغ فى التبكير، وقيل :معناه :ابتكر العبادة مع بكورها .وقيل :ابتكر الخطبة، أى حضرها، من باكورة الثمرة أى :أولها .وغير هذا أجود، لأن من جاء أول النهار لزم أن يحضر أول الخطبة (مختصر الإنصاف والشرح الكبير "مطبوع ضمن مجموعة مؤلفات الشيخ محمد بن عبد الوهاب، الجزء الثانى" ص۱۸۷، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ غَسَلَ وَاغْتَسَلَ وَغَدَا وَابْتَکَرَ وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ فَأَنْصَتَ وَلَمْ یَلْغُ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِکُلِّ خُطْوَةٍ خَطَاهَا إِلَی الْمَسْجِدِ صِیَامَ سَنَةٍ وَقِیَامِهَا (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۴۷۲۶، ج۵ص ۱۰۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (جمعہ کے دن) غسل کرائے، اور غسل کرے، اور (جمعہ کے لئے) صبح سویرے جائے، اور (امام کے) قریب ہو، اور توجہ سے سنے، اور جمعہ کے دن لغو کام نہ کرے، تو اسے ہر اُٹھنے والے قدم پر ایک سال رات بھر کی عبادت اور ایک سال دن بھر کے روزوں کا ثواب ملتا ہے (طبرانی)

مذکورہ روایت میں ''وَغَدَا وَابْتَکَرَ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جو صبح سویرے جانے کے مبالغے و اہتمام پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایات

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ : مَنْ غَسَّلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَاغْتَسَلَ، وَغَدَا وَابْتَکَرَ، وَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ کَانَ لَہٗ کِفْلَانِ مِنَ الْأَجْرِ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۲۸۹، ج۸ص ۱۶۵) [2]

---

[1] قال الهیثمی:
رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه إبراهیم بن محمد بن جناح، ولم أجد من ذکره وبقیة رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۳۰۸۸)

[2] قال الهیثمی:
رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه عفیر بن معدان وقد أجمعوا علی ضعفه (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۳۰۸۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (جمعہ کے دن) غسل کرائے، اور خود بھی غسل کرے، اور (جمعہ کے لئے) صبح سویرے جائے، اور (امام کے) قریب ہو، اور توجہ سے سنے، اور خاموش رہے، تو اس کے لیے اجر کے دو حصے ہوتے ہیں (طبرانی)

مذکورہ روایت اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس میں بھی پہلی روایات کی طرح ''وَغَدَا وَابْتَكَرَ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جو صبح سویرے جانے کے مبالغے پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور مجموعی طور پر یہ تمام روایات امام مالک رحمہ اللہ کے مقابلہ میں جمہور فقہاء وعلماء کے قول کی زبردست تائید کرتی ہیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں درجِ ذیل الفاظ مروی ہیں:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الْمُتَعَجِّلُ فِي الْجُمُعَةِ كَالْمُهْدِي الْبَدَنَةَ، وَالَّذِيْ يَلِيْهِ كَالْمُهْدِي الثَّوْرَ، وَالَّذِيْ يَلِيْهِ كَالْمُهْدِيْ شَاةً، وَالَّذِيْ يَلِيْهِ كَالْمُهْدِيْ دَجَاجَةً (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٧٦٩٠، ج٨ص١٦٥)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے لیے جلدی جانے والا (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) اونٹ پیش کیا، اور اس کے بعد جانے والا (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) بیل پیش کیا، اور اس کے بعد جانے والا (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) بکری پیش کی، اور اس کے بعد جانے والا (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) مرغی پیش کی (طبرانی)

مذکورہ روایت میں "اَلْمُتَعَجِّلُ فِی الْجُمُعَةِ"

یعنی "جمعہ کے لیے جلدی جانے والے"

کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور دوسری روایات کے پیشِ نظر جلدی جانے سے مراد سویرے جانا ہے، کیونکہ بعض احادیث بعض کی تفسیر وتشریح کرتی ہیں۔

بہر حال مذکورہ تمام روایات سے جمعہ کے دن صبح سویرے جانے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ [1]

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -ضَرَبَ مَثَلَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ

---

[1] وقد دل على استحباب التبكير من أول النهار حديث أوس بن أوس، عن النبى -صلى الله عليه وسلم (من اغتسل يوم الجمعة وغسل، وبكر وابتكر، ودنا واستمع كان له بكل خطوة يخطوها اجر سنة صيامها وقيامها. خرجه الإمام أحمد وأبو داود والترمذى والنسائى وابن ماجه وابن حبان فى صحيحه. وحسنه الترمذى.

وله طرق متعددة، قد ذكرناها فى(شرح الترمذى)وفى رواية للنسائى:وغدا وابتكر).

وفى بعض رواياته.ومشى ولم يركب.

وظاهر الحديث :يدل على تقسيم يوم الجمعة إلى اثنى عشر ساعة، وأن الخطبة والصلاة يقعان فى السادسة منها.

ومتى خرج الخطيب طوت الملائكة صحفها، ولم يكتب لأحد فضل التبكير، وهذا يدل على أنه بعد الزوال لا يكتب لأحد شىء من فضل التبكير إلى الجمعة بالكلية.

وظاهر الحديث :يدل على تقسيم نهار الجمعة إلى اثنى عشر ساعة مع طول النهار وقصره، فلا يكون المراد به الساعات المعروفة من تقسيم الليل والنهار إلى أربعة وعشرين ساعة؛ فإن ذلک يختلف باختلاف طول النهار وقصره.

ويدل على هذا :حديث جابر، عن النبى -صلى الله عليه وسلم -، قال(يوم الجمعة ثنتا عشرة ساعة، لا يوجد مسلم يسأل الله شيئا إلا آتاه إياه،

فالتمسوها آخر ساعة بعد العصرخرجه أبو داود والنسائى بإسناد كلهم ثقات.

وظاهره :يدل على أن ساعة الإجابة جزء من هذه الاجزاء الاثنى عشر المتساوية فى جميع فصول السنة(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن رجب،ج٨،ص٩٦ الى ١٠١،كتاب الجمعة،باب فضل الجمعة)

التَّبْكِيْرِ، كَنَاحِرِ الْبَدَنَةِ، كَنَاحِرِ الْبَقَرَةِ، كَنَاحِرِ الشَّاةِ، حَتّٰى ذَكَرَ الدَّجَاجَةَ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۰۹۳، ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في التهجير إلى الجمعة)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی مثال بیان کی، پھر جمعہ کے لیے جلدی جانے کی مثال بیان کی کہ (پہلے جانے والا) اونٹ کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، اور (اس کے بعد جانے والے والا) گائے کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، اور (اس کے بعد جانے والا) بکری کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے، یہاں تک کہ (بعد میں جانے والوں کے لیے) مرغی کا ذکر فرمایا (ابنِ ماجہ)

فائدہ: اس روایت میں:

"التَّبْكِيْر"

کے الفاظ وارِد ہوئے ہیں، جو نمازِ جمعہ کے لیے سویرے جانے پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فَاغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ كَمَا يُغْتَسَلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ غَدَا إِلٰى أَوَّلِ سَاعَةٍ فَلَهٗ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ الْجُزُوْرِ، وَأَوَّلُ السَّاعَةِ وَآخِرُهَا سَوَاءٌ، ثُمَّ السَّاعَةُ الثَّانِيَةُ مِثْلَ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف، سعيد بن بشير ضعيف، والحسن -وهو البصري- مدلس ولم يصرح بالسماع .أبو كريب :هو محمَّد بن العلاء .
وأخرجه الروياني في "مسنده"(820) عن أبي كريب، بهذا الإسناد.
ويشهد له حديث أبي هريرة السالف(حاشية سنن ابنِ ماجه)

الثَّوْرِ وَأَوَّلُهَا وَآخِرُهَا سَوَاءٌ، ثُمَّ الثَّالِثَةُ مِثْلَ الْكَبْشِ الْاَقْرَنِ، أَوَّلُهَا وَآخِرُهَا سَوَاءٌ، ثُمَّ السَّاعَةُ الرَّابِعَةُ مِثْلَ الدَّجَاجَةِ،وَأَوَّلُهَا وَآخِرُهَا سَوَاءٌ، ثُمَّ مِثْلَ الْبُيْضَةِ، فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ طُوِيَتِ الصُّحُفُ، وَجَاءَ تِ الْمَلَائِكَةُ تَسْمَعُ الذِّكْرَ، ثُمَّ غُفِرَلَهُ إِذَا اسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ مَابَيْنَ الْجُمُعَيْنِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۵۵۶۵، کتاب الجمعة، باب عظم يوم الجمعة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے، پھر (جلدی) تم میں سے کوئی غسل کرتا ہے، جیسا کہ جنابت کا غسل کیا جاتا ہے (یعنی خوب اہتمام کے ساتھ میل کچیل دور کر کے غسل کرتا ہے) پھر وہ (صبح) سویرے پہلی ساعت میں (جمعہ کی نماز کے لیے) چل پڑتا ہے، تو اُس کو اونٹ کے برابر اجر وثواب ملتا ہے، اور پہلی ساعت کا اوّل وآخر برابر ہے (یعنی پہلی ساعت میں جتنے لوگ بھی آتے ہیں، اُن کو اونٹ کے برابر ثواب ملتا ہے، اگرچہ اُن کے ثوابوں میں فرق ہوتا ہے، مثلاً کسی کو اعلیٰ اونٹ کا، کسی کو درمیانے اونٹ کا، اور کسی کو ادنیٰ وکمزور اونٹ کا ثواب ملتا ہے)

پھر دوسری ساعت میں (جمعہ کی نماز کے لیے) جانے والے کو بیل (وگائے) کے برابر اجر وثواب ملتا ہے، اور دوسری ساعت کا اوّل وآخر برابر ہے (یعنی دوسری ساعت میں جتنے لوگ بھی آتے ہیں، اُن کو بیل کے برابر ثواب ملتا ہے، اگرچہ اُن کے ثوابوں میں فرق ہوتا ہے، مثلاً کسی کو اعلیٰ بیل کا، کسی کو درمیانے بیل کا، اور کسی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح على شرط الشيخين .سُمى :هو مولى أبى بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام المخزومى، وأبو صالح :هو ذكوان السمان(مسند احمد، تحت رقم الحديث ۷۲۲۵)

کوادنیٰ وکمزور بیل کا ثواب ملتا ہے)

پھر تیسری ساعت میں (جمعہ کی نماز کے لیے) جانے والے کو سینگوں والے (عمدہ) مینڈھے کے برابر اجروثواب ملتا ہے، اور تیسری ساعت کا اوّل وآخر برابر ہے (یعنی تیسری ساعت میں جتنے لوگ بھی آتے ہیں، اُن کو مینڈھے کے برابر ثواب ملتا ہے، اگرچہ اُن کے ثوابوں میں فرق ہوتا ہے، مثلاً کسی کو اعلیٰ مینڈھے کا، کسی کو درمیانے مینڈھے کا، اور کسی کو ادنیٰ وکمزور مینڈھے کا ثواب ملتا ہے)

پھر چوتھی ساعت میں (جمعہ کی نماز کے لیے) جانے والے کو مرغی کے برابر اجروثواب ملتا ہے، اور چوتھی ساعت کا اوّل وآخر برابر ہے (یعنی چوتھی ساعت میں جتنے لوگ بھی آتے ہیں، اُن کو مرغی کے برابر ثواب ملتا ہے، اگرچہ اُن کے ثوابوں میں فرق ہوتا ہے، مثلاً کسی کو اعلیٰ مرغی کا، کسی کو درمیانی مرغی کا، اور کسی کو ادنیٰ وکمزور مرغی کا ثواب ملتا ہے)

پھر پانچویں ساعت میں (جمعہ کی نماز کے لیے) جانے والے کو انڈے کے برابر اجروثواب ملتا ہے (اور پانچویں ساعت کے اوّل وآخر میں بھی وہی تفصیل ہے جو پیچھے گزری یعنی پانچویں ساعت میں جتنے لوگ بھی آتے ہیں، اُن کو انڈے کے برابر ثواب ملتا ہے، اگرچہ اُن کے ثوابوں میں فرق ہوتا ہے، مثلاً کسی کو اعلیٰ انڈے کا، کسی کو درمیانے انڈے کا، اور کسی کو ادنیٰ وکمزور انڈے کا ثواب ملتا ہے)

پھر جب امام (خطبہ دینے کے لیے منبر پر) بیٹھ جاتا ہے تو (اجروثواب لکھے جانے والے یہ) صحیفے بند کردیے جاتے ہیں، اور فرشتے آکر ذکر (یعنی خطبہ) سُننے لگتے ہیں، پھر ایسے شخص کے دو جمعوں کے درمیان (یعنی پورے ہفتے) کے اور تین دن مزید کے (یعنی کل ملا کر دس دن کے) گناہ معاف کردیے جاتے ہیں، بشرطیکہ وہ خطبہ کان لگا کر سُنے اور خاموش رہے (عبدالرزاق)

مذکورہ روایت کے شروع میں لفظِ ''غــدا'' استعمال ہوا ہے اور عربی میں ''غــدا'' کا لفظ صبح کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔

جس سے ظاہر ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لئے جلدی جانے کی فضیلت کا وقت صبح یعنی دن کے اول حصہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ، وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً، ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً، ثُمَّ كَبْشًا، ثُمَّ دَجَاجَةً، ثُمَّ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ، وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۹۲۹)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے، تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور پہلے اور اس کے بعد آنے والے کو لکھتے ہیں، اور جلدی آنے والا ایسا ہے، جیسا کہ اونٹ کی قربانی پیش کرے، پھر اس کے بعد والا ایسا ہے، جیسا کہ گائے کی قربانی پیش کرے، پھر اس کے بعد والا ایسا ہے، جیسا کہ مینڈھے کی قربانی پیش کرے، پھر اس کے بعد والا ایسا ہے، جیسا کہ مرغی کی قربانی پیش کرے، پھر اس کے بعد والا ایسا ہے، جیسا کہ انڈے کی قربانی پیش کرے، پھر جب امام نکل آتا ہے، تو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں، اور خطبہ کو سننے لگتے ہیں (بخاری)

مذکورہ روایت میں بابِ تفعیل سے ''اَلْــمُهَــجِّــرِ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور دوسری

---

[1] وفی هذه الرواية ذكر الغدو الى الجمعة.
والغدو يكون من اول النهار (فتح الباری لابن رجب، ج۸ ص ۱۰۱، ۱۰۲، كتاب الجمعة، باب فضل الجمعة)

روایات کے پیشِ نظر ''اَلْـمُهَـجِّـرِ'' سے مراد سویرے جانا ہے، کیونکہ بعض احادیث بعض کی تفسیر وتشریح کرتی ہیں۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُتَعَجِّلُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَالْمُهْدِىْ جَزُوْرًا، ثُمَّ الَّذِىْ يَلِيْهِ كَالْمُهْدِىْ بَقَرَةً، ثُمَّ الَّذِىْ يَلِيْهِ كَالْمُهْدِىْ شَاةً، فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ، طُوِيَتِ الصُّحُفُ، وَجَلَسُوْا يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ (سنن الدارمی، رقم الحديث ۱۵۸۴) [2]

---

[1] قال الأزهری: يـذهـب كثيـر مـن الناس إلی أن التهجير فی هذه الأحاديث من المهاجرة وقت الزوال، قال: وهـو غـلـط والـصـواب فيه ما روی أبو داود المصاحفی عن النضر بن شميل أنه قال: التهـجيـر إلى الجمعة وغيرها التبكير والمبادرة إلى كل شیء، قال: وسمعت الخليل يقول ذلک، قـاله فی تفسير هذا الحديث .يقال: هـجر يهجر تهجيرا، فهو مهجر، قال الأزهری: وهذا صحيح وهی لغة أهل الحجاز ومن جاورهم من قيس؛ قال لبيد:راح القطين بهجر بعد ما ابتكروا

فـقرن الهجر بالابتكار .والرواح عندهم: الذهاب والمضی .يقال: راح القوم أی خفوا ومروا أی وقت كان(لسان العرب لابن منظور، ج۵ص ۲۵۵، باب الهاء)

وقد ثبت فی "الصحيح "مرفوعًا" :مـن غَسَلَ واغتسَلَ، وغَدا وابْتكَرَ وذلک يدل على أن المراد بـالتهـجيـر أول النهار؛ لأن الغدو والتبكير إنما يكونان أول النهار؛ لا وقت الهاجرة، قال الخليل بن أحـمـد وغيره من أهل اللغة :التهجير :التبـكيـر(الـعـدة فی شرح العمدة فی أحاديث الأحكام،لابن العطار، ج۲،ص۶۸۸، كتاب الصلاة ،باب الجمعة،الحديث السادس)

قال القاضی:وقال الحربی عن ابی زيد، عن الفراء وغيره : التهجير السير فی الهاجرة.

والصحيح هنا ان التهجير التبكير. وسبق شرح تمام الحديث قريبا.اهـ.

وقـال الـقـرطبـی : الحق ان التهجير هنا من الهاجرة، وهو السير فی وقت الحر، وهو صالح لما قبل الزوال وبعده، فلا حجة فيه لمالک.

وقـال التـوربشتـی: جعل الوقت الذی يرتفع فيه النهار، ويأخذ الحر فی الازدياد من الهاجرة تغليبا، بخلاف ما بعد زوال الشمس ، فان الحر يأخذ فی الانحطاط، ومما يدل على استعمالهم التهجير فی اول الـنهـار مـا انشـد ابـن الاعـرابی فی نوادره لبعض العرب: يهجرون تهجير الفجر، كذا فی الفتح (فتـح الـمـلـهـم بشرح صحيح مسلم ، للشيخ شبير احمد العثمانی، ج۵ص۳۰۶، كتاب الجمعة ، بـاب فـضـل التهجير يوم الجمعة، مطبوعة: داراحياء التراث العربی، بيروت، لبنان، الطبعة الاولىٰ: 1426هـ ،2006ء)

[2] قال حسين سليم أسد الدارانی:إسناده صحيح(حاشية سنن الدارمی)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے لیے جلدی جانے والا (اجرو ثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) اونٹ پیش کیا، اور اس کے بعد جانے والا (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) گائے پیش کی، اور اس کے بعد جانے والا (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) بکری پیش کی، اور اس کے بعد جانے والا (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) مرغی پیش کی، پھر جب امام (خطبہ دینے کے لیے منبر پر) بیٹھ جاتا ہے تو (اجروثواب لکھے جانے والے یہ) صحیفے بند کردیے جاتے ہیں، اور فرشتے آ کر ذکر (یعنی خطبہ) سُننے لگتے ہیں (دارمی)

مذکورہ روایت میں:

"اَلْمُتَعَجِّلُ اِلَی الْجُمُعَةِ"

یعنی "جمعہ کے لیے جلدی جانے والا"

کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور دوسری روایات کے پیشِ نظر "اَلْمُتَعَجِّلُ" سے مراد سویرے جانا ہے، کیونکہ بعض احادیث بعض کی تفسیر وتشریح کرتی ہیں۔

اور "اَلْمُتَعَجِّلُ" کے الفاظ "بابِ تفعُّل" سے جلدی جانے میں تکلف واہتمام کو ثابت کرتے ہیں۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بُدْنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ

رَاحَ فِی السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ (صحيح البخارى، رقم الحديث ۸۸۱، كتاب الجمعة، باب فضل الجمعة، مسلم، رقم الحديث ۱۰ "۸۵۰"؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۳۵۱؛ ترمذى، رقم الحديث ۴۹۹؛ مسند احمد، رقم الحديث ۹۹۲۶) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن ایسا غسل کیا جیسے جنابت کی ناپاکی سے غسل کیا جاتا ہے (کہ وہ بہت اچھی طرح اہتمام سے کیا جاتا ہے) پھر وہ (صبح سویرے پہلی ساعت میں) جمعہ کی نماز کے لئے گیا تو وہ (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اُس نے ایک اونٹ (اللہ کے راستے میں) پیش کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا وہ (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) گائے پیش کی، اور جو تیسری ساعت میں گیا (وہ اجر وثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) سینگوں والا (اچھی نسل کا) مینڈھا پیش کیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا (وہ اجروثواب میں) ایسا

---

[1] ومن المعلوم أن اشتداد الحر يكون من ربع النهار غالبا، فمن راح إلى الجمعة فى هذا الوقت أى عند ارتفاع النهار يعنى فى أول الضحى وأول الهاجرة صدق عليه الألفاظ الواردة فى الأحاديث التى أشرنا إليها، وهى المتعجل والتبكير والغدو والرواح والتهجير (مرعاة المفاتيح، ج۴ص۴۶۵، كتاب الصلاة، باب التنظيف والتبكير، الفصل الاول)

تعجل/ تعجل بـ/ تعجل فى يتعجل، تعجلا، فهو متعجل، والمفعول متعجل

تعجل الشخص:

1- أعجله، استعجله؛ حثه على الإسراع "تعجل ولده ليلحق بالقطار."

2- استعجله؛ سبقه وتقدمه.

تعجل الحصاد: أخذه قبل أوان أخذه "إذا كنت ذا رأى فكن ذا تدبر ...فإن فساد الرأى أن تتعجلا."

تعجل بالأمر/ تعجل فى الأمر: أسرع فيه من غير تأن "تعجل فى المذاكرة- (فمن تعجل فى يومين فلا إثم عليه) ."(معجم اللغة العربية المعاصرة، لاحمد مختار عبد الحميد عمر، ج۲ص۱۴۶۱، حرف العين، مادة "ع ج ل"، رقم المادة ۳۳۲۰)

[2] قال شعيب الارنؤوط:

اسناده صحيح علىٰ شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) مرغی پیش کی اور جو پانچویں ساعت میں گیا وہ (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) ایک انڈا پیش کیا، پھر جب امام (خطبہ کے لئے) نکل آتا ہے تو (مسجد میں درجہ بدرجہ آنے والوں کے نام لکھنے والے) فرشتے (مسجد کے اندر) حاضر ہو جاتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں (اور اپنے صحیفے ورجسٹر بند کر دیتے ہیں) (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد)

مذکورہ روایت میں ''رَاحَ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور دوسری روایات کے پیشِ نظر اس سے جمعہ کے لیے جانا مراد ہے، خاص زوال کے وقت، یا زوال کے بعد جانا مراد نہیں، کیونکہ اس صورت میں دوسری روایات کی تردید لازم آتی ہے، بلکہ دوسری روایات کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں ''رواح'' سے، زوال سے پہلے چلنا مراد لیا جائے۔ [1]

یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں ''رَاحَ'' کے الفاظ ''صبح اور شام دونوں وقت مسجد کی طرف چلنے'' کے معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔ [2]

---

[1] قلت: هذه الأحاديث المذكورة ليس فيها ذكر للرواح، وإنما فيها الغدو أو التبكير، فكيف يصح قوله إن المراد بالرواح فيها الذهاب؟(كوثر المعانى الدرارى فى كشف خبايا صحيح البخارى، لمحمد الخضر الشنقيطى، ج١٠ ص٢٤، كتاب الجمعة، باب فضل الجمعة، الحديث السادس)

وقيل النكتة فى التعبير بالرواح الإشارة إلى أن الفعل المقصود إنما يكون بعد الزوال فيسمى الذاهب إلى الجمعة رائحا وان لم يجىء وقت الرواح كما سمى القاصد إلى مكة حاجا(فتح البارى لابنِ حجر، ج٢ص ٣٦٩، كتاب الجمعة ، قوله باب فضل الجمعة)

[2] چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من غدا إلى المسجد وراح، أعد الله له نزله من الجنة كلما غدا أو راح(بخارى،رقم الحديث ٦٦٢،كتاب الاذان، باب فضل من غدا إلى المسجد ومن راح)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صبح کو مسجد کی طرف چلا، اور شام کو چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر صبح اور شام (جب بھی وہ مسجد کی طرف جاتا ہے) جنت سے مہمان نوازی کا انتظام فرماتے ہیں (بخاری)

علی رضی اللہ عنہ کی روایت

عطاء خراسانی کی زوجہ اُمِ عثمان کے آزاد کردہ غلام سے مروی ہے کہ:

سَمِعْتُ عَلِيًّا، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى مِنبَرِ الْكُوْفَةِ يَقُوْلُ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، غَدَتِ الشَّيَاطِيْنُ بِرَايَاتِهَا إِلَى الْأَسْوَاقِ، فَيَرْمُوْنَ النَّاسَ بِالتَّرَابِيْثِ، أَوِ الرَّبَائِثِ، وَيُثَبِّطُوْنَهُمْ عَنِ الْجُمُعَةِ، وَتَغْدُو الْمَلَائِكَةُ فَيَجْلِسُوْنَ عَلَى أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ، فَيَكْتُبُوْنَ الرَّجُلَ مِنْ سَاعَةٍ، وَالرَّجُلَ مِنْ سَاعَتَيْنِ، حَتّٰى يَخْرُجَ الْإِمَامُ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ١٠٥١، كتاب الصلاة، ابواب الجمعة، باب فضل الجمعة)

ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جمعہ کے دن سویرے سے ہی شیاطین اپنے جھنڈے لے کر (جو اُن کے لشکر کی علامت ہوتی ہے) بازاروں میں چلے جاتے ہیں اور لوگوں کو ان کے (مختلف) کام کاج یاد دلا کر اپنے جال میں پھنساتے ہیں اور انہیں (نمازِ) جمعہ سے روکتے (اور دیر کراتے) ہیں اور (دوسری طرف) فرشتے صبح سویرے ہی مساجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور (مسجد کی طرف) پہلی اور دوسری ساعت میں آنے والے لوگوں کے نام (اپنے صحیفوں میں ان کی آمد کی ترتیب کے لحاظ سے ملنے والا ثواب) لکھ لیتے ہیں (اور یہ ثواب لکھنے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے) یہاں تک کہ امام (خطبے کے لئے منبر کی طرف) نکل جاتا ہے (ابوداؤد)

مذکور روایت میں:

”غَدَتِ الشَّيَاطِيْنُ “

” وَتَغْدُو الْمَلَائِكَةُ“

کے الفاظ وارِد ہوئے ہیں، جو صبح کے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں، اور اس سے فضیلت کا وقت

صبح شروع ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ [1]

اگرچہ بعض اہلِ علم حضرات نے اس روایت پر عطاء خراسانی کی زوجہ امِ عثمان کے آزاد کردہ غلام کے مبہم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے۔ [2]

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ روایات میں جو صحیفے بند کرنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد وہ صحیفے ہیں، جن میں جمعہ کی طرف جلدی جانے والوں سے متعلق فضائل کو درج کیا جاتا ہے، ورنہ ان کے علاوہ خطبہ کو سننے اور جمعہ کی نماز کو پانے اور ذکر ودعاء وغیرہ میں مشغول ہونے کے فضائل کو دوسرے فرشتے اس کے نامۂ اعمال میں درج کرتے ہیں۔ [3]

مذکورہ روایات میں جمعہ کے لیے جلدی جانے کے لیے عربی میں ''بکّر'' اور ''ابتکر'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جس کو عربی میں ''بکرۃ'' بھی کہا جاتا ہے، اور اس کا اسم ''ابکار'' ہے، جس سے مراد ''صبح کا وقت'' ہے، اس معنیٰ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں ''غدا'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ [4]

---

[1] ولأبی داود من حديث علی مرفوعا إذا كان يوم الجمعة غدت الشياطين براياتها إلى الأسواق وتغدو الملائكة فتجلس على باب المسجد فتكتب الرجل من ساعة والرجل من ساعتين الحديث فدل مجموع هذه الأحاديث على أن المراد بالرواح الذهاب وقيل النكتة فی التعبير بالرواح الإشارة إلى أن الفعل المقصود إنما يكون بعد الزوال فيسمى الذاهب إلى الجمعة رائحا وان لم يجیء وقت الرواح كما سمى القاصد إلى مكة حاجا(فتح الباری لابنِ حجر، ج۲ ص ۳۶۹، كتاب الجمعة ، قوله باب فضل الجمعة)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده ضعيف لإبهام مولى امرأة عطاء الخراسانی – وعطاء: هو ابن أبی مسلم، وعيسى: هو ابن يونس بن أبی إسحاق السبيعی(حاشية سنن ابی داوٗد)

[3] والمراد بطی الصحف طی صحف الفضائل المتعلقة بالمبادرة إلى الجمعة دون غيرها من سماع الخطبة وإدراک الصلاة والذكر والدعاء والخشوع ونحو ذلک فإنه يكتبه الحافظان قطعا(فتح الباری لابنِ حجر، ج۲ ص۳۶۷،۳۶۸، قوله باب فضل الجمعة)

[4] البكرة، بالضم: الغدوة، كالبكرة، محركة، واسمها: الإبكار(القاموس المحيط للفيروز آبادی، ص۳۵۳، باب الراء، فصل الباء)

والبكر: جمع البكرة وهی الغداة .والتبكير والبكور والابتكار: المضی فی ذلک الوقت. والإبكار: السيرورة فيه .والإبكار: مصدر للبكرة، كالإصباح للصبح(كتاب العين للخليل بن احمد، ج۵ ص۳۶۵، باب الكاف والراء والباء معهما) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ روایات کی قرآنی آیات واحادیث سے تائید

قرآن مجید کی کئی آیات میں اور اسی طرح احادیث میں یہ الفاظ صبح کے معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔

چنانچہ سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (سورة آل عمران، رقم الآية ۴۱)

ترجمہ: اور تسبیح کیجیے شام کو، صبح کو (سورہ آلِ عمران)

اس آیت میں ''ابکار'' کا لفظ، شام کے مقابلے میں ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اور ''ابکار'' مصدر ہے، جو ''ابکر الرجل'' سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت بولا جاتا ہے، جب کوئی اپنا کام سورج طلوع ہونے سے شروع کرے۔

اور مجاہد سے ''ابکار'' کی تفسیر ''ابتدائے فجر'' سے مروی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإبكار والابتكار والتبكير والبكور فی أنه كله العمل بكرة ولا يتغير الوقت بتغيير هاذه(تاج العروس للزبيدى، ج۵ص ۵۷۲، فصل الدال المهملة)

بكر: البكرة: الغدوة .قال سيبويه: من العرب من يقول أتيتک بكرة؛ نكرة منون، وهو يريد فی يومه أو غده .وفی التنزيل العزيز: ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا

.التهذيب: والبكرة من الغد، ويجمع بكرا وأبكارا، وقوله تعالى: ولقد صبحهم بكرة عذاب مستقر

؛ بكرة وغدوة إذا كانتا نكرتين نونتا وصرفتا، وإذا أرادوا بهما بكرة يومک وغداة يومک لم تصرفهما، فبكرة هاهنا نكرة .والبكور والتبكير: الخروج فی ذلک الوقت .والإبكار: الدخول فی ذلک الوقت .الجوهرى: وسير على فرسک بكرة وبكرا كما تقول سحرا .والبكر: البكرة. وقال سيبويه: لا يستعمل إلا ظرفا .والإبكار: اسم البكرة كالإصباح، هذا قول أهل اللغة، وعندى أنه مصدر أبكر .وبكر على الشیء وإليه يبكر بكورا وبكر تبكيرا وابتكر وأبكر وباكره: أتاه بكرة، كله بمعنی(لسان العرب لابنِ منظور، ج۴ص ۷۶، فصل الباء الموحدة، مادة "بكر")

[1] و العشی فی اللغة من زوال الشمس إلى مغيبها ومنه قول القاسم بن محمد :ما أدركت الناس إلا وهم يصلون الظهر بعشی، و العشی من حين يفیء الفیء ، ومنه قول حميد بن ثور:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحٰى إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (سورة مريم، رقم الآية ١١)

ترجمہ: پھر نکلے وہ (یعنی زکریا) اپنی قوم پر، محراب سے، پھر اشارہ کیا انہوں نے، ان (لوگوں) کی طرف کہ تسبیح کرو تم صبح اور شام (سورہ مریم)

اس آیت میں ''بکرۃ'' کا لفظ، شام کے مقابلے میں ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ مفسرین نے اس کی تفسیر ''دن کے اول حصہ'' اور ''غدوۃ'' یعنی صبح سے کی ہے۔ [1]

اور سورہ مریم میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (سورة مريم، رقم الآية ٦٢)

ترجمہ: اور ان کے لیے ان کا رزق ہے، اس (جنت) میں صبح اور شام (سورہ مریم)

اس آیت میں بھی ''بکرۃ'' کا لفظ، شام کے مقابلے میں ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلا الظل من برد الضحى تستطيعه ...ولا الفيء من برد العشيّ تذوق

و العشى اسم مفرد عند بعضهم، وجمع عشية عند بعضهم كسفينة وسفين والْإِبْكارِ مصدر أبكر الرجل إذا بادر أمره من لدن طلوع الشمس، وتتمادى البكرة شيئا بعد طلوع الشمس يقال أبكر الرجل وبكر فمن الأول قول ابن أبى ربيعة :(الطويل) أمن آل نعمى أنت غاد فمبكر ومن الثانى قول جرير :(الطويل)

ألا بكرت سلمى فجدّ بكورها ...وشقّ العصا بعد اجتماع أميرها

وقال مجاهد فى تفسير الْإِبْكارِ :أول الفجر، والعشى ميل الشمس حتى تغيب(تفسير ابن عطية الأندلسى، ج ١، ص ٤٣٢، ٤٣٣، سورة آل عمران)

[1] (فخرج على قومه من المحراب) أى المسجد وكانوا ينتظرون فتحه ليصلوا فيه بأمره على العادة (فأوحى) أشار (إليهم أن سبحوا) صلوا (بكرة وعشيا) أوائل النهار وأواخره(تفسير الجلالين، ص ٣٩٧، تحت رقم الآية ١١ من سورة مريم)

يعنى :صلوا لله تعالى بكرة وعشيا، يعنى :غدوة وعشيا(بحر العلوم، للسمرقندى، ج ٢، ص ٣٧٠، سورة مريم)

اور سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا (سورة الفرقان، رقم الآية ۵)

ترجمہ: پس وہ پڑھی جاتی ہیں، اس پر صبح اور شام (سورہ فرقان)

اس آیت میں بھی ''بکرۃ'' کا لفظ، شام کے مقابلے میں ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

مفسرین نے اس موقع پر بھی ''بکرۃ'' کی تفسیر ''غدوۃ''، یعنی صبح سے کی ہے۔ [1]

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا (سورة الأحزاب، رقم الآية ۴۲)

ترجمہ: اور تسبیح بیان کرو تم اُس کی، صبح اور شام (سورہ احزاب)

اس آیت میں بھی ''بکرۃ'' کا لفظ، شام کے مقابلے میں ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

مفسرین نے اس موقع پر بھی ''بکرۃ'' کی تفسیر ''دن کی ابتداء'' اور ''صبح کے وقت'' سے کی ہے، جیسا کہ سورہ روم میں صاف طور پر ''حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ [2]

سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا (سورة الفتح، رقم الآية ۹)

ترجمہ: اور تسبیح بیان کرو تم اُس (اللہ) کی، صبح اور شام (سورہ فتح)

اس آیت میں بھی ''بکرۃ'' کا لفظ، شام کے مقابلے میں ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

---

[1] (فهی تملی) تقرأ (عليه) ليحفظها (بكرة وأصيلا) غدوة وعشيا (تفسير الجلالين، ص ۴۷۰، تحت رقم الآية ۵ من سورة الفرقان)

[2] (وسبحوه بكرة وأصيلا) أول النهار وآخره (تفسير الجلالين، ص ۵۵۶، تحت رقم الآية ۴۲ من سورة الأحزاب)

وقوله تعالى: وسبحوه بكرة وأصيلا أى عند الصباح والمساء، كقوله عز وجل فسبحان الله حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد فى السماوات والأرض وعشيا وحين تظهرون (تفسير ابن كثير، ج ۶، ص ۳۸۶، سورة الأحزاب)

اور مفسرین نے اس موقع پر بھی ''بکرۃ'' کی تفسیر ''صبح کے وقت'' سے کی ہے۔ [1]

اور سورہ قمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ (سورة القمر، رقم الآية ۳۸)

ترجمہ: اور یقیناً بلاشبہ آ گیا ان پر صبح کے وقت نہ ٹلنے والا عذاب (سورہ قمر)

مذکورہ آیت میں ''بکرۃ'' کا لفظ ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

اور مفسرین نے یہاں بھی ''بکرۃ'' کی تفسیر ''صبح کے وقت'' اور ''دن کے اول حصہ'' سے کی ہے۔ [2]

سورہ انسان یعنی ''سورۃ الدھر'' میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا (سورة الإنسان، رقم الآية ۲۵)

ترجمہ: اور ذکر کیجیے اپنے رب کے نام کا، صبح اور شام (سورہ انسان)

اس آیت میں بھی ''بکرۃ'' کا لفظ، شام کے مقابلے میں ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

مفسرین نے یہاں بھی ''بکرۃ'' کی تفسیر ''دن کے ابتدائی حصہ'' سے کی ہے۔ [3]

---

[1] (ويوقروه) يعظموا وضميرها لله أو لرسوله (ويسبحوه) أى لله (بكرة وأصيلا) بالغداة والعشى(تفسير الجلالين، ص ۶۷۹، تحت رقم الآية ۹ من سورة الفتح)

[2] ولقد صبحهم بكرة أى جاء هم وقت الصبح عذاب مستقر يعنى دائم استقر فيهم حتى أفضى بهم إلى عذاب الآخرة(لباب التأويل فى معانى التنزيل، المعروف بالخازن، ج۴، ص ۲۲۱، سورة القمر)

(ولقد صبحهم بكرة) وقرىء بكرة غير مصروفة على أن المراد بها أول نهار مخصوصة(تفسير أبى السعود، ج۸، ص ۱۷۳، سورة القمر)

ولقد صبحهم اى جاء هم وقت الصبح بكرة أول النهار(التفسير المظهرى، ج۹، ص ۱۴۱، سورة القمر)

ولقد صبحهم بكرة :أى أول النهار وباكره، لقوله :مشرقين ومصبحين(البحر المحيط فى التفسير، لابن حيان الأندلسى، ج۱۰، ص ۴۶، سورة القمر)

[3] واذكر اسم ربک بكرة وأصيلا أى أول النهار وآخره(تفسير ابنِ كثير، ج۸ ص ۳۰۰، سورة الانسان)

اور جس طرح قرآن مجید میں ''بکرۃ'' یا ''ابکار'' شام کے مقابلے میں ''صبح یا دن کے اول حصے'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں ''غدو'' کا لفظ بھی شام کے مقابلے میں ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (سورة الأعراف، رقم الآية ٢٠٥)

ترجمہ: اور ذکر کیجیے اپنے رب کا، اپنے نفس میں، تضرع اور خوف کے ساتھ، اور درمیانی آواز میں، صبح اور شام (سورہ اعراف)

اس آیت میں ''غدو'' کا لفظ ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اور ''غدو'' دراصل ''غدا یغدو غدوا'' کا ''مصدر'' ہے، جس کے معنیٰ ''دن کے اول حصے میں داخل ہونے'' کے آتے ہیں۔ [1]

سورہ رعد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (سورة الرعد، رقم الآية ١٥)

ترجمہ: اور اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتی ہیں، وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، خوشی سے، اور ناخوشی سے، اور ان کے سائے بھی، صبح اور شام (سورہ رعد)

اس آیت میں بھی ''غدو'' کا لفظ ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

---

[1] بالغدو ای باوقات الغدو وهو مصدر غدا يغدو غدوا إذا دخل فى وقت البكرة يعنى أول النهار فى القاموس الغدوة بالضم البكرة او ما بين صلوة الفجر وطلوع الشمس والآصال جمع اصيل وهو العشى يعنى اخر النهار (التفسير المظهرى، ج٣، ص ٤٥٥، سورة الأعراف)

اور سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (سورة النور، رقم الآية ٣٦)

ترجمہ: تسبیح کرتی ہیں، اُس (اللہ) کے لیے، ان (گھروں) میں صبح اور شام (سورہ نور)

اس آیت میں بھی ''غدو'' کا لفظ ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

مفسرین نے ان مواقع پر بھی ''غدو'' کی تفسیر ''صبح کے وقت'' اور بعض نے ''فجر کی نماز'' سے کی ہے۔ [1]

اور سورہ غافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (سورة غافر، رقم الآية ٤٦)

ترجمہ: آگ پر پیش کیا جاتا ہے، ان (آلِ فرعون) کو صبح اور شام (سورہ غافر)

اس آیت میں بھی ''غدو'' کا لفظ ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ [2]

اس کے علاوہ احادیث میں ''بکور'' کا لفظ ''دن کے شروع'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا، قَالَ: وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً، أَوْ جَيْشًا، بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ، وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا، وَكَانَ إِذَا بَعَثَ تِجَارَةً بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ،

---

[1] وقوله :(بالغدو والآصال) أى :بالبكر والعشايا .قال الشاعر:

(وقفت فيها أصيلا لا أسائلها ...أعيت جوابا وما بالربع من أحد)

وإنما خص البكرة والعصر؛ لأن صلاة الغداة وصلاة العصر أول ما فرض على المسلمين، وعن ابن عباس -رضى الله عنهما -أنه قال :صلاة الضحى فى القرآن ولا يغوص عليها الأغواص، ثم قرأ هذه الآية وهو قوله :((بالغدو والآصال) وزعم أن المراد بالتسبيح بالغدو وهو صلاة الضحى، والمعروف ما بينا، وهو أن المراد منه صلاة الصبح وصلاة العصر)(تفسير القرآن،للسمعانى، ج٣،ص ٥٣٤،سورة النور)

[2] قوله تعالى :النار يعرضون عليها غدوا وعشيا يعنى صباحا ومساء(لباب التأويل فى معانى التنزيل، المعروف بالخازن، ج٤،ص ٧٥،سورة غافر)

فَأَثْرٰی وَكَثُرَ مَالُهُ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۱۲۱۲، ابواب البیوع، باب ما جاء فی التبکیر بالتجارة،سنن أبی داود، رقم الحدیث ۲۶۰۶،باب فی الابتکار فی السفر) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی کہ اے اللہ! میری امت کے لئے اُن کی صبح میں برکت عطا فرمایئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ کرتے تو انہیں صبح بھیجتے، اور حضرت صخر ایک تاجر آدمی تھے، اور وہ بھی جب تجارت کا سامان بھیجتے تو شروع دن میں ہی بھیجا کرتے تھے، پس وہ امیر ہو گئے اور ان کے پاس مال کی کثرت ہو گئی (ترمذی)

مذکورہ حدیث میں ''بکور'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور ساتھ ہی اس کی توضیح ''اول نہار'' یعنی دن کے ابتدائی حصہ سے کی گئی ہے۔

اور کئی احادیث میں ''غدو'' یا ''غدوۃ'' وغیرہ کے الفاظ ''صبح'' کے معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔ [2]

---

[1] قال الترمذی: وفی الباب عن علی، وابن مسعود، وبریدة، وأنس، وابن عمر، وابن عباس، وجابر :.حدیث صخر الغامدی حدیث حسن، ولا نعرف لصخر الغامدی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر هذا الحدیث، وقد روی سفیان الثوری، عن شعبة، عن یعلی بن عطاء هذا الحدیث.
وقال شعیب الارنؤوط:صحیح لغیرہ(حاشیة سنن ابی داؤد)

[2] عن أنس رضی اللہ عنه، قال :کان النبی صلی اللہ علیه وسلم لا یطرق أهله، کان لا یدخل إلا غدوة أو عشیة(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۸۰۰)
أنس بن مالک، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم :لروحة فی سبیل اللہ، أو غدوة، خیر من الدنیا وما فیها(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۲۷۹۶)
عن ابن عمر رضی اللہ عنهما، قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم " :إذا مات أحدکم عرض علیه مقعده، غدوة وعشیا، إما النار وإما الجنة، فیقال :هذا مقعدک حتی تبعث إلیه(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۶۵۱۵)
عن ابن عمر رضی اللہ عنهما، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال " :مثلکم ومثل أهل الکتابین، کمثل رجل استأجر أجراء ، فقال :من یعمل لی من غدوة إلی نصف النهار علی قیراط؟ فعملت الیهود، ثم قال :من یعمل لی من نصف النهار إلی صلاة العصر علی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس قسم کی احادیث وروایات سے بھی جمعہ کے لیے جلدی جانے کی مخصوص فضیلت سے متعلق احادیث میں مذکورہ ''غدا'' اور ''بکر'' وغیرہ کی اس تشریح کی تائید ہوتی ہے، جس کو جمہور فقہاء وعلماء نے اختیار فرمایا ہے۔

مذکورہ روایات کی مزید احادیث سے تائید

جمہور فقہائے کرام کے اس قول کی تائید کہ جمعہ کے لیے آنے والوں کے لیے مذکورہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قيراط؟ فعملت النصارى، ثم قال :من يعمل لى من العصر إلى أن تغيب الشمس على قيراطين؟ فأنتم هم "، فغضبت اليهود، والنصارى، فقالوا :ما لنا أكثر عملا، وأقل عطاء؟ قال :هل نقصتكم من حقكم؟ قالوا :لا، قال :فذلك، فضلى أوتيه من أشاء (صحيح البخارى، رقم الحديث ٢٢٦٨)

عن عبد الله بن عمر، قال: لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم الطائف، فلم ينل منهم شيئا، قال: إنا قافلون إن شاء الله .فثقل عليهم، وقالوا: نذهب ولا نفتحه، وقال مرة: نقفل .فقال: اغدوا على القتال(بخارى، رقم الحديث ٤٣٢٥)

(قال: اغدوا على القتال) أى: فى الصباح قاتلوا هؤلاء(شرح صحيح مسلم ، لحسن ابوالاشبال، "دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية"كتاب الجهاد والسير، باب غزوة الطائف، شرح حديث عبد الله بن عمرو فى حصار الطائف)

عن عبد الله بن الزبير قال: من سنة الحج أن يصلى الإمام الظهر والعصر والمغرب والعشاء الآخرة والصبح بمنى، ثم يغدو إلى عرفة فيقيل حيث قضى له حتى إذا زالت الشمس خطب الناس، ثم صلى الظهر والعصر جميعا، ثم وقف بعرفات حتى تغيب الشمس، ثم يفيض فيصلى بالمزدلفة أو حيث قضى الله، ثم يقف بجمع حتى إذا أسفر دفع قبل طلوع الشمس، فإذا رمى الجمرة الكبرى حل له كل شىء حرم عليه إلا النساء والطيب حتى يزور البيت (صحيح ابن حزيمة، رقم الحديث ٢٨٠٠،كتاب المناسک، باب وقت الغدو من منى إلى عرفة، مستدرک حاكم، رقم الحديث ١٦٩٥)

قال الحاكم: هذا حديث على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.

وقال الاعظمى :اسناده صحيح (تعليق ابنِ خزيمة)

(حدثنا أحمد بن حنبل، نا يعقوب) بن إبراهيم بن سعد، (نا أبى) إبراهيم بن سعد، (عن ابن إسحاق، حدثنى نافع، عن ابن عمر قال :غدا) الغدو :سير أول النهار، نقيض الرواح، وهو ما بين صلاة الغداة وطلوع الشمس (رسول الله -صلى الله عليه وسلم -من منى) أى إلى عرفات (حين صلى الصبح صبيحة يوم عرفة) أى لتاسع ذى الحجة(بذل المجهود فى حل سنن أبى داود، ج٧،ص ٣٧٠، كتاب المناسک،باب الخروج أى من منى إلى عرفة)

مخصوص فضیلت، صبح سویرے پر شروع ہو جاتی ہے، اُن احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں نمازِ جمعہ کے لیے امام کے خروج سے پہلے جانے والوں کے لیے مذکورہ مخصوص فضیلت کے علاوہ دوسری فضیلت کا ذکر آیا ہے، لیکن اُن میں سویرے جانے کا ذکر نہیں آیا۔

چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيْبٍ، ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ، فَصَلّٰى مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى (صحيح البخاری، رقم الحديث ۹۱۰، كتاب الجمعة، باب: لا يفرق بين اثنين يوم الجمعة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور اپنی طہارت کی استطاعت کے مطابق پاکی حاصل کی، پھر تیل لگایا، یا خوشبو لگائی، پھر وہ (جمعہ کے لیے) چلا، پھر اس نے دو آدمیوں کے درمیان تفریق پیدا نہیں کی، پھر اس نے اپنے حسبِ مقدر (نفل) نماز پڑھی، پھر جب امام (خطبہ کے لیے) نکلا، تو اس نے خاموشی اختیار کی، تو اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے (بخاری)

اس طرح کی حدیث حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے، جس میں مسجد آ کر نماز پڑھنے اور کسی کو ایذاء نہ پہنچانے اور پھر امام کے نکلنے کے بعد نماز پڑھنے تک خاموش رہنے پر مذکورہ فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] عن أبی أيوب الأنصاری، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " من اغتسل يوم الجمعة، ومس من طيب إن كان عنده، ولبس من أحسن ثيابه، ثم خرج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاسْتَنَّ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ، إِنْ كَانَ عِنْدَهُ وَلَبِسَ أَحْسَنَ ثِيَابِهٖ، ثُمَّ جَاءَ إِلَى الْمَسْجِدِ، وَلَمْ يَتَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ، ثُمَّ رَكَعَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّرْكَعَ، ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتّٰى يُصَلِّيَ كَانَتْ لَهُ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِيْ كَانَتْ قَبْلَهَا يَقُوْلُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: وَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ زِيَادَةٌ، إِنَّ اللّٰهَ قَدْ جَعَلَ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا (مستدرک حاکم، رقم الحديث ١٠٤٦، كتاب الجمعة) [1]

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور مسواک کی، اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو اس کو لگایا، اور اپنے پاس موجود اچھا لباس پہنا، پھر مسجد کی طرف آیا، اور لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے نہیں پھلاندا، پھر جتنی اللہ نے چاہی، اس نے نماز پڑھی، پھر (امام کے خطبہ کے لئے) نکل کر نماز پڑھنے تک خاموش رہا، تو اس کے اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، حضرت ابو ہریرہ نے یہ بھی فرمایا کہ مزید تین دن کا بھی کفارہ ہو جائے گا، کیونکہ اللہ نے نیکی کا ثواب دس درجہ اضافی مقرر فرما دیا ہے (حاکم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حتى يأتي المسجد فيركع إن بدا له، ولم يؤذ أحدا، ثم أنصت إذا خرج إمامه حتى يصلي، كانت كفارة لما بينها وبين الجمعة الأخرى "(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٣٥٧١)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل ابن إسحاق وعمران بن أبي يحيى، وهذا الأخير من رجال "التعجيل "(815) ، وباقي رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين .يعقوب: هو ابن إبراهيم بن سعد بن إبراهيم الزهري(حاشية مسند احمد)

[1] قال الحاكم: إسماعيل ابن علية من الثقات الذي أجمعا على إخراجه.

اس حدیث کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث میں نمازِ جمعہ کی غرض سے جانے والے کے لیے ''رَاحَ '' کا لفظ استعمال ہوا، ساتھ ہی ''دو افراد کے درمیان تفریق نہ پیدا کرنے'' اور کسی کو ایذاء نہ پہنچانے اور کسی کی گردنیں نہ پھلاندنے کا ذکر کیا گیا، اور امام کے نکلنے سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا، پھر امام کے نکلنے کے وقت خاموش رہنے کا ذکر کیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ فضیلت، امام کے نکلنے سے پہلے جانے والے کے لیے ہے، اور آگے آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، زوال ہوتے ہی نکلا کرتے تھے، اور دو آدمیوں کے درمیان تفریق نہ کرنے اور کسی کو ایذاء نہ پہنچانے اور گردن نہ پھلاندنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس سے پہلے بھی مسجد میں لوگ موجود ہو سکتے ہیں، اور یہ لوگ وہی ہوں گے، جنہوں نے زوال سے پہلے ''تبکیر ''یعنی مسجد میں سویرے پہنچنے پر عمل کیا ہو۔

لہٰذا ان احادیث کا تقاضا یہ ہوا کہ پیچھے احادیث وروایات میں جو ''تبکیر ''اور ''غدوۃ'' کی صورت میں مخصوص فضیلت ذکر کی گئی، اس کا سلسلہ مذکورہ لوگوں سے پہلے دن کے ابتدائی حصہ میں سویرے آنے والوں سے شروع ہو جاتا ہے۔ [2]

---

[1] عن أبی سعید الخدری، وأبی هريرة، قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اغتسل يوم الجمعة ولبس من أحسن ثيابه، ومس من طيب إن كان عنده، ثم أتى الجمعة فلم يتخط أعناق الناس، ثم صلى ما كتب الله له، ثم أنصت إذا خرج إمامه حتى يفرغ من صلاته كانت كفارة لما بينها وبين جمعته التي قبلها قال: ويقول أبو هريرة: وزيادة ثلاثة أيام – ويقول: إن الحسنة بعشر أمثالها (سنن أبی داود، رقم الحديث ٣٤٣)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن من أجل محمَّد بن إسحاق، وقد صرح بالتحديث عند أحمد، فانتفت شبهة تدليسه، وباقي رجاله ثقات(حاشية سنن ابی داوٗد)

[2] قوله " :ثم أنصت "أى :سكت.قوله " :إذا خرج إمامه "أى :إذا خرج للخطبة(شرح سنن أبی داود،لبدر الدين العينی،ج٢،ص ١٦٢، كتاب الطهارة ،باب :الغسل يوم الجمعة)

واستدل به على أن التبكير ليس من ابتداء الزوال لأن خروج الإمام يعقب الزوال فلا يسع وقتا يتنفل فيه وتبين بمجموع ما ذكرنا أن تكفير الذنوب من الجمعة إلى الجمعة مشروط بوجود جميع ما تقدم من غسل وتنظف وتطيب أو دهن ولبس أحسن الثياب والمشی بالسكينة وترک التخطی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاہم جمعہ کی نماز کا خطبہ دینے والے امام کے لیے خطبہ دینے کے وقت نکلنا ہی مستحب ہے، اس سے پہلے مستحب نہیں، لیکن یہ استحباب جمعہ کے خطبہ کے لیے ہے، اگر امام عربی خطبہ سے قبل، زوال سے پہلے مقامی زبان میں وعظ وتقریر کے لیے نکلے، پھر زوال کے بعد جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے منبر پر بیٹھے، جس کے بعد اس کے سامنے جمعہ کی اذان دی جائے، تو حرج نہیں۔[1]

خلاصہ یہ کہ کئی احادیث وروایات میں نمازِ جمعہ کے لیے جلدی اور سویرے آنے اور پہلی ساعت میں آنے والوں کی جو مخصوص فضیلت ذکر کی گئی ہے، احادیث وروایات کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس سے دن کا شروع حصہ اور صبح کا وقت مراد ہے، قرآن مجید کی کئی آیات اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس لیے اس سلسلہ میں جمہور علماء وفقہاء کا قول ہی راجح ہے، جس کو مرجوح قرار دینے اور اس کے مقابلے میں مالکیہ کے قول کو راجح قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

واللہ تعالٰی أعلم.

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والتفرقة بين الاثنين وترك الأذى والتنفل والإنصات وترك اللغو (فتح البارى شرح صحيح البخارى، لابن حجر العسقلانى، ج۲، ص ۳۷۲، كتاب الجمعة، قوله باب الدهن للجمعة)

قوله: (كانت كفارة لما بينهما) يعنى: كفارة له ما بين الجمعتين. هذه خمسة أمور: الاغتسال، والطيب، ولبس صالح الثياب، والإنصات وعدم اللغو فى حال الخطبة (شرح سنن أبى داود، لعبد المحسن العباد "دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية" رقم الدرس ۵۳، ص ۲۰، كتاب الطهار، باب الغسل يوم الجمعة، شرح حديث: "من اغتسل يوم الجمعة ومس من طيب امرأته")

[1] تنبيه: السنة فى التبكير إنما هى لغير الإمام، أما الإمام فيندب له التأخير إلى وقت الخطبة لاتباعه -صلى الله عليه وسلم- وخلفائه. قاله الماوردى، ونقله فى المجموع، وأقره. والله أعلم (إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، للقسطلانى، ج۲، ص ۱۶۱، كتاب الجمعة، باب فضل الجمعة)

(و) يسن (التبكير إليها) لغير الإمام وغير ذى عذر يشق عليه البكور ليأخذوا مجالسهم وينتظروا الصلاة (مغنى المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج، ج۴، ص ۲۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(فصل نمبر 2)

زوال کے بعد جلدی جمعہ ادا کرنا

مختلف احادیث وروایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد جلد، بلکہ زوال ہوتے ہی جمعہ کی نماز ادا فرمالیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ (بخاری، رقم الحديث ۹۰۴، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس)

ترجمہ: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز سورج ڈھل جانے کے وقت (یعنی زوال ہوجانے کے بعد جلدی) پڑھتے تھے (بخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يُصَلِّيْ بِنَا الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۵۱۵) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جمعہ کی نماز اُس وقت پڑھاتے تھے جب سورج ڈھل جاتا (یعنی زوال ہوجاتا) تھا (مسند احمد)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَةَ ثُمَّ نَنْصَرِفُ، وَلَيْسَ لِلْحِيْطَانِ ظِلٌّ نَسْتَظِلُّ فِيْهِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ۴۱۶۸، كتاب المغازی، باب غزوة الحديبية)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده حسن من أجل فليح بن سليمان (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے، پھر ہم لوٹ کر آتے تھے، اور دیواروں کا کوئی سایہ نہیں ہوتا تھا، جس سے ہم سایہ حاصل کرتے (بخاری)

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كُنَّا نُجَمِّعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ نَرْجِعُ نَتَتَبَّعُ الْفَيْءَ (مسلم، رقم الحديث ٨٦٠" ٣١"كتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس)

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے، جب سورج کا زوال ہو جاتا تھا، پھر ہم لوٹ کر آتے تھے، سایہ تلاش کرتے تھے (مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نُبَكِّرُ إِلَى الْجُمُعَةِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَتَغَدَّى وَنَقِيلُ (سنن الدارقطني، رقم الحديث ١٦٢٩، كتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة قبل نصف النهار)

ترجمہ: ہم سویرے جمعہ کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے جایا کرتے تھے، پھر ہم لوٹ کر صبح کا ناشتہ اور قیلولہ کیا کرتے تھے (دارقطنی)

عرب میں صبح اور شام صرف دو وقت کھانے کا معمول تھا، اس لیے شام کے کھانے کے مقابلے میں دن کے اول حصے، یا اس کے کچھ بعد کھانے کو ناشتے سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اس طرح کی اور احادیث وروایات بھی ہیں، جن کو ہم نے اپنی کتاب ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' میں نقل کر دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز، سورج کے زوال کے بعد جلدی پڑھا کرتے تھے اور صحابۂ کرام صبح سے ہی جمعہ کی تیاری میں مشغول ہو جاتے اور جمعہ کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جلدی ادا کر لیا کرتے تھے، اور صبح کے کھانے اور دوپہر کو آرام

کرنے کا عمل جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر ہی انجام دیا کرتے تھے۔

جبکہ زوال کے بعد، خطبہ شروع ہونے پر، مخصوص ثواب لکھنے والے فرشتوں کے صحیفے بند ہونے کا، اور خطبہ سننے میں مشغول ہونے کا وقت ہے، نہ کہ پہلی ساعت کا۔[1]

لہٰذا زوال کے بعد پہلی ساعت شروع ہونے کا قول راجح نہیں، اور اس کے مقابلہ میں دن کے شروع سے اس کا آغاز ہونے کا قول راجح ہے، جو کہ حنفیہ اور جمہور کا قول ہے۔[2]

بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول، جمعہ کی نماز زوال کے بعد جلد ادا کرنے کا تھا، لیکن موجودہ زمانے میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی میں غیر معمولی تاخیر سے کام لیا جانے لگا، جس کی وجہ سے صبح سویرے نمازِ جمعہ کے لیے آنے والوں کے شوق وجذبہ میں بھی کمی آنا شروع ہوگئی، اور اس کے نتیجہ میں غیر جمہور کے ضعیف قول پر فتوے کی طرف رجحان پیدا ہوا۔

حالانکہ صحیح تفقہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اصل سنت پر عمل کی طرف رغبت وتوجہ دلائی جائے، اور احادیث وروایات کی روشنی میں صحیح سنت کو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے، نہ یہ کہ عوام الناس کی بھیڑ چال کو بنیاد بنا کر صحیح سنت کو مزید ماند کرنے کا راستہ کھولا جائے، جیسا کہ مسلکہ فتوے میں طرزِ عمل اختیار کیا گیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

---

[1] قال ابن حجر :يؤخذ منه أنه كان يبادر بها عقب دخول الوقت، وأن وقتها لا يدخل إلا بعد وقت الزوال(مرقاة المفاتيح، ج٣ ص ١٠٤٠ ، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة)

عن أنس بن مالک، قال :كنا نبكر بالجمعة ونقيل بعد الجمعة(صحيح البخارى،رقم الحديث ٩٠٥)

قوله :(كنا نبكر) .أى :نأتيها بكرة لأجل البدنة وما بعدها، وكان يؤخر القيلولة إلى بعد صلاة الجمعة؛ لأنه لو قال قبلها لفاتهم فضيلة البدنة، وهذا سبب إخراج البخارى له فى هذا الباب(التوضيح لشرح الجامع الصحيح،لابن الملقن،ج٧،ص ٤٨٢، كتاب الجمعة،باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس)

[2] يتشاغلون عن الغداء والقائلة بالتهيىء للجمعة ثم بالصلاة ثم ينصرفون فيقيلون ويتغدون، فتكون قائلتهم وغداؤهم بعد الجمعة عوضا عما فاتهم فى وقته من أجل بكورهم، وعلى هذا التأويل جمهور الأئمة وعامة العلماء (عمدة القارى للعينى، ج٦، ص ٢٥٢، ٢٥٣، كتاب الجمعة، باب قول الله فإذا قضيت الصلاة)

(فصل نمبر 3)

سویرے جانے والے کو عظیم ثواب کی حکمت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمعہ کے لیے جلدی جانے والے کو عظیم ثواب کس لیے حاصل ہوتا ہے؟

تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ نمازِ جمعہ کے اسلام میں عظیم الشان فضائل ہیں، اور نمازِ جمعہ کے لیے جلدی جا کر انتظار کرنے والے کو پورے وقت تک نماز ہی کا ثواب ملتا ہے۔

کیونکہ احادیث کی رُو سے نماز کا انتظار کرنے والا نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اور وہ فرشتوں کی دعاء کا بھی مستحق ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِيْ صَلَاةٍ مَا كَانَ فِيْ مُصَلَّاهُ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ حَتّٰى يَنْصَرِفَ أَوْ يُحْدِثَ قُلْتُ مَا يُحْدِثُ قَالَ يَفْسُوْ أَوْ يَضْرِطُ (مسلم ، رقم الحديث ۱۴۹ ''۲۷۴'' كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ برابر نماز میں رہتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی نماز کی جگہ بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا رہے، اور فرشتے یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اور اے اللہ اس پر رحم فرما، یہاں تک کہ وہ لوٹ کر نہ چلا جائے، یا وضو نہ توڑ دے (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ وضو کس طرح توڑے گا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بغیر آواز کے ریح خارج کردے، یا آواز کے ساتھ ریح خارج کردے (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِيْ صَلَاةٍ مَا كَانَ فِيْ مُصَلَّاهُ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، تَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ حَتّٰى يَنْصَرِفَ أَوْ يُحْدِثَ " فَقُلْتُ: مَا يُحْدِثُ ؟ فَقَالَ : كَذَا قُلْتُ لِأَبِيْ سَعِيْدٍ فَقَالَ " يَفْسُوْ أَوْ يَضْرِطُ (مسند احمد، رقم الحديث ١١٩٠٧)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ نماز میں ہوتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی نماز کی جگہ بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے، فرشتے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اے اللہ اس پر رحم فرما، یہ (نماز کے ثواب اور فرشتوں کی دعا کا) سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے، جب تک کہ وہ لوٹ کر نہ چلا جائے، یا وضو نہ توڑ دے، میں نے عرض کیا کہ وضو کس طرح توڑے گا؟ تو راوی نے کہا کہ میں نے بھی ابوسعید سے یہی سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بغیر آواز یا آواز کے ساتھ ریح خارج کر دے (مسند احمد)

اس طرح کی اور بھی کئی احادیث مروی ہیں، جن میں سے کئی احادیث کو ہم نے اپنی دوسری تالیف ''اعتکاف کے فضائل واحکام'' میں ذکر کر دیا ہے۔

اسی کے ساتھ سویرے جانے والا، نوافل، ذکر واذکار اور تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوتا ہے، اور عظیم مجاہدہ کرتا ہے، پھر اس کے نتیجے میں خطبہ کے شروع سے ہی شرکت کی سعادت بھی حاصل کرتا ہے، ان وجوہات کی بناء پر سویرے جانے والا عظیم اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے، اور یہ عظیم فضیلت زوال کے بعد آنے والے کو حاصل نہیں ہوتی، جس کی طرف منسلکہ فتوے میں رجحان ظاہر کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

(فصل نمبر 4)

اس سلسلہ میں چند عبارات

اب اس سلسلے میں چند علمی وفقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں، جن سے ان شاء اللہ تعالیٰ جمہور فقہاء وعلماء اور ان کے مقابلہ میں غیر جمہور کے قول کو سمجھنے میں مدد حاصل ہوگی۔

''الموسوعةُ الفقهية الكويتية'' کا حوالہ

''الموسوعةُ الفقهية الكويتية'' میں ہے کہ:

أما التبكير بمعنى الخروج أول النهار فهو وارد فى صلاة الجمعة والعيدين .فقد استحب التبكير لهما من أول النهار الحنفية والشافعية والحنابلة، لقول النبى صلى الله عليه وسلم :من غسل يوم الجمعة واغتسل، وبكر وابتكر كان له بكل خطوة يخطوها أجر سنة، صيامها وقيامها.

وقال الإمام مالك :لا يستحب التبكير خشية الرياء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠، ص١١٤، حرف التاء، مادة" تبكير")

ترجمہ: اور ''تبکیر'' دن کے شروع میں نکلنے کے معنیٰ میں، تو یہ جمعہ اور عیدین کی نماز کے سلسلہ میں وارد ہے، پس جمعہ اور عیدین کی نماز کے لیے دن کے شروع حصہ میں نکلنا، حنفیہ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے کہ جو شخص جمعہ کے دن (خود) نہائے اور (بیوی کو) نہلائے اور سویرے سے (جمعہ کے لئے) جائے، اور جلدی جانے کا اہتمام

کرے، تو اس کے ہر قدم کے بدلے (دن میں) ایک سال کے روزوں اور (رات میں) ایک سال کی عبادت کرنے کا ثواب لکھا جائے گا۔

اور امام مالک نے فرمایا کہ سویرے جانا مستحب نہیں، ریا کاری کے خوف کی وجہ سے (الموسوعة الفقهية)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک جمعہ کی نماز کے لیے دن کے شروع میں جانا مستحب ہے، اسی قول کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

جبکہ مسلکہ فتوے میں اس کے برعکس مالکیہ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے، جو کہ مرجوح قول پر مبنی ہے۔

’’المغنی لابنِ قدامة‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ:

وللسعي إلى الجمعة وقتان :وقت وجوب، ووقت فضيلة .فأما وقت الوجوب فما ذكرناه، وأما وقت الفضيلة فمن أول النهار، فكلما كان أبكر كان أولى وأفضل .وهذا مذهب الأوزاعي، والشافعي، وابن المنذر، وأصحاب الرأي .وقال مالك :لا يستحب التبكير قبل الزوال (......وبعد اسطر......)

وأما قول مالك فمخالف للآثار؛ لأن الجمعة يستحب فعلها عند الزوال، وكان النبي – صلى الله عليه وسلم – يبكر بها، ومتى خرج الإمام طويت الصحف، فلم يكتب من أتى الجمعة بعد ذلك، فأي فضيلة لهذا؟ وإن أخر بعد ذلك شيئا دخل في النهي والذم، كما قال النبي – صلى الله عليه وسلم – للذي جاء يتخطى

الناس: رأيتك آنيت وآذيت .أى أخرت المجىء .وقال عمر لعثمان حين جاء وهو يخطب: أى ساعة هذه؟ على سبيل الإنكار عليه .وإن أخر أكثر من هذا فاتته الجمعة، فكيف يكون لهؤلاء بدنة، أو بقرة، أو فضل، وهم من أهل الذم (المغنى لابن قدامة، ج۲، ص ۲۲۱، ۲۲۲ ملخصاً، كتاب صلاة الجمعة، فصل للسعى إلى الجمعة وقتان)

ترجمہ: اور جمعہ کی سعی (یعنی نمازِ جمعہ کے لیے جانے) کے دو وقت ہیں، ایک واجب وقت ہے، اور دوسرا فضیلت والا وقت ہے، واجب وقت تو وہی ہے، جو ہم نے ذکر کیا (یعنی جمعہ کی اذان ہونے پر) اور فضیلت والا وقت، دن کے آغاز سے شروع ہوجاتا ہے، پس جتنی جلدی جائے گا، تو یہ اولیٰ اور افضل ہوگا، اور یہ امام اوزاعی اور امام شافعی اور ابنِ منذر اور حنفیہ کا مذہب ہے، اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ زوال سے پہلے ''تبکیر'' مستحب نہیں۔

(......پھر علامہ ابنِ قدامہ حنبلی جمہور کے قول کے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں......) اور امام مالک کا قول احادیث کے مخالف ہے، کیونکہ جمعہ کو زوال کے وقت ادا کرنا مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم (زوال ہوتے ہی) جلدی جمعہ ادا کیا کرتے تھے، اور جب امام (خطبہ کے لیے) نکل پڑتا ہے، تو (فرشتوں کے ذریعہ سے درجہ بدرجہ مخصوص فضیلت لکھے جانے والے) صحیفوں کو لپیٹ دیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے، تو اس کو نہیں لکھا جاتا، پھر اس کے لیے کون سی فضیلت ہوگی، اور اگر اس کے کچھ دیر بعد آئے گا، تو وہ ممانعت اور برائی میں داخل ہوگا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آنے والے کے لیے فرمایا کہ میری رائے میں تو نے تاخیر کی، اور تکلیف پہنچائی، اور حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے خطبہ دینے کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بطورِ نکیر کے فرمایا کہ یہ کون سی ساعت ہے؟ اور اگر اس سے بھی کچھ تاخیر کرے گا، تو جمعہ ہی فوت ہوجائے گا، تو ان لوگوں کے لیے اونٹ یا گائے کی فضیلت کیسے ہوسکتی ہے؟ جبکہ یہ لوگ مذمت کے مستحق ہیں (المغنی)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ اور جمہور کے نزدیک جمعہ کے لیے جلدی جانے کا وقت دن کے آغاز پر شروع ہوجاتا ہے، یہی قول دلائل کے لحاظ سے مضبوط ہے۔

علامہ ابنِ قدامہ نے مذکورہ موقع پر مالکیہ کے دلائل کو ذکر کرکے ان کے جوابات بھی بیان فرمائے ہیں۔ [1]

---

[1] ''المغنی لابنِ قدامة'' کی مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے:

فصل: وللسعي إلى الجمعة وقتان: وقت وجوب، ووقت فضيلة .فأما وقت الوجوب فما ذكرناه، وأما وقت الفضيلة فمن أول النهار، فكلما كان أبكر كان أولى وأفضل . وهذا مذهب الأوزاعي، والشافعي، وابن المنذر، وأصحاب الرأى .وقال مالك: لا يستحب التبكير قبل الزوال؛ لقول النبي – صلى الله عليه وسلم –: " من راح إلى الجمعة ."

والرواح بعد الزوال، والغدو قبله، قال النبي – صلى الله عليه وسلم –: غدوة في سبيل الله أو روحة خير من الدنيا وما فيها .ويقال: تروحت عند انتصاف النهار.

قال امرؤ القيس:تروح من الحي أم تبتكر

ولنا، ما روى أبو هريرة، أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال: من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة، ثم راح في الساعة الأولى، فكأنما قرب بدنة، ومن راح في الساعة الثانية، فكأنما قرب بقرة، ومن راح في الساعة الثالثة، فكأنما قرب كبشا أقرن، ومن راح في الساعة الرابعة، فكأنما قرب دجاجة، ومن راح في الساعة الخامسة، فكأنما قرب بيضة، فإذا خرج الإمام حضرت الملائكة يستمعون الذكر متفق عليه . وفي لفظ: إذا كان يوم الجمعة وقف على كل باب من أبواب المسجد ملائكة يكتبون الأول فالأول، فإذا خرج الإمام طووا الصحف، وجائوا يستمعون .متفق عليه .وقال علقمة: خرجت مع عبد الله إلى الجمعة، فوجدت ثلاثة قد سبقوه، فقال: رابع أربعة، وما رابع أربعة ببعيد، إني سمعت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يقول: إن الناس يجلسون من الله عز وجل يوم القيامة على قدر رواحهم إلى الجمعة .رواه ابن ماجه . وروى أن النبي – صلى الله عليه وسلم – قال: من غسل يوم الجمعة واغتسل، وبكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’منحُ الجلیل‘‘ کا حوالہ

مالکیہ کی کتاب’’منحُ الجلیل شرح مختصر خلیل‘‘میں ہے کہ:

(و) ندب (تهجير) أى ذهاب لها فى الهاجرة أى شدة الحر ويكره التبكير خشية الرياء ولمخالفة عمل السلف الصالح من

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وابتكر، كان له بكل خطوة يخطوها أجر سنة، صيامها وقيامها .أخرجه الترمذى، وقال: حديث حسن .رواه ابن ماجه، وزاد: ومشى ولم يركب، ودنا من الإمام فاستمع ولم يلغ.

قوله "بكر "أى خرج فى بكرة النهار، وهى أوله "وابتكر "بالغ فى التبكير، أى جاء فى أول البكرة، على ما قال امرؤ القيس:

تروح من الحى أم تبتكر

وقيل: معناه ابتكر العبادة مع بكورة .وقيل: ابتكر الخطبة .أى: حضر الخطبة، مأخوذ من باكورة الثمرة، وهى أولها .وغير هذا أجود؛ لأن من جاء فى بكرة النهار، لزم أن يحضر أول الخطبة.

وقوله: " غسل واغتسل "أى: جامع امرأته ثم اغتسل .ولهذا قال فى الحديث الآخر: من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة .قال أحمد: تفسير قوله: " من غسل واغتسل " مشددة، يريد يغسل أهله، وغير واحد من التابعين: عبد الرحمن بن الأسود، وهلال بن يساف، يستحبون أن يغسل الرجل أهله يوم الجمعة، وإنما هو على أن يطأ وإنما استحب ذلك ليكون أسكن لنفسه، وأغض لطرفه فى طريقه .وروى ذلك عن وكيع أيضا .وقيل: المراد به غسل رأسه، واغتسل فى بدنه .حكى هذا عن ابن المبارك.

وقوله: " غسل الجنابة "على هذا التفسير أى كغسل الجنابة .

وأما قول مالك فمخالف للآثار؛ لأن الجمعة يستحب فعلها عند الزوال، وكان النبى – صلى الله عليه وسلم – يبكر بها، ومتى خرج الإمام طويت الصحف، فلم يكتب من أتى الجمعة بعد ذلك، فأى فضيلة لهذا؟ وإن أخر بعد ذلك شيئا دخل فى النهى والذم، كما قال النبى – صلى الله عليه وسلم – للذى جاء يتخطى الناس: رأيتك آنيت وآذيت .أى أخرت المجيء .وقال عمر لعثمان حين جاء وهو يخطب: أى ساعة هذه؟ على سبيل الإنكار عليه.

وإن أخر أكثر من هذا فاتته الجمعة، فكيف يكون لهؤلاء بدنة، أو بقرة، أو فضل، وهم من أهل الذم .وقوله: " راح إلى الجمعة "أى: ذهب إليها .لا يحتمل غير هذا(المغنى لابن قدامة، ج٢،ص ٢٢١، ٢٢٢،كتاب صلاة الجمعة ،فصل للسعى إلى الجمعة وقتان)

النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -والخلفاء بعدہ وسائر الصحابة والتابعین -رضی اللہ تعالی عنھم (منح الجلیل شرح مختصر خلیل، ج ۱، ص ۴۳۷، باب فی بیان أوقات الصلوات الخمس، فصل فی بیان شروط الجمعة وسننھا ومندوباتھا ومکروھاتھا ومسقطاتھا)

ترجمہ: اور جمعہ کے لیے "تھجیر" یعنی گرمی کی شدت میں جانا مستحب ہے، اور جمعہ کے لیے سویرے جانا مکروہ ہے، ریا کاری کے خوف اور سلفِ صالح، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد، آپ کے خلفاء اور تمام صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کی مخالفت کی وجہ سے (منحُ الجلیل)

مذکورہ عبارت میں مالکی فقہ کے مطابق مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جمہور فقہائے کرام کے مقابلہ میں مالکیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے سویرے جانا مستحب نہیں، بلکہ مکروہ ہے، مالکیہ کی مذکورہ عبارات میں جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں، جمہور کی طرف سے ان کے جوابات آگے آتے ہیں، اور ریا کاری ایک ارادی واختیاری عمل ہے۔

"التاج والاکلیل" کا حوالہ

مالکیہ کی ہی کتاب "التاج والاکلیل لمختصر خلیل" میں ہے کہ:

یستحب التبکیر بعد الزوال وکرھه مالک بعد طلوع الشمس

(التاج والاکلیل، ج ۲، ص ۵۳۵، ۵۳۶، کتاب الصلاة، باب فی صلاة الجمعة)

ترجمہ: زوال کے بعد جلدی جانا مستحب ہے، اور امام مالک نے سورج طلوع ہونے کے بعد جانے کو مکروہ قرار دیا ہے (التاج والاکلیل)

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک، جمہور کے برخلاف، زوال کے بعد جمعہ کے لیے جلدی جانا مستحب ہے، اور صبح کو سورج طلوع ہونے کے بعد جانا مکروہ ہے۔

’’بدایۃُ المجتہد‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ رشد مالکی فرماتے ہیں کہ:

فإن الشافعي، وجماعة من العلماء اعتقدوا أن هذه الساعات هى ساعات النهار فندبوا إلى الرواح من النهار.

وذهب مالك إلى أنها أجزاء ساعة واحدة قبل الزوال وبعده.

وقال قوم :هى أجزاء ساعة قبل الزوال وهو الأظهر لوجوب السعى بعد الزوال إلا على مذهب من يرى أن الواجب يدخله الفضيلة (بداية المجتهد ونهاية المقتصد،ج ا ،ص ١٧٦ ،كتاب الصلاة،الباب الثالث،الفصل الرابع فى أحكام الجمعة)

ترجمہ: پس امام شافعی اور علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں مذکور یہ ساعتیں، دن کی ساعتیں ہیں، اس لیے دن کے شروع میں جمعہ کے لیے جانا مستحب ہے۔

اور امام مالک اس طرف گئے ہیں کہ یہ زوال سے پہلے اور بعد کی ایک ہی ساعت کے اجزاء ہیں۔

اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ زوال سے پہلے ایک ساعت کے اجزاء ہیں، اور یہ قول زیادہ راجح ہے، کیونکہ زوال کے بعد سعی واجب ہوجاتی ہے، سوائے اس شخص کے مذہب پر، جس کا خیال یہ ہے کہ واجب میں فضیلت بھی داخل ہے (بدایۃُ المجتہد)

علامہ ابنِ رشد باوجودیکہ خود مالکی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن انہوں نے مالکیہ کے مشہور قول کے بجائے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ زوال سے پہلے ایک گھنٹہ کے اجزاء میں یہ سب

ساعتیں داخل ہیں۔

”نیلُ الاوطار“ کا حوالہ

امام شوکانی نے ”نیلُ الاوطار“ میں مالکیہ کے قول کو ”اقرب الی الصواب“ قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

وما ذكرته المالكية أقرب إلى الصواب، لأن الساعة فى لسان الشارع وأهل اللغة الجزء من أجزاء الزمان كما فى كتب اللغة.

ويؤيد ذلك أنه لم ينقل عن أحد من الصحابة أنه ذهب إلى الجمعة قبل طلوع الشمس أو عند انبساطها (نيل الأوطار، ج٣، ص ٢٨٤، أبواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعين وإقامتها فى القرى)

ترجمہ: اور جو بات مالکیہ نے ذکر کی ہے، وہ ”اقرب الی الصواب“ ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام اور اہلِ لغت کی زبان میں ”ساعت“ زمانے کے اجزاء میں سے ایک ”جزء“ کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ لغت کی کتابوں میں ہے۔

اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے، یا سورج طلوع ہونے کے بعد، جمعہ کے لیے گیا ہو (نیلُ الاوطار)

اس سے معلوم ہوا کہ امام شوکانی اس سلسلہ میں مالکیہ کے قول کو راجح سمجھتے ہیں، لیکن انہوں نے اس قول کے راجح ہونے کے جو دلائل ذکر کیے ہیں، جمہور کی طرف سے ان کے معقول جوابات بیان کیے گئے ہیں، جن کا آگے ذکر آتا ہے۔

”الفقهُ الاسلامی وادلتهٗ“ کا حوالہ

علامہ وہبۃ الزحیلی نے ”الفقهُ الاسلامی وادلتهٗ“ میں ”بدایةُ المجتهد“ اور ”نیلُ

الاوطار ‘‘ کے حوالے سے مالکیہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور اس کی وہی دو دلیلیں ذکر کی ہیں، جو ’’نیلُ الاوطار ‘‘ کے حوالے سے پہلے ذکر کی گئیں۔

مسلکہ فتوے کے شروع میں بھی ’’الفقهُ الاسلامی و ادلتهٗ ‘‘ کی عبارت کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن علامہ وہبۃ الزحیلی نے حاشیہ میں جس حوالے سے یہ بات نقل کی ہے، مذکورہ فتوے میں اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ [1]

’’التفسیرُ المنیر ‘‘ کا حوالہ

اس کے علاوہ علامہ وہبۃ الزحیلی نے ’’التفسیر المنیر ‘‘ میں جمہور علماء کے قول کو ابنِ عربی کے حوالہ سے راجح قرار دیا ہے۔ [2]

اور علامہ وہبۃ الزحیلی کی یہ رائے ہی بظاہر راجح اور جمہور کے مطابق ہے، بخلاف پہلی رائے کے۔

’’تفسیرُ القرطبی ‘‘ کا حوالہ

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ:

---

[1] ہم ’’الفقهُ الاسلامی و ادلتهٗ ‘‘ کی حاشیہ سمیت وہ عبارت ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

وقت الرواح المرغب فيه إلى الجمعة :اعتقد جماعة منهم الجمهور غير المالكية :أن هذه الساعات هي من أول النهار إلى الزوال، وتنقسم إلى خمس، فندبوا الرواح من أول النهار، لكن الأظهر ما ذكرته المالكية :أنها أجزاء ساعة قبل الزوال؛ لأن الساعة شرعا ولغة هي الجزء من أجزاء الزمان، ولم ينقل عند أحد من الصحابة أنه ذهب إلى الجمعة قبل طلوع الشمس أو بعدها بقليل(بداية المجتهد: ١/١٦٠، نيل الأوطار: ٣/٢٣٠) (الفقه الإسلامي وأدلتهٗ ،ج٢،ص ١٢٨١، ١٢٨٢، القسم الاول، الباب الثانی:الفصل العاشر:المبحث الثانی،صلاة الجمعة:المطلب الثانی)

[2] والتبكير محمول عند أغلب العلماء على ساعات النهار الزمانية،لحديث ابن عمر المتقدم : ما كانوا يقيلون ولا يتغدون إلا بعد الجمعة لكثرة البكور إليها .

ورأى مالك أن التبكير بالجمعة إنما يكون قرب الزوال بيسير .قال ابن العربي :والقول الأول أصح(التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج،لوهبة بن مصطفى الزحيلي، ج٢٨، ص ٢٠١، ٢٠٢، سورة الجمعة)

''مختلف احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا زوال کے فوراً بعد جمعہ پڑھنا ثابت ہے، اور خلف اور سلف جمہور کا یہی مذہب ہے، اور احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحابۂ کرام، جمعہ کے لیے صبح کے وقت یا اس سے بھی پہلے بہت سویرے چلے جایا کرتے تھے، اسی وجہ سے وہ ناشتہ بھی نہیں کر پاتے تھے، جبکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ ''تبکیر'' زوال کے قریب ہوتا ہے، لیکن ابنِ عربی نے جمہور کے قول کو اصح قرار دیا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ صحابۂ کرام سویرے جانے کی وجہ سے ناشتہ اور قیلولہ جمعہ کے بعد ہی کر پاتے تھے'' ۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ امام قرطبی بھی اس سلسلہ میں جمہور کے قول کو راجح سمجھتے ہیں۔

''شرحُ النووی'' کا حوالہ

امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس مسئلے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہاں پر (یعنی جمعہ کے لیے جانے کی فضیلت سے متعلق حدیث میں) ''ساعات'' سے مراد، زوال

---

[1] وتمسک أحمد فی ذلک بحدیث سلمة بن الأکوع :کنا نصلی مع النبی صلی اللہ علیه وسلم ثم ننصرف ولیس للحیطان ظل .وبحدیث ابن عمر :ما کنا نقیل ولا نتغدی إلا بعد الجمعة . ومثله عن سهل .خرجه مسلم .وحدیث سلمة محمول علی التبکیر .رواہ هشام بن عبد الملک عن یعلی بن الحارث عن إیاس بن سلمة بن الأکوع عن أبیه .وروی وکیع عن یعلی عن إیاس عن أبیه قال :کنا نجمع مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إذا زالت الشمس ثم نرجع نتتبع الفیء .وهذا مذهب الجمهور من الخلف والسلف، وقیاسا علی صلاة الظهر .وحدیث ابن عمر وسهل، دلیل علی أنهم کانوا یبکرون إلی الجمعة تبکیرا کثیرا عند الغداة أو قبلها، فلا یتناولون ذلک إلا بعد انقضاء الصلاة .وقد رأی مالک أن التبکیر بالجمعة إنما یکون قرب الزوال بیسیر .وتأول قول النبی صلی اللہ علیه وسلم :(من راح فی الساعة الأولی فکأنما قرب بدنة ...) الحدیث بکماله أنه کان فی ساعة واحدة .وحمله سائر العلماء علی ساعات النهار الزمانیة الاثنتی عشرة ساعة المستویة أو المختلفة بحسب زیادة النهار ونقصانه .ابن العربی :وهو أصح، لحدیث ابن عمر رضی اللہ عنهما :ما کانوا یقیلون ولا یتغدون إلا بعد الجمعة لکثرة البکور إلیها(تفسیر القرطبی، ج۱۸، ص۱۰۵، تفسیر سورة الجمعة)

کے بعد تھوڑے سے لحات ہیں، اوران کے نزدیک احادیث میں مذکور ''رواح'' زوال کے بعد ہوتا ہے، اوران حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ لغت میں بھی اس کے معنیٰ یہی ہیں۔

جبکہ امام شافعی اور آپ کے جمہور اصحاب اور ابنِ حبیب مالکی اور جماہیر علماء کا مذہب یہ ہے کہ جمعہ کے لیے دن کے شروع میں ''تبکیر'' مستحب ہے، اوران کے نزدیک ''ساعات'' دن کے اول حصے سے شروع ہو جاتی ہیں، اور ''رواح'' کے معنیٰ جانے کے ہیں، جو دن کے اول حصے میں بھی ہوتا ہے، اور آخری حصے میں بھی ہوتا ہے، اور رات میں بھی ہوتا ہے، لہٰذا ''رواح'' کے معنیٰ، جمہور کے قول کے خلاف نہیں، اور یہی قول ''صواب'' ہے، جس کا حدیث بھی تقاضا کرتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے، پہلی ساعت میں، اوراس کے بعد چھٹی ساعت تک آنے والوں کے درجہ بدرجہ ثواب کو لکھتے ہیں، پھر جب امام نکل پڑتا ہے، تو وہ اپنے صحیفوں کو لپیٹ دیتے ہیں، اس کے بعد وہ کسی کے لیے ثواب کو نہیں لکھتے، اور یہ بات واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے لیے زوال ہونے کے بالکل متصل نکلا کرتے تھے، اور زوال کا وقت چھٹی ساعت کے جدا ہوتے ہی ہوتا ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ زوال کے بعد آنے والے کے لیے اس طرح کی حدیث میں مذکور کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی (پھر زوال کے بعد چھ ساعات کی فضیلت کا قول کیسے معتبر ہوسکتا ہے)

اورایک وجہ یہ بھی ہے کہ ''ساعات'' کا ذکر، جمعہ کے لیے جلدی جانے پر ابھارنے اور سبقت حاصل کرنے اور پہلی صف کو حاصل کرنے اور جمعہ کا انتظار کرنے، اور نفلوں اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہونے کی فضیلت کی ترغیب دینے کے لیے بیان

کیا گیا ہے، اور یہ تمام چیزیں زوال کے بعد جانے سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ زوال کے بعد آنے والے کے لیے کوئی فضیلت نہیں، کیونکہ اس وقت میں اذان ہوتی ہے، اوراذان کے بعد پیچھے رہنا حرام ہے۔

البتہ ہمارے (یعنی شافعی) اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چھ ساعات کا آغاز، طلوعِ فجر سے ہوگا، یا طلوعِ شمس سے ہوگا، زیادہ صحیح قول ان کے نزدیک، طلوعِ فجر سے ہونے کا قول ہے۔

اوران ساعات میں سے ہر ساعت کے اندر آنے والے ایک قسم کی فضیلت یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ میں شریک ہیں، البتہ ہر ساعت میں پہلے آنے والے کی فضیلت بعد میں آنے والوں سے زیادہ ہے کہ ہر ساعت میں پہلے والے کو بعد والوں سے بڑے اور عمدہ جانور کی قربانی کا ثواب ملتا ہے"۔ [1]

---

[1] المراد بالرواح الذهاب أول النهار وفى المسألة خلاف مشهور مذهب مالك وكثير من أصحابه والقاضى حسين وإمام الحرمين من أصحابنا أن المراد بالساعات هنا لحظات لطيفة بعد زوال الشمس والرواح عندهم بعد الزوال وادعوا أن هذا معناه فى اللغة.

ومذهب الشافعي وجماهير أصحابه وبن حبيب المالكى وجماهير العلماء استحباب التبكير إليها أول النهار والساعات عندهم من أول النهار والرواح يكون أول النهار وآخره قال الأزهرى لغة العرب الرواح الذهاب سواء كان أول النهار أو آخره أو فى الليل وهذا هو الصواب الذى يقتضيه الحديث والمعنى لأن النبى صلى الله عليه وسلم أخبر أن الملائكة تكتب من جاء فى الساعة الأولى وهو كالمهدى بدنة ومن جاء فى الساعة الثانية ثم الثالثة ثم الرابعة ثم الخامسة وفى رواية النسائى السادسة فإذا خرج الإمام طووا الصحف ولم يكتبوا بعد ذلك أحدا ومعلوم أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يخرج إلى الجمعة متصلا بالزوال وهو بعد انفصال السادسة فدل على أنه لا شىء من الهدى والفضيلة لمن جاء بعد الزوال.

ولأن ذكر الساعات إنما كان للحث فى التبكير إليها والترغيب فى فضيلة السبق وتحصيل الصف الأول وانتظارها والاشتغال بالتنفل والذكر ونحوه وهذا كله لا يحصل بالذهاب بعد الزوال ولا فضيلة لمن أتى بعد الزوال لأن النداء يكون حينئذ ويحرم التخلف بعد النداء والله أعلم.

واختلف أصحابنا هل تعيين الساعات من طلوع الفجر أم من طلوع الشمس والأصح عندهم من طلوع الفجر.

ثم إن من جاء فى أول ساعة من هذه الساعات ومن جاء فى آخرها مشتركان فى تحصيل أصل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام نووی رحمہ اللہ نے واضح فرمادیا کہ دن کے شروع سے ساعات کے آغاز ہونے کا قول جمہور کا ہے، اور دلائل کی رُو سے مضبوط ہے، اور اس کے مقابلہ میں امام مالک کا یہ قول کہ ساعات کا آغاز زوال سے ہوتا ہے، دلائل کی رُو سے مرجوح قول ہے۔

اور امام نووی رحمہ اللہ ہی صحیح مسلم کی شرح میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وحمل الجمهور هذه الأحاديث على المبالغة فى تعجيلها وأنهم كانوا يؤخرون الغداء والقيلولة فى هذا اليوم إلى ما بعد صلاة الجمعة لأنهم ندبوا إلى التبكير إليها فلو اشتغلوا بشىء من ذلك قبلها خافوا فوتها أو فوت التبكير إليها (شرح النووی علی مسلم، ج۶ص۱۴۸، ۱۴۹، کتاب الجمعة)

ترجمہ: اور جمہور نے ان احادیث کو (جن میں صحابۂ کرام کا جمعہ کے بعد ناشتہ اور قیلولہ کرنا وغیرہ مذکور ہے) جمعہ کی نماز جلدی ادا کرنے کے مبالغہ پر محمول کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام اس دن ''غداء'' (یعنی ناشتہ) اور قیلولہ کو جمعہ کی نماز کے بعد تک مؤخر کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ جمعہ کی نماز کے لیے سویرے جانے کو پسند کیا کرتے تھے، پس اگر وہ جمعہ کی نماز سے پہلے ناشتے یا قیلولے وغیرہ میں مشغول ہوجاتے، تو جمعہ کے فوت ہونے یا جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے کے فوت ہونے کا خوف تھا (شرح النووی)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

البدنة والبقرة والكبش ولكن بدنة الأول أكمل من بدنة من جاء فى آخر الساعة وبدنة المتوسط متوسطة وهذا كما أن صلاة الجماعة تزيد على صلاة المنفرد بسبع وعشرين درجة ومعلوم أن الجماعة تطلق على اثنين وعلى ألوف فمن صلى فى جماعة هم عشرة آلاف له سبع وعشرون درجة ومن صلى مع اثنين له سبع وعشرون لكن درجات الأول أكمل وأشباه هذا كثيرة معروفة وفيما ذكرته جواب عن اعتراض ذكره القاضى عياض رحمه الله (شرح النووى علىٰ مسلم، ج۶، ص۱۳۵، ۱۳۶، كتاب الجمعة)

’’قیلولہ‘‘ زوال کے وقت آرام کرنے کو کہا جاتا ہے، اور ناشتہ جس کو عربی زبان میں ’’غداء‘‘ کہا جاتا ہے، وہ اس کھانے کو کہا جاتا ہے، جو دن کے اول حصے میں کھایا جاتا ہے۔ [1]

’’المجموع شرحُ المهذب‘‘ کا حوالہ

امام نووی رحمہ اللہ نے ’’المجموع شرحُ المهذب‘‘ میں بھی اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے، اور امام مالک کے مقابلے میں جمہور کے قول کو راجح وصواب قرار دیا ہے، اور امام مالک کے قول کی دلیل کو ضعیف یا باطل قرار دیا ہے۔

اور اکثر فقہائے شافعیہ کے نزدیک صحیح اس کو قرار دیا ہے کہ جمعہ کے دن جلدی جانے کی فضیلت کا وقت طلوعِ فجر پر شروع ہو جاتا ہے۔ [2]

---

[1] العادة فی القائلة أن تكون قبل الزوال فأخبر الصحابی أنهم كانوا يشتغلون بالتهيؤ للجمعة عن القـائلة ويؤخرون القائلة حتى تكون بعد صلاة الجمعة (فتح البارى، ج۲ص۴۲۸، كتاب الجمعة ، قوله باب قول الله عز وجل فإذا قضيت الصلاة الآية)

قوله: (نقيل) بفتح النون من: قال يقيل قيلولة فهو قائل، والقيلولة: الاستراحة نصف النهار، وإن لم يكن معها نوم، وكذلک: المقيل، وأصله أجوف يائی .قوله: (ولا نتغدی) بالغين المعجمة والدال المهملة من: الغداء، وهو الطعام الذی يؤكل أول النهار(عمدة القارى للعينى، ج۲ص۲۵۲، كتاب الجمعة ، باب قول الله تعالى فإذا قضيت الصلاة فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل الله)

(وعن سهل بن سعد قال :ما كنا نقيل) بفتح النون أی :مـا كنا نفعل القيلولة، وهی الاستراحة بنوم وغيره .قـال الأزهری :الـقيـلـولة والمقيل عند العرب :الاستـراحة نـصف الـنهار، وإن لم يكن مع ذلک نـوم بدليل قوله تعالى :(وأحسـن مقيلا)والجنة لا نوم فيها .(ولا نتغدی) بالدال المهملة فی النهاية :هـو الـطعام الذی يؤكل أول النهار .(إلا بـعد الجمعة) أی :بـعـد فراغ صلاتها قال الطيبی: هما كنايتان عن التبكير أی :لا يتغدون، ولا يستريحون، ولا يشتغلون بمهم، ولا يهتمون بأمر سواه اهـ (مرقاة المفاتيح، ج۳ص۱۰۴۰، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة)

[2] اتفق أصحابنا وغيرهم على استحباب التبكير إلى الجمعة فی الساعة الأولى للحديث السابق وفيما يعتبر منه الساعات ثلاثة أوجه:

(الصحيح) عند المصنف والأكثرين من طلوع الفجر .

(والثانی) من طلوع الشمس وبه قطع المصنف فی التنبيه وينكر عليه الجزم به .

(والثالث) أن الساعات هنا لحظات لطيفة بعد الزوال واختاره القاضی حسين وإمام الحرمين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام نووی نے طلوعِ فجر سے آغاز ہونے کو جو راجح قرار دیا، یہ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک راجح قول ہے، جبکہ حنفیہ وغیرہ کے نزدیک سورج طلوع ہونے سے آغاز ہونے کا قول راجح ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وغيرهما من الخراسانيين وهو مذهب مالک.

واحتجوا بأن الرواح إنما يكون بعد الزوال وهذا ضعيف أو باطل والصواب أن الساعات من أول النهار وأنه يستحب التبكير من أول النهار وبهذا قال جمهور العلماء وحكاه القاضي عياض عن الشافعي وابن حبيب المالكي وأكثر العلماء.

ودليله أن النبي صلى الله عليه وسلم أخبر أن الملائكة يكتبون من جاء في الساعة الأولى والثانية والثالثة والرابعة والخامسة والسادسة كما صح في روايتي النسائي اللتين قدمتهما فإذا خرج الإمام طووا الصحف ولا يكتبون بعد ذلک أحدا ومعلوم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يخرج إلى الجمعة متصلا بالزوال وكذلک جميع الأئمة في جميع الأمصار وذلک بعد انقضاء الساعة السادسة فدل على أنه لا شيء من الهدى والفضيلة لمن جاء بعد الزوال ولا يكتب له شيء أصلا لأنه جاء بعد طي الصحف ولأن ذكر الساعات إنما كان للحث على التبكير إليها والترغيب في فضيلة السبق وتحصيل فضيلة الصف الأول وانتظارها والاشتغال بالتنفل والذكر ونحوه وهذا كله لا يحصل بالذهاب بعد الزوال شيء منه ولا فضيلة للمجيء بعد الزوال لأن النداء يكون حينئذ ويحرم التأخير عنه وقد ثبت عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "يوم الجمعة ثنتا عشرة ساعة لا يوجد مسلم يسأل الله شيئا إلا آتاه الله عز وجل فالتمسوها آخر ساعة بعد العصر "رواه أبو داود والنسائي بهذه الحروف بإسناد صحيح قال الحاكم هو صحيح على شرط مسلم فهذا الحديث صريح في المسألة .

(وأما احتجاجهم) بلفظ الرواح (فجوابه) من وجهين:

(أحدهما)لا نسلم أنه مختص بما بعد الزوال فقد أنكر الأزهري ذلک وغلط قائله فقال في شرح ألفاظ المختصر معنى راح مضى إلى المسجد قال ويتوهم كثير من الناس أن الرواح لا يكون إلا في آخر النهار وليس ذلک بشيء لأن الرواح والغدو عند العرب مستعملان في السير أي وقت كان من ليل أو نهار يقال راح في أول النهار وآخره وتروح وغدا بمعناه هذا لفظ الأزهري وذكر غيره مثله .

(والجواب الثاني) أنه لو سلم أن حقيقة الرواح بعد الزوال وجب حمله هنا على ما قبله مجازا لما ذكرناه من الدلائل الظاهرة قال الخطابي في شرح هذا الحديث معنى راح قصد الجمعة وتوجه إليها مبكرا قبل الزوال قال وإنما تأولناه هكذا لأنه لا يتصور أن يبقى بعد الزوال خمس ساعات في وقت الجمعة قال وهذا شائع في الكلام تقول راح فلان بمعنى قصد وإن كان حقيقة الرواح بعد الزوال والله أعلم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’الحاوی فی فقه الشافعی‘‘ کا حوالہ

علامہ ماوردی شافعی نے ’’الحاوی فی فقه الشافعی‘‘ میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ:

قال الشافعی ، رحمه الله تعالى " :أنبأنا سفيان بن عيينة عن الزهری ، عن ابن المسيب ، عن أبی هريرة ، رضی الله عنه ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكأنما قرب بدنة ، ومن راح فی الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة ، ومن راح فی الساعة الثالثة فكأنما قرب كبشا أقرن ، ومن راح فی الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة ، ومن راح فی الساعة الخامسة فكأنما قرب بيضة ، قال :فإذا خرج الإمام حضرت الملائكة يستمعون الذكر .

قال الماوردی :وهذا صحيح .والبكور إلى الجمعة مستحب بدليل هذا الحديث مع قوله تعالى :أولئک يسارعون فی الخيرات وهم لها سابقون .وروى عن النبی صلى الله عليه وسلم أنه قال :من بكر وابتكر وغسل واغتسل وغدا وانتظر وأنصت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(فرع)من جاء فی أول ساعة من هذه الساعة ومن جاء فی آخرها مشتركان فی تحصيل أصل البدنة أو البقرة أو غيرهما ولكن بدنة الأول أكمل من بدنة من جاء فی آخر الساعة وبدنة المتوسط متوسطة وهذا كما أن صلاة الجماعة تزيد على صلاة المنفرد بسبع وعشرين درجة ومعلوم أن الجماعة تطلق على اثنين وعلى ألوف فمن صلى فی جماعة هم عشرة آلاف له سبع وعشرون درجة ومن صلى مع اثنين له سبعة وعشرون درجة لكن درجات الأول أكمل وأشباه هذا كثيرة هذا هو الراجح المختار (المجموع شرح المهذب، ج۴،ص ۵۴۰، ۵۴۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة ،فرع فی مذاهب العلماء فی مسائل من غسل الجمعة)

ولـم يلغ كانت كفارة له من الجمعة وقوله صلى الله عليه وسلم " بكر "يعنى فى الزمان .و "ابتكر "يعنى فى المكان .
وروى عـن الـنبـى صـلـى الـلـه عـليه وسلم أنه قال :إذا كـان يوم الـجمعة حضرت الملائكة يكتبون الأول فالأول ، حتى إذا جلس الإمـام طـويـت الصحف يعنى الصحف التى يكتب فيها ، ولأنه إذا بـكر منتظرا للصلاة كان فى حكم المصلين ، لقوله صلى الله عليه وسلم :فإن أحدكم فى الصلاة ما كان يعمد للصلاة.
فلذلک اخترنا له البكور إلى الجمعة ، واختلف أصحابنا فى أول زمان البكور على وجهين :أحدهما :من طلوع الفجر ، وهو أول اليوم الثانى .والثانى :وهـو أصـح، من طلوع الشمس ليكون ما قبل ذلک من طلوع الفجر زمان غسل وتأهب(الحاوى فى فقه الشافعى ،للماوردى، ج ۲ ،ص ۴۵۲، كتاب الجمعة،باب التبكير إلى الجمعة)

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے زہری کے حوالے سے خبر دی، انہوں نے ابنِ مسیّب کے حوالے سے خبر دی، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن ایسا غسل کیا، جیسے جنابت والی ناپاکی سے غسل کیا جاتا ہے (کہ وہ بہت اچھی طرح اہتمام سے کیا جاتا ہے) پھر وہ (سویرے پہلی ساعت میں) جمعہ کی نماز کے لئے گیا، تو وہ (اجر وثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اُس نے ایک اونٹ (اللہ کے راستے میں) پیش کیا، اور جو دوسری ساعت میں گیا وہ (اجر وثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) گائے پیش کی، اور جو تیسری ساعت میں گیا (وہ اجر وثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ

کے راستے میں) سینگوں والا (اچھی نسل کا) مینڈھا پیش کیا، اور جو چوتھی ساعت میں گیا (وہ اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) مرغی پیش کی، اور جو پانچویں ساعت میں گیا، وہ (اجروثواب میں) ایسا ہے، جیسا کہ اس نے (اللہ کے راستے میں) ایک انڈا پیش کیا، پھر جب امام (خطبہ کے لئے) نکل آتا ہے، تو (مسجد میں درجہ بدرجہ آنے والوں کے نام لکھنے والے) فرشتے (مسجد کے اندر) حاضر ہوجاتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں (اور اپنے صحیفے ورجسٹر بند کردیتے ہیں)

ماوردی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے (اور بخاری وغیرہ میں مذکور ہے) اور اس حدیث کی وجہ سے جمعہ کے لیے جلدی جانا مستحب ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا (سورہ مومنون میں مذکور) یہ قول بھی دلیل ہے کہ "أولٓئک یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون" کہ "یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں، اور یہ لوگ نیک کاموں کے لیے سبقت لے جانے والے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (مسند احمد وغیرہ میں اوس بن اوس کی سند سے) یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "جس نے جلدی کی، اور جلدی اپنے مقام پر پہنچ گیا، اور غسل کیا، اور غسل کرایا، اور صبح کے وقت میں جلدی گیا، اور نماز کا انتظار کرتا رہا، اور خاموش رہا، اور کوئی لغو کام نہیں کیا، تو یہ اس کے لیے جمعہ سے جمعہ تک کفارہ بن جائے گا" اور "بکر" سے مراد زمانہ ہے، یعنی جلدی جانا، اور "ابتکر" سے مراد (ایک قول کے مطابق) مکان ہے، یعنی جمعہ کی نماز کی جگہ جلدی پہنچ جانا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "جب جمعہ کا دن ہوتا ہے، تو فرشتے حاضر ہوکر پہلے اور اس کے بعد آنے والوں کے ثواب کو لکھتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب امام بیٹھ جاتا ہے، تو ان صحیفوں کو لپیٹ دیا جاتا ہے،

جن میں آنے والوں کا ثواب لکھا جاتا ہے' اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب کوئی جلدی جا کر نماز کا انتظار کرتا ہے، تو وہ نماز پڑھنے والوں کے حکم میں شامل ہو جاتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے، تو وہ نماز میں ہی ہوتا ہے''

پس ان وجوہات کی بناء پر ہم نے جمعہ کے لیے جلدی جانے کو اختیار کیا، پھر ہمارے اصحاب کا جلدی جانے کے ابتدائی زمانے میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق اس کا آغاز طلوعِ فجر سے ہو جاتا ہے، اور یہ دن کا اول حصہ ہے، اور دوسرے قول کے مطابق اس کا آغاز طلوعِ شمس سے ہوتا ہے، یہ قول زیادہ صحیح ہے، تاکہ اس سے پہلے طلوعِ فجر کے بعد کا وقت، غسل اور جمعہ کی تیاری کا زمانہ شمار ہو جائے (الحاوی فی فقہ الشافعی)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لیے صبح جلدی پہنچنا افضل ہے، اور اس کا کئی احادیث اور شرعی دلائل سے ثبوت پایا جاتا ہے، اور علامہ ماوردی شافعی کے نزدیک زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جلدی جانے کا وقت سورج طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے۔

ابنِ حبان کا حوالہ

امام ابنِ حبان نے اپنی ''صحیح'' میں جمعہ کے لیے پہلی ساعت سے پانچویں ساعت تک جانے والوں کی فضیلت کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''فِی هَذَا الْخَبَرِ بَیَانٌ وَاضِحٌ بِأَنَّ اسْمَ الرَّوَاحِ یَقَعُ عَلَی جَمِیعِ سَاعَاتِ النَّهَارِ ضِدَّ قَوْلِ مَنْ زَعَمَ أَنَّ الرَّوَاحَ لَا یَكُونُ إِلَّا بعد الزوال.

اس حدیث میں واضح طور پر یہ بیان ہے کہ ''رواح'' کا نام دن کی تمام ساعات

پر بولا جاتا ہے، اس شخص کے قول کے بالمقابل، جس کا گمان یہ ہے کہ ''رواح'' زوال کے بعد ہی ہوتا ہے''۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کی حدیث میں جو ''رواح'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے خاص زوال کے بعد کا وقت مراد نہیں، لہٰذا اس لفظ سے امام مالک کا استدلال راجح نہیں، اور جمہور کا استدلال صحیح ہے۔

''جار اللّٰہ الزمخشری'' کا حوالہ

علامہ ''جار اللّٰہ الزمخشری'' (المتوفٰی: 538ہجری) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

وكانت الطرقات فى أيام السلف وقت السحر وبعد الفجر مغتصة بالمبكرين إلى الجمعة يمشون بالسرج.

وقيل :أول بدعة أحدثت فى الإسلام :ترك البكور إلى الجمعة.

و(فى سنن ابن ماجه)عن ابن مسعود :أنه بكر فرأى ثلاثة نفر سبقوه، فاغتم وأخذ يعاتب نفسه يقول :أراك رابع أربعة وما رابع أربعة بسعيد (تفسیرالکشاف ،ج۴،ص۵۳۳، ۵۳۴،سورۃ الجمعۃ)

ترجمہ: اور سلف کے زمانے میں راستے سحری کے وقت اور فجر کے بعد بھرے

---

[1] أخبرنا عمر بن سعيد بن سنان بمنبج، أخبرنا أحمد بن أبى بكر، عن مالك، عن سمى، عن أبى صالح عن أبى هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكأنما قرب بدنة، ومن راح فى الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة، ومن راح فى الساعة الثالثة، فكأنما قرب كبشا، ومن راح فى الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة، ومن راح فى الساعة الخامسة، فكأنما قرب بيضة، فإذا خرج الإمام حضرت الملائكة يستمعون الذكر.

قال أبو حاتم: فى هذا الخبر بيان واضح بأن اسم الرواح يقع على جميع ساعات النهار ضد قول من زعم أن الرواح لا يكون إلا بعد الزوال (صحيح ابن حبان، تحت رقم الحديث ۲۷۷۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة ، ذكر البيان بأن هذا الفضل إنما يكون لمن أتى الجمعة مغتسلا لها كغسل الجنابة)

ہوتے تھے، جمعہ کی طرف جلدی اور سویرے جانے والے لوگوں کی وجہ سے، جو چراغ لے کر چلتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اسلام میں ایجاد ہوئی، وہ جمعہ کی طرف سویرے اور جلدی جانے کو ترک کرنے کی ہے، اور (سنن ابنِ ماجہ میں) ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تین آدمیوں کو دیکھا، جو اِن سے پہلے جمعہ کے لیے پہنچ گئے تھے، تو انہوں نے اپنے آپ کو ملامت کیا، اور (اپنے آپ سے) کہا کہ میں تجھے چوتھا شخص خیال کرتا ہوں، اور چوتھا شخص کوئی زیادہ نیک بخت نہیں ہوتا (تفسیر الکشاف)

امام غزالی کا حوالہ

امام غزالی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 505ہجری) نے اپنی کتاب احیاءُ العلوم میں فرمایا کہ:

قال بعض السلف أوفى الناس نصيبا من الجمعة من انتظرها ورعاها من الأمس وأخفهم نصيبا من إذا أصبح يقول أيش اليوم وكان بعضهم يبيت ليلة الجمعة في الجامع لأجلها (احياء علوم الدين للغزالي، ج ا ص ١٨٠، كتاب اسرار الصلاة ومهماتها، الباب الخامس فضل الجمعة وآدابها وسننها وشروطها، بيان آداب الجمعة على ترتيب العادة وهي عشر جمل)

ترجمہ: بعض سلف نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ جمعہ سے فائدہ اٹھانے والا وہ شخص ہے، جو جمعہ کا انتظار جمعرات سے ہی کرے، اور سب سے زیادہ کم نصیب وہ شخص ہے کہ (جو جمعہ کے دن) صبح ہونے پر یہ معلوم کرے کہ آج کیا دن ہے؟ اور بعض سلف جمعہ کی نماز کی جلدی کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے رات جامع مسجد میں ہی گزارا کرتے تھے (احیاء العلوم)

امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء علوم الدین'' میں یہ بھی فرمایا کہ:

’’جمعہ کی نماز کے لیے سویرے جانا مستحب ہے، اور اس کا وقت صبح سویرے طلوعِ فجر پر شروع ہوجاتا ہے، جس کی عظیم فضیلت ہے، اور پہلی ساعت طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ شمس تک جاری رہتی ہے، اس کے بعد پھر اگلی ساعات کا وقت ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ زوال تک جاری رہتا ہے، اور زوال کا وقت، جمعہ کی نماز کا حق ہے، جس میں جلدی جانے کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔

پھر امام غزالی نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں جامع مسجد کی طرف (جمعہ کی نماز کے لیے جانے والے) لوگوں سے، عید کے دنوں کی طرح سحری کے وقت اور فجر کے بعد راستے بھرے ہوا کرتے تھے، لوگ اندھیرے میں چراغوں کی روشنی لے کر چلا کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ موقوف ہوگیا، جس پر کہا گیا کہ ’’پہلی بدعت جو اسلام میں ایجاد ہوئی، وہ جامع مسجد کی طرف سویرے جانے کو ترک کرنے کی ہے‘‘ اور مسلمان، یہود و نصاریٰ سے کیوں شرم نہیں کرتے، جو ہفتہ اور اتوار کو اپنے گرجا گھروں اور عبادت خانوں میں صبح سویرے جاتے ہیں، اور دنیا کے طالب کس طرح سے اپنے معاملات اور دنیا کا نفع حاصل کرنے کے لیے صبح سویرے جاتے ہیں، آخرت کے طلب گار اُن سے آگے کیوں نہیں بڑھتے؟‘‘ [1]

---

[1] ويستحب أن يقصد الجامع من فرسخين وثلاث وليبكر ويدخل وقت البكور بطلوع الفجر وفضل البكور عظيم .وينبغي أن يكون في سعيه إلى الجمعة خاشعاً متواضعاً ناوياً للاعتكاف في المسجد إلى وقت الصلاة قاصداً للمبادرة إلى جواب نداء الله عز وجل إلى الجمعة إياه. والمسارعة إلى مغفرته ورضوانه وقد قال صلى الله عليه وسلم "من راح في الساعة الثالثة فكأنما قرب كبشاً أقرن ومن راح في الساعة الرابعة فكأنما أهدى دجاجة ومن راح في الساعة الخامسة فكأنما أهدى بيضة فإذا خرج الإمام طويت الصحف ورفعت الأقلام واجتمعت الملائكة عند المنبر يستمعون الذكر فمن جاء بعد ذلك فأنما جاء لحق الصلاة ليس له من الفضل شيء "والساعة الأولى إلى طلوع الشمس؛ والثانية إلى ارتفاعها، والثالثة إلى انبساطها حين ترمض الأقدام، والرابعة والخامسة بعد الضحى الأعلى إلى الزوال وفضلها قليل؛ ووقت الزوال حق الصلاة ولا فضل فيه .وقال صلى الله عليه وسلم "ثلاث لو يعلم الناس ما فيهن لركضوا ركض الإبل في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ زمخشری اور امام غزالی کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا آغاز صبح سویرے ہوجاتا ہے، اور سلف کے یہاں اس کا اہتمام تھا، بعد میں یہ سلسلہ کمزور پڑ گیا۔

البتہ اہلِ علم حضرات نے امام غزالی رحمہ اللہ کے اس قول کو مرجوح قرار دیا ہے، جس کی رو سے پہلی ساعت کا وقت، طلوعِ شمس پر ختم ہوجاتا ہے۔ [1]

''عمدةُ القاری'' کا حوالہ

علامہ بدرُالدین عینی حنفی نے ''صحیح البخاری'' کی شرح ''عمدةُ القاری'' میں امام

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طلبهن؛ الأذان والصف الأول والغدو إلى الجمعة "وقال أحمد بن حنبل رضى الله عنه :أفضلهن الغدو إلى الجمعة .وفى الخبر "إذا كان يوم الجمعة قعدت الملائكة على أبواب المساجد بأيديهم صحف من فضة وأقلام من ذهب يكتبون الأول فالأول على مراتبهم "وجاء فى الخبر "إن الملائكة يتفقدون الرجل إذا تأخر عن وقته يوم الجمعة فيسأل بعضهم بعضاً عنه :ما فعل فلان وما الذى أخره عن وقته؟ فيقولون :اللهم إن كان أخره فقر فأغنه وإن كان أخره مرض فاشفه وإن كان أخره شغل ففرغه لعبادتك وإن كان أخره لهو فأقبل بقلبه إلى طاعتك "

وكان يرى فى القرن الأول سحراً وبعد الفجر الطرقات مملوءة من الناس يمشون فى السرج ويزدحمون بها إلى الجامع كأيام العيد حتى اندرس ذلك فقيل :أول بدعة حدثت فى الإسلام ترك البكور إلى الجامع .وكيف لا يستحى المسلمون من اليهود والنصارى وهم يبكرون إلى البيع والكنائس يوم السبت والأحد؟ وطلاب الدنيا كيف يبكرون إلى رحاب الأسواق للبيع والشراء والربح فلم لا يسابقهم طلاب الآخرة؟ ويقال :إن الناس يكونون فى قربهم عند النظر إلى وجه الله سبحانه وتعالى على قدر بكورهم إلى الجمعة .ودخل ابن مسعود رضى الله عنه بكرة الجامع فرأى ثلاثة نفر قد سبقوه بالبكور فاغتم لذلك وجعل يقول فى نفسه معاتباً لها رابع أربعة : وما رابع أربعة من البكور ببعيد(احياء علوم الدين،لأبى حامد الغزالى،ج ١،ص ١٨١، ١٨٢،كتاب أسرار الصلاة ومهماتها،الباب الخامس،، بيان آداب الجمعة على ترتيب العادة وهى عشر جمل)

[1] وتجاسر الغزالى فقسمها برأيه فقال الأولى من طلوع الفجر إلى طلوع الشمس والثانية إلى ارتفاعها والثالثة إلى انبساطها والرابعة إلى أن ترمض الأقدام والخامسة إلى الزوال واعترضه بن دقيق العيد بأن الرد إلى الساعات المعروفة أولى وإلا لم يكن لتخصيص هذا العدد بالذكر معنى لأن المراتب متفاوتة جدا وأولى الأجوبة الأول إن لم تكن زيادة بن عجلان محفوظة وإلا فهى المعتمدة (فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن حجر العسقلانى،ج ٢،ص ٣٦٩، كتاب الجمعة،باب فضل الجمعة)

مالک اوران کے مقابلہ میں جماہیر علماء کے اقوال کو ذکر کیا ہے، اور دلائل کی رُو سے جمہور علماء کے قول کو صواب و درست قرار دیا ہے۔ [1]

”فتحُ الباری“ کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ”صحیح البخاری“ کی شرح ”فتحُ الباری“ میں امام مالک اور جمہور کے قول کو بیان کیا ہے، اور طلوعِ فجر کے بجائے طلوعِ شمس سے ساعاتِ فضیلت کے آغاز ہونے کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے۔

---

[1] قال مالک :المراد بالساعات هنا لحظات لطيفة بعد زوال الشمس، وبه قال القاضی حسين وإمام الحرمين .والرواح عندهم بعد زوال الشمس، وادعوا أن هذا معناه فی اللغة، وقال جماهير العلماء باستحباب التبكير إليها أول النهار، وبه قال الشافعي وابن حبيب المالكی، والساعات عندهم من أول النهار، والرواح يكون أول النهار وآخره .وقال الأزهری :لغة العرب أن الرواح: الذهاب، سواء كان أول النهار أو آخره أو فی الليل، وهذا هو الصواب الذی يقتضيه الحديث، والمعنى :لأن النبی صلى الله عليه وسلم، أخبر أن الملائكة تكتب من جاء فی الساعة الأولى وهو كالمهدی بدنة، ثم من جاء فی الساعة الثانية، ثم فی الثالثة، ثم فی الرابعة، ثم فی الخامسة، وفی رواية النسائی :السادسة، فإذا خرج إمام طووا الصحف ولم يكتبوا بعد ذلک.
ومعلوم أن النبی، صلى الله عليه وسلم، كان يخرج إلى الجمعة متصلا بالزوال، وهو بعد انقضاء الساعة السادسة، فدل على أنه لا شیء من الفضيلة لمن جاء بعد الزوال، ولأن ذكر الساعات إنما كان للحث على التبكير إليها والترغيب فی فضيلة السبق وتحصيل الصف الأول وانتظارها والاشتغال بالتنفل والذكر، ونحو ذلک، وهذا كله لا يحصل بالذهاب بعد الزوال، ولا فضيلة لمن أتى بعد الزوال لأن النداء يكون حينئذ، ويحرم التخلف بعد النداء.
قلت :الحاصل أن الجمهور حملوا الساعات المذكورة فی الحديث على الساعات الزمانية، كما فی سائر الأيام، وقد روى النسائی أنه، صلى الله عليه وسلم، قال :(يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة) ، وأما أهل علم الميقات فيجعلون ساعات النهار ابتداء ها من طلوع الشمس، ويجعلون الحصة التی من طلوع الفجر إلى طلوع الشمس من حساب الليل، واستواء الليل والنهار عندهم إذا تساوى ما بين المغرب وطلوع الشمس، وما بين طلوع الشمس وغروبها، فإن أريد الساعات على اصطلاحهم فيكون ابتداء الوقت المرغب فيه لذهاب الجمعة من طلوع الشمس، وهو أحد الوجهين للشافعية .وقال الماوردی :إنه الأصح، ليكون قبل ذلک من طلوع الفجر زمان غسل وتأهب .وقال الرويانی :إن ظاهر كلام الشافعی أن التبكير يكون من طلوع الفجر، وصححه الرويانی، وكذلک صاحب (المهذب) قبله، ثم الرافعی والنووی(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج٦،ص ١٧١، كتاب الجمعة ،باب فضل الجمعة)

چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کی بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا کہ:

ولغيره من الشافعية فى ذلك وجهان اختلف فيهما الترجيح فقيل أول التبكير طلوع الشمس وقيل طلوع الفجر ورجحه جمع وفيه نظر إذ يلزم منه أن يكون التأهب قبل طلوع الفجر وقد قال الشافعي يجزء الغسل إذا كان بعد الفجر فأشعر بأن الأولى أن يقع بعد ذلك (فتح البارى شرح صحيح البخارى،لابن حجر العسقلانى، ج۲، ص۳۶۸، كتاب الجمعة، باب فضل الجمعة)

ترجمہ: اور شافعیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کی اس میں دو آراء ہیں، اور ان دونوں میں راجح قول کون سا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ جلدی جانے کا اول وقت، طلوعِ شمس سے ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ طلوعِ فجر سے ہے، اور طلوعِ فجر کے قول کو کئی حضرات نے ترجیح دی ہے، لیکن اس میں نظر وتأمل ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جمعہ کی تیاری، طلوعِ فجر سے پہلے شروع کردی جائے، حالانکہ امام شافعی نے (جمعہ کے مسنون غسل کے متعلق) فرمایا کہ فجر کے بعد غسل جائز ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ (جمعہ کے لیے جلدی جانے کی مخصوص فضیلت کے وقت) کے متعلق اولیٰ (اور بہتر) یہ ہے کہ اس کا آغاز اس (یعنی طلوعِ فجر) کے بعد واقع ہو (جو کہ بظاہر سورج طلوع ہونے کا وقت ہے) (فتحُ البارى)

اس کے بعد علامہ ابنِ حجر نے فرمایا کہ:

وقد أشتد إنكار أحمد وبن حبيب من المالكية ما نقل عن مالك من كراهية التبكير إلى الجمعة وقال أحمد هذا خلاف حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم (فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن

حجر العسقلانی، ج۲،ص ۳۶۹، کتاب الجمعة ،باب فضل الجمعة)

ترجمہ: امام مالک سے جمعہ کی طرف سویرے جانے کی جو کراہت منقول ہے، اس پر امام احمد اور مالکیہ میں سے ابنِ حبیب نے شدید نکیر کی ہے، اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہے (فتحُ الباری)

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک جمعہ کے لیے جلدی جانے کی مخصوص فضیلت کا آغاز دن کے شروع میں ہوجاتا ہے، جس میں طلوعِ فجر یا طلوعِ شمس سے ہونے میں اختلاف ہے، اور طلوعِ شمس کا قول زیادہ اولیٰ ہے، اور جلیل القدر فقہائے کرام نے امام مالک کے قول کی تردید کی ہے۔

''ارشادُ الساری'' کا حوالہ

علامہ قسطلانی نے بھی ''صحیح البخاری'' کی شرح ''ارشادُ الساری'' میں اس مسئلے کو بیان کیا ہے، اور دلائل کی رُو سے جمہور کے قول کو راجح اور مضبوط قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] والمراد بالساعات عند الجمهور من أول النهار، وهو قول الشافعي رحمه الله، وابن حبيب من المالكية، وليس المراد من الساعات الفلكية الأربعة والعشرين التي قسم عليها الليل والنهار، بل ترتيب درجات السابقين على من يليهم في الفضيلة، لئلا يستوى فيه رجلان جاء ا فى طرفى ساعة، ولأنه لو أريد ذلک لاختلف الأمر فى اليوم الشاتى والصائف.

وقال فى شرح المهذب، وشرح مسلم :بل المراد الفلكية، لكن بدنة الأول أكمل من بدنة الأخير، وبدنة المتوسط متوسطة، فمراتبهم متفاوتة، وإن اشتركوا فى البدنة مثلا، كما فى درجات صلاة الجماعة الكثيرة والقليلة، وحينئذ فمراده بساعات النهار الفلكية اثنتا عشرة زمانية صيفا أو شتاء .

وقد روى النسائى مرفوعا :يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة .وقال الماوردى :إنه من طلوع الشمس موافقة لأهل الميقات، ليكون ما قبل ذلک من طلوع الفجر زمان غسل وتأهب.

واستشكل بأن الساعات ست لا خمس، والجمعة لا تصح فى السادسة بل فى السابعة.

نعم، عند النسائى بإسناد صحيح بعد الكبش :بطة، ثم دجاجة ثم بيضة .وفى أخرى :دجاجة ثم عصفورا، ثم بيضة.

ومعلوم أنه -صلى الله عليه وسلم -كان يخرج إلى الجمعة متصلا بالزوال، وهو بعد انقضاء الساعة السادسة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’شرحُ البخاری لابنِ رجب‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ رجب حنبلی نے ’’صحیح البخاری‘‘ کی شرح ’’فتحُ الباری‘‘ میں امام مالک اور جمہور کے قول کو نقل کیا ہے، اور جمہور کے قول کو اکثر اہلِ علم حضرات کا قول قرار دیا ہے، پھر جمہور کے نزدیک اس کا وقت طلوعِ فجر یا طلوعِ شمس سے شروع ہونے کے اختلاف کو ذکر کر کے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ رجب فرماتے ہیں کہ:

والقول الثانی :أن المراد بالساعات من أول النهار، وهو قول

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی حدیث واثلة عند الطبرانی فی الكبير مرفوعا" :إن الله تعالى يبعث الملائكة يوم الجمعة على أبواب المسجد يكتبون القوم :الأول والثانی والثالث والرابع والخامس والسادس، فإذا بلغوا السابع كانوا بمنزلة من قرب العصافير."

وقال مالک، رحمه الله، وإمام الحرمين، والقاضی حسين :إنها لحظات لطيفة بعد الزوال، لأن الرواح لغة لا يكون إلا من الزوال، والساعة فی اللغة الجزء من الزمان، وحملها على الزمانية التی يقسم النهار فيها إلى اثنی عشر جزء ا يبعد إحالة الشرع عليه لاحتياجه إلى حساب ومراجعة آلات تدل عليه، ولأنه عليه الصلاة والسلام قال :إذا كان يوم الجمعة قام على كل باب من أبواب المسجد ملائكة يكتبون الناس الأول فالأول، فالمتهجر إلى الجمعة كالمهدی بدنة، الحديث.

فإن قالوا :قد تستعمل الهاجرة فی غير موضعها فيجب الحمل عليه جمعا.

قلنا :ليس إخراجها عن ظاهرها بأولى من إخراج الساعة الأولى عن ظاهرها، فإذا تساويا على ما زعمت فما أرجح؟

قلت :عمل الناس جيلا بعد جيل، لم يعرف أن أحدا من الصحابة رضی الله عنهم كان يأتی المسجد لصلاة الجمعة عند طلوع الشمس، ولا يمكن حمل حالهم على ترک هذه الفضيلة العظيمة .اهـ.

وأجيب :بأن الرواح، كما قاله الأزهری، يطلق لغة على الذهاب، سواء كان أول النهار أو آخره أو الليل، وهذا هو الصواب الذی يقتضيه الحديث، والمعنى :فدل على أنه لا فضيلة لمن أتى بعد الزوال، لأن التخلف بعد النداء حرام، ولأن ذكر الساعات إنما هو للحث على التبكير إليها والترغيب فی فضيلة السبق، وتحصيل الصف الأول، وانتظارها والاشتغال بالتنفل والذكر ونحوه، وهذا كله لا يحصل بالذهاب بعد الزوال .وحكى الصيدلانی :أنه من ارتفاع النهار وهو وقت الهجير(إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری، ج٢،ص ١٦٠ ، كتاب الجمعة،باب فضل الجمعة)

الأكثرين.

ثم اختلفوا :هل أولها من طلوع الفجر، أو من طلوع الشمس؟

فقالت طائفة :أولها من طلوع الفجر، وهو ظاهر مذهب الشافعي وأحمد .واستدلوا بقوله :(إذا كان الجمعة، كان على أبواب المسجد ملائكة يكتبون الناس الأول فالأول) - الحديث، كما سيأتي ذكره -أن شاء الله تعالى .وظاهره :أن ذلك يكون بعد طلوع الفجر.

وقالت طائفة :أولها من طلوع الشمس، وحكى عن الثورى وأبى حنيفة ومحمد بن إبراهيم البوشنجي، ورجحه الخطابى وغيره، لأن ما قبله وقت للسعى إلى صلاة الفجر .ورجح هذا القول عبد الملك بن حبيب المالكى.وهؤلاء حملوا الساعات على ساعات النهار المعهودة، وهو الظاهر المتبادر إلى الفهم(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لابن رجب، ج٨،ص ٩٥، ٩٦، كتاب الجمعة ،باب فضل الجمعة)

ترجمہ:اوردوسرا قول یہ ہے کہ احادیث میں مذکور''ساعات'' سے دن کا شروع مراد ہے،اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔

پھران حضرات کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا آغاز طلوعِ فجر سے ہوتا ہے، یا طلوعِ شمس سے ہوتا ہے؟

ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اس کا آغاز طلوعِ فجر سے ہوتا ہے، امام شافعی اور امام احمد کا ظاہری مذہب یہی ہے،ان کا استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہے کہ''جب جمعہ کا دن ہوتا ہے،تو مسجد کے دروازوں پر فرشتے پہلے نمبر پر، اوراس کے بعد آنے والوں کو لکھتے ہیں، آخر حدیث تک''جس کا ذکران شاءاللہ

تعالیٰ آگے آئے گا، اوراس قول کا ظاہر یہ ہے کہ یہ وقت طلوعِ فجر کے بعد ہوتا ہے۔

اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اس کا آغاز سورج طلوع ہونے سے ہوتا ہے، یہ قول امام ابوحنیفہ، امام ثوری، محمد بن ابراہیم بوشنجی، وغیرہ سے مروی ہے، خطابی وغیرہ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے نمازِ فجر کی سعی کا وقت ہے (لہٰذا اسے جمعہ کی سعی کا وقت ماننا راجح نہیں) اور اس قول کو عبدالملک بن حبیب مالکی نے راجح قرار دیا ہے، اور ان حضرات نے حدیث میں مذکور ''ساعات'' کو دن کی مشہور ''ساعات'' پر محمول کیا ہے، جو کہ ظاہر وراجح اور فہم کے متبادر بات ہے (فتحُ الباری)

علامہ ابنِ رجب حنبلی نے ''صحیح البخاری'' کی شرح ''فتحُ الباری'' میں ایک اور موقع پر فرمایا کہ:

عن سهل بن سعد، قال: كنا نصلي مع النبي -صلى الله عليه وسلم -الجمعة، ثم تكون القائلة.

هذا من أوضح دليل على أنهم كانوا يبكرون إلى الجمعة من أول النهار، فيمنعهم التبكير من القائلة في وقتها، فلا يتمكنون منها إلا بعد الصلاة، ولو كانوا يأتون الجمعة بعد الزوال لم يمتنعوا من القائلة بإتيان الجمعة (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۸، ص ۳۳۹، کتاب الجمعة ،باب قول الله عز وجل :فإذا قضيت الصلاة فانتشروا في الأرض)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے، پھر قیلولہ کیا کرتے تھے۔

یہ اس بات کی انتہائی واضح دلیل ہے کہ صحابۂ کرام، جمعہ کے لیے دن کے شروع

حصہ میں جلدی چلے جایا کرتے تھے، اور جلدی چلے جانے کی وجہ سے اپنے وقت پر قیلولہ نہیں کر پاتے تھے، جس پر وہ جمعہ کی نماز کے بعد ہی قادر ہوتے تھے، اور اگر وہ جمعہ کی نماز کے لیے زوال کے بعد آتے، تو جمعہ کی نماز کے لیے آنے کی وجہ سے قیلولہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی (فتحُ الباری)

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک جمعہ کے دن ساعاتِ فضیلت کا آغاز، صبح سے ہوجاتا ہے، پھر حنفیہ وغیرہ کے نزدیک صبح سے طلوعِ شمس مراد ہے، اور یہی قول راجح ہے، جس پر صحابۂ کرام سے عمل بھی ثابت ہے۔

”شرح سنن ابی داؤد للعینی“ کا حوالہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے ”سنن ابی داؤد“ کی شرح میں بھی اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، اور جمہور کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] قوله " :ثم راح "المراد بالرواح الذهاب أول النهار .وقال مالك :المراد بالساعات هنا لحظات لطيفة بعد زوال الشمس، وبه قال القاضي حسين، وإمام الحرمين .والرواح عندهم بعد الزوال، وادعوا أن هذا معناه في اللغة .وقال جماهير العلماء باستحباب التبكير إليها أول النهار،وبه قال الشافعي، وابن حبيب المالكي، والساعات عندهم من أول النهار، والرواح يكون أول النهار وآخره .وقال الأزهري :لغة العرب أن الرواح الذهاب، سواء كان أول النهار وآخره أو في الليل . وهذا هو الصواب الذي يقتضيه الحديث والمعنى؛ لأن النبي -عليه السلام -أخبر أن اللائكة تكتب من جاء في الساعة الأولى، وهو كالمهدي بدنة، ثم من جاء في الساعة الثانية، ثم في الثالثة، ثم الرابعة، ثم الخامسة،وفي رواية النسائي " :السادسة "، فإذا خرج الإمام طووا الصحف ولم يكتبوا بعد ذلك/واحدا، ومعلوم أن النبي -عليه السلام -كان يخرج إلى الجمعة متصلا بالزوال؛ وهو بعد انقضاء الساعة السادسة؛ فدل على أنه لا شيء من الهدى، والفضيلة لمن جاء بعد الزوال، ولاشك ذكر الساعات إنما كان للحث على التبكير إليها، والترغيب في فضيلة السبق،وتحصيل الصف الأول وانتظارها، والاشتغال بالتنفل والذكر ونحوه،وهذا كله لا يحصل بالذهاب بعد الزوال، ولا فضيلة لمن أتى بعد الزوال؛لأن النداء يكون حينئذ، ويحرم التخلف بعد النداء (شرح سنن أبي داود للعيني،ج٢،ص٤٧٣، كتاب الطهارة ،باب :الغسل يوم الجمعة)

''مرقاۃُ المفاتیح'' کا حوالہ

ملا علی قاری حنفی نے''مشکاۃ'' کی شرح''مرقاۃُ المفاتیح''میں فرمایا کہ:

فذهب مالک وبعض الشافعية كإمام الحرمين إلى أن المراد بالساعات لحظات لطيفة بعد الزوال ;لأن الرواح فى اللغة : الذهاب بعد الزوال.

وذهب الجمهور إلى أنها أول النهار، والرواح .قال الأزهرى :إنه الذهاب سواء كان أول النهار أو آخره، أو فى الليل ;لأن ذكر الساعات إنما هو للحث على التبكير إليها، والترغيب فى فضيلة السبق، وانتظار الجمعة، والاشتغال بالتنفل والذكر، وهذا لا يحصل بالذهاب بعد الزوال اهـ .وقد كان السلف يمشون على السرج يوم الجمعة إلى الجامع، وفى الإحياء :وأول بدعة حدثت فى الإسلام ترک التبكير إلى المساجد (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣،ص ١٠٣١ ،كتاب الصلاة،باب التنظيف والتبكير)

ترجمہ: امام مالک اور بعض شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ ساعات سے مراد زوال کے بعد تھوڑے سے لمحات ہیں۔

اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ ساعات سے دن کے شروع کا وقت مراد ہے، کیونکہ ساعات کا ذکر جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے پر ابھارنے اور سبقت کی فضیلت کی ترغیب کے لیے، اور جمعہ کی نماز کا انتظار اور نوافل اور ذکر میں مشغول ہونے کے لیے ہے، اور یہ مقصود زوال کے بعد حاصل نہیں ہوتا، اور سلف، جمعہ کے دن صبح اندھیرے میں چراغ کی روشنیاں لے کر جامع مسجد کی طرف

جایا کرتے تھے، اور ''احیاء علوم الدین'' میں ہے کہ ''اسلام میں پہلی بدعت مساجد کی طرف جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے کو ترک کرنے کی ایجاد ہوئی'' (مرقاۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاری کا رجحان بھی جمہور کے قول کی طرف ہے۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ کے حوالے سے اس سلسلہ میں تصریح پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

''بذلُ المجهود'' کا حوالہ

مولانا خلیل احمد سہارن پوری نے بھی ''سنن ابی داؤد'' کی شرح ''بذلُ المجهود'' میں امام نووی کے حوالے سے، امام مالک کے مقابلے میں جمہور کے قول کا راجح ہونا نقل کیا ہے۔ [1]

جس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ ''بذلُ المجهود'' کا رجحان بھی جمہور کی طرف ہے۔

''حاشيةُ الطحطاوی علی المراقی'' کا حوالہ

احمد بن محمد طحطاوی حنفی نے ''مراقیُ الفلاح'' کے حاشیہ میں امام مالک اور جمہور کے قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''جمعہ کے لیے جلدی جانے کے اول وقت کے بارے میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ سورج طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے، تاکہ اس سے پہلے طلوعِ فجر کے بعد کا وقت، غسل اور تیاری کے لیے ہو جائے، برہان حلبی نے اس قول کو

---

[1] قال النووی :والمراد بالرواح الذهاب أول النهار، وفی المسألة خلاف مشهور، فمذهب مالک وکثیر من أصحابه والقاضی حسین وإمام الحرمین من أصحابنا أن المراد بالساعات ههنا لحظات لطیفة بعد زوال الشمس، والرواح عندهم بعد الزوال، وادعوا أن هذا معناه فی اللغة، ومذهب الشافعی وجماهیر العلماء استحباب التبکیر إلیها أول النهار، والساعات عندهم من أول النهار، والرواح یکون أول النهار وآخره، قال الأزهری :لغة العرب الرواح الذهاب، سواء کان أول اللیل أو آخره أو فی اللیل، وهذا هو الصواب الذی یقتضیه الحدیث(بذل المجهود فی حل سنن أبی داود، ج۲،ص۵۶۵، کتاب الطهارة ،باب :فی الغسل للجمعة)

زیادہ اظہر اور راجح قرار دیا ہے۔

اور احادیث میں ساعات کا ذکر اس لیے آیا ہے، تاکہ جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے پر اور سبقت کی فضیلت کی ترغیب پر اور پہلی صف کے حاصل کرنے پر اور جمعہ کی نماز کا انتظار کرنے اور جمعہ سے پہلے نفل اور ذکر میں مشغول ہونے پر ابھارا جائے، اور کشاف میں ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ اسلام میں پہلی بدعت، جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے کے چھوڑنے کی ایجاد ہوئی'' ۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں، اور بعض مشائخِ حنفیہ نے سورج طلوع ہونے پر ساعاتِ فضیلت کے آغاز ہونے کے قول کو ترجیح دی ہے، ہم بھی دلائل کی رُو سے اسی قول کو راجح سمجھتے ہیں، جبکہ اسلام آباد کے مسلکہ فتوے میں اس کے برعکس قول کو ترجیح دی گئی ہے، جو کہ بظاہر صحیح نہیں۔

''شرحُ المحرر فی الحدیث'' کا حوالہ

عرب کے شیخ عبدالکریم الخضیر فرماتے ہیں کہ:

قال الإمام مالک -رحمه الله :-أن الساعات الخمس فی التبکیر للجمعة إنما هی ساعات لطیفة بعد الزوال، یعنی بین الزوال

---

[1] قال مالک وأکثر أصحابه وإمام الحرمین والقاضی حسین أنها لحظات لطیفة أولها زوال الشمس وآخرها قعود الإمام علی المنبر.

وقال الجمهور والمراد ساعات الیوم واللیلة المنقسمة إلی أربعة وعشرین جزء ا فاستحبوا التبکیر الیها .

واختلف فی أول الوقت فقیل من طلوع الشمس لیکون ما قبله من طلوع الفجر زمان غسل وتأهب قال البرهان الحلبی وهو الأظهر.

وذکر الساعات للحث علی التبکیر إلیها والترغیب فی فضلة السبق وتحصیل الصف الأول وانتظارها والاشتغال بالنفل والذکر قبلها وفی الکشاف قیل أول بدعة حدثت فی الإسلام ترک البکور إلی الجمعة(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح،ص۵۱۷، کتاب الصلاة،باب الجمعة)

ودخـول الإمـام، يـعنى قد تكون الساعة إذا كان الإمام يدخل بعد الـزوال بعشر دقائق صارت الساعة دقيقتان، ساعات لطيفة، يعنى قليلة جداً وقتها يسير.

ولـذا الـمـرجـح قـول جـمهـور أهل العلم، وأن الساعات تبدأ من ارتـفـا ع الشـمـس، يعنى من طلوع الشمس وارتفاعها، وخروج وقـت الـنهـى، هذه الساعات التى يمكن أن تسمى ساعات، وهى التـى فيهـا مـا فيهـا من مشقة على ما رتب عليه هذا الأجر العظيم، فمن جاء فى الساعة الأولى فكأنما قرب بدنة.

الساعة الأولـى سـاعة وقـد تـزيـد بـحيـث، مـن ذهب إلى صلاة الـجـمـعة بعد طلوع الشمس لا شك أنه مجاهد لنفسه، لا سيما وأننا نرى كثير من الناس حتى من طلاب العلم من يتأخر إلى قرب دخـول الإمـام، وقـد يتـأخر إلى ما بعد دخول الإمام، فلا شك أن التـقـدم إلـى الـجـمـعة يـحتاج إلى جهاد، والأجر المرتب عليه لا يـنـاسبه ما يذكر عن مالك، إنما من ذهب من طلوع الشمس إلى الـجـمـعة هذا الذى كمن قرب بدنة(شـرح الـمـحـرر فى الحديث”دروس مفرغة من موقع الشيخ الخضير“رقم الدرس ۴،ص ۱۱،كتاب الصلاة)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جمعہ کے لیے جلدی جانے کی پانچوں ساعات، زوال کے بعد صرف ہلکی پھلکی ساعات ہیں، یعنی زوال سے لے کر امام کے داخل ہونے کے درمیان، پس جب امام زوال کے دس منٹ بعد داخل ہوگا، تو ان کے نزدیک ایک ساعت دو منٹ کی ہوگی، امام مالک کے نزدیک یہ ساعات انتہائی قلیل ہیں، جن کا وقت بہت کم ہے۔

اس وجہ سے اس سلسلہ میں راجح قول جمہور اہلِ علم کا ہے، اور ساعات کی ابتداء، سورج بلند ہونے یعنی سورج طلوع ہونے اور بلند ہونے اور ممنوع وقت نکلنے کے بعد ہوتی ہے (جو کہ سورج طلوع ہونے کے کچھ ہی دیر کے بعد کا وقت ہے) ان ساعات کے متعلق ہی یہ بات ممکن ہے کہ ان کا ساعات نام رکھا جائے، اور اسی میں اس درجہ کی مشقت بھی پائی جاتی ہے، جس پر اتنا عظیم الشان اجر وثواب مرتب ہو کہ جو شخص پہلی ساعت میں آئے، تو وہ اونٹ کی قربانی پیش کرنے والے کی طرح ہو۔

پہلی ساعت، ایسی ساعت ہے، جو کہ بسا اوقات لمبی ہو جاتی ہے، اس طور پر کہ جو شخص سورج طلوع ہونے کے بعد جمعہ کی نماز کے لیے گیا، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے والا ہے، خاص طور پر جب کہ ہم اکثر لوگوں کو یہاں تک کہ کئی طالب علموں کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ امام کے داخل ہونے کے قریب ہی دیر سے پہنچتے ہیں، بلکہ بعض اوقات امام کے داخل ہونے کے بعد دیر سے پہنچتے ہیں، لہٰذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جمعہ کی طرف جلدی جانا مجاہدے کا تقاضا کرتا ہے، اور اس پر جو اَجر مرتب ہوتا ہے، یہ اس کے مناسب نہیں، جو امام مالک کی طرف سے ذکر کیا جاتا ہے، بلکہ صرف اس شخص کے ہی مناسب ہے، جو طلوعِ شمس کے وقت (یا اس کے کچھ بعد) جمعہ کی طرف جائے، جو کہ ایسا ہے کہ گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی پیش کی (شرحُ المحرر فی الحدیث)

نیز ایک اور جگہ شیخ موصوف فرماتے ہیں:

التبكير، وهي تبدأ من ارتفاع الشمس؛ لأنه قبل ارتفاع الشمس هناك وظائف شرعية جاءت بها النصوص، ثم إذا ارتفعت الشمس بدأت الساعة الأولى ......يُذكر عن مالك أن هذه

الساعات الخمس هی كلها ساعات لطيفة تكون بعد الزوال، يعني يتأخر الإمام يسيراً تأخر يسير بحيث يستوعب خمسة أوقات زمنية يصح أن يطلق على كل وقت منها ساعة من غير تحديد، ساعات لطيفة بعد الزوال، لكن هذا القول ظاهر الضعف، والمرجح هو قول الجمهور، وأنها تبدأ من أول النهار (شرح المحرر في الحديث "دروس مفرغة من موقع الشيخ الخضير" رقم الدرس ۴۷، ص ۲۲، كتاب الصلاة)

ترجمہ: جمعہ کے لیے "تبکیر" کا آغاز سورج بلند ہونے سے ہوجاتا ہے، کیونکہ سورج بلند ہونے سے پہلے اس موقع پر شرعی وظائف ہیں، جن کے بارے میں نصوص وارِد ہوئی ہیں (مثلاً نمازِ فجر، اور مختلف اذکار) پھر جب سورج بلند ہوجاتا ہے، تو پہلی ساعت کا آغاز ہوجاتا ہے...... امام مالک کا یہ قول ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ پانچوں ساعات، تمام کی تمام ہلکی پھلکی ہوتی ہیں، اور زوال کے بعد ہوتی ہیں، پس امام کو چاہیے کہ (زوال کے بعد نکلنے میں) تھوڑی سی تاخیر کرے، تاکہ یہ پانچ اوقات کو گھیر لے، جن میں سے ہر ایک وقت پر بغیر تحدید کے "ساعت" کا اطلاق کیا جاسکے، یہ "ساعات" ان کے نزدیک زوال کے بعد ہلکی پھلکی ہوتی ہیں، لیکن یہ قول واضح طور پر ضعیف ہے، اور اس سلسلے میں راجح قول جمہور کا ہے کہ اس کا آغاز دن کے شروع سے ہوجاتا ہے (شرحُ المحرر فی الحدیث)

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور کا قول راجح ہے، اور امام مالک کا قول، واضح طور پر ضعیف ہے، کیونکہ اونٹ جیسی عظیم قربانی اور ہر قدم پر ایک سال کے روزے اور ایک سال رات میں قیام کا عظیم ثواب حاصل ہونے کے لیے کچھ مجاہدہ ومشقت کی ضرورت ہے، اور اس کو مالکیہ کے قول کے مطابق زوال کے بعد کے لیے آسانی قرار دینا درست نہیں۔

مُسلکہ فتوے میں بھی آسانی ہونے کی وجہ بتائی گئی ہے، جس سے ہمیں اتفاق نہیں ہوسکا۔

''ابنُ القیم'' کا حوالہ

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے ''زادُ المعاد'' میں اس مسئلے پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور مالکیہ کی طرف سے ''تبکیر'' اور ''تھجیر'' کے الفاظ سے جمعہ کے لیے سویرے جانے کی نفی کی مدلل انداز میں تردید کی ہے، اور ''تبکیر'' کی فضیلت کو، دن کے شروع سے ہونے پر راجح قرار دیا ہے۔

جس سے مالکیہ کے مستدلات کا کمزور اور جمہور کے قول اور دلائل کا مضبوط وقوی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ [1]

---

[1] قلت :ومدار إنكار التبكير أول النهار على ثلاثة أمور :أحدها :على لفظة الرواح، وإنها لا تكون إلا بعد الزوال، والثانی :لفظة التهجير وهی إنما تكون بالهاجرة وقت شدة الحر، والثالث : عمل أهل المدينة فإنهم لم يكونوا يأتون من أول النهار.

فأما لفظة الرواح فلا ريب أنها تطلق على المضی بعد الزوال، وهذا إنما يكون فی الأكثر إذا قرنت بالغدو كقوله تعالى :(غدوها شهر ورواحها شهر) وقوله صلى الله عليه وسلم :(من غدا إلى المسجد وراح، أعد الله له نزلا فی الجنة كلما غدا أو راح) . وقول الشاعر.

نروح ونغدو لحاجاتنا ...وحاجة من عاش لا تنقضی.

وقد يطلق الرواح بمعنى الذهاب والمضی، وهذا إنما يجیء إذا كانت مجردة عن الاقتران بالغدو.

وقال الأزهری فی "التهذيب" :"سمعت بعض العرب يستعمل الرواح فی السير فی كل وقت، يقال :راح القوم إذا ساروا، وغدوا كذلک، ويقول أحدهم لصاحبه :تروح، ويخاطب أصحابه فيقول :روحوا أی سيروا، ويقول الآخر :ألا تروحون؟ ومن ذلک ما جاء فی الأخبار الصحيحة الثابتة، وهو بمعنى المضی إلى الجمعة والخفة إليها لا بمعنى الرواح بالعشی.

وأما لفظ التهجير والمهجر فمن الهجير والهاجرة، قال الجوهری :هی نصف النهار عند اشتداد الحر، تقول منه :هجر النهار، قال امرؤ القيس:

فدعها وسل الهم عنها بجسرة ...ذمول إذا صام النهار وهجرا

ويقال :أتينا أهلنا مهجرين أی فی وقت الهاجرة .والتهجير، والتهجر :السير فی الهاجرة، فهذا ما يقرر به قول أهل المدينة.

قال الآخرون :الكلام فی لفظ التهجير كالكلام فی لفظ الرواح، فإنه يطلق ويراد به التبكير.

قال الأزهری فی "التهذيب" :"روى مالک عن سمی عن أبی صالح عن أبی هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :(لو يعلم الناس ما فی التهجير لاستبقوا إليه).

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”طرحُ التثریب“ کا حوالہ

علامہ زین الدین عراقی نے ”طرحُ التشریب “ میں جمعہ کے لیے جلدی جانے کی حدیث کی مفصل ومدلل تشریح کی ہے، جس کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث سے جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، امام ابوحنیفہ، امام ثوری، امام شافعی اور آپ کے اکثر اصحاب، اور امام احمد بن حنبل اور اوزاعی اور مالکیہ میں سے ابنِ حبیب اور جمہور کا یہی قول ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی حديث آخر مرفوع (المهجر إلى الجمعة كالمهدى بدنة) . قال :ويذهب كثير من الناس إلى أن التهجير في هذه الأحاديث تفعيل من الهاجرة وقت الزوال وهو غلط، والصواب فيه ما روى أبو داود المصاحفى عن النضر بن شميل أنه قال :التهجير إلى الجمعة وغيرها :التبكير والمبادرة إلى كل شىء .قال :سمعت الخليل يقول ذلک، قاله فى تفسير هذا الحديث.

قال الأزهرى :وهذا صحيح وهى لغة أهل الحجاز ومن جاورهم من قيس، قال لبيد:

راح القطين بهجر بعد ما ابتكروا ...فما تواصله سلمى وما تذر.

فقرن الهجر بالابتكار، والرواح عندهم الذهاب والمضى، يقال :راح القوم إذا خفوا ومروا أى وقت كان.

وقوله صلى الله عليه وسلم :(لو يعلم الناس ما فى التهجير لاستبقوا إليه) أراد به التبكير إلى جميع الصلوات، وهو المضى إليها فى أول أوقاتها، قال الأزهرى :وسائر العرب يقولون :هجر الرجل : إذا خرج وقت الهاجرة، وروى أبو عبيد عن أبى زيد :هجر الرجل إذا خرج بالهاجرة .قال :وهى نصف النهار.

ثم قال الأزهرى :أنشدنى المنذرى فيما روى لثعلب عن ابن الأعرابى فى "نوادره "قال :قال جعثنة بن جواس الربعى فى ناقته:

هل تذكرين قسمى ونذرى ...أزمان أنت بعروض الجفر.

إذ أنت مضرار جواد الحضر

على إن لم تنهضى بوقرى.

بأربعين قدرت بقدر ...بالخالدى لا بصاع حجر.

وتصحبى أيانقا فى سفر

يهجرون بهجير الفجر ...ثمت تمشى ليلهم فتسرى

يطوون أعراض الفجاج الغبر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر ہمارے شافعی اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا آغاز طلوعِ فجر سے ہوتا ہے، یا طلوعِ شمس سے؟ ان کے نزدیک زیادہ صحیح، طلوعِ فجر سے آغاز ہونے کا قول ہے، لیکن میرے والد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس پر عمل نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے طلوعِ فجر سے ہی جایا جائے، اس میں اتنا طول پیدا ہوجاتا ہے، جو وضو ٹوٹنے اور گردنیں پھلاندنے کی طرف پہنچاتا ہے، اور ماوردی نے سورج طلوع ہونے سے ''تبکیر'' کے وقت کو صحیح قرار دیا ہے، تاکہ طلوعِ فجر سے لے طلوعِ شمس تک کا وقت غسل اور جمعہ کی تیاری کا ہوجائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طی أخی التجر برود التجر.

قال الأزهری :یهجرون بهجیر الفجر أی یبكرون بوقت السحر.

وأما كون أهل المدینة لم یكونوا یروحون إلی الجمعة أول النهار فهذا غایة عملهم فی زمان مالک رحمه الله، وهذا لیس بحجة ولا عند من یقول :إجماع أهل المدینة حجة، فإن هذا لیس فیه إلا ترک الرواح إلی الجمعة من أول النهار، وهذا جائز بالضرورة.

وقد یكون اشتغال الرجل بمصالحه ومصالح أهله ومعاشه وغیر ذلک من أمور دینه ودنیاه أفضل من رواحه إلی الجمعة من أول النهار، ولا ریب أن انتظار الصلاة بعد الصلاة وجلوس الرجل فی مصلاه حتی یصلی الصلاة الأخری أفضل من ذهابه وعوده فی وقت آخر للثانیة، كما قال صلی الله علیه وسلم :(والذی ینتظر الصلاة ثم یصلیها مع الإمام أفضل من الذی یصلی ثم یروح إلی أهله) وأخبر "أن الملائكة لم تزل تصلی علیه ما دام فی مصلاه وأخبر "(أن انتظار الصلاة بعد الصلاة مما یمحو الله به الخطایا ویرفع به الدرجات وأنه الرباط) " وأخبر "أن الله یباهی ملائكته بمن قضی فریضة وجلس ینتظر أخری "وهذا یدل علی أن من صلی الصبح ثم جلس ینتظر الجمعة فهو أفضل ممن یذهب ثم یجیء فی وقتها، وكون أهل المدینة وغیرهم لا یفعلون ذلک لا یدل علی أنه مكروه، فهكذا المجیء إلیها والتبكیر فی أول النهار، والله أعلم(زاد المعاد فی هدی خیر العباد، ج ۱، ص ۳۹۰ الی ۳۹۴، فصل فی بیان اختلاف الناس فی ساعة الإجابة، فصول فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی العبادات)

[1] (حدیث التبكیر إلی الجمعة) (الحدیث الرابع) وعن سعید عن أبی هریرة یبلغ به النبی -صلی الله علیه وسلم -إذا كان یوم الجمعة كان علی كل باب من أبواب المسجد ملائكة یكتبون الأول فالأول فإذا خرج الإمام طویت الصحف وعنه عن النبی – صلی الله علیه وسلم – المهجر إلی الجمعة كالمهدی بدنة والذی یلیه كالمهدی بقرة والذی یلیه كالمهدی كبشا حتی ذكر الدجاجة والبیضة.

(فیه) فوائد:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورامام مالک اورآپ کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ جمعہ کی طرف زوال تک جانے کو مؤخر کرنا افضل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(الأولى)...... هـذان الحديثان إسنادهما واحد وهما في مسند أحمد – رحمه الله – هكذا منفصلين فتبعه والدى – رحمه الله – فى ذلك لأنه إنما أورده من طريقه وجمع بينهما مسلم والنسائى وابن ماجه فجعلوهما حديثا واحدا رواه مسلم عن يحيى بن يحيى وعمرو الناقد ورواه النسائى عن محمد بن منصور ورواه ابن ماجه عن هشام بن عمار وسهل بن أبى سهل خمستهم عن سفيان بن عيينة زاد ابن ماجه عن أحد شيخيه سهل فمن جاء بعد ذلك فإنما يجىء لحق الصلاة وأخرجه الشيخان والنسائى من طريق الزهرى عن أبى عبد الله الأغر عن أبى هريرة بتمامه وفى رواية النسائى ثم كالمهدى بطة ثم كالمهدى دجاجة ثم كالمهدى بيضة وأخرج البخارى القطعة الأولى منه من طريق الزهرى عن أبى سلمة والأغر كلاهما عن أبى هريرة وأخرج مسلم من طريق سهيل من أبى صالح عن أبيه عن أبى هريرة بلفظ على كل باب من أبواب المسجد ملك يكتب الأول فالأول مثل الجزور ثم نزلهم حتى صغر إلى مثل البيضة فإذا جلس الإمام طويت الصحف وحضروا الذكر وروى الشيخان والترمذى والنسائى من طريق مالك عن سمى عن أبى صالح عن أبى هريرة بلفظ من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكأنما قرب بدنة ومن راح فى الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة ومن راح فى الساعة الثالثة فكأنما قرب كبشا أقرن ومن راح فى الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة ومن راح فى الساعة الخامسة فكأنما قرب بيضة فإذا خرج الإمام حضرت الملائكة يستمعون الذكر ورواه النسائى أيضا من طريق محمد بن عجلان عن سمى وفيه وكرجل قدم دجاجة وكرجل قدم عصفورا وكرجل قدم بيضة .

(الثانية)...... فيه فضل التبكير إلى الجمعة لما دل عليه من اعتناء الملائكة بكتابة السابق وأن الأسبق أكثر ثوابا لتشبيه المتقدم بمهدى البدنة والذى يليه بمهدى ما هو دونها وهى البقرة وهكذا .

وبهذا قال الثورى وأبو حنيفة والشافعى وأكثر أصحابه وأحمد بن حنبل والأوزاعى وابن حبيب من المالكية والجمهور.

واختلف أصحابنا فى ابتداء ذلك طلوع الفجر أو طلوع الشمس والأصح عندهم طلوع الفجر وقال والدى – رحمه الله – ولكن ليس العمل عليه فى أمصار الإسلام قديما وحديثا أن يبكر للجمعة من طلوع الفجر وفيه طول يؤدى إلى انتقاض الطهارة وتخطى الرقاب وصحح الماوردى أن التبكير من طلوع الشمس ليكون ما قبل ذلك من طلوع الفجر زمان غسل وتأهب قال ابن الرفعة ويؤذن به قول الشافعى – رضى الله عنه – ويجزئه غسله لها إذا كان بعد الفجر قال والدى – رحمه الله – وأهل علم الميقات يجعلون ابتداء ساعات النهار من طلوع الشمس ويجعلون ما بين طلوع الفجر والشمس من حساب الليل واستواء الليل والنهار عندهم إذا تساوى ما بين غروب الشمس وطلوعها وما بين طلوعها وغروبها انتهى (طرح التثريب فى شرح التقريب ، ج٣ص ١٦٩ الىٰ ١٧١ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة ،حديث التبكير إلى الجمعة)

لیکن مالکیہ کے قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو جمعہ کی نماز کے لیے زوال کے متصل اول وقت میں نکلا کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اس بات کی بھی خبر دی ہے کہ جب امام نکل جاتا ہے، تو فرشتے آنے والوں کا ثواب نہیں لکھتے، بلکہ وہ اپنے صحیفے لپیٹ دیتے ہیں، اور خطبہ سننے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں، پس امام مالک کے قول کے مطابق زوال کے بعد آنے والے لوگوں کے لیے ان درجات کے لکھنے کی فضیلت کیونکر ممکن ہوگی، جو حدیث میں امام کے نکلنے سے پہلے لوگوں کے لیے مذکور ہے، جبکہ امام زوال کے متصل نکلتا ہے، اور اول وقت میں امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے اذان دی جاتی ہے۔ [1]

پھر علامہ زین الدین عراقی نے مالکیہ کی طرف سے ''**تہجیر**'' کے الفاظ کی دلیل کی تردید فرمائی ہے۔

پھر علامہ عراقی نے مالکیہ کی طرف سے پیش کیے گئے اس قول کی تردید کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے زوال سے پہلے جمعہ کی سعی کا عمل منقول نہیں۔

چنانچہ علامہ عراقی نے فرمایا کہ صحابۂ کرام کے عمل سے اس کی تائید نہیں ہوتی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دیر سے آنے پر نکیر و تردید کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے لیے سویرے اور جلدی آنے کو مستحب قرار دیا، اور اس کی ترغیب دی۔

---

[1] وذهب مالک وأكثر أصحابه إلى أن الأفضل تأخير الذهاب إلى الجمعة إلى الزوال وقال به من أصحابنا القاضی الحسين وإمام الحرمين ولأصحابنا وجه رابع أن التبكير إلى الجمعة من ارتفاع النهار حكاه الصيدلانی فی شرح المختصر وزعم قائله أن هذا وقت التهجير.

ومما يرد ما ذكره المالكية فی ذلک أن النبی – صلى الله عليه وسلم – كان يخرج إلى الجمعة متصلا بالزوال فی أول الوقت وقد أخبر – عليه الصلاة والسلام – بأنه إذا خرج الإمام لم يكتبوا أحدا بل يطوون الصحف ويجلسون لاستماع الخطبة فكيف يمكن مع ذلک بعد الزوال كتابة الناس على هذه المراتب المذكورة فی الحديث قبل خروج الإمام مع أن خروجه مقارن للزوال وما كان يؤذن فی أول الوقت إلا بين يديه وهو على المنبر؟ (طرح التثريب فی شرح التقريب، ج۳ص ۱۷۱،۱۷۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، حديث التبكير إلى الجمعة)

اور مختلف ائمہ نے اس مسئلہ میں امام مالک پر نکیر وتردید کی ہے، امام احمد سے کہا گیا کہ امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن سویرے جانا مناسب نہیں، جس کے جواب میں امام احمد نے فرمایا کہ یہ بات رسول اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہے اور تعجب کے طور پر سبحان اللہ پڑھ کر کہا کہ امام مالک نے یہ کیسی بات کہہ دی ہے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی جانے والے کے لیے اونٹ کی قربانی کے برابر ثواب بیان فرمایا ہے۔

اور امام مالک پر ان کے اصحاب میں سے ابنِ حبیب نے بھی سخت نکیر کی ہے کہ یہ حدیث کی تاویل میں تحریف ہے، اور یہ مختلف وجوہات کی بنا پر محال ہے۔

پھر علامہ عراقی نے جمہور کے قول پر مالکیہ کی طرف سے پیش کیے جانے والے بعض شبہات کے جوابات بیان فرمائے ہیں۔ [1]

---

[1] (الثالثة)...... تعلق المالكية من هذا الحديث بأمرين:

أحدهما: قوله فيه يكتبون الأول فالأول فأتى بالفاء المقتضية للترتيب بلا مهلة فاقتضى تعقيب الثانى للأول وكذا من بعده ولو كان كما يقوله الجمهور من اعتبار أول النهار وتقسيمه إلى ست ساعات فى النصف الأول من النهار لم يكن الآتى فى أول ساعة يعقبه الآتى فى أول التى تليها والجواب عنه أنه لا نزاع فى أنهم يكتبون من جاء أولا ومن جاء عقبه وهكذا وهو إنما أتى بالفاء فى كتابة الآتين وأما مقدار الثوب فلم يأت فيه بالفاء .

(ثانيهما) قوله المهجر والتهجير إنما يكون فى الهاجرة وهى شدة الحر وذلك لا يكون فى أول النهار .

والجواب عنه من وجهين:

(أحدهما) أن كون التهجير معناه الإتيان فى الهجير وهو شدة الحر قول محكى عن الفراء وغيره والذى قاله الخليل بن أحمد وغيره من أهل اللغة أن التهجير التبكير فإن ثبت اشتراك اللفظ بين المعنيين فالحمل على هذا المعنى الثانى أولى ليوافق غيره من الأحاديث.

(ثانيهما) أن المراد بالمهجر من هجر منزله وتركه فى أى وقت كان قاله بعض أصحابنا الشافعية.

وقال القاضى عياض وأقوى معتمد مالك فى كراهية البكور إليها عمل أهل المدينة المتصل بترك ذلك وسعيهم إليها قرب صلاتها وهذا نقل معلوم غير منكر عندهم ولا معمول بغيره وما كان أهل عصر النبى – صلى الله عليه وسلم – ومن بعدهم ممن يترك الأفضل إلى غيره ويتمالئون على العمل بأقل الدرجات وذكر ابن عبد البر أيضا أن عمل أهل المدينة يشهد له انتهى.

وما أدرى أين العمل الذى يشهد له وعمر ينكر على عثمان – رضى الله عنه – التخلف والنبى –

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”مرعاۃُ المفاتیح“ کا حوالہ

ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام مبارک پوری نے ”مشکاۃ المصابیح“ کی شرح ”مرعاۃُ المفاتیح“ میں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے مالکیہ کے قول کے دلائل اور ان کے جوابات کو ذکر کیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلى الله عليه وسلم – يندب إلى التبكير في أحاديث كثيرة منها أحاديث أوس بن أوس بن بكر وابتكر وفي آخره كان له بكل خطوة عمل سنة أجر صيامها وقيامها وهو في السنن الأربعة وصحيحي ابن حبان والحاكم.

وقد أنكر غير واحد من الأئمة على مالك – رحمه الله – في هذه المسألة فقال الأثرم قيل لأحمد كان مالك يقول لا ينبغي التهجير يوم الجمعة فقال هذا خلاف حديث رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وقال سبحان الله إلى أي شيء ذهب في هذا والنبي – صلى الله عليه وسلم – يقول كالمهدي جزورا .

وأنكر على مالك أيضا ابن حبيب إنكارا بليغا فقال هذا تحريف في تأويل الحديث ومحال من وجوه لأنه لا تكون ساعات في ساعة واحدة فشرح الحديث بين في لفظه ولكنه حرف عن موضعه وشرح بالخلف من القول وزهد فيما رغب فيه رسول الله – صلى الله عليه وسلم – من التهجير في أول النهار وزعم أن ذلك كله إنما يجتمع في ساعة واحدة قرب زوال الشمس حكاه عن ابن عبد البر وقال هذا منه تحامل على مالك.

[فائدة ما المراد لإمام الجمعة من وقت الذهاب]

(الرابعة)...... قد يستدل بعمومه على استحباب التبكير للخطيب أيضا لكن ينافيه قوله في آخره فإذا خرج الإمام طويت الصحف فدل على أنه لا يخرج إلا بعد انقضاء وقت التبكير المستحب في حق غيره وقد قال الماوردي من أصحابنا يختار للإمام أن يأتي الجمعة في الوقت الذي تقام فيه الصلاة ولا يبكر اتباعا لفعل النبي – صلى الله عليه وسلم – واقتداء بالخلفاء الراشدين قال ويدخل المسجد من أقرب أبوابه إلى المنبر انتهى.

[فائدة مراتب الناس في الفضيلة في الجمعة]

(الخامسة)...... فيه أن مراتب الناس في الفضيلة في الجمعة وغيرها بحسب أعمالهم وهو من باب قوله تعالى (إن أكرمكم عند الله أتقاكم)وروى ابن ماجه عن علقمة قال خرجت مع عبد الله إلى الجمعة فوجد ثلاثة قد سبقوه فقال رابع أربعة وما رابع أربعة ببعيد إني سمعت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يقول إن الناس يجلسون من الله يوم القيامة على قدر رواحهم إلى الجمعة الأول والثاني والثالث ثم قال رابع أربعة وما رابع أربعة ببعيد .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن میں امام مالک کے اہلِ مدینہ کے تعامل کے حجت ہونے کی دلیل کا جواب بھی دیا ہے کہ جمہور کے نزدیک اہلِ مدینہ کا تعامل حجت نہیں، اور اہلِ مدینہ کے تعامل سے صرف دن کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(السادسة) ......هؤلاء الملائكة وظيفتهم كتابة حاضرى الجمعة وهم غير الحفظة كذا نقله النووى وغيره واستدل له القاضى عياض بقوله فإذا خرج الإمام طويت الصحف والمراد ما ذكره ابن العربى وغيره صحف المتسابقين المبكرين وفى مسند أحمد عن أبى غالب قلت يا أبا أمامة ليس لمن جاء بعد خروج الإمام جمعة؟ قال بلى ولكن ليس ممن يكتب فى الصحف وفى رواية ابن ماجه فمن جاء بعد ذلک فإنما يجىء لحق الصلاة .

(السابعة)...... رتب فى هذا الحديث السابقين إلى الجمعة على خمسة مراتب أولها كمهدى البدنة والثانى كمهدى البقرة والثالث كمهدى الكبش والرابع كمهدى الدجاجة والخامس كمهدى البيضة وفى رواية أبى صالح عن أبى هريرة المتقدم ذكرها فى الفائدة الأولى ترتيب هذه المراتب على خمس ساعات فقال الجمهور المراد بهذه الساعات الأجزاء الزمانية التى يقسم النهار منها على اثنى عشر جزئا واختلف أصحابنا هل يكون ابتداؤها من طلوع الفجر أو الشمس والصحيح عندهم من طلوع الفجر وفيه ما تقدم وقال المالكية المراد بها لحظات لطيفة بعد زوال الشمس وهو خلاف ظاهر اللفظ والمتبادر إلى الفهم منه فإن المفهوم منه إنما هو الساعات المعروفة قال بعض أصحابنا وقد ورد التصريح بذلک فى قوله – عليه الصلاة والسلام – يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة فمن راح فى الساعة الأولى فكأنما قرب بدنة الحديث ولم أقف على هذا الحديث هكذا نعم روى أبو داود والنسائى عن جابر عن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة الحديث فى ساعة الإجابة وفيه فالتمسوها آخر ساعة بعد العصر وهو صحيح الإسناد فقد صح عن النبى – صلى الله عليه وسلم – أنه قال: يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة لكن لا فى معرض التبكير بل فى معرض ساعة الإجابة لكنه يستأنس به فى التبكير أيضا والله أعلم.

ومما يرد على المالكية فى ذلک أنا إذا خرجنا عن الساعات الزمانية لم يبق لنا مراد ينقسم فيه الحال إلى خمس مراتب بل يكون مقتضاه تفاوت الفضل بحسب تفاوت السبق ويتأتى من هذا مراتب كثيرة جدا ذكره الشيخ تقى الدين فى شرح العمدة بمعناه ثم قال فإن قلت يجعل الوقت من التهجير مقسما على خمسة أجزاء ويكون ذلک مرادا .

قلت يشكل ذلک لوجهين:

(أحدهما) أن الرجوع إلى ما تقرر من تقسيم الساعات إلى اثنى عشر أولى.

(الثانى) أن القائلين بأن التهجير أفضل لا يقولون بذلک على هذه القسمة فإن القائل قائلان قائل يقول بترتيب منازل السابقين على غير تقسيم الأجزاء الخمسة وقائل يقول بتقسيم الأجزاء ستة إلى الزوال فالقول بتقسيم هذا الوقت إلى خمسة إلى الزوال مخالف للكل وإن كان قد قال به قائل فليكتف بالوجه الأول انتهى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شروع میں جمعہ کے لیے جانے کا ترک ثابت ہوسکتا ہے، جو ضرورت میں جائز ہے، بعض اوقات انسان اپنی یا اپنے گھر والوں یا اپنی معاشی یا دوسری دینی ودنیاوی مصالح میں مصروف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واعترض المالكية على ما ذكرناه بأمور:

(أحدها) أنه لا يصح حمل الحديث على الساعات الاثنى عشرة لأنه حينئذ يقتضى أنه بعد الساعة الخامسة يخرج الإمام وتطوى الملائكة الصحف لاستماع الذكر وليس كذلك فإن خروج الإمام إنما يكون بعد السادسة والجواب عنه أنه ورد ذكر الساعة السادسة فى هذا الحديث ففى رواية للنسائى بإسناد صحيح بعد الكبش دجاجة ثم عصفور ثم بيضة وفى رواية له بسند صحيح بعد الكبش بطة ثم دجاجة ثم بيضة وقد ذكرتهما فى الفائدة الأولى وقال النووى فى الخلاصة هاتان الروايتان وإن صح إسنادهما فقد يقال هما شاذتان لمخالفتهما الروايات المشهورة انتهى قال أبو بكر بن العربى وفائدة ذكر البطة أنه حيوان متوحش لا يوصل إليه إلا بصيد وكلفة فكان أفضل من الدجاجة فى التقرب به قلت الظاهر أنه لم يفضل بالكلفة فى صيده بل بكونه أكبر وأكثر لحما وجمع ابن العربى بين البطة والعصفور فقال جعل مراتب الرواح فى هذا الحديث سبعة بدنة ثم بقرة ثم شاة ثم بطة ثم دجاجة ثم عصفور ثم بيضة انتهى وفيه نظر فإنه لم يجمع بينهما هكذا فى حديث واحد وإنما ذكر البطة فى حديث والعصفور فى آخر لكن ابن العربى لم يعز هذا للنسائى فلعله اطلع عليه فى كتاب آخر لم نقف عليه وقد رأيت فى معجم الطبرانى الكبير من طريق بشر بن عون عن بكار بن تميم عن مكحول عن واثلة قال قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم – إن الله تعالى يبعث الملائكة يوم الجمعة على أبواب المسجد يكتبون القوم الأول والثانى والثالث والرابع والخامس والسادس فإذا بلغوا السابعة كانوا بمنزلة من قرب العصافير وبكار بن تميم مجهول وبشر بن عون روى عنه نسخة بهذا الإسناد نحو مائة حديث كلها موضوعة قال الذهبى فى الميزان فإن ثبت هذا فتكون الملائكة تكتب الآتى فى الساعة السابعة أيضا لكن هذا مخالف لقوله فى رواية الصحيحين أنهم يطوون الصحف عند خروج الإمام وقد كان خروجه – عليه الصلاة والسلام – فى أول السابعة كما تقدم وعلى تقدير أن لا تصح رواية النسائى التى تقتضى الساعة السادسة فلا محذور فى أن لا تكتب أهل الساعة السادسة فى السابقين والفضل بيد الله يؤتيه من يشاء .

(الأمر الثانى) قالوا مقتضى الحمل على الساعات الزمانية أن تتساوى مراتب الناس فى كل ساعة فمن أتى فى الساعة الأولى كان كمن قرب بدنة سواء أكان مجيئه فى أول الساعة أو فى آخرها وهذا خلاف ما قامت عليه الأدلة أن السابق لا يساويه من جاء بعده والجواب أن من جاء فى أول الساعة ومن جاء فى آخرها وإن اشتركا فى تحصيل البدنة مثلا لكن بدنة الأول أكمل فيكون التفاوت فى الساعة الواحدة بحسب الصفات ويدل لذلك قوله فى رواية للنسائى والناس فيه كرجل قدم بدنة وكرجل قدم بدنة وكذا كرر سائر المذكورات بعد البدنة إشارة إلى أن الآتيين فى ساعة واحدة وإن اشتركا فى التقرب بمسمى البدنة اختلفا من جهة أن بدنة السابق أعظم من بدنة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہوتا ہے، جو اس کے لیے جمعہ کی طرف جلدی جانے سے افضل ہوتی ہیں، لیکن اہلِ مدینہ یا غیر اہلِ مدینہ کے ترک کرنے سے اس کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، جبکہ کئی اہلِ علم حضرات نے یہ تصریح کی ہے کہ پہلے زمانوں میں جمعہ کے لیے جلدی اور سویرے جانے کا معمول تھا، بعد میں اس کو ترک کر دیا گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام اور جلیل القدر تابعین کی موجودگی میں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جلدی نہ آنے کی وجہ سے نکیر کی، جس سے اہلِ مدینہ کے تبکیر کو ترک کرنے کے اجماع کے دعوے کی تردید ہوتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المتأخر وهذا كما أن صلاة الجمعة تضاعف سبعا وعشرين درجة مع صدق الجماعة بالإمام والمأموم وبالعدد الكثير وذات العدد الكثير أفضل لقوله – عليه الصلاة والسلام – وما كثر فهو أحب إلى الله ففضل ذات العدد الكثير على ذات العدد القليل بكبر الدرجة مع اشتراك الكل فى سبع وعشرين درجة والله أعلم.

(الأمر الثالث) أنه عبر فى تلك الرواية التى فيها ترتيب السابقين على خمس ساعات بقوله ثم راح والرواح لا يكون إلا بعد الزوال كما ذكره الجوهرى وغيره والجواب عنه أن الرواح يستعمل لغة فى الذهاب فى أى وقت كان كما ذكره الأزهرى والحمل عليه هنا أرجح لتعداده هذه الساعات فإنه لا يتصور بعد الزوال خمس منها وبتقدير أن تحمل على المعنى الأول وهو اختصاص الرواح بما بعد الزوال فيمكن أن يسمى القاصد إلى الجمعة رائحا وإن كان قبل الزوال باعتبار أنه قصد ما يفعل بعد الزوال وهو وقت الرواح كما يقال لقاصد مكة قبل أن يحج حاج وللمتساومين متبايعان ومثل هذا الاستعمال لا ينكر والله أعلم.

وقال الرافعى بعد حكاية الخلاف فى ابتداء زمن التبكير وليس المراد من الساعات على اختلاف الوجوه الأربع والعشرين التى قسم اليوم والليلة عليها وإنما المراد ترتيب الدرجات وفضل السابق على الذى يليه .

واحتج القفال عليه بوجهين:

(أحدهما) أنه لو كان المراد الساعات المذكورة لاستوى الجائيان فى الفضل فى ساعة واحدة مع تعاقبهما فى المجىء .

(والثانى) أنه لو كان كذلك لاختلف الأمر باليوم الشاتى والصائف ولتفاوت الجمعة فى اليوم الشاتى لمن جاء فى الساعة الخامسة وتبعه على ذلك النووى فى الروضة لكنه خالفه فى شرح المهذب فقال فيه المراد بالساعة الساعات المعروفة خلافا لما قاله الرافعى ولكن بدنة الأول أكمل من بدنة الثانى كما يقول فى السبع والعشرين درجة إنها تترتب على مسمى الجماعة ولكن درجات الأكثر جماعة تكون أكمل من الأقل انتهى وهذا الذى ذكره النووى جواب عن احتجاج القفال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اس کے بعد انہوں نے جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کے آغاز کے متعلق سورج بلند ہونے کے قول کو اپنے نزدیک راجح قرار دیا ہے، اور سورج بلند ہونے کا وقت، دراصل سورج طلوع ہونے کے کچھ ہی دیر بعد کا وقت ہے، جب اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے۔[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأول والجواب عن احتجاجه الثانی ما أجاب به والدی – رحمه الله – فی شرح الترمذی فقال أهل الميقات لهم اصطلاحان فی الساعات فالساعات الزمانية كل ساعة منها خمس عشرة درجة والساعات الآفاقية يختلف قدرها باختلاف طول الأيام وقصرها فی الصيف والشتاء فالنهار اثنتا عشرة ساعة ومقدار الساعة يزيد وينقص ويشهد لهذا الاصطلاح الثانی قوله – عليه الصلاة والسلام – يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة كما رواه أبو داود والنسائی بإسناد صحيح وصححه الحاكم فلم يفرق بين الصيف والشتاء فهو دائما اثنتا عشرة ساعة وعلى هذا الثانی تحمل الساعات المذكورة فی الحديث فلا يلزم عليه ما ذكره من اختلاف الأمر باليوم الشاتی والصائف ومن فوات الجمعة فی الشتاء لمن جاء فی الساعة الخامسة قال والدی – رحمه الله – ثم بعد أن خطر لی هذا الجواب رأيته فی كلام القاضی الحسين فحكى الخلاف فی أن الاعتبار فی حيازة الفضيلة التی قدرها الشرع تجعل النهار اثنتی عشرة ساعة صيفا كان أو شتاء والمقدم يكون فی إدراك خمس ساعات منها طالت فی الصيف أو قصرت فی الشتاء أو الاعتبار فی ذلک بالساعات الزمانية وإن تعاقبت لحظات وأنه ليس الخلاف فی أن المراد بالساعات التی قسم الليل والنهار عليها شتاء وصيفا على ما يعتقده أهل الحساب فيكون نهار الشتاء منها تسع ساعات وشيئا ونهار الصيف منها أربع عشرة ساعة وشيئا فإنا لو اعتبرنا ذلک لزم ما تقدم انتهى.

(الثامنة)...... أطلق فی هذه الرواية أن المهجر إلى الجمعة كالمهدی بدنة وقيد فی الرواية الأخرى فقال: من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكأنما قرب بدنة فاقتضى هذا أن التهجير إلى الجمعة إنما يكون كإهداء البدنة وكذا المذكورات بعده بشرط تقدم الاغتسال عليه فی ذلک اليوم والقاعدة حمل المطلق على المقيد(طرح التثريب فی شرح التقريب ، ج۳ص ۱۷۲ الیٰ ۱۷۷ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة ، حديث التبكير إلى الجمعة)

[1] واعلم أنه اختلف العلماء فی الساعات المذكورة فی هذه الرواية ما المراد منها؟

واختلفوا أيضا فی أن ابتداء هذه الساعات من حين الزوال أو من قبله، فقال مالک والقاضی حسين وإمام الحرمين من الشافعية،المراد بالساعات الخمس لحظات خفيفة لطيفة أولها زوال الشمس، وآخرها قعود الخطيب على المنبر، فالساعات الخمس المذكورة كلها فی ساعة واحدة أی هی أجزاء من الساعة السادسة الزمانية بعد الزوال، ولم ير هؤلاء التبكير إلى الجمعة قبل الزوال لا من طلوع الفجر، ولا من طلوع الشمس، ولا من ارتفاع النهار .واختار هذا القول الشاه ولی الله فی المسوى .ومال إليه الشوكانی فی النيل .

واستدل لهم بوجوه :منها: لفظ :الرواح فی الرواية المتقدمة، فإنه يدل على أن أول الذهاب إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’شیخ محمد بن صالح عثیمین‘‘ کا حوالہ

عرب کے شیخ ’’محمد بن صالح عثیمین‘‘ نے ’’شرح مقدمة التفسير لابنِ تيمية‘‘ میں فرمایا کہ ’’رواح‘‘ کا اطلاق محض چلنے پر بھی آتا ہے، اورزوالِ شمس کے بعد چلنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجمعة من الزوال؛ لأن حقيقة الرواح من الزوال إلى آخر النهار، والغدو من أوله إلى الزوال .قال المازرى :تمسک مالک بحقيقة الرواح، وتجوز فى الساعة، وعكس غيره .

وأجيب: بأن الرواح-كما قال الأزهرى :-يطلق لغة على الذهاب سواء كان أول النهار أو آخره أو فى الليل .قال الأزهرى :وهى لغة أهل الحجاز .ونقل أبوعبيد فى الغريبين نحوه .ثم إنه لم يقع التعبير بالرواح-كما قال الحافظ -إلا فى رواية مالك عن سمى، ورواه ابن جريج عن سمى بلفظ : غدا .ورواه أبوسلمة عن أبى هريرة بلفظ :المتعجل إلى الجمعة .صححه ابن خزيمة، وفى حديث سمرة عند ابن ماجه :ضرب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -مثل الجمعة فى التبكير كناحر البدنة الخ .وفى حديث على عند أبى داود :إذا كانت الجمعة غدت الشياطين براياتها إلى الأسواق، وتغدو الملائكة فتجلس على باب المسجد، فتكتب الرجل من ساعة ...الحديث، فدل مجموع هذه الأحاديث على أن المراد بالرواح الذهاب .وقيل :النكتة فى التعبير بالرواح الإشارة إلى أن الفعل المقصود إنما يكون بعد الزوال، فيسمى الذاهب إلى الجمعة رائحا وإن لم يجىء وقت الرواح، كما سمى القاصد إلى مكة حاجا .

ومنها: لفظ المهجر فإنه مشتق من التهجير، وهو السير فى وقت الهاجرة، وهى نصف النهار عند اشتداد الحر، تقول منه هجر النهار، وقد ذكر المراتب الباقية بلفظ" :ثم "من غير ذكر الساعات.

وقد تقدم الجواب عن هذا:

ومنها: أن الساعة فى اللغة الجزء من الزمان، وحملها-كما ذهب إليه الجمهور -على الزمانية التى يقسم النهار فيها إلى اثنا عشر جزء يبعد إحالة الشرع عليه لاحتياجه إلى حساب ومراجعة آلات تدل عليه.

وأجيب: بأن الساعة قد يطلق على جزء من أربعة وعشرين جزء ا هى مجموع اليوم والليلة .ويدل على اعتبارها فى عرف الشرع ما روى أبوداود والنسائى، وصححه الحاكم من حديث جابر مرفوعا :يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة .وهذا وإن لم يرد فى حديث التبكير فيستأنس به فى المراد بالساعات .

ومنها: أن الساعة لو طلعت للزم تساوى الآتين فيها، والأدلة تقتضى رجحان السابق بخلاف ما إذا قيل :إنها لحظة خفيفة لطيفة.

وأجيب: بأن التساوى وقع مسمى البدنة، والتفاوت صفاتها يعنى أن بدنة الأول مثلا أكمل من بدنة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پر بھی آتا ہے، اور جمعہ کے لیے مختلف ساعات میں ''رواح'' کے معنیٰ ''زوال کے بعد'' کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأخير، وبدنة المتوسط متوسطة، فمراتبهم متفاوتة، وإن اشتركوا فى البدنة مثلا .
ومنها: عمل أهل المدينة، فإنهم لم يكونوا يأتون من أول النهار، وأيضا لم يعرف أن أحدا من الصحابة كان يأتى المسجد لصلاة الجمعة عند طلوع الشمس وصفائها، ولا يمكن حمل حالهم على ترك هذه الفضيلة العظيمة .وهذا يدل على أن المراد من الساعات لحظات خفيفة بعد الزوال، لا الساعات الزمانية المعروفة عند أهل الفلك وعلم الميقات.
وأجيب: بأن عمل أهل المدينة ليس بحجة، كما تقرر فى موضعه، وأيضا ليس فى عمل أهل المدينة هذا إلا ترك الرواح إلى الجمعة من أول النهار، وهذا جائز بالضرورة .وقد يكون اشتغال الرجل بمصالحه ومصالح أهله ومعاشه وغير ذلك من أمور دينه ودنياه أفضل من رواحه إلى الجمعة من أول النهار .وترك أهل المدينة وغيرهم ذلك لا يدل على أنه مكروه .وقال القارى :وقد كان السلف يمشون على السرج يوم الجمعة إلى الجامع .وفى الإحياء وأول بدعة حدثت فى الإسلام ترك التبكير إلى المساجد-انتهى .وقد أنكر عمر على عثمان ترك التبكير بمحضر من الصحابة، وكبار التابعين من أهل المدينة .وهذا يرد على من ادعى إجماع أهل المدينة على ترك التبكير.
ومنها: أن حملها على الساعات الفلكية يستلزم صحة صلاة الجمعة قبل الزوال؛ لأن تقسيم الساعات إلى خمس، ثم تعقيبها بخروج الإمام وخروجه عند أول الزوال يقتضى أنه يخرج فى أول الساعة السادسة، وهى قبل الزوال.
وقد أجاب: عنه الحافظ بأنه ليس فى شىء من طرق هذا الحديث ذكر الإتيان من أول النهار، فلعل الساعة الأولى منه جعلت للتأهب بالاغتسال وغيره، ويكون مبدأ المجىء من أول الثانية، فهى أولى بالنسبة إلى المجىء ثانية بالنسبة للنهار .وعلى هذا فآخر الخامسة أول الزوال .وإلى هذا أشار الصيدلانى شارح المختصر حيث قال :إن أول التبكير يكون من ارتفاع النهار، وهو أول الضحى، وهو أول الهاجرة .ويؤيده الحث على التهجير إلى الجمعة .وحمل الجمهور الساعات المذكورة فى الحديث على الساعات الزمانية .كما فى سائر الأيام .وقد تقدم حديث جابر مرفوعا :يوم الجمعة اثنتا عشرة ساعة .والمراد بها الساعات الآفاقية التى لا يختلف عددها بطول النهار وقصره، فالنهار اثنتا عشرة ساعة، لكن يزيد كل منها وينقص، والليل كذلك.
ثم اختلفوا فقالت طائفة منهم :ابتداء هذه الساعات من طلوع الشمس، والأفضل عندهم التبكير فى ذلك الوقت إلى الجمعة، وهو قول الثورى وأبى حنيفة والشافعى وأحمد .قال الماوردى :إنه الأصح ليكون قبل ذلك من طلوع الفجر زمان غسل وتأهب.
وقال الرويانى :إن ظاهر كلام الشافعى أن التبكير يكون من طلوع الفجر، وصححه الرويانى، وكذلك صاحب المهذب قبله، ثم الرافعى والنووى.
وحكى الصيدلانى أن أول التبكير من ارتفاع النهار، وهو أول الضحى، وهو أول الهاجرة.
قلت :وهذا القول هو الراجح عندى، وبه تجتمع الأحاديث، وبه يرتفع الإشكال الذى يرد على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیے جائیں، تو اس ''رواح'' کا آغاز، زوال کے بعد ہی ہوگا، اور اگر محض چلنے کے معنیٰ لیے جائیں، تو پھر اس کی ابتداء دن کے شروع سے ہوگی۔ [1]

نیز شیخ ''محمد بن صالح عثیمین'' نے اپنے فتاویٰ میں جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا آغاز طلوعِ شمس سے ہونے کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ طلوعِ شمس سے پہلے کا وقت فجر کی نماز کا وقت ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مذهب مالک .وسيأتي ذكره في كلام النووى .ويؤيد هذا القول الحث على التهجير إلى الجمعة، فقد تقدم في كلام القرطبي أن التهجير هنا من الهاجرة، وهو السير في وقت الحر، وهو صالح لما قبل الزوال وبعده-انتهى .ومن المعلوم أن اشتداد الحر يكون من ربع النهار غالبا، فمن راح إلى الجمعة في هذا الوقت أى عند ارتفاع النهار يعنى في أول الضحى وأول الهاجرة صدق عليه الألفاظ الواردة في الأحاديث التي أشرنا إليها، وهي المتعجل والتبكير والغدو والرواح والتهجير.
قال النووى :إن النبي -صلى الله عليه وسلم -أخبر أن الملائكة تكتب من جاء في الساعة الأولى، وهو كالمهدى بدنة، ثم من جاء في الساعة الثانية، ثم الثالثة، ثم الرابعة، ثم الخامسة، فإذا خرج الإمام طووا الصحف، ولم يكتبوا بعد ذلك أحدا .ومعلوم أن النبي -صلى الله عليه وسلم -كان يخرج إلى الجمعة متصلا بعد الزوال، فدل على أنه لا شيء من الهدى والفضيلة لمن جاء بعد الزوال، وكذا ذكر الساعات إنما كان للحث على التبكير إليها، والترغيب في فضيلة السبق، وتحصيل الصف الأول، وانتظارها بالاشتغال بالتنفل والذكر ونحوه .وهذا كله لا يحصل بالذهاب بعد الزوال، ولا فضيلة لمن أتى بعد الزوال؛ لأن النداء يكون حينئذ، ويحرم التخلف بعد النداء -انتهى .هذا .وقد بسط ابن القيم الكلام على ذلك في الهدى (ج ١ ص ١١٠ - ١١٢) ورجح قول من قال :إن ابتداء الساعات من أول النهار .من شاء البسط رجع إليه(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴، ص ۴۶۲، الیٰ ۴۶۵، کتاب الصلاة ،باب التنظيف والتبكير، الفصل الاول)

[1] الرواح يطلق على المسير بعد زوال الشمس، ويطلق على مجرد المسير، فهو مشترک بين مطلق الذهاب وبين نوع معين من الذهاب وهو المسير بعد زوال الشمس، ولذلک لا يمكن الجمع بينهما؛ لأنک لو قلت :من راح في الساعة الأولى معناه أن الساعات بعد الزوال، فمعناه لا تبتدء رواحک للجمعة إلا بعد زوال الشمس، وعلى هذا تكون الساعات دقائق، لأن الإمام إذا زالت الشمس حضر، وإذا قلنا بأن الرواح مطلق الذهاب صار الرواح يبتدء من أول النهار، أى من طلوع الشمس(شرح ،مقدمة التفسير لابن تيمية،لمحمد بن صالح بن محمد العثيمين،ص ۵۵، فصل في اختلاف السلف في التفسير وأنه اختلاف تنوع)

[2] فقسم الزمن من طلوع الشمس إلى مجيء الإمام خمسة أقسام، فقد يكون كل قسم بمقدار الساعة المعروفة، وقد تكون الساعة أقل أو أكثر؛ لأن الوقت يتغير، فالساعات خمس ما بين طلوع الشمس ومجيء الإمام للصلاة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’شیخ حمد بن عبداللہ‘‘ کا حوالہ

عرب کے شیخ ’’حمد بن عبداللہ‘‘ نے ’’شرح زاد المستقنع‘‘ میں امام مالک اور جمہور کے اقوال اور ان کے دلائل کو بیان کر کے جمہور کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وتبتدی من طلوع الشمس، وقیل :من طلوع الفجر، والأول أرجح؛ لأن ما قبل طلوع الشمس وقت لصلاة الفجر (مجموع فتاوی ورسائل فضیلة الشیخ محمد بن صالح العثیمین، ج۱۶، ص۱۴۰، کتاب الصلاة، صلاة الجمعة)

[1] وقد اختلف أهل العلم فی وقت التهجیر أو الرواح إلیها علی قولین:

فقال الإمام مالک :وقت التبکیر من زوال الشمس، وقد تقدم أن مذهب مالک أن وقت الجمعة إذا زالت الشمس إلی أن یجلس الإمام، فتکون الساعات ساعات لطیفة جداً هی شبیهة باللحظات تکون خلال هذا الوقت البسیط، فیکون الوقت من زوال الشمس إلی جلوس الخطیب.

واستدل :بلفظة (راح وهجر) فقال :الرواح یکون إذا زالت الشمس کما أن الغدو یکون قبل زوالها .قال :والتهجیر هو الذهاب إذا انتصف النهار واشتد الحر، وقد قال صلی الله علیه وسلم : (ومثل المهجر کمثل من یهدی بدنة).

وقال جمهور العلماء :بل یکون ذلک من أول النهار وهو طلوع الفجر الصادق، فالساعة الأول هی التی یکون فیها أذان الفجر وما بین الأذان والإقامة وصلاة الفجر وما یکفیه للتهیؤ والرواح فهذه الساعة الأولی وبعدها الساعات الباقیة.

واستدلوا :بالحدیث المتقدم، فإنه قال :(ومن راح فی الساعة الأولی) وحدیث النبی صلی الله علیه وسلم یفسر بعضه بعضاً، فقد ثبت فی النسائی وأبی داود من حدیث جابر بإسناد صحیح قال: (الجمعة اثنتا عشرة ساعة) الحدیث وسیأتی تمامه.

وهکذا سائر الأیام وهو التوقیت الثابت الذی لا یختلف صیفاً ولا شتاءً، فقبل زوال الشمس ست ساعات وبعد زوالها ست ساعات یختلف طولاً وقصراً صیفاً وشتاءً.

فمثلاً إذا أذن الفجر فی الساعة الخامسة، وکان زوال الشمس فی الساعة الثانیة عشرة فهذه سبع ساعات، فتکون کل ساعة من الساعات الثانیة ساعة وعشرة دقائق وهکذا.

واستدلوا :بالحدیث المتقدم، وهو حدیث ظاهر علی ما ذکروه.

ویبقی الجواب علی ما ذکره الإمام مالک، قالوا الجواب علیه :أن ما ذکره من جعل الساعات ما بین زوال الشمس وجلوس الإمام لا یعقل أن یعلق الشرع فیه هذا التفضیل الکثیر ما بین البدنة والبیضة فی وقت لا یتجاوز أربع دقائق أو خمس دقائق، فهذا التعریف غیر مؤثر.

أما ما ذکره من الرواح والتهجیر:

فأما الرواح :فهو فی لغة الحجاز هو الذهاب مطلقاً سواء کان ذلک قبل الزوال أو بعده، وقد ذکر الأزهری فی تهذیبه ذکر علی ذلک شواهد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”احمد بن محمد الخلیل“ کا حوالہ

عرب کے ایک اور شیخ ”احمد بن محمد الخلیل“ نے ”شرح زاد المستقنع“ میں جمعہ کے لیے جلدی جانے کے آغاز سے متعلق سورج طلوع ہونے کے قول کو احسن قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے فجر کی نماز اور اس موقع پر شریعت کی طرف سے وارِد شدہ دیگر اذکار وغیرہ کے وظائف میں مشغولی ہوتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قالوا :وإنما يراد به الذهاب بعد زوال الشمس إذا قوبل بالغدو، فإذا قيل :غدا أو راح، فيراد بالرواح ما بعد زوال الشمس، أما إذا أطلق فيقال :راح في أول النهار وراح في آخره، وهنا الحديث قد أطلق.

وأما التهجير فالمراد به في لغة الحجاز ومن حولها من قيس -المراد بها عندهم :-التبكير في أول الوقت، فالتبكير لأول الوقت يسمى تهجيراً.

قال الخليل بن أحمد " :التهجير هو التبكير إلى الشيء في أول وقته "، فالتهجير هو أدراك الشيء في أوله في لغة الحجاز ومن حولها من قيس.

فالتهجير ليس مختصاً بوقت الهاجرة أي عند اشتداد الحر وهو منتصف النهار، بل يطلق على التبكير إلى الشيء فإنه يسمى تهجيراً.

إذن الراجح :ما ذهب إليه جماهير العلماء من أن الرواح يكون من أول النهار.

وتقدم أنه عندهم :يكون من طلوع الفجر الصادق.

وقال بعض العلماء من المالكية والشافعية واختيار بعض الحنابلة :يكون من طلوع الشمس، وهذا القول فيه قوة، وذلك لاستبعاد إمكان الرواح قبل طلوع الشمس، فإن الساعة الأولى قد تذهب للاستعداد لصلاة الفجر والذهاب إليها، ولا سيما مع المحافظة على الذكر كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يفعل إلا أنه يمكن أن تكون صلاة الفجر في المسجد الجامع -ومن هنا الاحتياط لمن أراد إصابة الثواب أن يكون حسابه من طلوع الفجر الصادق.

وقد أنكر الأئمة على الإمام مالك قوله عدم مشروعية الرواح إليها إلا بعد الزوال .فإنه يرى أن الرواح إليها لا يشرع قبل زوال الشمس، فأنكر عليه الأئمة كأحمد وغيره، بل قد أنكر عليه بعض أصحابه كابن حبيب المالكي والسنة حجة عليه كما تقدم(شرح زاد المستقنع،لحمد بن عبد الله، ج۸،ص ۵۰ الیٰ ۵۲،کتاب الصلاة،باب :صلاة الجمعة)

[1] اختلفوا في :متى يبدأ التبكير؟ -فمن العلماء من قال :يبدأ وقت التبكير من طلوع الفجر.

وعلى هذا كأنه يندب الإنسان أن يصلي الفجر في المسجد الذي سيصلي فيه الجمعة لأنه من المعلوم أنه لن يذهب إلى مسجد الجمعة ويترك صلاة الفجر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہشتی زیور کا حوالہ

بہشتی زیور میں ہے کہ:

اگلے زمانے میں صبح کے وقت اور بعد فجر کے راستے، گلیاں بھری ہوئی نظر آتی تھیں، تمام لوگ اتنے سویرے جامع مسجد جاتے تھے، اور سخت اژدھام ہوتا تھا، جیسے عید کے دنوں میں، پھر جب یہ طریقہ جاتا رہا، تو لوگوں نے کہا یہ پہلی بدعت ہے، جو اسلام میں پیدا ہوئی، یہ لکھ کر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کیوں شرم نہیں آتی، مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ سے کہ وہ لوگ اپنی عبادت کے دن، یعنی یہود سنیچر کو، اور نصاریٰ اتوار کو اپنے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں کیسے سویرے جاتے ہیں، اور طالبانِ دنیا کتنے سویرے بازاروں میں خرید وفروخت کے لیے پہنچ جاتے ہیں، پس طالبانِ دین کیوں نہیں پیش قدمی کرتے (احیاء العلوم)

درحقیقت مسلمانوں نے اس زمانے میں اس مبارک دن کی بالکل قدر گھٹا دی

(بہشتی زیور، صفحہ ۷۹۲، حصہ یازدہم ''اصلی بہشتی گوہر'' جمعہ کی نماز کا بیان، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی، تاریخِ طبع: مارچ 2002ء)

مذکورہ عبارات سے اس سلسلہ میں جمہور کے قول کا راجح وقوی ہونا، اور منسلکہ فتوے میں مذکور غیر جمہور کے موقف کا مرجوح اور کمزور ہونا معلوم ہو گیا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ومن الفقهاء من قال :بل يبدأ وقت الفضيلة من طلوع الشمس لأنه قبل هذا الوقت مشغول بصلاة الفجر وبالأذكار وبتطبيق السنة الصحيحة عن النبى صلى الله عليه وسلم وهى :البقاء فى مصلاه إلى طلوع الشمس.

وكأن هذا القول -الثانى أحسن .لأن الإنسان فى صدر النهار مشغول بهذه الوظيفة أى صلاة الفجر والأذكار والبقاء فى موضعه(شرح زاد المستقنع،لأحمد بن محمد بن حسن بن إبراهيم الخليل، ج٢،ص ٢١٣، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو بحث کی گئی، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے کی مخصوص فضیلت کا آغاز دن کی ابتداء ہونے پر ہوجاتا ہے۔

اور قرآن وسنت کی رُو سے جمہور فقہائے کرام کے اس قول کے دلائل ہی زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔

البتہ جمہور فقہائے کرام کا اس بارے میں باہمی اختلاف ہے کہ اس مسئلہ میں دن کی ابتداء طلوعِ فجر سے معتبر ہوگی، یا طلوعِ شمس سے معتبر ہوگی؟

شافعیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی ابتداء کا طلوعِ فجر سے ہونا راجح ہے، اور حنفیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی ابتداء کا طلوعِ شمس سے ہونا راجح ہے، اور ہمارے نزدیک یہ آخری قول ہی راجح ہے۔

جبکہ مالکیہ کے نزدیک نمازِ جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا آغاز دن کے شروع ہونے کے بعد زوال کے وقت ہوتا ہے، اور ان کے نزدیک نمازِ جمعہ کے لیے جمہور کے مطابق جلدی جانا مکروہ ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں مالکیہ کا قول دلائل کے لحاظ سے راجح معلوم نہ ہوسکا۔

اور اسلام آباد کے مذکورہ فتوے میں جو جمہور کے مقابلہ میں مالکیہ کے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، اور اس قول کی جو توضیح وتعلیل، اور پھر اس کی جو تفریع وتعبیر کی گئی ہے، وہ درست معلوم نہیں ہوسکی۔

اور اس سلسلہ میں ہماری تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' میں جو تحقیق ذکر کی گئی ہے، دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کی رُو سے اسی کا راجح ہونا ثابت ہوا۔

اس لیے ہمارے نزدیک مذکورہ فتویٰ راجح نہیں، اور اس فتوے کے محرّرین ومصدقین کو اپنے مذکورہ فتوے پر نظرِ ثانی اور اس کی توضیح کی ضرورت ہے، تاکہ لوگوں کو ایک واضح مرجوح قول میں مبتلا ہونے اور اس کو راجح سمجھنے کی غلط فہمی سے محفوظ رکھا جاسکے۔

تنبیہ:

آخر میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ آج کل شہروں میں اکثر وبیشتر مقامات پر، صبح کے وقت، جمعہ کے دن بھی مساجد مقفل ہوتی ہیں، اور عام طور پر جمعہ کی نماز بھی زوال کے بعد غیر معمولی تاخیر سے ادا کی جاتی ہے، بہت کم مساجد میں زوال کے بعد جلدی جمعہ قائم کرنے کا نظم ہے، جس کی وجہ سے جمعہ کے لیے حاضر ہونے والے بھی عام طور پر، زوال کے بعد ہی پے در پے آتے ہیں، اور احادیث میں کیونکہ آخری ساعت کو بیان کرنے کے بعد کسی خاص مقدار کو بیان کیے بغیر امام کے خطبہ کے لیے نکل پڑنے پر فرشتوں کے ثواب لکھنے کا سلسلہ بند کرنے کو بیان کیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک امام خطبہ کے لیے نہیں نکلتا، اس وقت تک ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اگرچہ ساتویں ساعت شروع ہوچکی ہو، لیکن اس ساعت کا ثواب مستقلاً نہیں ہوتا، بلکہ چھٹی ساعت کے تابع ہوکر آخری درجہ کا ثواب ہوتا ہے۔

اس لیے جمہور کے قول کے مطابق تو اصولی انداز میں، زوال کے بعد، اور امام کے خطبہ کے لیے نکلنے سے پہلے جلدی اور بدیر آنے والے لوگ، آخری ساعت ہی کے اعتبار سے، کمی وبیشی کے ساتھ ثواب کے مستحق ہوں گے، اور گناہ گار نہیں ہوں گے۔

ایسی صورت میں جمہور کے قول کے مطابق فضیلت حاصل کرنے کے لیے منتظمین کو، جمعہ کے دن، جمعہ قائم کیے جانے والے مقامات کو صبح کے وقت سے فضیلت حاصل کرنے والوں کے لیے کھولنے کا انتظام کرنا چاہیے، اور فضیلت حاصل کرنے والوں کو بھی جلدی حاضری کی کوشش کرنی چاہیے، البتہ کوئی ملازمت وغیرہ کی وجہ سے جلدی حاضر ہونے سے قاصر ہو، تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

لیکن جب تک اس پر عمل درآمد نہ ہو، اور کوئی شخص اپنی طرف سے جلدی حاضر ہونے میں بھی کوتاہی نہ کرے، تو ایسی صورت میں کیا بعید ہے کہ وہ مالکیہ کے قول کے مطابق ثواب کا مستحق ہو جائے، کیونکہ جمہور کا قول دلائل کے لحاظ سے راجح ہونے کے باوجود، یہ مسئلہ بہرحال مجتہد فیہ ہے۔

فقط

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

محمد رضوان خان

17 / رمضان المبارک/ 1440ہجری۔ بمطابق 23 /مئی/ 2019ء بروز جمعرات

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

اذانِ جمعہ پر سعی کی تحقیق

سعی و ترکِ بیع کا حکم، جمعہ کی پہلی، یا دوسری اذان پر معلق ہونے کی تحقیق
اذانِ جمعہ کے سلسلے میں قرآن و سنت کی نصوص اور روایات و آثار پر نظر
مفسرین، محدثین اور مجتہدینِ عظام و فقہائے کرام کے اقوال کا جائزہ
متعدد مشائخِ حنفیہ کی طرف سے راجح قرار دیئے گئے قول پر کلام
جمہور و حنفیہ کے اصل و راجح مذہب کی نشاندہی
اور اس سلسلے میں پیش آمدہ مشکل کا حل

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

فہرست

مضامین — صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

اسلام میں جمعہ مبارکہ کے دن کی بڑی عظمت واہمیت ہے، اسی وجہ سے اس دن مسلمانوں کے لیے کچھ مخصوص احکام مقرر اور فضائل بیان کیے گئے ہیں، جن کی تفصیل بندہ نے اپنی ایک مفصل ومدلل تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردی ہے۔

جمعہ مبارکہ کے دن کے حوالہ سے ایک اہم حکم نمازِ جمعہ کی اذان اور اس کے بعد سعی کرنے اور بیع وشراء وغیرہ کی ممانعت وکراہت سے متعلق ہے، جس پر کئی قسم کے عملی مسائل مرتب ومتفرع ہوتے ہیں، اور اس بارے میں یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ جمعہ کے دن وجوبِ سعی اور ممانعتِ بیع وشراء کا حکم پہلی اذان پر ہوتا ہے، جو امام کے منبر پر خطبۂ جمعہ دینے کے لیے بیٹھنے سے پہلے دی جاتی ہے، یا دوسری اذان پر ہوتا ہے، جو امام کے منبر پر خطبۂ جمعہ دینے کے لیے بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے، اور اس کو ''اذانِ خطبہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

بہت سے متاخرین مشائخِ حنفیہ کے نزدیک اس سلسلہ میں پہلی اذان پر سعی واجب ہونے، اور اسی اذان پر بیع وشراء اور اس جیسے دوسرے مشاغل کے ممنوع ومکروہ ہونے کا قول مشہور ہے، اور ہمارے دیار میں اسی کے مطابق حنفیہ کی طرف سے آج کل عام طور پر نہ صرف یہ کہ فتویٰ دیا جاتا ہے، بلکہ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو پرزور انداز میں عاصی وگناہ گار بھی قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن ایک تو تحقیق کرنے پر یہ قول دلائل کے لحاظ سے مرجوح ہونے کے ساتھ ساتھ جمہور مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام، مفسرین ومحدثین اور خود اصحابِ حنفیہ ومتقدمینِ حنفیہ کی تصریحات کے بھی خلاف معلوم ہوا، اور دوسری طرف آج کل دینی امور میں کسل وسستی کے واقع ہو جانے اور مخصوص معاشرت وماحول وغیرہ کی وجہ سے مذکورہ قول پر عام مسلمانوں کا

عمل نہ ہونے کے برابر ہے، جس کی وجہ سے بہت سے مسلمانوں کو گناہ گار ٹھہرانا لازم آتا ہے، بلکہ متعدد مدارس وجامعات اور مراکز میں اہلِ علم اور دیندار حضرات کو بھی اس پر عمل کرنے میں دشواری اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ ائمہ وخطباء اور پہلی اذان پر وجوبِ سعی کا فتویٰ دھندہ حضرات تک کا بھی اکثر وبیشتر اس پر عمل نہیں، کیونکہ اذانِ جمعہ کے بعد سعی واجب ہونے کا مفہوم عام ہے، جس میں مشائخِ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی سعی ترک کر کے دینی کاموں، مثلاً مطالعہ اور درس وتدریس وغیرہ میں مشغولی کا ممنوع اور باعثِ گناہ ہونا بھی داخل ہے، اس طرح اس قول کے نتیجے میں دین داروں اور اصحابِ علم اور اس نوعیت کے فتویٰ دھندہ حضرات کا بڑا طبقہ بھی گناہ گار ٹھہرتا ہے۔

بہر حال جمہور فقہائے کرام (شافعیہ، مالکیہ وحنابلہ) اور خود اصحابِ حنفیہ، بالخصوص متقدمینِ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے دن سعی کا حکم اس اذان پر لاگو ہوتا ہے، جو ''اذانِ خطبہ'' کہلاتی ہے، کیونکہ یہ اذان، امام کے خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، بعض نے اس اذان پر ہی سعی واجب اور بیع ممنوع ہونے پر اجماع واتفاق کا بھی حکم لگایا ہے۔

مضبوط دلائل کے علاوہ، ابتلائے عام اور لوگوں کو گناہ سے بچانے اور متعدد معاملات وعقود کو درست قرار دینے وغیرہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ موجودہ دور میں اس پر فتویٰ دیا جائے۔

فقہائے کرام نے عوام کے دین میں کسل وسستی وغیرہ کی بنیاد پر بعض مسائل میں مذہبِ غیر پر بھی عمل کی گنجائش دی ہے، لیکن آج بعض اہلِ علم حضرات، عوام کے دین میں سستی کی بنیاد پر توسع وگنجائش کے قول کو اختیار نہیں کرتے، بلکہ مزید سختی کو بروئے کار لاتے ہیں۔

یہاں تک کہ اس طرح کے بہت سے مسائل میں محض اپنے مخصوص مسلک وبزرگوں کی طرف منسوب شدہ قول کو کتابوں اور تحریروں میں زندہ رکھنے اور خواہ مخواہ کی فتح یابی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، جبکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ موجودہ زمانہ وماحول میں ان کا وہ فتویٰ نہ عملی طور پر دوڑنے کی استطاعت رکھتا، نہ ہی چلنے اور بیٹھنے کی استطاعت رکھتا، بلکہ عملی طور پر بے جان اور لاشئ محض ہے، غور کرنے سے اس طرزِ عمل کی بنیاد، تعصبِ محض پر ہونا

محسوس ہوا۔

مذکورہ مسئلہ میں بندہ کا الحمدللہ تعالیٰ ہر قسم کے تعصب و جمود سے بالاتر ہو کر فیما بینی و بین اللہ رجحان جمہور مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کے قول کی طرف ہے، اور ہر شخص اسی رائے کا مکلّف ہے، جو وہ فیما بینہٗ و بین اللہ راجح سمجھے، جس کی تفصیل بندہ نے اپنے متعدد مضامین میں مدلل انداز میں بیان کردی ہے، اور یہ بھی کہ موجودہ دور میں بہت سے مقامات پر فقہ وافتاء کے مخصوص جمود کے روایتی ماحول نے اس طرح کے تحقیقی طرزِ عمل کو اجنبی و بے گانہ بنا کر رکھ دیا ہے، مگر اصولِ فقہ وفتاویٰ کی رُو سے یہی طرزِ عمل حق ودرست ہے، خواہ کسی کو اچھا لگے، یا برا، اور کوئی اس پر ''تفرد وانفراد'' کا الزام عائد کرے، یا کچھ اور۔

حق گوئی میں طعن وتشنیع کے ذریعے رسوا کرنے والوں کی رسوائی سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ ردِّ عمل تو ہر دور میں حق پر قائم رہنے والی جماعت کے ساتھ پیش آتا رہا ہے، اور تا قیامت پیش آتا رہے گا۔

صحیح سند کے ساتھ مروی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَـزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ لَا یُبَالُوْنَ مَنْ خَالَفَھُمْ أَوْ خَذَلَھُمْ حَتّٰی یَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٦٨٨١) [1]

ترجمہ: میری امت کی ایک جماعت حق پر مسلسل قائم رہے گی، یہ جماعت ان لوگوں کی پرواہ نہیں کرے گی، جو ان کی مخالفت کریں گے، یا ان کو رسوا کریں گے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل کا حکم (یعنی موت، یا قیامت) آ پہنچے (مسند احمد)

اور بندہ مختلف مضامین میں یہ بات بار بار واضح کرچکا ہے کہ جمہور مجتہدینِ عظام اور فقہائے کرام، یہاں تک کہ ائمۂ اربعہ کے مجمع ومتفق علیہ قرار دیئے گئے، جیسے بہت سے اقوال پر بھی آج بعض جہلائے زمانہ کی طرف سے ''تفرد'' یا ''انفرادی رائے'' کا الزام عائد کیا جانے لگا

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

ہے، یہاں تک کہ جس قول کی تائید میں قرآن وسنت کی نصوص بھی موجود ہوں، اس پر بھی بے جا اور دور دراز کی تاویلات کا سہارا حاصل کر کے، اس طرح کے الزامات عائد کیے جانے لگے ہیں، ان جہلائے زمانہ کو اس طرح کے الزامات عائد کرتے ہوئے، اللہ، اس کے رسول اور آخرت کی ذرا فکر لاحق نہیں ہوتی، وہ تعصب وتحزب سے متاثر ہو کر اپنے چند مخصوص بزرگوں کے خلاف جو موقف بھی پاتے ہیں، اس پر آنکھیں بند کر کے مذکورہ اور اس جیسے طرح طرح کے دیگر الزامات عائد کرتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ اس طرح کے الزامات قائم کرنے کے نتیجے میں، وہ دراصل ''وجدنا آباء نا علی امۃ'' کا مصداق بن کر اپنے اوپر دنیا ہی میں حجت قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ جس قول پر جس حیثیت سے تفرد وغیرہ کا الزام عائد کرتے ہیں، دراصل وہ اپنے ہی قول کے اس حیثیت کا حامل ہونے کی وجہ سے خود اس کی زَد میں آ کر ''ہم الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا'' کا مصداق بن جاتے ہیں، لیکن دنیا میں اپنے عیب پر پردہ ڈالنے کے لیے وہ دوسرے پر اس طرح کے الزامات قائم کرنا شروع کر دیتے ہیں، جو کہ ''چور مچائے شور'' اور ''چور کی ڈاڑھی میں تنکا'' والی بات ہوتی ہے۔

میرے نزدیک جہلاء کا یہ طبقہ کسی رُو، رعایت کا اس لیے مستحق نہیں کہ اس کے مذکورہ اور اس جیسے طرزِ عمل کی وجہ سے بہت بڑا دینی نقصان پیش آ رہا ہے، ان لوگوں کی مثال ''نہ نہائیں، نہ نہانے دیں'' والے لوگوں کی طرح ہے، جن سے خود تو اپنی دینی وعلمی ذمہ داریاں پوری ہوتی نہیں، اوپر سے دوسرے کو اپنی ذمہ داری انجام دینے پر الزامات اور طعن وتشنیع کا نشانہ بھی بناتے ہیں، اور اس طرح علم وتحقیق اور فقہ وتفقہ کے شعبہ پر اپنا بے جا، ظالمانہ وغاصبانہ قبضہ جمانا اور تسلط قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

مذکورہ حالت آنے والے اس دور سے زیادہ بری نہیں ہے، جس کی احادیث میں بہت پہلے پیشین گوئی کر دی گئی تھی، اور اسلامی تعلیمات کے ساتھ وابستہ رہنے کی وجہ سے اجنبی اور منفرد سمجھے جانے والے حضرات کو بشارت بھی سنا دی گئی تھی۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا، وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْبًا، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ (مسلم، رقم الحديث ۱۴۵ "۲۳۲" كتاب الإيمان، باب بدأ الإسلام غريبا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام، غریب واجنبی ہوکر شروع ہوا، اور عنقریب اسی حالت پر لوٹ آئے گا، جس حالت پر غریب واجنبی ہوکر شروع ہوا تھا، تو ایسی حالت میں (اسلام کے ساتھ وابستہ رہنے کی وجہ سے) اجنبی لوگوں کے لیے بشارت ہے (مسلم)

اس طرح کی حدیث بعض دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا كما بدأ، فطوبى للغرباء (سنن الترمذى، رقم الحديث ۲۶۲۹)

قال الترمذى: وفى الباب عن سعد، وابن عمر، وجابر، وأنس، وعبد الله بن عمرو: " هذا حديث حسن صحيح غريب من حديث ابن مسعود، إنما نعرفه من حديث حفص بن غياث، عن الأعمش، وأبو الأحوص اسمه: عوف بن مالك بن نضلة الجشمى .تفرد به حفص "

عن أنس بن مالك، عن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال: إن الإسلام بدأ غريبا، وسيعود غريبا، فطوبى للغرباء "(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۹۸۷)

قال شعيب الارنوؤط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن فى الشواه (حاشية سنن ابنِ ماجه)

عن ابن عمر، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: إن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا كما بدأ، وهو يأرز بين المسجدين، كما تأرز الحية فى جحرها (مسلم، رقم الحديث ۱۴۶، كتاب الإيمان، باب بدأ الإسلام غريبًا)

أخبرنى أبو صخر، قال أبو عبد الرحمن عبد الله بن أحمد: وسمعته أنا من هارون: أن أبا حازم، حدثه عن ابن لسعد بن أبى وقاص، قال: سمعت أبى، يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو يقول: " إن الإيمان بدأ غريبا وسيعود كما بدأ، فطوبى يومئذ للغرباء إذا فسد الناس، والذى نفس أبى القاسم بيده ليأرزن الإيمان بين هذين المسجدين كما تأرز الحية فى جحرها "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۰۴)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده جيد (حاشية مسند احمد)

"إن الإسلام بدأ غريبا، وسيعود غريبا كما بدأ، فطوبى للغرباء "(م هـ) عن أبى هريرة (ت هـ) عن ابن مسعود (هـ) عن أنس (طب) عن سلمان وسهل بن سعد وابن عباس (صح).

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تحقیق واجتہاد کی صلاحیت رکھنے اور اس ذمہ داری کو انجام دینے والے اہلِ فقہ واہلِ علم حضرات ہر قسم کے تعصب وجمود سے بالاتر ہوکر، ہمت وحوصلہ کے ساتھ آگے بڑھیں، اور تفردوانفراد وغیرہ جیسے الزامات عائد کرنے والے متعصبین، متشددین و جامدین کی الزام تراشیوں سے ہرگز متاثر نہ ہوں، تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ''فطوبیٰ للغرباء'' کی شکل میں بیان فرمودہ بشارت کا اپنے آپ کو مستحق بنا سکیں۔

بندہ نے پہلے بھی اپنے بعض مضامین میں جمعہ کی سعی سے متعلق کسی قدر اجمال کے ساتھ اپنے مذکورہ رجحان کا اظہار کیا تھا۔

اب بندہ نے اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں مسئلہ ہٰذا پر قدرے تفصیل وتوضیح کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اور بعض نکات کو کسی ابہام واجمال، اور لاگ لپیٹ کے بغیر مزید منقح و مصفیٰ کرنے کی کوشش کی ہے، جس کو آئندہ اوراق میں نقل کیا جارہا ہے۔

تعصب وتشدد اور جمود وخمود سے اجتناب کرنے اور اعتدال وتوسط سے اپنا دامن وابستہ رکھنے والے حضرات، اس مضمون کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ راجح قول کو سمجھنے اور اختیار کرنے میں دشواری محسوس نہ فرمائیں گے۔

جہاں تک متعصبین ومتشددین کا تعلق ہے، تو ان کے متعلق پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو ملحوظ رکھنے اور تعصب وتشدد سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان 17 / رجب المرجب / 1442ھ 02 / مارچ / 2021ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(إن الإسلام بدأ) مقصور وقيل يجوز همزه أى ظهر .(غريبا) فى النهاية أنه كان أول أمره كالغريب الوحيد الذى لا أهل عنده لقلة المسلمين حينئذ .(وسيعود غريبا كما بدأ) لقلة أهل الإيمان آخر الزمان فيصير كالغريب .(فطوبى) اسم للجنة أو شجرة فيها .(للغرباء) أى أنها لأولئك الغرباء فى أول ذلك الزمان الذى بدأ فيه وتكون أيضا لهم فى آخره، وذلك لصبرهم على الغربة وأذى من يخالفهم (التنوير شرح الجامع الصغير للصنعانى، ج٣ص ٤٣٠، تحت رقم الحديث ١٩٤٥)

اذانِ جمعہ پر سعی کی تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہمارا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے، اور ہمارا تبلیغی مرکز میں کثرت سے قیام رہتا ہے، اور تبلیغی جماعت کی مختلف خدمات سے تعلق رہتا ہے، اسی دوران جمعہ کا دن بھی آ جاتا ہے، جب مرکز کی مسجد میں جمعہ کی پہلی اذان ہوجاتی ہے، تو اس کے بعد بھی مسجد سے ملحق، مرکز کے احاطہ میں مختلف لوگوں کی آمد جاری رہتی ہے، اور جماعت کی تشکیل اور ہدایات سے متعلق خدمات جاری رہتی ہیں، اور مسجد سے ملحقہ مدرسے میں طلبائے کرام اپنے مطالعے وغیرہ میں بھی مشغول رہتے ہیں، اور جب جمعہ کی دوسری اذان شروع ہوتی ہے، تو سب لوگ مسجد میں جمعہ کے لیے حاضر ہوجاتے ہیں، اور ان کے خطبہ ونمازِ جمعہ میں شرکت میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔

اب کچھ دن پہلے ہم نے سنا کہ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد، جمعہ کی نماز کی تیاری کے علاوہ ہر طرح کے کام ناجائز اور حرام ہوجاتے ہیں، خواہ وہ دین کے کام ہی کیوں نہ ہوں، اور اگر کوئی نمازِ جمعہ کی تیاری، اذان شروع ہونے سے پہلے ہی کر چکا ہے، مثلاً غسل اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو چکا ہے، تو اسے جمعہ کی پہلی اذان کے بعد فوری طور پر بلا تاخیر، مسجد میں حاضر ہوجانا ضروری ہوجاتا ہے، اور اگر کوئی اس کے باوجود مسجد سے باہر کسی دینی کام میں ہی مشغول ہو، تو وہ بھی گناہ گار ہوجاتا ہے۔

لیکن ہمارے لیے جمعہ کی پہلی اذان کے بعد، اس طرح کے سب کام چھوڑ کر، مسجد میں حاضر ہونا، مشکل ہوجاتا ہے، اور بہت سے انتظامی اور شرعی کاموں میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

دوسری طرف ہم نے بہت سے دینی مدارس اور جامعات میں بھی اس طرح کے کاموں کا

مشاہدہ کیا ہے کہ وہاں جمعہ کی پہلی اذان ہونے کے باوجود، سب علماء وطلباء مسجد میں حاضر نہیں ہوتے، اور مسجد سے ملحقہ مدرسہ وجامعہ کے احاطے میں مطالعہ وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں میں بھی یہی حال ہے کہ وہاں پر بہت سے لوگ اپنے گھروں سے ہی، نمازِ جمعہ کی ضروری تیاری کر کے پہنچ جاتے ہیں، لیکن نمازِ جمعہ کی پہلی اذان کے فوری بعد، اُن کو چھٹی نہیں ملتی۔

اور عام طور پر دوسرے مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ جمعہ کی پہلی اذان ہونے پر، جمعہ کی تیاری میں مشغول نہیں ہوتے، اور جو لوگ پہلے ہی جمعہ کی تیاری کر چکے ہیں، وہ بھی مسجد میں حاضر نہیں ہوتے، اور بلا کھٹک خرید وفروخت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، اور جمعہ کی پہلی اذان کے جلدی ہو جانے اور اس کے بعد جمعہ کی نماز کھڑی ہونے کے درمیان بہت زیادہ وقفہ ہوتا ہے، جس میں لوگوں کو اپنے ضروری کاموں کا چھوڑنا سخت مشکل ہوتا ہے۔

تو کیا وہ تمام لوگ بھی گناہ گار ہوتے ہیں؟

ہم نے سنا ہے کہ بعض فقہاء کے قول میں، جمعہ کی دوسری اذان تک اس طرح کے کاموں میں مشغول رہنے کی گنجائش ہے، تو کیا ہمیں ان فقہاء کے قول پر عمل کر لینے کی اجازت ہے؟

بعض حضرات نے آپ کے حوالہ سے بتلایا کہ آپ دوسری اذان پر سعی واجب ہونے کی طرف رجحان رکھتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ اور کیا اس قول پر عمل کرنا ''تفرد'' میں تو داخل نہ ہوگا، کیونکہ بعض علماء اس رائے کو ''تفرد'' کہتے ہیں۔

امید ہے کہ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں گے۔

مستفتی

عبدالکریم

طالبِ علم، تبلیغی مرکز، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کی رو سے راجح یہ ہے کہ جب تک ''اذانِ خطبہ'' یعنی جمعہ کی وہ اذان نہ ہو، جو امام کے منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، اس وقت تک سعی واجب اور بیع وشراء اور دوسرے ضروری اور مباح و جائز کاموں میں مشغولی حرام و ناجائز نہیں ہوتی۔

البتہ اگر کسی پر جمعہ واجب ہو، اور وہ دور ہو کہ اس کو جمعہ کے لیے پہنچنے، یا جمعہ کی تیاری میں اتنی دیر لگ جائے کہ اس کی نمازِ جمعہ کا خطبہ اور بطورِ خاص، نمازِ جمعہ فوت ہو جائے، تو اس کو اتنی دیر پہلے جمعہ کی تیاری وسعی واجب ہو جاتی ہے کہ وہ نمازِ جمعہ کو پالے، اور اس کی نمازِ جمعہ فوت نہ ہو، خواہ ابھی تک پہلی اذان بھی نہ ہوئی ہو۔

لہٰذا آپ حضرات کو جمعہ کی پہلی اذان کے بعد، جب تک امام کے خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے بعد والی اذان شروع نہ ہو، اپنے دینی اور جائز ومباح معمولات اس طرح جاری رکھنا جائز ہے کہ جمعہ کے خطبہ اور نمازِ جمعہ میں شرکت متاثر نہ ہو، اور اس مسئلے میں جمہور مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی میں بھی گنجائش موجود ہے، بلکہ اصحابِ حنفیہ کا اصل مذہب بھی یہی ہے، جس کی وجہ سے حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام کے قول پر گنجائش حاصل کرنے اور حنفیہ کے مذہب سے عدول کرنے اور نکلنے کی بھی ضرورت نہیں۔

البتہ بعض متاخرینِ حنفیہ نے اذانِ خطبہ سے قبل دی جانے والی، جمعہ کی پہلی اذان پر سعی کو واجب اور بیع وشراء اور ایسے تمام کاموں کو ممنوع ومکروہ قرار دیا ہے، جو جمعہ کی سعی میں خلل پیدا کریں۔

آج کل ہمارے دیار میں حنفیہ کے یہاں عام طور پر اسی قول کی تقلید واتباع میں فتویٰ دیا

جاتا ہے، جمہور کے قول کا اولاً تو ذکر نہیں کیا جاتا، اور اگر ذکر کیا بھی جاتا ہے، تو اس کی مؤثر ومضبوط دلیل کا ذکر کیے بغیر اس کی تضعیف وتردید پر اکتفاء کیا جاتا ہے، جس کا ہم نے موجودہ اور ماضی قریب کے متعدد اہلِ علم حضرات کے مضامین وفتاویٰ میں مشاہدہ کیا ہے۔

لیکن دلائلِ شرعیہ وفقہیہ اور مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کے اقوال میں غور کرنے سے متاخرین کے اس قول کا راجح ہونا ظاہر نہ ہوسکا۔

اور ''اذانِ خطبہ'' یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جانے والی اذان پر سعی واجب ہونے کے قول پر بعض لوگوں کی طرف سے تفرد وانفراد کا الزام عائد کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ جمہور کا قول یہی ہے۔

اور اگر کوئی پھر بھی اس پر تفرد وانفراد کا الزام لگانے پر اصرار کرے، تو یہ حکم خود پہلی اذان پر سعی واجب قرار دینے والے قول پر ہی عائد ہوگا، کیونکہ یہ قول جمہور، بلکہ ائمۂ اربعہ کے بھی خلاف، اور صرف چند متاخرین مشائخِ حنفیہ کے موافق ہے، بعض محققین نے تو ''اذانِ خطبہ'' یعنی امام کے خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جانے والی اذان پر ہی سعی واجب اور بیع کی ممانعت وکراہت پر اجماع اور علماء کے اتفاق کا حکم لگایا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اگر مذکورہ الزام کو درمیان میں لایا جائے گا، تو اس کا مصداق پہلی اذان پر وجوبِ سعی اور ممانعتِ بیع وغیرہ کا حکم لگانے والا قول قرار پائے گا۔

لیکن ہم الحمد للہ تعالیٰ اس طرح کے علمی وفقہی اور اجتہادی مسائل میں اس نوعیت کے الزامات قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، بلکہ اس کے بجائے علمی وتحقیقی اصولوں کی اتباع کے قائل ہیں، اور اس طرح کے الزامات پر مسئلہ ھٰذا اور اس جیسے مسائل کی بنیاد قائم کرنے کو ''کم علمی اور جہالت'' پر مبنی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ آج کل عام طور پر مشاہدہ ہے کہ جن حضرات کے پاس موثر ومضبوط شرعی وفقہی دلائل

نہیں ہوتے، وہی اس قسم کے الزامات قائم کرکے اپنے دفاع کا کام چلاتے، اور اپنے غصہ کی بھڑاس نکالتے ہیں، لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ وہ علم وتحقیق کے متلاشی حضرات کے سامنے، اپنے اس طرح کے الزامات میں ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے، اور نہ ہی کبھی ہو سکے ہیں، البتہ وہ صرف سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے دنیا میں کچھ دیر کے لیے تسکین کا سامان ضرور حاصل کر لیتے ہیں، مگر آخرت میں عنداللہ اس طرح کے الزامات کو ثابت کرنا، ان کی ذمہ داری ہو گی، ورنہ مؤاخذہ کے مستحق ٹھہریں گے۔

اب اس مسئلے کی دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کی روشنی میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔
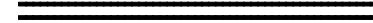
(مقدمہ)

جمعہ کی سعی کا حکم اور اس کا مطلب

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن مجید میں ''سورۃ الجمعۃ'' کے نام سے ایک سورت کا نام مقرر کیا گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن اذان کے بعد سعی اور ترکِ بیع کا حکم فرمایا ہے۔

''سورۃُ الجمعۃ'' کا حوالہ

چنانچہ قرآن مجید کی مذکور سورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ الجمعۃ، رقم الآیۃ ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب نِداء (یعنی اذان) دی جائے، نماز کے لئے جمعہ کے دن کی، تو سعی کرو تم اللہ کے ذکر کی طرف، اور چھوڑ دو تم بیع کو، یہ بہتر ہے تمہارے لئے، اگر تم جانتے ہو (سورہ جمعہ)

اس آیت میں نداء سے مراد ''اذان'' ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کی اذان ہوتے ہی اللہ کے ذکر کی طرف سعی کا حکم ہے، اور مزید یہ کہ اذان کے بعد خرید وفروخت چھوڑ دینے کا حکم ہے۔

پھر سورہ جمعہ کی مذکورہ آیت میں ''ذکرُ اللّٰہ'' سے بعض حضرات کے نزدیک جمعہ کی نماز مراد ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک جمعہ کا خطبہ مراد ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ دونوں چیزوں کا مجموعہ مراد ہے۔

تفسیر ابنِ کثیر کا حوالہ

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ:

فاسعوا إلى ذكر الله أى اقصدوا واعمدوا واهتموا فى سيركم إليها، وليس المراد بالسعى هاهنا المشى السريع وإنما هو الاهتمام بها (تفسير ابنِ كثير، ج۸ ص۱۴۵، سورة الجمعة)

ترجمہ: اور تم اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو، یعنی ارادہ وقصد کرو اور اس کی طرف چلنے کا اہتمام کرو، اور یہاں ''سعی'' سے مراد دوڑ کر چلنا نہیں ہے، بلکہ اس کا اہتمام کرنا مراد ہے (ابنِ کثیر)

المغنی لابنِ قدامہ کا حوالہ

علامہ ابنِ قدامہ فرماتے ہیں کہ:

والمراد بالسعى هاهنا الذهاب إليها، لا الإسراع (المغنى لابنِ قدامة، ج۲ ص۲۱۸، كتاب الصلاة، كتاب صلاة الجمعة)

ترجمہ: یہاں سعی سے مراد جمعہ کی طرف جانا ہے، نہ کہ دوڑنا (المغنی)

تقی الدین سبکی کا حوالہ

اور امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ:

السعى إلى الجمعة وهو التأهب لها والاشتغال بأسبابها والمشى واجب على الفور وجوبا مضيقا وليس على التوسعة كغيرها من الصلوات لقوله تعالى (فاسعوا) والمعنى فيه تعظيم الجمعة على غيرها من الصلوات فخصت بوجوب السعى إليها من أول الوقت

قصدا(فتاویٰ السبکی ج ا ص ۱۶۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ)

ترجمہ: جمعہ کی سعی کرنا، جو کہ جمعہ کے لیے تیاری کرنا اور جمعہ کی تیاری کے اسباب میں مشغول ہونا اور جمعہ کی طرف چلنا ہے، فی الفور بغیر کسی تاخیر کے واجب ہے، اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں، جیسا کہ دوسری نمازوں میں گنجائش ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ''سعی کروتم''۔

اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کو دوسری نمازوں پر تعظیم حاصل ہے، اس لیے جمعہ کی طرف سعی کا اول وقت میں واجب ہونا قصداً جمعہ کے ساتھ خاص ہے

(فتاویٰ السبکی)

تفسیرِ مظہری کا حوالہ

''التفسیرُ المظھری''میں ہے کہ:

فالظاھر ان المراد بالذکر الصلاۃ ویجوز ان یراد بہ الخطبۃ والاولی ان یراد بہ الخطبۃ والصلاۃ جمیعا لصدقہ علیھا معا(التفسیر المظھری، ج۹ ص ۲۸۲، سورۃ الجمعۃ)

ترجمہ: پس راجح یہی ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے خطبہ مراد ہو، اور بہتر یہ ہے کہ اس سے خطبہ اور نماز دونوں مراد لی جائیں، کیونکہ ذکر کا لفظ خطبہ اور نماز دونوں پر اکٹھا صادق آتا ہے (تفسیر مظہری)

''فتحُ القدیر'' کا حوالہ

''الھدایۃ'' کی شرح ''فتحُ القدیر ''میں ہے کہ:

رتب الأمر بالسعی للذکر علی النداء للصلاۃ، فالظاھر أن المراد بالذکر الصلاۃ، ویجوز کون المراد بہ الخطبۃ(فتح القدیر، ج۲ ص ۴۹،

کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ)

ترجمہ: ذکر کے لیے سعی کا حکم مرتب فرمایا گیا ہے، نماز کے لیے اذان پر، پس ظاہر یہی ہے کہ ذکر سے مراد (جمعہ کی) نماز ہے، اور ذکر سے (جمعہ کا) خطبہ مراد لینا بھی درست ہے (فتح القدیر)

شرح ''العنایۃ'' کا حوالہ

اور ''الھدایۃ '' کی شرح ''العنایۃ'' میں ہے کہ:

أمر بالسعي إلى ذكر الله، وهي الخطبة التي هي شرط جواز الجمعة والأمر للوجوب، وإذا كان السعي واجبا إليها فإلى ما هو المقصود وهو الجمعة أولى، وأكد ذلك بتحريم المباح، ولا يكون إلا لأمر واجب مقتضى الحكمة(العناية شرح الهداية ، ج٢ص٥٠، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے) ذکرُ اللہ کی طرف سعی کرنے کا حکم دیا ہے اور ذکرُ اللہ سے مراد خطبہ ہے، جو کہ جمعہ کی نماز جائز ہونے کے لئے شرط (اور ضروری) ہے اور حکم وجوب کے لئے ہوتا ہے اور جب سعی، خطبہ کی طرف کرنا واجب ہے، تو جو چیز اصل مقصود ہے، یعنی جمعہ کی نماز، اس کی طرف سعی بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی، اور (اللہ تعالیٰ نے) اس کی مزید تاکید اس طرح فرمائی کہ جائز کام کو بھی حرام قرار دے دیا اور یہ چیز کسی واجب چیز کے لئے ہی ہوا کرتی ہے، جیسا کہ حکمت کا تقاضا ہے (العنایۃ)

''بدائع الصنائع '' کا حوالہ

اور ''بدائعُ الصنائع ''میں ہے کہ:

قيل ذكر الله هو صلاة الجمعة، وقيل هو الخطبة وكل ذلك حجة؛ لأن السعي إلى الخطبة إنما يجب لأجل الصلاة بدليل أن من سقطت عنه الصلاة لا يجب عليه السعي إلى الخطبة فكان فرض السعي إلى الخطبة فرضا للصلاة، ولأن ذكر الله يتناول الصلاة ويتناول الخطبة من حيث إن كل واحد منهما ذكر الله تعالى(بدائع الصنائع ، ج ١ ص ٢٥٦ ، كتاب الصلاة ، فصل صلاة الجمعة)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ ذکرُ اللہ سے مراد جمعہ کی نماز ہے اور کہا گیا ہے کہ خطبہ مراد ہے اور یہ دونوں باتیں حجت ہیں، اس لیے کہ خطبہ کی طرف سعی دراصل جمعہ کی نماز ہی کی وجہ سے ہے، اوراس کی دلیل یہ ہے کہ جس پر جمعہ کی نماز واجب نہ ہو، اس پر خطبہ کی سعی بھی واجب نہیں رہتی، پس خطبہ کے لیے سعی کا فرض ہونا، جمعہ کی نماز ہی کے لیے فرض ہے اوراس لیے بھی کہ ذکرُ اللہ درحقیقت نماز اور خطبہ دونوں کوشامل ہے، اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک ذکرُ اللہ ہے (بدائع)

لہٰذا مذکورہ آیت کی رُو سے جن لوگوں پر جمعہ کی نماز واجب ہے، اُن کو خطبہ اور بالخصوص، جمعہ کی نماز کی طرف سعی کرنا واجب ہے، اور ساتھ ہی بیع وشراء بھی ممنوع ہے، بعض فقہاء نے ہر ایسے کام کو ممنوع ومکروہ قرار دیا ہے، جو سعی میں مخل ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور ہم نے جمعہ کی سعی پر جامع کلام اپنی تالیف ''جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق'' میں کردیا ہے، تحقیق کے خواہش مند حضرات وہاں رجوع فرماسکتے ہیں۔

اب مسئلہ ھٰذا کی مزید تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

واللہ تعالٰی أعلم.

(فصل نمبر 1)

جمعہ کی پہلی اذان کے اضافہ سے متعلق روایات

چونکہ آج کل اکثر و بیشتر مساجد میں جمعہ کے لیے ایک اذان کے بجائے، دو اذانوں کا معمول ہے، جمعہ کی ایک اذان تو اس وقت دی جاتی ہے، جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جاتا ہے، اور اس کو ''اذانِ خطبہ'' بھی کہا جاتا ہے، اور ایک اذان، اس سے کچھ پہلے دی جاتی ہے، جب تک امام خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر موجود نہیں ہوتا۔

اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہاں جمعہ کے لیے دو اذانوں کا معمول ہو، وہاں جمعہ کی کون سی اذان پر سعی واجب اور بیع وغیرہ کی ممانعت و کراہت ہوگی؟

تو اس سلسلہ میں پہلے تو یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک اذان ہی دی جاتی تھی، جو کہ امام کے خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی تھی، اور یہی اذان، نمازِ جمعہ کی اصل اور حقیقی اذان ہے، اس سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مخصوص مصلحت کی وجہ سے ہوا، جس پر بعد میں اکثر و بیشتر علاقوں میں تعامل جاری ہوا، جبکہ بعض علاقوں اور بعض مساجد میں اب بھی صرف اسی ایک اصل و حقیقی اذان پر اکتفاء کا معمول ہے۔

اس سلسلہ میں چند احادیث و روایات اور آثار ملاحظہ فرمائیں۔

ابنِ عمر اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کی روایت

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ، كَانَ يَجْلِسُ إِذَا

صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرَغَ أُرَاهُ قَالَ: اَلْمُؤَذِّنُ ،ثُمَّ يَقُوْمُ، فَيَخْطُبُ، ثُمَّ يَجْلِسُ فَلَا يَتَكَلَّمُ، ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۹۲، کتاب الصلاۃ، ابواب الجمعۃ، باب الجلوس إذا صعد المنبر) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جمعہ کے) دو خطبے دیا کرتے تھے، آپ منبر پر تشریف لے جانے کے بعد بیٹھ جاتے تھے، یہاں تک کہ موذن اذان دے کر فارغ ہو جاتا تھا، پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر خاموشی سے (ایک خطبہ کے بعد کچھ دیر کے لئے) بیٹھ جاتے تھے، پھر کھڑے ہو کر (دوسرا) خطبہ دیا کرتے تھے (ابنِ ماجہ)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں امام کے جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد ہی اذان دی جایا کرتی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو خلفائے راشدین اولین کے زمانے میں بھی یہی معمول رہا۔ چنانچہ حضرت زہری سے روایت ہے کہ:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِيْ بَكْرٍ، وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: اَلزَّوْرَاءُ، مَوْضِعٌ بِالسُّوْقِ بِالْمَدِيْنَةِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۹۱۲، کتاب الجمعۃ، باب التأذین عند الخطبۃ)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن ابتداء میں

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح (حاشیۃ سنن ابی داؤد)

اذان، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں، اس وقت ہوتی تھی، جب امام (خطبۂ جمعہ دینے کے لیے) منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تیسری (یعنی خطبہ کی اذان واقامت سے پہلے کی) اذان کا زوراء (مقام) پر اضافہ کیا، ابوعبداللہ راوی کہتے ہیں کہ "زوراء" مدینے کے بازار میں ایک مقام کا نام ہے (بخاری)

تیسری اذان دراصل اقامت کو شامل کر کے کہا گیا، یعنی ایک تو اقامت تھی، اس کو بھی اذان سے تعبیر کردیا گیا، اور ایک اذان امام کے خطبہ دینے کے لیے بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی، جس کو "اذانِ خطبہ" بھی کہا جاتا ہے، اور تیسری اذان اس سے پہلے اضافہ کی گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کی صرف ایک اذان ہی ہوا کرتی تھی، اور اس اذان سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے، جس اذان کا اضافہ کیا تھا، وہ مسجد کے بجائے، بازار میں دی جاتی تھی، تاکہ اُن لوگوں کو نمازِ جمعہ کے وقت کی یاددہانی ہوجائے اور بازار کے لوگ خرید وفروخت وغیرہ کی مشغولیت ترک کر کے جمعہ کی تیاری کریں، جس کا دوسری روایات میں صراحتاً ذکر آیا ہے۔ [1]

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

ابنِ حبان نے حضرت زہری سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

---

[1] قوله الزوراء بالمد هو موضع بسوق المدينة(فتح البارى لابنِ حجر، ج ا ص ۱۲۸، المقدمة، كتاب الاعتصام، الفصل الخامس فى سياق ما فى الكتاب من الألفاظ الغريبة على ترتيب الحروف مشروحا،فصل ز ج)

قوله: (وهو بالزوراء)، جملة حالية، والزوراء بفتح الزاى وسكون الواو وبالراء وبالمد: موضع بسوق المدينة(عمدة القارى للعينى، ج۶ ا ص۱۱۸، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام)

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ الْأَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ كَثُرَ النَّاسُ فَأَمَرَنَا مُنَادِيًا يُنَادِىْ عَلَى الزَّوْرَاءِ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۱۶۷۳) [1]

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں، جمعہ کے دن کی اذان دومرتبہ ہوتی تھی (یعنی ایک اذان امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت، اور خطبہ کے بعد اقامت، اسی اقامت کو دوسری اذان کہا گیا) پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نِداء دینے والے کو حکم فرمایا کہ وہ زوراء (نام کے بازار) میں نِداء دے (ابنِ حبان)

''زوراء'' مقام پر دی جانے والی اذان، دراصل دوسری نمازوں کی اذان کی طرح وقتِ جمعہ کے داخل ہونے کے اعلان کا درجہ رکھتی تھی، اور اصل جمعہ کی مخصوص ومنصوص اذان ''جس پر بیع وغیرہ کی ممانعت ہے'' وہی سمجھی جاتی تھی، جو امام کے منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، جس کا قرآن مجید کی سورہ جمعہ میں ذکر ہے۔

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت

صحیح بخاری میں حضرت زہری سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدٍ، يَقُوْلُ اِنَّ الْاَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ اَوَّلُهُ حِيْنَ يَجْلِسُ الْاِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط البخارى (حاشية صحيح ابنِ حبان)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَاَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَلَمَّا كَانَ فِیْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرُوْا اَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْاَذَانِ الثَّالِثِ فَاُذِّنَ بِهٖ عَلَى الزَّوْرَاءِ فَثَبَتَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِکَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۹۱۶، کتاب الجمعة، باب التأذین عند الخطبة)

ترجمہ: میں نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جمعہ کے دن ابتداء میں، اذان اس وقت ہوتی تھی، جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی، پھر جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری (یعنی اقامت اور خطبہ والی اذان کے علاوہ ایک اور) اذان کا حکم دیا، چنانچہ زوراء (مقام) پر وہ اذان کہی گئی اور پھر (آئندہ) اسی پر عمل جاری ہوگیا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور خلیفۂ راشد حضرت صدیقِ اکبر وعمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں جمعہ کی نماز کے لیے ایک ہی اذان امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے وقت ہوا کرتی تھی، قطع نظر اس سے کہ وہ اذان امام ومنبر کے بالکل قریب اور سامنے ہوتی ہو، یا فاصلہ پر ہوتی ہو، یا مسجد کے دروازہ اور دیوار وغیرہ پر ہوتی ہو۔

پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے ایک دوسری اذان کا بازار میں ''زوراء'' مقام پر حکم فرمایا، اور بعد میں اسی کے مطابق عمل جاری ہوگیا۔ [1]

---

[1] (فأذن به) بضم الهمزة، مبنيا للمفعول (على الزوراء، فثبت الأمر) فی الأذان (على ذلک) أی: علی أذانین وإقامة فی جمیع الأمصار، ولله الحمد(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للقسطلانی، ج۲ ص ۱۷۹، کتاب الجمعة، باب التأذین عند الخطبة)

چنانچہ حضرت سائب بن یزید سے مروی بعض روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، اور مسجد کے دروازے پر اذان کا ذکر ہے۔ [1]

جس کے متعلق بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ مسجدِ نبوی کا دروازہ منبر کے سامنے تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اذان دیئے جانے کا حکم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، یا کچھ دائیں، یا بائیں جانب کو بھی شامل ہے، اور یہ اذان مسجد کی زمین پر کھڑے ہو کر ہوتی ہو، یا دیوار، یا چھت پر کھڑے ہو کر، ان سب کا احتمال پایا جاتا ہے۔

لہٰذا ان احتمالات کا ہونا، اور ان میں سے کسی احتمال کے مطابق اپنی ضرورت وسہولت و انتظامی مصلحت کے مطابق عمل کرنا، کوئی تنازع والی بات نہیں۔

اس قسم کے جزئیات پر مسلمانوں کو باہم اختلاف کر کے نزاع وانتشار کی فضا پیدا کرنا، کم علمی و تعصب پر مبنی ہے۔ [2]

---

[1] عن الزهری،عن السائب بن یزید، قال: کان یؤذن بین یدی رسول الله– صلی الله علیه وسلم –إذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد، وأبی بکر وعمر، ثم ساق نحو حدیث یونس (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۸۸)

قال شعیب الارنؤوط:إسناده حسن من أجل محمد بن إسحاق(حاشیة سنن ابی داؤد)

[2] (عن محمد بن إسحاق، عن الزهری، عن السائب بن یزید قال) السائب: (کان یؤذن) بصیغة المجهول من التأذین (بین یدی) أی قدام (رسول الله – صلی الله علیه وسلم – إذا جلس علی المنبر یوم الجمعة) أی للخطبة (علی باب المسجد وأبی بکر وعمر) ولا منافاة بین قوله: " بین یدی رسول الله – صلی الله علیه وسلم – "وبین "علی باب المسجد"، فإن باب المسجد هذا کان فی جهة الشمال، فإذا جلس رسول الله – صلی الله علیه وسلم – علی المنبر للخطبة، یکون هذا الباب قدامه، فکونه بین یدیه عام شامل لما کان فی محاذاته، أو شیئا منحرفا إلی الیمین أو الشمال، أو یکون علی الأرض أو الجدار(بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد، ج۵ص ۱۱۰، کتاب الصلاة، باب تفریع ابواب الجمعة، باب النداء یوم الجمعة)

وقد مر معنا وجه تعبیر الأذان بالمؤذن .وهو فی ذهن الراوی أن الواحد لا یؤذن إلا أذانا واحدا.

قوله: (إذا جلس علی المنبر) وعند أبی داود: أن هذا الأذان کان فی عهده صلی الله علیه وسلم عند باب المسجد، وفی لفظ: علی المنارة(فیض الباری علی صحیح البخاری، ج۲ص، ۴۳۳، کتاب الجمعة،باب المؤذن الواحد یوم الجمعة)

جن فقہائے کرام نے اس اذان کو منبر کے قریب اور خطیب کے سامنے ہونے کا ذکر کیا ہے، ان کے نزدیک بھی یہ مستحب درجے کی چیز ہے، جس کی خلاف ورزی میں کوئی گناہ لازم نہیں آیا کرتا، مزید یہ کہ یہ قید احترازی نہیں، اور تھوڑے بہت فاصلہ اور دائیں بائیں کو بھی شامل ہے، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ [1]

بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو اسی ایک اصل اذان پر اکتفاء کرنے میں بھی حرج نہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [2]

---

[1] كان الأذان في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وصاحبيه واحدا، ولعله كان خارج المسجد كما عند أبي داود، فإذا كثر الناس زاد عثمان أذانا آخر على الزوراء خارج المسجد، ليمتنع الناس عن البيع والشراء.

والظاهر أن الأذان الثاني وهو الأول انتقل إلى داخل المسجد، ثم الأمة أخذت بفعله وتعاملوا به واحدا بعد واحد، إلا ما نقل أبو بكر بن العربي رحمه الله تعالى عن بعض أهل المغرب: أنه لا تأذين عندهم غير مرة واحدة .ثم إذا تسلط بنو أمية نقلوا الثالث على المنارة، والذي كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم جعلوه في المسجد –أمام الإمام– ولم أجد على كون هذا الأذان داخل المسجد دليلا عند المذاهب الأربعة إلا ما قال صاحب الهداية إنه جرى به التوارث، ثم نقله الآخرون أيضا .ففهمت منه أنهم ليس عندهم دليل غير ما قاله صاحب الهداية، ولذا يلجأون إلى التوارث، أما الإقامة فكانت من قبل في المسجد .بقي أذان الجوق: ففي الدر المختار أنه محدث (فيض الباري على صحيح البخاري، ج۲ص ۴۳۲، ۴۳۳، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة)

[2] وأما الجمعة فمثل باقي الصلوات لا يجوز الأذان لها قبل دخول الوقت، وللجمعة أذانان، أولهما عند دخول الوقت، وهو الذي يؤتى به من خارج المسجد – على المئذنة ونحوها – وقد أمر به سيدنا عثمان رضي الله عنه حين كثر الناس.

والثاني وهو الذي يؤتى به إذا صعد الإمام على المنبر، ويكون داخل المسجد بين يدي الخطيب، وهذا هو الذي كان في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وعهد أبي بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثاني.

وكلا الأذانين مشروع إلا ما روي عن الشافعي من أنه استحب أن يكون للجمعة أذان واحد عند المنبر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص۳۶۳، ۳۶۴، مادة " أذان ")

وقال أبو عمر :اختلف الفقهاء هل يؤذن بين يدي الإمام واحد أو مؤذنون؟ فذكر ابن عبد الحكم عن مالك :إذا جلس على المنبر ونادى المنادي منع الناس من البيع تلك الساعة، هذا يدل على أن النداء عنده واحد بين يدي الإمام، ونص عليه الشافعي، ويشهد له حديث السائب :(لم يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم غير مؤذن واحد(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج٦، ص ٢١١، كتاب الجمعة،باب الأذان يوم الجمعة)

انس رضی اللہ عنہ کی روایت

ابنِ شبہ نے ''تاریخ المدینة'' میں موسیٰ بن اسماعیل سے، انہوں نے حماد بن سلمہ سے اور انہوں نے حمید سے روایت کیا ہے کہ:

عن أنس قال : إن المقام كان كذلك على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما، فلما كان عثمان رضي الله عنه فشا الناس وكثروا، فأمر مؤذنا فأذن بالزوراء، فتأخر خروجه ليعلم الناس أن الجمعة قد حضرت (تاريخ المدينة لابن شبة، ج٣، ص٩٥٨، ما سن عثمان رضي الله عنه من الأذان الثاني يوم الجمعة)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اسی طرح سے نمازِ جمعہ کا قیام ہوتا تھا (کہ اذانِ خطبہ ہی سے آغاز ہوتا تھا) پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، لوگ پھیل گئے اور زیادہ ہو گئے، تو انہوں نے ایک مؤذن کو حکم دیا، جس نے زوراء مقام پر اذان دی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے بعد ہی (نمازِ جمعہ پڑھانے کے لیے) نکلا کرتے تھے، تاکہ لوگ جان لیں کہ جمعہ کی نماز کا وقت ہو چکا ہے (تاریخ المدینہ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اذانِ خطبہ سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ لوگوں کے زیادہ ہو جانے اور دور دراز تک پھیل جانے کی بناء پر لوگوں کو نمازِ جمعہ کا وقت داخل ہونے سے مطلع وآگاہ کرنے کے لیے کیا تھا۔

زہری کی روایت

''مصنف ابنِ ابی شیبہ'' میں حضرت زہری سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

أَوَّلُ مَنْ أَحْدَثَ الْاَذَانَ الْأَوَّلَ عُثْمَانُ ، لِيُؤْذِنَ أَهْلَ الْأَسْوَاقِ (مصنف

ابنِ ابی شیبۃ، رقم الحدیث ۵۴۸۰، کتاب الصلاۃ، باب الاذان یوم الجمعۃ)

ترجمہ: جمعہ کی پہلی اذان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کیا، تاکہ بازار والے لوگوں کو (جمعہ کے لیے) آگاہ کردیں (ابن ابی شیبہ)

پیچھے ''صحیح بخاری'' کی روایت میں ہی گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ اذان، مسجد کے بجائے، بازار میں ''زوراء'' مقام پر دی جاتی تھی، اور اس کا مقصد بازار والوں کو نمازِ جمعہ کا وقت داخل ہونے پر متنبہ کرنا تھا۔

زہری کی دوسری روایت

اور ''مصنف ابنِ ابی شیبہ'' میں حضرت زہری سے ہی ایک روایت اس طرح سے مروی ہے کہ:

كَانَ الْأَذَانُ عِنْدَ خُرُوْجِ الْإِمَامِ ، فَأَحْدَثَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانُ التَّأْذِيْنَةَ الثَّالِثَةَ عَلَى الزَّوْرَاءِ ، لِيَجْتَمِعَ النَّاسُ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ، رقم الحدیث ۵۴۸۲، کتاب الصلاۃ، باب الاذان یوم الجمعۃ)

ترجمہ: پہلے جمعہ کی اذان امام کے (خطبہ کے لیے) نکلنے کے وقت ہوا کرتی تھی، پھر امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ''زوراء'' مقام پر تیسری اذان کو جاری کیا، تاکہ لوگ (جمعہ کی نماز کے لیے) جمع ہوجائیں (ابن ابی شیبہ)

زہری کی تیسری روایت

اور ''عبدالرزاق'' نے معمر سے، انہوں نے حضرت زہری سے روایت کیا ہے کہ:

اَلْأَذَانُ الَّذِی یَحْرُمُ فِیهِ الْبَیْعُ الْأَذَانُ عِنْدَ خُرُوجِ الْإِمَامِ قَالَ الزُّهْرِیُّ: وَأَرَى أَنْ یَتْرُکَ الْبَیْعَ الْآنَ عِنْدَ الْأَذَانِ الْأَوَّلِ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث ۵۲۲۴، کتاب الجمعۃ، باب وقت الجمعۃ)

ترجمہ: وہ ''اذان'' کہ جس پر ''بیع'' حرام ہوتی ہے، امام کے نکلنے کے وقت کی اذان ہے، زہری نے فرمایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب ''بیع'' کو پہلی اذان پر ترک کر دینا چاہیے (عبدالرزاق)

مطلب یہ ہے کہ ''بیع'' تو اسی اذان پر حرام ہوتی ہے، جب امام، خطبۂ جمعہ کے لیے نکلتا ہے، لیکن اس سے قبل جو زوال ہونے پر اذان ہوتی ہے، اس پر بیع کو ترک کر دینا مناسب ہے۔

اور یہ زہری، وہی ہیں، جنہوں نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث کو روایت کیا ہے، انہوں نے اپنی روایت کردہ حدیث کا یہی مطلب سمجھا، جیسا کہ گزرا۔

اور کسی راوی کا اپنی روایت سے کوئی حکم نکالنا، بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

اس جیسی روایات سے امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ بیع کی حرمت تو دوسری اذان پر ہی ہوتی ہے، البتہ زوال ہونے کے بعد بیع وغیرہ میں مشغولی، مکروہ ونامناسب ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت عطاء سے بھی یہی صراحتاً مروی ہے کہ بیع کی حرمت اس اذان پر ہی ہوتی ہے، جو امام کے خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے۔

ابنِ مسیّب کی روایت

اور ''عبدالرزاق'' نے حضرت زہری سے، اور انہوں نے ابنِ مسیّب سے روایت کیا ہے کہ:

كَانَ الْأَذَانُ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ أَذَانًا وَّاحِدًا حَتّٰى يَخْرُجَ الْإِمَامُ، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ كَثُرَ النَّاسُ فَزَادَ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ، وَأَرَادَ أَنْ يَتَهَيَّأَ النَّاسُ لِلْجُمُعَةِ

(مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۳۴۲، کتاب الجمعة، باب الاذان يوم الجمعة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں، جمعہ

کے دن، ایک اذان ہی اس وقت ہوا کرتی تھی، جب امام (خطبۂ جمعہ کے لیے) نکلتا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا، لوگوں کی کثرت ہوگئی، تو انہوں نے (مقامِ ''زوراء'' میں) پہلی اذان کو زیادہ کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ جمعہ کی نماز کے لیے تیار ہوجائیں (مصنف عبدالرزاق)

عمرو بن دینار کی روایت

اور ''عبدالرزاق'' نے ہی ابنِ جریج سے روایت کیا ہے کہ:

أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، أَنَّ عُثْمَانَ، أَوَّلُ مَنْ زَادَ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ زَادَهُ، فَكَانَ يُؤَذِّنُ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ قَالَ: وَأَمَّا أَوَّلُ مَنْ زَادَهُ بِبِلَادِنَا فَالْحَجَّاجُ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۳۴۱، كتاب الجمعة، باب الاذان يوم الجمعة)

ترجمہ: مجھے عمرو بن دینار نے خبر دی کہ جمعہ کے دن پہلی اذان کا اضافہ، سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا، جب لوگ زیادہ ہوگئے، تو ''زوراء'' مقام پر اذان دی جاتی تھی، اور ہمارے شہر میں جس نے اس اذان کا اضافہ کیا، تو وہ حجاج بن یوسف ہے (مصنف عبدالرزاق)

عطاء کی روایت

اور امام فاکہی (المتوفیٰ: 272ھ) نے ابنِ جریج سے روایت کیا ہے کہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ:

إِنَّمَا كَانَ الْأَذَانُ الْأَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيمَا مَضٰى وَاحِدًا فَأَمَّا الْأَذَانُ الَّذِي يُؤَذِّنُ بِهِ الْآنَ قَبْلَ خُرُوجِ الْإِمَامِ وَجُلُوسِهٖ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَإِنَّ

أَوَّلَ مَنْ أَحْدَثَهُ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوسُفَ (أخبار مكة ،للفاكهي ، رقم الحديث ٢٠٤١، ج٣ص٢٣٨، ٢٣٩ ،باب جامع من اخبار مكة في الاسلام)

ترجمہ: گزشتہ زمانوں میں جمعہ کے دن پہلی اذان، صرف ایک ہی ہوتی تھی، جہاں تک اس اذان کا تعلق ہے، جو آج کل امام کے نکلنے اور اس کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے دی جاتی ہے، اس کو سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے شروع کیا (اخبارِ مکہ)

اس طرح کی روایات کے متعلق، بعض حضرات نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے ''زوراء'' مقام میں پہلی اذان کا اضافہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا، جیسا کہ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے، اور بعض دوسرے علاقوں میں حجاج بن یوسف وغیرہ کے زمانے میں ہوا۔ جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پہلی اذان کو صرف دخولِ وقت کے اعلان کے درجے کی چیز سمجھا جاتا تھا، حجاج بن یوسف کے زمانے میں اس کو بعض لوگوں کی طرف سے، جمعہ کی مخصوص ومنصوص، حقیقی اذان کا درجہ دے دیا گیا۔

سلیمان بن موسیٰ اور عطاء کی روایت

اور ''عبدالرزاق'' نے ہی ابنِ جریج سے روایت کیا ہے کہ:

قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسٰى: أَوَّلُ مَنْ زَادَ الْأَذَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عُثْمَانُ، قَالَ عَطَاءٌ: كَلَّا إِنَّمَا كَانَ يَدْعُو النَّاسَ دُعَاءً، وَلَا يُؤَذِّنُ غَيْرَ أَذَانٍ وَّاحِدٍ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٥٣٤٠ ، كتاب الجمعة ،باب الاذان يوم الجمعة)

ترجمہ: سلیمان بن موسیٰ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں جمعہ کی ایک اذان کا اضافہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا، حضرت عطاء نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں، وہ تو

صرف لوگوں کو بلانے کا ایک اعلان تھا، اور (حقیقی واصلی) اذان تو ایک ہی دی جاتی تھی (مصنف عبدالرزاق)

حضرت عطاء کا شمار، جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے، انہوں نے پہلی اور دوسری اذان کی حقیقت کو عمدہ طریقے پر واضح فرمادیا، جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی اصل ومخصوص اور منصوص اذان ''جس پر بیع ممنوع ہوجاتی ہے'' وہی ہے، جو امام کے خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، پہلی اذان کی وہ حیثیت نہیں، بلکہ اس کی حیثیت ایک اعلان کی ہے، جس طرح دوسری نمازوں کے لیے دی جانے والی اذان کی حیثیت، دخولِ وقت کے اعلان کی ہے، حرمتِ بیع اس اذان پر نہیں ہوتی، اسی وجہ سے ایک روایت میں حضرت عطاء نے دوسری اذان پر ہی خرید وفروخت کے ممنوع ہونے کی تصریح کی ہے۔

عطاء کی ایک اور روایت

چنانچہ ''عبدالرزاق'' نے اپنی سند کے ساتھ، حضرت عطاء سے روایت کیا ہے کہ:

قَالَ: إِنَّمَا كَانَ الْأَذَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيمَا مَضٰى وَاحِدًا قَطُّ ثُمَّ الْإِقَامَةُ، فَكَانَ ذٰلِكَ الْأَذَانُ يُؤَذَّنُ بِهٖ حِيْنَ يَطْلُعُ الْإِمَامُ فَلَا يَسْتَوِى الْإِمَامُ قَائِمًا حَيْثُ يَخْطُبُ حَتّٰى يَفْرُغَ الْمُؤَذِّنُ أَوْ مَعَ ذٰلِكَ، وَذٰلِكَ حِيْنَ يَحْرُمُ الْبَيْعُ، وَذٰلِكَ حِيْنَ يُؤَذِّنُ الْأَوَّلُ، فَأَمَّا الْأَذَانُ الَّذِى يُؤَذَّنُ بِهِ الْآنَ قَبْلَ خُرُوْجِ الْإِمَامِ وَجُلُوْسِهٖ عَلَى الْمِنبَرِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَأَوَّلُ مَنْ أَحْدَثَهُ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوْسُفَ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۳۳۹ ، كتاب الجمعة،باب الاذان يوم الجمعة)

ترجمہ: حضرت عطاء نے فرمایا کہ گزشتہ زمانے میں ہمیشہ جمعہ کے دن ایک ہی اذان ہوتی تھی، پھر اس کے بعد اقامت ہوتی تھی، اور یہ اذان اس وقت دی جاتی

تھی، جب امام برآمد ہوتا تھا، امام خطبہ دینے کے لیے اس وقت تک کھڑا نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ مؤذن، اذان سے فارغ ہوجاتا تھا، تو خطبہ ہوتا تھا، یہی دراصل پہلی اذان ہے، اور یہی وقت وہ ہے، جب خرید وفروخت، حرام ہوتی ہے۔

جہاں تک اس اذان کا تعلق ہے، جو امام کے نکلنے اور منبر پر بیٹھنے سے پہلے دی جاتی ہے، تو وہ باطل ہے، جس کو سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے ایجاد کیا ہے

(مصنف عبدالرزاق)

ہمیں اس کا راجح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض علاقوں میں پہلی اذان کا اضافہ، حجاج بن یوسف نے کیا، اور پہلی اذان، جمعہ کی حقیقی واصلی اور وہ مخصوص ومنصوص اذان نہیں، جس پر بیع ممنوع ہوتی ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس اذان کا اضافہ کیا تھا، وہ ایک طرح سے جمعہ کا وقت داخل ہونے کے اعلان کی حیثیت رکھتی تھی، جیسا کہ اس سے پہلے حضرت عطاء ہی کی روایت میں گزرا، اس لیے پہلی اذان پر جمعہ کی اذان والے وہ مخصوص احکام بھی جاری نہیں ہوتے، جو قرآن مجید کی سورہ جمعہ میں مذکور ومنصوص ہیں، اور اسی لیے اس کو جمعہ کی مذکورہ حقیقی واصلی اذان سمجھنا، اور اس پر جمعہ کی حقیقی واصلی اذان کے احکام جاری کرنا درست نہیں، اس اذان کو ایسی حیثیت دینا باطل ہے۔

حضرت عطاء، چونکہ امام کے منبر پر بیٹھنے والی اذان کو ہی جمعہ کی پہلی مخصوص، اصلی وحقیقی اذان قرار دیتے ہیں، اس لیے وہ اسی اذان پر بیع اور دوسرے مشاغل کو حرام قرار دیتے ہیں، جس کا دوسری روایات میں بھی ذکر ہے۔ [1]

مکحول کی روایت

''عبدالرزاق'' نے محمد بن راشد سے، انہوں نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ:

---

[1] عن ابن جريج، عن عطاء، إذا أذن الإمام الأول، فإنه يحرم الصناعات كلها هي بمنزلة البيع (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٥٢٢٢، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة)

كَانَ الْأَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَذَانًا وَّاحِدًا، حِيْنَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ، ثُمَّ تُقَامُ الصَّلَاةُ بَعْدَ الْخُطْبَةِ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۳۴۳، كتاب الجمعة،باب الاذان يوم الجمعة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، جمعہ کے دن، ایک اذان ہی اس وقت ہوا کرتی تھی، جب امام (خطبۂ جمعہ کے لیے) نکلتا تھا، پھر خطبہ کے بعد جمعہ کی نماز کھڑی ہو جاتی تھی (مصنف عبدالرزاق)

مکحول کی دوسری روایت

ابنِ شبہ نے "تاريخ المدينة" میں موسیٰ بن اسماعیل سے انہوں نے محمد بن راشد سے اور انہوں نے حضرت مکحول سے روایت کیا ہے کہ:

أَنَّ النِّدَاءَ، كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مُؤَذِّنٌ وَّاحِدٌ حَتّٰى يَخْرُجَ الْإِمَامُ ثُمَّ تُقَامَ الصَّلَاةُ، وَذٰلِكَ النِّدَاءُ الَّذِىْ يَحْرُمُ عِنْدَهُ الْبَيْعُ وَالْاِشْتِرَاءُ إِذَا نُوْدِىَ بِهٖ، فَأَمَرَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنْ يُّنَادٰى قَبْلَ خُرُوْجِ الْإِمَامِ لِكَىْ تَجْتَمِعَ النَّاسُ (تاريخ المدينة لابن شبة، ج۳،ص ۹۵۹، اخبار عثمان بن عفان رضى الله عنه ،ما سن عثمان رضى الله عنه من الأذان الثانى يوم الجمعة)

ترجمہ: نداء (یعنی اذان) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کے دن ایک ہی مؤذن دیا کرتا تھا، جب امام نکل جاتا تھا، پھر نماز قائم کی جاتی تھی، اور یہی نداء (یعنی اذان) وہ ہے، جس پر بیع وشراء حرام ہو جاتی ہے، جب یہ (امام کے خطبۂ جمعہ کی غرض سے نکلنے کے وقت کی) اذان دے دی جائے، پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے امام کے نکلنے سے پہلے نداء کا حکم فرمایا،

تاکہ لوگ جمع ہوجائیں (تاریخ المدینۃ)

اور ابنِ ابی حاتم نے ابونعیم سے، انہوں نے محمد بن راشد مکحولی سے اور انہوں نے حضرت مکحول سے روایت کیا ہے کہ:

أَنَّ النِّدَاءَ كَانَ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مُؤَذِّنٌ وَّاحِدٌ حِيْنَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ، ثُمَّ تُقَامُ الصَّلَاةُ وَذٰلِكَ النِّدَاءُ الَّذِيْ يَحْرُمُ عِنْدَهُ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ إِذَا نُوْدِيَ بِهٖ، فَأَمَرَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنْ يُّنَادِيَ قَبْلَ خُرُوْجِ الْإِمَامِ حَتّٰى يَجْتَمِعَ النَّاسُ (تفسير ابنِ ابی حاتم، ج ١٠، ص ٣٣٥٦، رقم الرواية ١٨٨٩٦، سورة الجمعة)

ترجمہ: جمعہ کے دن نداء (یعنی اذان) ایک ہی مؤذن دیا کرتا تھا، جب امام نکل جاتا تھا، پھر نماز قائم کی جاتی تھی، اور یہی نداء (یعنی اذان) وہ ہے، جس پر بیع و شراء حرام ہوتی ہے، جب یہ (امام کے خطبۂ جمعہ کی غرض سے نکلنے کے وقت کی) اذان دے دی جائے، پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے امام کے نکلنے سے پہلے نداء کا حکم فرمایا، تاکہ لوگ جمع ہوجائیں (تفسیر ابنِ ابی حاتم)

مذکورہ روایت کی سند حسن ہے۔[1]

حضرت مکحول جلیل القدر تابعی ہیں، جنہوں نے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت اٹھائی ہے، اور وہ اپنے زمانے میں شام کے امام اور لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ شمار کیے جاتے تھے، انہوں نے بھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک اذان کے اضافے کو تسلیم کرنے کے باوجود واضح فرما دیا کہ بیع و شراء کی ممانعت اُسی اذان پر ہوتی ہے، جب امام خطبۂ جمعہ کے لیے نکلتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اضافہ کردہ اذان پر بیع حرام نہیں ہوتی۔

---

[1] وإسناده إلى مكحول حسن(أنيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، ج٣، ص ١٧٣٣، حرف الهمزة، تحت رقم الحديث : ١٢٥٠)

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت

ابنِ ابی شیبہ نے حضرت نافع کی سند سے روایت کیا ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ: اَلْأَذَانُ الْأَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِدْعَةٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۵۴۷۹، کتاب الصلاة، باب الاذان یوم الجمعة)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے (ابنِ ابی شیبہ)

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

اور ابنِ ابی شیبہ نے ہشام بن غاز سے روایت کیا ہے کہ:

سَأَلْتُ نَافِعًا مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ عَنِ الْأَذَانِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ؟ فَقَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: بِدْعَةٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۵۴۸۳، کتاب الصلاة، باب الاذان یوم الجمعة)

ترجمہ: میں نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ''نافع'' سے جمعہ کے دن پہلی اذان کے متعلق سوال کیا، تو انہوں جواب میں کہا کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت قرار دیا ہے (ابنِ ابی شیبہ)

حسن بصری کی روایت

ابنِ ابی شیبہ نے ہی، عباد بن عوام سے، انہوں نے اسماعیل سے روایت کیا ہے کہ:

عَنِ الْحَسَنِ ، أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ : أَنَّ الْأَذَانَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ ، فَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْخُطْبَةِ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۵۴۸۱، کتاب الصلاة، باب الاذان یوم الجمعة)

ترجمہ: حضرت حسن بصری نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان اس وقت ہوا کرتی تھی، جب آپ علیہ السلام (خطبہ کے لیے) نکلتے تھے، پھر جب خطبہ سے فارغ ہوجاتے تھے، تو نماز کھڑی کی جاتی تھی (ابن ابی شیبہ)

حسن بصری کی دوسری روایت

اور ابنِ ابی شیبہ نے ہی، ہشیم بن بشیر سے، انہوں نے منصور سے روایت کیا ہے کہ:

عَنِ الْحَسَنِ ، أَنَّهُ قَالَ: اَلنِّدَاءُ الْأَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ؛ اَلَّذِى يَكُوْنُ عِنْدَ خُرُوْجِ الْإِمَامِ ، وَالَّذِىْ قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْدَثٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۵۴۷۷، کتاب الصلاة، باب الاذان یوم الجمعة)

ترجمہ: حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ جمعہ کے دن، پہلی اذان اس وقت ہوتی ہے، جب امام (خطبہ کے لیے) نکلتا ہے، اور اس سے پہلی اذان محدَث ہے (ابنِ ابی شیبہ)

حسن بصری کی تیسری روایت

اور ابنِ شبہ نے عبدالاعلیٰ سے، انہوں نے ہشام سے روایت کیا ہے کہ:

عَنِ الْحَسَنِ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ أَذَانٌ وَّإِقَامَةٌ، وَالْأَذَانُ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ (تاريخ المدينة لابن شبة، ج۳، ص ۹۶۰، اخبار عثمان بن عفان رضى الله عنه، ما سن عثمان رضى الله عنه من الأذان الثانى يوم الجمعة)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے جمعہ کے دن اذان کے متعلق سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جمعہ کے دن، ایک اذان اور ایک اقامت ہی ہو گی، اور اذان اس وقت ہوگی، جب امام (خطبہ کے لیے) نکلے گا (ابنِ شبہ)

مطلب ان روایات کا بھی وہی ہے، جو گزشتہ روایات میں گزرا، اور بعض حضرات نے

''بدعت'' قرار دینے کی دوسری توجیہات بیان کی ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت

''عبدالرزاق'' نے ابنِ جریج سے، انہوں نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ:

رَأَیْتُ اِبْنَ الزُّبَیْرِ لَا یُؤَذَّنُ لَـهٗ حَتّٰی یَجْلِسَ عَلَی الْمِنبَرِ، وَلَا یُؤَذَّنُ لَـهٗ إِلَّا أَذَانًا وَّاحِدًا یَوْمَ الْجُمُعَةِ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۳۴۴، كتاب الجمعة،باب الاذان يوم الجمعة)

ترجمہ: میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے لیے اذان اس وقت تک نہیں دی جاتی تھی، جب تک وہ منبر پر نہیں بیٹھ جاتے تھے، اوران کے لیے جمعہ کے دن ایک ہی اذان دی جاتی تھی (مصنف عبدالرزاق)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، دراصل حضرت اسماء بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں، جو''یزید بن معاویہ'' کی وفات کے بعد 64 ہجری میں خلیفہ مقرر کیے گئے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کے بعد، جس طرح جمعہ کے دن،

---

[1] عبد الله بن الزبير: بن العوام بن العوام بن خويلد بن أسد بن عبد العزى القرشي الأسدي.
أمه أسماء بنت أبي بكر الصديق .ولد عام الهجرة، وحفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم وهو صغير، وحدث عنه بجملة من الحديث، وعن أبيه، وعن أبي بكر، وعمر، وعثمان، وخالته عائشة، وسفيان بن أبي زهير وغيرهم.
وهو أحد العبادلة وأحد الشجعان من الصحابة، وأحد من ولي الخلافة منهم .يكنى أبا بكر .ثم قيل له أبو خبيب بولده.
روى عنه أخوه عروة، وابناه: عامر، وعباد، وابن أخيه محمد بن عروة، وأبو ذبيان خليفة بن كعب، وعبيدة بن عمرو السماني، وعطاء، وطاوس، وعمرو بن دينار، ووهب بن كيسان، وابن أبي مليكة، وسماك بن حرب، وأبو الزبير، وثابت البناني، وآخرون.
وبويع بالخلافة سنة أربع وستين عقب موت يزيد بن معاوية، ولم يتخلف عنه إلا بعض أهل الشام (الاصابة فی تمييز الصحابة لابنِ حجر العسقلانی، ج۴ص۷۸، ۷۹، تحت رقم الترجمة ۴۷۰۰)

دو اذانوں کا معمول رہا، اسی طرح بعض مقامات پر جمعہ کی اس ایک اصل وحقیقی اذان پر اکتفاء کا بھی معمول رہا، جو امام وخطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے، کیونکہ جمعہ کی مخصوص احکام والی اذان یہی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دو خلفائے راشدین اولین کے زمانے میں تھی، اور پہلی اذان کا اضافہ ایک خاص مصلحت پر مبنی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بھی اسی طرح کی روایات وآثار کے موافق ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

تاہم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ چونکہ خلیفۂ راشد ہیں، اور صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے عمل کو سنت سے تعبیر کیا ہے۔ [1]

---

[1] عن العرباض بن سارية، قال :وعظنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما بعد صلاة الغداة موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقال رجل :إن هذه موعظة مودع فماذا تعهد إلينا يا رسول الله؟ قال :أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبد حبشي، فإنه من يعش منكم يرى اختلافا كثيرا، وإياكم ومحدثات الأمور فإنها ضلالة فمن أدرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ(سنن الترمذى، رقم الحديث ٢٦٧٦، سنن ابى داؤد، رقم الحديث ٤٦٠٧)

قال الترمذى:هذا حديث حسن صحيح وقد روى ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان، عن عبد الرحمن بن عمرو السلمى، عن العرباض بن سارية، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحو هذا، حدثنا بذلك الحسن بن على الخلال، وغير واحد قالوا :حدثنا أبو عاصم، عن ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان، عن عبد الرحمن بن عمرو السلمى، عن العرباض بن سارية، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحوه والعرباض بن سارية يكنى أبا نجيح وقد روى هذا الحديث عن حجر بن حجر، عن عرباض بن سارية، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحوه.

وقال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح بطرقه وشواهده كما هو مبيَّن فى التعليق على "مسند أحمد(١٧١٤٢)"وهذا الإسناد فى الظاهر جيِّد متصل، ورواته معروفون مشهورون، وقد صرَّح فيه يحيى بن أبى المطاع بالسماع من العرباض، واعتمد سماعه منه البخارى فى "تاريخه٨/٣٠٦" بناء على هذه الرواية، إلا أن حفاظ أهل الشام أنكروا ذلك وقالوا :يحيى بن أبى المطاع لم يسمع من العرباض ولم يلقه، وهذه الرواية غلط، وممن ذكر ذلك أبو زرعة الدمشقى وحكاه عنه دُحيم، وهؤلاء أعرف بشيوخهم من غيرهم، والبخارى رحمه الله يقع له فى "تاريخه "أوهام فى أخبار أهل الشام .قاله الحافظ ابن رجب فى "جامع العلوم والحكم٢/١١٠ "ح (٢٨)وأخرجه ابن أبى عاصم فى "السنة(٢٦)"و(٥٥)والطبرانى فى "الكبير(١٨/ ٦٢٢)"والحاكم ١/٩٧من طريق يحيى بن أبى المطاع، به .وانظر ما بعده(حاشية ابى داؤد)

اس لیے نمازِ جمعہ سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ شرعاً بدعت کے زمرہ میں نہیں آتا، جب تک اس کو اپنے درجہ ومقام پر رکھا جائے۔

اور جو بعض حضرات سے اس اضافی اذان کے متعلق بدعت ومحدَث ہونا، مروی ہے، اس کے متعلق بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اس میں احتمال ہے کہ ان حضرات نے اس کو جمعہ کی حقیقی اذان کا درجہ دینے، اور اس پر جمعہ کی حقیقی اذان کے مخصوص ومنصوص احکام جاری کرنے کو بدعت کہا ہو، جیسا کہ پیچھے مذکور ہوا، اور ہمارے نزدیک یہی احتمال بظاہر راجح ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے نزدیک اس کو بدعت تصور کیا ہو، اور ممکن ہے کہ انہوں نے بدعت ومحدَث کے الفاظ سے شرعی بدعت مراد نہ لیا ہو، بلکہ یہ مراد لیا ہو کہ یہ عمل بعد میں شروع ہوا، جیسا کہ تراویح وغیرہ کے متعلق بھی اسی طرح کے الفاظ بعض صحابۂ کرام سے مروی ہیں۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تعداد بڑھنے کے بعد، یہ اضافی اذان، مسجد کے بجائے، بازار میں لوگوں کو وقتِ جمعہ داخل ہونے سے مطلع اور آگاہ کرنے، اور اپنی مشغولیات ترک کر کے نمازِ جمعہ کے لیے جمع ہونے کے لیے، مقرر فرمائی تھی، اور انہوں نے خود بھی اس کو جمعہ کی اس اصل وحقیقی اذان کا درجہ نہیں دیا تھا، جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، اسی وجہ سے یہ اذان مسجد سے باہر دی جاتی تھی، بعض روایات میں اس کو صرف اعلان قرار دیا گیا ہے، جن حضرات نے اس اذان کے مقصد کو نہیں سمجھا، یا اس میں غلو سے کام لیا، مثلاً اس کو جمعہ کی اصلی وحقیقی اذان سمجھ لیا، اور اس پر قرآن مجید کی سورہ جمعہ میں مذکور منصوص ومخصوص احکام کو مرتب کرنا شروع کردیا، اس طرح کے امور پر نکیر کی گئی۔ [1]

---

[1] قال المهلب الحكمة فى جعل الأذان فى هذا المحل ليعرف الناس بجلوس الإمام على المنبر فينصتون له إذا خطب كذا قال وفيه نظر فإن فى سياق بن إسحاق عند الطبرانى وغيره عن الزهرى فى هذا الحديث أن بلالا كان يؤذن على باب المسجد فالظاهر أنه كان لمطلق الإعلام لا لخصوص الإنصات نعم لما زيد الأذان الأول كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جب تک جمعہ کی پہلی اذان کو اپنے درجے اور مقام پر رکھا جائے، تو اس کو شرعی بدعت ومنکر قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

للإعلام وكان الذى بين يدى الخطيب للإنصات .

قوله فلما كان عثمان أى خليفة .

قوله وكثر الناس أى بالمدينة وصرح به فى رواية الماجشون وظاهره أن عثمان أمر بذلك فى ابتداء خلافته لكن فى رواية أبى ضمرة عن يونس عند أبى نعيم فى المستخرج أن ذلك كان بعد مضى مدة من خلافته .

قوله زاد النداء الثالث فى رواية وكيع عن بن أبى ذئب فأمر عثمان بالأذان الأول ونحوه للشافعى من هذا الوجه ولا منافاة بينهما لأنه باعتبار كونه مزيدا يسمى ثالثا وباعتبار كونه جعل مقدما على الأذان والإقامة يسمى أولا ولفظ رواية عقيل الآتية بعد بابين أن التأذين بالثانى أمر به عثمان وتسميته ثانيا أيضا متوجه بالنظر إلى الأذان الحقيقى لا الإقامة قوله على الزوراء بفتح الزاى وسكون الواو وبعدها راء ممدودة .

وقوله قال أبو عبد الله هو المصنف وهذا فى رواية أبى ذر وحده وما فسر به الزوراء هو المعتمد وجزم بن بطال بأنه حجر كبير عند باب المسجد وفيه نظر لما فى رواية بن إسحاق عن الزهرى عند بن خزيمة وبن ماجه بلفظ زاد النداء الثالث على دار فى السوق يقال لها الزوراء وفى روايته عند الطبرانى فأمر بالنداء الأول على دار له يقال لها الزوراء فكان يؤذن له عليها فإذا جلس على المنبر أذن مؤذنه الأول فإذا نزل أقام الصلاة وفى رواية له من هذا الوجه فأذن بالزوراء قبل خروجه ليعلم الناس أن الجمعة قد حضرت ونحوه فى مرسل مكحول المتقدم وفى صحيح مسلم من حديث أنس أن نبى الله وأصحابه كانوا بالزوراء والزوراء بالمدينة عند السوق الحديث زاد أبو عامر عن بن أبى ذئب فثبت ذلك حتى الساعة وسيأتى نحوه قريبا من رواية يونس بلفظ فثبت الأمر كذلك .

والذى يظهر أن الناس أخذوا بفعل عثمان فى جميع البلاد إذ ذاك لكونه خليفة مطاع الأمر لكن ذكر الفاكهانى أن أول من أحدث الأذان الأول بمكة الحجاج وبالبصرة زياد وبلغنى أن أهل المغرب الأدنى الآن لا تأذين عندهم سوى مرة وروى بن أبى شيبة من طريق بن عمر قال الأذان الأول يوم الجمعة بدعة فيحتمل أن يكون قال ذلك على سبيل الإنكار ويحتمل أنه يريد أنه لم يكن فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم وكل ما لم يكن فى زمنه يسمى بدعة لكن منها ما يكون حسنا ومنها ما يكون بخلاف ذلك وتبين بما مضى أن عثمان أحدثه لإعلام الناس بدخول وقت الصلاة قياسا على بقية الصلوات فألحق الجمعة بها وأبقى خصوصيتها بالأذان بين يدى الخطيب وفيه استنباط معنى من الأصل لا يبطله .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ، اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

وکذلک قد ثبت أن أصحابه کانوا یصلون بین أذانی المغرب وهو یراهم فلا ینهاهم ولا یأمرهم ولا یفعل هو ذلک .فدل علی أن ذلک فعل جائز .

وقد احتج بعض الناس علی الصلاة قبل الجمعة بقوله” بین کل أذانین صلاة“ وعارضه غیره فقال: الأذان الذی علی المنائر لم

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما ما أحدث الناس قبل وقت الجمعة من الدعاء إلیها بالذکر والصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم فهو فی بعض البلاد دون بعض واتباع السلف الصالح أولی .
تنبیهان :الأول ورد ما یخالف هذا الخبر أن عمر هو الذی زاد الأذان ففی تفسیر جویبر عن الضحاک من زیادة الراوی عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ أن عمر أمر مؤذنین أن یؤذنا للناس الجمعة خارجا من المسجد حتی یسمع الناس وأمر أن یؤذن بین یدیه کما کان فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وأبی بکر ثم قال عمر نحن ابتدعناه لکثرة المسلمین انتهی وهذا منقطع بین مکحول ومعاذ ولا یثبت لأن معاذا کان خرج من المدینة إلی الشام فی أول ما غزوا الشام واستمر إلی أن مات بالشام فی طاعون عمواس وقد تواردت الروایات أن عثمان هو الذی زاده فهو المعتمد ثم وجدت لهذا الأثر ما یقویه فقد أخرج عبد الرزاق عن بن جریج قال قال سلیمان بن موسی أول من زاد الأذان بالمدینة عثمان فقال عطاء کلا إنما کان یدعو الناس دعاء ولا یؤذن غیر أذان واحد انتهی وعطاء لم یدرک عثمان فروایة من أثبت ذلک عنه مقدمة علی إنکاره .
ویمکن الجمع بأن الذی ذکره عطاء هو الذی کان فی زمن عمر واستمر علی عهد عثمان ثم رأی أن یجعله أذانا وأن یکون علی مکان عال ففعل ذلک فنسب إلیه لکونه بألفاظ الأذان وترک ما کان فعله عمر لکونه مجرد إعلام .
الثانی تواردت الشراح علی أن معنی قوله الأذان الثالث أن الأولین الأذان والإقامة لکن نقل الداودی أن الأذان أولا کان فی سفل المسجد فلما کان عثمان جعل من یؤذن علی الزوراء فلما کان هشام یعنی بن عبد الملک جعل من یؤذن بین یدیه فصاروا ثلاثة فسمی فعل عثمان ثالثا لذلک انتهی وهذا الذی ذکره یغنی ذکره عن تکلف رده فلیس له فیما قاله سلف ثم هو خلاف الظاهر فتسمیة ما أمر به عثمان ثالثا یستدعی سبق اثنین قبله وهشام إنما کان بعد عثمان بثمانین سنة(فتح الباری لابنِ حجر، ۲ ص ۳۹۴،۳۹۵، کتاب الجمعة ، قوله باب الأذان یوم الجمعة)

يكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن عثمان أمر به لما كثر الناس على عهده ولم يكن يبلغهم الأذان حين خروجه وقعوده على المنبر.

ويتوجه أن يقال هذا الأذان لما سنه عثمان واتفق المسلمون عليه صار أذانا شرعيا وحينئذ فتكون الصلاة بينه وبين الأذان الثانى جائزة حسنة (مجموع الفتاویٰ لابنِ تیمیة، ج۲۴ص۱۹۳، ۱۹۴، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ)

ترجمہ: اور اسی طریقے سے یہ ثابت ہے کہ صحابۂ کرام، مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان، نفل نماز پڑھتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کو دیکھا کرتے تھے، اور آپ نہ تو ان کو منع فرماتے تھے، اور نہ ان کو حکم فرماتے تھے، اور نہ خود اس وقت میں نماز پڑھا کرتے تھے، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ جائز فعل ہے۔

اور بعض لوگوں نے جمعہ سے پہلے (سنت ونفل) نماز کی اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ ''دواذانوں کے درمیان، نماز ہے'' لیکن دیگر حضرات نے اس کے مقابلے میں فرمایا کہ جمعہ کے دن، میناروں پر اذان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں، جب لوگوں کی کثرت ہوگئی، تو ان کو اس کا حکم دیا، کیونکہ اُن کو عثمان رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے لیے نکلنے اور منبر پر بیٹھنے کے وقت کی اذان کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔

اور یہ بات کہنا زیادہ راجح ہے کہ اس اذان کو، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اختیار کرلیا، اور مسلمان اس پر متفق ہوگئے، تو یہ شرعی اذان قرار پائی، اور اس صورت میں اس پہلی اذان، اور دوسری اذان کے درمیان نماز پڑھنا، جائز اور

اچھا عمل ہوگا (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منهاجُ السنة'' میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اضافہ کردہ، اس اذان کو بدعتِ شرعیہ قرار دینے کی تردید فرمائی ہے۔ [1]

---

[1] وأما قوله " :إنه زاد الأذان الثانی یوم الجمعة، وهو بدعة، فصار سنة إلى الآن ."
فالجواب :أن علیا -رضی الله عنه -كان ممن یوافق علی ذلک فی حیاة عثمان وبعد مقتله .ولهذا لما صار خلیفة لم یأمر بإزالة هذا الأذان، كما أمر بما أنكره من ولایة طائفة من عمال عثمان، بل أمر بعزل معاویة وغیره .ومعلوم أن إبطال هذه البدعة كان أهون علیه من عزل أولئک (ومقاتلتهم التی عجز عنها، فكان علی إزالة هذه البدعة من الكوفة ونحوها من أعماله أقدر منه علی إزالة أولئک، ولو أزال ذلک لعلمه الناس ونقلوه)
فإن قیل :كان الناس لا یوافقونه علی إزالتها.
قیل :فهذا دلیل علی أن الناس وافقوا عثمان علی استحبابها واستحسانها، حتی الذین قاتلوا مع علی، كعمار وسهل بن حنیف وغیرهما من السابقین الأولین .وإلا فهؤلاء الذین هم أكابر الصحابة لو أنكروا ذلک لم یخالفهم غیرهم، وإن قدر أن فی الصحابة من كان ینكر هذا ومنهم من لا ینكره، كان ذلک من مسائل الاجتهاد، ولم یكن هذا مما یعاب به عثمان.
وقول القائل :هی بدعة .إن أراد بذلک أنه لم یكن یفعل قبل ذلک، فكذلک قتال أهل القبلة بدعة، فإنه لم یعرف أن إماما قاتل أهل القبلة قبل علی .وأین قتال أهل القبلة من الأذان؟ !
فإن قیل :بل البدعة ما فعل بغیر دلیل شرعی.
قیل لهم :فمن أین لكم أن عثمان فعل هذا بغیر دلیل شرعی؟ وأن علیا قاتل أهل القبلة بدلیل شرعی؟
(وأیضا) فإن علی (بن أبی طالب) -رضی الله عنه -أحدث فی خلافته العید الثانی بالجامع، فإن السنة المعروفة علی عهد رسول الله -صلی الله علیه وسلم -وأبی بكر وعمر وعثمان أنه لا یصلی فی المصر إلا جمعة واحدة، ولا یصلی یوم النحر والفطر إلا عید واحد .والجمعة كانوا یصلونها فی المسجد، والعید یصلونه بالصحراء .وكان النبی -صلی الله علیه وسلم -یخطب یوم الجمعة وعرفة قبل الصلاة، وفی العید بعد الصلاة .واختلف عنه فی الاستسقاء .
فلما كان علی عهد علی قیل له :إن بالبلد ضعفاء لا یستطیعون الخروج إلی المصلی، فاستخلف علیهم رجلا صلی بالناس بالمسجد .قیل :إنه صلی ركعتین بتكبیر، وقیل :بل صلی أربعا بلا تكبیر.
وأیضا فإن ابن عباس عرف فی خلافة علی بالبصرة، ولم یرو عن علی أنه أنكر ذلک.
وما فعله عثمان من النداء الأول اتفق علیه الناس بعده :أهل المذاهب الأربعة وغیرهم، كما اتفقوا علی ما سنه أیضا عمر من جمع الناس فی رمضان علی إمام واحد(منهاج السنة النبویة لابنِ تیمیة، ج٦ص ٢٩٠ الیٰ ٢٩٢،الفصل الثانی فی أن مذهب الإمامیة واجب الاتباع،فصل كلام الرافضی علی عثمان رضی الله عنه،الرد علی قول الرافضی أن عثمان زاد الأذان الثانی یوم الجمعة)

سعودی عرب کے شیخ محمد بن صالح بن محمد عثیمین (المتوفیٰ: 1421ھ) ’’ریاض الصالحین‘‘ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

فخاطب الله المؤمنين أن يتركوا البيع إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة، والمراد به النداء الثانى الذى يكون إذا حضر الإمام.

أما النداء الأول فإن عثمان بن عفان رضى الله عنه لما كثر الناس فى المدينة أمر أن يؤذن أذان سابق ليستعد الناس للحضور فكان هذا من سنة الخليفة الراشد عثمان الذى أمرنا باتباع سنته كما قال النبى صلى الله عليه وسلم :عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى.

ولقد ضل من قال إنه بدعة، وسفه الصحابة رضى الله عنهم وسفه الخليفة الراشد، ونحن نقول له :أنت المبتدع فى هذا القول الذى ادعيت أن هذا بدعة وكيف يكون بدعة وقد سماه الرسول صلى الله عليه وسلم سنة، سنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى .

لكن هؤلاء سفهاء الأحلام وإن كانوا كبار السن، كيف تضلل الصحابة رضى الله عنهم بقائدهم عثمان بن عفان، وتدعى أنك أنت صاحب السنة ؟، بل أنت صاحب البدعة فى هذا القول (شرح رياض الصالحين، ج٥ص ١٥٩،كتاب الفضائل،باب فضل يوم الجمعة ووجوبها والاغتسال لها والتطيب والتبكير إليها والدعاء يوم الجمعة الخ)

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے یہ حکم فرمایا کہ وہ بیع کو ترک کردیں، جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے، اور اس سے مراد

دوسری اذان ہے، جو اس وقت ہوتی ہے، جب امام حاضر ہو جاتا ہے۔
جہاں تک پہلی اذان کا تعلق ہے، تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں لوگوں کی کثرت ہو جانے کے بعد پہلی اذان کا حکم دیا، تاکہ لوگ جمعہ کے لیے حاضر ہونے کی تیاری کر لیں، پس یہ خلیفۂ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ سنت ہے، جن کی سنت کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین، مہدیین کی سنت لازم ہے''۔
اور جس شخص نے اس اذان کو بدعت قرار دیا، تو وہ راستہ سے بھٹک گیا، اور اس نے صحابہ رضی اللہ عنہ کو بے وقوف قرار دیا، اور خلیفۂ راشد کو بھی بے وقوف قرار دیا، اور ہم اس شخص کو کہتے ہیں کہ تو نے جو اس اذان کے بدعت ہونے کا دعویٰ کیا، تو اس دعوے میں تو ہی بدعتی ہے، اور یہ اذان بدعت کیسے قرار پا سکتی ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خلفائے راشدین، مہدیین کی سنت کا بھی نام ''سنت'' رکھا ہے۔
لیکن یہ بے وقوف کم عقل لوگ، اگرچہ عمر رسیدہ کیوں نہ ہوں، صحابۂ رضی اللہ عنہم کو کیونکر گمراہ قرار دیتے ہیں، جنہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اتباع کی، اور اپنے متعلق ''صاحبِ سنت'' ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ تم ہی اس قول میں صاحبِ بدعت ہو (شرح ریاض الصالحین)

بعض دیگر اہلِ علم حضرات نے بھی اس اذان کو بدعتِ شرعیہ قرار دینے کی تردید فرمائی ہے۔ [1]

---

[1] الأذان الأول يوم الجمعة أذان شرعى، ولا يجوز لأحدٍ أن يتكلم فيه بأى وجهٍ كان، فهذا الأذان الذى أحدثه عثمان رضى الله عنه وأرضاه أذان شرعى قضى به خليفة راشد أمرنا باتباع سنته، وانعقد إجماع الصحابة كلهم والأمة كلها على العمل به.
ومن قال بأن هذا الأذان بدعة فقد أخطأ كائناً من كان؛ لأننا لا نستطيع أن نرد هذا الإجماع، فكلٌّ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے اکثر مجتہدین وفقہائے کرام کے نزدیک، اگرچہ سعی کے وجوب اور ممانعتِ بیع کا حکم دوسری اذان پر وابستہ ہے، لیکن بایں ہمہ ان کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے جاری کردہ جمعہ کی پہلی اذان سنت، یا مستحب درجہ کا عمل ہے، بدعتِ شرعیہ کا عمل نہیں۔

تاہم امام شافعی کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے عام حالات میں، یعنی جب ضرورت نہ ہو، جمعہ کی اُس ایک اذان پر اکتفاء کرنے کو ہی پسندیدہ قرار دیا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں امام کے خطبہ کی غرض سے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوا کرتی تھی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يؤخذ من قوله ويرد، ولا يمكن أن نرد الإجماع، فلا يتكلم فى هذا الأذان.

ولو قال قائل :وجدت الآن الأجهزة والآلات -مكبرات الصوت -فهذا يُرد عليه بأنه فى الزمان القديم كانت هناك قرى صغيرة لا يحتاج إليها الأذان الأول، ومع ذلك فالسلف لم يفرطوا فيه، وأتحدى أن يوجد واحد من علماء السلف ومن بعدهم ذكر أن هذا الأذان بدعة؛ لأنه ليس من السهولة بمكان أن نبدع سنة راشدة، وأن نقول إن هذه الأمة كلها على ضلالة، وأنا لا أقصد شخصاً بعينه، وإنما أقصد أن هذا القول لا يجوز لمسلم أن يقول إن الأذان الأول يوم الجمعة بدعة، لأنه يرد سنة راشدة أجمعت الأمة كلها على قبولها والعمل بها، وإذا قال :إن الزمان اختلف نقول :إن هذا باطل؛ لأن العلماء رحمهم الله وأئمة الإسلام كلهم قبلوا هذا الأذان وما فرقوا بين القرى الصغيرة والكبيرة(شرح زاد المستقنع للشنقيطى، دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية، رقم الدرس،٣٠٧، ص١٥ ،حكم الخروج من المسجد بعد الأذان الأول للجمعة)

[1] وأما الجمعة فمثل باقى الصلوات لا يجوز الأذان لها قبل دخول الوقت، وللجمعة أذانان، أولهما عند دخول الوقت، وهو الذى يؤتى به من خارج المسجد -على المئذنة ونحوها -وقد أمر به سيدنا عثمان رضى الله عنه حين كثر الناس.

والثانى وهو الذى يؤتى به إذا صعد الإمام على المنبر، ويكون داخل المسجد بين يدى الخطيب، وهذا هو الذى كان فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم وعهد أبى بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثانى.

وكلا الأذانين مشروع إلا ما روى عن الشافعى من أنه استحب أن يكون للجمعة أذان واحد عند المنبر. هذا وقد اختلف الفقهاء فيما يتعلق بأذانى الجمعة من أحكام وأيهما المعتبر فى تحريم البيع (ر :بيع، وصلاة الجمعة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ص٣٦٣، ٣٦٤، مادة " اذان")

(قوله :ثم يؤذن لها ثانيا) أى على جهة السنية، وحاصل ما ذكر أن الأذان الأول مستحب، والثانى سنة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اگر کوئی آج بھی اس ایک اذان پر اکتفاء کرے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں امام کے خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی، اور اس اذان کو امام سے کچھ فاصلہ پر، لاؤڈ اسپیکر وغیرہ میں دے، تو فی نفسہٖ یہ بھی قابلِ نکیر وقابلِ ملامت عمل نہیں، جیسا کہ بعض ملکوں وعلاقوں اور مساجد میں اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔

اور ہمارے دیار میں اہلِ حدیث کہلائے جانے والے حضرات کا بھی عام طور پر اس کے مطابق عمل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال عج :والذی ینبغی أن یقال إن کل واحد من الأذانین سنة کما فی أذانی الجمعة، وینبغی أن یکون الثانی آکد من الأول(حاشیة العدوی علی کفایة الطالب الربانی لابی الحسن العدوی المالکی ، ج ۱ ص ۲۵۵، کتاب الصلاة ، باب الاذان و الاقامة)

قوله (ثم یجلس إلی فراغ الأذان) الصحیح من المذهب :أن الأذان الأول مستحب، وقال ابن أبی موسی :الأذان المحرم للبیع واجب .ذکره بعضهم روایة، وقال بعض الأصحاب :یسقط الفرض یوم الجمعة بأول أذان، وقال ابن البنا فی العقود :یباح الأذان الأول، ولا یستحب، وقال المصنف : ومن سنن الخطبة :الأذان لها إذا جلس الإمام علی المنبر.

قال فی مجمع البحرین :إن أراد :مشروع، من حیث الجملة، أو فی هذا الموضع .فلا کلام، وإن أراد به :سنة یجوز ترکه فلیس کذلک بغیر خلاف ثم قال :قلت :فإن صلیناها قبل الزوال، فلم أجد لأصحابنا فی الأذان الأول کلاما فیحتمل أن لا یشرع، ویحتمل أن یشرع کالثانی .انتهی. وأما وجوب السعی إلیها :فیأتی حکمه والخلاف فیه عند قوله ویبکر إلیها ماشیا (الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف للمرداوی الحنبلی، ج ۲ ص ۳۹۶، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

أخبرنا الشافعی فی القدیم قال :أخبرنا بعض أصحابنا، عن (ابن) أبی ذئب، عن الزهری فذکر بمعناه وقال فی آخره :ثم أحدث عثمان الأذان الأول علی الزوراء .

قال الشافعی :وأیهما کان -یعنی ما أحدثه عثمان أو معاویة -فالأمر الذی کان علی عهد رسول الله - صلی الله علیه وسلم -أحب(الشافی فی شرح مسند الشافعی لابن اثیر الجزری، ج ۲ ص ۱۸۸، کتاب الصلاة، الباب الرابع، الفرع السادس)

وقال الشافعی -فیما حکاه ابن عبد البر :-أحب إلی أن یکون الأذان یوم الجمعة حین یجلس الإمام علی المنبر بین یدیه، فإذا قعد أخذ المؤذن فی الأذان، فإذا فرغ قام فخطب، قال :وکان عطاء ینکر أن یکون عثمان أحدث الأذان الثانی، وقال :إنما أحدثه معاویة.

قال الشافعی :وأیهما کان، فالأذان الذی کان علی عهد النبی -صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ -، وهو الذی ینهی الناس عنده عن البیع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن افسوس کہ کم علمی، یا باہمی تعصب وضد بازی وغیرہ کی بناء پر اس قسم کے اجتہادی، فروعی و جزئی اور افضل وغیر افضل کے اختلافات کو آج باہمی جنگ وجدل کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اور ایک دوسرے پر ضلالت وگمراہی اور بدعتی وغیرہ ہونے کے فتوے صادر کیے جاتے ہیں، جو شرعاً گناہ کے زمرے میں آتے ہیں، جبکہ بذاتِ خود اس طرح کے اجتہادی وفروعی مسائل میں سے کسی ایک جہت پر عمل کرنا، یا ترجیح دینا اس زمرہ میں نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ اس قسم کی بے اعتدالیوں کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

واللہ تعالیٰ أعلم.

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولأصحابه فی أذان الجمعة -علی قولهم :الأذان سنة -وجهان:

أحدهما :أنه سنة -أیضاً.

والثانی :أنه للجمعة خاصة فرض کفایة .فعلی هذا :هل تسقط الکفایة بالأذان الأول، أو لا تسقط الا بالاذان بین یدی الإمام؟ علی وجهین -أیضاً.

ومن أصحابنا من قال :یسقط الفرض بالأذان الأول، وفیه نظر .والله أعلم.

وقال القاضی أبو یعلی :المستحب أن لا یؤذن الا أذان واحد، وهو بعد جلوس الإمام علی المنبر، فإن أذن لها بعد الزوال وقبل جلوس الإمام جاز، ولم یکره.

ثم ذکر حدیث السائب بن یزید هذا.

ونقل حرب، عن إسحاق بن راهویه :أن الأذان الأول للجمعة محدث،احدثه عثمان، رأی أنه لا یسمعه إلا أن یزید فی المؤذنین، لیعلم الأبعدین ذلک، فصار سنة :لأن علی الخلفاء النظر فی مثل ذلک للناس.

وهذا یفهم منه أن ذلک راجع إلی رأی الإمام، فإن احتاج الیه لکثرة الناس فعله، وإلا فلا حاجة إلیه

(فتح الباری لابنِ رجب، ج۸ص ۲۲۰، ۲۲۱، کتاب الجمعة، باب الاذان یوم الجمعة)

(فصل نمبر 2)

جمعہ کی سعی اور ترکِ بیع کا حکم کون سی اذان پر ہے؟

اس تمہید کے بعد آپ کے اصل سوال کے جواب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کہ کیا جمعہ کے دن، سعی کے وجوب اور خرید وفروخت کی ممانعت کا حکم، پہلی اذان پر عائد ہوتا ہے، یا دوسری اذان پر، جو اِمام کے خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے؟

تو جاننا چاہیے کہ بہت سے متقدمین و محققینِ حنفیہ، اور جمہور مفسرین، محدثین اور مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کے نزدیک سعی کا وجوب اور خرید وفروخت وغیرہ کی ممانعت کا حکم جمعہ کی دوسری اذان سے شروع ہوتا ہے، جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جائے، بعض حضرات نے اس پر مجتہدین وفقہائے کرام کے اجماع واتفاق کا دعویٰ بھی کیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے، کیونکہ جس وقت سورہ جمعہ کی یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت تک جمعہ کی ایک ہی اذان امام کے خطبہ شروع کرنے کے وقت ہوتی تھی، اور یہی اس آیت کا مصداق تھی، اور جمعہ کی دوسری اذان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نمازِ جمعہ کا وقت داخل ہونے کے اعلام واعلان کے لیے جاری ہوئی۔

لہٰذا اس اذان کے اضافہ کے بعد بھی اصل سعی کے واجب اور خرید وفروخت وغیرہ کی ممانعت کا مخصوص ومنصوص حکم اسی اذان کے ساتھ قائم رہے گا۔

ہمارے نزدیک دلائل کے راجح ہونے کی بناء پر، اور ابتلائے عام اور بعض دوسری وجوہ سے جمہور کا یہی قول راجح ہے۔

جبکہ بہت سے متاخرینِ مشائخِ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ حکم، جمعہ کی پہلی اذان کے ساتھ وابستہ ہے، اور آج کل ہمارے ہاں حنفیہ کے نزدیک اسی قول کو شہرت حاصل ہے، اور عموماً

اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، اور بعض حضرات کی طرف سے اس کو حنفیہ کا اصل مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] غير أن للجمعة أذانين، فعند أى الأذانين يعتبر مورد النهى عن البيع.
أ -فمذهب جمهور الفقهاء ، ومنهم بعض الحنفية كالطحاوى، أنه الأذان الذى جرى به التوارث، ولم يكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو أذان خطبة الجمعة بين يدى المنبر، والإمام على المنبر، فينصرف النداء إليه .ولهذا قيده المالكية والحنابلة بالأذان الثانى .
واستدلوا لذلک بما يلى:
-ما روى عن السائب بن يزيد رضى الله عنه، قال :كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر، على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر رضى الله عنهما، فلما كان عثمان رضى الله عنه وكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء .
وفى رواية "زاد الثانى ."
وفى رواية "على دار فى السوق، يقال لها :الزوراء "وتسمية الأذان الأول فى أيامنا، أذانا ثالثا؛ لأن الإقامة -كما يقول ابن الهمام تسمى أذانا، كما فى الحديث بين كل أذانين صلاة -ولأن البيع عند هذا الأذان يشغل عن الصلاة، ويكون ذريعة إلى فواتها، أو فوات بعضها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٩،ص٢٢٣، ٢٢٤،مادة "بيع")
البيع وقت النداء لصلاة الجمعة :يجب السعى لأداء الجمعة كما بينا عند الجمهور عند الأذان الثانى الذى يكون بين يدى الخطيب على المنبر، وقال الحنفية فى الأصح :يجب السعى بعد الأذان الأول، وإن لم يكن فى زمن الرسول صلى الله عليه وسلم، بل فى زمن عثمان رضى الله عنه(الفقه الإسلامى وأدلتهٔ للزحيلى، ج٢،ص١٢٨٣ ،الباب الثانى، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الثانى)
متى يجب السعى لصلاة الجمعة، ويحرم البيع؟ الأذان الثانى:
يجب السعى لصلاة الجمعة على من تجب عليه الجمعة إذا نودى لها بالأذان الذين بين يدى الخطيب، ويحرم البيع فى هذه الحالة لقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله، وذروا البيع) فقد أمر الله تعالى بالسعى إلى الصلاة عند النداء ، ولم يكن معروفاً فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم سوى هذا الأذان، فكان إذا صعد صلى الله عليه وسلم المنبر أذن المؤذن بين يديه، وقد روى ذلک البخارى، وأبو داود، والنسائى، والترمذى، وقد زاد عثمان رضى الله عنه نداء قبل هذا عندما كثر الناس، روى عن السائب بن يزيد، قال :كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبى صلى الله عليه وسلم، وأبى بكر، وعمر .فلما كان زمن عثمان، وكثر الناس، زاد النداء الثانى على الزوراء ، وفى رواية زاد الأذان الثالث ولكن المراد به هنا الأذان، وإنما سماه ثالثاً لأن الإقامة تسمى أذاناً؛ ومما لا ريب فيه أن زيادة هذا الأذان مشروعة، لأن الغرض منه الإعلام، فلما كثر الناس كان إعلامهم بوقت الصلاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن ہمیں باسند و معتبر طریقے پر امام ابوحنیفہ اور اصحابِ حنفیہ کا یہ مذہب ہونا معلوم نہ ہوسکا، بلکہ اس کے برعکس اصل مذہب کا جمہور کے مطابق ہونا راجح معلوم ہوا۔

نیز وجوبِ سعی اور ممانعتِ بیع وغیرہ کے متعلق، جمعہ کی پہلی اذان کا اعتبار کرنے کی صورت میں سخت مشکلات بھی پیش آتی ہیں۔

کیونکہ جمعہ کی اذان کے بعد خرید وفروخت کی ممانعت حرام، یا مکروہ تحریمی درجہ کی کہلاتی ہے، جس سے بچنے کا حکم ہے، اور خلاف ورزی گناہ ہے۔ [1]

اور جس پر جمعہ واجب ہو، اسے اذانِ جمعہ کے بعد خرید وفروخت کے علاوہ دوسرے عقود اور معاملات، مثلاً نکاح وغیرہ بھی ممنوع ہوجاتے ہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک ایسے تمام کام بھی ممنوع ہوجاتے ہیں، جو جمعہ کی سعی میں مخل ہوں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مطلوباً، وسيدنا عثمان من كبار الصحابة المجتهدين الذين عرفوا قواعد الدين ونقلوها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وقد اتفق ثلاثة من الأئمة على أنه يجب على المكلف بالجمعة أن يسعى إليها متى سمع النداء الذى بين يدى الخطيب، لأنه هو المقصود بالآية الكريمة، وخالف الحنفية فقالوا :متى سمع أذان الجمعة بعد زوال الشمس فإنه يجب عليه أن يسعى، فالأذان المعروف الآن على المئذنة ونحوها يوجب السعى إلى الصلاة، لأنه نداء مشروع، والآية عامة، فلم تخصه بالأذان الذى بين يدى الخطيب، كما يقول الثلاثة(الفقه على المذاهب الأربعة، ج ١ ،ص ٣٤٢، ٣٤٣، كتاب الصلاة ،مباحث الجمعة)

[1] الحكم التكليفى فيه:

جمهور الفقهاء على أن النهى عن البيع عند الأذان هو للتحريم، صرح به المالكية والشافعية والحنابلة.

أما الحنفية فقد ذكروا أن أقل أحوال النهى الكراهة، وأن ترك البيع واجب، فيكره تحريما من الطرفين :البائع والمشترى على المذهب، ويصح إطلاق الحرام عليه، كما عبر المرغينانى ويفترض تركه، كما عبر الشرنبلالى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٩ ،ص ٢٢٥ ،مادة "بيع")

[2] قياس غير البيع من العقود عليه فى التحريم:

النهى عند الجمهور شامل البيع والنكاح وسائر العقود.

بل نص الحنفية على وجوب ترك كل شىء يؤدى إلى الاشتغال عن السعى إلى الجمعة، أو يخل به.

ونص المالكية على أنه يفسخ بيع وإجارة وتولية وشركة وإقالة وشفعة، لا نكاح وهبة وصدقة وكتابة وخلع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہاں تک کہ اگر کسی پر جمعہ واجب ہو، تو اسے سفر کرنا اور کھانے پینے میں مشغول ہونا، اور لکھنا پڑھنا، اور کسی چیز کا بھاؤ تاؤ کرنا، ان سب چیزوں کی ممانعت ہو جاتی ہے۔ ل

اور اذانِ جمعہ کے بعد خرید وفروخت کی ممانعت کا حکم اس وقت تک جاری رہتا ہے، جب تک جمعہ کی نماز سے فراغت حاصل نہ کر لی جائے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ونص الشافعية على حرمة الاشتغال بالعقود والصنائع وغيرها، مما فيه تشاغل عن الجمعة .

وفى قول عند الحنابلة :أنه يحرم غير البيع من العقود، كالإجارة والصلح والنكاح، لأنها عقود معاوضة فأشبهت البيع.

والمذهب عند الحنابلة :تخصيص عقد البيع والشراء فقط بالتحريم وعدم الصحة، بعد الشروع فى الأذان الثانى، فتصح عندهم سائر العقود من النكاح والإجارة والصلح وغيرها، من القرض والرهن والضمان (الكفالة) ونحوها .لأن النهى ورد فى البيع وحده، وغيره لا يساويه لقلة وقوعه، فلا تكون إباحته ذريعة لفوات الجمعة، ولا يصح قياسه عليه.

ونصوا على أن إمضاء البيع الذى فيه خيار، أو فسخه يصح، ولا يعتبر مجرد الإمضاء والفسخ فى الخيار بيعا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۹،ص ۲۲۶،مادة "بيع")

ل خامسا :شمول النهى كل ما يشغل عن الجمعة:

الفقهاء متفقون على تحريم أو كراهة كل ما يشغل عن السعى إلى الجمعة بعد النداء -على اختلافهم فيه -ويجب ترك كل شىء يشغل عن السعى إليها :كإنشاء السفر عند النداء ، والأكل، والخياطة، والصناعات كلها :كالمساومة، والمناداة، والكتابة، وكذا الاشتغال بالعبادة، وكذا المكث فى بيته بعياله أو غيرهم، ولو كان منزله بباب المسجد أو قريبا منه، بل يجب عليه المبادرة إلى الجامع عملا بالآية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۹،ص ۲۲۹،مادة "بيع")

يعلم أن صورة البيع غير مقصودة، وإنما المقصود ما يشغله عن ذكر الله تعالى مثل النكاح وغيره، ولكن ذكر البيع لأنه أهم ما يشتغل به عن ذكر الله تعالى(تفسير القرطبى، ج۵ صفحه ۲۶،سورة النساء)

وذروا البيع أراد ترك ما يشغل عن الصلاة والخطبة وانما خص البيع بالذكر لاشتغالهم غالبا بعد الزوال فى الأسواق بالبيع والشراء فلو عقد البيع فى الطريق وهو يمشى الى الجمعة لا بأس به (التفسير المظهرى، ج۹ص ۲۸۲، سورة الجمعة)

۲ استمرار تحريم البيع حتى انقضاء الصلاة:

لا يكاد الفقهاء يختلفون فى أن النهى عن البيع عند الأذان، يستمر حتى الفراغ من الصلاة، ومن نصوصهم فى ذلك:

ويحرم البيع والنكاح وسائر العقود، من جلوس الخطيب إلي انقضاء الصلاة - . يستمر التحريم إلى الفراغ من الجمعة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اگر خرید وفروخت کرنے والے دونوں فریقین میں سے ایک پر جمعہ کی نماز واجب ہو، اور دوسرے پر واجب نہ ہو، تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دونوں فریق گناہ گار ہوتے ہیں۔ [1] جس پر توبہ کا حکم ہوتا ہے، اور حنفیہ کے ایک قول کے مطابق گناہ سے بچنے کے لئے اس عقد وبیع کا فسخ کرنا بھی واجب ہوجاتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويستمر تحريم البيع والصناعات من الشروع فى الأذان الثانى أو من الوقت الذى إذا سعى فيه أدركها من منزل بعيد، إلى انقضاء الصلاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۹،ص ۲۲٦،مادة "بيع")

[1] أحكام عامة فى البيع عند الأذان:

أولا :حكم بيع من تلزمه الجمعة ممن لا تلزمه:

قرر الفقهاء أن من لا تجب عليه الجمعة مستثنى من حكم تحريم البيع عند الأذان، إذا لم تجب الجمعة عليهما معا ، فلو تبايع اثنان ممن لا تلزمهم الجمعة، لم يحرم ولم يكره -كما صرح به الشافعية .

أما لو وجبت على أحدهما دون الآخر:

-فمذهب الجمهور من الحنفية والشافعية، أنهما يأثمان جميعا؛ لأن الأول الذى وجبت عليه ارتكب النهى، والآخر الذى لم تجب عليه أعانه عليه.

-وفى قول ضعف عند الشافعية :أنه يكره للآخر الذى لم تجب عليه، ولا يأثم .

-ونص المالكية على أن البيع وغيره يفسخ فى هذه الحال، حيث كانت ممن تلزمه الجمعة، ولو مع من لا تلزمه .

-ونص الحنابلة على أن البيع لا يصح بالنسبة إلى من تلزمه الجمعة .ويكره البيع والشراء للآخر الذى لا تلزمه، لما فيه من الإعانة على الإثم(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۹،ص ۲۲٦، ۲۲۷،مادة "بيع")

[2] جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية، وبعض المالكية، يرون أن عقد البيع يقع صحيحا؛ لأن المنع منه لمعنى فى غير البيع، خارج عنه، وهو ترك السعى، فكان البيع فى الأصل مشروعا جائزا، لكنه يكره تحريما، لأنه اتصل به أمر غير مشروع، وهو ترك السعى .

ويتفرع عن صحة البيع الأمور التالية:

أ -عدم وجوب فسخه، فى أحد قولين عند الحنفية، وأحد قولين عند المالكية أيضا، فقد قال الشيخ العدوى :وهناك قول آخر يقول :لا فسخ، والبيع ماض، ويستغفر الله.

ب -وجوب الثمن لا القيمة.

ج -ثبوت ملك المبيع قبل القبض لكن مشهور مذهب المالكية :أن هذا البيع كالبيع الفاسد يفسخ، ويرد من يد المشترى ما لم يفت بيده، فإن فات -بتغير سوق -مضى العقد، ولزم المشترى القيمة حين القبض على المشهور .وقيل بالقيمة حين البيع .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ظاہر ہے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی طرف سے عموماً پہلی اذان ہونے پر، ان امور پر عمل کی پابندی نہیں، اور بظاہر اس پر عمل مشکل بھی ہے، بالخصوص ایسے دور میں جبکہ جمعہ کی پہلی اذان، دوسری اذان سے غیر معمولی وقت پہلے دے دی جاتی ہے، اور نمازِ جمعہ سے فارغ ہونے تک کے مابین غیر معمولی وقت کا فاصلہ ہوتا ہے، اتنے طویل وقت تک جمعہ کی سعی اور اس میں مشغولی کے علاوہ تمام کاموں کو ناجائز قرار دینا، عملاً سخت مشکلات کا باعث بنتا ہے۔

اسی وجہ سے اکثر مسلمانوں، بلکہ دین داروں اور علماء وطلبہ، اور خود ائمہ وخطباء کا بھی اس پر عمل بہت کم ہے۔

جمعہ کی پہلی اذان کے بعد خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا جائے، جس کا حکم نمازِ جمعہ سے فراغت تک باقی رکھا جائے، اور کسی شخص کو مثلاً سبزی، یا کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والذين نصوا من المالكية على وجوب فسخ البيع، ألحقوا به نحو البيع، من الإجارة والشركة والإقالة والشفعة -إذا أخذ بها، لا لو تركت -لكنهم استثنوا مثل :النكاح والهبة والصدقة والعتق، فلا يفسخ شيء من ذلك، وإن حرم.

والفرق بين هذه المذكورات، وبين البيع ونحوه عندهم هو :أن البيع ونحوه مما فيه العوض، يرجع لكل عوضه بالفسخ، فلا كبير ضرر فيها، بخلاف ما لا عوض فيه، فإنه يبطل أصلا لو فسخ .

وذكر العدوى فى النكاح علة أخرى، وهى حصول الضرر بفسخه، فربما يتعلق أحد الزوجين بصاحبه.وهبة الثواب عندهم (وهى التى تنعقد بشرط المكافأة كما يعبرون، أو بشرط العوض، كما يعبر الحنفية وآخرون) كالبيع.

والخلع ينبغى أن يمضى ولا يفسخ، على مقتضى العلة المتقدمة، وهى أنه يبطل أصلا لو فسخ .

أما الحنابلة فقد صرحوا :بأن البيع لا يصح قليله وكثيره، ولا ينعقد للذى فى النص الكريم، وهو ظاهر فى التحريم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۹ ،ص ۲۲۹، ۲۳۰ ،مادة "بيع")

وصرح بالوجوب ليفيد أن الاشتغال بعمل آخر مكروه كراهة تحريم؛ لأنه فى رتبته ويصح إطلاق اسم الحرام عليه كما وقع فى الهداية وبه اندفع ما فى غاية البيان من أن فيه نظرا؛ لأن البيع وقت الأذان جائز لكنه مكروه فإن المراد بالجواز الصحة لا الحل وبه اندفع أيضا ما ذكره القاضى الإسبيجابى من أن البيع وقت النداء مكروه للآية، ولو فعل كان جائزا والأمر بالسعى من الله تعالى على الندب والاستحباب لا على الحتم والإيجاب اهـ.

فإنه يفيد أن الكراهة تنزيهية، وليس كذلك بل تحريمية اتفاقا؛ ولهذا وجب فسخه لو وقع (البحر الرائق، ج ۲، ص ۱۶۹ ،كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، السعى وترك البيع بالأذان الأول للجمعة)

ضرورت ہے، جن کو کھانے پینے کے قابل بنانے کے لیے تیاری میں بھی وقت درکار ہے، اور ہمارے یہاں عام طور پر جمعہ کے بعد دوپہر کے کھانے کا معمول ہے، اور پہلی اذان بھی جمعہ کی نماز سے بہت دیر پہلے دے دی جاتی ہے۔

ایسی صورت میں مذکورہ اور اس جیسے اشخاص کے لیے بڑی مشکل پیش آ سکتی ہے۔

اس طرح کی اور بھی کئی دشواریاں پیش آ سکتی ہیں، اور آتی ہیں، جن میں سے بعض کا سوال میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اب اس سلسلے میں مفسرین، محدثین اور مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کی چند عبارات وحوالہ جات ملاحظہ فرمائیں، جس کے آخر میں حنفیہ کی عبارات وحوالہ جات بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کیے جائیں گے۔

تفسیر امام شافعی کا حوالہ

امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 204ھ) نے اپنی تفسیر میں سورہ جمعہ کی آیتِ جمعہ کے ذیل میں فرمایا کہ:

''فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ '' کے ذریعہ جس اذان پر جمعہ کی فرضیت والے شخص کے ذمہ بیع کو چھوڑنا واجب ہو جاتا ہے، وہ وہی اذان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا کرتی تھی، اور وہ اذان وہی ہے، جو زوال کے بعد اور امام کے منبر پر (خطبہ کے لیے) بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے، پس جس اذان کے بعد بیع ممنوع ہے، اس اذان کے لیے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ اذان زوال کے بعد ہو، اور دوسری یہ کہ اس وقت امام (خطبہ کے لیے) منبر پر موجود ہو''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] قال الشافعی رحمه الله تعالی: قال الله تبارک وتعالی:(إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع) الآیة۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتابُ الأُم'' میں بھی یہی حکم بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ ''کتابُ الأُم'' میں ہے کہ:

متی یحرم البیع (قال :الشافعی -رحمه الله تعالی -) : قال :الله تبارک وتعالی ''إذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع'' (قال :الشافعی) : والأذان الذی یجب علی من علیه فرض الجمعة أن یذر عنده البیع الأذان الذی کان علی عهد رسول الله -صلی الله علیه وسلم -وذلک الأذان الذی بعد الزوال وجلوس الإمام علی المنبر (کتاب :الأم، ج ا ،ص ۲۲۴، کتاب الصلاۃ، ایجاب الجمعة ،متی یحرم البیع یوم الجمعة)

ترجمہ: بیع کب حرام ہوتی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''إذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر اللّٰه وذروا البیع'' امام شافعی نے فرمایا کہ وہ ''اذان'' کہ جس پر جمعہ فرض ہونے والے شخص کے ذمہ ''بیع'' کا چھوڑنا واجب ہوجاتا ہے، وہ ''اذان'' ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا کرتی تھی، اور وہ ''اذان'' زوال کے بعد اور امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھنے کے وقت ہوا کرتی تھی (کتابُ الاُم)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال الشافعی رحمه الله: والأذان الذی یجب علی من علیه فرض الجمعة أن یذر عنده البیع؛ الأذان الذی کان علی عهد رسول الله – صلی الله علیه وسلم –، وذلک الأذان الذی بعد الزوال، وجلوس الإمام علی المنبر، فإن أذن مؤذن قبل جلوس الإمام علی المنبر وبعد الزوال، لم یکن البیع منهیا عنه، کما ینهی عنه إذا کان الإمام علی المنبر، وأکرهه؛ لأن ذلک الوقت الذی أحب للإمام أن یجلس فیه علی المنبر، وکذلک إن أذن مؤذن قبل الزوال، والإمام علی المنبر، لم ینه عن البیع، إنما ینهی عن البیع إذا اجتمع – أی:شرطان –:

1– أن یؤذن بعد الزوال.

2– والإمام علی المنبر(تفسیر الإمام الشافعی، ج۳، ص۱۳۵۷، ۱۳۵۸، سورۃ الجمعة)

امام شافعی رحمہ اللہ کا شمار ائمۂ مجتہدین ومتبوعین میں ہوتا ہے، آپ نے بیع کی ممانعت کے حکم کو اس اذان کے ساتھ خاص رکھا ہے، جو زوال کے بعد، امام کے منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، کیونکہ آیتِ مذکورہ اسی اذان کے متعلق نازل ہوئی ہے، خواہ وہ اذان، امام کے منبر کے سامنے، یا کچھ فاصلہ پر دی جائے۔

پس امام شافعی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارات میں اس اذان کی علتِ وصفیہ کو بیان فرما دیا، جس اذان میں مذکورہ وصف نہ ہوگا، اس پر قرآن مجید کی آیتِ جمعہ میں مذکورہ مخصوص ومنصوص حکم متفرع ومرتب نہ ہوگا۔

اور اس علتِ وصفیہ کو نظر انداز کر کے پہلی اذان پر یہ حکم معلق کرنا، قواعدِ فقہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں دوسری اذان سے ایسے معنیٰ کا استنباط کرنا پایا جاتا ہے، جو اصل سے معنیٰ کو باطل کر دیتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

تفسیر طبری کا حوالہ

امام طبری (المتوفیٰ: 310ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

(إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة) وذلک هو النداء، ینادی بالدعاء إلی صلاة الجمعة عند قعود الإمام علی المنبر للخطبة (جامع البیان فی تأویل القرآن، للطبری، ج۲۳، ص ۳۸۰، تفسیر سورة الجمعة)

ترجمہ: ''**إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة**'' میں وہ نِداء مراد ہے، جو نمازِ جمعہ کی طرف بلانے کے لیے دی جاتی ہے، امام کے منبر پر خطبۂ جمعہ کے لیے بیٹھنے کے وقت (تفسیر طبری)

لہٰذا قرآن مجید کا مذکورہ منصوص حکم بھی اسی اذان کے ساتھ وابستہ ہوگا۔

تفسیر ''أحکامُ القرآن للجصاص'' کا حوالہ

امام ابوبکر جصاص (المتوفٰی: 321ھ) نے ''أحکامُ القرآن'' میں فرمایا کہ:

''سورہ جمعہ کی آیت ''إذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ'' کے متعلق ابنِ عمر اور حسن سے مروی ہے کہ جب امام نکل پڑے، اور مؤذن اذان دے، تو نماز کے لیے نداء دے دی گئی، اور سائب بن یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی مؤذن تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اذان دیا کرتا تھا، اور پھر منبر سے اترنے کے بعد اقامت کہتا تھا، پھر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا، اور آبادی پھیل گئی، اور اس کی کثرت ہوگئی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (ایک اذان اور ایک اقامت سے پہلے) تیسری اذان کو زیادہ کیا۔
لیکن سلف کی ایک جماعت سے امام کے نکلنے سے قبل پہلی اذان پر انکار مروی ہے، جن میں ابنِ عمر اور حسن بصری اور عطاء داخل ہیں۔
جہاں تک ہمارے اصحابِ حنفیہ کا تعلق ہے، تو انہوں نے بھی صرف اس ایک اذان کا ذکر کیا ہے، جب امام منبر پر بیٹھ جائے، پھر جب وہ منبر سے اترے، تو اقامت کہی جائے، اسی طریقہ پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں معمول تھا'' ۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] وقد ذکرنا ذلک عند قوله تعالی :(وإذا نادیتم إلی الصلاۃ) وروی عن ابن عمر والحسن فی قوله (إذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ) قال "إذا خرج الإمام وأذن المؤذن فقد نودی للصلاۃ ." وروی الزهری عن السائب بن یزید قال "ما کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم إلا مؤذن واحد یؤذن إذا قعد علی المنبر ثم یقیم إذا نزل ثم أبو بکر کذلک ثم عمر کذلک فلما کان عثمان وفشا الناس وکثروا زاد النداء الثالث."
وقد روی عن جماعۃ من السلف إنکار الأذان الأول قبل خروج الإمام .روی وکیع قال حدثنا هشام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ اصحابِ حنفیہ نے صرف اسی اذان کا ذکر کیا ہے، جو اِمام کے سامنے منبر پر خطبۂ جمعہ کے لیے پہنچنے کے بعد دی جاتی ہے، لہٰذا اذانِ جمعہ کے مخصوص ومنصوص احکام بھی ان کے نزدیک اسی اذان کے ساتھ متعلق ہوں گے، اگر مذکورہ احکام پہلی اذان کے ساتھ متعلق ہوتے، تو وہ اس ''محلِ بیان'' کے موقع پر اس اذان کا ذکر ضرور کرتے، اور جب انہوں نے اس اذان کا ذکر تک نہ کیا، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ان کے نزدیک یہی اذان، اصل ہے، جو آیتِ قرآن کے نزول کے وقت مخصوص احکام کا مصداق ومورد تھی، اس لیے منصوص اذان بھی یہی ہوئی، اور اس منصوص ومخصوص اذان کا، کسی دوسری ایسی اذان کو حکم دینا درست نہ ہوا، جس میں اس اذان کی مخصوص علت اور وصفِ مؤثر نہیں پایا جاتا، بلکہ اس مخصوص حکم کے خلافِ قیاس ہونے کی وجہ سے اس کا تعدیہ، کسی دوسری اذان کی طرف کرنا بھی درست نہیں ہوگا۔

امام ابوبکر جصاص کی ''شرح مختصرُ الطحاوی'' کے حوالہ سے مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اور امام محمد، نیز کئی اصحابِ حنفیہ ومشائخِ حنفیہ کے حوالہ سے بھی یہی تصریح آگے آتی ہے، جس پر اہلِ علم حضرات کو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔

''تفسیر الثعلبی'' کا حوالہ

ابواسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی (المتوفٰی: 427ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بن الغاز قال سألت نافعا عن الأذان الأول يوم الجمعة قال قال ابن عمر بدعة و كل بدعة ضلالة، وإن رآه الناس حسنا ."وروى منصور عن الحسن قال "النداء يوم الجمعة الذى يكون عند خروج الإمام والذى قبل محدث ."وروى عبد الرزاق عن ابن جريح عن عطاء قال "إنما كان الأذان يوم الجمعة فيما مضى واحدا ثم الإقامة وأما الأذان الأول الذى يؤذن به الآن قبل خروج الإمام وجلوسه على المنبر فهو باطل أول من أحدثه الحجاج ."وأما أصحابنا فإنهم إنما ذكروا أذانا واحدا إذا قعد الإمام على المنبر فإذا نزل أقام على ما كان فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر. رضى الله عنهما(أحكام القرآن للجصاص، ج٣،ص ٥٩٤،سورة النور)

وأراد بهذا النداء الأذان عند جلوس الإمام على المنبر للخطبة

(تفسير الثعلبى، ج٢٦ ص٣٨٧، سورة الجمعة)

ترجمہ: اور (سورہ جمعہ کی آیت میں) اس نداء سے مراد، وہ اذان ہے، جو امام کے منبر پر خطبۂ جمعہ کے لیے بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے (تفسير الثعلبى)

مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا مذکورہ منصوص حکم اسی اذان کے ساتھ وابستہ ہے۔

تفسیر ''الهداية الٰى بلوغ النهاية'' کا حوالہ

ابو محمد مکی بن ابی طالب اندلسی قرطبی مالکی (المتوفی: 437ھ) فرماتے ہیں کہ:

ولم يكن فى زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم أذان إلا الأذان حين يجلس على المنبر، وأذان حين تقام الصلاة .قال: وهذا الآخر شيء أحدثه الناس بعد فى زمان عثمان رضى الله [عنه] فلم ينكره أحد من الصحابة، وذلك حين كثر الناس وتباعدت الدور من المسجد، فمضى عليه العمل .ولا يحل البيع بعد سماع النداء الذى يكون بين يدى الإمام عند الخطبة، وهو قوله:"وذروا البيع" أى: دعوا البيع والشراء إذا نودى للصلاة عند الخطبة (الهداية إلى بلوغ النهاية، ج١٢ ص٧٤٦٦، ٧٤٦٧، سورة الجمعة)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ جاتے تھے، اور جب نماز کھڑی ہوتی تھی، اس وقت اقامت کہی جاتی تھی، اور یہ پہلی اذان لوگوں نے بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع کی، جس پر صحابہ میں سے کسی نے نکیر نہیں کی، جب لوگوں کی کثرت ہوگئی، اور مکانات مسجد سے دور ہوگئے، پھر

اسی پر عمل جاری ہوگیا، لیکن خرید وفروخت اس اذان کے سننے کے بعد حلال نہیں، جوامام کے سامنے، خطبہ کے وقت دی جاتی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ ''وذروا البیع ''جس کا مطلب یہ ہے کہ تم خرید وفروخت کو چھوڑ دو، جب نماز کے لیے خطبہ کے وقت اذان دی جائے (الهداية الیٰ بلوغ النهاية)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شروع کردہ اذان، اگرچہ شرعی بدعت کے زمرہ میں نہیں آتی، لیکن اس کے باوجود خرید وفروخت وغیرہ کی ممانعت، منصوص اذان پر ہی ہوتی ہے، کیونکہ یہی اس آیت کا موردو مصداق ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اضافہ کردہ پہلی اذان کا مقصد محض وقتِ جمعہ کے داخل ہونے کا اعلان و اعلام ہے، دوسری نمازوں کے لیے دی جانے والی اذانوں کی طرح، جس کی مزید توضیح آگے آتی ہے۔

''تفسیر الماوردی'' کا حوالہ

ابوالحسن علی بن محمد ماوردی (المتوفیٰ: 450ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

(وذروا البيع) منع الله منه عند صلاة الجمعة وحرمه في وقتها على ما كان مخاطبا بفرضها .وفي وقت التحريم قولان: أحدهما :أنه بعد الزوال (إلى ما) بعد الفراغ منها، قاله الضحاک .الثاني :من وقت أذان الخطبة إلى الفراغ من الصلاة، قاله الشافعي رحمه الله فأما الأذان الأول فمحدث، فعله عثمان بن عفان ليتأهب الناس به لحضور الخطبة عند اتساع المدينة وكثرة أهلها ,وقد كان عمر أمر أن يؤذن في السوق قبل المسجد ليقوم الناس عن بيوعهم ,فإذا اجتمعوا أذن في

المسجد ,فجعله (عثمان) آذانين في المسجد ,وليس يحرم البيع بعده وقبل الخطبة(تفسير الماوردى، ج٦،ص ٩، ١٠ ،سورة الجمعة)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وذروا البیع "(مذکورہ آیت میں) اللہ تعالیٰ نے نمازِ جمعہ کے وقت "بیع" سے منع فرمادیا ہے، اور نمازِ جمعہ کے وقت بیع کو حرام قرار دے دیا ہے، اس شخص پر جس پر جمعہ فرض ہو، اور بیع حرام ہونے کے وقت کے متعلق دو قول ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ وہ زوال کے بعد سے لے کر نمازِ جمعہ کی فراغت تک کا وقت ہے، یہ ضحاک کا قول ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اذانِ خطبہ سے لے کر نمازِ جمعہ کی فراغت تک ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے، جہاں تک پہلی اذان کا تعلق ہے، تو وہ بعد میں شروع کی گئی، جس کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے وسیع ہوجانے، اور وہاں لوگوں کی کثرت ہوجانے کے وقت شروع کیا، تاکہ لوگ خطبے میں شریک ہونے کے لیے تیاری کرلیں، اور عمر رضی اللہ عنہ، مسجد سے پہلے بازار میں اعلان کرایا کرتے تھے، تاکہ لوگ اپنی خرید وفروخت کو چھوڑ کر کھڑے ہوجائیں، پھر جب وہ جمع ہوجاتے تھے، تو مسجد میں اذان دلایا کرتے تھے، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دو اذانیں شروع کردیں، اور اذان کے بعد، خطبہ سے پہلے بیع حرام نہیں ہوتی (تفسیر الماوردی)

اس سے معلوم ہوا کہ بیع کی حرمت کے وقت سے متعلق، اصل اقوال دو ہی ہیں، یا زوال کے وقت، اور یا دوسری اذان کے وقت۔

زوال کے وقت کا قول تو دلائل کے لحاظ سے کمزور، اور ایک طرح سے "شاذ" حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں مذکورہ حکم "اذا نــودی "کے ساتھ مشروط ہے، نہ کہ زوال کے ساتھ، لہٰذا اصل قول ایک ہی ہوا، جو کہ دوسری اذان کے وقت والا ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اضافہ کردہ، پہلی اذان کے وقت بیع ممنوع ہونے کے قول کا مذکورہ اور

ان جیسے حضرات نے کوئی ذکر ہی نہ کیا، کیونکہ یہ ائمۂ مجتہدین ومتبوعین میں سے کسی کا بھی مستند ومعتبر مذہب نہیں۔

تفسیر سمعانی کا حوالہ

ابوالمظفر منصور بن محمد سمعانی (المتوفیٰ: 489ھ) سورہ جمعہ کی آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

''بیع'' کو چھوڑنے کا حکم، ایک قول کے مطابق اس وقت ہوتا ہے، جب جمعہ کی نماز کا وقت داخل ہوجائے، اگرچہ اذان نہ بھی دی جائے، اور ایک قول کے مطابق اذان سننے کے بعد ہوتا ہے، جن حضرات کا دوسرا قول ہے، ان کے نزدیک اس اذان سے مراد وہ اذان ہے، جب امام منبر پر بیٹھ جائے، اور یہی اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتی تھی، اور پہلی اذان کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وقت کیا تھا، جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تھی''۔

انتہٰی۔ [1]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اذان شروع ہونے پر بیع کی ممانعت کا قول، دوسری اذان ہی سے متعلق ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اضافہ کردہ پہلی اذان کا قول ان حضرات کے علم میں تھا ہی نہیں، اس لیے اس کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔

تفسیر بغوی کا حوالہ

امام بغوی (المتوفیٰ: 510ھ) اپنی تفسیر میں، سورہ جمعہ کی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

---

[1] وقوله تعالى:"وذروا البيع" أى: واتركوا البيع .ويقال المراد منه: إذا دخل وقت الصلاة وإن لم يؤذن لها بعد، ويقال: إنه بعد سماع النداء .والأول أحسن .ومن قال بالثانى، قال: النداء هو الآذان إذا جلس الإمام على المنبر وهو الذى كان فى زمان رسول الله وأما الآذن الأول أحدثه عثمان رضى الله عنه حين كثر الناس(تفسير السمعانى، ج۵ص ۴۳۵، سورة الجمعة)

وأراد بهذا النداء الأذان عند قعود الإمام على المنبر للخطبة (تفسير البغوی، ج۵ ص۸۳، سورة الجمعة)

ترجمہ: اور اس نداء سے وہ اذان مراد ہے، جو امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے (تفسیر بغوی)

پس جب قرآن مجید کی آیت کا مصداق یہ مخصوص اذان ہے، تو تا قیامت وہی اذان، اس آیت کا مصداق رہے گی، اس میں کسی کے کہنے سے تبدیلی نہ آسکے گی۔

''تفسیر الکشاف'' کا حوالہ

علامہ زمخشری (المتوفیٰ: 538ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

والنداء: الأذان .وقالوا: المراد به الأذان عند قعود الإمام على المنبر (تفسير الكشاف، ج۴ ص ۵۳۲، سورة الجمعة)

ترجمہ: ''نداء'' سے مراد ''اذان'' ہے، اور علماء نے فرمایا کہ اس سے وہ اذان مراد ہے، جو امام کے منبر پر (خطبہ کے لیے) بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے (تفسیر کشاف)

علامہ موصوف کے علم میں بھی پہلی اذان مراد ہونے کا قول نہیں تھا، اس لیے انہوں نے اس قول کا ذکر تک بھی نہ کیا۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ قول محض بعض مشائخِ حنفیہ کی کتب میں ہی ہے، جس کو بعد کے بہت سے حضرات میں شہرت حاصل رہی، جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔

پس علمائے مجتہدین کا اصل وراجح قول ومذہب دوسری اذان پر ہی بیع کی ممانعت کا ہے، نہ کہ پہلی اذان پر، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اضافہ کی گئی۔

تفسیر امام رازی کا حوالہ

امام رازی (المتوفیٰ: 606ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

وقوله تعالى :إذا نودي يعنى النداء إذا جلس الإمام على المنبر يوم الجمعة وهو قول مقاتل، وأنه كما قال لأنه لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نداء سواء كان إذا جلس عليه الصلاة والسلام على المنبر أذن بلال على باب المسجد، وكذا على عهد أبي بكر وعمر (التفسير الكبير،لفخر الدين الرازي،ج ۳۰،ص ۵۴۲،سورة الجمعة)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''إذا نودي '' سے مراد وہ نداء ہے، جب امام منبر پر، جمعہ کے دن (خطبہ کے لیے) بیٹھ جائے، مقاتل کا بھی یہی قول ہے، اور مقاتل کا قول (نمازِ جمعہ کا وقت داخل ہونے کے ضحاک والے قول کے مقابلے میں) درست ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک وہی اذان تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہو جاتے تھے، تو بلال رضی اللہ عنہ، بابُ المسجد پر اذان دیتے تھے، اور اسی طرح ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں معمول تھا (تفسیرِ کبیر)

امام رازی نے بھی دوسری اذان کے قول کو ہی درست قرار دیا، اور یہ درست قرار دینا، زوال کے بعد، یا نمازِ جمعہ کا وقت داخل ہونے کے قول کے مقابلے میں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اضافہ کردہ پہلی اذان کے قول کا یہاں کوئی ذکر ہی نہیں۔

تفسیر قرطبی کا حوالہ

امام قرطبی (المتوفی: 671ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دوسری تمام نمازوں کی طرح، جمعہ کی

بھی ایک ہی اذان اس وقت ہوتی تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ جاتے تھے، اور اسی طریقے سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا عمل تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ میں بھی اسی کے مطابق عمل تھا۔

البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اذان کا ''دارِ زوراء'' پر اضافہ کر دیا تھا، جب لوگ مدینہ میں زیادہ ہو گئے تھے۔

ماوردی نے فرمایا کہ پہلی اذان بعد میں شروع کی گئی ہے، جس کو عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ میں شریک ہونے کی تیاری کے لیے شروع کیا تھا، جب مدینہ منورہ وسیع ہو گیا تھا، اور لوگوں کی کثرت ہو گئی تھی، اور عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں لوگوں کو اپنی خرید وفروخت چھوڑنے کے لیے اعلان کا نظم قائم کر رکھا تھا۔

ابنِ عربی نے فرمایا کہ صحیح حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہی اذان کا ثبوت ملتا ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو ''زوراء'' کے مقام پر اذان کا اضافہ کیا تھا، وہ اذانِ اصلی نہیں تھی (بلکہ زیادہ سے زیادہ، دوسری نمازوں کے لیے دی جانے والی اذانوں کی طرح) جمعہ کا وقت داخل ہونے کے اعلان کے قبیل سے تھی، بعد میں لوگوں کو وہم ہو گیا، اور انہوں نے اس کو جمعہ کی اصلی وحقیقی اذان سمجھ لیا، اور یکے بعد دیگرے دو اذانوں کا سلسلہ شروع کر دیا، اور وہم کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا''۔انتہٰی۔ [1]

[1] وقد كان الأذان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم كما فى سائر الصلوات، يؤذن واحد إذا جلس النبى صلى الله عليه وسلم على المنبر .وكذلك كان يفعل أبو بكر وعمر وعلى بالكوفة .ثم زاد عثمان على المنبر أذانا ثالثا على داره التى تسمى "الزوراء "حين كثر الناس بالمدينة .فإذا سمعوا أقبلوا، حتى إذا جلس عثمان على المنبر أذن مؤذن النبى صلى الله عليه وسلم، ثم يخطب عثمان .خرجه ابن ماجه فى سننه من حديث محمد بن إسحاق عن الزهرى عن السائب بن يزيد قال :ما كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم إلا مؤذن واحد، إذا خرج أذن وإذا نزل أقام .وأبو بكر وعمر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام قرطبی اور ابنِ عربی کی بات دلائل کے لحاظ سے وزنی ہے، ابنِ عربی کا مذکورہ قول ''موطأ امام مالک'' کی شرح ''المسالک'' میں مذکور ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كذلك .فلما كان عثمان وكثر الناس زاد النداء الثالث على دار فى السوق يقال لها "الزوراء "، فإذا خرج أذن وإذا نزل أقام .خرجه البخارى من طرق بمعناه .وفى بعضها : أن الأذان الثانى يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفان حين كثر أهل المسجد، وكان التأذين يوم الجمعة حين يجلس الإمام .

وقال الماوردى :فأما الأذان الأول فمحدث، فعله عثمان بن عفان ليتأهب الناس لحضور الخطبة عند اتساع المدينة وكثرة أهلها .وقد كان عمر رضى الله عنه أمر أن يؤذن فى السوق قبل المسجد ليقوم الناس عن بيوعهم، فإذا اجتمعوا أذن فى المسجد، فجعله عثمان رضى الله عنه أذانين فى المسجد .

قال ابن العربى .وفى الحديث الصحيح :أن الأذان كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم واحدا، فلما كان زمن عثمان زاد الأذان الثالث على الزوراء ، وسماه فى الحديث ثالثا لأنه أضافه إلى الإقامة، كما قال عليه الصلاة والسلام :(بين كل أذانين صلاة لمن شاء) يعنى الأذان والإقامة .ويتوهم الناس أنه أذان أصلى فجعلوا المؤذنين ثلاثة فكان وهما، ثم جمعوهم فى وقت واحد فكان وهما على وهم .ورأيتهم يؤذنون بمدينة السلام بعد أذان المنار بين يدى الإمام تحت المنبر فى جماعة.، كما كانوا يفعلون عندنا فى الدول الماضية .وكل ذلك محدث(تفسير القرطبى، ج۱۸، ص۱۰۰، ۱۰۱، سورة الجمعة)

۱؎ المسألة الأولى: فى قوله "إذا نودى"

النداء هو الأذان، وقد كان الأذان على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فى الجمعة كما فى سائر الصلوات، يؤذن واحد إذا جلس النبى – صلى الله عليه وسلم – على المنبر، وكذلك كان يفعل عمر وعلى بالكوفة .ثم إن عثمان زاد أذانا ثانيا على الزوراء حين كثر الناس بالمدينة، فإذا سمعوه أقبلوا، حتى إذا جلس عثمان على المنبر، أذن مؤذن النبى – صلى الله عليه وسلم –، ثم يخطب عثمان.

وفى الحديث الصحيح ؛ أن الأذان كان على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – واحدا، فلما كان زمن عثمان، زاد النداء الثانى على الزوراء حين كثر الناس بالمدينة، فإذا سمعوا أقبلوا، حتى إذا جلس عثمان على المنبر، أذن مؤذن النبى – صلى الله عليه وسلم –، ثم يخطب عثمان، وسماه أهل الحديث ثالثا؛ لأنه أضافه إلى الإقامة، فجعله ثالثا، كما قال عليه السلام: " بين كل أذانين صلاة لمن شاء"يعنى: الأذان والإقامة؛ فتوهم الناس أنه أذان ثالث ، فجعلوا المؤذنين ثلاثة، فكان وهما، ثم جمعوهم فى وقت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تفسیر خازن کا حوالہ

علاءُالدین علی بن محمد خازن (المتوفیٰ: 741ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

وإنما يحرم البيع والشراء عند الأذان الثانی (لباب التأويل فی معانی التنزيل، ج۴، ص۲۹۱، سورة الجمعة)

ترجمہ: اور بیع وشراء صرف دوسری اذان کے وقت ہی حرام ہوتی ہے (تفسیر خازن)

مطلب یہ ہے کہ اس اذان کے علاوہ کسی دوسرے وقت بیع حرام نہیں ہوتی، خواہ زوال ہو چکا ہو، اور پہلی اضافہ شدہ اذان بھی ہو چکی ہو۔

تفسیر ''البحرُ المحیط'' کا حوالہ

ابوحیان اندلسی (المتوفیٰ: 745ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

إذا نودی: أی إذا أذن، وكان الأذان عند قعود الإمام على المنبر . وكذا كان فی زمن الرسول صلى الله عليه وسلم (البحر المحيط فی التفسير، ج۱۰ ص۱۷۴، سورة الجمعة)

ترجمہ: ''اذا نودی'' کا مطلب یہ ہے کہ جب اذان دی جائے، اور وہ اذان امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہو، اور اسی طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان دی جایا کرتی تھی (البحر المحیط)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آیتِ نداء وسعی اور ممانعتِ بیع

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واحد، فكان وهما على وهم، ورأيتهم بمدينة السلام يؤذنون بعد أذان المنار بين يدی الإمام تحت المنبر فی جماعة، كما كان يفعل عندنا فی الدول الماضية؛ وكل ذلك محدث (المسالك فی شرح موطأ مالك لابن العربی، ج۲ ص۴۴۷، كتاب الجمعة وأبوابه ومقدماته، باب: ما جاء فی السعی يوم الجمعة)

کے نزول کے وقت، جس اذان کے متعلق یہ حکم وابستہ ہے، وہی اذان مراد ہے، اور وہ اذان امام کے خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے۔

تفسیر ابنِ کثیر کا حوالہ

حافظ ابنِ کثیر (المتوفی: 774ہجری) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

وقوله تعالى: إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة المراد بهذا النداء هو النداء الثانى الذى كان يفعل بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خرج فجلس على المنبر، فإنه كان حينئذ يؤذن بين يديه فهذا هو المراد، فأما النداء الأول الذى زاده أمير المؤمنين عثمان بن عفان رضى الله عنه، فإنما كان هذا لكثرة الناس ....وقوله تعالى: وذروا البيع أى اسعوا إلى ذكر الله واتركوا البيع إذا نودى للصلاة، ولهذا اتفق العلماء رضى الله عنهم على تحريم البيع بعد النداء الثانى (تفسير ابن كثير، ج۸، ص۱۴۷، ۱۴۸، ملخصاً، سورة الجمعة)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ’’**إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة** ‘‘میں ’’**نداء** ‘‘ سے مراد، دوسری نداء ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس وقت دی جاتی تھی، جب آپ تشریف لا کر منبر پر بیٹھ جاتے تھے، تو اس وقت آپ کے قریب اذان دی جاتی تھی (مذکورہ آیت میں) یہی اذان مراد ہے۔

جہاں تک پہلی اذان کا تعلق ہے، تو اس کا اضافہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کیا، جس کی غرض لوگوں کی کثرت ہو جانا تھی ......اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ’’**وذروا البيع** ‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے ذکر کی طرف سعی

کرو، اور بیع کو ترک کردو، جب نمازِ جمعہ کی نداء واذان دی جائے، اور اسی وجہ سے علماء رحمہم اللہ کا دوسری اذان کے بعد بیع کے حرام ہونے پر اتفاق ہے (تفسیر ابنِ کثیر)

حافظ ابنِ کثیر آٹھویں صدی ہجری میں دوسری اذان پر بیع کے حرام ہونے پر علماء کے اتفاق کا حکم لگارہے ہیں، جس کی وجہ دوسرے مقام پر ذکر کی جا چکی ہے۔

تفسیر ابنِ رجب کا حوالہ

علامہ ابنِ رجب دمشقی حنبلی (المتوفیٰ: 795ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

وقد دل الحديث على أن الأذان الذى كان على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وأبى بكر وعمر هو النداء الذى بين يدى الإمام عند جلوسه على المنبر، وهذا لا اختلاف فيه بين العلماء.

ولهذا قال أكثرهم :إنه هو الأذان الذى يمنع البيع، ويوجب السعى إلى الجمعة، حيث لم يكن على عهد النبى -صلى الله عليه وسلم -سواه.

وما ذكره ابن عبد البر عن طائفة من أصحابهم، أن هذا الأذان الذى يمنع البيع لم يكن على عهد النبى -صلى الله عليه وسلم - وإنما أحدثه هشام بن عبد الملك، فقد بين ابن عبد البر أن هذا جهل من قائله؛ لعدم معرفته بالسنة والآثار.

فإن قال هذا الجاهل :إنه لم يكن أذان بالكلية فى الجمعة، فقد باهت.

ويكذبه قول الله عز وجل (إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا)

وإن زعم أن الأذان الذی کان فی عهد النبی -صلى الله عليه وسلم -وأبی بکر وعمر هو الأذان الأول الذی قبل خروج الإمام، فقد أبطل، ویکذبه هذا الحدیث واجتماع العلماء علی ذلک(الجامع لتفسیر ابن رجب الحنبلی، ج۲،ص۴۵۵، ۴۵۶،سورۃ الجمعة)

ترجمہ: اور حدیث نے اس بات پر دلالت کی کہ جو اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں تھی، وہ امام کے سامنے منبر پر بیٹھنے کے وقت تھی، جس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

اور اسی وجہ سے اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ یہی وہ اذان ہے، جو خرید وفروخت کو منع کرتی ہے، اور جمعہ کی سعی کو واجب قرار دیتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کے علاوہ کوئی اور اذان نہیں تھی (جبکہ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ جمعہ کا وقت شروع ہونے کے بعد خرید وفروخت منع ہو جاتی ہے، خواہ اذان نہ بھی ہوئی ہو)

اور ابنِ عبدالبر نے جو اپنے اصحاب کے بعض لوگوں کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ یہ اذان جو بیع کو منع کرتی ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی، بلکہ اس کو ہشام بن عبدالملک نے شروع کیا تھا (یعنی اس اذان سے پہلے اضافہ شدہ اذان) تو ابنِ عبدالبر نے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ یہ بات جہالت پر مبنی ہے، جس میں سنت اور آثار کی معرفت نہیں پائی جاتی۔

اگر یہ جاہل شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کے لیے اذان، بالکل بھی نہیں تھی، تو یہ مبہوت و پاگل شخص ہے، اور اللہ عزوجل کے اس قول کی تکذیب کرتا ہے کہ ''**إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا**''

اور اگر اس کا گمان یہ ہو کہ جو اذان، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما

کے زمانے میں تھی، وہ اذان، امام کے نکلنے سے پہلے دی جاتی تھی، تو بھی اس کی بات باطل ہے، اور اس کی تکذیب مذکورہ حدیث اور اس پر علماء کا اجماع کرتا ہے (تفسیر ابنِ رجب)

مذکورہ عبارت میں پہلی اضافہ شدہ اذان پر خرید وفروخت کی ممانعت کے قول پر مدلل انداز میں صاف نکیر کی گئی ہے، اور اس کو علماء کے اجماع کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔

تفسیر ''الفواتح الإلٰهية'' کا حوالہ

شیخ علوان (المتوفیٰ: 920ھ) ''الفواتح الإلٰهية'' میں فرماتے ہیں کہ:

إذا نودى واذن للصلاة من يوم الجمعة اى فى يوم الجمعة الا وهو الأذان المعهود قبيل الخطبة (الفواتح الإلهية، ج ۲، ص ۴۱۴، سورة الجمعة)

ترجمہ: ''إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة '' کا مطلب یہ ہے کہ جب جمعہ کے دن اذان دے دی جائے، اور یہ صرف وہی اذان ہے، جو کہ خطبہ سے پہلے (امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت) معروف ومروج ہے (الفواتح الإلهية)

تفسیر ''السراجُ المنیر'' کا حوالہ

شمسُ الدین خطیب شربینی شافعی (المتوفیٰ: 977ھ) فرماتے ہیں کہ:

والمراد بهذا النداء الأذان عند قعود الإمام على المنبر للخطبة، لأنه لم يكن فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نداء سواه، كان إذا جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر أذن بلال (السراج المنير فى الإعانة على معرفة بعض معانى كلام ربنا الحكيم الخبير، ج ۴، ص ۲۸۴، سورة الجمعة)

ترجمہ: اس نداء سے مراد وہ اذان ہے، جو امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھنے کے

وقت دی جاتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کے علاوہ کوئی اذان نہیں ہوتی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ جاتے تھے، تو حضرت بلال اذان دیا کرتے تھے (السراجُ المنیر)

تفسیر ''البحرُ المدید'' کا حوالہ

ابوالعباس احمد بن محمد الفاسی (المتوفی: 1224ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة'' والإمام علی المنبر (البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، ج۷ص ۴۴، سورۃ الجمعة)

ترجمہ: **''یا ایها الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعة''** میں وہ اذان مراد ہے، جب امام منبر پر ہو (البحرالمدید)

تفسیر ''فتحُ القدیر'' کا حوالہ

علامہ شوکانی (المتوفی: 1250ھ) اپنی تفسیر ''فتحُ القدیر'' میں فرماتے ہیں کہ:

قوله: یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة أی: وقع النداء لها، والمراد به الأذان إذا جلس الإمام علی المنبر یوم الجمعة، لأنه لم یکن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم نداء سواه (فتح القدیر، ج۵ص ۲۷۰، سورة الجمعة)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے قول ''**یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة**'' کا مطلب یہ ہے کہ جب نمازِ جمعہ کی نداء واقع ہوجائے، اور اس سے وہ اذان مراد ہے، جب امام، جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کے علاوہ کوئی اذان نہیں ہوا کرتی تھی (فتح القدیر)

مذکورہ تمام تفاسیر میں دوسری اذان پر خرید وفروخت کی ممانعت کا قول مذکور ہے، پہلی اذان پر

ممانعت کا قول مذکور نہیں، بلکہ بعض عبارات میں اس قول کو مجہول انداز میں ذکر کر کے اس کی صاف طور پر تردید کی گئی ہے۔

اور مذکورہ حوالہ جات وعبارات، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے پہلی اذان کے اضافہ ہو جانے کے بعد کے زمانے سے متعلق ہیں، ان میں سے کسی عبارت وحوالہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس اذان کا مصداق یہی پہلی اذان ہو گئی تھی، بلکہ تمام حوالہ جات وعبارات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک والی اذان پر ہی اس قرآنی منصوص ومخصوص حکم کو معلق کیا گیا ہے۔

اگرچہ بعض حضرات نے ایک قول دخولِ وقت کے بعد کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس قول کو زیادہ اہمیت نہ دی گئی، جس کی وجہ قرآن میں ''إذا نـــــودی'' کی تصریح ہے، اور یہ تصریح جس اذان کے لیے ہے، وہ ظاہر وباہر ہے۔

پھر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کی نماز زوال کے بعد بہت جلد پڑھی جاتی تھی، جس کی بناء پر امام کے منبر پر بیٹھنے اور اس کے سامنے دی جانے والی اذان کا عمل بھی زوال کے فوراً بعد ہوا کرتا تھا، اس لیے مذکورہ حالت میں زوال کے بعد بیع حرام ہونے کا جو قول کیا جائے گا، وہ اذان والے قول سے زیادہ مختلف شمار نہ ہوگا، بلکہ دونوں کا مآل ایک جیسا ہی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

تفسیر ''روحُ المعانی'' کا حوالہ

علامہ آلوسی (المتوفٰی: 1270ھ) نے تفسیر ''روح المعانی'' میں فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کے قول ''یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة'' میں جس نداء کا ذکر ہے، اس سے اذان مراد ہے، اور کشاف میں اس سے اس اذان کا مراد ہونا بیان کیا گیا ہے، جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایک ہی مؤذن تھا، جو امام کے خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان دیا کرتا تھا، پھر جب نبی علیہ السلام منبر سے اترتے تھے، تو وہ مؤذن نماز کی اقامت کہا کرتا تھا، پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل رہا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا، اور لوگ زیادہ ہوگئے، اور مکانات دور دور ہوگئے، تو انہوں نے دوسرے مؤذن کو حکم فرمایا، جو پہلی اذان ''دارِ زوراء'' پر دیا کرتا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ جاتے تھے، تو مؤذن دوسری اذان دیتا تھا، پھر جب منبر سے اترتے تھے، تو نماز کی اقامت کہتا تھا، اور ان پر اس بارے میں عیب نہیں لگایا گیا۔

مختلف محدثین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک اذان کے اضافہ کی روایات کو نقل کیا ہے۔

اور ''دار السلطنة السنية'' میں حنفیہ کے مفتی ''سعد اللہ چلپی'' (المتوفیٰ: 945ہجری) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''فاسعوا'' کے حکم میں جس اذان کا ذکر ہے، وہ پہلی اذان ہے، ہمارے نزدیک اصح قول یہی ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے اعلان کا مقصد حاصل ہوجاتا ہے، نہ کہ اس اذان سے، جو منبر کے قریب دی جاتی ہے۔

لیکن اس قول کی اس وجہ سے تردید کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ اذان موجود ہی نہیں تھی، جیسا کہ آپ مختلف محدثین کے حوالہ جات سے سن چکے ہیں، تو یہ بات کہنا کیسے درست قرار پاسکتا ہے کہ اصح قول کے مطابق پہلی اذان مراد ہے، جہاں تک دوسری اذان سے اعلان نہ ہونے کا تعلق ہے، تو وہ مضر نہیں، کیونکہ اس کا وقت اندازے سے سب کو معلوم ہوتا ہے (اور آج کل تقریباً ہر مسجد میں جمعہ کا وقت لوگوں کو معلوم و مشہور ہوتا ہے) اور اگر مذکورہ چیز کو مراد لیا جائے، تو

پہلی اذان پر سعی واجب ہوگی، اور بیع بھی اس پر حرام ہوگی، حالانکہ یہ بات درست نہیں۔

اور''کتابُ الاحکام ''میں ابنِ عمر اور حضرت حسن سے مروی ہے کہ جب امام نکل جائے، اور مؤذن اذان دے دے، تو نماز کے لیے نداء دے دی گئی، ماثور تفسیر بھی یہی ہے، لہٰذا اس کے علاوہ کسی اور تفسیر کا اعتبار کا نہیں، جیسا کہ خفاجی نے فرمایا۔

لیکن حنفیہ کی کتب میں اس کے خلاف مروی ہے، چنانچہ کنز اور اس کی شرح (البحر الرائق) میں ہے کہ سعی اور ترکِ بیع پہلی اذان پر واجب ہے، اللہ تعالیٰ کے قول''یا أیھا الذین آمنوا إذا نودی للصلاۃ '' کی وجہ سے، اور اس کا اعتبار اس لیے ہے کہ اعلان اس اذان کے ذریعہ حاصل ہوجاتا ہے، مذہب میں صحیح قول یہی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اعتبار دوسری اذان کا ہے، جو منبر کے قریب دی جاتی ہے، کیونکہ وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، لیکن یہ ضعیف قول ہے، کیونکہ اگر سعی کے وجوب میں اس کا اعتبار کیا جائے گا، تو قبلیہ سنتوں کا وقت بھی حاصل نہیں ہو پائے گا، اور خطبہ سننے کا بھی، بلکہ بعض اوقات جمعہ فوت ہونے کا لاحق ہوجائے گا، کنز کی شرح کی بات ختم ہوئی، اور اس طرح کی اور بھی کئی عبارات ہیں، لیکن اس قول پر قوی اعتراض وارد ہوتا ہے، پس آپ کو تدبر کرلینا چاہئے''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] یا أیھا الذین آمنوا إذا نودی للصلاۃ أی فعل النداء لھا أی الأذان، والمراد بہ علی ما حکاہ فی الکشاف الأذان عند قعود الإمام علی المنبر .وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان إذا جلس علی المنبر أذن علی باب المسجد فإذا نزل علیہ الصلاۃ والسلام أقام الصلاۃ، ثم کان أبو بکر وعمر علی ذلک حتی إذا کان عثمان وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا آخر فأمر بالتأذین الأول علی دارہ التی تسمی زوراء فإذا جلس علی المنبر أذن المؤذن الثانی فإذا نزل أقام الصلاۃ فلم یعب ذلک علیہ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ آلوسی نے پہلی اذان پر خرید وفروخت وغیرہ کی ممانعت کے قول کو صرف بعض متاخرین مشائخِ حنفیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، جس پر ان کو شرح صدر نہیں، اسی لیے وہ اس پر قوی اعتراض وارِد کر کے غور وفکر کا حکم فرمارہے ہیں۔

ہم غور وفکر کر کے، اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس سلسلہ میں مذکورہ مشائخِ حنفیہ کے مقابلہ میں جمہور مجتہدین وفقہائے کرام اور متقدمینِ حنفیہ کا قول ہی راجح ہے، اور سعی کے وجوب، اور بیع و شراء کی ممانعت کے حکم کو پہلی اذان پر معلق کرنا، اس لیے راجح نہیں کہ جس آیت میں یہ حکم وارد ہے، اس کے نزول کے وقت اس اذان کا وجود ہی نہیں تھا، اس وقت جس اذان کا وجود تھا، وہ امام کے خطبہ کے لیے منبر پر پہنچ جانے کے بعد دی جاتی تھی، جبکہ پہلی اذان میں یہ وصفِ موثر، یا علتِ مؤثرہ پائی ہی نہیں جاتی، اور امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جانے والی اذان ہی کے متعلق تفسیر ماثور ہے، جس کے خلاف کسی رائے کا اعتبار نہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفی حدیث الجماعة -إلا مسلما -فلما كان عثمان وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء، وفى رواية للبخارى ومسلم زاد النداء الثانى، والكل بمعنى، وتسمية ما يفعل من الأذان أولا ثانيا باعتبار أنه لم يكن على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وإنما كان بعد، وتسميته ثالثا لأن الإقامة تسمى أذانا كما فى الحديث بين كل أذانين صلاة.

وقال مفتى الحنفية فى دار السلطنة السنية الفاضل سعد الله جلبى :المعتبر فى تعلق الأمر يعنى قوله تعالى الآتى :فاسعوا هو الأذان الأول فى الأصح عندنا لأن حصول الإعلام به لا الأذان بين يدى المنبر، ورد بأن الأول لم يكن على عهد النبى صلى الله تعالى عليه وسلم كما سمعت فكيف يقال : المراد الأول فى الأصح، وأما كون الثانى لا إعلام فيه فلا يضر لأن وقته معلوم تخمينا ولو أريد ما ذكر وجب بالأول السعى وحرم البيع وليس كذلك.

وفى كتاب الأحكام روى عن ابن عمر والحسن فى قوله تعالى :إذا نودى إلخ قال :إذا خرج الإمام وأذن المؤذن فقد نودى للصلاة انتهى، وهو التفسير المأثور فلا عبرة بغيره كذا قال الخفاجى.

وفى كتب الحنفية خلافه ففى الكنز وشرحه :ويجب السعى وترك البيع بالأذان الأول لقوله تعالى :يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة الآية وإنما اعتبر لحصول الإعلام به، وهذا القول هو الصحيح فى المذهب، وقيل : العبرة للأذان الثانى الذى يكون بين يدى المنبر لأنه لم يكن فى زمنه إلا هو -وهو ضعيف -لأنه لو اعتبر فى وجوب السعى لم يتمكن من السنة القبلية ومن الاستماع بل ربما يخشى عليه فوات الجمعة انتهى، ونحوه كثير لكن الاعتراض عليه قوى فتدبر (روح المعانى، ج۱۴ ص ۲۹۳، ۲۹۴، تحت رقم الآية ۹ ،سورة الجمعة)

اس لیے اس کے علاوہ پہلی اس اذان کے ساتھ اس حکمِ خاص کو متعلق کرنا، جو امام کے منبر پر خطبۂ جمعہ کے لیے بیٹھنے سے قبل دے دی جاتی ہے، قوی اعتراض کا باعث ہے، جس کا دفاع مشکل ہے۔ [1]

تفسیر مظہری کا حوالہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (المتوفیٰ: 1225ھ) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

قيل المراد بهذا النداء فى الاية الاذان عند قعود الامام على المنبر للخطبة لحديث ابن يزيد قال كان النداء يوم الجمعة اوله إذا جلس الامام على المنبر على عهد النبى – صلى الله عليه وسلم – وابى بكر وعمر فلما كان عثمان وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء وتسميته ثالثا باعتداد الاقامة ثانيا فعلى هذا قيل السعى الى الجمعة وترك البيع ونحوه انما يجب بالنداء الثانى والصحيح ان السعى وترك البيع ونحوه يجب بالأذان الاول لعموم قوله تعالى إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة وصدقه على الاذان الاول ايضا (التفسير المظهرى، ج۹ ص ۲۸۱، سورة الجمعة)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ اس آیت میں اس نداء سے مراد وہ اذان ہے، جو امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، ابنِ یزید کی اس حدیث کی وجہ

---

[1] السؤال: ما حكم البيع بعد النداء وقبل الإقامة فى غير الجمعة؟
الجواب: البيع صحيح، وإنما ذلك فى يوم الجمعة خاصة بعد النداء الثانى، وهو الذى نهى عنه بقول الله تعالى:"يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع" لكن لا ينبغى للإنسان أن يتشاغل عن الصلاة .(فتاوى منوعة،لعبد العزيز بن عبد الله بن عبد الرحمن الراجحى،دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية، رقم الدرس ۹،ص ۴۵،حكم البيع بعد النداء وقبل الإقامة)

سے کہ جمعہ کے دن، اذان ابتداء میں اس وقت دی جاتی تھی، جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، اور لوگ زیادہ ہوگئے، تو تیسری اذان ''زوراء'' مقام پر شروع کی گئی، اور اس کا تیسری اذان نام رکھنا، اقامت کو دوسری اذان شمار کرنے کی وجہ سے ہے، پس اس بناء پر کہا گیا ہے کہ جمعہ کی سعی اور خرید وفروخت وغیرہ کی ممانعت اس دوسری اذان پر ہی واجب ہوتی ہے۔

اور صحیح قول یہ ہے کہ سعی کا حکم اور خرید وفروخت وغیرہ کے ترک کرنے کا حکم، پہلی اذان پر واجب ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول ''**اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ**'' کے عموم کی وجہ سے، اور اس کے پہلی اذان پر بھی صادق آجانے کی وجہ سے (تفسیرِ مظہری)

صاحبِ تفسیرِ مظہری کا دوسرے قول کو صحیح قرار دینا، بعض متاخرین مشائخِ حنفیہ کی اتباع میں ہے، ورنہ دلائل کی رُو سے جمہور کے مقابلے میں اس قول کو صحیح قرار دینا، راجح معلوم نہ ہوسکا۔

خود جلیل القدر حنفیہ سے اس کے برخلاف تصریح موجود ہے۔

پھر صاحبِ تفسیرِ مظہری کی اتباع میں بعد کی کئی اردو تفاسیر میں بھی بعض دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اتباع کی گئی، جس کی وجہ سے اردو خوان حضرات یہی تفسیر راجح سمجھ بیٹھے، دیگر جمہور مفسرین کے اقوال کی تحقیق نہ ہوسکی، یا جمہور کے قول کے مضبوط دلائل کا تحقیقی جائزہ لینے کا موقع حاصل نہ ہوا، جو کہ علم وتحقیق کے شعبہ میں کوئی مستبعد بات نہیں، اور اس طرح کئی مسائل ہیں، جن میں نقل در نقل تسامح چلتا رہا، اور ہر دور میں ان کی نشاندہی کی جاتی رہی، جس پر نکیر نہ کی گئی، اور تحقیقی ابحاث کو اہلِ حق نے قبول کیا، تعصب وتشدد کو بنیاد بنا کر، رَد نہ کیا۔

’’المسالک فی شرح موطأ مالک‘‘ کا حوالہ

قاضی ابو بکر ابنِ عربی (المتوفیٰ: 543ہجری)’’المسالک فی شرح موطأ مالک‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

والنداء الذی یحرم بہ البیع ھو النداء والإمام علی المنبر

(المسالک فی شرح موطأ مالک لابن العربی، ج۲ص ۴۵۱، کتاب الجمعة وأبوابه ومقدماته،باب: ما جاء فی السعی یوم الجمعة)

ترجمہ: جس اذان پر بیع حرام ہوتی ہے، وہ اذان وہ ہے ،جس وقت امام منبر پر ہو (مسالک)

’’فتحُ الباری شرحُ البخاری‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر عسقلانی (المتوفیٰ: 852ہجری) صحیح بخاری کی شرح ’’فتحُ الباری‘‘ میں فرماتے ہیں:

وابتداؤہ عندھم من حین الأذان بین یدی الإمام لأنه الذی کان فی عھد النبی صلی الله علیه وسلم کما سیأتی قریبا وروی عمر بن شبة فی أخبار المدینة من طریق مکحول أن النداء کان علی عھد رسول الله صلی الله علیه وسلم یؤذن یوم الجمعة مؤذن واحد حین یخرج الإمام وذلک النداء الذی یحرم عندہ البیع وھو مرسل یعتضد بشواھد تأتی قریبا (فتحُ الباری لابنِ حجر، ج ۲ ص ۳۹۰، کتاب الجمعة، باب المشی إلی الجمعة وقول الله جل ذکرہ فاسعوا إلی ذکر الله)

ترجمہ: اور بیع ممنوع ہونے کی ابتداء، اہلِ علم حضرات کے نزدیک، اس اذان کے وقت سے ہوتی ہے، جو امام کے سامنے دی جاتی ہے، کیونکہ یہی اذان نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتی تھی، جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اور عمر بن شبہ نے ’’اخبارُ المدینۃ‘‘ میں مکحول کی سند سے، روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کے دن ایک ہی مؤذن اس وقت اذان دیا کرتا تھا، جب امام نکل پڑتا تھا، اور یہی اذان وہ ہے کہ جس پر بیع حرام ہوتی ہے، اور یہ روایت مرسل ہے، جو دوسرے شواہد سے قوت حاصل کر لیتی ہے، جو عنقریب آگے آتے ہیں (فتح الباری)

اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی صحیح بخاری کی شرح ’’فتحُ الباری‘‘ میں ہی اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وتبين بما مضى أن عثمان أحدثه لإعلام الناس بدخول وقت الصلاة قياسا على بقية الصلوات فألحق الجمعة بها وأبقى خصوصيتها بالأذان بين يدى الخطيب وفيه استنباط معنى من الأصل لا يبطله (فتحُ الباری لابنِ حجر، ج ۲ ص ۳۹۴، کتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة)

ترجمہ: اور گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کا اضافہ، لوگوں کو نمازِ جمعہ کا وقت داخل ہونے سے آگاہ کرنے کے لیے فرمایا، دیگر نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے، پس جمعہ کو بھی انہوں نے ان نمازوں کے ساتھ لاحق فرمادیا (اور ظاہر ہے کہ مقیس علیہ، یعنی دیگر نمازوں کی اذان پر بیع وغیرہ حرام نہیں ہوتی، پس مقیس میں کیسے حرام ہوگی)

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذانِ جمعہ کی خصوصیات کو اسی اذان کے ساتھ باقی رکھا، جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے قریب دی جاتی ہے، جس میں اصل سے ایسے معنیٰ کا استنباط پایا جاتا ہے، جو اصل کو باطل نہ کرے (فتح الباری)

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے نہایت عمدہ طریقہ پر پہلی اذان کے احداث کے اجتہاد و استنباط کو بھی واضح کر دیا اور ساتھ ہی جمعہ کی دوسری اذان کی خصوصیات، وصفات کے اپنی جگہ برقرار رہنے پر بھی روشنی ڈال دی ہے، اور اس ضمن میں ایک اہم فقہی اصول بھی بیان کر دیا ہے، جس کی رُو سے ''اصل'' سے ایسے معنیٰ کا استنباط کرنا، کہ جس کی بنا پر ''اصل'' سے اُس معنیٰ کا ابطال لازم آئے، یہ باطل ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ حجر نے مذکورہ کتاب ہی میں دوسرے مقام پر اور دیگر فقہائے کرام نے اس قاعدہ کی وضاحت کی ہے، جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں۔ [1]

اب جو حضرات دوسری اذان ''جو کہ اصل ہے'' سے ''وجوبِ سعی وممانعتِ بیع، یا اس کی علت'' کا استنباط کر کے پہلی اذان پر یہ حکم متفرع کرتے ہیں، تو یہاں اصل اذان سے اس

---

[1] وأن استنباط معنى من الأصل يعود عليه بالإبطال باطل وأن القياس مع وجود النص فاسد (فتحُ البارى لابنِ حجر ، ج : ٢ ص : ٣٥٦ ، باب فرض الجمعة لقول الله تعالى إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع)

وقد اتفقوا على أنه لا يجوز أن يستنبط من النص معنى يعود عليه بالإبطال (فتحُ البارى لابنِ حجر ، ج : ١٢ ص : ٧٣ ، باب الضرب بالجريد والنعال)

(وأن لا يعود على أصله بالإبطال) أى ومن شروط العلة أن لا يلزم من التعليل بها بطلان حكم القياس أعنى حكم المحل المشبه به المعلل بها فأراد بالأصل هنا الحكم كما هو أحد استعمالاته (فتبطل هى) أى تلك العلة حينئذ لأن ذلك الحكم أصلها والفرع يبطل ببطلان أصله (التقرير والتحبير على تحرير الكمال بن الهمام، ج٣ص ١٨٥ ،الباب الخامس فى القياس، الكلام فى تقسيم العلة وشروطها وطرق معرفتها،المرصد الثانى فى شروط العلة)

(و) من شروط العلة (أن لا يعود) التعليل بها (على أصله بالإبطال) أى لا يلزم منه بطلان الحكم المعلل بها لأن ذلك الحكم أصله، إذ التعليل فرع الثبوت وبطلان الأصل يستلزم بطلان الفرع فصحته تستلزم بطلانه، فلو صح لصح وبطل فيجتمع النقيضان(تيسير التحرير لامير بادشاه الحنفى، ج٤ص ٣١،الباب الخامس من الأبواب الخمسة من المقالة الثانية فى أحوال الموضوع، المرصد الثانى فى شروطها)

(ومنها) أى من شروط العلة (أن لا يعود على أصله بالإبطال) أى لا يكون التعليل مبطلا لحكم أصله (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج ٢ص ٣٤٠، الكلام على اصول الاربعة، الاصل الرابع : القياس، فصل فى العلة، تتمة فى تقسيم الحنفية للعلة، الناشر : دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الاولىٰ: ١٤٢٣ھ ، 2002م)

معنیٰ کا ابطال لازم آتا ہے، یعنی لفظ ''إذا نودی'' کے ذریعہ جو حکم، جس مخصوص اذان کے ساتھ مشروط تھا، وہ اس مخصوص اذان کے ساتھ مشروط نہیں رہتا، جو کہ فقہی اصول وقواعد کی رُو سے درست نہیں ''لانه اذا فات الشرط ، فات المشروط''۔

''الكوثرُ الجاری إلٰی أحاديث البخاری'' کا حوالہ

احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد کورانی الشافعی ثم الحنفی (المتوفیٰ 893ہجری) ''الكوثر الجاری إلٰی رياض أحاديث البخاری'' میں فرماتے ہیں:

قال ابن عباس: يحرم البيع حينئذ: أی: حين النداء الثانی؛ فإنه الموجود وقت نزول الآية، والنداء الأول أحدثه عثمان بن عفان (الكوثر الجاری إلى رياض أحاديث البخاری، ج۳، ص۳۰، كتاب الجمعة، باب المشی إلى الجمعة)

ترجمہ: ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت میں بیع حرام ہوجاتی ہے، یعنی دوسری اذان کے وقت، کیونکہ آیت نازل ہونے کے وقت، یہی اذان موجود تھی، اور پہلی اذان کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شروع کیا (الكوثر الجاری)

''رياضُ الأفهام فی شرح عمدة الأحكام'' کا حوالہ

تاج الدین فاکہانی (المتوفیٰ 734ہجری) ''رياض الأفهام فی شرح عمدة الأحكام'' میں فرماتے ہیں کہ:

فإن اللّٰه -تعالى -حرم البيعَ حينَ النداء ، فلولا وجوبُ الخطبة، لم يحرم البيعُ إِلَّا عند الشروع فی الصلاة (رياض الأفهام فی شرح عمدة الأحكام، ج۲، ص۶۳۷، باب الجمعة، الحديث الثالث)

ترجمہ: پس بے شک اللہ تعالیٰ نے بیع کو اذان کے وقت حرام قرار دے دیا، اور اگر خطبہ واجب نہ ہوتا، تو بیع نماز شروع کرنے کے وقت ہی حرام ہوتی (ریاض الافہام)

مطلب یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے لیے خطبہ واجب ہے، اسی لیے اس اذانِ خطبہ پر بیع حرام ہوتی ہے، اور اگر خطبہ واجب نہ ہوتا، تو بیع نمازِ جمعہ شروع کرنے تک حرام نہ ہوتی، جس سے صاف معلوم ہوا کہ اذانِ خطبہ سے پہلے بیع کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

”المنتقیٰ شرحُ الموطأ“ کا حوالہ

ابوالولید قرطبی اندلسی مالکی (المتوفیٰ: 474ہجری) مؤطا امام مالک کی شرح میں فرماتے ہیں:

(مسألة) والنداء الذی یحرم به البیع هو النداء والإمام علی المنبر رواه ابن القاسم عن مالک فی العتبیة قال وأنکر منع الناس البیع قبل ذلک (المنتقی شرح الموطإ، ج ۱، ص ۱۹۵، ما جاء فی السعی یوم الجمعة)

ترجمہ: مسئلہ! وہ اذان جس کے ذریعہ سے بیع حرام ہوتی ہے، وہ اذان ہے کہ جب امام (خطبہ کے لیے) منبر پر موجود ہو، جس کو ابنِ قاسم نے امام مالک سے عتبیہ میں روایت کیا ہے، اور امام مالک نے اس سے پہلے لوگوں کو بیع سے منع کرنے پر نکیر کی ہے (المنتقیٰ)

مذکورہ عبارت میں صاف تصریح ہے کہ امام مالک نے دوسری اذان سے قبل بیع وشراء کی ممانعت کرنے پر نکیر کی ہے، اور ان کے نزدیک یہ قول قابلِ تردید ہے، اور ظاہر ہے کہ امام مالک کا یہ فرمان، پہلی اذان کے اضافہ ہوجانے کے بعد کے زمانے کا ہے۔

امام مالک کا شمار بھی مجتہدِ مستقل اور ائمۂ متبوعین میں ہوتا ہے، اور اس سے قبل امام شافعی کی تصریح نقل کی جا چکی ہے، جبکہ امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کی تصریحات آگے آتی ہیں۔

''الاستذکار'' کا حوالہ

امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابنِ عبدالبر قرطبی مالکی (المتوفیٰ: 463ہجری) ''الاستذکار'' میں فرماتے ہیں:

''امام شافعی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اذان تھی، وہی اذان مجھے پسند ہے، اور یہی وہ اذان ہے، جس پر بیع ممنوع ہوتی ہے، اور جہاں تک امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا قول ہے، تو امام طحاوی نے ان (امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب) سے اپنی ''مختصر'' میں روایت کیا ہے کہ جب جمعہ کے دن زوال ہوجائے، اور امام (خطبہ کے لیے) منبر پر بیٹھ جائے، اور مؤذن اس کے سامنے اذان دے، تو لوگ بیع وشراء سے رک جائیں، اور جمعہ کی طرف سعی میں مشغول ہوجائیں، پھر جب مؤذن اذان سے فارغ ہوجائے، تو امام کھڑے ہوکر دو خطبے دے۔

اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عرفہ میں بھی اذان، امام کے قریب ہوتی ہے، اور ہم نے اس سلسلے میں جو سلف کے آثار اور ائمۂ فقہاء کے اقوال ذکر کیے، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کافی شافی ہیں''۔ انتہیٰ۔ [1]

مذکورہ عبارت میں امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا وہی قول قرار دیا گیا ہے، جو امام طحاوی

---

[1] قال الشافعي وأيهما كان فالأذان الذى كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم أحب إلى وهو الذى ينهى عنده عن البيع وأما قول أبى حنيفة وأصحابه فإن الطحاوى حكى عنهم فى مختصره قال إذا زالت الشمس يوم الجمعة جلس الإمام على المنبر وأذن المؤذنون بين يديه وامتنع الناس من البيع والشراء وأخذوا فى السعى إلى الجمعة فإذا فرغ المؤذنون من الأذان قام الإمام فخطب خطبتين هكذا قال وأذن المؤذنون بين يديه بلفظ الجماعة.

وقد أجمع الفقهاء أن الأذان بعرفة يكون بين يدى الإمام.

وفيما أوردنا من الأثر عن السلف وعن أئمة الفقهاء ما فيه بيان وشفاء إن شاء الله(الاستذكار، ج٢،ص٢٨، كتاب الجمعة،باب ما جاء فى الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب)

نے نقل کیا ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے بھی اس کی تصریح موجود ہے، اس لیے اس کو محض امام طحاوی کا قول سمجھنا، تسامح پر مبنی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔
نیز عرفات میں امام کے خطبہ کے وقت دی جانے والی اذان سے متعلق بھی یہی حکم حنفیہ کے حوالے سے آگے آتا ہے۔

’’بدایةُ المجتهد‘‘ کا حوالہ

قاضی ابنِ رشد قرطبی (المتوفیٰ: 595 ہجری) ’’بدایةُ المجتهد‘‘ میں فرماتے ہیں:

الباب السادس: في النهي من قبل وقت العبادات وذلك إنما ورد في الشرع في وقت وجوب المشي إلى الجمعة فقط لقوله تعالى(إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع) وهذا أمر مجمع عليه فيما أحسب، أعني منع البيع عند الاذان الذي يكون بعد الزوال والامام على المنبر (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج٣،ص ١٨٦ ، كتاب البيوع)

ترجمہ: چھٹا باب، عبادات کے وقت سے پہلے (بیع کی) ممانعت کے بارے میں ہے، اور یہ حکم شریعت میں صرف جمعہ کی طرف مشی واجب ہونے کے وقت میں وارد ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ:

’’إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع‘‘

اور میرے گمان کے مطابق اس حکم پر اجماع ہے، یعنی اس اذان پر بیع ممنوع ہونے پر، جو زوال کے بعد ہوتی ہے، اور امام (خطبہ کے لیے) منبر پر ہوتا ہے
(بداية المجتهد)

مذکورہ عبارت میں تصریح ہے کہ بیع کی ممانعت کا حکم صرف اذانِ جمعہ کے باب میں وارد ہوا ہے، یعنی یہ حکم دوسری اذانوں سے الگ اور خلافِ قیاس ہے، اور ایسے احکام اپنے نصِ مورد کے ساتھ خاص ہوا کرتے ہیں۔

اور مذکورہ عبارت میں جس اجماع کا ذکر ہے، اس سے مجتہدین اور ائمۂ متبوعین کا اجماع مراد ہے، امام شافعی ،امام مالک کا یہی قول ہے، اور امام احمد کا راجح قول ومذہب بھی یہی ہے، اور امام ابوحنیفہ اور اصحابِ حنفیہ کا بھی اصل مذہب یہی ہے۔ [1]

''الأوسط لابن المنذر'' کا حوالہ

ابوبکر محمد بن ابراہیم بن منذر (المتوفیٰ: 319ھ) نے ''الأوسط'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دی جانے والی اذان پر ''سعی الی الجمعة'' کے حکم کا باب قائم

---

[1] مسألة وسئل مالک عن أى النداء يمنع فيه الناس البيع يوم الجمعة؟
قال النداء الذى ينادى به والإمام جالس على المنبر، فإذا أذن تلک الساعة رفعت الأسواق فلم يبع فيه عبد ولا غيره(البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة، ج ۱ ،ص ۲۷۲ ، كتاب الصلاة ،مسألة :النداء الذى يمنع فيه الناس البيع يوم الجمعة)
فمن البيوع الفسادة عند مالک وأصحابه البيع بعد النداء الثانى إذا قعد الإمام يوم الجمعة على المنبر قال ابن نافع وابن القاسم عن مالک إنما كان نداء ان فزيد الثالث وإنما يكره البيع بعد الثانى الذى بعد قعود الإمام(الكافى فى فقه أهل المدينة، ج ۲ ،ص ۲۲ ۷ ،باب جملة من البيوع الفاسدة والحكم فيها)
فرع :يكره البيع بعد الزوال، وقبل الصلاة .فإذا ظهر الإمام على المنبر، وشرع المؤذن فى الأذان، حرم البيع(روضة الطالبين وعمدة المفتين،للنووى، ج ۲ ،ص ۴۷ ، كتاب صلاة الجمعة)
قال أصحابنا ويحصل التحريم بمجرد شروع المؤذن فى الأذان لظاهر الآية الكريمة فإن أذن قبل جلوسه على المنبر كره البيع ولم يحرم نص عليه الشافعي واتفق عليه الأصحاب ونقله ابن الصباغ عن النص وصرح به أيضا المتولي وآخرون(المجموع شرح المهذب، ج ۴ ،ص ۵۰۰ ،باب صلاة الجمعة)
مراده بقوله "بعد ندائها "النداء الثانى الذى عند أول الخطبة .وهذا المذهب، وعليه الأصحاب(الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف،لعلى بن سليمان المرداوى الحنبلى، ج ۴ ، ص ۳۲۴ ، كتاب البيع)

کر کے فرمایا کہ:

''امام شافعی کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو اذان تھی، وہی مجھے زیادہ پسند ہے، اور حنفیہ نے فرمایا کہ امام جب منبر پر چڑھ جائے، تو اس وقت اذان دی جائے۔

ابنِ منذر کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جس اذان کا زوالِ شمس کے بعد اضافہ کیا، وہ مہاجرین اور انصار صحابۂ کرام کی موجودگی میں تھا، جن میں سے ہمارے علم کے مطابق کسی نے بھی اس کو مکروہ نہیں سمجھا، پھر ہمارے موجودہ زمانے تک، امت کا اس پر عمل ہو گیا''۔انتہیٰ۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کا اصل مذہب بھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے والی اذان کے معتبر ہونے کا ہے، البتہ پہلی اذان کا اس سے قبل اضافہ کسی دوسرے مقصد کے لیے، اور اس جہت سے اس کا بدعتِ شرعیہ میں داخل نہ ہونا، اس باب میں مُضِر نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

''بحرُ المذهب'' کا حوالہ

ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی (المتوفیٰ:502ھ) ''بحرُ المذهب فی فروع المذهب الشافعی'' میں فرماتے ہیں کہ:

لا يحرم البيع يوم الجمعة قبل أذان المؤذن، ويحرم عند الأذان،

---

[1] وكان الشافعي يقول :الأذان الذى كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم أحب إلي. وقال أصحاب الرأى :إذا صعد الإمام على المنبر يوم الجمعة أذن .
قال أبو بكر :أمر عثمان بن عفان لما كثر الناس بالنداء الثالث فى العدد، وهو الأول الذى بدأ به بعد زوال الشمس بين المهاجرين والأنصار، فلم يكره أحد منهم علمناه، ثم مضت الأمة عليه إلى زماننا هذا(الأوسط فى السنن والإجماع والاختلاف، ج۴، ص۵۵، ذكر الأذان الذى كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى أمر الله بالسعى إلى الجمعة إذا نودى به وذكر من أحدث الأذان الذى يؤذن به قبل خروج الإمام)

وهو الأذان الذى يكون بعد الزوال عند جلوس الإمام على المنبر، وبهـذا الأذان يـجب السعى إلى الجامع، وأما بعد الزوال قبل هذا الأذان لا يـنهـى عـن البيـع كـمـا يـنهـى عـنــه إذا كان على المنبر وأكـرهـه؛ لأن ذلک الـوقت لم ينه فيه عن البيع، وبه قال عمر بن عبـد الـعـزيز وعطاء ومالک وأبو حنيفة، وقال الضحاک وربيعة وأحمد :يـحـرم البيع عند الزوال .وهـذا غـلـط لـقوله تعالى"إذا نـودى لـلـصـلاـة مـن يـوم الـجـمـعة فـاسعوا إلى ذكر اللـه وذروا البيـع"فثبـت أن الـحـكم يتعلق بحالة النداء (بـحـر الـمـذهب فى فروع المذهب الشافعي، ج ۲، ص ۳۹۵، كتاب الجمعة)

ترجمہ: جمعہ کے دن مؤذن کی اذان سے پہلے، بیع حرام نہیں ہوتی، اوراذان کے وقت بیع حرام ہوجاتی ہے، اور یہ اذان وہ ہے، جو زوال کے بعد، امام کے منبر پرخطبہ کے لیے آنے کے وقت دی جاتی ہے، اوراسی اذان پر جامع مسجد کی طرف سعی واجب ہوتی ہے، اورزوال کے بعداس اذان سے پہلے بیع ممنوع نہیں ہوتی، جیسا کہ بیع اس وقت ممنوع نہیں ہوتی، جبکہ امام، منبر پر پہنچ چکا ہو(اوراذان نہ ہوئی ہو)البتہ اس وقت میں بیع مکروہ (تنزیہی) ہے(جو گناہ کے زمرہ میں نہیں آتی) کیونکہ اس وقت میں بیع سے منع نہیں کیا گیا(امام شافعی کے ساتھ ساتھ) حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت عطاء اور امام مالک اورامام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے، اورضحاک اورربیعہ اورامام احمد کے نزدیک (ایک روایت کے مطابق) بیع، زوال کے وقت حرام ہوجاتی ہے، لیکن یہ قول غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ''**إذا نـودى لـلـصـلاـة مـن يـوم الـجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيـع**''جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ حکم، اذان کی حالت کے ساتھ

متعلق ہے (بحرالمذہب)

مذکورہ عبارت میں بھی امام ابوحنیفہ کے قول کی تصریح ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا بنیادی قول بھی یہی ہے، جس کی تائید امام محمد اور دیگر اصحابِ حنفیہ اور جلیلُ القدر متقدمین مشائخِ حنفیہ کی تصریحات سے ہوتی ہے۔

البتہ بعد کے بعض مشائخِ حنفیہ کا قول اس سے مختلف ہے، جس کی بنیاد حسن بن زیاد کے قول پر ہے، جس کو بعض حضرات نے امام ابوحنیفہ کا قول سمجھ لیا، حالانکہ اولاً تو یہ حنفیہ کی ''ظاھرُ الروایۃ'' نہیں، اور ظاھرُ الروایۃ سے اس کے خلاف معلوم ومفہوم ہوتا ہے، دوسرے حسن بن زیاد کے قول کی سند بھی معلوم نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے، اور اس قول کا دلائل کے لحاظ سے مرجوح ہونا بھی معلوم ہو چکا، پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس قول کو ترجیح دی جائے۔

''مختصر الخرقی'' کا حوالہ

ابوالقاسم عمر بن حسین خرقی (المتوفیٰ: 334ھ) ''مختصر الخرقی'' میں فرماتے ہیں کہ:

وإذا زالت الشمس يوم الجمعة صعد الإمام على المنبر وإذا استقبل الناس سلم عليهم وردوا عليه السلام وجلس وأخذ المؤذنون فى الآذان وهذا الآذان الذى يمنع البيع ويلزم السعى إلا لمن منزله فى بعد فعليه أن يسعى فى الوقت الذى يكون به مدركا للجمعة (مختصر الخرقى من مسائل الإمام أحمد بن حنبل، ص ۳۱، كتاب الصلاه، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور جب جمعہ کے دن زوالِ شمس ہو جائے، تو امام منبر پر چڑھ جائے، اور جب لوگوں کی طرف متوجہ ہو، ان کو سلام کرے، اور لوگ اس کے سلام کا جواب دیں، اور امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد، مؤذن اذان دے، اور یہی اذان، بیع

کوممنوع اور سعی کولازم قرار دیتی ہے، البتہ جس کا گھر (جامع مسجد سے) دور ہو، تو اس پر ایسے وقت میں سعی واجب ہے کہ وہ جمعہ کو پالے (خواہ ابھی اذان بھی نہ ہوئی ہو) (مختصر الخرقی)

''الکافی فی فقہِ الامام احمد'' کا حوالہ

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی (المتوفیٰ: 620ھ) ''الکافی فی فقه الامام احمد' میں فرماتے ہیں:

یؤذن لها إذا جلس الإمام على المنبر؛ لأن الله تعالى قال ''إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة ''يعنى الأذان، قال السائب: كان النداء يوم الجمعة إذا جلس الإمام على المنبر، على عهد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبى بكر وعمر، فلما كان عثمان، وكثر الناس زاد النداء الثالث رواه البخارى .وهذا النداء الأوسط هو الذى يتعلق به وجوب السعى، وتحريم البيع؛ لأنه الذى كان مشروعا حين نزول الآية، فتعلقت الأحكام به .ويسن الأذان الأول فى أول الوقت؛ لأن عثمان سنه، وعملت به الأمة بعده، وهو مشروع للإعلام بالوقت، والثانى للإعلام بالخطبة، والإقامة للإعلام بقيام الصلاة (الكافى فى فقه الإمام أحمد بن حنبل، ج ا ،ص ۳۳۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: جمعہ کے لیے اس وقت اذان دی جائے، جب امام منبر پر بیٹھ جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة** '' نداء سے مراد اذان ہے، حضرت سائب کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن، نداء جب ہوتی تھی،

جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ کے زمانے میں، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا، اور لوگ زیادہ ہوگئے، تو انہوں نے تیسری اذان کا اضافہ کیا، جس کو بخاری نے روایت کیا، اور یہ درمیانی اذان ہی (جو امام کے منبر پر خطبۂ جمعہ کے لیے چڑھنے کے بعد ہوتی ہے) ایسی ہے، جس کے ساتھ سعی کا وجوب اور بیع کی حرمت متعلق ہے، کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت یہی اذان مشروع تھی، تو احکام بھی اسی اذان کے ساتھ متعلق ہوں گے، اور پہلی اذان، ابتدائی وقت میں سنت ہے (جس کا مقصد دوسری فرض نمازوں کی طرح دخولِ وقت کا اعلان واعلام ہے) اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو جاری کیا تھا، اور آپ کے بعد امت نے اس پر عمل کیا، اور یہ اذان وقتِ جمعہ کی آگاہی کے لیے مشروع کی گئی ہے، اور دوسری اذان، خطبہ کی آگاہی کے لیے ہے، اور اقامت، نماز کھڑی ہونے کی آگاہی کے لیے ہے (الکافی فی فقہ الامام احمد)

''المغنی'' کا حوالہ

نیز علامہ ابنِ قدامہ حنبلی ''المغنی'' میں فرماتے ہیں:

''وہ اذان جس پر بیع ممنوع ہوجاتی ہے، اور سعی واجب ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ:

''إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع''

وہی اذان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد، لہٰذا بیع کی ممانعت کا یہ حکم، اسی اذان کے ساتھ متعلق ہوگا، کسی اور

اذان کے ساتھ متعلق نہیں ہوگا۔

اور قاضی نے امام احمد کی ایک روایت کو ذکر کیا ہے، جس کے مطابق جمعہ کے دن خرید وفروخت زوالِ شمس پر منع ہو جاتی ہے، اگر چہ امام خطبہ کے لئے منبر پر نہ بیٹھا ہو، لیکن یہ روایت بچند وجوہ صحیح نہیں۔

تاہم جس کا گھر مقامِ جمعہ سے فاصلے پر ہو اور وہ اذان کے بعد جمعہ کو نہ پا سکتا ہو، تو اس پر ایسے وقت سعی واجب ہوگی کہ وہ جمعہ کو پالے، کیونکہ جمعہ فرض ہے اور یہاں نداء سے قبل سعی اسی فرض کو پانے کی ضرورت کے لیے ہے، اور جس چیز کے بغیر واجب اداء نہ ہوتا ہو، وہ چیز بھی واجب ہو جایا کرتی ہے، جیسا کہ وضو کے پانی کا کنویں سے لینا، جبکہ اس کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ پر پانی کے حصول کی قدرت نہ ہو، اور جیسا کہ روزہ میں دن کے ساتھ رات کے ایک جزء کے امساک کا وجوب، اور اس جیسے دوسرے کئی مسائل کا معاملہ ہے“۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] وأما قوله " :هذا الأذان الذى يمنع البيع ويلزم السعى فلأن الله تعالى أمر بالسعى، ونهى عن البيع بعد النداء ، بقوله سبحانه :إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع والنداء الذى كان على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -هو النداء عقيب جلوس الإمام على المنبر، فتعلق الحكم به دون غيره، ولا فرق بين أن يكون ذلك قبل الزوال أو بعده.

وحكى القاضى رواية عن أحمد، أن البيع يحرم بزوال الشمس، وإن لم يجلس الإمام على المنبر .ولا يصح هذا؛ لأن الله تعالى علقه على النداء ، لا على الوقت، ولأن المقصود بهذا إدراك الجمعة، وهو يحصل بما ذكرنا دون ما ذكره، ولو كان تحريم البيع معلقا بالوقت لما اختص بالزوال، فإن ما قبله وقت أيضا.

فأما من كان منزله بعيدا لا يدرك الجمعة بالسعى وقت النداء ، فعليه السعى فى الوقت الذى يكون به مدركا للجمعة؛ لأن الجمعة واجبة، والسعى قبل النداء من ضرورة إدراكها، وما لا يتم الواجب إلا به واجب، كاستقاء الماء من البئر للوضوء إذا لم يقدر على غيره، وإمساك جزء من الليل مع النهار فى الصوم، ونحوهما(المغنى لابن قدامة، ج٢،ص ٢٢٠، كتاب صلاة الجمعة،مسألة إذا أخذ المؤذنون فى الأذان يوم الجمعة)

’’کشفُ اللثام‘‘ کا حوالہ

شمس الدین سفارینی حنبلی (المتوفی: 1188ھ) ’’کشفُ اللثام‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

وقت الوجوب من ابتداء النداء الذی بین یدی المنبر، فإنه المعهود علی زمن النبی -صلی اللّٰه علیه وسلم-، وزمن أبی بکر، وعمر، فلما کان زمن عثمان، وکثر الناس :زاد النداء الثالث، وأما النداء الأول :فمستحب فی أول الوقت، سنه عثمان، والثانی :للإعلام بالخطبة، والثالث :للإعلام بقیام الصلاة.

نعم، من منزله بعید، لا یدرک الجمعة بالسعی وقت النداء ، فعلیه السعی فی الوقت الذی یکون به مدرکًا الجمعة؛ لأن ما لا یتم الواجب إلا به، فهو واجب (کشف اللثام شرح عمدة الأحکام، ج۳، ص۱۶۸، کتاب الصلاة ،باب الجمعة،الحدیث السابع)

ترجمہ: وقتِ وجوب اس اذان کی ابتداء پر ہوتا ہے، جو منبر کے قریب دی جاتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں یہی اذان معروف ورائج تھی، پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، اور لوگ زیادہ ہوگئے، تو انہوں نے ایک اور اذان کا اضافہ کردیا، اور یہ پہلی اذان اول وقت میں مستحب ہے، جس کو عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کیا، دوسری اذان خطبہ کے اعلان کے لیے ہے، اور تیسری اذان (یعنی اقامت) نماز کھڑی ہونے کے اعلان کے لیے ہے۔

البتہ اگر کسی کا گھر دور ہو، جو اذان کے وقت سعی کرنے پر جمعہ کو نہ پاسکتا ہو، تو اس پر ایسے وقت سعی واجب ہوگی کہ جس کی وجہ سے وہ جمعہ کو پالے، کیونکہ جس چیز

کے بغیر واجب پورا نہ ہوتا ہو، تو وہ چیز بھی واجب ہو جاتی ہے (کشف اللثام)

اس سے معلوم ہوا کہ سعی تو فی نفسہٖ دوسری اذان پر ہی واجب ہے، لیکن اگر کسی کے دور ہونے کی وجہ سے اس وقت سعی کرنے پر جمعہ کو پانا ممکن نہ ہو، تو اس کو اس سے پہلے سعی کا حکم ہوگا، جیسا کہ کوئی شخص اتنی دور ہو کہ پہلی اذان کے بعد بھی سعی کرنے پر وہ جمعہ کو نہ پا سکتا ہو، تو اس پر پہلی اذان سے بھی قبل سعی واجب ہو جائے گی، جس کے نظائر شریعت میں موجود ہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کا حوالہ

شیخ عبدالقادر جیلانی (المتوفی: 561ھ) کی طرف منسوب کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں ہے کہ:

ويجتنب البيع والشراء بعد الآذان عند المنبر لقوله تعالى"إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع"وهذا هو الآذان الذى كان على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم-، وهو واجب عندنا، ولغير هذه الصلاة فرض على الكفاية، وروى عنه أنه سنة.

وأما أذان المنارة أمر به عثمان بن عفان -رضى الله عنه -فى زمانه لمصلحة عامة، وهى إعلام الغائبين عن الأمصار والقرى فلا يبطل البيع ولا الشراء(الغنية لطالبى طريق الحق عز وجل، ج٢، ص٢١٣، القسم الرابع فى فضائل الأعمال، باب نشير فيه إلى صلاة الجمعة والعيدين وصلاة الاستسقاء والكسوف والخوف والقصر والجمع وصلاة الجنازة مختصرًا، فصل صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے، اس اذان کے بعد، جو منبر کے

قریب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر اللّٰہ وذروا البیع ''اور یہی اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا کرتی تھی، جو ہمارے نزدیک واجب ہے، اور اس نماز کے علاوہ دوسری نمازوں کے لیے اذان فرض علی الکفایۃ ہے، اور ایک روایت جمعہ کی اذان کے سنت ہونے کی ہے، جہاں تک مینارہ کی اذان کا تعلق ہے، جس کا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں مصلحتِ عامہ کی وجہ سے حکم فرمایا، اور وہ مصلحت شہر اور گاؤں سے دور لوگوں کو مطلع کرنے کی تھی، تو یہ خرید وفروخت کو ناجائز قرار نہیں دیتی (الغنیۃ)

مذکورہ عبارت بھی اپنے مقصود ومدعا میں واضح ہے۔

سعودی عرب کی'' اللجنةُ الدائمة '' کے فتاویٰ میں بھی دوسری اذان سے قبل مسجد سے باہر کی جانے والی بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ [1]

اس سلسلے میں علماء وفقہائے کرام کی عبارات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا بھی دشوار ہے، اور ان عبارات سے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ مفسرین، ومحدثین اور فقہائے کرام نے کس طرح

---

[1] س :ما حکم البیع عند باب المسجد وخاصة قبل صلاة الجمعة وبعدها؟ حیث إنه یوجد عندنا أناس یبیعون حتی تقام الخطبة ثم یدخل المسجد، وإذا کان المباع سواک أو طیب فما الحکم؟

ج :البیع عند باب المسجد خارجه جائز؛ إذا کان قبل النداء الثانی .وأما بعد النداء الثانی فإنه لا یجوز؛ لنهی الله سبحانه عن ذلک بقوله :"یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع"

وبالله التوفیق وصلی الله علی نبینا محمد وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والإفتاء

عضو	عضو	عضو
عبد العزیز آل الشیخ	صالح الفوزان	عبد الله بن غدیان
نائب الرئیس		الرئیس
عبد الرزاق عفیفی		عبد العزیز بن عبد الله بن باز

(فتاوی اللجنة الدائمة – المجموعة الأولی ،جمع وترتیب :أحمد بن عبد الرزاق الدویش، ج۱۳، ص۱۰۲، الفتوی رقم 15316، البیوع، شروط البیع)

قرآن کے منصوص حکم کے دوسری اذان سے متعلق ہونے کی جابجا تصریح اور اس کی واضح دلیل بیان فرمائی ہے، جس کا تعصب سے بالاتر ہوکر سمجھنا دشوار نہیں۔

مختلف مفسرین، محدثین ومجتہدین اور فقہائے کرام واہلِ علم حضرات کے اقوال کے بعد اب اس سلسلے میں حنفیہ کے حوالہ جات وعبارات بھی ملاحظہ فرمالی جائیں۔

''موطأ امام محمد'' کا حوالہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (المتوفیٰ:150ہجری) کے شاگرد، امام محمد (المتوفیٰ:189ہجری) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أخبرنا مالک أخبرنا الزهری عن السائب بن یزید :أن عثمان بن عفان رضی الله عنه زاد النداء الثالث یوم الجمعة

قال محمد :وبهذا کله نأخذ والنداء الثالث الذی زید" هو النداء الأول" وهو قول أبی حنیفة -رحمه الله (موطأ مالک روایة محمد بن الحسن الشیبانی، ص۸۷، رقم الحدیث ۲۲۵ ، ابواب الصلاة، باب وقت الجمعة وما یستحب من الطیب والدهان)

ترجمہ: ہمیں امام مالک نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے زہری نے خبر دی، سائب بن یزید سے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن تیسری نِداء کو زیادہ کیا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اس سب کو لیتے ہیں، اور تیسری نِداء جو زیادہ کی گئی ہے، وہ دراصل پہلی نداء ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے (مؤطا امام محمد)

اس سے معلوم ہوا کہ جس اذان کا اضافہ کیا گیا تھا، اس اذان کا مقصد، دراصل لوگوں میں اعلان کرنا، اور لوگوں کو جمعہ کی نماز کی طرف متوجہ کرنا تھا۔

لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کی اصل ومخصوص اذان جس کا قرآن مجید کی آیتِ جمعہ میں ذکر ہے، وہی ہے، جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت، دی جاتی ہے، اسی لیے خود امام محمد نے ہی دوسرے مقامات پر اسی ایک اصل اذان کا ذکر فرمایا ہے، جس کی مزید توضیح وتصریح آگے آتی ہے۔

''کتابُ الأصل'' کا حوالہ

امام محمد رحمہ اللہ ''کتابُ الأصل'' میں فرماتے ہیں:

قلت: فهل في العيدين أذان وإقامة؟ قال: ليس في العيدين أذان ولا إقامة .قلت: فالجمعة؟ قال: الجمعة فريضة، وفيها أذان وإقامة .قلت: فمتى الأذان والإقامة يوم الجمعة؟ قال: إذا صعد الإمام المنبر أذن المؤذن، وإذا نزل الإمام أقام المؤذن.

قلت: أرأيت المؤذن إذا أذن وأقام هل يتكلم في شيء من أذانه وإقامته؟ قال: لا (الأصل المعروف بالمبسوط، ج ١، ص ٢ ١ ١ ، كتاب الصلاة، باب الأذان)

ترجمہ: میں نے (امام ابوحنیفہ سے) عرض کیا کہ کیا عیدین کی نماز میں اذان واقامت ہے؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ عیدین کی نماز میں اذان واقامت نہیں، میں نے عرض کیا کہ جمعہ کا کیا حکم ہے؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جمعہ فرض ہے، اور اس میں اذان واقامت ہے، میں نے عرض کیا کہ جمعہ کے دن اذان واقامت کب ہوگی؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب امام منبر پر چڑھ جائے، تو مؤذن اذان دے گا، اور جب امام منبر سے اتر جائے، تو مؤذن اقامت کہے گا۔

میں نے عرض کیا کہ مؤذن جب اذان دے اور اقامت کہے، تو اذان واقامت

کے درمیان کوئی کلام کیا جائے گا؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نہیں (الاصل)

”کتابُ الأصل“ کا ایک اور حوالہ

امام محمد رحمہ اللہ ”کتابُ الأصل“ میں ہی فرماتے ہیں:

قلت: أرأيت الأذان والإقامة متى هو يوم الجمعة؟ قال: إذا صعد الإمام المنبر أذن المؤذن، فإذا نزل أقام الصلاة بعد فراغه من الخطبة (الأصل المعروف بالمبسوط، ج ١، ص ٣٠٤، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ آپ کی جمعہ کے دن اذان و اقامت کے بارے میں کیا رائے ہے کہ وہ کب ہوگی؟ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب امام منبر پر چڑھ جائے، تو مؤذن اذان دے گا، اور جب منبر سے اتر جائے، تو خطبہ سے فراغت کے بعد نماز کی اقامت کہے گا (الاصل)

امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے جمعہ کے دن ایک ہی اذان کا ذکر فرمایا ہے، اور اسی اذان کے احکام کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک نمازِ جمعہ کی اصل اذان وہی ہے، جو امام کے منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، اور ان کے نزدیک قرآن مجید میں مذکور و منصوص جمعہ کی اذان کے مخصوص احکام اسی اذان کے ساتھ وابستہ ہیں، ورنہ ”محلِ بیان“ میں اس پر سکوت نہ کیا جاتا۔

”شرح مختصرُ الطحاوی“ کا حوالہ

امام طحاوی (المتوفیٰ: 321ھ) نے ”مختصرُ الطحاوی“ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی اتباع میں، اور ابوبکر جصاص (المتوفیٰ: 370ھ) نے اس کی شرح میں بھی نمازِ جمعہ اور اذان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھ جانے کے وقت دی جانے

والی اذان پر ہی سعی کے واجب ہونے اور بیع کے حرام ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے۔ [1]

اس کے علاوہ امام محمد نے ''کتابُ الاصل'' المعروف ''بالمبسوط'' میں عرفات میں ظہر

---

[1] باب صلاة الجمعة: مسألة :(أذان الجمعة وما يحظر عنده ووجوب الخطبة)
قال أبو جعفر :(وإذا زالت الشمس يوم الجمعة، جلس الإمام على المنبر، وأذن المؤذنون بين يديه، وامتنع الناس من الشراء والبيع، وأخذوا فى السعى إلى الجمعية، فإذا فرغ المؤذنون من الأذان، قام الإمام فخطب خطبتين، يفصل بينهما بجلسة خفيفة)
قال ابو بكر أحمد :وذلك لقول الله عز وجل :(يا أيها الذين أمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فأسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع)، فانتظمت الآية معانى:
منها :الأذان للجمعة، ولزوم السعى إليها، وترك الاشتغال بالبيع، والخطبة :لقوله :(فاسعوا إلى ذكر الله).
والنهى عن البيع، وإن كان مخصوصًا بالذكر، فليس المقصد فيه البيع، دون غيره من الأمور الشاغلة عن الجمعة، وإنما ذكر البيع؛ لأن أكثر من كان يتخلف عنها لأجل البيع، وكان البيع من عظيم منافعهم ومقاصدهم.
ونص على البيع، وعقل به أن ما دونه مما يشغل عنها :أولى بأن يكون منهيًا عنه، كما قال الله عز وجل :(فلا تقل لهما أف)، فأعلم أن هذا القدر إذا كان محظورًا، فما فوقه أولى بذلك.
وكما قال :(ولحم الخنزير)، وجميع أجزائه محرم.
وهو كقول النبى صلى الله عليه وسلم " :إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة "، ومعلوم أن جميع ما يشغل عن صلاة الإمام داخل فى النهى، لكنه نص على الصلاة، ليعلم أن ما سواها أولى بالنهى.
وروى أنس رضى الله عنه "أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى الجمعة إذا مالت الشمس"، وكان الأذان والإقامة -كما ذكر أبو جعفر -فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر رضى الله عنهما، فلما كان خلافه عثمان رضى الله عنه، وكثر الناس، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، كذلك رواه الزهرى عن السائب بن يزيد رضى الله عنه.
*وقوله :(فاسعوا إلى ذكر الله) يدل على وجوب الخطبة :لأنه لا ذكر هناك يجب السعى إليه بعد الأذان إلا الخطبة، ولما أوجب السعى إليها، دل على وجوبها، إذ لا جائز أن يكون السعى واجبًا، إلا وهى واجبة؛ لأنها لو كانت نفلاً، جاز تركها، وترك السعى إليها.
وروى ابن عمر، وجابر بن سمرة رضى الله عنهم "أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يخطب خطبتين يجلس بينهما."
*وقوله تعالى :(فأسعوا إلى ذكر الله) :يدل أيضًا على أن الخطبة جائزة بكل ما كان ذكر الله، قليلاً كان أو كثيرا، فحصلت فوائد الآية على خمسة أوجه منها:
الأذان للجمعة، ووجوب الخطبة، وجوازها بكل ذكر، ولزوم السعى، ولزوم ترك البيع(شرح مختصر الطحاوى،للجصاص، ج۲،ص۱۱۴ الىٰ ۱۱٦، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

کی اذان، امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھنے کے بعد دیئے جانے کا حکم بیان فرمایا ہے۔ [1]

جس کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے امام طحاوی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ، اور امام محمد کے نزدیک یہ اذان جمعہ کے خطبہ کی طرح ہوگی۔ [2]

حنفیہ کی ظاہرُ الروایۃ یہی ہے، جس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحبِ ''بدائعُ الصنائع '' نے فرمایا کہ یہ خطبہ جب نماز پر مقدم ہے، تو یہ اذان بھی امام کے منبر پر چڑھنے کے بعد جمعہ کے خطبہ کی طرح، خطبہ کے لیے ہی ہوگی۔ [3]

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ حنفیہ کے اصل مذہب کے مطابق جمعہ کے خطبہ کی اصل اذان، جس پر بیع ممنوع ہوتی ہے، وہی ہے، جو امام کے منبر پر خطبہ کے لیے چڑھنے کے بعد دی جاتی ہے، اسی لیے اس کو جمعہ کےخطبہ کی اذان کہا گیا، اور پہلی اضافہ شدہ اذان، محض دخولِ وقت کے اعلان کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام طحاوی، ابوبکر جصاص، علامہ سمرقندی، اور صاحبِ بدائع نے دراصل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب ہی کو بیان کیا ہے، اور اس کی ہی توضیح کی ہے، لہٰذا اس کو صرف امام طحاوی، یا ابوبکر جصاص، یا صاحبِ بدائع کا قول سمجھنا راجح نہیں، ابوبکر جصاص کے حوالہ سے مزید تفصیل ان کی تفسیر ''احکامُ القرآن '' کے ضمن میں پہلے گزر چکی ہے، جس میں انہوں نے پہلی اذان کو

---

[1] وینزل حیث أحب من عرفات ویصعد الإمام المنبر ویؤذن المؤذن وھو علیه فإذا فرغ قام الإمام خطب فحمد الله وأثنی علیه ولبی وھلل وکبر وصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ووعظ الناس وأمرھم ونھاھم ثم دعا الله تعالی بحاجته ثم ینزل ویقیم المؤذن فیصلی الإمام الظھر(الأصل المعروف بالمبسوط للشیبانی ،ج۲،۴۰۹، ۴۱۰، کتاب المناسک،باب الخروج إلی منی، الناشر: إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة – کراتشی، الباکستان)

[2] وخطبة یوم عرفة بعرفة بعد الزوال قبل الصلاة، وھی خطبتان یجلس بینھما جلسة خفیفة . قال أبو حنیفة ومحمد :یبتدء الخطبة إذا فرغ المؤذنون من الأذان بین یدیه، کخطبة الجمعة(شرح مختصر الطحاوی، ج۲،ص ۵۸۴، کتاب المناسک،باب خطب الحج)

[3] وجه ظاھر الروایة :أن ھذه الخطبة لما کانت متقدمة علی الصلاة کان ھذا الأذان للخطبة، فیکون بعد صعود الإمام علی المنبر کخطبة الجمعة(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲،ص ۱۵۱ ، کتاب الحج،فصل بیان سنن الحج وبیان الترتیب فی أفعاله)

دوسری اذان والا مقام ودرجہ حاصل نہ ہونے کی تصریح کی ہے، اور علامہ سمر قندی اور صاحبِ بدائع نے بھی حنفیہ کے اصل مذہب اور ظاہرُ الروایۃ کی یہی ترجمانی کی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور بعد کے بعض حضرات نے جو مذکورہ قول کو صرف امام طحاوی کا قول ہونے کا حکم لگایا، ہمیں غور کرنے سے اس کے ساتھ اتفاق نہ ہوا۔

’’تحفةُ الفقهاء ‘‘ کا حوالہ

علامہ ابو بکر علاء الدین سمر قندی حنفی (المتوفیٰ: 540ھ) ’’تحفةُ الفقهاء ‘‘ میں فرماتے ہیں:

فأما الجمعة ففيها أذان وإقامة لأنها فريضة،لكن الأذان المعتبر ما يؤتى به إذا صعد الإمام المنبر.

والإقامة المعتبرة.ما يؤتى بها إذا فرغ إمام من الخطبة حتى تجب الإجابة لهذا الأذان والاستماع دون الأذان الذى يؤتى به فى الصومعة وقال بعضهم الأذان المعتبر هو الأذان الذى يؤتى به على المنارة.

والصحيح قول العامة لما روى عن السائب بن يزيد أنه قال كان الأذان يوم الجمعة على عهد رسول الله عليه السلام وعلى عهد أبى بكر وعمر رضى الله عنهما عند المنبر أذانا واحدا فلما كان فى زمن عثمان رضى الله عنه كثر الناس وأحدثوا هذا الأذان فى الزوراء (تحفة الفقهاء ،للسمرقندى، ج ا ،ص ۱۴۱۱۳، كتاب الصلاه،باب الأذان)

ترجمہ: جہاں تک جمعہ کا تعلق ہے، تو اس میں ایک اذان اور ایک اقامت ہے،

کیونکہ جمعہ کی نماز فرض ہے، لیکن اذان وہی معتبر ہے، جو اس وقت دی جاتی ہے، جب امام منبر پر خطبہ کے لیے چڑھ جاتا ہے۔

اور اقامت وہی معتبر ہے، جو اس وقت کہی جاتی ہے، جب امام خطبہ سے فارغ ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اسی اذان کی اجابت اور استماع (یعنی سعی کرنا اور سننا) واجب ہے، نہ کہ اس اذان کا، جو منارہ میں دی جاتی ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ (سعی اور استماع کے لیے) وہی اذان معتبر ہے، جو منارہ پر دی جاتی ہے۔

لیکن صحیح قول اکثر حضرات کا ہی ہے (بعض کا قول صحیح نہیں) بوجہ اس روایت کے جو سائب بن یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کے دن اذان، منبر کے قریب ہی دی جاتی تھی، جو صرف ایک ہی اذان تھی، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، لوگ زیادہ ہوگئے، اور انہوں نے اس اذان کو ''زوراء'' مقام میں شروع کردیا

(تحفة الفقهاء)

یہاں ''اجابت'' سے مراد ''سعی'' ہے۔ [1]

علامہ سمرقندی کا شمار بھی حنفیہ کے جلیل القدر فقہاء اور ترجمانوں میں ہوتا ہے، انہوں نے حنفیہ کے اصل وراجح مذہب کی صحیح ترجمانی فرمائی، اور انہوں نے دوسری اذان کے معتبر ہونے کے قول کو اکثر حضرات کا قول قرار دیا، اور اسی کو صحیح فرمایا، اور دوسرے قول کو بعض کا قول قرار دے کر اس کی تردید بھی فرمادی۔

ظاہر ہے کہ اکثر وجمہور کا قول دوسری اذان سے متعلق ہے، بعض نے اس پر اجماع واتفاق کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

---

[1] یجیب بقدمه اتفاقا فی الأذان الأول یوم الجمعة لوجوب السعی بالنص (الدر المختار، معرد المحتار، ج ۱، ص ۳۹۹، کتاب الصلاة، باب الأذان)

لہٰذا پہلی اذان پر اس حکم کو وابستہ کرنے والے حضرات ''بعض'' ہی ہوئے۔
ہمارا رجحان بھی اکثر وجمہور کے قول کی طرف ہی ہے، اور ''حق'' جہاں اور جس کے ساتھ بھی ہو، اسی طرف رجحان ہونا چاہیے، حق کو ''تعصب'' کی نذر نہیں کرنا چاہئے۔

''بدائعُ الصنائع'' کا حوالہ

علامہ کاسانی (المتوفیٰ: 587ہجری) ''بدائعُ الصنائع ''میں، اذان کے باب میں فرماتے ہیں کہ:

ثم الأذان المعتبر يوم الجمعة هو ما يؤتى به إذا صعد الإمام المنبر، وتجب الإجابة والاستماع له دون الذى يؤتى به على المنارة، وهذا قول عامة العلماء، وكان الحسن بن زياد يقول: المعتبر هو الأذان على المنارة؛ لأن الإعلام يقع به، والصحيح قول العامة لما روى عن السائب بن زيد أنه قال: كان الأذان يوم الجمعة على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وعلى عهد أبى بكر وعمر -رضى الله عنهما -أذانا واحدا حين يجلس الإمام على المنبر، فلما كانت خلافة عثمان -رضى الله عنه - وكثر الناس أمر عثمان -رضى الله عنه -بالأذان الثانى على الزوراء وهى المنارة (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ١، ص ١٥٢، كتاب الصلاة، فصل بيان محل وجوب الأذان)

ترجمہ: پھر جمعہ کے دن جو اذان معتبر ہے، وہ وہی اذان ہے، جو امام کے منبر پر خطبہ کے لیے چڑھنے کے وقت دی جاتی ہے، اور اسی اذان کی اجابت اور اس کا استماع واجب ہے، نہ کہ اس اذان کا، جو (امام کے منبر کے بیٹھنے کے وقت کے

بجائے، اس سے پہلے) مینارہ پر دی جاتی ہے، اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

اور حسن بن زیاد یہ فرماتے تھے کہ منارہ پر دی جانے والی اذان کا اعتبار ہے، کیونکہ اعلان اس کے ذریعہ سے واقع ہوتا ہے۔

لیکن صحیح قول اکثر علماء کا ہی ہے، جس کی دلیل سائب بن یزید کی یہ روایت ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کے دن اذان، منبر کے قریب ہی دی جاتی تھی، جو صرف ایک ہی اذان تھی، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا، اور لوگ زیادہ ہو گئے، اور انہوں نے اس اذان کو ''زوراء'' مقام میں شروع کر دیا، جس سے منارہ مراد ہے (بدائع الصنائع)

''بدائعُ الصنائع'' کا ایک اور حوالہ

علامہ کاسانی ''بدائعُ الصنائع'' میں ہی جمعہ کے باب میں فرماتے ہیں:

وكذا يكره البيع والشراء يوم الجمعة إذا صعد الإمام المنبر وأذن المؤذنون بين يديه لقوله تعالى (يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع) والأمر بترك البيع يكون نهيا عن مباشرته وأدنى درجات النهى الكراهة.

ولو باع يجوز؛ لأن الأمر بترك البيع ليس لعين البيع بل لترك استماع الخطبة (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۱، ص ۲۷۰، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، فصل بيان ما يستحب فى يوم الجمعة وما يكره فيه)

ترجمہ: اور اسی طرح جمعہ کے دن بیع و شراء اس وقت مکروہ ہے، جب امام خطبہ

کے لیے منبر پر چڑھ جائے، اور اس کے سامنے موذن اذان دے، اللہ تعالیٰ کے قول:

”یا أیھا الذین آمنوا إذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع“.

کی وجہ سے، اور بیع کو ترک کرنے کا حکم بیع میں مشغول ہونے کی ممانعت کو شامل ہوگا، اور ممانعت کا ادنیٰ درجہ مکروہ ہونا ہے، اور اگر کوئی اس وقت میں بیع کرے، تو وہ جائز ہے، کیونکہ ترکِ بیع کا حکم عینِ بیع کی وجہ سے نہیں، بلکہ استماعِ خطبہ کے ترک کرنے کی وجہ سے ہے (بدائع الصنائع)

علامہ کاسانی کی مذکورہ دونوں عبارات میں صاف تصریح ہے کہ صحیح قول اکثر و جمہور علماء کا ہے، جن کے نزدیک جمعہ کی وہ اذان ہی وجوبِ سعی اور ممانعتِ بیع وشراء کے لیے معتبر ہوتی ہے، جو امام کے خطبہ دینے کے لیے، بیٹھ جانے کے بعد منبر کے قریب دی جاتی ہے، اور سورہ جمعہ کی آیت میں یہی اذان مراد ہے، اور بیع کی ممانعت کی وجہ خطبہ سننے میں خلل کی وجہ سے ہے، ظاہر ہے کہ یہ خلل بھی اسی اذان سے وابستہ ہے، جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے۔

علامہ کاسانی نے اکثر وجمہور علماء کے صحیح قول کی وہی دلیل پیش فرمائی، جو دیگر جمہور فقہاء نے بیان فرمائی، اور اس کے مقابلے میں حسن بن زیاد کا قول پہلی اذان کے معتبر ہونے کا ذکر تو فرمایا، لیکن اس کو مرجوح قرار دیا۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ جمہور مجتہدین کے مقابلے میں حسن بن زیاد کے قول کو راجح قرار دینے کی نہ کوئی معقول دلیل ہے، اور نہ ہی ضرورت، بلکہ اس کی وجہ سے عامۃُ الناس کے علاوہ خواص کو بھی گناہ کا مرتکب ٹھہرانا لازم آتا ہے۔

اور بعض کتبِ فقہ وفتاویٰ میں جو مذکورہ قول کو صاحبِ بدائع کا قول قرار دے کر، اس کے

مقابلے میں بعض متاخرین مشائخِ حنفیہ کے قول کو مذہبِ حنفیہ کا قرار دیا گیا ہے، اور اس وجہ سے اس کو ترجیح دی گئی ہے، یہ تسامح در تسامح کے قبیل سے معلوم ہوا، جو نقل در نقل ہوتے ہوئے، مذکورہ متاخرین تک پہنچا، اور انہوں نے نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اسی کو مذہبِ حنفیہ کا راجح قول سمجھ کر ترجیح دی، لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح کے تسامحات کی اتباع کے بجائے، ان کی نشاندہی کرنا ہی اتباعِ حق کہلایا جایا کرتا ہے۔

’’الاختیار لتعلیل المختار‘‘ کا حوالہ

عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (المتوفی:683ہجری)’’الاختیــار لتـعـلیل المختـار ‘‘میں فرماتے ہیں:

(وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يديه الأذان الثاني) وهو الذى كان على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وأبى بكر وعمر .فلما كان زمن عثمان، وكثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا آخر يؤذن قبل جلوسه على المنبر، فإذا جلس أذن الأذان الثانى، فإذا نزل أقام، فالثانى هو المعتبر فى وجوب السعى وترك البيع. وقيل الأصح أنه الأول إذا وقع بعد الزوال لإطلاق قوله تعالى (إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة)

(الاختيار لتعليل المختار، ج ١، ص ٨٥، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور جب امام منبر پر خطبہ کے لیے چڑھ جائے، اور مؤذن اس کے سامنے دوسری اذان دے، جو کہ وہی اذان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں دی جاتی تھی، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، اور لوگ زیادہ ہوگئے، اور مکانات دور دور ہوگئے، تو ایک دوسرے

مؤذن کو زیادہ کیا، جو ان کے منبر پر بیٹھنے سے پہلے اذان دیا کرتا تھا، پھر جب وہ منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھ جاتے، تو دوسری اذان دی جاتی تھی، پھر جب منبر سے اتر جاتے تھے، تو اقامت کہی جاتی تھی۔

پس سعی کے واجب ہونے، اور بیع کے ترک ہونے میں دوسری اذان ہی معتبر ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ اصح قول پہلی اذان کا ہے، جب وہ زوال کے بعد واقع ہو، اللہ تعالیٰ کے قول ''إذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ'' کی وجہ سے (الاختیار)

مذکورہ عبارت میں راجح اسی قول کو قرار دیا گیا ہے، جو جمہور کا قول ہے، اور اس کے مقابلے میں پہلی اذان کے اصح ہونے کے قول کو ''قیل'' کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور دراصل جب پہلا قول ہی جمہور مجتہدین کا ہے، اور دلائل بھی اس کے ہی راجح ہیں، جس کو نصِ قرآنی اور اس کے شانِ نزول، اور مزید براں احادیث وروایات اور آثار سے تائید حاصل ہے، وہی راجح اور صحیح، واصح سب کچھ کہلائے جانے کا مستحق ہے، بھلا جس اذان پر محدَث، باطل وبدعت وغیرہ ہونے تک کا حکم لگایا گیا ہو، اور اس پر نکیر کی گئی ہو، اس کو نصِ قرآنی کا مصداق قرار دینا، اور جمہور کے معروف ومستند قول کو اس کے مقابلے میں دیگر کے غیر معروف قول کو اصح قرار دینا کیسے راجح ہوسکتا ہے۔

''عمدةُ القاری'' کا حوالہ

علامہ بدرُالدین عینی (المتوفیٰ:855ھ) نے صحیح بخاری کی شرح ''عمدةُ القاری'' میں فرمایا کہ:

''سورہ جمعہ کی آیت ''إذا نودی للصلاۃ'' میں نداء سے مراد وہ اذان ہے، جو امام کے خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، جس کی دلیل سائب بن

یزید کی روایت ہے۔

اور بیع صرف دوسری اذان کے وقت ہی حرام ہوتی ہے، زہری نے امام کے خروج کے وقت بیع کو حرام قرار دیا ہے، اور ضحاک نے زوالِ شمس کے وقت میں حرام قرار دیا ہے“۔انتہٰی۔ [1]

امام زہری کا قول پہلے گزر چکا ہے، ان ہی سے صحیح بخاری وغیرہ میں تیسری اذان کے اضافہ کی روایت مروی ہے۔

انہوں نے بھی پہلی اذان پر ہی بیع کے حرام ہونے کا حکم لگایا ہے، جو نمازِ جمعہ کے لیے خروجِ امام کے وقت ہی ہوتی ہے۔

---

[1] باب فرض الجمعة:أي: هذا باب في بيان فرض الجمعة، واستدل على ذلك بقوله.لقول الله تعالى”إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع ذالكم خير لكم إن كنتم تعلمون“.

قد قلنا إنه استدل على فرضية صلاة الجمعة بقوله تعالى: ”يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة“ الآية، ووقع ذكر الآية عند الأكثرين إلى قوله:”وذروا البيع“وفي رواية كريمة وأبي ذر، ساق جميع الآية .قوله:”إذا نودى للصلاة“ أراد بهذا النداء الأذان عند قعود الإمام على المنبر للخطبة، يدل على ذلك ما روى الزهرى عن السائب بن يزيد: (كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم مؤذن واحد لم يكن له مؤذن غيره، وكان إذا جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر أذن على المسجد، فإذا نزل أقام الصلاة، ثم كان أبو بكر، رضى الله تعالى عنه، كذلك وعمر، رضى الله تعالى عنه، كذلك حتى إذا كان عثمان، رضى الله تعالى عنه، وكثر الناس وتباعدت المنازل زاد أذانا، فأمر بالتأذين الأول على دار له بالسوق، يقال له: الزوراء، فكان يؤذن له عليها، فإذا جلس عثمان، رضى الله تعالى عنه، على المنبر أذن مؤذنه الأول، فإذا نزل أقام الصلاة فلم يعب ذلك عليه) .قوله: (من يوم) ، بيان: لإذا، وتفسير له .وقيل: من يوم الجمعة أي: في يوم الجمعة، كقوله تعالى:”أروني ماذا خلقوا من الأرض“أي: في الأرض قوله:”إلى ذكر الله“أي: إلى الصلاة، وعن سعيد بن المسيب: فاسعوا إلى ذكر الله إلى موعظة الإمام، وقيل إلى ذكر الله، إلى الخطبة والصلاة .قوله: (وذروا البيع) أي: اتركوا البيع والشراء، لأن البيع يتناول المعنيين جميعا، وإنما يحرم البيع عند الأذان الثاني، وقال الزهرى: عند خروج الإمام .وقال الضحاك: إذا زالت الشمس حرم البيع والشراء، وقيل: أراد الأمر بترك ما يذهل عن ذكر الله من شواغل الدنيا (عمدةُ القارى للعينى، ج٦ ص ١٦١،١٦٢، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)

’’عمدۃُ القاری‘‘ کا دوسرا حوالہ

علامہ بدرُالدین عینی نے صحیح بخاری کی شرح ’’عمدۃُ القاری‘‘ میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

وقد قلنا :إن وجوب السعی وحرمة البیع والشراء بالأذان الذی یؤذن بین یدی المنبر، لأنه هو الأصل، وبه قال الشافعی وأحمد وأكثر فقهاء الأمصار (عمدةُ القاری للعینی، ج٦ ص١٦٨، كتاب الجمعة، باب فضل الغسل یوم الجمعة وهل على الصبی شهود یوم الجمعة أو على النساء)

ترجمہ: اور ہمارا قول یہ ہے کہ سعی کا وجوب اور بیع وشراء کی حرمت اس اذان پر واجب ہوتی ہے، جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے، کیونکہ یہی اذان اصل ہے، امام شافعی، امام احمد اور اکثر فقہائے امصار کا بھی یہی قول ہے (عمدۃُ القاری)

مذکورہ عبارت میں ’’ہمارا قول‘‘ فرمایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ علامہ عینی بھی حنفیہ کا اصل قول یہی سمجھتے ہیں۔

’’عمدۃُ القاری‘‘ کا تیسرا حوالہ

علامہ بدرُالدین عینی نے صحیح بخاری کی شرح ’’عمدۃُ القاری‘‘ میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

وقال صاحب (الهداية) قیل: المعتبر فی وجوب السعی وحرمة البیع هو الأذان الأصلی الذی كان علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم بین یدی المنبر .قلت: هو مذهب الطحاوی، فإنه قال: هو المعتبر فی وجوب السعی إلی الجمعة علی المكلف، وفی حرمة البیع والشراء، وفی (فتاوی العتابی) : هو المختار، وبه قال الشافعی وأحمد وأكثر فقهاء الأمصار، ونص فی المرغینانی: أنه هو الصحیح .وقال ابن عمر: الأذان الأول بدعة، ذكره ابن أبی

شيبة فـي (مـصـنفه) عنه (عـمـدةُ الـقـارى للعينى، ج٦ص ٢٠٣، ٢٠٤، كتاب الجمعة، باب المشى إلى الجمعة وقول الله جل ذكره فاسعوا إلى ذكر الله)

ترجمہ: اور صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ کہا گیا ہے کہ سعی کے وجوب اور بیع کی حرمت میں، معتبر وہ اصلی اذان ہی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منبر کے قریب دی جاتی تھی، میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی کا بھی یہی مذہب ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ مکلّف پر جمعہ کی سعی کے وجوب میں اسی اذان کا اعتبار ہے، اور بیع وشراء کی حرمت میں بھی اسی کا اعتبار ہے، اور فتاویٰ ''الـعـتـابی ''میں اسی کو مختار قول قرار دیا گیا ہے، اور یہ امام شافعی، امام احمد اور اکثر فقہائے امصار کا قول ہے، اور الـمرغینانی میں اسی قول کے صحیح ہونے کی تصریح کی گئی ہے، اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلی اذان بدعت ہے، جس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے (عمدۃُ القاری)

علامہ عینی نے امام طحاوی کا جو مذہب قرار دیا، وہی حنفیہ کا اصل مذہب بھی ہے، جس کو بعض حنفیہ نے ''مختار'' بھی قرار دیا ہے۔

''البناية شرحُ الهداية'' کا حوالہ

علامہ بدرُالدین عینی نے ''البناية شرحُ الهداية'' میں فرمایا کہ:

''کہا گیا ہے کہ جمعہ کی سعی واجب ہونے، اور بیع کے حرام ہونے میں اسی دوسری اذان کا اعتبار ہے، کیونکہ اصلی اذان یہی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منبر کے قریب دی جاتی تھی، اس قول والوں میں امام طحاوی بھی داخل ہیں، اور فتاویٰ ''العتابی ''میں اسی قول کو مختار قرار دیا گیا ہے، امام شافعی، امام احمد اور اکثر فقہائے امصار کا یہی قول ہے، اور المرغينانی اور جوامع الفقه میں بھی اسی

قول کے صحیح ہونے کی تصریح کی گئی ہے‘‘۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ علامہ عینی کے نزدیک بھی دوسری اذان ہی ’’اصلی‘‘ ہے، اور اسی اذان کے معتبر ہونے کا قول راجح ہے اور اس قول کو ہی انہوں نے حنفیہ کا قول قرار دیا، اور اسی قول کے راجح ہونے کے دلائل ذکر کیے، اور اس قول کا بعض مشائخِ حنفیہ سے ’’مختار‘‘ اور ’’صحیح‘‘ ہونا بھی نقل کیا، یہاں تک کہ اکثر فقہائے امصار کا یہی قول ہونا بھی بیان فرمادیا۔ [2]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا حوالہ

برّصغیر کی معروف علمی شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ (المتوفٰی: 1176 ہجری) اپنی مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ’’مصفّٰی‘‘ میں فرماتے ہیں:

مسئلہ: مراد از نودی اذانِ ثانی است، زیرا کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و شیخین ہمی اذان بود کہ پیشِ خطیب می گویند، واذانِ اول در زمان حضرت عثمان

---

[1] (ولهذا قيل :هو المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع) ش :أي ولكن الأذان الأصلي الذي كان على عهد النبي -صلى الله عليه وسلم -بين يدي المنبر، قال بعضهم -وهو الطحاوي -هو المعتبر في وجوب السعي إلى الجمعة على المكلف، وفي حرمة البيع والشراء، وفي "فتاوى العتابي "هو المختار، وبه قال الشافعي وأحمد -رضي الله عنهما -وأكثر فقهاء الأمصار، ونص في المرغيناني و "جوامع الفقه "أنه هو الصحيح(البناية شرح الهداية، ج٣،ص ١٩١، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

[2] البيع ساعة الجمعة :أما البيع (ومثله الشراء ، لأنه إذا أمر بترك البيع فقد أمر بترك الشراء ، ولأن المشتري والبائع يطلق عليهما البيعان) فهو بعد الأذان الثاني حرام لقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع)وجمهور العلماء على أن البيع والشراء حرام من حين النداء ، وعلى أن المراد من النداء في الآية الأذان الذي بين يدي الخطيب، لأنه الأذان الأصلي الذي كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم قال الطحاوي :هو المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع .اهـ.(فتح المنعم شرح صحيح مسلم،لموسى شاهين لاشين، ج٤، ص٥٨، كتاب الجمعة،باب الاستعداد لصلاة الجمعة)

پیدا شدہ است، پس حالِ نزول آیت، دلالت می کند کہ مراد اذانِ ثانی است

(مصفّٰی، ج۱ص۱۵۷، باب السعی یوم الجمعۃ، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

ترجمہ: قرآن مجید میں مذکور ''نُوْدِیَ'' سے اذانِ ثانی مراد ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں یہی اذان تھی، جو کہ خطیب کے سامنے دی جاتی ہے، اور پہلی اذان کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اضافہ کیا گیا، پس آیت کے نازل ہونے کی حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے اذانِ ثانی مراد ہے (مصفّٰی)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا رجحان بھی جمہور کے قول کی طرف ہے۔

''مرقاۃُ المفاتیح'' کا حوالہ

ملاعلی قاری (المتوفیٰ: 1014ہجری) نے ''مشکاۃُ المصابیح'' کی شرح ''مرقاۃُ المفاتیح'' میں فرمایا کہ:

وقد قال علماؤنا : إنه إذا أذن الأول تركوا البيع، وسعوا لقوله تعالى: (إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع). قال الطحاوى: إنما يجب السعى وترك البيع إذا أذن الأذان والإمام على المنبر، لأنه الذى كان على عهده -عليه الصلاة والسلام -وزمن الشيخين وهو الأظهر، لكن قال غيره: هو الأذان على المنارة الآن الذى أحدث فى زمان عثمان. قال الشيمى: وهو الأصح، واختاره شمس الأئمة اهـ.

ولعلهم أخذوا بعموم لفظ الآية مع قطع النظر عن كونه بين يديه۔

صلى الله عليه وسلم۔أو نظرا إلى أن الواجب عليهم السعي، وترك الشغل المانع قبل أذان الخطبة ، لئلا يفوتهم شيء فقدروا الأذان الأول الذى يقع أول الوقت، ويؤيده الإجماع السكوتي، والله أعلم (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣،ص ١٠٤٢ ، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة)

ترجمہ: ہمارے (حنفی) علماء نے فرمایا کہ جب پہلی اذان دے دی جائے، تو لوگ خرید وفروخت کو ترک کردیں، اور سعی میں مشغول ہوجائیں، اللہ تعالیٰ کے سورہ جمعہ میں مذکور اس قول ''**إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع**'' کی وجہ سے۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ سعی اور ترکِ بیع اس وقت واجب ہے، جب وہ اذان دی جائے، جب امام منبر پر ہو، کیونکہ یہی اذان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ہوتی تھی، اور یہی زیادہ راجح قول ہے۔

لیکن دیگر حضرات نے فرمایا کہ جو اذان منارہ پر دی جاتی ہے، اور اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تھا، وہ معتبر ہے، شیمی نے اس کو اصح قول قرار دے دیا ہے، اور شمس الائمہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

اور شاید ان حضرات نے آیت کے لفظ کے عموم سے اس حکم کو لیا ہے، اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دی جاتی تھی، یا انہوں نے اس بات پر نظر کی کہ لوگوں پر سعی اور ایسی مشغولی کا ترک کرنا واجب ہے، جو مانع ہو، خطبہ کی اذان سے پہلے، تاکہ ان سے کوئی حصہ فوت نہ ہوجائے، جس کی بناء پر انہوں نے پہلی اذان کو مقدر مان لیا، جو پہلے وقت میں دی جاتی ہے، اور اس کی تائید اجماعِ سکوتی سے ہوتی ہے، **واللہ أعلم** (مرقاۃ المفاتیح)

شمس الائمہ کی اصل عبارت اس سلسلے میں آگے آتی ہے۔

متاخرین علمائے حنفیہ نے جو پہلی اذان پر سعی کو واجب قرار دیا ہے، یہ قول خود اصحابِ حنفیہ کے بھی خلاف ہے، اور جمہور فقہائے امصار کے بھی خلاف ہے، جس پر بعض حضرات نے اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے، لہٰذا متاخرین علمائے حنفیہ کا مذکورہ قول جمہور متقدمین کے خلاف اور دلائل کے لحاظ سے کمزور ہونے کی وجہ سے راجح قرار دیا جانا مشکل ہے۔

جہاں تک بعض مشائخِ حنفیہ کے پہلی اذان کو مذکورہ بالا عبارت کی علت کی وجہ سے مقدر ماننے کا تعلق ہے، تو اس علت کی تو عہدِ نبوی اور عہدِ خلفائے راشدین اولین کے دور میں بھی ضرورت تھی، اور اجماعِ سکوتی اس اذان کے اضافہ پر ہے، نہ کہ اس اذان پر منصوص احکام کے متعلق ہونے پر، بلکہ اس تعلق پر تو صاف نکیر وارد ہے، جمہور مجتہدین میں سے کسی نے بھی اس قول کو راجح قرار نہیں دیا، سوائے حسن بن زیاد کے، مگر اس کی سند بھی دستیاب نہیں۔

علامہ ابنِ حجر وغیرہ کے حوالہ سے یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ پہلی اذان کی مشروعیت، دوسری اذانوں پر قیاس کی وجہ سے ہے، اور دوسری اذانوں پر بیع حرام نہیں ہوتی، اور اس اذان کا مخصوص و منصوص وصف اسی اذان کے ساتھ برقرار ہے۔

لہٰذا منصوص و مخصوص حکم کو پہلی اذان کی طرف متعدی کرنا راجح نہیں۔

اور اگر اس اذان کے دوسری اذانوں پر قیاس کو درمیان سے نکال دیا جائے، تو پھر اس اذان کی مشروعیت کی کوئی دوسری معقول و مضبوط وجہ باقی نہیں رہ پاتی۔

’’العناية شرحُ الهداية‘‘ کا حوالہ

’’العناية شرحُ الهداية‘‘ میں ہے کہ:

والأذان الأول هو الذى حدث فى زمن عثمان -رضى الله عنه - على الزوراء، وكان الحسن بن زياد يقول :المعتبر هو الأذان

على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة وسماع الخطبة، وربما تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيدا من الجامع، وكان الطحاوى يقول :المعتبر هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام فإنه هو الأصل الذى كان للجمعة على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -، وكذلك فى عهد أبى بكر وعمر وهو اختيار شيخ الإسلام.

والأصح أن المعتبر فى وجوب السعى وكراهة البيع هو الأذان الأول إذا كان بعد الزوال لحصول الإعلام به مع ما ذكرنا فى قول الحسن آنفا وهو اختيار شمس الأئمة السرخسى (العناية شرح الهداية، ج۲،ص۶۸، ۶۹، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: پہلی اذان وہ ہے، جوحضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مقامِ زوراء پر شروع کی گئی،اورحسن بن زیاد یہ فرمایا کرتے تھے کہ منارہ پر دی جانے والی اذان کا اعتبار ہے، کیونکہ اگرمنبر کے قریب دی جانے والی اذان کا انتظار کیا جائے گا،تو سنتوں کی ادائیگی اور خطبہ کا سننا فوت ہوجائے گا،اور بعض اوقات جمعہ ہی فوت ہوجائے گا،جبکہ اس کا گھر جامع مسجد سے دور ہو،اورامام طحاوی یہ فرمایا کرتے تھے کہ امام کے نکلنے کے بعد منبر کے قریب دی جانے والی اذان کا اعتبار ہے، کیونکہ یہی اذان اصل ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمعہ کے لیے دی جاتی تھی،اوراسی طریقہ سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی دی جاتی تھی، شیخ الاسلام کا اختیار کردہ قول بھی یہی ہے۔

اوراصح قول جمعہ کی سعی واجب ہونے اور بیع کی کراہت میں یہ ہے کہ معتبر پہلی اذان ہے،جبکہ زوال کے بعد ہو، کیونکہ اعلان اس کی وجہ سے حاصل ہوجاتا ہے،

جس کے متعلق حسن کا قول ابھی ذکر کیا جاچکا ہے، شمس الائمہ سرخسی کا اختیار کردہ قول بھی یہی ہے (العنایہ)

شیخ الاسلام سے مراد خواہر زادہ ہیں، جن کی کتاب ''المبسوط الکبیر'' کے نام سے معروف ہے، جوکہ امام محمد کی ''المبسوط'' کی شرح ہے۔ [1]

ہمارے نزدیک شیخ الاسلام خواہر زادہ کا قول ہی راجح ہے، کیونکہ دلائل کے لحاظ سے راجح ہونے کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ اور دیگر اصحابِ حنفیہ کے قول کے موافق بھی یہی قول ہے، اور جمہور کا قول بھی یہی ہے، جس پر بعض حضرات نے اجماع و اتفاق کا حکم بھی لگایا ہے، اور اس کے شرعی و فقہی دلائل بھی نہایت قوی ہیں۔

اوراس کے مقابلہ میں دوسرے قول کی ترجیح راجح نہیں، اوراس پر عمل بھی بظاہر مشکل ہے، اور شاید کہیں بھی اس پر عمل نہ ہو۔

اور جہاں تک اعلان کے پہلی اذان سے حاصل ہونے کا تعلق ہے، تواس سے لازم نہیں آتا کہ مخصوص منصوص حکم بھی اس کے ساتھ وابستہ ہوجائے، اس کی مخصوص منصوصی حیثیت اپنی جگہ برقرار رہے گی، اسی وجہ سے پہلی اذان کے اضافہ کے بعد بھی مجتہدین نے اس کی مخصوص منصوصی حیثیت کو برقرار رکھا، جب مجتہدین کے نزدیک پہلی اذان سے اعلام حاصل تھا، لیکن انہوں اس منصوصی حکم کو پہلی اذان کے ساتھ وابستہ نہ کیا، تو پھران کے مقابلے میں کسی دوسری رائے کو کیسے راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔

اورآگے آتا ہے کہ اصل اعلام تو دوسری اذان سے ہی حاصل ہوتا ہے، اس پہلی اذان کا اعلام

---

[1] واعلم أن نسخ المبسوط المروی عن محمد متعددة، وأظهرها مبسوط أبی سلیمان الجوزجانی .وشرح المبسوط جماعة من المتأخرین مثل شیخ الإسلام بکر المعروف بخواهر زاده ویسمی المبسوط الکبیر وشمس الأئمة الحلوانی وغیرهما، ومبسوطاتهم شروح فی الحقیقة ذکروها مختلطة بمبسوط محمد کما فعل شراح الجامع الصغیر مثل فخر الإسلام وقاضی خان وغیرهم، فیقال ذکره قاضی خان فی الجامع الصغیر والمراد شرحه وکذا فی غیره(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱،ص ۷۰،مقدمة)

اس پر مزید اضافہ ہے، نیز پہلے گزر چکا ہے کہ پہلی اذان کا مقصود دخولِ وقت کا اعلان ہے، دوسری اذان کی طرح، لیکن جو حکم اس مخصوص اذان کا ہے، یعنی بیع وشراء اور اس کے مثل امور کا ممنوع ہونا، وہ دوسری اذانوں کی طرح اس اضافی اذان کو حاصل نہیں۔

''المحیطُ البرھانی'' کا حوالہ

ابوالمعالی برہان الدین ابنِ مازۃ بخاری حنفی (المتوفیٰ: 616ھ) ''المحیطُ البرھانی'' میں فرماتے ہیں کہ:

الأذان المعتبر الذی یجب السعی عنده، ویحرم البیع للأذان عند الخطبة لا للأذان قبله؛ لأن ذلک لم یکن فی زمن النبی علیه السلام، هکذا ذکر فی النوازل: وفی شرح الطحاوی وذکر شمس الأئمة الحلوانی رحمه الله وشمس الأئمة السرخسی رحمه اللّٰه: أن الصحیح أن المعتبر هو الأذان الأول بعد دخول الوقت، وبه کان یفتی الفقیه أبو القاسم البلخی رحمه الله، وقال الحسن بن زیاد: الأذان علی المنارة هو الأصل، قال صاحب شرح الطحاوی: الأذان قبل التطوع وعلی المنارة محدث، وزیادة إعلام لمصلحة الناس (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲، ص۹۳، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

ترجمہ: وہ اذان جس پر سعی واجب ہونے، اور بیع کے حرام ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے، خطبہ کے وقت دی جانے والی اذان ہے، نہ کہ وہ اذان، جو اس سے پہلے دی جاتی ہے، کیونکہ یہ اذان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی ''نوازل'' میں اسی طرح سے مذکور ہے، اور ''شرح الطحاوی'' میں بھی یہی بات مذکور

ہے، اور شمس الائمہ حلوانی اور شمس الائمہ سرخسی رحمہما اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وقت داخل ہونے کے بعد دی جانے والی پہلی اذان کا اعتبار ہے، فقیہ ابوالقاسم بلخی اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے، اور حسن بن زیاد نے فرمایا کہ مینارہ پر دی جانے والی اذان ہی اصل ہے۔

لیکن صاحبِ شرح الطحاوی نے فرمایا کہ تطوع سے قبل اور مینارہ پر دی جانے والی اذان بعد میں ایجاد کی گئی ہے، جو لوگوں کی مصلحت کے لیے اعلان کی زیادتی کی وجہ سے ہے (المحیط البرہانی)

مذکورہ عبارت میں تصریح ہے کہ پہلی اذان کا مقصد محض جمعہ وخطبۂ جمعہ کا اعلان واعلام نہیں، وہ تو دوسری اذان سے ہی حاصل ہوتا ہے، اس اذان سے اعلان واعلام کی زیادتی مقصود ہے، جس کو بعض نے دخولِ وقت کے اعلام و اعلان سے تعبیر کیا ہے، جس طرح دوسری عام نمازوں کے لیے اذان کے ذریعہ اعلام ہوتا ہے، لیکن اس اعلام سے بیع وشراء وغیرہ حرام نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہی حکم اس اذان کو دیا جاسکتا ہے، لیکن آیتِ جمعہ میں مذکور شریعت کا اصل منصوص ومخصوص حکم اسی اصل اذان کے ساتھ ہی وابستہ رہے گا، جو عہدِ نبوی میں اور اس آیت کے نزول کے وقت مصداق تھی، اس کو اپنے مخصوص مصداق سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

اور حلوانی وسرخسی کی ترجیح اصحابِ حنفیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مذہبِ حنفیہ میں راجح قرار دینا بھی راجح نہیں، اور دوسرے مذاہب، یعنی شافعیہ، مالکیہ وحنابلہ وغیرہ کی رو سے تو راجح ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں، جن کی تصریحات ماقبل میں گزر چکی ہیں۔

جبکہ مذکورہ عبارت میں حسن بن زیاد کے صرف مینارہ پر دیئے جانے والی اذان کے معتبر ہونے کی تصریح ہے، مزید تفصیل مذکور نہیں، اس لیے اس میں دوسرے احتمال کا بھی امکان ہے۔

’’الکافی فی الفروع‘‘ کا حوالہ

حاکم شہید نے’’الكافي في الفروع‘‘میں فرمایا کہ:

والأذان يوم الجمعة اذا ارتقى الإمام المنبر،اذن المؤذن ، واذا نزل اقام الصلاة بعد فراغه من الخطبة (الكافي في الفروع، الجزء الاول، ص ٢٠، كتاب الطهارة، باب صلاة الجمعة، قبل صلاة العيد، مخطوطة ، المكتبة الازهرية)

ترجمہ: اور جمعہ کے دن اذان اس وقت ہوگی، جب امام، منبر پر چڑھ جائے گا،تو مؤذن اذان دے گا،اور جب امام منبر سے اتر جائے گا،تو خطبہ سے فراغت کے بعد نماز کی اقامت ہوگی (الکافی)

ملاحظہ فرمایئے: حاکم شہید نے بھی امام محمد کی اتباع میں’’الكافي‘‘میں جمعہ کی ایک ہی اذان کا ذکر کیا ہے،جیسا کہ امام محمد،امام طحاوی اور دیگر متعدد متقدمینِ حنفیہ نے ذکر کیا ہے۔

اور مذکورہ کتاب میں جمعہ کی پہلی اذان کا ذکر نہیں پایا جاتا’’و من ادعىٰ فعليه البيان‘‘۔

’’المبسوط للسرخسی‘‘ کا حوالہ

ابوسہل محمد بن احمد سرخسی (المتوفیٰ:483ھ) نے بھی مذکورہ کتاب کی شرح’’المبسوط‘‘ میں’’بابُ الجمعة‘‘کے ذیل میں حاکم شہید کی مذکورہ عبارت اور اس کی شرح کی ہے، چنانچہ ان کی اس سلسلے میں عبارت یہ ہے کہ:

(قال :والأذان إذا صعد الإمام المنبر فإذا نزل أقام الصلاة بعد فراغه من الخطبة)

هكذا كان على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم - والخليفتين من بعده إلى أن أحدث الناس الأذان على الزوراء على

عهد عثمان -رضي الله عنه -وقد بينا ذلک في باب الأذان(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي، ج٢،ص ٣١، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

ترجمہ: فرمایا کہ اذان، جب ہوگی، جب امام، منبر پر چڑھ جائے، پھر جب اتر جائے، تو اس کے خطبہ سے فراغت کے بعد اقامت ہوگی، اسی طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور آپ کے بعد دو خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا کرتی تھی، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں نے ''زوراء'' کے مقام پر اذان کو ایجاد کیا، اور ہم اس کو باب الاذان میں بیان کر چکے ہیں (المبسوط)

ہمیں مذکورہ عبارت سے اتفاق ہے۔

امام محمد، امام طحاوی، ابوبکر جصاص، علامہ سمرقندی، صاحبِ بدائع وغیرہ کی تصریحات بھی اس کے ہی موافق ہیں، جن کی رُو سے جمعہ کی اصل و مخصوص اذان دوسری ہی ہے، اور وہی بیع کو ممنوع قرار دیتی ہے۔

اور پہلی اذان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ دوسری فرض نمازوں کی اذانوں کی طرح دخولِ وقت کے اعلان کی ہے، جس سے ممانعتِ بیع وغیرہ کا تعلق نہیں، اسی لیے امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب نے اس اذان کے الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ جو اذان جمعہ و خطبۂ جمعہ کے لیے مخصوص و منصوص حکم کا درجہ رکھتی تھی، اس کا ذکر فرما دیا۔

''المبسوط للسرخسی'' کا ایک اور حوالہ

البتہ ابوسہل محمد بن احمد سرخسی نے ''المبسوط'' ہی کے ''بابُ الاذان'' کے ضمن میں اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے، وہ مذکورہ عبارت سے مختلف ہے، جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

فأما الجمعة يؤذن لها ويقام لأنها فرض مكتوب والأذان له منصوص فى القرآن قال الله تعالى ”إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة“واختلفوا فى الأذان الذى يحرم عنده البيع ويجب السعى إلى الجمعة فكان الطحاوى يقول هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام فإنه هو الأصل الذى كان للجمعة على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لما روى عن السائب بن يزيد قال كان الأذان للجمعة على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -حين يخرج فيستوى على المنبر وهكذا فى عهد أبى بكر وعمر -رضى الله تعالى عنهما - ثم أحدث الناس الأذان على الزوراء فى عهد عثمان .

فكان الحسن بن زياد يقول المعتبر هو الأذان على المنارة لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر يفوته أداء السنة وسماع الخطبة وربما تفوته الجمعة إذا كان بيته بعيدا عن الجامع .

والأصح أن كل أذان يكون قبل زوال الشمس فذلك غير معتبر والمعتبر أول الأذان بعد زوال الشمس سواء كان على المنبر أو على الزوراء (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج ۱ ،ص ۱۳۴ ، كتاب الصلاة، باب الأذان)

ترجمہ: اور جمعہ کے لیے اذان بھی دی جائے گی، اور اقامت بھی کہی جائے گی، کیونکہ جمعہ کی نماز ایک مستقل فریضہ ہے، اور اس کے لیے اذان کا قرآن مجید میں صاف ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة“ اور اس اذان کے بارے میں اختلاف ہے، جس پر بیع حرام ہوجاتی

ہے، اور جمعہ کی سعی واجب ہو جاتی ہے، امام طحاوی کا یہ قول ہے کہ وہ امام کے نکلنے کے بعد منبر کے قریب دی جانے والی اذان ہے، کیونکہ یہی اذان اصلی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کے لیے دی جایا کرتی تھی، جیسا کہ سائب بن یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے تھے، اور منبر پر بیٹھ جایا کرتے تھے، اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی اسی کے مطابق عمل تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ''زوراء'' کے مقام پر ایک اور اذان شروع کی گئی۔

اور حسن بن زیاد یہ فرمایا کرتے تھے کہ مینارہ پر دی جانے والی اذان کا اعتبار ہے، کیونکہ اگر منبر کے قریب والی اذان کا اعتبار کیا جائے گا، تو سنت کی ادائیگی اور خطبہ کا سماع فوت ہو جائے گا، اور بسا اوقات جمعہ ہی فوت ہو جائے گا، جبکہ اس کا گھر جامع مسجد سے دور ہو۔

اور اصح قول یہ ہے کہ ہر وہ اذان، جو زوالِ شمس سے پہلے ہو، اس کا اعتبار نہیں، البتہ جو اذان، زوالِ شمس کے بعد دی جائے، اس کا اعتبار ہے، خواہ وہ منبر پر ہو، یا ''زوراء'' مقام پر ہو (المبسوط)

ابوسہل محمد بن احمد سرخسی نے جو کچھ اس موقع پر فرمایا، وہ ''**بابُ الجمعة** ''میں جو فرمایا، اس سے مختلف ہے، اور یہ ان کی اپنی تشریح وتوضیح ہے، امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب سے ''مینارہ'' یا ''زوراء'' والی اذان پر بیع حرام ہونے، اور جمعہ کی سعی واجب ہونے کی تصریح نہیں ملتی، بلکہ امام طحاوی کا جو قول ہے، اسی کی تصریح ملتی ہے، وہی حنفیہ کی ظاہر الروایت بھی ہے، جیسا کہ پیچھے باحوالہ ذکر کیا جا چکا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام طحاوی کا جو قول ہے، وہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد وغیرہ کا قول ہے، اس کو صرف امام طحاوی کا قول سمجھنا

بظاہر تسامح پر مبنی ہے، وہ تو اس قول کے محض ناقل وشارح ہیں۔
اور جہاں تک حسن بن زیاد کے قول کا تعلق ہے، تو یہ ان کا اپنا قول ہے، مذکورہ عبارت میں بھی حسن بن زیاد کا ہی قول ذکر کیا گیا ہے، امام ابوحنیفہ سے مروی روایت کا اس میں بھی ذکر نہیں، بعد کے بعض حضرات کو یہ تسامح بھی ہوا کہ انہوں نے حسن بن زیاد کے قول کو امام ابوحنیفہ سے مروی روایت سمجھ لیا۔
جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ''منبر کے قریب دی جانے والی اذان کا اعتبار کرنے کی صورت میں، سنت کی ادائیگی اور خطبہ کا سماع، فوت ہو جائے گا، اور بسا اوقات جمعہ ہی فوت ہو جائے گا، جبکہ اس کا گھر جامع مسجد سے دور ہو''
تو یہ شبہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دو خلفائے راشدین کے مبارک عہد پر بھی وارد ہوتا ہے، جبکہ پہلی اذان کا وجود ہی نہیں تھا، اور جمعہ کا قیام بھی متعدد مقامات پر نہیں ہوتا تھا، اور اس زمانے میں دور دراز، بلکہ گاؤں دیہات سے بھی لوگ جمعہ میں شرکت کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ مِنَ الْعَوَالِي (مسلم، رقم الحديث ٨٤٧ "٦" كتاب الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال، وبيان ما أمروا به)

ترجمہ: لوگ اپنے گاؤں، دیہات کے گھروں سے، جمعہ کے لیے باری باری حاضر ہوا کرتے تھے (مسلم)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دو خلفائے راشدین کے مبارک زمانے کے بارے میں مذکورہ باتوں کا جو جواب دیا جائے گا، وہی جواب پہلی اذان ایجاد ہونے کے بعد کے لیے بھی معتبر ہوگا۔
اور اس طرح اس پر دوسرے قول کے اصح ہونے کی تفریع کرنا بھی درست قرار نہ پائے گا۔
یہی وجہ ہے کہ علامہ ابنِ ہمام نے ''الهداية'' کی شرح ''فتحُ القدير'' میں فرمایا کہ:

’’جس شخص کا یہ گمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان سے فراغت کے بعد لوگ سنتیں پڑھا کرتے تھے، تو یہ شخص اجہلُ الناس ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آمد کے بعد، منبر پر تشریف فرما ہوتے ہی فوراً خطبہ سے پہلے کی اذان دی جاتی تھی، اور اس اذان کے بعد نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور نہ ہی صحابۂ کرام سے سنن ونوافل کا ثبوت ملتا۔

ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اس اذان سے پہلے ہی گھروں وغیرہ میں سنن ونوافل پڑھ لیتے ہوں، کیونکہ انہیں زوال اور مؤذن کے اذان دینے کا وقت معلوم تھا‘‘۔انتہٰی۔ [1]

نیز جمعہ سے پہلے دو، یا چار رکعتوں کے سنت ہونے، اور ان سنتوں کے ترک کی گنجائش ہونے کا مسئلہ بھی مختَلَف فیہ ومجتہَد فیہ ہے، بلکہ خود جمعہ کے دن زوال کے وقت تطوع کی کراہت بھی مختلف ومجتہد فیہ ہے۔ [2]

---

[1] وقد تعلق بما ذكرنا من أنه لم يكن على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إلا هذا الأذان بعض من نفى أن للجمعة سنة، فإنه من المعلوم أنه كان -صلى الله عليه وسلم -إذا رقى المنبر أخذ بلال فى الأذان فإذا أكمله أخذ -صلى الله عليه وسلم -فى الخطبة، فمتى كانوا يصلون السنة؟ ومن ظن أنهم إذا فرغ من الأذان قاموا فركعوا فهو من أجهل الناس، وهذا مدفوع بأن خروجه -صلى الله عليه وسلم -كان بعد الزوال بالضرورة فيجوز كونه بعدما كان يصلى الأربع، ويجب الحكم بوقوع هذا المجوز لما قدمناه فى باب النوافل من عموم أنه كان -صلى الله عليه وسلم -يصلى إذا زالت الشمس أربعا يقول :هذه ساعة تفتح فيها أبواب السماء فأحب أن يصعد لى فيها عمل صالح .

وكذا يجب فى حقهم؛ لأنهم أيضا يعلمون الزوال، إذ لا فرق بينهم وبين المؤذن فى ذلك الزمان؛ لأن اعتماده فى دخول الوقت اعتمادهم(فتح القدير،لابن الهمام، ج۲،ص ۶۹، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

[2] قال الحنفية والشافعية :تسن الصلاة قبل الجمعة وبعدها، فعند الحنفية :سنة الجمعة القبلية أربع، والسنة البعدية أربع كذلك، وقال الشافعية :أقل السنة ركعتان قبلها وركعتان بعدها، والأكمل أربع قبلها وأربع بعدها، لقوله صلى الله عليه وسلم :من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل أربعا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان سب امور میں مجتہدین کی آراء مختلف ہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال المالكية والحنابلة :يصلى قبلها دون التقييد بعدد معين، على أن أكثر من قال بصلاة السنة يوم الجمعة حملها على تحية المسجد، ومن كره صلاة السنة يوم الجمعة كرهها لأنها توافق وقت الاستواء غالبا، لكن لو تقدمت أو تأخرت بعد ذلك فلا شيء فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۲۷۸، و ۲۷۹، مادة "السنن الرواتب" ، سنة الجمعة)

و كذلك قد ثبت أن أصحابه كانوا يصلون بين أذاني المغرب وهو يراهم فلا ينهاهم ولا يأمرهم ولا يفعل هو ذلك .فدل على أن ذلك فعل جائز.

وقد احتج بعض الناس على الصلاة قبل الجمعة بقوله " بين كل أذانين صلاة" وعارضه غيره فقال: الأذان الذى على المنائر لم يكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن عثمان أمر به لما كثر الناس على عهده ولم يكن يبلغهم الأذان حين خروجه وقعوده على المنبر"

ويتوجه أن يقال هذا الأذان لما سنه عثمان واتفق المسلمون عليه صار أذانا شرعيا وحينئذ فتكون الصلاة بينه وبين الأذان الثانى جائزة حسنة ، وليست سنة راتبة كالصلاة قبل صلاة المغرب . وحينئذ فمن فعل ذلك لم ينكر عليه ومن ترك ذلك لم ينكر عليه .وهذا أعدل الأقوال وكلام الإمام أحمد يدل عليه .وحينئذ فقد يكون تركها أفضل إذا كان الجهال يظنون أن هذه سنة راتبة أو أنها واجبة فتترك حتى يعرف الناس أنها ليست سنة راتبة .ولا واجبة .لا سيما إذا داوم الناس عليها فينبغى تركها أحيانا حتى لا تشبه الفرض(مجموع الفتاوىٰ لابنِ تيمية، ج۲۴ص۱۹۳، ۱۹۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(منها) جواز الصلاة حال استواء الشمس يوم الجمعة والكلام قبل الخطبة وبعدها قبل الصلاة والتنفل ما لم يقعد الإمام على المنبر وانقطاع النافلة بجلوسه على المنبر قبل شروعه فى الاذان وجوز الكلام حال الأذان وقول المصنف فلا يجوز أن يشتغل عنه بالتنفل معناه يكره الاشتغال عنه بالتنفل وليس المراد تحريمه(المجموع شرح المهذب،ج۴،ص۵۵۰، ۵۵۱، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

صلاة الظهر لا يجوز أداؤها قبل زوال الشمس إلا صلاة الجمعة والنوافل فى يومها، فإنها تجوز عند بعض الأئمة قبل زوال الشمس، وكذلك النوافل عند أبى يوسف، قال فى "شرح المنية :"وروى عن أبى يوسف، وهى الرواية المشهورة عنه :أنه جوز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة، أى من غير كراهة(بذل المجهود فى حل سنن أبى داود، ج۵،ص ۳۴۶، كتاب الصلاة ،باب الجمع بين الصلاتين)

۱ واعلم؛ أن التطوع بالصلاة يوم الجمعة قبل الجمعة له أربعة أوقات:

أحدها :ما قبل طلوع الشمس لمن بكر إلى الجمعة حينئذ، فهذا الوقت وقت نهى عن التطوع فيه بما لا سبب له، وماله سبب كتحية المسجد فيه اختلاف، سبق ذكره فى ذكر أوقات النهى .

إلا من يقول :إن يوم الجمعة كله صلاة ليس فيه وقت ينهى عن الصلاة فيه بالكلية، كما هو ظاهر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جمعہ کی سعی کے وجوب اور حرمتِ بیع جیسے اہم اور منصوص مسئلے کو، ایسی مختلف فیہ علل کے تابع کرنا راجح معلوم نہ ہوسکا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كلام طاوس؛ فإنه قال :يوم الجمعة كله صلاة.
وقد قيل :إنه إنما أراد به وقت استواء الشمس خاصة.
والثانى :ما بين ارتفاع الشمس واستوائها، فيستحب التطوع فيه بما أمكن، وخصوصا لمن بكر إلى الجمعة.
والثالث :وقت استواء الشمس وقيامها فى وسط السماء .
وقد اختلفوا :هل هو وقت نهى عن الصلاة فى يوم الجمعة، أم لا؟
فمنهم من قال :هو وقت نهى، كأبى حنيفة وأحمد.
ومنهم من قال :ليس بوقت نهى، وهو مذهب مكحول والأوزاعى والشافعى.
ومن أصحابه من خصه بمن حضر الجمعة دون من هو فى بيته .ومنهم من خصه بمن بكر إلى الجمعة، وغلبه النعاس.
ومنهم من قال :هو وقت نهى يوم الجمعة فى الصيف دون الشتاء ، وهو قول عطاء وقتادة.
ومنهم من لم يره وقت نهى فى جميع الأيام، كمالک.
وقد سبق الكلام عليه فى ذكر أوقات النهى.
والرابع :بعد زوال الشمس، وقبل خروج الإمام، فهذا الوقت يستحب الصلاة فيه بغير خلاف نعلمه بين العلماء سلفا وخلفا، ولم يقل أحد من المسلمين :إنه يكره الصلاة يوم الجمعة، بل القول بذلک خرق لإجماع المسلمين، إنما اختلفوا فى وقت قيام الشمس، كما سبق.
قال مالک :لا أكره الصلاة نصف النهار فى جمعة ولا غيرها.
وقد روى فى "الموطأ "حديثا مرفوعا فى النهى عنه، ثم تركه؛ لأنه رأى عمل العلماء وأهل الفضل على خلافه.
فأما الصلاة بعد زوال الشمس، فلم يزل عمل المسلمين على فعله.
وقد ذكر مالک فى "الموطأ "عن الزهرى، عن ثعلبة بن أبى مالک القرظى، أنهم كانوا فى زمن عمر بن الخطاب يصلون حتى يخرج عمر ويجلس على المنبر، فإذا خرج عمر وجلس على المنبر وأذن المؤذنون جلسوا يتحدثون، فإذا اسكت المؤذن وقام عمر سكتوا ولم يتكلم أحد.
وهذا تصريح باستمرارهم فى الصلاة إلى ما بعد زوال الشمس، وهو مما يستدل به على الصلاة وقت استواء الشمس وقيامها يوم الجمعة.
وقد وردت آثار آخر، تدل على أنهم كانوا يتركون الصلاة وقت قيام الشمس يوم الجمعة، فإذا زالت قاموا إلى الصلاة.
وروى الأثرم بإسناده، عن عمرو بن سعيد بن العاص، قال :كنت أبقى -يعنى :أنتظر -أصحاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک جامع مسجد سے گھر کے دور ہونے کی صورت میں جمعہ فوت ہونے کی علت کا تعلق ہے، تو اگر کسی شخص پر جمعہ واجب ہو، لیکن وہ دور ہونے کی وجہ سے پہلی اذان پر سعی کے باوجود بھی جمعہ کو نہ پا سکتا ہو، بلکہ اسی صورت میں جمعہ کو پا سکتا ہو، جبکہ اس اذان سے پہلے جمعہ کی سعی کرے، تو اس پر تو پہلی اذان سے قبل ہی سعی واجب ہو جائے گی، اس کو پہلی اذان کا انتظار کرنا بھی درست نہ ہوگا، کیونکہ واجب نہ ہونے کی صورت میں یہ شخص بھی مدرکِ جمعہ نہیں ہوگا، جس کے لیے جمعہ کی سعی کو واجب کیا گیا ہے، اور یہ وجوب لغیرہٖ ہے، نہ کہ لعینہٖ۔

چنانچہ قاضی عیاض (المتوفیٰ: 544ھ) نے صحیح مسلم کی شرح میں فرمایا کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رسول الله -صلى الله عليه وسلم-، فإذا زالت الشمس قاموا فصلوا أربعا.

وبإسناده، عن أبي بكر بن عياش، قال: كنا نكون مع حبيب بن أبي ثابت في الجمعة، فيقول: أزالت الشمس بعد، ويلتفت فينتظر، فإذا زالت الشمس، قام فصلى الأربع قبل الجمعة.

وبإسناده، عن حماد بن زيد، قال: كنت أمر بابن عون يوم الجمعة، فنمضي إلى الجمعة، فيقول لي: الشمس عندكم أبين منها عندنا، فنرى الشمس زالت.

قال حماد: كأنه يكره الصلاة حتى تزول الشمس.

وقال إسحاق بن إبراهيم بن هانء في "مسائله للإمام أحمد": "رأيت أبا عبد الله -يعني: أحمد- إذا كان يوم الجمعة يصلي إلى أن يعلم أن الشمس قد قاربت أن تزول، فإذا قاربت أمسك عن الصلاة حتى يؤذن المؤذن، فإذا أخذ في الأذان قام فصلى ركعتين أو أربعا، يفصل بينها بالسلام.

وقال -أيضا-: رأيت أبا عبد الله إذا أذن المؤذن يوم الجمعة صلى ركعتين، وربما صلى أربعا على خفة الأذان وطوله.

ومما يدل على استحباب الصلاة في هذا الوقت يوم الجمعة: أنه وقت يرجى فيه ساعة الإجابة، فالمصلي فيه يدخل في قوله -صلى الله عليه وسلم-: "لا يوافقها عبد قائم يصلي، يسأل الله شيئا، إلا أعطاه."

وقد اختلف في الصلاة قبل الجمعة: هل هي من السنن الرواتب كسنة الظهر قبلها، أم هي مستحبة مرغب فيها كالصلاة قبل العصر؟

وأكثر العلماء على أنها سنة راتبة، منهم: الأوزاعي والثوري وأبو حنيفة وأصحابه، وهو ظاهر كلام أحمد، وقد ذكره القاضي أبو يعلى في "شرح المذهب" وابن عقيل، وهو الصحيح عند أصحاب الشافعي.

وقال كثير من متأخري أصحابنا: ليست سنة راتبة، بل مستحبة(فتح الباري شرح صحيح البخاري لابنِ رجب، ج٨،ص ٣٣٠ الیٰ ٣٣٣، كتاب الجمعة،باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها)

''اس بارے میں اختلاف نہیں کہ جو شخص دور ہو، اور اذان کے انتظار میں اس کا جمعہ فوت ہو جائے، اس پر جمعہ پا لینے کے بقدر پہلے ہی سعی واجب ہو جاتی ہے'' [1]

اسی طرح کا مضمون پہلے بھی کئی عبارات کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع وغیرہ کی ممانعت، ترکِ سعی کی وجہ سے ''لغیرہٖ'' ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی فکر کی جا رہی ہے، اور اس کو بطورِ علت پیش کیا جا رہا ہے، اس پر فقہاء پہلے ہی کلام فرما چکے ہیں۔

علاوہ ازیں جب امام کے منبر پر خطبۂ جمعہ کے لیے بیٹھنے کے بعد دی جانے والی اذان کے ہی

---

[1] وقد اختلف أصحابنا متى يجب السعي إليها؟ هل بالنداء أو بالزوال أو بمقدار ما يأتى المسجد قبل الشروع فى الخطبة؟ والخلاف فى ذلک مبنى على :هل يلزم الحضور لسماع الخطبة، ومن شرطها الجماعة؟ وهو المتأول على المدونة، أو ليس ذلک بشرط؟ وهو قول أبى حنيفة وظاهر قول جماعة من أصحابنا، ولا خلاف أن من بعدت داره فى المصر حتى لو جاء عند الأذان فاتته الصلاة أنه لا ينتظر الأذان، وعليه السعي قبل المقدار ما يدرک الخطبة أو الصلاة، على القولين المتقدمين(إكمال المعلم بفوائد مسلم، ج٣، ص ٢٣٤، كتاب الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال وبيان ما أمروا به)

[2] (ومنها) البيع وقت النداء وهو أذان الجمعة لقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع) أمر بترک البيع عند النداء نهيا عن البيع لكن لغيره وهو ترک السعى فكان البيع فى ذاته مشروعا جائزا لكنه يكره؛ لأنه اتصل به غير مشروع وهو ترک السعى(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج٥، ص ٢٣٢، كتاب البيوع، فصل فى صفة البيع الذى يحصل به التفريق)

فإن النهى عنه فى قوله تعالى }وذروا البيع] {الجمعة: [9 لغيره (لترک السعى) أى للإخلال بالسعى الواجب إلى الجمعة وهو أمر مجاور للبيع قابل للانفكاک عنه فإن البيع يوجد بدون الإخلال بالسعى بأن يتبايعا فى الطريق ذاهبين إليها، والإخلال بالسعى يوجد بدون البيع بأن يمكثا فى الطريق من غير بيع(التقرير والتحرير على تحرير الكمال بن الهمام، لابن أمير الحاج، ج ١، ص ٣٣٠، اقسام اللفظ المفرد، الفصل الرابع فى المفرد باعتبار مدلوله، التقسيم الثالث تقسيم اللفظ بحسب اللغة والصيغة، البحث الخامس يرد على العام التخصيص، مسألة إذا تعلق النهى بالفعل)

اصلی اذان ہونے کی تصریح موجود ہے، اور اسی اذان کے متعلق قرآن مجید کی وہ آیت نازل ہوئی تھی، جس میں ''سعی الی الجمعة'' کے وجوب، اور ترکِ بیع کا حکم ہے، تو پھر اس مخصوص حکم کو غیر اصلی اور غیر منصوص اذان کی طرف منسوب کرنا کیسے درست قرار پا سکتا ہے۔

یہ منصوص حکم اسی اذان کے ساتھ، خاص ہوگا جو امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، اور جب تک امام، خطبہ کے لیے منبر پر نہ بیٹھا ہو، اس وقت تک جمعہ کی یہ اصل اذان مشروع ہی نہیں ہے، پھر کسی دوسری اذان پر یہ منصوص حکم کیسے معلق کیا جا سکتا ہے۔

اور چونکہ بعد کے اکثر مشائخِ حنفیہ نے مذکورہ قول کی ہی پیروی کی ہے، اور پھر اردو کتبِ فقہ وفتاویٰ میں بھی عام طور پر نقل در نقل اسی کی اتباع کی جاتی رہی ہے، اس لیے ان کی تعداد زیادہ ہونے سے مسئلہ ھٰذا پر کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔

ہم نے صاحبِ ہدایہ سمیت بہت سے متاخرین مشائخِ حنفیہ کی طرف سے نقل کردہ متعدد مسائل کو ملاحظہ کیا کہ ان میں علامہ محمد بن احمد سرخسی کی پیروی کی گئی ہے، جبکہ علامہ موصوف نے اس کتاب کے بڑے حصہ کو محبوس ہونے کی حالت میں فاصلہ پر بیٹھے لوگوں کو املاء کرایا ہے۔ [1]

---

[1] محمد بن أحمد بن أبى سهل أبو بكر السرخسى تكرر ذكره فى الهداية الإمام الكبير شمس الأئمة صاحب المبسوط وغيره أحد الفحول الأئمة الكبار أصحاب الفنون كان إماما علامة حجة متكلما فقيها أصوليا مناظرا لزم الإمام شمس الأئمة أبا محمد عبد العزيز الحلوانى حتى تخرج به وصار أنظر أهل زمانه وأخذ فى التصنيف وناظر الأقران فظهر اسمه وشاع خبره أملأ المبسوط نحو خسمة عشر مجلدا وهو فى السجن بأوزجند محبوس(الجواهر المضية فى طبقات الحنفية،لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القرشي، أبو محمد، محيي الدين الحنفى ، ج۲ ص۲۸، حرف الميم، تحت رقم الترجمة ۸۵)

صنف رحمه الله كتاب المبسوط (وهو كتابنا هذا) فى الفقه ، فى نحو خمسة عشر مجلدا املاءً من خاطره من غير مطالعة كتاب ولا مراجعة تعليق، بل كان محبوسا فى الجب بسبب كلمة نصح بها، وكان يملى على الطلبة من الجب، وهم على أعلى الجب يكتبون ما يملى عليهم (المبسوط للسرخسى، ج ۱ ص۴۸، مقدمة التحقيق ، للكتور كمال عبدالعظيم العنانى"استاذ بكلية الشريعة ، جامعة الازهر، القاهرة، مطبوعة : دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ 2001ء)

جس کی وجہ سے اس کتاب میں متعدد تسامحات پائے جاتے ہیں، جن کی نشاندہی امام محمد اور دیگر اصحابِ حنفیہ کی کتب اور ان کی تصریحات کا تقابل کرنے سے بخوبی ہوسکتی ہے۔

نیز اس کتاب میں انہوں نے بعض مسائل کا اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا ہے۔ [1]

اس لیے محض مذکورہ کتاب میں مذکورہ، کسی مسئلہ، یا اس کی تعلیل کو حنفیہ یا اصحابِ حنفیہ کے اصل، یا راجح مذہب قرار دینے کا فیصلہ کرنا اس وقت تک مناسب نہیں، جب تک اس کے مؤیدات حاصل نہ ہوجائیں۔

پہلے زمانہ میں امام محمد اور اصحابِ حنفیہ کی متعدد کتب، نایاب تھیں، جس کی وجہ سے بہت سے اکابر علماء کی رسائی ان کے اصل مراجع تک نہیں ہوسکی، اور اس بناء پر ان کو معذور قرار دیا جانا ممکن ہے، لیکن اب جب کہ موجودہ دور میں اس طرح کی بیشتر کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں، اور بہت سے اہلِ علم حضرات کے کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں، ایسے وقت میں اس قسم کے

---

[1] (ومن) فرغ نفسه لتصنيف ما فرعه أبو حنيفة – رحمه الله – محمد بن الحسن الشيبانى – رحمه الله – فإنه جمع المبسوط لترغيب المتعلمين والتيسير عليهم ببسط الألفاظ وتكرار المسائل فى الكتب ليحفظوها شائوا أو أبوا.

إلى أن رأى الحاكم الشهيد أبو الفضل محمد بن أحمد المروزى – رحمه الله – إعراضا من بعض المتعلمين عن قرائة المبسوط لبسط فى الألفاظ وتكرار فى المسائل فرأى الصواب فى تأليف المختصر بذكر معانى كتب محمد بن الحسن – رحمه الله – المبسوطة فيه وحذف المكرر من مسائله ترغيبا للمقتبسين ونعم ما صنع .

(قال الشيخ الإمام) – رحمه الله تعالى – ثم إنى رأيت فى زمانى بعض الإعراض عن الفقه من الطالبين لأسباب: فمنها قصور الهمم لبعضهم حتى اكتفوا بالخلافيات من المسائل الطوال، ومنها ترك النصيحة من بعض المدرسين بالتطويل عليهم بالنكات الطردية التى لا فقه تحتها، ومنها تطويل بعض المتكلمين بذكر ألفاظ الفلاسفة فى شرح معانى الفقه وخلط حدود كلامهم بها .

(فرأيت) الصواب فى تأليف شرح المختصر لا أزيد على المعنى المؤثر فى بيان كل مسألة اكتفاء بما هو المعتمد فى كل باب.

وقد انضم إلى ذلك سؤال بعض الخواص من زمن حبسى، حين ساعدونى لأنسى، أن أملى عليهم ذلك فأجبتهم إليه .

(وأسأل) الله – تعالى – التوفيق للصواب، والعصمة عن الخطأ وما يوجب العقاب، وأن يجعل ما نويت فيما أمليت سببا لخلاصى فى الدنيا ونجاتى فى الآخرة إنه قريب مجيب(المبسوط للسرخسى، ج ۱ ص ۳،۴، خطبة الكتاب)

مسائل کی تحقیق کے وقت اہلِ علم حضرات کا ان کی طرف رجوع نہ کرنا، قابلِ افسوس بات ہے۔

’’الفتاویٰ التاتار خانیة‘‘ کا حوالہ

علامہ اندریتی دہلوی (المتوفیٰ: 786ہجری) ’’الفتاویٰ التاتار خانیة‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

’’الأذان المعتبر الذی یجب السعی عنده و یحرم البیع الأذان عند الخطبة لا الأذان قبله ، لأن ذالک لم یکن فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم ، وذکر شمس الأئمة الحلوانی وشمس الأئمة السرخسی أن الصحیح المعتبر هو الأذان الأول بعد دخول الوقت‘‘ (الفتاوی التاتار خانیة ، ج : ۲ ص : ۸۱ ، کتاب الصلاۃ ، الفصل الخامس والعشرون فی صلاۃ الجمعة ، نوع آخر من هذا الفصل فی المتفرقات)

ترجمہ: جس اذان کے وقت سعی واجب ہونے اور بیع کے حرام ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے، وہ خطبہ کے وقت کی اذان ہے، نہ کہ اس سے پہلے کی اذان، کیونکہ خطبہ سے پہلے کی اذان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی، اور شمس الائمہ حلوانی اور شمس الائمہ سرخسی نے یہ بات ذکر کی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اعتبار وقت داخل ہونے کے بعد پہلی اذان کا ہوتا ہے (تاتارخانیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کا اصل قول اذانِ خطبہ پر سعی واجب ہونے اور بیع کے حرام ہونے کا ہے، اور زوال کے بعد ہونے والی پہلی اذان پر سعی واجب ہونے اور بیع کے حرام ہونے کے قول کو شمس الائمہ حلوانی اور شمس الائمہ سرخسی نے صحیح کہا ہے، جیسا کہ باحوالہ پہلے گزرا۔

’’البحرُ الرائق‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ نجیم (المتوفیٰ: 970ھ) نے ’’البحرُ الرائق‘‘ میں فرمایا کہ:

(قوله ويجب السعی وترک البيع بالأذان الأول) لقوله تعالى ”يا أيها الذين آمنوا إذا نودی للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع“وإنما اعتبر الأذان الأول لحصول الإعلام به ومعلوم أنه بعد الزوال إذ الأذان قبله ليس بأذان وهذا القول هو الصحيح فی المذهب.

وقيل العبرة للأذان الثانی الذی يكون بين يدی المنبر؛ لأنه لم يكن فی زمنه -عليه الصلاة والسلام -إلا هو، وهو ضعيف؛ لأنه لو اعتبر فی وجوب السعی لم يتمكن من السنة القبلية ومن الاستماع بل ربما يخشى عليه فوات الجمعة، وفی صحيح البخاری مسندا إلى السائب بن يزيد قال كان النداء ليوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وأبی بكر وعمر فلما كان عثمان وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۱٦۸، ۱٦۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: ماتن کا یہ قول کہ سعی اور ترکِ بیع، اذان اول پر واجب ہوگی، اللہ تعالیٰ کے اس قول ”يا أيها الذين آمنوا إذا نودی للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع“ کی وجہ سے، اور پہلی اذان کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ اعلان اس کے ذریعے سے حاصل ہوجاتا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ اذان، زوال کے بعد ہوتی ہے، اس لیے کہ زوال سے پہلے کی اذان، تو اذان ہی نہیں، اور مذہب میں یہی قول صحیح ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ اعتبار اس دوسری اذان کا ہے، جو منبر کے قریب ہوتی ہے، کیونکہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہی اذان ہوا کرتی تھی، لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ اگر سعی کے وجوب میں اس کا اعتبار کیا جائے گا، تو نہ تو قبلیہ سنتیں پڑھنا ممکن ہوگا، اور نہ ہی خطبہ کا سننا ممکن ہوگا، بلکہ بسا اوقات جمعہ کے فوت ہونے کا ہی خدشہ ہوگا، اور صحیح بخاری میں سائب بن یزید سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی، جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی، پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا، اور لوگ زیادہ ہوگئے، تو انہوں نے ''زوراء'' کے مقام پر تیسری اذان کا اضافہ کر دیا (البحر الرائق)

علامہ ابنِ نجیم نے جس قول کو مذہب کا صحیح قول قرار دیا ہے، پیچھے باحوالہ معلوم ہو چکا کہ حنفیہ کا صحیح مذہب، یہ ہرگز نہیں ہے۔

اور علامہ ابنِ نجیم نے جس قول کو لفظِ ''قیــــل'' کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے، وہی مذہبِ حنفیہ کا اصل قول ومذہب ہے، اور اس کے ضعیف ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں، اور علامہ ابنِ نجیم نے جن وجوہات کی بناء پر اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے، وہ سرخسی وغیرہ جیسے مشائخِ حنفیہ کی اتباع میں ہے، جس پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اعلام پہلی اذان کے ذریعے حاصل ہوجاتا ہے، تو اولاً تو پہلے باحوالہ گزر چکا ہے کہ اس سے اعلام کی زیادتی مقصود ہے، نہ کہ محض اعلام، اور اگر بالفرض محض اعلام کو مان بھی لیا جائے، تو بھی یہ دوسری اذانوں کی طرح دخولِ وقت کا اعلام ہے، اس لیے اس پر وجوبِ سعی اور حرمتِ بیع کا منصوص ومخصوص حکم معلق کرنا راجح نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور اور اکثر مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام پہلی اذان کو مستحب، یا سنت قرار دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ وجوبِ سعی اور حرمتِ بیع کے منصوص حکم کو اس اذان کے ساتھ وابستہ نہیں کرتے، بلکہ اس منصوص حکم کو اس کے مورد کے ساتھ ہی خاص رکھتے ہیں،

جس کی ایک اہم فقہی وجہ یہ ہے کہ جو نص خلافِ قیاس وارد ہو، وہ اپنے مورَد کے ساتھ خاص ہوتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس مخصوص اذان کے علاوہ کسی بھی دوسری اذان پر مذکورہ حکم ، ترکِ بیع وغیرہ کا عائد نہیں ہوتا، جیسا کہ پانچ وقت کی فرض نماز کے لیے دی جانے والی اذان پر، کیونکہ قرآن مجید میں مذکورہ حکم ''من یوم الجمعة'' اور ''فاسعوا الٰی ذکر اللہ'' کے ساتھ وارد ہوا ہے۔

پس جب یہ حکم اپنے مورَد کے ساتھ خاص ہے، اور وہ مورَد امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھنے کے بعد دی جانے والی اذان کا ہے، تو اس کو اس مورد سے ہٹا کر کسی دوسری ایسی اذان کے ساتھ معلق کرنا، کیسے راجح ہوسکتا ہے، جس میں اس مورد کی خصوصیات وصفات ہی نہ پائی جاتی ہوں؟

اس لیے بعد کے مشائخ کے مقابلے میں ان مجتہدین کا قول ہی راجح ہوگا، جنہوں نے اس اذان کے وصفِ مؤثر یا علتِ مؤثرہ کو سمجھا، جو کہ خطبہ دینے کے لیے امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت کی اذان ہے، اس وصفِ مؤثر کو نظر انداز کرنا، کسی طرح درست قرار نہیں پاسکتا، بلکہ غور کرنے سے دوسری اذان کا اضافہ ہی خلافِ قیاس ہے، جس کو خلیفۂ راشد کے عمل اور دوسری نمازوں کے لیے دی جانے والی اذان پر قیاس کی وجہ سے گوارا کیا گیا ہے، لہٰذا اس کو اس کے مقام کی حد تک ہی گوارا کیا جائے گا، اس کی وجہ سے نہ تو نص سے عدول کیا جائے گا، اور نہ ہی نص کو غیر موثر قرار دیا جائے گا۔ [1]

---

[1] أن النص إذا ورد بمورد ينظر فيه المجتهد، فيميز بين الأوصاف المؤثرة وغيرها، فإذا نقحها يعم النص لا محالة عن مورد النص، ويدور حكمه على تلك الأوصاف أينما وجدت .وحينئذ متى ما يتحقق المناط الذى حققه، يتحقق الحكم المنصوص أيضا .فالنظر فيه أولا يكون فى النص، وثانيا فى الجزئيات الخارجية، ثم حكمها لا يتلقى من جهة قياسها على أصل، بل من تحقق ذلک المناط فيها .بخلاف القياس، فإنه لا نظر فيه أولا إلى النص، بل النظر أولا فى الجزئيات، فإذا طلب لها المجتهد حكما، نظر إلى النصوص ليلحقها بأقربها، فإذا صادق نصا علله، وبالتعليل يعم لا محالة. وحينئذ يسوغ له أن يأخذ حكم تلک الجزئيات من ذلک النص .فالنظر فيهما بين النصوص والجزئيات متعاكس(فيض البارى على صحيح البخارى، ج٦، ص٧١٥، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة)

امام کے منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھ جانے کی منصوص تصریح کونظرانداز کرکے، جمعہ کے دن زوال کے بعد دی جانے والی ہر اذان کو اس کا مورد سمجھنا، اس لیے بھی درست نہیں کہ اگر جمعہ کے دن ایسے مقام پر زوال کے بعد نمازِ ظہر کے لیے اذان دی جائے، جہاں بعض، یا تمام فقہاء کے نزدیک نمازِ جمعہ نہیں ہوتی، جیسا کہ عام گاؤں ودیہات، یا ایسے بیابان جنگل میں، یا مسافر اور جمعہ سے معذور افراد نمازِ ظہر کے لیے اذان دیں، جس کی فقہائے کرام نے تصریح کی ہے۔ [1]

تو جس طرح اس اذان کو وہ مخصوص اذان نہ ہونے کی وجہ سے، جمعہ کا دن ہونے، اور زوال کے بعد کا وقت ہونے کے باوجود، مذکورہ منصوص حکم سے خارج قرار دیا جائے گا، اسی طرح اس اذان کو بھی خارج قرار دیا جائے گا، جس میں امام کے منبر پر خطبۂ جمعہ کے لیے بیٹھ جانے کی منصوص قید ملحوظ نہ ہو، کیونکہ نصِ مورَد یہی ہے۔

''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی (المتوفی: 1252ھ) نے ''ردُّ المحتار'' میں ''شرحُ المنیۃ'' سے اصح قول پہلی اذان پرسعی کے وجوب کا نقل کیا ہے، اور دوسری اذان پرسعی کے وجوب کے قول کو ''قیل'' کے ساتھ نقل کیا ہے۔ [2]

---

[1] (وندبا) أى الأذان والإقامة معا (لهما) أى المسافر والمصلى فى بيته وإنما قيدنا بقولنا معا لدفع ما يتوهم أن قوله وندبا لهما يخالف لما قبله، وهو قوله: وكره تركهما؛ لأنه لا كراهة فى ترك المندوب فليتأمل (لا للنساء) ؛ لأنهما من سنن الجماعة المستحبة(مجمع الانهر، ج ا ص ۷۵،۷۶، کتاب الصلاۃ، باب الاذان)

[2] (قوله ووجب سعى) لم يقل افترض مع أنه فرض للاختلاف فى وقته هل هو الأذان الأول أو الثانى أو العبرة لدخول الوقت؟ بحر.

وحاصله أن السعى نفسه فرض والواجب كونه فى وقت الأذان الأول، وبه اندفع ما فى النهر من أن الاختلاف فى وقته لا يمنع القول بفرضيته كصلاة العصر فرض إجماعا مع الاختلاف فى وقتها......

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس پر کلام گزر چکا ہے، اور اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

بعد میں حنفیہ کے اردو فتاویٰ میں بھی عام طور پر اس کی پیروی کی گئی ہے، اور اب تک عموماً اسی قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

بلکہ بعض علماء کا طرزِ عمل تو یہ ہو گیا ہے کہ وہ علامہ شامی کی کسی بھی رائے سے عدول کو بہت بڑا گناہ، یا جرم تصور کرتے ہیں، جو کم علمی پر مبنی ہے۔

لیکن ہم باحوالہ اس قول کا دلائل کے لحاظ سے مرجوح اور خود حنفیہ کے اصل مذہب کے خلاف ہونا بھی نقل کر چکے ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک یہ قول راجح نہیں۔

واللہ أعلم.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله فی الأصح) قال فی شرح المنية .واختلفوا فی المراد بالأذان الأول فقيل الأول باعتبار المشروعية وهو الذی بين يدی المنبر لأنه الذی كان أولا فی زمنه -عليه الصلاة والسلام -وزمن أبی بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثانی على الزوراء حين كثر الناس .والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذی يكون على المنارة بعد الزوال .اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۱۶۱، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

(خاتمہ)

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک ''اذانِ خطبہ'' یعنی جمعہ کی اس اذان پر، جو امام کے خطبۂ جمعہ کے لیے منبر پر آنے کے وقت دی جاتی ہے، سعی واجب ہونے اور بیع کے ممنوع ہونے، اور سعی میں خلل ڈالنے والے امور کے ممنوع و مکروہ ہونے کا قول ہی راجح ہے، کیونکہ دلائل کے لحاظ سے راجح ہونے کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ اور دیگر اصحابِ حنفیہ کے قول کے موافق بھی یہی قول ہے، اور جمہور مجتہدین وفقہاء کا قول بھی یہی ہے، جس پر بعض حضرات نے اجماع و اتفاق کا حکم بھی لگایا ہے۔

اور اس کے مقابلہ میں دوسرے قول کی ترجیح راجح نہیں، اور اس پر عمل بھی بظاہر مشکل ہے۔

بالخصوص موجودہ زمانہ میں، شاید کسی جگہ بھی اس پر عمل نہ ہو، اور اس قول کی رُو سے مجموعی طور پر امت معصیت کی مرتکب ٹھہرے، اور بہت سے معاملات اور عقود میں بھی خرابی پیدا ہو۔

آخر میں یہ بھی عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نمازِ جمعہ زوال کے بعد جلدی ادا کی جاتی تھی، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک اور اذان کا اضافہ کیا جا چکا تھا۔

مگر اس کے باوجود جمعہ کی نماز زوال کے بعد جلدی ادا کرنے کا معمول رہا، اور غیر معمولی تاخیر کا رواج نہیں ہوا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان بھی زوال کے بعد جلدی ہوا کرتی تھی۔

اور دونوں اذانوں کے درمیان معمولی وقفہ بھی یقیناً ہوا کرتا ہوگا، کیونکہ اس وقفہ کے بغیر اس اذان کا پورا مقصد حاصل نہیں ہوتا، جس کو سعی کا حکم پورا کرنے کے لئے جاری کیا گیا ہے۔

اور جب دو اذانوں کے درمیان معمولی وقفہ ہوگا، تو اس وقفہ میں اگر دوسری اذان اور خطبہ

سے پہلے وعظ ونصیحت کا سلسلہ شرعی اصول وقواعد کی پابندی کے ساتھ انجام دیا جائے تو بہت مفید اور خیروبرکت کا باعث اور بہت سے اکابر کے معمولات میں سے ہے، اور اس میں لوگوں کو جمعہ کے لیے جلدی آنے کی ترغیب بھی پائی جاتی ہے۔

اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جمعہ کے خطبہ سے پہلے احادیث وسنت کا وعظ کرنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے مسجد میں احادیث بیان فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد امیرُ المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔

حضرت محمد بن زید سے روایت ہے کہ:

كَانَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلٰى جَانِبِ الْمِنبَرِ فَيَطْرَحُ اَعْقَابَ نَعْلَيْهِ فِيْ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ يَقْبِضُ عَلٰى رَمَانَةِ الْمِنبَرِ يَقُوْلُ قَالَ اَبُوالْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ثُمَّ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ ذَالِكَ : وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِاقْتَرَبَ فَاِذَا سَمِعَ حَرَكَةَ بَابِ الْمَقْصُوْرَةِ بِخُرُوْجِ الْاِمَامِ جَلَسَ. هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (مستدرک حاکم، رقم الحديث٣٦٧، ج ١ ص ١٩٠، كتاب العلم) [1]

---

[1] هذا الحديث قال عنه الحاكم :على شرطهما .وقال الذهبى :فى انقطاع.

قال عبد الله بن حمد اللحَيدَان:قلت :لم يبين الذهبى مكان الانقطاع، إلا أن رواة الحديث قد صرحوا بالتحديث عن بعضهم بعضاً إلا عاصم بن محمد عن أبيه وكذا أبوه، عن أبى هريرة .أما عاصم بن محمد .فالذى يظهر أنه قد أدرك أباه؛ لأن عاصمًا عُدَّ من الرواة عن أبيه .عند ترجمة أبيه كما فى تهذيب التهذيب(٩/١٧٢)وعد محمد بن زيد من مشايخ ابنه عاصم عند ترجمة عاصم كما فى تهذيب التهذيب (٥/٥٧)وأما من ناحية الولادة والوفاة فلم أجد ذكراً لتاريخ أى منهما -والله أعلم.-

أما محمد بن زيد بن عبد الله بن عمر بن الخطاب .فلم يذكر عند ترجمته أنه روى عن أبى هريرة كما فى تهذيب الكمال(٣/١٢٥٦)أما من ناحية الوفاة فلم يتبين لى أيضاً.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن منبر کے قریب اپنے جوتوں کی ایڑیوں کو اپنی آستینوں میں ڈال لیتے تھے، پھر منبر کے کونہ کو ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صادق اور مصدوق نے فرمایا (یعنی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف ناموں کی نسبت سے احادیث بیان کیا کرتے تھے) پھر بعض اوقات یہ بھی فرماتے تھے کہ ہلاکت ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آ چکا ہے، پھر جب مقصورہ (محراب کی جانب سے امام کے لئے داخلی راستہ) کے دروازے سے امامِ جمعہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے) کی حرکت سن لیتے تھے، تو بیٹھ جاتے تھے (امام حاکم اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں) یہ حدیث صحیح ہے، اگرچہ امام بخاری و مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا (حاکم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ عمل، خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اور کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا کرتے تھے، جس سے اس عمل کا مستحب اور کم از کم جائز ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

چنانچہ امام حاکم اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّمَا الْغَرَضُ فِيْهِ اِسْتِحْبَابُ رِوَايَةِ الْحَدِيْثِ عِنْدَالْمِنْبَرِ قَبْلَ خُرُوْجِ الْاِمَامِ (مستدرک حاکم، تحت رقم الحدیث۳۶۷، ج ا ص ۱۹۰، کتاب العلم)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فالذی یظهر من کل ما تقدم أن محمد بن زید لم یرو عن أبی هریرة .فهو منقطع بینهما.
فعلی ذلک یکون الحدیث بهذا الإسناد ضعیفاً لانقطاعه.
وعلیه فتعقب الذهبی للحاکم فی محله- .والله تعالی أعلم.-
إلا أن قوله -صلی الله علیه وسلم" -ویل للعرب من شر قد اقترب "قد ثبت من حدیث زینب بنت جحش -رضی الله عنها .-قالت :استیقظ النبی -صلی الله علیه وسلم -من النوم محمراً وجهه وهو یقول" :لا إله إلا الله ویل للعرب من شر قد اقترب " ...الحدیث(حاشیة مختصر تلخیص الذهبی، ج ا ص ۹۶، کتاب العلم، رقم الحدیث ۲۰)

ترجمہ: غرض اس سے یہ ہے کہ امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر کے قریب حدیث روایت کرنا مستحب ہے (حاکم)

حضرت ہلال سے روایت ہے کہ:

كَانَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُنَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَخْرُجَ الْإِمَامُ (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۵۴۵۳، کتاب الصلاة، باب الحديث يوم الجمعة قبل الصلاة)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، یہاں تک کہ امام (خطبہ کے لئے) تشریف لے آتا تھا (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیونکہ احادیث بہت زیادہ یاد تھیں اس لئے وہ جمعہ کے خطبہ سے پہلے اپنے وعظ میں کثرت سے احادیث سنا کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ [1]

بہرحال جمعہ کے خطبہ سے پہلے وعظ ونصیحت اور تقریر بدعت نہیں، بلکہ ثواب (یا کم از کم مباح) ہے، کیونکہ جو کام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور خاص کر خلفائے راشدین کی تقریر سے ثابت ہو، اس کو شرعاً بدعت نہیں کہا جا سکتا، صحیح احادیث میں خلفائے راشدین کے طریقہ کو بھی سنت قرار دیا گیا ہے۔

لیکن کیونکہ جمعہ کی نماز کی جلدی ادائیگی کا حکم ہے، لہٰذا زوال ہوتے ہی اول وقت میں پہلی

---

[1] أخرج ابن عساكر عن بن حميد بن عبدالرحمن:
ان تميما الدارى رضى الله عنه استاذن عمر رضى الله عنه فى القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فأستاذنه فى يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ماتقول؟
قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنها هم عن الشر.
قال عمر رضى الله عنه: "ذلك الذبح" ثم قال: "عظ قبل أن أخرج فى الجمعة".
فكان يفعل ذالك يوماً واحداً فى الجمعة (الموضوعات الكبرىٰ، مقدمه، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ صفحه ۲۰، مطبوعه: نور محمد، كراچى)

ذكر الملاعلى القارى رحمه الله هذا الحديث فى مقدمةالموضوعات الكبير، لكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التى لاضرورة الى بيانها. بل الاحسن ان يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الايجاز (ماخوذ از: فتاوىٰ محموديه مع حاشيه جلد۸ ص ۲۵۱)

اذان کے فوراً بعد وعظ شروع کیا جائے، مختصر وعظ کے بعد جمعہ کی دوسری اذان دی جائے اور پھر خطبہ ونماز پڑھ لی جائے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

خطبہ کا ترجمہ سُنانا تذکیر ہے، اور آیت ''وَّذَکِّرۡ فَاِنَّ الذِّکۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ'' اپنے عموم سے ہر وقت کے تذکیر کی اجازت دیتی ہے، بجز (یعنی سوائے) ان مواقع کے جو مستقل دلیل سے ممنوع ہیں، اور جو قیود سوال میں مذکور ہیں (یعنی جمعہ کے خطبہ کی اذان سے کچھ وقت پہلے نمازیوں کی فرمائش پر یہ عمل کرنا اور اس کے فوراً بعد خطبہ کی اذان کے وقت خطیب کا منبر پر جانا اور حسبِ معمول خطبے کا عربی میں پڑھنا) ان میں دو قیدیں اور قابلِ اضافہ ہیں۔

ایک یہ کہ عوام الناس اس کو ہمیشہ کے لیے لازم نہ سمجھیں، دلیل اس کی مشہور ہے۔

دوسرے یہ کہ مذکر (یعنی واعظ ومقرر۔ناقل) اس وقت منبر سے دُور (یا کم از کم بیٹھا ہوا) ہو، تا کہ ہیئتِ خطبہ کا ایہام (وشبہ) نہ ہو، دلیل اس کی مجوزینِ تکرارِ جماعت کی یہ تقیید ہے کہ عدول عن المحراب ہو۔

پس ان سب قیود کے ہوتے ہوئے کوئی امر (پہلی اذان کے بعد اور دوسری اذان سے پہلے مقامی زبان میں بیان کے۔ناقل) جواز سے مانع نہیں، لہٰذا جواز کا حکم کیا جائے گا اور کراہت کی کوئی وجہ نہیں، نہ اس فعل میں اور نہ اس فعل سے نماز میں۔

اور فسادِ صلوٰۃ میں تو وسوسہ کا بھی درجہ نہیں۔

البتہ اگر خود خطبہ ہی غیر عربی میں ہو سو وہ چونکہ بقولِ راجح خطبہ ہی نہیں اور خطبہ شرط ہے نمازِ جمعہ کی، اس لیے اس صورت میں فسادِ صلوٰۃ کے حکم کی گنجائش ہے، اور اس جواز کی تائید شیخین کی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

رَوٰی مُسۡلِمٌ عَنۡ جَابِرٍ فِیۡ قِصَّةِ یَوۡمِ الۡفِطۡرِ ثُمَّ خَطَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّم النَّاسَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ فَاَتَى النِّسآءَ فَذَكَّرَهُنَّ الحديث.

وَرَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ بَعْدَ وَعْظِ النِّسَآءِ ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ الحديث.

یہ احادیث اس میں نص ہیں کہ اس تذکیر کے وقت میں (جو کہ خطبہ نہ تھی جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہ تذکیر بعد فراغِ خطبہ تھی، اور نیز منبر پر نہ تھی، اور اس کے بعد عود الی المنبر نہیں ہوا) اور خطبہ کے وقت میں کوئی فصل نہ تھا، جس سے معلوم ہوا کہ اس تذکیر کے اور خطبہ کے وقت میں فصل نہ ہونا مانعِ جواز نہیں اور تقدیم وتاخیر کو اس میں کوئی دخل نہیں، پس اس کا جواز سنت سے بھی ثابت ہوگیا (امداد الفتاویٰ، جلد ا صفحہ ۵۱۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، ناشر: مکتبہ دارالعلوم کراچی، تاریخ طبع: شعبان ۱۴۳۱، جولائی 2010ء)

تاہم اگر وعظ اور بیان کی غرض سے امام وخطیب منبر پر بیٹھ جائے، اور اس کے سامنے خطبہ کے لیے اذان نہ دی جائے، تو جمہور کے نزدیک اس کی وجہ سے لوگوں پر سعی واجب اور بیع حرام نہ ہوگی، کیونکہ مذکورہ حالت میں امام کا منبر پر بیٹھنا اس ''ذِكْرُ الله'' کے لیے نہیں ہے، جس پر ترکِ بیع کا حکم ہے۔

البتہ اس کے بعد جب امام، خطبہ کے لیے منبر کی طرف خروج وظہور کرے گا، تو اب امام کا وہ خروج پایا جائے گا، جس کا احادیث میں ذکر ہے، خواہ اس کا یہ خروج وظہور قریب سے ہی کیوں نہ ہو۔

فقط

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَ عِلْمُهٗ أَتَمُّ وَ أَحْكَمُ

محمد رضوان خان

17 / رجب المرجب/ 1442ھ 02 / مارچ/ 2021ء بروز منگل

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بروز جمعہ، نمازِ جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق

مخصوص حالات واعذار میں، مساجد وغیر مساجد میں قیامِ جمعہ کا حکم
اذنِ عام اور بعض دوسری اہم مباحث پر کلام
جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنے اور اس کی جماعت کا حکم
اس سلسلے میں فقہائے کرام اور مجتہدینِ عظام کے اقوال پر ایک نظر
مسئلہ ھٰذا سے متعلق بعض معاصر تحریرات وفتاویٰ کا علمی وتحقیقی جائزہ
نمازِ جمعہ کا سہل اور آسان طریقہ
نمازِ جمعہ اور خطبۂ جمعہ سے متعلق چند اہم مسائل
گھر میں جمعہ سے متعلق دارالعلوم دیو بند، بنوری ٹاؤن وغیرہ کے چند فتاویٰ

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان
www.idaraghufran.org

نام کتاب: بروز جمعہ، نمازِ جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اول: رمضان المبارک۱۴۴۲ھ اپریل 2021ء

صفحات: 208

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان

فون 051-5507270 فیکس 051-5780728

www.idaraghufran.org

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

ابھی چند روز ہوئے کہ بندہ نے ایک مختصر تحریر کے ذریعے ملک کے موجودہ لاک ڈاؤن کے حالات کے پیشِ نظر، شہروں میں جمعہ کی نماز سے متعلق حکم بیان کیا تھا، کیونکہ اس مسئلہ پر مختلف چہ میگوئیاں جاری تھیں، اور کئی لوگ اس کے متعلق بندہ کے موقف کو معلوم کرنا چاہتے تھے۔

بندہ نے اس مختصر تحریر کے ذریعے اذنِ عام کے مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ، کم از کم چار عاقل، بالغ افراد کے لیے غیر مسجد اور گھروں میں قیامِ جمعہ کو درست قرار دیا تھا۔

اور بحالاتِ موجودہ، بچند وجوہ ''احتیاطُ الظہر'' کو بھی مستحب اور بہتر قرار دیا تھا۔

اس سے اگلے دن ہی بندہ کو ایک استفتاء موصول ہوا، اور کچھ فتاویٰ بھی نظر سے گزرے، جن میں بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے اس طرح جمعہ کے درست ہونے سے اختلاف کیا گیا تھا، اور ساتھ ہی شہروں میں موجود لوگوں کو، مسجد، حلقۂ کبیر وغیرہ کے بغیر نمازِ جمعہ سے منع کیا گیا تھا، اور اس کے مقابلے میں نمازِ ظہر پڑھنے اور با جماعت پڑھنے کے مستحب ہونے کا حکم لگایا گیا تھا، اور بحالاتِ موجودہ، جمعہ کے دن، شہروں میں، گھروں وغیرہ کے اندر عندالحنفیۃ جماعتِ ظہر کے مکروہ ہونے کی نفی کی گئی تھی۔

جس کے نتیجے میں کئی سوالات ابھر کر سامنے آئے، اور کئی اہلِ علم حضرات کی طرف سے تشویش کا اظہار کیا گیا۔

اس مسئلے کے اہم اور ہمہ جہتی ہونے کے پیشِ نظر بندہ نے بعجیل اس پر کچھ تفصیل سے تحریر کیا، جس کو آئندہ اوراق میں پیش کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کی موجودہ ''کرونا وائرس'' سے حفاظت فرمائے، اور جلد از جلد لوگوں کے نظامِ زندگی اور معمولاتِ یومیہ کو بحال فرمائے۔ آمین۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

19/شعبان المعظم/1441ھ 13/اپریل/2020 بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بروز جمعہ، نمازِ جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق

سوال

موجودہ حالات میں، جبکہ دنیا بھر میں کرونا وائرس کی وباء پھیلی ہوئی ہے، اور اس کی وجہ سے مساجد وغیر مساجد میں بڑے اجتماعات سے حکومتِ پاکستان نے منع کر دیا ہے، اور لوگوں کو اپنے گھروں میں رہ کر نمازِ پنجگانہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کو متعدد مستند اہلِ افتاء نے قبول بھی کرلیا ہے، اور نمازِ پنجگانہ، گھروں میں جاری ہے، مساجد میں کم وبیش چار، پانچ افراد کا اجتماع روا رکھا گیا ہے۔

ایسے حالات میں شہروں کے اندر نمازِ جمعہ کا مسئلہ زیرِ بحث ہے، آپ کی ایک تحریر نظر سے گزری، جس میں آپ نے شہر کے اندر گھروں وغیرہ میں کم از کم چار عاقل بالغ مرد حضرات کی موجودگی میں جمعہ کی نماز کو جائز اور درست قرار دیا تھا، اور اس سے کم ہونے کی صورت میں جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز کا حکم تحریر کیا تھا۔

لیکن آج ایک مفتی صاحب کی تحریر نظر سے گزری، اور ایک دوسرے مفتی صاحب کا فتویٰ بھی نظر سے گزرا، جس میں انہوں نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں شہروں کے اندر گھروں میں جمعہ کا قائم کرنا درست نہیں ہے، فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگوں کا جمعہ فوت ہوجائے، تو وہ بغیر اذان واقامت کے ظہر کی نماز بغیر جماعت کے پڑھیں گے۔

انہوں نے امداد الاحکام جلد 1 صفحہ 783 کے حوالہ سے ’’الدر المختار‘‘ کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ:

’’وکذا اھل مصر ، فاتتھم الجمعۃ ، فانھم یصلون الظھر بغیر اذان ولا اقامۃ ولا جماعۃ‘‘

اور پھر ''البحرُ الرائق'' کے حوالے سے ''الظهيرية'' کی یہ عبارت ذکر کی ہے کہ:

''جماعة فاتتهم الجمعة فی المصر فانهم یصلون الظهر بغیر اذان ولا اقامة ولاجماعة''

اس قسم کی عبارات کے تناظر میں انہوں نے فرمایا کہ اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا جمعہ فوت ہو گیا ہو، وہ گھر میں جا کر، باجماعت جمعہ کی نماز نہیں پڑھیں گے۔

ورنہ تو جمعہ کا جو ایک تصور اور مقصد ہے، یعنی بڑے مجمع کا ہونا، وہ فوت ہو جائے گا، وہ مقصد مسجد کے بغیر حاصل نہیں ہوگا، اِلَّا یہ کہ کوئی بڑا حلقۂ کبیر ہو، یا بڑا اجتماع ہو، تو الگ بات ہے۔

اور آئندہ اگر اس کی اجازت دے دی گئی، تو پھر لوگ کہیں گے کہ اچھا آج ہمارے پاس ذرا مصروفیت ہے، تو بجائے اس کے کہ ہم مسجد میں جا کر جمعہ پڑھیں، تو ہم اپنے گھر میں جمعہ قائم کر لیتے ہیں، تو اس قسم کا دروازہ کھلنے کا بھی اندیشہ ہے، لہٰذا راجح یہی معلوم ہوا کہ بحالتِ موجودہ جمعہ کے دن، جمعہ کے بجائے ظہر پڑھنی چاہیے۔

البتہ جن لوگوں نے جمعہ کے جواز کا فتویٰ دیا، اور جن لوگوں نے اس فتوے کی بنیاد پر جمعہ پڑھ لیا، تو چونکہ مسئلہ مجتہَد فیہا ہے، اس واسطے اگر کسی نے اس طرح کے فتوے کی بنیاد پر پڑھ لیا، تو ہم اس کو باطل نہیں کہیں گے، وہ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہوگا، اس کو ہم فاسد نہیں کہیں گے کہ اس کی نماز نہیں ہوئی۔

پھر جمعہ کے دن شہروں کے اندر، ظہر کے بارے میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ آیا وہ گھروں میں جماعت سے پڑھی جائے، یا انفراداً پڑھی جائے، تو اس میں بھی راجح یہ معلوم ہوا کہ موجودہ حالات میں شہروں میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے، اور جو بعض فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن، شہر میں ظہر انفراداً پڑھی جائے، اور جماعت نہ کی جائے، ان حضرات نے ظہر کی جماعت کو جو مکروہ قرار دیا، اس کے ان حضرات نے تین اسباب بیان فرمائے ہیں۔

ایک سبب ان حضرات نے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہونے کا یہ بیان فرمایا ہے کہ مسجدِ جامع سے معارضہ ہوگا۔

لیکن یہاں مسجدِ جامع سے معارضہ کی بات نہیں پائی جارہی، کیونکہ مسجدِ جامع کے اندر تو جمعہ ہورہا ہے، وہ بھی محدود ہے۔

دوسرا سبب ان حضرات نے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہونے کا یہ بیان فرمایا ہے کہ تقلیلِ جماعت ہوگی، تو یہاں پر اس کا بھی تصور نہیں ہے۔

اور تیسرا سبب ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہونے کا ان حضرات نے یہ بیان فرمایا ہے کہ بعض غیر معذور لوگ بھی جب دیکھیں گے کہ جماعت ہورہی ہے، تو وہ شامل ہوجائیں گے۔

تو اس کا بھی یہاں کوئی تصور نہیں ہے۔

تو اس وجہ سے جب تینوں وجوہات، جن کی بناء پر ظہر کی جماعت کو مکروہ کہا گیا تھا، وہ یہاں کے حالات میں موجود نہیں ہیں، تو اب بہتر یہی ہے کہ شہروں میں جمعہ کے دن، لوگ اپنے اپنے طور پر ظہر کی نماز کو جماعت سے پڑھیں، کیونکہ ایک طرف تو آدمی کا جمعہ چھوٹ گیا، اور دوسری طرف جماعت بھی گئی، تو کم از کم وہ ظہر کی نماز تو جماعت سے پڑھ لیں۔

اور اس کے متعلق امداد الاحکام میں علامہ شامی کے حوالے سے یہ لکھا گیا ہے کہ ”جمعہ کے دن باجماعت ظہر کی نماز پڑھنا کراہتِ تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے“

لیکن مجبوری کے حالات میں کراہتِ تنزیہی بھی شاید نہ ہو، بلکہ افضل یہ ہو کہ ظہر کی نماز، جماعت سے پڑھی جائے، جیسا کہ عام حالات میں اگر خدانخواستہ ظہر، عصر وغیرہ کی نماز فوت ہوجائے، تو ظاہر ہے کہ اس کو گھر وغیرہ میں جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہوتا ہے۔

تو جو علتیں، جمعہ کے دن شہر میں، ظہر کی نماز باجماعت کے مکروہ ہونے کی فقہائے کرام کی طرف سے بیان کی گئی تھیں، وہ علتیں موجودہ حالات میں اولاً تو پائی نہیں جارہیں، اور ان علتوں کے ساتھ بھی علامہ شامی کہتے ہیں کہ یہ صرف کراہتِ تنزیہی ہے، چنانچہ مضمرات کے

حوالے سے انہوں نے فرمایا ہے کہ "یصلون وحدانا استحبابا" یعنی اکیلے پڑھنا مستحب ہے، علامہ شامی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ترکِ جماعتِ ظہر، یعنی ظہر کی نماز کو جماعت سے پڑھنا، زیادہ سے زیادہ کراہتِ تنزیہی ہے، اور کراہتِ تنزیہی کی وہ جو علتیں تھیں، وہ بھی چونکہ موجودہ حالات میں مفقود ہیں، لہٰذا جماعت سے پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔

اس سلسلہ میں ایک مفتی صاحب کا فتویٰ بھی اسی نوعیت کا ارسال ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ مذکورہ بیان اور فتوے کی روشنی میں اپنا موقف واضح فرمادیں۔

اور اگر مذکورہ استدلال پر بھی روشنی ڈال دیں تو مناسب ہے۔

اور آپ نے جو "احتیاطُ الظھر " کا حکم بیان فرمایا تھا، اس کو کئی اردو فتاویٰ میں مکروہ اور عوام کے لیے مفسدہ کا باعث قرار دیا گیا ہے، اس کی بھی وضاحت فرمادیں۔

اس وقت چونکہ جمعہ کا مذکورہ مسئلہ، ملکِ پاکستان کے علاوہ ہندوستان اور دوسرے ممالک میں بھی زیرِ بحث ہے، اس لیے اگر اس کے متعلق دوسرے فقہائے کرام کے اقوال پر بھی روشنی ڈال دیں، تاکہ امت کے اس اجتماعی اور اہم مسئلے پر مختلف پہلو سامنے آجائیں، اور ان کی روشنی میں مشکل کا حل نکالنا آسان ہوجائے، تو زیادہ فائدہ مند ہوگا۔

جزاک اللہ۔

محمد ناصر

مری روڈ، راولپنڈی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

جواب

سب سے پہلے جمعہ سے متعلق چند نصوص ملاحظہ کرلی جائیں، تاکہ جمعہ کے متعلق اسلام کی طرف سے پیش کردہ تصور ذہن نشین رہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورة الجمعة، رقم الآية ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب ندا (یعنی اذان) دی جائے نماز کے لئے یومِ جمعہ کو، تو سعی کرو تم اللہ کے ذکر کی طرف، اور چھوڑ دو تم بیع کو، یہ بہتر ہے تمہارے لئے، اگر تم جانتے ہو (سورہ جمعہ)

مذکورہ آیت میں جمعہ کی اذان ہونے پر ذکر، یعنی نمازِ جمعہ کی سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے نمازِ جمعہ کا فرض ہونا معلوم ہوا۔ [1]

---

[1] صلاة الجمعة من الفرائض المعلوم فرضيتها بالضرورة، وبدلالة الكتاب والسنة؛ فيكفر جاحدها .قال الكاساني :الجمعة فرض لا يسع تركها، ويكفر جاحدها والدليل على فرضيتها : الكتاب والسنة وإجماع الأمة.

أما الكتاب فقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله قيل " :ذكر الله "هو صلاة الجمعة، وقيل :هو الخطبة، وكل ذلک حجة؛ لأن السعي إلى الخطبة إنما يجب لأجل الصلاة، بدليل أن من سقطت عنه الصلاة لا يجب عليه السعي إلى الخطبة، فكان فرض السعي إلى الخطبة فرضا للصلاة؛ ولأن ذكر الله يتناول الصلاة ويتناول الخطبة من حيث إن كل واحد منهما ذكر الله تعالىٰ.

وقد استدل الإمام السرخسي -أيضا -بالآية المذكورة من وجهين:

الوجه السابق، ووجه آخر حيث قال : اعلم أن الجمعة فريضة بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى :(فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع) والأمر بالسعي إلى الشيء لا يكون إلا لوجوبه، والأمر بترک البيع المباح لأجله دليل على وجوبه أيضا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۱۹۳، مادة "صلاة الجمعة")

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ

(سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۱۰۵۶، كتاب الصلاة، ابواب الجمعة، باب من تجب عليه الجمعة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز اس شخص پر واجب ہے، جو نداء (یعنی اذان) سنے (اور کوئی معقول عذر، جمعہ سے مانع نہ ہو) (ابوداؤد)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُم (مسلم، رقم الحديث ۶۵۲ "۲۵۴" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الذين يتخلفون عن صلاة الجماعة والجمعة، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۰۸۰) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں جو جمعہ کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں، فرمایا کہ میرے دل میں آتا ہے کہ میں کسی شخص کو کہہ جاؤں کہ وہ (جمعہ کی نماز میں حاضر شدہ) لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کو جو جمعہ کی نماز میں نہیں آتے، ان کے گھروں سمیت آگ لگا دوں (مسلم)

حضرت ابنِ عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: عَلٰى اَعْوَادِ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية ابی داؤد)

[2] قال الحاكم: وهو صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه هكذا إنما خرجا بذكر العتمة، وسائر الصلوات.

وقال الذهبی فی التلخيص: على شرطهما.

مِنبَرِہٖ لَیَنتَھِیَنَّ اَقوَامٌ عَن وَدعِھِم الجُمُعَاتِ اَو لَیَختِمَنَّ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِھِم ثُمَّ لَیَکُونَنَّ مِنَ الغَافِلِینَ (مسلم، رقم الحدیث ۸۶۵ "۴۰" کتاب الجمعۃ، باب التغلیظ فی ترک الجمعۃ)

ترجمہ: اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسرِ منبر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یا تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ جمعہ کی نمازیں چھوڑنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ (جمعہ چھوڑنے کے وبال کی وجہ سے) ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافل لوگوں ہی میں سے ہوجائیں گے (مسلم)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَن رَّسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَیَنتَھِیَنَّ أَقوَامٌ یَسمَعُونَ النِّدَاءَ یَومَ الجُمُعَۃِ ثُمَّ لَا یَأتُونَھَا أَو لَیَطبَعَنَّ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِھِم ثُمَّ لَیَکُونَنَّ مِنَ الغَافِلِینَ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۹۷، ج ۱۹ ص ۹۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ جمعہ کے دن، جمعہ کی اذان کو سنتے ہیں، پھر وہ جمعہ کی نماز کے لیے نہیں آتے، تو وہ باز آجائیں، ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلین میں سے ہو کر رہ جائیں گے (طبرانی)

حضرت ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَن تَرَکَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَھَاوُنًا بِھَا طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قَلبِہٖ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۵۲، کتاب

---

[1] قال المنذری:

رواہ الطبرانی فی الکبیر بإسناد حسن (الترغیب و الترھیب للمنذری، تحت رقم الحدیث ۱۰۹۰)

و قال الھیثمی:

رواہ الطبرانی فی الکبیر وإسنادہ حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۳۱۸۱)

الصلاة، ابواب الجمعة،باب التشديد فى ترك الجمعة؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۴۹۸؛ مستدرك حاكم، رقم الحديث ۱۰۳۴) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے تین جمعوں (کی نمازوں) کو سُستی کی وجہ سے چھوڑ دیا تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے (ابوداؤد، مسند احمد، حاکم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثًا مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ (سنن ابنِ ماجه ،رقم الحديث ۱۱۲۶،كتاب اقامه الصلاة والسنة فيها،باب فيمن ترك الجمعة من غير عذر؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۸۵۶) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بغیر ضرورت کے (یعنی شرعی عذر کے بغیر) تین جمعوں (کی نمازوں) کو چھوڑ دیا، اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا (ابنِ ماجہ، ابنِ خزیمہ)

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل محمد بن عمرو -وهو ابن علقمة ابن وقاص الليثى -فهو صدوق حسن الحديث(حاشية ابى داوٗد)
وقال ايضاً:اسنادهٗ حسن(حاشية مسند احمد)
وقال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه
وقال الذهبى: على شرط مسلم.

[2] قال الدكتور مصطفىٰ الاعظمى:اسنادهٗ صحيح(حاشية ابنِ خزيمة)
وقال المنذرى: وروى ابن ماجه عنه بإسناد جيد مرفوعا (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۰۹۲، كتاب الجمعة الترغيب فى صلاة الجمعة)
قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل أسيد :وهو ابن أبى أسيد البراد (حاشية سنن ابن ماجه)

مَـرَّاتٍ مِـنْ غَيْـرِ ضَـرُوْرَةٍ طُبِـعَ عَلٰى قَلْبِهٖ (مسـنـد احـمـد، رقـم الحديث ۲۲۵۵۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بغیر ضرورت کے تین مرتبہ جمعہ چھوڑ دیا، تو اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے (مسند احمد)

حضرت ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَـلَا ثًا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَهُوَ مُنَافِقٌ (صـحيح ابن حبان، رقم الحديث ۲۵۸، كتاب الايمان، باب ماجاء في الشرك والنفاق، صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۸۵۷) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تین جمعے (کی نمازیں) بغیر کسی (شرعی) عذر کے چھوڑ دے، تو وہ منافق ہے (ابنِ حبان، ابنِ خزیمہ)

حضرت یحییٰ بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَـنِ الـنَّبِـيِّ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَـلَـمْ يَـأْتِ، أَوْ لَمْ يُجِبْ، ثُمَّ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ، أَوْ فَلَمْ يُجِبْ، ثُمَّ سَـمِـعَ الـنِّـدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ، أَوْ لَمْ يُجِبْ، طَبَعَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى قَلْبِهٖ، فَجُعِلَ قَلْبَ مُنَافِقٍ (مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ۷۱۶۷، ج۱۳ ص۱۲۴) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کی اذان کو سنا، پھر جمعہ کی نماز کے لیے نہیں آیا، یا (یہ فرمایا کہ) اس کا (عمل سے) جواب نہیں دیا، پھر دوبارہ جمعہ کی اذان کو سنا، پھر جمعہ کی نماز کے لیے نہیں آیا، یا اس کا جواب نہیں دیا، پھر تیسری مرتبہ جمعہ کی اذان کو سنا، پھر جمعہ کی نماز کے لیے نہیں آیا، یا اس کا جواب

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: اسنادهٗ حسن (حاشية ابن حبان)

قال الدكتور محمد مصطفىٰ الاعظمى: اسناده حسن صحيح (حاشية ابن خزيمة)

[3] قال حسين سليم أسد: إسناده حسن (حاشية مسند ابى يعلىٰ)

نہیں دیا، تو اللہ عزّ وجلّ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، پھر اس کا دل منافق والا دل بنادیا جاتا ہے(ابو یعلیٰ)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمُعَاتٍ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ كُتِبَ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۴۲۲، ج ۱ ص ۱۷۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تین جمعے (کی نمازیں) بغیر عذر کے ترک کردے، تو وہ منافقین میں سے لکھ دیا جائے گا (طبرانی)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ:

قَالَ: مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ جُمَعٍ مُتَوَالِيَاتٍ فَقَدْ نَبَذَ الْإِسْلَامَ وَرَاءَ ظَهْرِهٖ (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحديث ۲۷۱۲، ج۵ ص ۱۰۲، أول مسند ابن عباس) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے تین جمعے لگاتار چھوڑ دیئے، تو اس نے اسلام کو اپنی پشت کے پیچھے ڈال دیا (ابو یعلیٰ)

امُّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ (سنن النسائی، رقم الحديث ۱۳۷۱، كتاب الجمعة، باب التشديد في التخلف عن الجمعة، ابن حبان، رقم الحديث ۱۲۲۰) [3]

---

[1] قال المنذری: رواه الطبرانی فی الكبير من رواية جابر الجعفی وله شواهد (الترغيب و الترهيب للمنذری، تحت رقم الحديث ۱۰۸۹)

[2] قال حسين سليم أسد الدارانی: إسناده صحيح إلى ابن عباس وهو موقوف عليه (حاشية مسند ابی یعلیٰ)

و قال الهيثمي: رواه أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۳۱۷۷)

[3] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، يزيد بن موهب ثقة، وباقی رجال الإسناد على شرط الصحيح (حاشية ابنِ حبان)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے لیے جانا ہر بالغ (مرد) پر واجب ہے (نسائی)

مطلب یہ ہے کہ ہر بالغ مرد پر جمعہ کی نماز واجب ہے، جبکہ جمعہ کی نماز واجب ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، جن کا دیگر احادیث وروایات میں ذکر پایا جاتا ہے، اور ان شرائط میں مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ مرد وغیرہ ہونا بھی داخل ہے۔ [1]

حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةٍ: عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ، أَوْ اِمْرَأَةٍ، أَوْ صَبِيٍّ، أَوْ مَرِيْضٍ (سنن أبی داود، رقم الحديث ١٠٦٧، كتاب الصلاة، ابواب الجمعة، باب الجمعة للمملوك والمرأة) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا ضروری حق ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے، ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے نابالغ بچہ، چوتھے مریض (ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةٍ: عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ، أَوْ اِمْرَأَةٍ، أَوْ صَبِيٍّ، أَوْ

---

[1] (على كل محتلم) أى بالغ (رواح الجمعة) إذا توفرت الشروط المذكورة فى الفروع (وعلى كل من راح الجمعة) أى أراد الرواح إليها (الغسل) لها قال القاضى :إنما ذكر هذا اللفظ تأكيدا للسنة وتحريضا لهم عليه(د عن حفصة) أم المؤمنين بإسناد صالح(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٥٤٦٢)

[2] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح .طارق بن شهاب اتفِق على أنه رأى رسولَ الله -صلَّى الله عليه وسلم -، لكن اختُلف هل سمع منه أم لا؟ وعلى تقدير أنه لم يسمع منه تكون روايته مرسل صحابى، وهو حجة بالإجماع إلا من شذَّ، كما قال ابنُ الملقن فى "البدر المنير(حاشية سنن ابى داؤد)

مَرِیُضٍ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۰۶۲، کتاب الجمعة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا ضروری حق ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے، ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے نابالغ بچہ، چوتھے مریض (حاکم)

اس کے بعد عرض ہے کہ ہم نے بحالاتِ موجودہ، اپنی گزشتہ مختصر تحریر میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ:

''جن لوگوں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح اور واجب ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، صرف ''اذنِ عام'' کی مذکورہ طریقے پر شرط نہ پائی جائے، تو اس کی وجہ سے جمعہ کے فریضے کو ساقط قرار دینا، بہر حال خلافِ احتیاط ہے، اِلَّا یہ کہ جہاں جمعہ کی دیگر مسلّمہ شرائطِ صحت موجود نہ ہوں، مثلاً امام کے علاوہ تین عاقل، بالغ افراد بھی موجود نہ ہوں، وہاں کا معاملہ جدا ہے، ان کو بہر حال ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے۔

لیکن ہمارے نزدیک ایسی صورت میں ایسے لوگوں کو، جو کم از کم چار عاقل، بالغ غیر معذور مرد افراد ہوں، اپنے گھروں وغیرہ میں جمعہ کی نماز قائم کرنا، جائز ہے، اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان پر جمعہ کی نماز کو واجب قرار دیا جائے۔

البتہ ایسی صورت میں احتیاط کا تقاضا یہ ہوگا کہ مذکورہ افراد، جمعہ کی نماز پڑھیں، اور اس کے بعد چار رکعت ''احتیاطُ الظهر'' کے نام سے بھی ادا کرلیں، تا کہ اختلاف واشتباہ سے بھی حفاظت ہوجائے''۔

آپ کی منسلکہ تحریر اور فتوے کو ملاحظہ کرنے کے بعد بھی ہمارے نزدیک پہلے بیان کردہ یہی موقف راجح ہے، جس میں ہم نے نہایت نرم الفاظ اور محتاط انداز میں مسئلہ سے آگاہ کرنے

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد اتفقا جميعا على الاحتجاج بهريم بن سفيان ولم يخرجاه ورواه ابن عيينة، عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر ولم يذكر أبا موسى في إسناده، وطارق بن شهاب ممن يعد في الصحابة .

و قال الذهبي في التلخيص: صحيح.

کی کوشش کی تھی۔

اس کے بعد سوال میں جواُمورزیرِ بحث لائے گئے ہیں،ان کے متعلق گفتگو کی جاتی ہے۔

بحالاتِ موجودہ،جبکہ ملکِ پاکستان میں،حکومتِ وقت کی جانب سے بڑے اجتماعات کے منعقد کرنے پر پابندی ہے،اوراپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے گھروں وغیرہ میں نمازیں ادا کرنے،اور مساجد میں چار، پانچ افراد تک کے اجتماعات منعقد کرنے کا حکم صادر ہے، اورخلاف ورزی کرنے پر قانونی کارروائی بھی عمل میں لائی جارہی ہے،اور حکومتِ وقت کی طرف سے گھروں وغیرہ میں متعلقہ شرائط کے ساتھ نمازِ جمعہ قائم کرنے پر کوئی پابندی عائد نہیں،اور کئی ہفتوں سے شہروں میں جابجا،فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے مسلمانوں کا بڑا طبقہ،نمازِ جمعہ کی ادائیگی پر کاربند ہے۔

ان حالات میں ایک مختصر تحریر اور فتوے کے ذریعہ،نہایت مجمل اور مبہم انداز میں شہروں میں،مساجد،یا حلقۂ کبیر،یا بڑے اجتماع کے بغیر،اور فقہائے کرام کی بیان کردہ افراد کی تعداد اور حد بندی،اور شرائط کی تصریح کے بغیر،مقیم،صحت منداور بالغ مرد،افراد سے،علی الاطلاق جمعہ کی نماز کو ساقط قرار دینا،اوراس کے مقابلہ میں ظہر کی نماز باجماعت کو مستحب قرار دینا۔

یہ تمام امور ہی،شرعی وفقہی اعتبار سے،اور خاص کر حنفیہ کے نزدیک،بہت زیادہ محلِ کلام اور عوام واہلِ علم حضرات کے لیے،انتہائی تشویش واضطراب کا باعث ہیں۔

حنفیہ کے راجح قول کے پیشِ نظر اگر کسی جگہ شہر میں کم از کم چار افراد بھی عاقل، بالغ مرد حضرات،موجود نہ ہوں،اوراس طرح کے کم از کم چار افراد کا جمع ہوکر جمعہ پڑھنا،مشکل ہو، صرف تین،یا اس سے کم افراد ہی جمع ہو سکتے ہوں،تو اِن کے لیے جمعہ کو نادرست قرار دینے،اور جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز کا حکم ہونے میں اشکال نہیں،لیکن اس صورت میں بھی حنفیہ کے نزدیک ان کو شہر کی حدود میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز،باجماعت،پڑھنا،مکروہ تحریمی،

یا کم از کم مکروہ تنزیہی ہے۔

البتہ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام، یعنی شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک شہر میں موجود، جمعہ سے معذور، جن لوگوں پر جمعہ واجب نہ ہو، ان کو جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، نہ صرف یہ کہ بلا کراہت جائز ہے، بلکہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا بعض شرائط کے ساتھ مستحب ہے، لیکن وہ بھی اس صورت میں، جبکہ وہ لوگ واقعتاً نمازِ جمعہ سے معذور ہوں، ورنہ ان کے نزدیک نمازِ ظہر، جماعت اور بغیر جماعت کے بہر صورت، کالعدم ہے، اور اس سے فریضۂ وقت ان کے نزدیک سرے سے ساقط ہی نہیں ہوتا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

معاملہ چونکہ ملک کے ایک اجتماعی اور اہم مسئلے سے متعلق ہے، جس کے بارے میں مختلف اہلِ علم حضرات کی طرف سے طرح طرح کے فتاویٰ اور تحریرات جاری کی جارہی ہیں، اور زبانی، کلامی فتاویٰ جاری کرنے کا ایک طویل سلسلہ الگ ہے، جو موجودہ دور کے عوامُ الناس کے لیے طرح طرح سے ذہنی الجھن کا باعث بن رہا ہے، اور اس کے نتیجے میں عوام کا ایک بڑا طبقہ اہلِ علم حضرات سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے راستے پر کاربند ہے، وہ الگ بات ہے کہ کس کا طرزِ عمل درست ہے، اور کس کا درست نہیں۔ ان حالات میں ہم اس موقع پر مسئلہ ہٰذا کے متعلق کچھ تفصیل سے کلام کرنے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

مسئلے کے دینی ہونے کی وجہ سے اس پر کچھ کھلے انداز میں علمی گفتگو کا تقاضا ہے، عین ممکن ہے کہ ہماری اس جلدی میں مرتب کردہ تحریر سے، کسی کو دل آزاری، یا ناگواری اور اس سے بڑھ کر بے ادبی کا احساس ہو، اور بعض الفاظ میں تیزی کا شائبہ ہو، لیکن چونکہ علمی وفقہی مسائل میں آزادانہ، اور کھلی اظہارِ رائے، ترکِ ادب نہیں، بلکہ بزرگوں کا ہی معنوی فیض ہے۔

جیسا کہ ہمارے شیخ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں کہ:

الحمدللہ! جماعتِ دیوبند کی خصوصیت اور انہی بزرگوں کی تعلیم وتلقین نے ہمیں یہ

صراطِ مستقیم دکھائی کہ مسائلِ شرعیہ میں آزادانہ اظہارِ رائے ترکِ ادب نہیں، بلکہ شاگردوں کا اظہارِ خیال، انہی بزرگوں کا معنوی فیض ہوتا ہے، اس لیے بنامِ خدا تعالیٰ جو کچھ اس میں تحقیق سے مجھ پر واضح ہوا، وہ لکھ دیا، اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ بزرگوں کی شان میں ادنیٰ ترکِ ادب سے بھی مجھے محفوظ رکھیں۔ آمین

(فقہی مقالات، جلد۲، صفحہ ۵۵، ۵۶، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، اشاعت: جولائی 1996ء)

اور بندہ بلا مبالغہ، اللہ کو گواہ بنا کر اس بات کے اظہار میں کوئی عار نہیں سمجھتا کہ بندہ کی اس آزادانہ اظہارِ رائے کے معاملے میں حضرت شیخ موصوف مذکور کے معنوی فیضان کو ہی زیادہ دخل ہے، جو اِس دور میں کبریتِ احمر سے کم حیثیت نہیں رکھتے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ آپ نے جو مختصر و مجمل، بلکہ مبہم تحریر و نقل اور فتوے کو ارسال فرمایا ہے، اس میں مندرجہ ذیل باتیں قابلِ غور ہیں:

(1)...... اس تحریر اور فتوے میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ فقہ حنفی کے مطابق بیان کیا گیا ہے، اسی لیے، اس میں ''**الدر المختار، البحر الرائق، خلاصۃُ الفتاویٰ** اور **امدادُ الاحکام**'' کے حوالہ سے عبارات نقل کی گئی ہیں، اور ان کو مستدل بنایا گیا ہے۔

(2)...... اس تحریر اور فتوے میں بحالاتِ موجودہ، یعنی جبکہ حکومت کی طرف سے مساجد میں بڑے اجتماعات پر پابندی عائد ہے، گھروں وغیرہ میں نمازِ جمعہ کو غیر درست قرار دیا گیا ہے۔

(3)...... اس تحریر اور فتوے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جتنے فقہاء کی عبارتیں دیکھی گئیں، ان میں کسی جگہ جمعہ فوت ہونے والے کے لیے، گھر میں جا کر جمعہ کی نماز کا حکم مذکور نہیں۔

(4)...... اس تحریر اور فتوے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جمعہ کا تصور مسجد، یا حلقۂ کبیر، یا بڑے اجتماع کے بغیر نہیں۔

(5)...... اس تحریر اور فتوے کے مطابق، اگر بحالاتِ موجودہ، گھروں وغیرہ میں جمعہ کی اجازت دے دی گئی، تو آئندہ، لوگوں کے لیے مصروفیت کو بہانہ بنا کر گھروں میں ہی جمعہ

قائم کر لینے کا راستہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔

(6)...... اس تحریر اور فتوے کی رُو سے، جن لوگوں نے کسی مفتی کے فتوے کے مطابق، گھر میں جمعہ پڑھ لیا، تو اس مسئلے کے مجتہَد فیہا ہونے کی وجہ سے، اس کے جمعہ کو باطل، یا فاسد نہیں کہا جائے گا، اور جمعہ کی نماز کے ادا نہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(7)...... اس تحریر اور فتوے کے موافق، بحالاتِ موجودہ، جمعہ کے دن شہر کے لوگوں کو باجماعت ظہر کی نماز پڑھنا بہتر ہے، اور یہ بات نامناسب ہے کہ ایک طرف تو جمعہ کی نماز چھوٹ جائے، اور دوسری طرف ظہر کی جماعت بھی چھڑوادی جائے۔

(8)...... اس تحریر اور فتوے میں، بحالاتِ موجودہ، جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت کو، دوسرے دنوں کی، گھروں میں پڑھی جانے والی پنجگانہ نماز پر قیاس کیا گیا ہے۔

(9)...... باقی تحریر کے حصہ اور فتوے میں، جمعہ کے دن شہر میں موجود لوگوں کو اپنے گھروں میں ظہر کی نماز باجماعت کے مکروہ نہ ہونے اور اس کے بجائے مستحب ہونے پر کلام کیا گیا ہے، اور فقہائے حنفیہ کی طرف سے شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت کے مکروہ ہونے کے تین اسباب کا ذکر کر کے، موجودہ حالات میں ان کے پائے جانے کی نفی کی گئی ہے۔

(10)...... منسلکہ فتوے میں شہر کے اندر، جگہ جگہ، جمعہ کے، چھوٹے چھوٹے اجتماعات کو شعارِ اسلام کے خلاف قرار دے کر، ناجائز، اور اس کے بجائے، نمازِ ظہر کو تجویز کیا گیا ہے۔

منسلکہ تحریر اور فتوے میں مذکورہ امور پر تفصیلی کلام تو اپنے اپنے مقامات پر آ گے آ تا ہے۔

البتہ شروع میں اجمالاً منسلکہ تحریر وفتوے کے مندرجاتِ مذکورہ کے متعلق بالترتیب چند معروضات پیشِ خدمت ہیں، جن میں اگرچہ الزامی نوعیت کا عنصر کیوں نہ شامل ہو، لیکن اصل مقصود، ان امور کی تنقیح و تفہیم ہی ہے۔

(1)...... حنفیہ کی جو عبارات منسلکہ تحریر اور فتوے میں پیش کی گئی ہیں، ان سے یہ مسئلہ ثابت ہونا مشکل ہے کہ اگر چار، یا زیادہ عاقل، بالغ مرد حضرات، شہر میں جمعہ کے بڑے اجتماع یا

مسجد میں، میں شریک نہ ہوسکیں، تو ان کو جمعہ کی نماز باجماعت پڑھنا درست نہ ہو، اوران کو جمعہ فوت ہونے والوں کے زُمرہ میں داخل مانا جائے، کیونکہ ایک تو فی الوقت تعدُّدِ جمعہ کے ساتھ مستقلاً نمازِ جمعہ کے انعقاد و جواز اور وجوب کا مسئلہ زیرِ بحث ہے، نہ کہ فوت ہونے کا۔

دوسرے امدادُ الاحکام کے مذکورہ مفصل ومدلل فتوے سے بھی مذکورہ مدعا کے برخلاف ثبوت ہوتا ہے۔ تیسرے ''امدادُ الاحکام'' بلکہ اس میں مذکور عبارات سے اس قسم کے مستدلات کے معقول جوابات بھی معلوم ہوتے ہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

(2)......اس تحریر اور فتوے میں گھروں میں نمازِ جمعہ کے عدمِ جواز کی کوئی تفصیل وتقسیم بیان نہیں کی گئی کہ کس قسم کے افراد کے لیے نمازِ جمعہ درست ہے، اور کن کے لیے درست نہیں۔

دوسرے آگے، مسجد، حلقۂ کبیر، یا بڑے اجتماع کی جو قید لگائی گئی، وہاں بھی افراد کی حد بندی نہیں کی گئی، جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسجد، یا حلقۂ کبیر اور بڑے اجتماعات کے علاوہ گھروں میں اور کسی دوسری جگہ جمعہ جائز نہیں۔

تیسرے اگر کسی جگہ شہر کی مسجد، یا غیر مسجد میں کم از کم چار عاقل، بالغ افراد نمازِ جمعہ قائم کریں، تو ان کا کیا حکم ہوگا؟ خواہ مخصوص اذنِ عام ہو، یا نہ ہو، اور اگر مسجد میں چار پانچ افراد، حکومت کی طرف سے بڑے مجامع کے انعقاد کا اذنِ عام نہ ہونے کے باعث دروازہ بند کر کے جمعہ کی نماز پڑھیں، اس کو بھی تو حلقۂ کبیر نہیں کہا جاتا، اور اس صورت میں بھی دروازے بند ہونے کی وجہ سے، مخصوص نوعیت کا اذنِ عام نہیں ہوتا، پھر مسجد اور غیر مسجد، یعنی گھر وغیرہ میں مابہ الفرق کیا ہوگا؟

چوتھے گھر کی جامع مانع تعریف کیا ہوگی؟ شہروں میں تو بہت سی جگہیں، عماراتِ مسکونہ یا غیر مسکونہ، بلکہ کھلی فضاء وغیرہ، سب ہی طرح کی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں، کیا اس سے مخصوص عمارت مراد ہے، جس میں کوئی باقاعدہ رہائش پذیر ہو، یا کچھ اور مراد ہے، جبکہ عمارات میں نیت اور فعل کی وجہ سے بھی فرق واقع ہوسکتا ہے، مثلاً اس جگہ کو کس نیت سے تعمیر کیا گیا ہے،

اور اس جگہ میں، اس وقت کیا عمل ہو رہا ہے، اور اس جگہ کو اس وقت کیا حیثیت حاصل ہے، چنانچہ کسی عمارت کو اگر کسی وقت رہائش کے لئے استعمال کیا جائے، تو اس کو گھر کہا جاتا ہے، اور اگر اس میں کاروبار اور معاشی مشغلہ اختیار کیا جائے، تو اس کو کارخانہ، فیکٹری یا دفتر، ہوٹل، پٹرول پمپ وغیرہ کہا جاتا ہے، تعلیمی مشغلہ اختیار کیا جائے، تو مکتب، مدرسہ، جامعہ یا سکول، کالج وغیرہ کہا جاتا ہے، اور کوئی جگہ مسجد بنائے بغیر نماز کے لئے مختص کر دی جائے، تو اس کو مصلیٰ کہا جاتا ہے، اور بھی سینکڑوں نہیں، ہزاروں قسم کی جگہیں ہوتی ہیں۔

پانچویں مطلقاً گھروں میں جمعہ کی اجازت اس عنوان سے نہیں دی جارہی، کہ گھروں میں جمعہ جائز ہے، کہ اس کی نظیر کو تلاش کیا جائے، بلکہ ان جگہوں پر جمعہ کی اجازت دی جارہی ہے، جہاں شرائطِ جمعہ پائی جائیں، خواہ وہ کوئی کھلا گھر ہو، فیکٹری ہو، کارخانہ ہو، یا چھت وغیرہ ہو، اور ایسے مقامات، جہاں شرائطِ جمعہ پائی جائیں، اور وہ مسجد نہ ہوں، ان میں جمعہ ادا کرنے کی نظیریں تاریخ میں بکثرت مل جائیں گی۔

چھٹے فقہائے کرام نے جمعہ کے لیے شہر وغیرہ کی حدود کو کافی قرار دیا ہے، نہ تو مسجد کو ضروری قرار دیا، اور نہ ہی جمعہ درست ہونے کے لیے حلقۂ کبیر، یا بڑے اجتماع کو شرط قرار دیا۔

ان تمام امور سے صرفِ نظر کیسے کر لیا گیا۔

ساتویں اس منسلکہ تحریر اور فتوے میں فقہائے کرام میں سے کسی کی طرف سے وجوبِ جمعہ وصحتِ جمعہ کی بیان کردہ شرائط کا ذکر نہیں کیا گیا۔

اس طرح کے اجمال وابہام سے کئی قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، اور ہو رہے ہیں۔

آٹھویں اس طرح کی تحریر وفتوے سے بہت سے دوسرے مواقع پر بھی جمعہ کا عدمِ جواز لازم آتا ہے، جس پر عام حالات میں بھی اہلِ افتاء کی طرف سے عدمِ جواز کا حکم نہیں لگایا جاتا۔

(3)...... اس موقع پر یہ وضاحت کرنے کی ضرورت تھی کہ کیا ہر جگہ کسی چیز سے سکوت، اس کے عدمِ ثبوت، اور اس سے بڑھ کر عدمِ جواز کو مستلزم ہوا کرتا ہے۔

دوسرے اگر صراحتاً کسی چیز کا اثبات یا جواز نہ ہو، لیکن قواعد وشرائط سے اس کا ثبوت وجواز ہوتا ہو، تو کیا پھر بھی عدمِ جواز کا حکم لگانا درست قرار پاسکتا ہے، بالخصوص جبکہ وہ حالت بھی مخصوص مجبوری، اور عارضی ومعروضی نوعیت کی ہو۔

چنانچہ موجودہ مخصوص حالات میں جگہ جگہ گھروں میں جماعت اور بغیر جماعت کے پنج وقتہ نمازیں ہورہی ہیں، جن پر بکثرت علمائے کرام جواز کا حکم لگارہے ہیں، یہ طرزِ عمل بھی تو عمومی حالات میں صراحتاً ثابت نہیں۔

تیسرے اگر کچھ لوگ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ ان کو نمازِ جمعہ نہ مل سکا، ایسی صورت میں وہ کیا دوسری مسجد میں جاکر باجماعت، جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں، جبکہ وہ چار یا اس سے زیادہ عاقل، بالغ افراد ہوں، اور اگر دوسری مسجد میں پڑھ سکتے ہوں، غیر مسجد میں نہ پڑھ سکتے ہوں، تو ان دونوں کا الگ الگ ثبوت اور مابہ الفرق کیا ہوگا؟

چوتھے عام حالات میں تو ہر مسلمان کو معلوم ہوتا ہے کہ اسے اگر ایک جگہ جمعہ نہ ملا، تو وہ دوسری مسجد وغیرہ میں جاکر پڑھ لیتا ہے، بصورتِ دیگر ظہر پڑھ لیتا ہے، لیکن ملک کے موجودہ مخصوص حالات میں تو اس کے لیے اس طرح دوسری، بلکہ کسی بھی مسجد میں جانا مشکل ہے، اس حالت میں اس کے لیے اپنے فریضۂ جمعہ کو ادا کرنے کا متبادل طریقہ کیا ہوگا؟

پانچویں جمعہ فوت ہونے کا یہ تصور تو تعددِ جمعہ کو ناجائز قرار دینے کی صورت میں ہے، جبکہ ہمارا زیرِ بحث مسئلہ تعددِ جمعہ کے جائز ہونے کی صورت میں ہے، جیسا کہ باحوالہ آگے آتا ہے۔

(4)......اولاً تو یہ تعبیر نہایت مجمل ومبہم ہے، جس میں **مسجدٌ دون مسجدٍ**، اور **حلقةٌ دون حلقةٍ** کی کوئی حد بندی نہیں کی گئی۔

دوسرے اگر یہی بات ہو، تو پھر فقہائے حنفیہ نے جو کم از کم چار عاقل، بالغ افراد کو جوازِ جمعہ کے درست ہونے کے لیے کافی قرار دیا ہے، اور مسجد کو بھی ضروری قرار نہیں دیا، اس کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔

تیسرے اسلام کے ابتدائی زمانوں میں عموماً شہر میں ایک جگہ ہی جمعہ ہوتا تھا، اور اس وقت اسی کو حلقۂ کبیر کہا جاتا تھا، بعد میں اس میں توسُّع آتا چلا گیا، اور حلقۂ کبیر کی حیثیت تبدیل ہوتی چلی گئی۔

چوتھے دنیا جہان میں ہونے والے تمام جمعہ کی نمازوں کے حلقے اور اجتماعات ایک جیسے نہیں ہیں، بلکہ اُن میں باہم بہت فرق ہے۔

(5)...... بعینہٖ یہی سوال، بحالاتِ موجودہ، پنج وقتہ نمازوں اور صفوں و نمازیوں کے درمیان خلاء وفاصلہ رکھنے کے متعلق بھی عائد ہوتا ہے، جس پر علماء کو اعتراض نہیں۔

دوسرے عوام بھی دنیا کے حالات سے بخوبی واقف ہیں، کہ یہ اجازت، فرض نمازوں کی طرح مخصوص حالات میں ہے، جبکہ پوری دنیا میں لاک ڈاؤن کا سماں ہے، ہمیشہ کے لئے ایسا نہیں ہے، جب حالات درست ہوجائیں گے، تو لوگ کیسے اپنی جگہوں پر جمعہ پڑھیں گے، اور اگر شاذ ونادر کسی نے جرأت کی، تو اگر کسی شرعی ضرورت کی وجہ سے کی، تو اس سے شریعت منع نہیں کرتی، اور اگر غیر شرعی طرزِ عمل اختیار کیا، تو اسے اس سے آگاہ کیا جائے گا، بلکہ دوسرے عوام ہی اسے گوارا نہ کریں گے۔

تیسرے کیا اس طرح کے خدشے کی بنا پر، دینِ اسلام کی دی ہوئی ضرورت کے وقت کی ایک سہولت کو ختم کیا جاسکتا ہے، یا کسی شرعی حکم میں ترمیم کی جاسکتی ہے؟

(6)...... یہ بات تو درست ہے، لیکن نہایت مجمل ومبہم ہے، کیا اگر کوئی محض خواتین کے ذریعہ انعقادِ جمعہ کو جائز قرار دے، یا مسجد سے آنے والی آواز پر اپنے یہاں گھر میں رہتے ہوئے نمازِ جمعہ میں اقتداء کرنے کو جائز قرار دے، یا فقہائے کرام کی بیان کردہ کوئی دوسری معتبر شرط مفقود ہونے پر، مثلاً دو افراد کی صورت میں بھی نمازِ جمعہ کو جائز قرار دے، اس کے فتوے کے بھی یہی حیثیت ہوگی؟ یا اس کے لیے کوئی اصول کارفرما ہوگا، اس کی وضاحت ضروری ہے۔

کیونکہ آج کل جس طرح معاشرے میں مفتیوں کی کمی نہیں، ان کے فتاویٰ کی بھی کمی نہیں، ہر فارغُ التحصیل عالم، مفتی بن کر فتویٰ دینے پر جری نظر آتا ہے، بلکہ بعض تو غیر عالم ہو کر بھی علامۃُ الدہر، اور مفتی و مجتہد ہونے کا کردار ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

(7)...... ہماری نظر میں حنفیہ کی طرف سے پیش کردہ عبارات سے نہ تو مذکورہ مدعا کا ثبوت مل سکا، اور نہ ہی پیش کردہ دلائل سے یہ مدعا ثابت ہوسکا، بلکہ حنفیہ سے اس کے برخلاف ہی جابجا تصریحات ملیں۔

دوسرے اس کے جواب میں کہنے والا بعینہٖ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ مسجد میں جا کر بڑے اجتماعات میں جمعہ کی نماز سے محروم ہوگئے، اور دوسری طرف ان کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائط کے مطابق جمعہ کی مشروع جماعت کے اجروثواب، بلکہ اس کے وجوب وصحت کی ادائیگی سے بھی بتکلف محروم کردیا جائے۔

تیسرے شرعاً شہر میں جمعہ کے دن، نمازِ جمعہ پر ابھارا گیا ہے، نمازِ ظہر پر نہیں ابھارا گیا، بلکہ اس کی طرح طرح سے حوصلہ شکنی کی گئی، یہاں تک کہ بہت سے فقہائے کرام نے تو غیر معذور کی نمازِ ظہر کو سرے سے معتبر ہی نہیں سمجھا، اور بعض نے معتبر سمجھا، لیکن سخت مکروہ قرار دیا، اور معذورین کے حق میں بھی ظہر کی ادائیگی پر طرح طرح سے شرائط وپابندیاں عائد کیں، یہاں تک کہ معذورین کی جماعتِ ظہر کو بھی مطلقاً مکروہ قرار دے دیا۔

(8)...... جمعہ کے دن، شہر میں ظہر کی نماز باجماعت کو دوسرے دنوں کی پنجگانہ نمازوں پر جو قیاس کیا گیا ہے، یہ بھی حنفیہ کی تصریحات کے خلاف اور قیاس مع الفارق ہے، اگرچہ بعض صورتوں میں دوسرے فقہاء کے موافق ہو۔

اور اگر حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام کے قول پر فتویٰ دینا مقصود ہو، تو اس کی وضاحت وتفصیل ضروری ہے، تاکہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو، اور بات پوری طرح صاف ہوجائے۔

(9)...... منسلکہ تحریر اور فتوے میں جو موقف اختیار کیا گیا ہے، نہ اس موقف سے اتفاق کی

گنجائش ہے، نہ ہی اس کے مستدلات سے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

(10)......منسلکہ فتوے میں جو دعویٰ کیا گیا ہے، اور جو دلیل پیش کی گئی ہے، وہ نا قابلِ قبول ہے، جس کی فقہائے کرام سے کوئی تصریح دستیاب نہیں، بلکہ اس کے خلاف کی تصریح در تصریح دستیاب ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مذکورہ تحریر اور فتویٰ میں نہ صرف یہ کہ جمعہ کی اہمیت، نظر انداز ہوگئی ہے، اسی کے ساتھ کئی شدید تسامحات کا بھی صدور ہوا ہے، اس لیے اب مسئلہ ھٰذا کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

''امدادُ الاحکام'' کا حوالہ

منسلکہ تحریر اور فتوے میں ''امدادُ الاحکام'' کی جس عبارت کا ذکر کیا گیا ہے، شاید اس کو پوری طرح ملاحظہ کیا ہی نہیں جاسکا، ورنہ امدادُ الاحکام کی مکمل عبارت میں آگے پیچھے نہ صرف یہ کہ اذنِ عام کے مسئلے کو منقح اور صاف کر دیا گیا ہے، بلکہ منسلکہ تحریر وفتوے میں جن عبارات سے مبحوث فیہ حالت میں جمعہ کو ناجائز اور اس کے مقابلے میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز کے باجماعت پڑھنے کے مکروہ ہونے کی نفی سمجھی گئی ہے، ان کے بھی نہایت معقول جوابات ذکر کر دیے گئے ہیں۔

جس کے پیشِ نظر بحالاتِ موجودہ امدادُ الاحکام کی عبارت اور فتوے سے مذکورہ حضرات کے مدعا کے برعکس شہروں میں کم از کم چار عاقل، بالغ مرد افراد کے حق میں جمعہ کا جواز، بلکہ غیر معذور ہونے کی صورت میں جمعہ کے وجوب کا حکم اور اس کے مقابلے میں شہر میں موجود لوگوں کے لیے مطلقاً باجماعت ظہر کا مکروہ ہونا، ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ امدادُ الاحکام میں اذنِ عام اور جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمعہ ہو چکنے کے بعد چند لوگوں کے جمعہ پڑھنے کے متعلق متصلاً آگے پیچھے جواب ذکر کیا گیا ہے۔

ہم ذیل میں امدادُ الاحکام کے وہ دونوں جوابات اور عبارت مکمل طریقے پر نقل کر رہے ہیں،

جس کے ذیل میں بعض مقامات پر ہم نے مفید سمجھے گئے حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے، تاکہ بات پوری طرح صاف ہو جائے، اور کوئی ابہام نہ رہے۔

اب ''امداد الاحکام'' کی وہ مفصل عبارت اور مسلسل فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں صرف فلاں صاحب کے (مسجد میں جمعہ کے لیے) منع کرنے سے اذنِ عام فوت نہیں ہوا، اذنِ عام ایسے شخص کی ممانعت سے فوت ہوتا ہے، جس کی مخالفت پر عوام قادر نہ ہوں، مثلاً حاکمِ وقت منع کر دے، اور حاکمِ وقت کی ممانعت سے بھی اذنِ عام اس وقت فوت ہوتا ہے، جبکہ کسی بستی میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع کر دے، اور اگر کسی ایک جگہ سے منع کرے، اور دوسری جگہ سے منع نہ کرے، تو اذنِ عام فوت نہیں ہوتا، نماز جمعہ اس بستی کی ہر مسجد میں صحیح ہوگی۔ [1]

---

[1] اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے یہاں موجودہ حالات میں حاکمِ وقت نے شہروں میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع نہیں کیا، بلکہ محض بڑے مجامع کے انعقاد سے منع کیا ہے، اور اپنے اپنے مقامات پر رہ کر نمازیں ادا کرنے کا علی الاطلاق حکم دیا ہے۔

لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہوا کہ اذنِ عام کی شرط فوت نہیں ہوئی، بلکہ تعددِ جماعات وجمعات میں مزید توسع اور گنجائش نکل آئی، اور مندرجہ بالا عبارت میں مسجد کی قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی یا امرِ واقعی ہے، جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے، ورنہ شہروں میں جمعہ کا جواز، مسجد اور غیر مسجد میں عندالحنفیۃ برابر ہے۔

یہ ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمان حاکمِ وقت یا اس کے نائب اور مجاز شخص نے وہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہو، اور یہ اجازت جس طرح صراحتاً کافی ہے، اسی طرح دلالتاً بھی کافی ہے۔ اسی وجہ سے بعض حنفیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ جہاں حاکمِ وقت کو جمعہ کا قائم کرنا معلوم ہو، اور وہ اس پر سکوت وخاموشی اختیار کرے، تو یہ بھی دلالتاً اجازت سمجھا جاتا ہے۔

اور بعض حنفیہ نے فرمایا کہ اگر کسی جگہ مسلمان حاکم یا اس کا نائب موجود نہ ہو، تو وہاں کے لوگوں کو خود کسی امام کو مقرر کر کے جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے۔

جبکہ بعض حنفیہ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لئے اجازتِ حاکم کی شرط، فی نفسہٖ عبادتِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے ضروری نہیں، پنجگانہ نمازوں کی طرح، اور جمعہ، ظہر ہی کے قائم مقام، فرض عبادت ہے، اور اذنِ حاکم کی شرط اس مصلحت سے رکھی گئی تھی کہ جمعہ کی نماز ایک بڑی جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، جس میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد کا خوف ہوتا ہے، لہٰذا اگر حاکم یا اس کا نائب ونمائندہ موجود ہوگا، تو فتنہ کی روک تھام کر سکے گا اور انتظام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورفلاں صاحب کی یہ حرکت خلافِ شرع تھی کہ ان سے چندہ وصول کرنے پر ایسا جبر کیا، اور نمازیوں کو نماز سے روکا، اس کو علانیہ اپنی حرکت سے توبہ کرنی چاہیے، اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرے، واللہ اعلم بالصواب، ظفر احمد عفاعنہ۔

الجواب من جامع تتمۂ امدادالاحکام:

ظاہر یہی ہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے اذنِ عام مرتفع نہیں ہوتا، الَّا آنکہ کہنے والا صاحبِ حکومت ہو، اور فعلاً منع کرنا، حاکم وغیر حاکم ہر دو کی جانب سے ہوسکتا ہے، یعنی اگر غیر حاکم بھی مسجد کا دروازہ بند کردے، یا پہرہ زبردست دروازہ پر لگادے، تو اذنِ عام فوت ہوجائے گا۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے، جبکہ وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہے، اور اگر دوسری

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ درست رہے گا، ورنہ فی نفسہٖ یہ شرط جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری نہیں، لہٰذا اگر کسی علاقے کے لوگ کسی امام کی اقتداء میں مل کر جمعہ کی نماز پڑھیں، اور اس قسم کا فتنہ لازم نہ آئے، تو وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، اور ہمارے نزدیک یہ نہایت معقول توجیہ ہے۔

اور موجودہ دور میں جبکہ مسلمان بہت سے ایسے ملکوں میں آباد ہیں کہ جہاں مسلم حکمرانوں کا وجود نہیں، اور جہاں مسلم حکمران موجود ہیں، وہاں بھی بیشتر مقامات پر حکمرانوں کو اسلامی احکام سے وابستگی اور جمعہ کی نماز کے قیام اور اس کی اجازت دینے لینے سے دلچسپی، اور کوئی خاطر خواہ سروکار نہیں، اور نہ ہی حکمران کی اجازت کے بغیر جمعہ قائم کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہوتا ہے، ان حالات میں مقامی لوگوں یا مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے کسی کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا کرنا بلاشبہ درست ہے۔

اور یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے، جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر اکثر وجمہور فقہائے کرام کے نزدیک جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے حاکمِ وقت کی طرف سے باقاعدہ قیامِ جمعہ کی اجازت کا پایا جانا ہی ضروری نہیں۔ محمد رضوان خان۔

الأمراء أحق بإقامة الصلاة وهو قول على كرم الله وجهه: أربع إلى الإمام الخ، وليس وجود الإمام شرطا(حجة الله البالغة، ج ٢ص٤٧، القسم الثانى فى بيان أسرار ما جاء عن النبى صلى الله عليه وسلم تفصيلا، من ابواب الصلاة، الجمعة)

واما امامتِ خلیفہ یا نائب او، پس امر مستمرہ بود ومنشاء آن امراست بتقدم والی در محل ولایتِ خود، پس مخصوص باشد بحضور والی وبطریق استحباب باشد، چنانکہ تقدیم اقرء بر اعلم وسائر نظائر مسئلہ واثر حضرت علی کہ اربع الی الامام، الخ محمول بر ندب تقدم والی در محل ولایۂ خود است (مصفّٰی، ج ا ص ۱۵۲، باب التشدید علیٰ من ترک الجمعۃ بغیر عذر، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

(تفصیل وحوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہو، ہماری تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'')

جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو، تو بہر حال جمعہ جائز ہو جائے گا۔

فی الشامی "قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا یتحقق التفویت کما أفاده التعلیل تأمل"

پس صورتِ مسئولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا۔ [1]

---

[1] علامہ ظفر احمد عثمانی اور مولا نا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہما اللہ کے مذکورہ مشترک فتوے سے معلوم ہوا کہ جب کسی بستی میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ ہوتا ہو، تو اذنِ عام ہونے کی شرط ضروری نہیں رہتی، یہی بات علامہ ابنِ عابدین شامی نے بیان فرمائی ہے، اور اس کی وجہ انہوں نے فقہائے کرام کی بیان کردہ تعلیل کو قرار دیا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ علت پر ہی حکم کا مدار ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:

قلت :وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا یتحقق التفویت کما أفاده التعلیل تأمل(رد المحتار، ج۲،ص ۱۵۲، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

ملاحظہ فرمائیے کہ علامہ شامی کی مذکورہ بالا عبارت میں کتنی صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ جب شہر کے مختلف مقامات پر جمعہ ہو، تو "**تفویت**"، متحقق ہی نہیں ہوتی، پھر منسلکہ تحریر اور فتوے میں شہر کے اندر تعددِ جمعہ کو تسلیم کرنے کے باجود "**اذا فاتتهم الجمعة**" کے جزئیہ سے جمعہ فوت ہونے اور اس پر **بناء علی البناء** کا کیسے تصور قائم کر لیا گیا؟

حالانکہ اوپر کی عبارت سے واضح ہو چکا کہ اس صورت میں تو جمعہ فوت ہونے کو تحقق اور وجود ہی نہیں ملتا، الّا یہ کہ کوئی دوسری معقول ومؤثر وجہ، جمعہ فوت ہونے کی ہو۔

پس ہمارا زیرِ بحث مسئلہ اس صورت میں ہے، جبکہ شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ کی نمازیں ادا کی جائیں، بلکہ اسی کے لئے ساری جدوجہد ہے، جس کی حاکمِ وقت کی طرف سے ممانعت بھی نہیں، بلکہ جہاں کہیں بھی شہروں میں پہلے سے جمعہ کی مختلف نمازیں جاری ہیں، وہاں بھی ممانعت نہیں، صرف تکثیرِ مجامع کی ممانعت ہے، لہٰذا اس صورت میں اذنِ عام کی شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے مساجد کے دروازے بند کر کے، یا گھروں میں جمعہ کو نا جائز قرار دینا راجح نہ رہا۔

یہ بھی یاد رہے کہ حنفیہ کی "ظاہر الروایۃ" میں "اذنِ عام" کی شرط کا ذکر نہیں پایا جاتا، البتہ "نوادر" کی ایک روایت میں "اذنِ عام" کی شرط کا ذکر پایا جاتا ہے، اور ائمۂ ثلاثہ غیر حنفیہ بھی اس شرط کا سرے سے اعتبار نہیں کرتے۔

باقی رہا بعض مانعین کا یہ فرمانا کہ اس قسم کے جمعہ کا اسلامی معاشرے میں رواج نہیں رہا، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ رواج کا کس نے دعویٰ کیا، اصل بات تو یہ ہے کہ اگر ایسے حالات پیش آ جائیں کہ گھروں سے باہر نکلنا، دشوار ہو جائے، خواہ دشمنوں کے خوف کی وجہ سے، یا پھر حکمِ حاکم کی وجہ سے، اور گھر کے باشندوں میں وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں، تو کیا اِن پر کسی دوسرے طریقے سے جمعہ واجب، یا جائز نہ ہوگا، یا ان کے لیے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ نہ رہے گا، یا مستحب ہو جائے گا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

واللہ اعلم ۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۰/ جمادی الاخریٰ 1348ھ۔

سوال:

یہاں جمعہ کی نماز ایک ہی جامع مسجد میں ہوتی ہے، گاہ گاہ بعض بعض نمازیوں کے پہنچنے سے قبل ہی نمازِ جمعہ ختم ہوجاتی ہے، اب وہ لوگ دوسری مسجد میں جاکر اذان واقامت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یا جمعہ کی نماز ادا کریں، یا فرادیٰ فرادیٰ ظہر کی نماز پڑھیں، جو کچھ شریعت کا حکم ہو، اس سے اطلاع دیجیے؟

الجواب:

فی الدرالمختار: (وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة.

وقال الشامی: الظاهر أن الكراهة هنا تنزيهية لعدم التقليل والمعارضة المذكورين ويؤيده ما فی القهستانی عن المضمرات

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس کا ثبوت ہمیں فقہائے کرام اور بطورِ خاص فقہ حنفی سے درکار ہے، جو کہ مفقود ہے، الّا یہ کہ کسی ایسی شرط کو لازم کیا جائے، جو موجودہ دور میں ہمارے یہاں مفتیٰ بہ نہیں، مثلاً تعددِ جمعہ کا عدمِ جواز، یا سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی، یا تعددِ جمعہ کے وقت بھی اذنِ عام کا شرط ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

جیسا کہ صفوں میں اتصال کا بھی نصوص میں حکم ہے، اور اس طرح تفریق وتقسیم کے ساتھ کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوکر نماز باجماعت کا معروف طریقہ نہیں، بلکہ عام حالات میں مکروہ ہے۔

اور اس کے بعد بھی عندالحنفیۃ شہر میں جمعہ کے دن، نمازِ ظہر کے باجماعت پڑھنے کے مکروہ ہونے کی نفی اور اس کے مقابلے میں استحباب کا ثبوت پھر بھی ضروری ہوگا، جو کہ موجود نہیں، بلکہ عندالحنفیۃ کراہت علی الاطلاق ہے، جو کراہتِ تنزیہی سے تو کم نہیں، اور کراہتِ تحریمی کی طرف ہی حنفیہ کے ایک بڑے طبقہ کا رجحان ہے۔ محمد رضوان خان۔

ولم يشترط غير الحنفية هذين الشرطين، فلا يشترط إذن الإمام لصحة الجمعة، ولا حضوره (الفقه الاسلامی وادلتہٗ، ج۲ص۱۲۹۸، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثانی، المطلب الخامس)

واعلم أن هذا الشرط لم يذكر فی ظاهر الرواية ولذا لم يذكره فی الهداية بل هو مذكور فی النوادر ومشى عليه فی الكنز والوقاية والنقاية والملتقى وكثير من المعتبرات (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۱۵۲، باب باب الجمعة)

يصلون وحدانا استحبابا اهـ(ج ا ص ٨٥٦)

وفى البحر الرائق(ج ٢ ص ١٥٤) قال فى الظهيرية جماعة فاتتهم الجمعة فى المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان، ولا إقامة، ولا جماعة اهـ.

وهكذا فى الخلاصة ، ج ا ص ا ٢١ .

قواعد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصر میں کم از کم چار شخص جمعہ سے رہ جاویں، تو وہ جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں پڑھ لیں۔

اوران سب میں وجوبِ جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہوں، تو جمعہ واجب ہو۔

اور اگر فقط صحت کی شرطیں ہوں، تو واجب نہ کہا جاوے، لیکن پڑھیں، تو صحیح ہو۔ [1]

مگر جزئیہ کوئی نہیں ملا۔ [2]

بلکہ روایاتِ مذکورہ بالا سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں تنہا

---

[1] امدادُالاحکام کی اس عبارت سے ہمیں صد فیصد اتفاق ہے کہ حنفیہ کے قواعد کے مطابق اگر کم از کم چار، عاقل، بالغ مرد ایسے ہوں، جن پر حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز واجب ہو، مثلاً وہ مقیم ہوں، اور مصر، یا قریۂ مخصوصہ میں موجود ہوں، اور مریض نہ ہوں، وغیرہ وغیرہ، ان پر جمعہ کی نماز واجب ہے، یعنی ان کا نمازِ جمعہ کو ترک کرنا، گناہ ہے۔

اور اگر وہ چار افراد، مسافر، یا مریض وغیرہ ہوں، جن پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، لیکن وہ جمعہ کی نماز پڑھیں، تو ان کی نمازِ جمعہ درست ہے، اور اس کی وجہ سے ان کے ذمہ سے وقت کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، اور کوئی کراہت بھی لازم نہیں آتی، رہا مسجد کی قید کا معاملہ، تو وہ قید سوال میں مذکور ہونے کی وجہ سے واقعی ہے، احترازی نہیں، حنفیہ نے بھی مسجد کو جمعہ کے لیے شرط قرار نہیں دیا۔محمد رضوان خان۔

[2] جو بات قواعد اور اصول سے واضح ہو، اس کی حیثیت جزئیہ سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے، کیونکہ قواعد اپنی جزئیات پر بھی محیط ہوتے ہیں، ورنہ ان کو قواعد کیوں کہا جائے، اور حنفیہ کے قواعد سے یہ بات واضح ہے، کہ کم از کم چار عاقل، بالغ، صحت مند، مقیم، مرد کسی جگہ شہر میں موجود ہوں، ان پر جمعہ واجب ہے، اور اگر مریض یا مسافر ہوں، تو ان کا جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔

جہاں تک تعدُّدِ جمعہ اور اذنِ عام کی شرط کا تعلق ہے، تو اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، اور کچھ ذکر آگے آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

تنہا ظہر پڑھیں۔ [1]

---

[1] مگر یہ بھی بظاہر ہی خلاف معلوم ہوتا ہے، حقیقت میں وہ بھی خلاف نہیں، جیسا کہ آگے آنے والی تاویلات و توجیہات اور پھر اس کے بعد کی تفصیلات سے معلوم ہوگا، اور کچھ پہلے بھی معلوم ہو چکا، اور اگر ان میں سے کوئی توجیہ یا تاویل اختیار نہ کی جائے، تو پھر قواعد سے معارضہ لازم آئے گا، جس کو کسی دوسری تاویل سے دور کرنا پھر بھی ضروری ہوگا۔

اور ہمارے نزدیک اس قسم کی عبارات کا اصل مقصود، یہ بتلانا ہے کہ ان لوگوں کو ظہر کی نماز با جماعت پڑھنا مکروہ ہے۔

جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ ان عبارات میں ''**فاتتهم الجمعة**'' کے الفاظ ہیں، اور جمعہ فوت ہونے کے مفہوم میں وہی لوگ داخل ہیں، جن کو جمعہ کی ادائیگی کی قدرت نہ ہو، خواہ اس وجہ سے کہ ان میں خود سے جمعہ قائم ہونے کی شرائط نہ پائی جائیں، مثلاً وہ چار عاقل، بالغ افراد سے کم ہوں، یا تعددِ جمعہ کو ناجائز قرار دیا جائے، یا سلطان یا اس کے نائب کو ضروری قرار دیا جائے۔

رہی وہ صورت کہ جس میں ان کا نمازِ جمعہ سرے سے فوت ہی نہ ہو، بلکہ اس کو ادا کرنے کی قدرت اور شرائطِ صحت موجود ہوں، اس سے یہ عبارات خاموش ہیں، جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حنفیہ میں اس مسئلے کی بنیاد معذور اور غیر معذور، ہر قسم کے لوگوں کے لیے، شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز، با جماعت پڑھنے کی کراہت کو بیان کرنا ہے، اسی کی ایک صورت جمعہ فوت ہو جانے والوں کی ہے کہ وہ بھی جمعہ فوت ہونے کی وجہ سے معذورین میں شامل ہو جاتے ہیں، چنانچہ فقہائے کرام نے یہ مسئلہ اسی ضمن میں بیان فرمایا ہے، اور اصحابِ مذہبِ حنفیہ سے بھی اس کا ثبوت اپنے اطلاق کے ساتھ ہی مروی ہے، بہت سے حضرات نے اس کی تعبیر صراحتاً ہی اختیار فرمائی ہے، جس کا ہم نے ذکر کیا، اس کی تفصیل تو آگے حنفیہ کی مختلف عبارات کے ضمن میں آتی ہے، بطورِ نمونہ چند عبارات، اس موقع پر ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔ محمد رضوان خان۔

ويكره أن يصلى الظهر فى جماعة يوم الجمعة فى سجن وغير سجن(الجامع الصغير، ص ١١٢، كتاب الصلاة، باب فى صلاة الجمعة)

ويكره أن يصلى الظهر يوم الجمعة فى المصر جماعة فى سجن أو فى غير سجن(المبسوط، لشمس الأئمة السرخسى، ج ٢، ص ٣٥، ٣٦، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ويكره أن يصلى المعذورون الظهر بجماعة يوم الجمعة وكذلك أهل السجن(مختصر القدورى، ص ٤٠، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

يكره للمعذور أن يصلى الظهر يوم الجمعة فى جماعة(التجريد للقدورى، ج ٢، ص ٩٨٤، كتاب الصلاة، يكره للمعذور أن يصلى الظهر يوم الجمعة فى جماعة)

ويكره لأصحاب الأعذار أن يصلوا الظهر يوم الجمعة جماعة فى المصر(المختار، مع الاختيار، ج ١ ص ٨٤، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ويكره لاهل السجن وغيرهم ان يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة (كتاب التجنيس والمزيد، جزء ٢، صفحه ٢٠٩، باب الجمعة، ادارة القرآن، كراتشى، الباكستان)

ويكره أن يصلى المعذورون الظهر بجماعة يوم الجمعة فى المصر وكذا أهل السجن (الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج ١، ص ٨٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن خلافِ قواعد ہونے کی وجہ سے ان روایتوں میں تاویل کی جاوے گی۔ [1]

اور میرے نزدیک ان روایتوں میں کئی تاویلیں ہوسکتی ہیں:

اول تو یہ کہ ان روایتوں کو مبنیٰ کہا جاوے، تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز پر۔

اور جب مفتیٰ بہ جوازِ تعدد ہے، تو یہ روایت بھی مفتیٰ بہ نہ رہے گی۔

"وھٰذا ماقالہٗ سیدی، وھو وجہ وجیہ" [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر(كنز الدقائق، ص ١٩٠، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(قوله وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر) ؛ لأن المعذور، وقد يقتدى به غيره فيؤدى إلى تركها(البحر الرائق، ج٢ص ١٦٦، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادى لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة والمسافرون إذا حضروا يوم الجمعة في مصر يصلون فرادى وكذلك أهل المصر إذ فاتتهم الجمعة وأهل السجن والمرضى ،يكره لهم الجماعة (فتاویٰ قاضيخان، ج ا ص ١٣٩، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

"وكره للمعذور "كمريض ورقيق ومسافر "والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر يومها "أى الجمعة (مراقى الفلاح شرح نور الايضاح، ص ١٩٩، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

[1] بلکہ قواعد واصول سے معارضہ ختم کرنے کے لئے اس طرح کی تاویل واجب ہوگی، اور یہ کوئی مبالغہ نہیں، بلکہ حقیقت ہے، کیونکہ قواعد کی حیثیت، کسی جزئیہ سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اور اگر جزئیہ یا جزئیات سے قواعد کا معارضہ کیا جاتا رہے، اور اس سے بڑھ کر ان جزئیات کو قواعد پر ترجیح دی جاتی رہے، تو قواعد کی کوئی حیثیت ہی باقی نہ رہے، بلکہ قواعد کو قواعد، اور جزئیات کو جزئیات کہنا بھی درست نہ رہے، اور اس کے برعکس قواعد کو جزئیات اور جزئیات کو قواعد کہنے کی ضرورت پیش آئے، واللازم باطل فالملزوم ایضا باطل۔ محمد رضوان خان۔

[2] مطلب یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تعددِ جمعہ کا جواز مفتیٰ بہ ہے، لہٰذا جب "البحر الرائق" اور "خلاصۃ الفتاویٰ" کی روایات کو اس کے برعکس، تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کے قول پر محمول کیا جائے گا، تو ان روایات کی رُو سے، کسی جگہ سے جمعہ فوت ہونے والے لوگوں کے لیے، جمعہ کے بجائے، ظہر پڑھنے کا حکم لگانا بھی غیر مفتیٰ بہ ہوگا۔

چنانچہ امدادُ الاحکام میں ہی ہے:

امام صاحب علیہ الرحمۃ کا مذہبِ صحیح، جو متونِ معتبرہ میں موجود ہے، اس کی بناء پر تعددِ جمعہ علی الاطلاق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے یہ کہ جماعت کے لفظ کو محمول کیا جائے، چار سے کم پر، یعنی دو یا تین آدمی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

درست ہے(امداد الاحکام، ج۱ص۷۹۳، کتاب الصلاۃ ، فصل فی الجمعۃ و العیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم۱۴۳۰ھ، جنوری2009ء)

پھر فقہائے کرام نے جوازِ تعددِ جمعہ کا مسئلہ بیان کرتے وقت، مجامع کے ایک سے زیادہ ہونے کی کوئی حد بندی نہیں فرمائی، جس کی رُو سے اگر شہر میں چار، چار عاقل، بالغ افراد جگہ جگہ جمعہ قائم کریں گے، خواہ وہ جمعہ قائم کرنے کے متعدد مقامات سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں کیوں نہ ہوں، اصولی طور پر ان کو درست قرار دیا جائے گا، وہ الگ بات ہے کہ عام حالات میں اس طرزِ عمل کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی، لیکن اصولی طور پر، ان کے غیر درست ہونے کا حکم لگانا بھی، درست نہ ہوگا، بالخصوص مجبوری ومعذوری کے حالات میں۔

اور مندرجہ بالا تاویل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی بیان کردہ ہے، جس کو عمدہ توجیہ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارت میں تصریح ہے۔

اور اس تاویل یا توجیہ کے راجح ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جب تعددِ جمعہ جائز ہوگا، تو ایک جگہ جمعہ ہونے کے بعد، دوسری جگہ جمعہ کا ادا کرنا ممکن ہوگا، ورنہ تو یہ کہنا لازم آئے گا کہ ایک جگہ جمعہ ہوجانے کے بعد سب لوگوں کا جمعہ فوت ہوجاتا ہے، اور اس کو ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔

حالانکہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق، جب ایک جگہ جمعہ ہوگیا، تو دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا ممکن ہے، اور ادائیگیٔ جمعہ وانعقادِ جمعہ کا جو حکم شہر کی مسجد میں ہے، وہی شہر کے غیر مسجد والے حصے میں بھی ہے۔

جس کی رُو سے منسلکہ تحریر وفتوے میں فقہائے کرام کی وہ عبارات، جن سے جمعہ کے درست نہ ہونے اور اس کے بجائے ظہر کی نماز کے راجح ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، یہ مدعیٰ اس صورت میں ثابت ہی نہیں ہوتا، جب تعددِ جمعہ کو جائز قرار دیا جائے، اور مفتیٰ بہ قول چونکہ تعددِ جمعہ کے جواز کا ہے، اس لئے مفتیٰ بہ قول کی رو سے شہر میں موجود مقیم، صحت مند کم از کم چار عاقل، بالغ، مرد حضرات پر جمعہ کی نماز واجب ہوئی، اور درست ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، اور غیر مجوزین کا استدلال ان ہی عبارات سے تھا، پس وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کا حکم اپنی جگہ برقرار رہا، پھر جمعہ کو درست نہ کہنے کے ثبوت کے لئے کسی دوسرے استدلال کی ضرورت ہوگی، اور نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ، دلیل کے بغیر کہلائے گا۔

سلف کے زمانے میں چونکہ عموماً شہر میں ایک جگہ ہی جمعہ ہوتا تھا، وہاں جمعہ ہونے کے بعد، جمعہ فوت ہوجاتا تھا، اور پھر اس کو ادا کرنے کی کوئی صورت نہ رہتی تھی، اس لیے اس زمانے کے اعتبار سے فوت ہونا کہا گیا، بعد میں تعددِ جمعہ کو جائز قرار دیا گیا، تو اب اگر چار، یا زیادہ، جمعہ کے اہل افراد، شہر میں جمعہ سے رہ جائیں، ان کو جمعہ پڑھنا، جائز ہوگا، اور اس صورت میں جب تک وقت ختم نہ ہو، اور اجازتِ حاکم بھی حائل نہ ہو، تو جمعہ فوت ہونا نہ کہلائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ تعددِ جمعہ کے بعد ہی ’’احتیاطُ الظھر ‘‘ کا مسئلہ بھی وجود میں آیا، جس کے متعدد محققینِ حنفیہ اب بھی قائل ہیں، اور بعض عوام کو مفسدہ کی وجہ سے منع کرتے ہیں، ہمارے یہاں اردو فتاویٰ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے آج اس پر فتویٰ دینا معیوب سمجھا جانے لگا، مگر ہمیں اس پر کلام ہے، جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ محمد رضوان خان۔

رہ جاویں، تو وہ جمعہ نہیں پڑھ سکتے، بوجہ فوت ہونے، شرطِ جماعت کے، بلکہ تنہا تنہا ظہر پڑھیں، کیونکہ جمعہ کے دن مصر میں ظہر کی جماعت مکروہ ہے۔

اور یہ تاویل گو خلافِ ظاہر ہے، لیکن زیادہ بعید بھی نہیں، تطبیقِ روایات میں اس سے زیادہ بعید کا تحمل کرلیا جاتا ہے۔ [1]

اور یہ دو تاویلیں لکھنے کا ارادہ تھا، کیونکہ اور کوئی تاویل ذہن میں نہ تھی۔

لیکن عین لکھنے کے وقت ایک تیسری تاویل بھی سمجھ میں آئی، احقر کے نزدیک وہ تنہا کافی وافی ہے، اس لیے اسی پر اکتفاء کا ارادہ ہوا تھا، لیکن تتمیمِ فائدے کے واسطے یہ دونوں بھی درج کردیں، ممکن ہے کہ کسی اہلِ علم کے نزدیک، ان میں سے کسی کو ترجیح ہو۔ [2]

وہ یہ ہے کہ یہ روایت محمول ہے، اس جگہ پر، جہاں حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے قاضی وغیرہ مقرر ہو۔

---

[1] اس تاویل کے قوی ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب حنفیہ کے نزدیک، جمعہ کے لیے امام سمیت چار عاقل، بالغ افراد کا ہونا کافی ہے، اور تعددِ جمعہ جائز ہے، تو پھر شہر میں کسی جگہ جمعہ ہونے کے بعد ان کا نمازِ جمعہ پڑھنا، اصول وقواعد کی رُو سے درست ہے، جیسا کہ مسجد یا جامع مسجد میں اس طرح کے چار افراد کا جمعہ پڑھنا، درست ہے، اور حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے مسجد ہونا، شرط نہیں، تو دوسری جگہ بھی درست ہے۔
پس اگر کسی جگہ، جامع مسجد میں جمعہ ہوجائے، یا کسی دوسری مسجد میں جمعہ ہوجائے، تو جس طرح غیر جامع مسجد میں، یا کسی بھی مسجد میں چار افراد کو جمعہ پڑھنا جائز قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح غیر مسجد کے لوگوں کے لیے بھی جائز ہوگا، اور اگر غیرِ مسجد میں اس لیے جمعہ کو ناجائز قرار دیا جائے کہ مسجد یا جامع مسجد میں جمعہ ہوچکا ہے، تو پھر جامع مسجد یا ایک مسجد میں جمعہ ہونے کو بھی، دوسری مسجد میں جمعہ ہونے کے لیے ناجائز قرار دینا چاہیے، جس کا کوئی بھی قائل نہیں، الَّا یہ کہ تعددِ جمعہ کو ناجائز قرار دیا جائے، جو کہ غیر مفتیٰ بہ قول ہے۔

''فکذا ھذا''

محمد رضوان خان۔

[2] جیسا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی کا راجح ہونا گزرا۔ محمد رضوان خان۔

اگر وہاں جمعہ فوت ہو جاوے، تو بدون اذنِ حاکم دوسرا جمعہ نہیں ہو سکتا۔ [1]

[1] یعنی یہ روایت اس پر محمول ہے جس کے مطابق جمعہ وعیدین کے قیام کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا، یا اس کی اجازت کا ہونا شرط ہے، چنانچہ جمعہ وعید کی نماز فوت ہونے کے بعد اس کی ادائیگی نہ ہونے کا حکم بیان کرتے ہوئے، فقہائے کرام نے اس کی علت خود ہی مخصوص امام وسلطان وغیرہ کے نہ ہونے کے ساتھ بیان کی ہے، بلکہ بعض نے تو فوت ہونے کو مع الامام کے ساتھ مقید کیا ہے۔

خلاصہ وغیرہ میں بھی اس شرط کا ذکر ہے۔

بلکہ امام محمد نے کتابُ الاصل میں اس چیز کی تصریح فرمائی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر امیر کی اجازت کے بغیر کوئی آدمی لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائے، تو ان کی جمعہ کی نماز درست نہیں ہوتی۔

ملاحظہ ہوں، مندرجہ ذیل عبارات:

قلت :أرأيت الرجل الذى لا يريد أن يشهد الجمعة، وليس له عذر من مرض ولا غيره، متى يصلى الظهر؟ قال . يصليها حين ينصرف الإمام من الجمعة .قلت :فإن صلى قبل ذلک؟ قال :يجزيه.

قلت :أرأيت الإمام يمر بمصر من الأمصار أو بمدينة من المدائن فيجمع يوم الجمعة بأهلها وهو مسافر هل يجزيهم؟ قال :نعم .قلت :لم؟ قال :لأن الإمام فى هذا لا يشبه غيره؛ ألا ترى أنه لا يكون جمعة إلا بإمام .

قلت :أرأيت رجلا صلى بالناس يوم الجمعة ركعتين من غير أن يأمره الأمير؟ قال :لا يجزيهم، وعليهم أن يستقبلوا الظهر .قلت :فإن كان الأمير أمره بذلک أو كان خليفة الأمير أو صاحب شرطة أو القاضى؟ قال :تجزيهم صلاتهم(الأَصْلُ،لمحمد بن الحسن، ج ۱،ص ۳۱۰، كتاب الاصل،باب صلاة الجمعة)

ومنها السلطان......، ولو اجتمعت العامة على تقديم رجل لم يأمره القاضى، لم يجز، ولم يكن جمعة (خلاصة الفتاوىٰ، ج ۱، ص ۲۰۸، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون فى صلاة الجمعة)

(ولا يقوم بها إلا ذو سلطان)وذلک لقول النبى صلى الله عليه وسلم "صلوا كما رأيتمونى أصلى"، وكان فعله لها بإمام، فهو سلطان(شرح مختصر الطحاوى،للجصاص، ج ۲،ص ۱۲۵، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

ولا تجوز إقامتها إلا بالسلطان أو من أمره السلطان(مختصر القدورى،ص ۳۹، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

والسلطان من شرائط الجمعة عندنا خلافا للشافعى(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج ۲،ص ۲۵،باب صلاة الجمعة)

رجل صلى الجمعة بالناس بغير إذن الإمام أو خليفته أو صاحب الشرط أو القاضى لم يجزئهم لما بينا أن السلطان شرط لإقامتها وقد عدم(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج ۲،ص ۳۴، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

باقی ہمارے ملک میں چونکہ تقررِ امام کا مدار، تراضیِ مسلمین پر ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إقامة الجمعة والعيدين إليه (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي، ج٢،ص ٦٢، كتاب الصلاة، باب غسل الميت،دفن الميت قبل الصلاة عليه)

جعلنا -السلطان شرطا في الجمعة(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي، ج٢، ص ١٢٠، باب نوادر الصلاة ،باب الجمعة)

ولا يصح افتتاح الجمعة ممن لا يكون مستجمعا لشرائطها ومن شرائطها السلطان فلهذا لا يجزيهم إلا أن يكون المتقدم ذا سلطان(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي، ج٢،ص ١٢٢، باب نوادر الصلاة،باب الجمعة)

فحاصله أن شروطه شروط الجمعة غير الخطبة والسلطان(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ١ ،ص ٢٢٧، كتاب الصلاة ،باب صلاة العيدين)

صلاة العيد إذا فاتت لا تقضى عندنا لأنها لم تشرع إلا بجماعة وسلطان، والمنفرد عاجز عن تحصيلها(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ١ ،ص ١٥٠، كتاب الطهارات، الفصل الخامس في التيمم)

ولا شيء على من فاتته صلاة العيد مع الإمام، وقال الشافعي :يصلي وحده كما يصلي مع الإمام، وهذا بناء على أن المنفرد هل يصلي صلاة العيد؟ عندنا لا يصلي، وعنده يصلي؛ لأن الجماعة والسلطان ليس بشرط عنده، فكان له أن يصلي وحده، فإذا فاتته مع الإمام لم يعجز عن قضائها.

فقال بالقضاء كالتراويح إذا فاتت بالجماعة في رمضان يقضيها وحده؛ لأنه قادر على قضائها، لأنه يجوز الأداء منفردا كما يجوز بجماعة كذا ههنا .وعلماؤنا رحمهم الله قالوا :لا يجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة منها الإمام، فإذا فاتت مع الإمام فقد عجز عن قضائها، فلا يلزمه القضاء (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٢، ص ١١٢، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين)

وإن فسدت بخروج الوقت أو فاتت عن وقتها مع الإمام سقطت، ولا يقضيها عندنا(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ١ ،ص ٢٧٩، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يفسد صلاة العيدين وبيان حكمها إذا فسدت)

ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام لم يقضها لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد(الهداية في شرح بداية المبتدى، ج ١ ،ص ٨٥، كتاب الصلاة، باب :صلاة العيدين)

(لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد) ش :أراد بالشرائط هي الشرائط المخصوصة بها، نحو الجماعة والسلطان والمصر والمنفرد عاجز عن ذلك، فلا يجب عليه صلاتها(البناية شرح الهداية، ج٣،ص ١٢٠، كتاب الصلاة،باب:صلاة العيدين)

وقوله (ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام) أي أدى الإمام صلاة العيد ولم يؤدها هو (لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لیے یہ باقی ماندہ لوگ، کسی کو امام بنا سکتے ہیں، اور جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔ [1]

كما قال صاحب الخلاصة(ص۲۰۸): ولو اجتمعت العامة على تقديم رجل، لم يامره القاضى، لم يجز ، ولم يكن جمعة ، وان لم يكن ثمه قاضى، ولاخليفة الميت، فاجتمعت العامة على تقديم رجل للضرورة.

وفى الدرالمختار: (ونصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر) أما مع عدمهم فيجوز للضرورة.

وفيه ايضاً: وفى النجعة فى تعداد الجمعة لابن جرباش إنما يشترط الإذن لإقامتها عند بناء المسجد، ثم لا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يقضها) عندنا خلافا للشافعى فإنه قال :يصلى وحده كما يصلى مع الإمام لأن الجماعة والسلطان ليس بشرط عنده فكان له أن يصلى وحده.وعندنا هى صلاة لا تجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة من الجماعة والسلطان، فإذا فاتت عجز عن قضائها(العناية شرح الهداية، ج۲،ص۷۸، ۷۹، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)

(ولا تقضى) صلاة العيد (إن فاتت مع الإمام) كلمة مع متعلقة بالضمير المستتر فى فاتت لا بفاتت والمعنى أن الإمام لو صلاها مع جماعة وفاتت عنه الصلاة بالجماعة لا يقضيها من فاتته وعند الأئمة الثلاثة تقضى(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج۱،ص۱۷۴، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

اور یہ بات معلوم ہے کہ اس باب میں جمعہ وعیدین کا حکم حنفیہ کے نزدیک یکساں ہے۔

چنانچہ آج بھی اردو فتاوی میں یہی مسئلہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر چار، یا زیادہ عاقل، بالغ افراد کی نمازِ عید، امام کے ساتھ رہ جائے، تو وہ شہر میں دوسری جگہ عید کی نماز باجماعت پڑھ سکتے ہیں، پس جہاں اس کے خلاف مجاز حاکم کا حکم نہ ہو، جیسا کہ موجودہ حالات میں، وہاں ممانعت نہ ہوگی۔محمد رضوان خان۔

[1] باقی ماندہ لوگوں سے مراد، وہی ہیں، جو جامع مسجد میں امام کے ساتھ شریک نہ ہوں، خواہ عذر سے یا بغیر عذر کے، اور وہ کم از کم چار عاقل، بالغ مرد ہوں، وہ اپنے میں سے کسی کو امام بنا کر جمعہ پڑھ سکتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک عیدین کی طرح جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں، اور موجودہ حالات میں نہ اذنِ حاکم شرط ہے، اور نہ ہی حاکمِ وقت کی طرف سے ممانعت ہے، پھر ممانعت کی کون سی وجہ باقی رہی ''ومن ادعٰى فعليه البيان، بالبرهان''۔محمد رضوان خان۔

يشترط بعد ذلك. [1]

غرضیکہ اہلِ مصر کو تنہا تنہا ظہر کا حکم جب ہے کہ جمعہ سے کوئی مانع ہو۔ [2]

ويؤيد هذا ما فى العالمگيرية، ونصه: وكره جماعة الظهر لاهل المصر اذا لم يجمعوا المانع(ج ا ص ٩٥)

اب اس ''بحر'' وغیرہ کی روایتِ متقدمہ کی وجہ سے تو کوئی خلجان نہیں۔ [3]

''والحمد لِلّٰه علىٰ ذالک''

الا ان وجوب الجمعة فى هذا الصورة فى ديارنا، يقتضى وجوب طلب الاذن فى دارالاسلام، وهو غير منصوص فى كتب الفقه ايضا، ويمكن الفرق بالتعذر فى طلب الاذن من السلطان وغيره،دون نصب امام الجمعة، فليتأمل. [4]

---

[1] اور جب کسی جگہ قانوناً محض بڑے اجتماعات منعقد کرنے کی پابندی ہو، کم افراد کی، اور اہلِ خانہ کے جمع ہونے کی پابندی نہ ہو، اور مثلاً چار، پانچ جمعہ کے اہل افراد، اپنے میں سے کسی کو امام مقرر کر کے جمعہ پڑھیں، تو وہ بھی اصولی اعتبار سے جائز ہوگا۔ محمد رضوان خان۔

[2] اور شہر میں موجود، چار یا اس سے زیادہ جمعہ کے اہل افراد کے لیے موجودہ حالات میں کوئی معقول چیز مانع نہیں۔
محمد رضوان

[3] مطلب یہ ہے کہ بحر کی وہ عبارت جو شروع میں ذکر کی گئی، جس سے مصر میں جمعہ فوت ہونے والوں کے لئے جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز پڑھنے پر شبہ وارد ہوتا ہے، اور خلاصہ میں بھی اس کا ذکر ہے، مذکورہ تاویلات وتوجیہات سے وہ شبہ یا خلجان رفع ہوگیا۔
لیکن حیرت ہے کہ امداد الاحکام کے اس مفصَّل ومدلَّل فتوے میں جن عبارات کے شبہ کا شافی جواب دے دیا گیا، اور اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا کہ شہر کے اندر متعدد مقامات پر چار اہل افراد کے لئے جمعہ قائم کرنا، نہ صرف یہ کہ درست ہے، بلکہ عاقل، بالغ اور مقیم ہونے کی صورت میں واجب بھی ہے، جس کی خلاف ورزی گناہ ہے، لیکن بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے، اسی امداد الاحکام کے حوالے سے جمعہ کا نادرست ہونا سمجھا جارہا ہے۔ محمد رضوان خان۔

[4] ہمارے دیار میں تو آج کل یہی حالت ہے، باقی دوسرے ممالک، جہاں جمعہ وغیرہ کے لیے امام کو حکومت کی طرف سے، متعین کیا جاتا ہے، اور وہاں پر ہر کس وناکس کو جمعہ پڑھنے پڑھانے کی اجازت نہیں ہوتی، وہاں کا معاملہ جدا ہوسکتا ہے، اور وہاں دوسرے فقہائے کرام کے رائج اقوال کو بھی مدِ نظر رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ محمد رضوان خان۔

لیکن حالتِ مسئولہ کے متعلق جزئیہ نہ ملنے کے باعث بہتر ہے کہ دوسری جگہ بھی تحقیق کرلیا جاوے، اور اس جواب کو بھی وہاں بھیج دیں، تاکہ کسی قدر سہولت کا باعث ہوسکے۔ [1]

یہ دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا، تو جب ہے کہ چار آدمی جمعہ سے رہ جاویں۔ [2]

اور اگر چار سے کم یعنی دو تین آدمی رہ جاویں، تو وہ ظہر پڑھیں، اور الگ الگ پڑھیں، جماعت نہ کریں۔ [3]

اس کے بعد ''مجموعۃ الفتاویٰ '' میں مولانا عبدالحیؒ صاحب کا فتویٰ بھی اس تحریر مذکور کے مطابق پایا۔

---

[1] لیکن چونکہ مذکورہ فتویٰ، قواعد کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ بعض جزئیات کے متعلق عمدہ تاویلات وتوجیہات پر بھی مشتمل ہے، اس لیے جب تک اس کے برخلاف اصولی، یا جزئی طور پر ثبوت نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک اس تحقیق کو کافی وافی سمجھنے میں کوئی مانع نہ ہوگا۔ محمد رضوان خان۔

[2] اور ہم بھی ان ہی لوگوں کے حق میں وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کے قائل ہیں، جو کم از کم چار جمعہ کے اہل عاقل بالغ مرد ہوں، جبکہ مسجد کی قید احترازی نہیں، واقعی ہے، جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے، حنفیہ نے بھی مسجدیت کو جمعہ کے لیے شرط قرار نہیں دیا۔ کما مر۔ محمد رضوان خان۔

[3] اس صورت میں بھی ہم جمعہ کو تو جائز نہیں کہتے، اور عندالحنفیۃ بہر حال شہر میں جماعتِ ظہر کو مکروہ قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ کراہت کا حکم اور وہ بھی ظہر کی جماعت سے متعلق ان لوگوں کے بارے میں ہے، جن پر جمعہ فرض نہ ہو، برخلاف ان لوگوں کے، جن پر جمعہ فرض ہے، ان کے لیے عندالحنفیۃ، ترکِ جمعہ مکروہِ تنزیہی نہیں، بلکہ فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے حرام یا مکروہِ تحریمی کہلائے جانے کا مستحق ہے، جبکہ امام زفر اور ائمۂ ثلاثہ غیر حنفیہ کے نزدیک غیر معذورین عن الجمعۃ کا نمازِ ظہر کا انفراداً یا اجتماعاً پڑھنا، کالعدم ہے، اور ان کے نزدیک، وہ عاصی ہونے کے ساتھ ساتھ فریضہ کے تارک بھی شمار ہوتے ہیں۔
اور اس کے برخلاف جن جزئیات سے کراہت پر بحث کی جاتی ہے، اولاً تو ان کا تعلق وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کی شرائط پائی جانے والے لوگوں سے نہیں، دوسرے ان میں جماعتِ ظہر کے مکروہ ہونے نہ ہونے اور کراہت کے درجہ سے بحث ہے، ان سے صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کے لوگوں کے ترکِ جمعہ پر استدلال کسی طرح راجح معلوم نہیں ہوتا۔
البتہ اگر مخصوص حالات میں غیر حنفیہ کے قول کے مطابق، کسی مصلحت سے فتویٰ دیا جائے، تو الگ بات ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

کتبہٗ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ خانقاہ امدادیہ، ۹/ ربیع الاول/ ۱۳۴۵ھ۔

(امدادالاحکام، ج۱ص۷۸۲ الیٰ ۷۸۵، کتاب الصلاۃ ، فصل فی الجمعۃ و العیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

ہمارے نزدیک ''امدادُالاحکام'' کا مذکورہ بالا مفصل ومدلل فتویٰ، قواعدِ حنفیہ اور متاخرین کے مفتیٰ بہ اقوال کے عین مطابق ہے، جس میں ان عبارات کا بھی معقول جواب موجود ہے، جن سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے، یا یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر شہر میں چار، یا زیادہ افراد، جمعہ سے رہ جائیں، تو ان کو جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ''امدادُالاحکام'' کا مذکورہ مفصل ومدلل فتویٰ، جس کی بنیاد پر، یا اس میں مذکورہ عبارات کی بناء پر، بحالاتِ موجودہ، شہر میں جگہ جگہ جمعہ کی نماز کو ناجائز ونادرست قرار دیا جارہا ہے، اگرچہ وہ افراد، چار، یا اس سے زیادہ عاقل، بالغ اور مقیم وصحت مند کیوں نہ ہوں، اور ان کے لیے جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز کو، اور اس سے بھی بڑھ کر، باجماعت ظہر کی نماز کو، افضل وبہتر قرار دیا جارہا ہے۔

یہ مدعا ''امدادُالاحکام'' کے مذکورہ مفصل ومدلل فتویٰ سے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس فتویٰ سے خود، اُن روایات اور عبارات کا بھی شافی وکافی جواب معلوم ہوتا ہے، جن سے مذکورہ صورت میں بظاہر جمعہ کے عدمِ جواز کا شبہ ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ بات نہایت قابلِ حیرت معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ صورت میں جمعہ کے عدمِ جواز کی نسبت ''امدادُالاحکام'' کے مذکورہ فتویٰ کی طرف کی جائے۔

اور جب ''امدادُالاحکام'' کے مذکورہ فتویٰ سے اُن عبارات سے پیدا ہونے والے ظاہری شبہ کا بھی جواب ہوگیا، تو اَب جمعہ کے عدمِ جواز کے لیے کسی دوسری مستند فقہی دلیل کا پایا جانا ضروری ہے، یا ان توجیہات کی تردید اور قواعد کا معقول وشافی جواب ضروری ہے۔

پس منسلکہ تحریر اور فتوے میں جمعہ کے دن، وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کی شرائط پائے

جانے کے باوجود، نہ صرف یہ کہ جمعہ کے واجب ہونے کی جونفی کی گئی ہے، بلکہ اس کی صحت کی نفی کی طرف بھی رجحان ظاہر کیا گیا ہے، حنفیہ کے قواعد کی رو سے اُس سے اتفاق ممکن نہیں۔

یہ ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے کہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک معذورین کے لیے جس قدر برائی اور کراہت ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی صورت میں ہے، اس سے زیادہ برائی، وجوبِ جمعہ کے باوجود، ترکِ جمعہ کی ہے، اسی وجہ سے فقہائے حنفیہ نے غیر معذور کے لیے جمعہ کی نماز ترک کر کے، ظہر کی نماز پڑھنے کوحرام یا مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، اور اس کے مکروہ تنزیہی ہونے کا قول کسی نے بھی نہیں کیا، جبکہ امام زفر اور ائمہ ٔ ثلاثہ غیر حنفیہ نے تو غیر معذور کی نمازِ ظہر کو سرے سے معتبر ہی نہیں سمجھا، اور کالعدم قرار دیا۔

لہٰذا اس موقع پر چند متوہم یا غیر اہم باتوں کی بنیاد پر جمعہ جیسے فریضے کو ساقط کرنے کرانے کی کوشش کرنا، جبکہ فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائط کے مطابق، جمعہ واجب اور صحیح بھی ہو رہا ہو، یہ طرزِ عمل استحسان کی نظر سے دیکھنے کا مستحق نہ کہلائے گا۔

اور ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ بعض اہلِ علم حضرات، کا زورِ قلم اسی پر صرف ہو رہا ہے کہ ایک طرف تو وجوبِ جمعہ کے باوجود، اس فریضہ کو ساقط کیا جا رہا ہے، اور دوسری طرف صحتِ جمعہ کی نفی کی جا رہی ہے، اور تیسری طرف باجماعت ظہر کی نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کو بھی گوارا کیا جا رہا ہے، بلکہ اس کی خاطر کراہت میں تخفیف اور پھر اس کی تعدیم کی جدوجہد کی جا رہی ہے، اور اس کی خاطر صریح عباراتِ فقہاء میں بھی غیر مؤثر تاویلات کی جا رہی ہیں۔

اور جہاں تک مذکورہ تحریر اور فتوے میں جمعہ کے بجائے، علی الاطلاق ظہر کی نماز باجماعت کے مکروہ ہونے کی نفی کر کے، اس کو افضل قرار دیا گیا ہے، یہ فقہائے حنفیہ کی تصریحات کے واضح طور پر خلاف ہے، جس کی وجہ سے اس سے بھی اتفاق مشکل، بلکہ بعید تر ہے۔

چنانچہ یہ بات فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے واضح ہے کہ جمعہ کے دن شہر میں، اصحابِ اعذار کے لیے بھی، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے۔

البتہ غیر حنفیہ کے نزدیک، جن کا جمعہ، عذر کی وجہ سے فوت ہوجائے، یا جن پر جمعہ واجب نہ ہو، ان کو جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مکروہ نہیں، بلکہ بعض قیود کے ساتھ جائز یا مستحب ہے۔ [1]

دیگر فقہائے کرام کے اقوال کی تفصیل تو ان شاء اللہ تعالیٰ آگے ذکر کی جائے گی۔

فی الحال حنفیہ کے نزدیک شہر میں موجود، جمعہ سے معذور وغیر معذور لوگوں کو باجماعت ظہر کی

---

[1] ثالثا ــ صلاة الظهر جماعة من أصحاب الأعذار: قال الحنفية: يكره تحريما أن يصلي المعذورون من مسافر ومسجون ومريض وغيرهم الظهر بجماعة يوم الجمعة في موطن إقامة الجمعة (في المصر) قبل الجمعة وبعدها؛ لما فيه من الإخلال بالجمعة، إذ هي جامعة للجماعات، وربما يتطرق غير المعذور إلى الاقتداء بهم، ولما فيه من صورة معارضة الجمعة بإقامة غيرها .أما أهل القرى ممن لا جمعة عليهم فلهم صلاة الظهر بجماعة، ويكره أيضا لمن فاتتهم الجمعة من أهل المصر صلاة الظهر جماعة، وإنما يصلونها فرادى بغير جماعة ولا أذان ولا إقامة، ويستحب للمريض تأخير الظهر إلى فراغ الإمام، وكره إن لم يؤخر على الصحيح.

وقال الجمهور غير الحنفية: يجوز لمن فاتتهم الجمعة لعذر أو لمن لا تجب عليه الجمعة أن يصلوها ظهرا في جماعة، تحصيلا لثواب الجماعة المذكور في الحديث: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفرد بخمس وعشرين درجة وروى عن ابن مسعود أنه فاتته الجمعة، فصلى بعلقمة والأسود.

لكن قال المالكية: تكره صلاة الظهر جماعة يوم الجمعة لغير أرباب الأعذار الكثيرة الوقوع، والأولى الجماعة لأرباب الأعذار الكثيرة الوقوع.

ورأى الحنابلة أنه: لا يستحب إعادتها جماعة في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم، ولا في مسجد تكره إعادة الجماعة فيه، وتكره أيضا في المسجد الذي أقيمت فيه الجمعة؛ لأنه يؤدي إلى التهمة كالرغبة عن الجمعة، أو أنه لا يرى الصلاة خلف الإمام، أو يعيد الصلاة معه فيه، وربما أفضى إلى فتنة أو لحوق ضرر به وبغيره، وإنما يصليها في منزله أو في موضع لاتحصل هذه المفسدة بصلاتها فيه.

واتفق الجمهور مع الحنفية على أنه يستحب لمن يرجو زوال عذره أن يؤخر الظهر إلى اليأس عن إدراك الجمعة؛ لأنه قد يزول عذره، فإن زال عذره بعد الفراغ من الظهر كأن قدم من السفر، أو شفي من المرض، أو انفك من وثاقه، أعاد الجمعة إن أدركها .كذلك الصبي يعيد الجمعة إذا بلغ بعد أن صلى الظهر (الفقه الاسلامي وادلتہ للزحیلی، ج۲ص ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، القسم الاول، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثانی، المطلب التاسع)

نماز پڑھنے اور وجوبِ جمعہ کی صورت میں اس کے ترک کرنے کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

منسلکہ تحریر وفتوے میں جن تین تعلیلات کا ذکر کیا گیا ہے، اور موجودہ حالات میں ان کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جمعہ کے دن شہر میں موجود عاقل، بالغ لوگوں کے لیے، ظہر کی نماز باجماعت کے مکروہ ہونے کی نفی کی گئی ہے، اور اس کے مقابلے میں استحباب کا حکم لگایا گیا ہے۔

ہمیں فقہائے حنفیہ کی عبارات وحوالہ جات کے پیشِ نظر، ان تعلیلات اور ان کے بحالاتِ موجودہ، مفقود ہوکر شہروں میں جماعتِ ظہر کی کراہت مرتفع ہونے، اور اس کے بجائے، استحباب ثابت ہوجانے سے بالکل بھی اتفاق نہیں۔

چنانچہ منسلکہ تحریر میں پہلی تعلیل یہ ذکر کی گئی ہے کہ جمعہ کے دن شہر میں لوگوں کے ظہر کی نماز باجماعت کے نتیجے میں مسجدِ جامع سے معارضہ ہوگا، جبکہ معارضہ، موجود نہیں۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ تعلیل متقدمین نے بیان کی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات معذورین کے ساتھ غیر معذورین بھی جماعتِ ظہر میں شامل ہوجائیں گے، اور جامع مسجد میں ہونے والے جمعہ میں شریک نہ ہوں گے، اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ شہر میں تعددِ جمعہ جائز نہیں، اور جامع مسجد سے مراد، شہر کی ایک جامع مسجد یا ایک مقام ہے، جس میں تمام اہلِ شہر کے لیے جمعہ کا انعقاد ہوتا تھا، اور اس وقت شہر میں تعددِ جمعہ جائز نہیں تھا، لیکن بعد میں تعددِ جمعہ کو جائز ومفتیٰ بہ قرار دے دیا گیا، جس کی وجہ سے یہ علت مؤثر ہی نہیں رہی۔

اور جہاں تک دوسری تعلیل کا تعلق ہے کہ اس کی وجہ سے تقلیلِ جماعت ہوگی، جبکہ وہ بھی موجود نہیں۔

تو اس سے بھی اتفاق نہیں، کیونکہ اس تعلیل کا مطلب خود فقہائے کرام نے یہ بیان فرمایا ہے کہ معذورین کے جماعت کرنے کی صورت میں بعض اوقات، ان کے ساتھ غیر معذور بھی شریک ہوجائیں گے، اور اس طرح وہ جمعہ کو ترک کر بیٹھیں گے، اور جمعہ پڑھنے والوں کی

تعداد میں تقلیل پیدا ہوگی، لہٰذا معذورین کا ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، اس مفسدہ کی طرف مفضی ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس تعلیل کا مقصود بھی ایسے طرزِ عمل سے روکنا ہے، جو غیر معذورین کے لیے جمعہ کی نماز میں رکاوٹ کا باعث ہو، جبکہ منسلکہ تحری وفتوے میں خود ہی جمعہ سے منع کرنے کا تکلف اختیار کیا جارہا ہے، اور اُن کو ظہر کی جماعت کی دعوت دی جارہی ہے، جو غیر معذورین کو جمعہ سے ہی روکنے کا باعث ہے، لہٰذا مذکورہ اہلِ علم حضرات کا یہ استدلال واضح تسامح پر مبنی ہے۔

اور جہاں تک منسلکہ تحریر وفتوے میں مذکور، تیسری تعلیل کا تعلق ہے کہ بعض غیر معذور لوگ بھی دیکھا دیکھی، اس میں شامل ہوجائیں گے۔

یہ بھی تعلیلات میں التباس واختلاط پر مبنی ہے، کیونکہ دوسری تعلیل سے یہ معلوم ہوچکا کہ یہ کوئی مستقل تعلیل نہیں، بلکہ مذکورہ دوسری تعلیل ہی کی عملی شکل ہے۔

جبکہ منسلکہ تحریر میں ایک مستقل اہم، بلکہ نہایت اہم تعلیل کا ذکر نہیں، جو یہ ہے کہ شہروں میں ظہر کی نماز باجماعت کرنا ہی جمعہ کے ساتھ معارضہ ہے، جو کسی حال میں قابلِ قبول نہیں۔

جس کی تفصیل عباراتِ فقہ وتصریحاتِ فقہاء کی روشنی میں آگے آتی ہے، اور اس سے معلوم ہوگا کہ منسلکہ تحریر وفتوے میں جو مذکورہ استدلال کیا گیا ہے، وہ سخت تسامحات پر مبنی ہے۔

فقہائے حنفیہ نے جمعہ کے دن شہر میں موجود ہر طرح کے لوگوں کے لیے، جماعتِ ظہر کو مکروہ قرار دے دیا ہے، جن میں بطورِ خاص معذور افراد کی تصریح فرمائی ہے، اور اکثر فقہائے کرام نے شہر میں جماعتِ ظہر کو مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے، غیر معذورین کے لیے تو جماعتِ ظہر کے مکروہ تحریمی، بلکہ حرام ہونے میں شبہ ہی نہیں، اور معذورین کا جماعتِ ظہر کرنا بھی اکثر حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک ایک مخصوص صورت کے علاوہ باقی تمام صورتیں مکروہ تحریمی ہیں۔

اور جب حنفی فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق، معذور کے لیے بھی شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہوئی، تو اس پر یہ شبہ وارِد ہی نہیں کیا جاسکتا کہ جب وہ جمعہ کی شرکت سے معذور ہے، تو اس کے لیے ظہر کی نماز باجماعت کو کیوں مکروہ قرار دیا گیا، کیونکہ دراصل فقہائے کرام نے خود ہی معذور کی تصریح کے ساتھ اس حکم کو بیان فرمایا ہے۔

نیز جب حنفیہ نے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز باجماعت کو دوسری باجماعت نمازوں سے مستثنیٰ ہونے کی بھی تصریح کردی ہو، تو اس کو دوسری نمازوں پر قیاس کرنے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، یہ قیاس تو دراصل غیر حنفیہ کا پیش کردہ ہے، وہ بھی جمعہ سے حقیقی معذورین کے حق میں، جس کو حنفیہ نے قبول کرنے کے بجائے، رَد کردیا ہے، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

اور اگر کچھ لوگوں پر فقہائے کرام کے قواعد کی رُو سے، جمعہ کی نماز واجب ہو، اور وہ جمعہ کی نماز کو فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائط کے مطابق، جمعہ کی نماز قائم کرنے پر قادر بھی ہوں۔

پہلے تو خود ان سے اس واجب کی نفی کی جائے، اور ان کے جمعہ کو غیر درست قرار دیا جائے۔

اور پھر یہ تصور قائم کیا جائے کہ ان سے جمعہ چھوٹ گیا ہے۔

اور پھر مزید براں ان کے حق میں جو عمل مکروہ تھا، اس کی نفی کر کے اس کو **مبدل بمستحب** کردیا جائے۔

یہ ایک فرضی وخیالی تصور ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ قابلِ تعجب امر ہے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ فقہائے حنفیہ نے غیر معذور کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنے کو مکروہِ تحریمی اور حرام قرار دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جس پر جمعہ کی نماز فرض ہو، اس کا اس فرض کو چھوڑنا، جو کہ ظہر سے زیادہ مؤکد ہے، یہ کراہتِ تحریمی یا حرام کا باعث ہے۔

جبکہ دیگر جمہور فقہائے کرام یعنی امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک بلکہ امام زفر کے نزدیک جس پر جمعہ کی نماز فرض ہو، اس کا بلا عذر جمعہ، ترک کر کے ظہر کی نماز پڑھنا سرے

سے معتبر ہی نہیں ہوتا، اوراس کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں ہوتا، ان جملہ ائمۂ کرام وفقہائے عظام کے نزدیک جمعہ کی نماز مستقلاً فرض ہے، اوروہ ظہر کا بدل نہیں۔ [1]

اور فقہائے حنفیہ نے جابجا اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ معذور کے لئے بھی جمعہ کے دن باجماعت ظہر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، یعنی حنفی فقہائے کرام نے معذورین کے لئے ہی جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت کو مکروہ قرار دیا ہے، اور غیر معذورین کے لئے بدرجہ اولیٰ مکروہ بلکہ حرام ہے، بہت سے حضرات نے غیر معذورین کے ذکر کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی کہ ان کا حکم بدرجۂ اولیٰ یا اولویت کے ساتھ اسی سے سمجھ آ رہا تھا۔

اور غیر معذورین سے مراد وہ افراد ہیں، جن پر بذاتِ خود جمعہ کی نماز واجب ہو، جیسا کہ شہر

---

[1] ذهب الأئمة الثلاثة -مالك والشافعي في مذهبه الجديد وأحمد -إلى أن الجمعة فرض مستقل، فليست بدلا من الظهر، وليست ظهرا مقصورا .واستدل الرملي لكونها صلاة مستقلة: بأنه لا يغني الظهر عنهاولقول عمر -رضي الله عنه :-الجمعة ركعتان، تمام غير قصر على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم وقد خاب من افترى.

وقال أبو حنيفة وأبو يوسف :إن فرض وقت الجمعة في الأصل إنما هو الظهر، إلا أن من تكاملت فيه شرائط الجمعة الآتي ذكرها فإنه مأمور بإسقاطه وإقامة الجمعة في مكانه على سبيل الحتم، أما من لم تتكامل فيه شرائطها، فيبقى على أصل الظهر إلا أنه يخاطب بأداء الجمعة في مكانها على سبيل الترخيص، أي فإذا أدى الجمعة رغم عدم تكامل شروط وجوبها عليه سقط عنه الظهر بذلك على أن لكل من محمد وزفر أقوالا أخرى في كيفية فرضية الجمعة .

وفائدة الخلاف تظهر فيما لو صلى الظهر في بيته وحده قبل فوات الجمعة -وهو غير معذور، فعند أبي حنيفة وأبي يوسف يصح ظهره ويقع فرضا؛ لأنه أدى فرض الوقت الأصلي فيجزئه.

قال السمرقندي :من صلى الظهر في بيته وحده -وهو غير معذور -فإنه يقع فرضا في قول أصحابنا الثلاثة -أبي حنيفة وصاحبيه -خلافا لزفر فإن عنده لا يجوز الظهر .

وفي المذاهب الأخرى لا تجزئه صلاة الظهر ويلزمه حضور الجمعة، فإن حضرها فذاك وإلا بأن فاتته لزمه قضاء الظهر حينئذ .قال أبو إسحاق الشيرازي في المهذب :وأما من تجب عليه الجمعة، ولا يجوز له أن يصلي الظهر قبل فوات الجمعة، فإنه مخاطب بالسعي إلى الجمعة، فإن صلى الظهر قبل صلاة الإمام ففيه قولان :قال في القديم:يجزئه؛ لأن الفرض هو الظهر . . .وقال في الجديد :لا تجزئه، ويلزمه إعادتها وهو الصحيح.

وقال ابن قدامة في المغني :من وجبت عليه الجمعة إذا صلى الظهر قبل أن يصلي الإمام الجمعة لم يصح، ويلزمه السعي إلى الجمعة إن ظن أنه يدركها؛ لأنها المفروضة عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۱۹۴، ۱۹۵، مادة"صلاة الجمعة")

میں موجود، صحت مند، عاقل، بالغ، کم از کم چار افراد، جو نمازِ جمعہ پر قادر ہوں۔

اور معذورین سے مراد وہ ہیں، جن پر بذاتِ خود جمعہ کی نماز واجب نہ ہو، جیسا کہ مریض اور مسافر وغیرہ۔

نیز فقہائے حنفیہ نے جمعہ کی نماز کی اتنی اہمیت بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لے، اور پھر وہ مسجد میں آئے، جہاں جمعہ کی نماز قائم وجاری ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نمازِ جمعہ میں شامل ہوئے بغیر، اس کی ظہر باطل ہوجاتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک شامل ہونے سے ہی ظہر باطل ہوتی ہے۔

برخلاف جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں کے، جن میں ظہر کی نماز بھی داخل ہے۔

جبکہ منسلکہ تحریر اور فتوے میں تقریباً ان سب چیزوں کو نظر انداز کر کے ایک ایسا حکم صادر کیا گیا ہے، جس کی خاص کر فقہائے حنفیہ سے نظیر نہیں ملتی، اور ساتھ ہی اس کو فقہائے حنفیہ کی طرف منسوب کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

''کتابُ الأصل'' اور ''الجامعُ الصغیر'' کا حوالہ

چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ نے ''کتابُ الأصل'' میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن، ظہر کی نماز پڑھ کر، جمعہ کی سعی کرے، تو اس کی ظہر باطل ہوجاتی ہے، البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جمعہ میں شرکت سے باطل ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] قلت :أرأيت رجلا صلى الظهر أو العشاء ثم أتى المسجد فأقيمت الصلاة أيصلى معهم ويجعل الذى صلى تطوعا ؟ قال :لا

قلت :أرأيت رجلا صلى الظهر يوم الجمعة ثم أتى المسجد فأقيمت الصلاة أيصلى معهم الجمعة ويجعل التى صلى تطوعا؟ قال :نعم .

قلت :من أين اختلف هذا والباب الأول؟ قال :لأن هذا يجب عليه أن يصلى الجمعة مع الناس، ولا ينبغى له أن يصلى الظهر فى بيته يوم الجمعة من غير عذر .والباب الأول إذا صلى الظهر فى بيته فهى الفريضة، ولا ينبغى له أن يجعل الفريضة نافلة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورامام محمد رحمہ اللہ نے ''الجامعُ الصغیر ''میں بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ [1]

جس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ نے جمعہ کے دن، نمازِ جمعہ کو، نمازِ ظہر پر فوقیت دی ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام نے معذور وغیر معذور کی تقسیم کی ہے، اور غیر معذور کی نمازِ ظہر کو معتبر ہی نہیں سمجھا، خواہ بغیر جماعت کے پڑھے یا جماعت سے، جس سے جمعہ کی نمازِ ظہر پر فوقیت مزید ظاہر ہوتی ہے۔

جبکہ منسلکہ تحریر اور فتوے میں جمعہ کی اہمیت کے بجائے، ظہر اور اس کی جماعت کی اہمیت پر زور دیا جا رہا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے ''کتابُ الأصل ''میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والفريضة هاهنا هى الجمعة(الأَصْلُ،لمحمد بن الحسن،ج ۱،ص ۱۵۲، كتاب الصلاة،باب الحدث فى الصلاة وما يقطعها)

قلت :أرأيت رجلا مريضا لا يستطيع أن يشهد الجمعة ، فصلى فى بيته الظهر، ثم وجد خفة فأتى الجمعة فصلى مع الإمام، أيتها الفريضة؟ قال :الجمعة هى الفريضة .

قلت :فإن وجد خفة حين صلى الظهر فى بيته، فخرج وهو يريد أن يشهد الجمعة، فجاء وقد فرغ الإمام من الجمعة؟ قال:عليه أن يصلى الظهر أربع ركعات.

قلت :لم وقد صلى فى بيته؟ قال :لأنه حين خرج ونوى أن يشهد الجمعة فقد بطل ما صلى، فإذا لم يدرك مع الإمام الجمعة كان عليه أن يصلى الظهر أربع ركعات .وهذا قول أبى حنيفة .وقال أبو يوسف ومحمد :لا تنتقض صلاته إلا أن يدخل فى الجمعة(الأَصْلُ،لمحمد بن الحسن،ج ۱،ص ۳۰۶،۳۰۷، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

قلت :أرأيت رجلا صحيحا صلى الظهر فى أهله ولم يشهد الجمعة،فلما فرغ من صلاته بدا له أن يشهد الجمعة، فجاء فدخل مع الإمام فصلى معه، أيتها الفريضة؟ قال :التى أدرك مع الإمام هى الفريضة .

قلت :فإن جاء وقد فرغ الإمام من صلاته؟ قال :عليه أن يصلى الظهر أربع ركعات .وهذا قول أبى حنيفة .وقال أبو يوسف ومحمد :صلاته الأولى تامة ما لم يدخل فى الجمعة، فإذا دخل فى الجمعة بطلت الظهر التى صلى(الأَصْلُ،لمحمد بن الحسن،ج ۱،ص۳۰۷،۳۰۸، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

[1] رجل صلى الظهر يوم الجمعة ثم خرج يريد الجمعة انتقض الظهر وقالا لا ينتقض حتى يدخل فى الجمعة (الجامع الصغير،ص ۱۱۲،كتاب الصلاة،باب فى صلاة الجمعة)

قلت: أرأيت القوم أتكره لهم أن يصلوا الظهر في جماعة يوم الجمعة؟

قال: نعم، أكره لهم ذلك إذا كانوا في مصر .

قلت: وكذلك إذا كانوا في سجن أو محبس ؟

قال: نعم، وإن صلوا أجزأهم (الأَصْلُ، لأبي عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني، ج ١، ص ٣١٤، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ کیا لوگوں کے لیے، جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو آپ مکروہ سمجھتے ہیں؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جی ہاں! میں لوگوں کے لیے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو مکروہ سمجھتا ہوں، جبکہ وہ شہر میں ہوں۔

میں نے عرض کیا کہ کیا یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ وہ قید خانے میں یا محبوس ہوں؟

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جی ہاں! البتہ اگر وہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھ لیں گے، تو ان کی نماز کا فریضہ ادا ہو جائے گا (کتابُ الأصل)

نیز امام محمد رحمہ اللہ نے ''الجامعُ الصغير'' میں جمعہ کے دن قید خانہ اور اس سے باہر کے سب لوگوں کو ظہر کی نماز، جماعت سے پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

ويكره أن يصلى الظهر في جماعة يوم الجمعة في سجن وغير سجن فإن صلى قوم أجزاهم (الجامع الصغير، ص ١١٢، كتاب الصلاة، باب في صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور جمعہ کے دن ظہر کی نماز، جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، چاہے

قید خانے میں پڑھے، یا قید خانے کے بغیر، البتہ وہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھ لیں گے، تو ان کی نماز ادا ہو جائے گی (الجامعُ الصغیر)

مذکورہ عبارات چونکہ حنفیہ کے نزدیک ''ظاھرُ الروایة'' پر مبنی ہیں، جن میں علی الاطلاق معذور اور غیر معذور سب کے لیے کسی طرح کی شرط وقید کے بغیر، جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد، جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز باجماعت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، اس لیے حنفیہ کا اصل مذہب یہی ہے، اور تمام حنفیہ نے اس کی پیروی کی ہے، اور انہوں نے جمعہ کی نماز سے معذور لوگوں کے لیے بھی، شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور غیر معذورین کو اولیت کے ساتھ اس حکم میں داخل وشامل مانا ہے۔

البتہ بعد کے مشائخِ حنفیہ کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ معذور لوگوں کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی کراہت، تحریمی درجے کی ہے، یا تنزیہی درجے کی۔

چونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے حوالے سے، حنفیہ کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، جس چیز کو مکروہ قرار دیں، اس سے کراہتِ تحریمی مراد ہوا کرتی ہے، اس لیے بہت سے مشائخِ حنفیہ نے دوسرے کئی مسائل کی طرح اس کے مکروہ تحریمی ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔

اور انہوں نے اس سلسلے میں غیر معذورین کی اقتداء کر لینے کے نتیجے میں، جمعہ کے فریضہ اور وجوب کو ترک کرنے کا ذریعہ ہونے اور صورتاً جمعہ کے ساتھ معارضہ کی علتوں کو کراہیتِ تحریمی کے لیے کافی قرار دیا۔

اور بعض متقدمینِ حنفیہ نے جامع مسجد میں تقلیل ہونے کی علت بھی بیان کی ہے، لیکن متاخرین محققینِ حنفیہ نے فرمایا کہ یہ اس روایت کے مطابق ہے، جس کی رُو سے شہر میں تعددِ جمعہ جائز نہیں، لیکن بعد میں اہلِ علم حضرات کی طرف سے تعددِ جمعہ کو جائز ومفتیٰ بہ قرار دینے کے بعد، یہ علت مؤثر نہیں رہی، کیونکہ انہوں نے تعددِ جمعہ کو جائز قرار دے کر ایک طرح سے تقلیلِ جماعت فی مکانٍ واحدٍ کو گوارا کر لیا، اور متعدد مقامات پر اجتماعات کو تقسیم کر کے بظاہر تو

ایک جگہ تقلیل کو گوارا فرمایا، لیکن دوسری طرف تکثیرِ جماعات کی شکل میں، دراصل تکثیر کو ہی اختیار فرمایا، تاکہ علاقے کے لوگ بآسانی اس شعارِ اسلام کو قائم کر کے اسلامی شان وشوکت کا مظاہرہ کرسکیں، اور کوئی دشواری وسستی، جمعہ میں شرکت کے لیے حائل ومانع نہ ہو۔

تاہم بعض مشائخِ حنفیہ کی عبارات سے، جماعتِ ظہر للمعذورین کا کراہتِ تنزیہی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

جس کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ معذورین کے حق میں باجماعت ظہر کی نماز پڑھنے میں شریعت کی طرف سے کوئی منصوص ومتعین وعید وارد نہیں ہوئی، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام نے اس کو مکروہ قرار نہیں دیا، اور اس سلسلے میں بعض آثار سے استدلال بھی کیا ہے۔

کراہتِ تنزیہی قرار دینے والوں کے نزدیک اس کی بنیاد اسی چیز پر ہے کہ اگرچہ کسی چیز کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مکروہ قرار دیا ہو، تب بھی اس کا اس اصول کے تناظر میں جائزہ لے کر کراہت کے درجہ کو متعین کرنے کی ضرورت ہوگی، اور دیکھا جائے گا کہ وہ فعل کسی منصوص وعید کو متضمن ہے، یا نہیں، اثبات کی صورت میں کراہتِ تحریمی کو، اور عدمِ اثبات کی صورت میں کراہتِ تنزیہی کو ترجیح دی جائے گی، جس کا مآل خلافِ اولیٰ ہونا ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] مطلب فی تعریف المکروہ، وأنه قد یطلق علی الحرام والمکروہ تحریما وتنزیها .(قوله: ومکروهه) هو ضد المحبوب؛ قد یطلق علی الحرام کقول القدوری فی مختصره :ومن صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا عذر له کره له ذلک .وعلی المکروه تحریما : وهو ما کان إلی الحرام أقرب، ویسمیه محمد حراما ظنیا .وعلی المکروه تنزیها :وهو ما کان ترکه أولی من فعله، ویرادف خلاف الأولی کما قدمناه.

وفی البحر :من مکروهات الصلاة المکروه فی هذا الباب نوعان :أحدهما ما کره تحریما، وهو المحمل عند إطلاقهم الکراهة کما فی زکاة فتح القدیر، وذکر أنه فی رتبة الواجب لا یثبت إلا بما یثبت به الواجب یعنی بالظنی الثبوت .ثانیهما المکروه تنزیها، ومرجعه إلی ما ترکه أولی، وکثیرا ما یطلقونه کما فی شرح المنیة، فحینئذ إذا ذکروا مکروها فلا بد من النظر فی دلیله، فإن کان نهیا ظنیا یحکم بکراهة التحریم إلا لصارف للنهی عن التحریم إلی الندب، فإن لم یکن الدلیل نهیا بل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن جمہور حنفیہ کا رجحان، کراہتِ تحریمی کی طرف ہے، سوائے ایک مخصوص صورت کے کہ اس میں کراہتِ تنزیہی کی طرف ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن عبارات میں جمعہ فوت ہونے والوں سے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی کراہت منقول ہے، وہ اس مسئلے کی ایک مخصوص صورت ہے، جس میں ان کو بھی جماعتِ ظہر سے روکنا مقصود ہے، ورنہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ اس قسم کی عبارات سے معذور وغیر معذور حضرات وافراد سب کے لیے ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنے کے مکروہ ہونے کو ہی بیان کرنا ہے، چونکہ معذورین میں ایک قسم اُن لوگوں کی ہے، جن کا جمعہ فوت ہوگیا ہو، اس لیے ان کا حکم الگ سے بیان کرنے کے لیے، اس تعبیر کو اختیار کیا گیا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان مفيدا للترك الغير الجازم فهي تنزيهية .اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج ١، ص ١٣١، ١٣٢، كتاب الطهارة،سنن الوضوء)

مطلب في الكراهة التحريمية والتنزيهية

(قوله هذه تعم التنزيهية إلخ) قال في البحر :والمكروه في هذا الباب نوعان .أحدهما :ما يكره تحريما وهو المحمل عند إطلاقهم كما في زكاة الفتح، وذكر أنه في رتبة الواجب لا يثبت إلا بما يثبت به الواجب؛ يعني بالنهي الظني الثبوت أو الدلالة، فإن الواجب يثبت بالأمر الظني الثبوت أو الدلالة.

ثانيهما :المكروه تنزيها، ومرجعه إلى ما تركه أولى، وكثيرا ما يطلقونه كما ذكره في الحلية، فحينئذ إذا ذكروا مكروها فلا بد من النظر في دليله، فإن كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم إلا لصارف للنهي عن التحريم إلى الندب، وإن لم يكن الدليل نهيا بل كان مفيدا للترك الغير الجازم فهي تنزيهية اهـ.

قلت :ويعرف أيضا بلا دليل نهي خاص، بأن تضمن ترك واجب أو ترك سنة .فالأول مكروه تحريما، والثاني تنزيها؛ ولكن تتفاوت التنزيهية في الشدة والقرب من التحريمية بحسب تأكد السنة؛ فإن مراتب الاستحباب متفاوتة كمراتب السنة والواجب والفرض، فكذا أضدادها كما أفاده في شرح المنية وسيأتي في آخر المكروهات تمام ذلك (قوله وإلا فتنزيهية) راجع إلى قوله فإن نهيا أي وإن لم يكن نهيا بل كان مفيدا للترك الغير الجازم، وإلى قوله ولا صارف :أي وإن كان نهيا ولكن وجد الصارف له عن التحريم فهي فيهما تنزيهية كما علمته من عبارة البحر فافهم (قوله تحريما للنهي) الأولى تأخيره عن المضاف إليه ط(رد المحتار على الدر المختار، ج ١، ص ٦٣٩، كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته)

اسی وجہ سے فقہائے کرام نے جب بھی اور جہاں بھی، یہ مسئلہ بیان فرمایا، ان کو شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی جماعت سے منع کرنے کے لیے ہی بیان فرمایا، اپنی شرائط کے ساتھ جمعہ منعقد کرنے اور جمعہ میں شرکت سے منع کرنے کے لیے بیان نہیں فرمایا، بلکہ فقہائے کرام نے تو مسافر، غلام اور مریض سب کے جمعہ پڑھنے کی صورت میں فرض کی ادائیگی، درست ہونے کا حکم لگایا، حنفیہ نے ان کے جمعہ میں امامت کو بھی درست قرار دیا، اور ان کے لیے جمعہ کے دن، ظہر کے بجائے، جمعہ پڑھنے کو بمقابلہ رخصت، عزیمت اور زیادہ باعثِ اجر وثواب قرار دیا۔

لہٰذا اس قسم کی عبارات سے یہ سمجھ لینا کہ جمعہ فوت ہونے والے لوگوں کے لیے، جمعہ کی نماز کا پڑھنا جائز نہیں، اگرچہ اُن میں جمعہ کی شرائطِ وجوب وصحت بھی موجود ہوں، یہ سخت غلط فہمی ہے، جس کے متعلق بعض معقول جوابات، امدادُ الاحکام کے حوالے سے ذکر کیے جا چکے ہیں، اور ہم نے اُس موقع پر یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس قسم کی عبارات کا اصل مقصود، جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے مکروہ ہونے کو بیان کرنا ہے، اور ان عبارات کا مقصود جمعہ صحیح یا واجب نہ ہونے کو بیان کرنا نہیں ہے، وہ مسئلہ دوسرے قواعد وجزئیات سے اپنے مقام پر الگ سے ثابت اور مذکور ہے۔

اور زمانۂ سلف میں چونکہ جمعہ کا قیام اذنِ حاکم کے ساتھ، بلکہ اس کی اقتداء میں، اور عموماً شہر میں ایک ہی مقام پر ہوتا تھا، اس لیے اس وقت جمعہ فوت ہونے کا تصور بھی محدود تھا، برخلاف آج کے موجودہ حالات وزمانے کے، جیسا کہ ''امدادُ الاحکام'' کے حوالے سے مفصلاً گزرا۔

''المبسوط للسرخسی'' کا حوالہ

شمس الائمہ سرخسی نے ''المبسوط'' میں فرمایا کہ:

’’شہر کے اندر قید خانہ میں اور اس کے باہر، نمازِ ظہر کو جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ ایک تو آج تک، ہر دور میں جمعہ کے دن ظہر کے وقت میں (جامع مسجد کے علاوہ) مساجد کے دروازے بند کرنے کا رواج رہا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جائے گی۔

دوسرے شہر میں موجود شخص کو جمعہ کے وقت دو چیزوں کا حکم ہے، اولاً تو ظہر کی جماعت ترک کرنے کا، اور ثانیاً جمعہ میں حاضر ہونے کا۔

اور قید خانہ کے لوگ ان میں سے ایک چیز پر قادر ہیں، جو کہ ترکِ جماعت ہے، لہٰذا ان کو اس کا بہر حال حکم ہوگا (اور اس کی خلاف ورزی مکروہ ہوگی)

تیسرے معذور لوگوں کے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی صورت میں غیر معذور لوگ بھی اس میں شریک ہو سکتے ہیں، جس سے جامع مسجد میں (یا جہاں شہر میں تمام لوگوں کا کسی ایک جگہ اجتماع ہوتا ہے، وہاں) لوگوں کا جمعہ کی نماز کو کم تعداد میں پڑھنا، لازم آئے گا‘‘۔انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں بھی ظہر کے دن معذور و غیر معذور کے لیے ظہر کی نماز باجماعت کے مکروہ ہونے کو بیان کرنا مقصود ہے، جس کی تعبیر بعض حضرات نے دوسری اختیار کی ہے، لیکن ان کا مقصود بھی، درحقیقت اسی مسئلہ کو بیان کرنا ہے۔

اور اس عبارت سے یہ بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن شہر کے لوگوں کو ایک تو ظہر کی

---

[1] (قال) ویکرہ أن یصلی الظهر یوم الجمعة فی المصر جماعة فی سجن أو فی غیر سجن هکذا روی عن علی -رضی الله عنه -ولأن الناس أغلقوا أبواب المساجد فی وقت الظهر یوم الجمعة فی الأمصار فدل أنه لا یصلی جماعة فیها ولأن المأمور به فی حق من یسکن المصر فی هذا الوقت شیئان :ترک الجماعة وشهود الجمعة وأصحاب السجن قدروا علی أحدهما وهو ترک الجماعة فیأتون بذلک ولو جوزنا للمعذور إقامة الظهر بالجماعة فی المصر ربما یقتدی بهم غیر المعذور وفیه تقلیل الناس فی الجامع وهذا بخلاف القری فإنه لیس علی من یسکنها شهود الجمعة فکان هذا الیوم فی حقهم کسائر الأیام(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۲،ص ۳۵، ۳۶، کتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

نماز باجماعت کوترک کرنے کا حکم ہے، اور دوسرے جمعہ کو قائم کرنے کا حکم ہے۔

غیر معذور تو دونوں چیزوں کا مکلّف ہے، اور معذور ترکِ جماعتِ ظہر کا مکلّف ہے۔

لیکن منسلکہ تحریر اور فتوے میں جن پر جمعہ کی نماز واجب اور صحیح ہے، ایک تو ان کے لیے جمعہ کی نماز کو غیر واجب وغیر درست قرار دے کر ایک اہم شرعی حکم کی مخالفت کی جارہی ہے، اور دوسرے ظہر کی نماز باجماعت کو مستحب قرار دے کر، دوسرے حکم کی بھی مخالفت کی جارہی ہے۔

اور اگر کچھ لوگ جمعہ سے معذور ہوں، تو ان کو ظہر کی نماز باجماعت مستحب قرار دے کر، دوسرے حکم کی پھر بھی مخالفت کی جارہی ہے، اور صورتاً نمازِ جمعہ کا معارضہ کیا جارہا ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جامع مسجد یا تمام اہلِ شہر کو جمع کرنے والے مجمع یا جامع میں تقلیل کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات، معذورین کے ساتھ غیر معذورین بھی جماعتِ ظہر میں شرکت کر لیتے ہیں، اور اس طرح وہ ایک فریضہ کے تارک بن جاتے ہیں، اور جمعہ کے اجتماع میں شریک نہیں ہو پاتے، لیکن آگے علامہ ابنِ ہمام وغیرہ کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ علت اس قول پر مبنی ہے۔

جس کے مطابق تعددِ جمعہ جائز نہیں، اور متاخرین کا مختار قول، یا روایت تعددِ جمعہ کے جواز کی ہے، لہٰذا قول یا اس روایت کے مطابق، غیر معذورین کے جماعت میں شرکت سے جمعہ سے محرومی، اور جمعہ سے معارضہ کی علت پھر بھی پائی جاتی ہے، اسی آخری علت کی تعبیر مندرجہ بالا عبارت میں جمعہ کے مقابلہ میں جماعتِ ظہر قائم کرنے کے ترک سے فرمائی گئی ہے۔

”المحیطُ البرھانی“ کا حوالہ

صاحبِ ”المحیطُ البرھانی“ نے بھی اسی قسم کی تفصیل بیان فرمائی ہے، جو علامہ سرخسی کے حوالے سے گزری، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

''امام محمد نے فرمایا کہ جمعہ کے دن شہر میں باجماعت ظہر کی نماز پڑھنا، مکروہ ہے، خواہ جیل خانے میں ہو، یا اس سے باہر، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے وقت، شہر میں موجود شخص کو دو چیزوں کا حکم ہے، ایک تو ترکِ جماعتِ ظہر کا، دوسرے جمعہ میں حاضر ہونے کا، اور قیدی ومعذور لوگ ان میں سے ایک چیز پر قادر ہیں، جو کہ ترکِ جماعتِ ظہر ہے، لہٰذا وہ بہرحال اس حکم کے مکلّف ہوں گے۔

علاوہ ازیں اگر ہم معذورین کو ظہر کی نماز باجماعت کی اجازت دیں گے، تو بعض اوقات ان کی اقتداء میں ایسے لوگ بھی شامل ہوجائیں گے، جو جمعہ سے معذور نہیں، اور اس میں جامع مسجد کے اندر جمعہ کی جماعت میں کم لوگوں کے شریک ہوجانے کا مفسدہ لازم آئے گا۔

برخلاف اہلِ قریٰ کے کہ وہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں گے، کیونکہ ان کے ذمہ، جمعہ میں حاضری لازم نہیں، لہٰذا ان کے حق میں جمعہ کا دن، دوسرے ایام کی طرح شمار ہوگا۔

اور مسافر لوگ اگر جمعہ کے دن، شہر میں آجائیں، وہ بھی نمازِ ظہر کو بغیر جماعت کے تنہا ہی پڑھیں گے، اور اسی طرح سے شہر کے جن لوگوں سے جمعہ فوت ہوجائے، اور اسی طرح سے قیدی اور بیمار لوگ، ان سب کے لیے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔

اور جو مریض، جمعہ میں حاضر ہونے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، جب وہ اپنے گھر میں ظہر کی نماز، اذان واقامت کے بغیر پڑھے، تو جائز ہے، لیکن اذان واقامت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے۔

اور ''قدوری'' میں ہے کہ جس سے جمعہ فوت ہوجائے، تو وہ ظہر کی نماز، اذان

واقامت کے بغیر پڑھے گا، اور اسی طرح قیدی اور بیمار اور غلام اور مسافر بھی''۔

انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں مدعا پر واضح دلالت پائی جاتی ہے، اور عندالحنفیۃ جمعہ کے دن شہر میں ہر کسی کے لیے جماعتِ ظہر کا مکروہ ہونا، ثابت ہوتا ہے، جس سے کوئی فرد بھی خارج نہیں۔

جہاں تک جامع مسجد میں تقلیل کی علت کا تعلق ہے، تو اس کے متعلق پہلے عرض کیا جا چکا، اور آگے بھی آتا ہے کہ یہ تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کے قول پر مبنی ہے، جو تعددِ جمعہ کے جواز اور اس کے مفتیٰ بہ ہونے کی صورت میں مؤثر نہیں۔

''مختصرُ القدوری'' کا حوالہ

امام قدوری نے ''مختصرُ القدوری'' نے فرمایا کہ:

''غیر معذور شخص کو جمعہ کے دن اپنے گھر میں ظہر پڑھنا مکروہ ہے، اور جمعہ کے

---

[1] قال محمد رحمه الله: ويكره أن يصلى الظهر يوم الجمعة فى المصر بجماعة فى سجن وغير سجن، هكذا روى عن على رضى الله عنه، والمعنى فيه: أن المأمور به فى حق من يسكن المصر فى هذا الوقت شيآن، ترك الجماعة وشهود الجمعة، فأصحاب السجون قدروا على أحدها وهو ترك الجماعة، فيأتون بذلك ولو جوزنا للمعذور إقامة الظهر بالجماعة ربما يقتدى بهم غير المعذور، وفيه تقليل الناس فى الجامع.

بخلاف القرى حيث يصلى أهلها الظهر بالجماعة؛ لأنه ليس على من يسكنها شهود الجمعة، فكان هذا اليوم فى حقهم كسائر الأيام، والمسافرون إذا حضروا يوم الجمعة فى مصر يصلون فرادى، وكذلك أهل المصر إذا فاتتهم الجمعة، وأهل السجن والمرضى تكره لهم الجماعة والمريض الذى لا يستطيع أن يشهد الجمعة، إذا صلى الظهر فى بيته بغير أذان وإقامة أجزأه، وإن صلاها بأذان وإقامة فهو حسن؛ لأن هذا اليوم فى حق المريض كسائر الأيام، من صلى الظهر فى بيته إن صلاها بغير أذان وإقامة، فهو جائز وإن صلاها بأذن وإقامة فحسن كذا ها هنا.

وفى القدورى ومن فاتته الجمعة صلى الظهر بغير أذان ولا إقامة، وكذلك أهل السجن والمرضى والعبيد والمسافرون، ذكر الحاكم فى المسافر مثلا مسافر أدرك الإمام يوم الجمعة فى التشهد صلى أربعا بالتكبير الذى دخل به معه(المحيط البرهانى، ج٢ص٩٢، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

دن، معذور لوگوں کو ظہر کی نماز با جماعت پڑھنا بھی مکروہ ہے''۔انتہٰی۔ [1]

اس عبارت میں بھی معذورین کے لیے شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز با جماعت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، اور مذکورہ کتاب، حنفیہ کے متون سے تعلق رکھتی ہے۔

''التجرید للقدوری'' کا حوالہ

امام قدوری نے ''التجرید'' میں فرمایا کہ:

''ہمارے اصحاب کے نزدیک معذور کے لیے جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں، جبکہ وہ مخفی طور پر پڑھیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آج تک تمام زمانوں میں جمعہ کے دن مساجد کو بند رکھا جاتا ہے، سوائے جامع مسجد کے، اور دوسری مساجد میں ظہر کی نماز کے لیے لوگ جمع نہیں ہوتے، حالانکہ شہر میں ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں، جن پر جمعہ فرض نہیں ہوتا، تو اگر معذورین کے لیے جماعت کی نماز جائز ہوتی، تو یہ طرزِ عمل اختیار نہ کیا جاتا۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معذورین کے لیے جمعہ کے دن ظہر کی نماز با جماعت کو مباح قرار دینے میں، ترکِ جمعہ کے لیے تسہیل پائی جاتی ہے، کیونکہ معذورین کے ظہر کی جماعت کرنے کی وجہ سے اس میں بعض اوقات وہ لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں، جن پر جمعہ واجب ہے، لہٰذا اس مادہ کو ختم کیا جائے گا۔

---

[1] ومن صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا عذر له کره له ذلک وجازت صلاته فإن بدا له أن یحضر الجمعة فتوجه إلیها بطلب صلاة الظهر، عند أبی حنیفة بالسعی وقال أبو یوسف ومحمد: لا تبطل حتی یدخل مع الإمام.

ویکره أن یصلی المعذورون الظهر بجماعة یوم الجمعة وکذلک أهل السجن (مختصر القدوری، ص ۴۰، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

اور جمعہ کے دن، جب ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، غیر معذورین کے لیے مکروہ ہے، تو معذور کے لیے بھی مکروہ ہوگا (صورتاً مشابہت کی وجہ سے)

اور ایک وجہ ظہر کی نماز باجماعت کے مکروہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ جب (شافعیہ کے نزدیک) جمعہ کے دن شہر میں معذورین کے لیے ظہر کی جماعت کا اظہار مکروہ ہے، تو اس فعل کا اظہار کے بغیر کرنا بھی مکروہ ہونا چاہیے، جیسا کہ غیرِ رمضان میں تطوع کی جماعت مطلقاً مکروہ ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، جو جماعت کی ترغیب منقول ہے، وہ اُن نمازوں کے لیے ہے، جن کو عام لوگ جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے مخاطب ہیں، اور ہمارے اس جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت کے مسئلے میں یہ چیز نہیں پائی جاتی، یعنی اس دن شہر کے لوگ جماعتِ ظہر کے مخاطب نہیں۔

اور یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ جن پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، وہ دوسری عام نماز والوں کی طرح شمار ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے لئے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں ہونا چاہئے۔

کیونکہ جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں کو تو عامّۃُ الناس کے لئے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے، برخلاف جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے کہ اس میں عامۃُ الناس کے لیے ترکِ جماعت کا حکم ہے، لہٰذا اقل (یعنی معذور لوگ) اکثر (یعنی وجوبِ جمعہ والے حضرات) کے تابع ہوں گے"۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] -قال أصحابنا :يكره للمعذور أن يصلى الظهر يوم الجمعة فى جماعة.
وقال الشافعي :لا يكره .وقال فى الأم :يخفونها حتى لا يظن بهم أنهم رغبوا عن الصلاة مع الإمام.
لنا :أن الناس فى سائر الأعصار يغلقون المساجد يوم الجمعة ولا يجمعوا فيها الظهر ولا تخلو ممن لا يلزمه الفرض، فلو جاز الجمع لم يترك .
ولأن فى إباحة فعلها فى جماعة تسهيل لترك الجمعة؛ لأنهم يتبعهم من ليس بمعذور فيصلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ اگر غیر معذورین کے لیے جمعہ کے قیام کا حکم ہے، تو معذورین کے لیے ترکِ جماعتِ ظہر کا حکم ہے، وہ بہرحال اس کے مکلّف ہیں۔

اوراس بات کی بھی تصریح ہے کہ جمعہ کے دن شہر میں جماعتِ ظہر کو دوسری نمازوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

امام قدوری نے عند الحنفیۃ، جمعہ کے دن معذورین کے لیے نمازِ ظہر کے باجماعت ہونے کی جو علتیں بیان فرمائیں، ان ہی علتوں کو دیگر حنفیہ نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا، اور جامع مسجد کے علاوہ دوسری مساجد کو بند رکھنے کی علت، اس زمانے سے متعلق ہے، جب جمعہ صرف ایک مقام پر ہوتا تھا، بعد میں جب تعددِ جمعہ کو جائز قرار دیا گیا، تو دوسری بہت سی مساجد بھی، جمعہ کے دن ظہر کے وقت کھلنے لگیں، لیکن وہ بھی جمعہ کی نماز کے لیے، نہ کہ ظہر کی جماعت کے لیے، اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

لہٰذا منسلکہ تحریر وفتوے میں جو استدلال وقیاس کیا گیا ہے کہ جس طرح اور دنوں میں ظہر وعصر وغیرہ کی نماز ترک ہوجانے کی صورت میں، گھر کے اندر باجماعت پڑھنا افضل ہے، اسی طرح اہلِ شہر کے ان لوگوں کے لیے بھی افضل ہونا چاہیے، جو جمعہ میں شریک نہ ہوسکیں، یہ قیاس بھی عندالحنفیۃ درست نہیں، اور قیاس مع الفارق کے قبیل میں داخل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معهم، فحسمت المادة فی ذلک .

(ولأنهم صلوا الظهر فی المصر یوم الجمعة جماعة فیکره ذلک لمن لیس بمعذور) .ولأنه لما کره إظهار الجماعة کره فعلها، کالنوافل فی غیر رمضان.

وما روی عن النبی -صلی الله علیه وسلم -من الحث علی الجماعة منصرف إلی الصلوات التی خوطب العامة بفعلها فی جماعة، وهذا لا یوجد فی مسألتنا.

ولا یقال لمن لم یلزمهم الجمعة :صاروا کأهل الصلوات کلها؛ وذلک لأن تلک الصلوات خوطب العامة بفعلها فی جماعة، وهذه خوطب العامة بترکها، فکان الأقل تابعا للأکثر(التجرید للقدوری، ج۲،ص۹۴۸، کتاب الصلاة،یکره للمعذور أن یصلی الظهر یوم الجمعة فی جماعة)

''المختار'' کا حوالہ

''المختار'' میں ہے کہ:

''جو شخص بغیر عذر کے جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھے، تو کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور اصحابِ اعذار کے لیے شہر کے اندر، جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے''۔انتہٰی۔ [1]

''الإختیار لتعلیل المختار'' کا حوالہ

''الإختیار لتعلیل المختار'' میں ہے کہ:

''جس شخص نے جمعہ کے دن، بغیر عذر کے ظہر کی نماز پڑھی، تو وہ درست ہے، مگر مکروہ (تحریمی) ہے، اور امام زفر نے فرمایا کہ درست اور معتبر ہی نہیں (ائمۂ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے)

اور اصحابِ اعذار کے لیے شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں جمعہ کے اندر خلل ڈالنا پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ بعض اوقات ان کی اقتداء غیر معذور بھی کر لیتا ہے (اور وہ جمعہ سے محروم ہو جاتا ہے) اور آج تک تمام زمانوں اور شہروں میں جمعہ کے وقت عام مساجد کو بند کرنے کا تعامل جاری رہا ہے، حالانکہ شہر میں اصحابِ اعذار بھی موجود ہوتے ہیں، اور اگر یہ عمل مکروہ نہ ہوتا، تو مساجد کو بند نہ کیا جایا کرتا''۔انتہٰی۔ [2]

---

[1] ومن صلى الظهر يوم الجمعة بغير عذر جاز (ز) ويكره، فإن شاء أن يصلي الجمعة بعد ذلك يبطل ظهره بالسعي (سم) ، ويكره لأصحاب الأعذار أن يصلوا الظهر يوم الجمعة جماعة في المصر (المختار، مع الاختيار ، ج ۱ ص ۸۴ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] (ومن صلى الظهر يوم الجمعة بغير عذر جاز ويكره) وقال زفر: لا يجوز، وأصله الاختلاف في فرض الوقت.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے متعلق پہلے عرض کیا جاچکا،اور آگے بھی آتا ہے۔

’’کتابُ التجنیس والمزید‘‘ کا حوالہ

علامہ مرغینانی یعنی صاحبِ ہدایہ ’’کتابُ التجنیس والمزید‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

اهل مصر تركوا صلاة الجمعة بعذر يكره لهم اداء الظهر بجماعة، ويستحب لهم ان يصلوا الظهر وحدانا، لعموم قول محمد رحمه الله.

ويكره لاهل السجن وغيرهم ان يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة (كتاب التجنيس والمزيد، جزء۲، صفحه ۲۰۹، باب الجمعة، ادارة القرآن، كراتشي، الباكستان)

ترجمہ: شہر کے لوگوں نے کسی عذر کی وجہ سے، جمعہ کی نماز کو ترک کردیا،تو ان کو ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ ہے،اور ان کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ظہر کی نماز تنہا،بغیر جماعت کے پڑھیں،امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے عموم کی وجہ سے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال أبو حنيفة وأبو يوسف: هو الظهر، لكن العبد مأمور بإسقاطه عنه بأداء الجمعة .وقال محمد: هو الجمعة لأنه مأمور بها، والفرض هو المأمور به، وله أن يسقطه بالظهر رخصة .وعنه أن الفرض أحدهما لا بعينه ويتعين بأدائه؛ لأن أيهما أدى سقط عنه الفرض، فدل أن الواجب أحدهما.

وعند زفر هو الجمعة، والظهر بدل عنها فى حق غير المعذور لأنه مأمور بالجمعة منهى عن الظهر، فإذا فاتت الجمعة أمر بالظهر، وهذا آية البدلية.

ولنا أن التكليف يعتمد القدرة، والعبد إنما يقدر على أداء الظهر بنفسه دون الجمعة لأنها تتوقف على شرائط تتعلق باختيار الغير، ولهذا لو فاتته الجمعة أمر بقضاء الظهر لا الجمعة، ويجوز أن يكون الفرض الظهر، ويؤمر بتقديم غيره كإنجاء الغريق آخر الوقت قبل الصلاة...........

قال: (ويكره لأصحاب الأعذار أن يصلوا الظهر يوم الجمعة جماعة فى المصر) لأن فيه إخلالا بالجمعة، فربما يقتدى بهم غيرهم، بخلاف القرى لأنه لا جمعة عليهم، وقد جرى التوارث فى جميع الأمصار والأعصار بغلق المساجد وقت الجمعة مع أنها لا تخلو عن أصحاب الأعذار، ولولا الكراهة لما أغلقوها(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۸۴ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

اور قیدیوں وغیرہ کے لیے جمعہ کے دن، ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ ہے

(کتابُ التجنیس والمزید)

صاحبِ ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر شہر کے سب لوگ، کسی مانع کی وجہ سے جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکیں، مثلاً سخت بارش، یا طوفان، یا سیلاب، یا دشمنوں کے حملے اور خطرے وغیرہ کی وجہ سے، یا پھر سلطان، یا اس کے نائب کو شرط قرار دینے کی صورت میں، اس کے کسی عذر سے، حاضر نہ ہونے کی وجہ سے، تو ایسی صورت میں بھی اہلِ شہر کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے، لیکن اس صورت میں مکروہ تنزیہی ہے، جس کی وجہ اگرچہ کسی کراہت کی علت کا پایا جانا نہ ہو، لیکن اس میں امام محمد کے بیان کردہ قول کے عموم کی مخالفت، پھر بھی پائی جاتی ہے۔

اور صاحبِ ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیدیوں اور معذوروں کے لیے جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔

مذکورہ عبارت سے یہ تو واضح طور پر معلوم ہوا کہ اگر شہر کے لوگ، کسی مانع کی وجہ سے مطلقاً، جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکیں، تو اس صورت میں ان کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مکروہ تنزیہی ہے۔

لیکن مذکورہ عبارت میں قیدیوں اور معذوروں کے لیے کراہتِ تنزیہی یا تحریمی ہونے کی صراحت نہیں کی گئی۔

اگر اس سے بھی کراہتِ تنزیہی مراد لی جائے، تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ اس قول پر مبنی ہے، جس کے مطابق شہر میں ہر طرح کے معذورین کے لیے، ظہر کی جماعت مکروہ تنزیہی ہے۔

لیکن صاحبِ ہدایہ کے اس مسئلے کو الگ سے ذکر کرنے اور کراہت کو مطلق بیان کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی کراہت، پہلی صورت کی کراہت سے زیادہ شدید ہے، جو کہ تحریمی ہی ہوسکتی ہے، یا اس میں اختلاف ہے، اس لیے اس کو علیٰحدہ اور مطلق کراہت

کے ساتھ بیان کیا۔

اور آگے ''النسفية'' اور علامہ شامی، اور قہستانی، اور ''المضمرات'' وغیرہ کے حوالہ سے آتا ہے کہ جب کسی مانع کی وجہ سے تمام اہلِ شہر کا جمعہ فوت ہو جائے، اس صورت میں شہر میں ظہر کی جماعت کرنا خلافِ اولیٰ، یا مکروہ تنزیہی ہے۔

اور علامہ شامی نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اس صورت میں اہلِ شہر کے، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے میں کراہت کی کوئی علت نہیں پائی جاتی، نہ تو لوگوں کو جمعہ میں شرکت سے محروم ہونے کا سبب بننے، اور اس کی وجہ سے جمعہ میں خلل ڈالنے کی علت پائی جاتی، اور نہ ہی شہر میں جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ کی علت پائی جاتی، اس لیے اس میں کراہتِ شدیدہ یا تحریمہ لازم نہیں آتی۔

اور اگر شہر میں فی الجملہ جمعہ قائم ہو، تو اس صورت میں مذکورہ دونوں علتیں پائی جاتی ہیں، اور وہ کراہتِ تحریمی یا کراہتِ تنزیہی دونوں کا احتمال رکھتی ہیں، لیکن جمہور حنفیہ اور خود علامہ شامی وغیرہ کا رجحان ان تمام صورتوں میں کراہتِ تحریمی کی طرف ہے۔

جبکہ منسلکہ تحریر اور فتوے میں شہر کے اندر فی الجملہ، جمعہ قائم ہونے کے باوجود، نہ صرف یہ کہ ظہر کی جماعت کے مکروہ ہونے کی نفی کی گئی ہے، بلکہ اسی کے ساتھ اس کے استحباب کا بھی حکم لگا دیا گیا ہے، جس کا حنفیہ میں کہیں بھی کوئی ثبوت اور بنیاد نہیں ملتی ''ومن ادعیٰ فعلیه البيان''

اگر کوئی ثبوت اور وجود ملتا ہے، تو اپنی شرائط کے ساتھ، جمعہ کی جماعت قائم کرنے کا ہی ملتا ہے، اسی جمعہ کے قیام کے لیے اہلِ شہر کو، ہر اس طرزِ عمل سے منع کیا گیا، جو جمعہ کے قیام میں خلل کا باعث ہو، ایسی صورت میں اُن اہلِ شہر کو، جن میں صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں، اور ان کو جمعہ قائم کرنے میں کوئی مانع بھی نہ ہو، اُن سے جمعہ کے وجوب کی نفی کرنے کے ساتھ ساتھ، ان کے جمعہ کی صحت کی بھی نفی کرنا، اور پھر مزید کراہت در کراہت

کی طرف مسئلے کو ترقی کر کے لے جانا، یہ طرزِ عمل فقہائے کرام کے مقصود سے، مطابقت نہیں رکھتا۔

’’الهداية فى شرح بداية المبتدى‘‘ کا حوالہ

علامہ مرغینانی نے ’’الهداية فى شرح بداية المبتدى‘‘ میں فرمایا کہ:

’’غیر معذور کے لئے اپنے گھر میں جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگرچہ اس کی ظہر کی نماز ادا ہوجاتی ہے، برخلاف امام زفر (اور ائمۂ ثلاثہ غیر حنفیہ) کے کہ ان کے نزدیک ظہر کی نماز سرے سے ادا ہی نہیں ہوتی۔

اور معذور لوگوں اور اسی طرح قیدیوں کے لیے جمعہ کے دن، شہر میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں جامع مسجد میں ہونے والے جمعہ میں خلل ڈالنا پایا جاتا ہے، کیونکہ بعض اوقات معذور کی اقتداء غیر معذور بھی کرلیتا ہے (جس کے نتیجے میں یہ جماعتِ ظہر، بعض ایسے لوگوں کے لیے جمعہ کے ترک کا باعث بن جاتی ہے، جن پر جمعہ واجب تھا) بخلاف گاؤں والوں کے کہ اُن پر جمعہ واجب ہی نہیں‘‘۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] ومن صلى الظهر فى منزله يوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا عذر له كره له ذلک وجازت صلاته "وقال زفر رحمه الله لا يجزئه لأن عنده الجمعة هى الفريضة أصالة والظهر كالبدل عنها ولا مصير إلى البدل مع القدرة على الأصل ولنا أن أصل الفرض هو الظهر فى حق الكافة هذا هو الظاهر إلا أنه مأمور بإسقاطه بأداء الجمعة وهذا لأنه متمكن من أداء الظهر بنفسه دون الجمعة لتوقفها على شرائط لا تتم به وحده وعلى التمكن بدور التكليف "فإن بدا له أن يحضرها فتوجه إليها والإمام فيها بطل ظهره عند أبى حنيفة رحمه الله بالسعى وقالا لا يبطل حتى يدخل مع الإمام " لأن السعى دون الظهر فلا ينقضه بعد تمامه والجمعة فوقها فينقضها وصار كما إذا توجه بعد فراغ الإمام وله أن السعى إلى الجمعة من خصائص الجمعة فينزل منزلتها فى حق ارتفاض الظهر احتياطا بخلاف ما بعد الفراغ منها لأنه ليس بسعى إليها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صاحبِ ہدایہ نے شہر میں جمعہ کے دن، معذورین کی جماعت کے مکروہ ہونے کی یہ علت بیان فرمائی ہے کہ اس کی وجہ سے جامع مسجد کے جمعہ میں خلل ڈالنا پایا جاتا ہے، وہ اس طرح سے کہ بعض اوقات معذور کی غیر معذور بھی اقتداء کرلیتا ہے، جس پر کہ جامع مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنا واجب تھا، اور اس طرح سے اس کے ذمہ ایک وجوب رہ کر وہ گناہ گار ہوجاتا ہے، لہٰذا شہر میں معذورین کا جماعت کرنا، دوسرے لوگوں کے لیے، گناہ کا سبب بن سکتا ہے۔

صاحبِ ہدایہ نے شہر میں جمعہ کے دن، معذورین کی جماعت کرنے کی جو علت بیان فرمائی ہے، یعنی غیر معذور کے اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے، جامع مسجد میں ہونے والے جمعہ کی نماز میں خلل ڈالنا، تو یہ علت، تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کے قول پر مبنی ہے، جو متاخرینِ حنفیہ کا مختار و مفتیٰ بہٖ قول نہیں، اس لیے تعددِ جمعہ کے جواز کے قول کے بعد، اب کراہت کی دوسری علتیں ہوں گی، جیسا کہ علامہ ابنِ ہمام کے حوالہ سے ابھی آتا ہے۔

''فتحُ القدیر'' کا حوالہ

علامہ ابنِ ہمام نے ''فتحُ القدیر'' میں صاحبِ ہدایہ کی مذکورہ عبارت کی تشریح میں فرمایا کہ:

> ''جمعہ کے دن غیر معذورین عن الجمعۃ کے گھر میں ظہر کی نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے سے مراد، حرام ہونا ہے، کیونکہ اس میں جمعہ کے متفق علیہ فرضِ قطعی کا ترک کرنا پایا جاتا ہے، جو کہ ظہر سے زیادہ مؤکد ہے، لہٰذا اس کا مرتکب، حرام کا مرتکب کیونکر نہیں ہوگا؟
>
> اور معذورین کے لیے ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا، جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

"ويكره أن يصلى المعذورون الظهر بجماعة يوم الجمعة فى المصر وكذا أهل السجن "لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هى جامعة للجماعات والمعذور قد يقتدى به غيره بخلاف أهل السواد لأنه لا جمعة عليهم "ولو صلى قوم أجزأهم "لاستجماع شرائطه "(الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج ا، ص ۸۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

بعد، بہر دوصورت مکروہ ہے۔

اور جن لوگوں کا جمعہ فوت ہوگیا، پھر وہ ظہر کی نماز پڑھیں، تو ان کے لیے بھی جماعتِ ظہر کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس کی علت یہ ہے کہ اس کی بناء پر جامع (یعنی ایک مقام پر جمع ہوکر ہونے والے جمعہ) میں خلل ڈالنا پایا جاتا ہے، جو کہ تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے۔

مگر یہ علت اس قول پر مبنی ہے، جس کے مطابق ایک شہر میں تعددِ جمعہ جائز نہیں، اور سرخسی وغیرہ کے نزدیک، جو مختار روایت ہے، اس کے مطابق تعددِ جمعہ جائز ہے، لہٰذا اس مختار روایت کے مطابق، کراہت کی علت یہ ہوگی کہ بعض اوقات، غیر معذور بھی معذور کی اقتداء کرلیتا ہے (جو غیر معذور لوگوں کے واجب جمعہ کے حکم کو ترک کرنے کا باعث بنتا ہے) اور ایک علت یہ بھی ہے کہ اس میں جمعہ کے علاوہ دوسری نماز کو باجماعت قائم کرکے صورتاً جمعہ کا معارضہ پایا جاتا ہے"۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] (قوله: كره له ذلك إلخ) لا بد من كون المراد حرم عليه ذلك، وصحت الظهر؛ لأنه ترك الفرض القطعي باتفاقهم الذى هو آكد من الظهر فكيف لا يكون مرتكبا محرما، غير أن الظهر تقع صحيحة وإن كان مأمورا بالإعراض عنها .وقال زفر: لا يجوز؛ لأن الفرض فى حقه الجمعة والظهر بدل عنها؛ لأنه مأمور بأداء الجمعة معاقب بتركها، ومنهى عن أداء الظهر مأمور بالإعراض عنها ما لم يقع اليأس عن الجمعة، وهذا هو صورة الأصل والبدل، ولا يجوز أداء البدل مع القدرة على الأصل.

قلنا: بل فرض الوقت الظهر بالنص، وهو قوله – صلى الله عليه وسلم – وأول وقت الظهر حين تزول الشمس مطلقا فى الأيام ودلالة الإجماع أعنى الإجماع على أن بخروج الوقت يصلى الظهر بنية القضاء، فلو لم يكن أصل فرض الوقت الظهر لما نوى القضاء، والمعقول إذ أصل الفرض فى حق الكل ما يتمكن كل من أدائه بنفسه، فما قرب إلى وسعه فهو أحق والظهر أقرب؛ لتمكنه منه كذلك بخلاف الجمعة؛ لتوقفها على الشرائط لا تتم به وحده، وتلك ليس فى وسعه، وإنما يحصل له ذلك اتفاقا باختيار آخرين كاختيار السلطان وقدرته فى الأمر، واختيار آخر وآخر ليحصل به معهما الجماعة وغير ذلك، فكان الظهر أولى بالأصلية، وعلى الأول أن يقال مفاده أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ اوراس جیسی عبارات کی فقہ حنفی میں کمی نہیں ہے کہ جن میں غیر معذور کے جمعہ کے دن، ترکِ جمعہ کرنے پر کراہتِ تحریمی اورحرمت کا حکم لگایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كل وقت ظهر يدخل حين تزول والمطلوب أن كل ما زالت دخل وقت الظهر، وإنما يفاد بعكس الاستقامة لها وهو لا يثبت كليا .سلمناه، لكن خروج الزوال يوم الجمعة من تلك الكلية أعنى العكس معلوم قطعا من الشرع للقطع بوجوب الجمعة فيه والنهى عن تركها إلى الظهر، ولا يخفى ضعف الوجه الثالث، إذ لو تم استلزم عدم وجوب الجمعة على كل فرد والمتحقق وجوبها على كل واحد فيحصل من الامتثال توفر الشروط، والمعول عليه الوجه الثانى، وهو يستلزم عدم تخصيص الأول، فيلزم أن وجهه حينئذ وجوب الظهر أولا ثم يجب إسقاطه بالجمعة، وفائدة هذا الوجوب حينئذ جواز المصير إليه عند العجز عن الجمعة إذ كانت صحتها تتوقف على شرائط ربما لا تتحصل فتأمل.

وإذا كان وجوب الظهر ليس إلا على هذا المعنى لم يلزم من وجوبها كذلك صحتها قبل تعذر الجمعة، والفرض أن الخطاب قبل تعذرها لم يتوجه عليه إلا بها.

(قوله: بطلت ظهره عند أبى حنيفة بالسعى) هذا إذا كان الإمام فى الصلاة بحيث يمكنه أن يدركها، وإن لم يدركها أو كان لم يشرع بعد لكنه لا يرجو إدراكها للبعد ونحوه لا تبطل عند أبى حنيفة عند العراقيين، وتبطل عنده فى تخريج البلخيين وهو الأصح، ثم المعتبر فى السعى الانفصال عن داره فلا تبطل قبله على المختار، وقيل إذا خطا خطوتين فى البيت الواسع تبطل (قوله: حتى يدخل مع الإمام) وفى رواية حتى يتمها معه حتى لو أفسدها بعد الشروع فيها لا يبطل الظهر، ولا فرق على هذا الخلاف بين المعذور كالعبد وغيره، وحتى لو صلى المريض الظهر ثم سعى إلى الجمعة بطل على ظهره على الخلاف.

وقال زفر: لا يبطل ظهر المعذور؛ لأن الجمعة ليست فرضا عليه .قلنا إنما رخص له تركها للعذر، وبالالتزام التحق بالصحيح) .قوله: لأن السعى دون الظهر) ؛ لأنه حسن لمعنى فى غيره بخلاف الظهر، ونقض الظهر وإن كان مأمورا به لكنه لضرورة أداء الجمعة؛ إذ نقض العبادة قصدا بلا ضرورة حرام فلا تنتقض دون أدائها وليس السعى الأداء، وحاصل وجه قول أبى حنيفة أن الاحتياط فى الجمعة نقض الظهر للزوم الاحتياط فى تحصيلها، وهو به فينزل ما هو من خصائصها منزلتها لذلك؛ لأنه المحقق للاحتياط فى تحصيلها، وإنما كان السعى من خصائصها؛ لأنه أمر به فيها ونهى عنه فى غيرها، قال الله تعالى }فاسعوا إلى ذكر الله] {الجمعة: [9 وقال – صلى الله عليه وسلم – إذا أتيتم الصلاة فلا تأتوها وأنتم تسعون الحديث .فكان الاشتغال به كالاشتغال بها، فالنقض بها إقامة للسبب العادى مقام المسبب احتياطا ومكنة الوصول ثابتة نظرا إلى قدرة الله، وهى تكفى للتكليف، بخلاف ما إذا كان السعى بعد الفراغ منها؛ لأنه ليس إليها ولا إمكان للوصول، هذا التقرير بناء على أن المراد بالسعى ما يقابل المشى وليس كذلك، وكذا البطلان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دن، جس شخص میں وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں، اس کا نمازِ جمعہ نہ پڑھنا، کس قدر برائی رکھتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب وجوبِ جمعہ کی شرائط پائی جائیں، تو سقوطِ جمعہ، یا عدمِ صحتِ جمعہ کی کوشش کرنا بھی کوئی مستحسن فعل شمار نہیں ہوگا۔

علامہ ابنِ ہمام کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبِ ہدایہ نے جمعہ کے دن شہر میں، معذورین کے جماعت کرنے کی صورت میں، جو غیر معذورین کے، معذورین کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے جامع مسجد میں ہونے والے جمعہ میں خلل ڈالنے کی علت کا ذکر فرمایا ہے، یہ علت شہر میں تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کے قول پر مبنی ہے، لیکن حنفیہ کی مختار روایت، تعددِ جمعہ کے جواز کی ہے، لہٰذا جب مختار روایت کے مطابق تعددِ جمعہ کو جائز قرار دیا جائے گا، اور شہر میں ایک جامع مسجد کے علاوہ، کئی مقامات پر جمعہ کی جماعتیں جائز ہوں گی، تو پھر جامع مسجد میں ہونے والے جمعہ میں، خلل ڈالنے کی علت نہیں پائی جائے گی۔

لیکن تعددِ جمعہ کے جواز کی اس مختار روایت کے مطابق، پھر بھی جمعہ کے دن شہر میں نمازِ ظہر باجماعت پڑھنے میں، کراہت کی دو علتیں بہر حال ہوں گی۔

ایک تو علت یہی ہوگی کہ بعض اوقات، غیر معذور بھی معذور کی اقتداء کرسکتا ہے، اور وہ پھر شہر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غير مقتصر على السعى بل لو خرج ماشيا أقصد مشى بطلت؛ ألا يرى أنهم أوردوا الفرق بين السعى إلى الجمعة وتوجه القارن إلى عرفات حيث لم تبطل به عمرته حتى يقف بأنه منهى عنه لا مأمور به فلا ينزل منزلته مع أنه ليس هناك جامع السعى منصوصا ليطلب وجه الفرق فى الحكم بعد وجود الجامع .فالحق فى التقرير أنه مأمور بعد إتمام الظهر بنقضها بالذهاب إلى الجمعة، فذهابه مشروع فى طريق نقضها المأمور به فيحكم بنقضها به احتياطا لترك المعصية.

(قوله :ويكره أن يصلى المعذور الظهر بجماعة) قبل الجمعة، وكذا بعدها.

ومن فاتتهم الجمعة فصلوا الظهر تكره لهم الجماعة أيضا (قوله :لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هى جامعة للجماعات) هذا الوجه هو مبنى على عدم جواز تعدد الجمعة فى المصر الواحد.

وعلى الرواية المختارة عند السرخسى وغيره من جواز تعددها، فوجهه أنه ربما يتطرق غير المعذور إلى الاقتداء بهم.

وأيضا فيه صورة معارضة الجمعة بإقامة غيرها.(فتح القدير، ج ۲ ص ۶۳ الیٰ ۶۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

میں ہونے والے کسی بھی مقام کے جمعہ میں، شریک نہیں ہوگا، حالانکہ اس پر جمعہ کی نماز کا پڑھنا واجب تھا، اور معذورین کے جماعتِ ظہر کے مکروہ ہونے کی دوسری علت یہ ہوگی کہ شہر کے اندر جب جمعہ کی نماز واجب ہے، جو کہ جماعت کے ساتھ ہی ہوتی ہے، ایسی صورت میں شہر کے اندر جمعہ کے مقابلے میں، ظہر کی جماعت قائم کر کے، جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ پایا جائے گا، اور ظہر کے عوض میں ہی اہلِ شہر کے لیے جمعہ کی نماز کو واجب ومقرر کیا گیا تھا۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ شریعت کی طرف سے معذورین کو جمعہ میں شریک ہونے، یا جمعہ کی جماعت سے تو منع نہیں کیا گیا، حالانکہ ان پر جمعہ واجب نہیں، لیکن ایسے طرزِ عمل سے بہر حال منع کیا گیا ہے، جو غیر معذور لوگوں کے لیے، جمعہ کے واجب کو ترک کرنے کا ذریعہ بنے، اسی وجہ سے معذورین کے ظہر کی جماعت کرنے کو مکروہ قرار دیا گیا، تاکہ کوئی بھی غیر معذوران کے ساتھ شریکِ جماعت نہ ہو، جس پر جمعہ واجب تھا۔

اس کے علاوہ اگر کوئی غیر معذور، معذور کے ساتھ جماعتِ ظہر میں شریک نہ بھی ہو، اور اس کی وجہ سے کسی غیر معذور کا جمعہ فوت نہ بھی ہو، تب بھی شہر کے اندر ہونے والے جمعہ کی جماعت سے، ظہر کی جماعت کا صورتاً معارضہ پایا جاتا ہے، جس کو ختم کرنے کا راستہ یہی ہے کہ شہر میں جمعہ کے دن کسی صورت بھی، ظہر کی جماعت سے کراہت مرتفع نہ ہو، اس لیے معذور لوگ، جن پر جمعہ واجب نہیں، بلکہ ظہر کی نماز واجب ہے، وہ یا تو بغیر جماعت کے ظہر کی نماز پڑھیں، اور اگر جماعت کا زیادہ ہی شوق ہو، تو وہ جمعہ کی نماز ادا کریں، خواہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق، خود جمعہ کی نماز قائم کریں، یا جہاں شرعی اصولوں کے مطابق، جمعہ کی نماز قائم ہے، اس میں شرکت کریں، کیونکہ اہلِ شہر کے لیے جمعہ کے دن، اصل جماعت، جمعہ کی ہی ہے۔

’’البنایة شرحُ الهدایة‘‘ کا حوالہ

علامہ عینی نے ’’البنایة‘‘ میں ’’الهدایة‘‘ کی مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

’’قیدیوں اور معذورین کے لیے جمعہ کے دن شہر میں، ظہر کی جماعت کرنے کے نتیجے میں بعض اوقات غیر معذور بھی اقتداء کرلیتا ہے، اور وہ جمعہ کی نماز ادا نہیں کرتا، جس کی وجہ سے، اس کا جمعہ رہ جاتا ہے‘‘۔ انتہٰی۔ [1]

اس عبارت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن شہر میں معذورین کے باجماعت نمازِ ظہر پڑھنے کے مکروہ ہونے کی ایک علت یہ ہے کہ بعض اوقات ان کی اقتداء میں ایسا شخص بھی شریک ہوجاتا ہے، جو معذور نہیں، یعنی اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے، اور وہ اپنا یہ واجب چھوڑ بیٹھتا ہے، گویا کہ معذورین، جن پر جمعہ واجب نہیں، ان کا جماعت کرنا، ایسے لوگوں کے ترکِ جمعہ کی سہولت کاری کا ذریعہ اور وسیلہ بن جاتا ہے، جن پر جمعہ واجب ہے۔

---

[1] م: (وكذا أهل السجن) ش: أى وكذا يكره لأهل السجن إذا صلوا الظهر يوم الجمعة بجماعة، ورخص مالك – رحمه الله – لأهل السجن والمسافرين والمرضى أن يجمعوا، واختلف قوله فى القديم: تفوتهم الجمعة، فحكى ابن القاسم عنه أنهم يصلون أفرادا أربعا .وفى "جوامع الفقه :"أصحاب الأعذار، ومن لا تجب عليه الجمعة إذا صلوا الظهر بلا أذان ولا إقامة فرادى من غير جماعة كان أحسن .وفى "خزانة الأكمل :"يصلى المعذور بأذان وإقامة فى بيته .وفى "الولوالجى :"لا يؤذن ولا يقيم فى السجن وغيره كصلاة الظهر .وفى "المبسوط :"لو صلى الإمام الظهر بأهل المصر جازت صلاتهم وقد أسائوا .وفى "المرغينانى :"إذا منع الإمام أهل المصر أن يجمعوا لا يجمعون، وقال أبو جعفر: هذا إذا منعهم باجتهاد، وأراد أن يخرج تلك البقعة أن تكون مصرا، فأما إذا نهاهم تعنتا أو إضرارا بهم، فلهم أن يجمعوا على من يصلى بهم، وزعم أبو إسحاق المروزى من الشافعية – رحمهم الله – أنها تصح على كلا القولين ولم يوافقوا عليه.

م: (لما فيه) ش: أى لما فى الفعل المذكور وهو صلاة المعذورين الظهر بجماعة، وصلاة أهل السجن كذلك .م: (من الإخلال بالجمعة إذ هى جامعة للجماعات) ش: كلمة إذ للتعليل، وهى ترجع إلى الجمعة.

م: (والمعذور قد يقتدى به غيره) ش: أى غير المعذور فلا يذهب إلى الجمعة فيخل بالجمعة (البناية شرح الهداية للعينى، ج۳ص۷۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

یہ علت، اس صورت میں بھی مؤثر ہے، جبکہ تعددِ جمعہ کو جائز قرار دیا جائے، اور ایک مستقل علت، جمعہ کے ساتھ صوری معارضہ بھی ہے، جبکہ جمعہ فی الجامع کی تقلیل کی علت اس روایت پر مبنی ہے، جس کے مطابق تعددِ جمعہ جائز نہیں، اور اس روایت پر پہلے عمل تھا، مگر وہ روایت اب مفتیٰ بہ نہیں، لہٰذا وہ تعلیلِ خاص بھی مفتیٰ بہ نہیں، جیسا کہ علامہ ابنِ ہمام کے حوالہ سے گزرا۔

''بدائعُ الصنائع'' کا حوالہ

علامہ کاسانی نے ''بدائعُ الصنائع'' میں فرمایا کہ:

''جس کی جمعہ کے دن ظہر کی نماز فوت ہوجائے، تو وہ ظہر کی نماز اذان واقامت اور جماعت کے بغیر پڑھے گا، کیونکہ اذان واقامت اس نماز کے لئے ہوتی ہے، جس کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، اور جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے''۔انتھٰی۔ [1]

نیز علامہ کاسانی نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ:

''جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، جیل خانہ میں اور اس سے باہر ہر جگہ مکروہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔

اور آج تک توارث وتعامل بھی اسی کے مطابق ہے کہ شہروں میں جامع مسجد کے علاوہ تمام مساجد کو جمعہ کے دن تالا لگادیا اور مقفل کردیا جاتا ہے، جس سے اس بات پر دلالت ہوئی کہ جمعہ کے دن، ظہر کی جماعت، ہر ایک کے حق میں مکروہ ہے۔

---

[1] وإن فاتته صلاة الجمعة صلى الظهر بغير أذان ولا إقامة؛ لأن الأذان والإقامة للصلاة التي تؤدى بجماعة مستحبة، وأداء الظهر بجماعة يوم الجمعة مكروه في المصر، كذا روي عن علي - رضي الله عنه (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۵۴، کتاب الصلاة، فصل بيان محل وجوب الأذان)

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ہم شہر میں معذور کے لیے نمازِ ظہر با جماعت ادا کرنے کو جائز قرار دیں گے، تو بعض اوقات غیر معذور بھی اقتداء کرلے گا، جو جمعہ کے مجمع کی تقلیل کا باعث بنے گا، اور یہ چیز جائز نہیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مصر کے باشندوں کو اس وقت، دو چیزوں کا حکم ہے، ایک تو ظہر کی جماعت ترک کرنے کا، اور دوسرے جمعہ میں شریک ہونے کا، اور معذور ان میں سے ایک چیز پر قادر ہے، یعنی ظہر کی جماعت ترک کرنے پر، لہٰذا معذور کو ظہر کی جماعت کو ترک کرنے کا بہر حال حکم ہوگا“۔انتھٰی۔ [1]

علامہ ابنِ ہمام کے حوالے سے پیچھے گزر چکا ہے، اور علامہ ابنِ نجیم وغیرہ کے حوالے سے آگے آتا ہے کہ جامع کے مجمع میں تقلیل کی علت، شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ جائز ہونے کی روایت پر محمول ہے۔

اور تعددِ جمعہ کی روایت، چونکہ متاخرین حنفیہ کے نزدیک مختار و مفتیٰ بہ ہے، اور اس پر آج تمام اطرافِ عالم کے شہروں میں عمل بھی ہے، اس صورت میں معذورین کے جمعہ کے دن، شہر میں جماعتِ ظہر کے مکروہ ہونے کی ایک علت تو یہ ہوگی کہ جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے، بعض اوقات ایسے لوگ بھی معذورین کی جماعت میں شریک ہوجائیں گے، اور اس کے نتیجے میں وہ فریضۂ جمعہ کے تارک شمار ہوکر گناہ گار ہوں گے۔

---

[1] تكره صلاة الظهر يوم الجمعة بجماعة فى المصر فى سجن وغير سجن هكذا روى عن على - رضى الله عنه -، وهكذا جرى التوارث بإغلاق أبواب المساجد فى وقت الظهر يوم الجمعة فى الأمصار فدل ذلك على كراهة الجماعة فيها فى حق الكل؛ ولأنا لو أطلقنا للمعذور إقامة الظهر بالجماعة فى المصر فربما يقتدى به غير المعذور فيؤدى إلى تقليل جمع الجمعة، وهذا لا يجوز؛ ولأن ساكن المصر مأمور بشيئين فى هذا الوقت بترك الجماعات وشهود الجمعة، والمعذور قدر على أحدهما وهو ترك الجماعات فيؤمر بالترك.

وأما أهل القرى فإنهم يصلون الظهر بجماعة بأذان وإقامة؛ لأنه ليس عليهم شهود الجمعة ولأن فى إقامة الجماعة فيها تقليل جمع الجمعة فكان هذا اليوم فى حقهم كسائر الأيام(بدائع الصنائع، ج ١ ص ٢٧٠، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يستحب فى يوم الجمعة وما يكره فيه)

اور دوسری علت یہ ہوگی کہ شہروں میں جمعہ کے بجائے، ظہر کی جماعت کا قائم کرنا ہی بذاتِ خود جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ ہے۔

’’کنزُ الدقائق‘‘ کا حوالہ

’’کنزُ الدقائق‘‘ میں ہے کہ:

’’جمعہ واجب ہونے کی شرط، مقیم ہونا اور مرد ہونا اور صحت مند ہونا، اور آزاد ہونا، اور آنکھوں اور پاؤں سے سلامت ہونا ہے۔

اور جس پر جمعہ واجب نہیں، اگر وہ جمعہ کی نماز ادا کرلے، تو وقت کا فرض جائز ہوجاتا ہے، اور مسافر اور غلام اور مریض کے لیے جمعہ میں امامت کرنا جائز ہے، اور ان کے ذریعے سے جمعہ منعقد بھی ہوجاتا ہے، اور غیر معذور کے لیے جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، پھر اگر وہ جمعہ کی سعی کرے، تو اس کا جمعہ باطل ہوجاتا ہے، اور معذور اور قیدی، سب کے لیے شہر میں ظہر کی جماعت مکروہ ہے‘‘۔

انتہٰی۔ [1]

’’شرحُ العینی علی الکنز‘‘ کا حوالہ

’’شرحُ العینی علی الکنز‘‘ میں ہے کہ:

’’غیر معذور سے مراد، صحیح، مقیم اور آزاد ہے، ایسے شخص کے لیے جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز مکروہ ہے، اور امام زفر اور دیگر تینوں فقہائے کرام (یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل) کے نزدیک، اس صورت میں نمازِ ظہر جائز اور

---

[1] وشرط وجوبها الإقامة والذكورة والصحة والحرية وسلامة العينين والرجلين.
ومن لا جمعة عليه إن أداها جاز عن فرض الوقت.وللمسافر، والعبد والمريض أن يؤم فيها،وتنعقد بهم.ومن لا عذر له لو صلى الظهر قبلها كره،فإن سعى إليها بطل،وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر بجماعة فى المصر (كنز الدقائق، ص ١٩٠، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

معتبر ہی نہیں۔

اور معذور، مثلاً مریض اور قید خانے میں محبوس کے لیے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے، خواہ امام کے فارغ ہونے سے پہلے پڑھے، یا اس کے بعد میں پڑھے''۔انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارات سے بھی معلوم ہوا کہ عندالحنفیۃ جمعہ کے دن، شہر میں ہر ایک کے لیے جمعہ سے پہلے اور بعد میں ظہر کی نماز، باجماعت مکروہ ہے۔

یعنی حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے دن، شہر میں جماعتِ ظہر سے کسی صورت، کراہت مرتفع نہیں ہوتی۔

''تبیینُ الحقائق علی الکنز'' کا حوالہ

''کنزُ الدقائق'' کی شرح ''تبیینُ الحقائق'' میں ہے کہ:

''معذور اور قیدی کے لیے، شہر میں ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جمعہ سے پہلے، اور جمعہ کے بعد، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے میں جامع مسجد کی جماعت کی تقلیل پائی جاتی ہے، اور جمعہ کی مخالفت کے طریقے پر معارضہ پایا جاتا ہے، بخلاف گاؤں والوں کے کہ وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، لہٰذا وہاں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، نہ تقلیل کا باعث ہے، اور نہ معارضہ کا''۔انتہٰی۔ [2]

---

[1] (ومن لا عذر له)وهو الصحيح المقيم الحر (لو صلى)صلاة (الظهر قبلها)أى قبل صلاة الجمعة (كره) ما صلىٰ، وقال زفر والثلاثة ، لايجوز ....(وكره للمعذور)مثل المريض (والمسجون) فى الحبس(أداء الظهر بجماعة)يوم الجمعة (فى المصر) سواء كان قبل فراغ الامام ، أو بعده (شرح العينى على الكنز، ج ا ص ١٠٠ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] (وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر بجماعة فى المصر) يروى ذلك عن على -رضى الله عنه -؛ ولأن فى أداء الظهر بجماعة قبل الجمعة وبعدها تقليل الجماعة فى الجامع ومعارضته على وجه المخالفة بخلاف أهل السواد؛ لأنه لا جمعة هناك فلا يفضى إلى التقليل، ولا إلى المعارضة(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ،ج ا ،ص ٢٢٢ ،باب صلاة الجمعة)

جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ کا مطلب پہلے گزر چکا ہے کہ شہر میں ظہر کو باجماعت پڑھنا، بذاتِ خود صورتاً جمعہ سے معارضہ ہے، اور یہ علت ہر ایک کے حق میں پائی جاتی ہے، جو بھی شہر میں ہو، خواہ جمعہ کی نماز سے پہلے جماعت کرے، یا بعد میں کرے، پہلے پڑھنے میں زیادہ شدت ہے، اس لیے بعض نے پہلے کی قید لگائی، اور بعد میں بھی علت موجود ہے، اس لیے بعض نے اس کی بھی تصریح فرمائی۔

اور واحد جامع مسجد کی جماعت میں تقلیل کی علت پر کلام گزر چکا ہے کہ یہ تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز پر مبنی ہے، جس پر پہلے زمانوں میں عمل وفتویٰ رہا ہے، اب یہ روایت مفتیٰ بہ نہیں، لہٰذا یہ علت بھی مفتیٰ بہ اور مؤثر نہیں۔

لیکن بعض اہلِ علم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اور وہ جمعہ کی نماز میں ہی بذاتِ خود تقلیل کو، جوازِ جمعہ وصحتِ جمعہ میں قادح سمجھتے ہیں، جبکہ اب دنیا بھر میں تقریباً تمام شہروں میں اس علتِ خاص پر عمل متروک ہے۔

اور اگر اس علت کو مؤثر ہی ماننا ہے، تو پھر معذورین کے ظہر کی نماز باجماعت کے لیے ہی ماننا چاہیے، جس کے متعلق فقہاء نے یہ مسئلہ بیان فرمایا۔

فقہاء نے یہ تو کہیں نہیں فرمایا کہ اگر جمعہ کی نماز میں شہر کے کم لوگ شریک ہوں، تو جمعہ کی نماز مکروہ ہوگی، اور اب بعض اہلِ علم، مکروہ کے بجائے، جمعہ کو معدوم ہی سمجھے ہوئے ہیں، یعنی وہ جواز وصحت ہی کی نفی کر رہے ہیں۔

''البحرُ الرائق'' کا حوالہ

علامہ ابنِ نجیم نے ''البحرُ الرائق'' میں فرمایا کہ:

''جمعہ کے دن شہر میں، غیر معذور کے لئے اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، جس سے حرام ہونا مراد ہے، اور یہ حُرمت فرض کے ترک کرنے کی وجہ سے

ہے، کیونکہ ہمارے اصحاب نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے، کہ جمعہ کی فرضیت ظہر سے زیادہ مؤکد ہے، جس کا انکار کفر ہے''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر معذور، یعنی جس پر جمعہ کی نماز واجب ہو، اس کو جمعہ کی نماز ترک کر کے، ظہر کی نماز پڑھنا، چہ جائیکہ ظہر کی جماعت کرنا، حرام ہے، نہ تو جائز ہے، اور نہ ہی مکروہ تنزیہی۔

پس جمعہ کے دن شہر میں موجود، وہ کم از کم چار عاقل ، بالغ افراد، جو مسافر و مریض اور غلام وغیرہ نہ ہوں، جب اصولی طور پر ان پر نمازِ جمعہ واجب ہوگا، اور ان کو جمعہ کا اہتمام ضروری ہوگا، خواہ وہ مسجد میں کریں، یا غیر مسجد میں، تو ان کا جمعہ ترک کرنا حرام ہوگا، اور ان کو جمعہ سے روکنا یا منع کرنا بھی درست نہ ہوگا، پھر اس سے بڑھ کر عندالحنفیۃ، جماعتِ ظہر کی ترغیب دینا، مزید کراہت اور جمعہ کے ساتھ معارضہ کی دعوت کا باعث ومترادف ہوگا۔

نیز''البحرُ الرائق''میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''الھدایۃ اور''غـایۃُ البیان '' سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلام اور مسافر وغیرہ کے لیے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کے بجائے، جمعہ کی نماز کا پڑھنا افضل ہے، کیونکہ فقہاء نے یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ جمعہ کے دن، مسافر اور غلام وغیرہ کو ظہر پڑھنا رخصت ہے، اور جمعہ پڑھنا عزیمت ہے۔

اور جس پر نمازِ جمعہ واجب ہو، یعنی وہ معذور نہ ہو، اس کو جمعہ ختم ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنا، قطعی حرام ہے، کیونکہ اس نے متفق علیہ فرضِ قطعی کو ترک کر دیا،

---

[1] ومن صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة، ولا عذر له کره وجازت صلاته، وإنما أراد حرم علیه.
وصحت الظهر فالحرمة لترک الفرض، وصحة الظهر لما سنذکره، وقد صرح أصحابنا بأنها فرض آکد من الظهر وبإکفار جاحدها اهـ(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲، ص۱۵۰، ۱۵۱، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

جو کہ نمازِ ظہر سے زیادہ مؤکد ہے، لہٰذا وہ حرام کا مرتکب شمار ہوگا''۔انتھٰی۔ [1]

جمعہ سے پہلے کی قید، اس لیے لگائی گئی کہ پہلے زمانے میں جمعہ کا قیام ہر شخص کے بس میں نہ تھا، اور جب جمعہ اپنی مخصوص ھیئت سے ادا ہوجاتا تھا، تو اس کے ادا ہونے سے ایک طرح کا عذر لاحق ہوجاتا تھا، اور حکم اس کے متبادل ظہر کی طرف لوٹ آتا تھا۔

لیکن بحالاتِ موجودہ جب تک جمعہ ادا کرنے کی قدرت ہو، اس وقت تک جمعہ واجب ہونے والے شخص کا ترکِ جمعہ جائز نہیں ہوگا، جبکہ وہ اس کو ادا کرنے پر قادر ہو۔

''البحرُ الرائق ومنحةُ الخالق'' کا حوالہ

علامہ ابنِ نجیم نے ''البحرُ الرائق'' میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

''معذور اور قیدی کے لئے جمعہ کے دن شہر میں، ظہر کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ معذور کی بعض اوقات، غیر معذور بھی اقتداء کرلیتا ہے، جو اِس کے لئے ترکِ جمعہ کا باعث بنتا ہے۔

اور ''الھدایة'' میں اس کی یہ علت بیان کی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے جمعہ میں خلل لازم آتا ہے، کیونکہ جمعہ، جامع مسجد میں تمام لوگوں کو جمع کرتا ہے، تو یہ اس قول پر مبنی ہے، جس کی رو سے شہر میں تعدُّدِ جمعہ جائز نہیں، اور یہ روایت اور درایت کے

---

[1] ولم أر نقلا صريحا هل الأفضل لمن لا جمعة عليه صلاة الجمعة أو صلاة الظهر لكن ظاهر الهداية والعناية وغاية البيان أن الأفضل لهم صلاة الجمعة؛ لأنهم ذكروا أن صلاة الظهر لهم يوم الجمعة رخصة فدل أن العزيمة صلاة الجمعة وينبغى أن يستثنى منه المرأة فإن صلاتها فى بيتها أفضل والله سبحانه وتعالى أعلم............(قوله، ومن لا عذر له لو صلى الظهر قبلها كره) أى حرم قطعا، وإنما ذكر الكراهة اتباعا للقدورى مع أنه مما لا ينبغى فإنه أوقع بعض الجهلة فى ضلالة من اعتقاد جواز تركها، وقد قدمنا أن من أنكر فريضتها فهو كافر بالله تعالى قال فى فتح القدير لا بد من كون المراد حرم عليه ذلك وصحت؛ لأنه ترك الفرض القطعى باتفاقهم الذى هو آكد من الظهر فكيف لا يكون مرتكبا محرما غير أن الظهر تقع صحيحة اهـ.(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ٢،ص ١٦٤، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

اعتبار سے خلافِ منصوص ہے (لہٰذا یہ علت مؤثر نہ ہوگی)

اور مصر کی قید سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گاؤں والوں کے حق میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں، کیونکہ ان پر جمعہ کی نماز واجب ہی نہیں۔

اور''فتاویٰ الولوالجی ''میں ہے کہ جن لوگوں پر، دور مقام پر ہونے کی وجہ سے، جمعہ میں حاضر ہونا واجب نہیں، وہ اپنے یہاں ظہر کو جماعت کے ساتھ پڑھ لیں گے، کیونکہ ان کا یہ طرزِ عمل جمعہ میں تقلیلِ جماعت کا باعث نہیں بنتا۔

اور معذور اور مسجون کی قید کا حذف کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کرنا، مطلقاً مکروہ ہے، چنانچہ''الظهيرية''میں ہے کہ جن لوگوں کا شہر میں جمعہ فوت ہوگیا، تو وہ ظہر کی نماز کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھیں گے، اور نہ اذان واقامت کہیں گے، خواہ قید خانے میں ہوں، یا کہیں اور ہوں۔

اور اگر یہ زیادہ کیا جاتا، تو بہتر تھا کہ اگر معذور لوگ، انفرادی طور پر بھی امام سے پہلے ظہر کی نماز پڑھیں گے، تو بھی مکروہ ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے کہ مریض کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ظہر کی نماز کو امام کی نمازِ جمعہ سے فراغت تک مؤخر کرے، اگر وہ مؤخر نہیں کرے گا، تو مکروہ ہوگا، یہی صحیح ہے۔

اور مصنف نے قیدی کی تصریح کی ہے، باوجودیکہ یہ معذور میں داخل ہے، اور اس کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی، مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ سجن کے بارے میں بعض کا کچھ اختلاف ہے کہ وہ قید خانہ میں مظلوم کی حیثیت سے قید ہے، یا ظالم کی حیثیت سے؟

اور جماعت کی قید سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ معذور کے لیے نمازِ ظہر بغیر جماعت پڑھنے کی صورت میں اذان واقامت مستحب ہے، اگرچہ جماعت مستحب نہ ہو۔

اور ظہر کی قید اس لیے لگائی کہ جمعہ کے دن، شہر میں جمعہ کے وقت، ظہر کے علاوہ

کسی اور نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ نہیں (جیسا کہ قضاء نماز کو جماعت سے پڑھنا)

اور فقہائے کرام کے ظاہرِ کلام کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن شہر میں باجماعت ظہر پڑھنے میں کراہتِ تحریمی مراد ہے، کیونکہ شہر میں ظہر کی جماعت حرام کا ذریعہ ہے، اور جو حرام کا ذریعہ ہو، تو وہ مکروہِ تحریمی ہوا کرتا ہے''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (قوله وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر) ؛ لأن المعذور، وقد يقتدى به غيره فيؤدى إلى تركها.

وما علل به في الهداية أولا بقوله لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هي جامعة للجماعات مبنى على عدم جواز تعددها في مصر واحد، وهو خلاف المنصوص عليه رواية ودراية.

قيد بالمصر؛ لأن الجماعة غير مكروهة في حق أهل السواد؛ لأنه لا جمعة عليهم.

وأفاد بالكراهة أن الصلاة صحيحة لاستجماع شرائطها.

وفي فتاوى الولوالجي قوم لا يجب عليهم أن يحضروا الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر جماعة؛ لأنه لا يؤدى إلى تقليل الجماعة في الجمعة اهـ.

فإن كانوا في السواد فظاهر، وإن كانوا في المصر فهي مستثناة من كلام المصنف.

ولو حذف المصنف المعذور والمسجون لكان أولى فإن أداء الظهر بجماعة مكروه يوم الجمعة مطلقا قال في الظهيرية جماعة فاتتهم الجمعة في المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان، ولا إقامة، ولا جماعة اهـ.

وذكر الولوالجي، ولا يصلى يوم الجمعة جماعة في مصر، ولا يؤذن، ولا يقيم في سجن وغيره لصلاة، ولو زاد أو أداؤه منفردا قبل صلاة الإمام لكان أولى لما في الخلاصة ويستحب للمريض أن يؤخر الصلاة إلى أن يفرغ الإمام من صلاة الجمعة وإن لم يؤخره يكره هو الصحيح اهـ.

ولعله إما لاحتمال أن يقتدى به غيره فيؤدى إلى تركها أو يعافى فيحضرها وقد اقتصر في المجتبى على الثاني، وإنما صرح بالمسجون مع دخوله في المعذور للاختلاف في أهل السجن فإن في السراج الوهاج أن المسجونين إن كانوا ظلمة قدروا على إرضاء الخصوم، وإن كانوا مظلومين أمكنهم الاستغاثة وكان عليهم حضور الجمعة .

وقيد بالجماعة لما في التفاريق أن المعذور يصلى الظهر بأذان وإقامة وإن كان لا تستحب الجماعة.

وقيد بالظهر؛ لأن في غيرها لا بأس أن يصلوا جماعة .

وأشار المصنف إلى أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع لئلا يجتمع فيها جماعة كذا في السراج الوهاج.

وظاهر كلامهم أن الكراهة في مسألة الكتاب تحريمية؛ لأن الجماعة مؤدية إلى الحرام وما أدى إليه فهو مكروه تحريما(البحر الرائق، ج٢ص١٦٦ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

علامہ ابنِ نجیم نے کراہت کی جملہ تعلیلات کا ذکر نہیں کیا، بطورِ خاص، جمعہ کے ساتھ صوری معارضہ کی علت کا، اور حنفیہ کے نزدیک یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت، ہر حال میں مکروہ ہے، معذور کے لیے بھی، غیر معذور کے لیے بھی، جمعہ سے پہلے بھی، اور بعد میں بھی، کراہت کی صورت مرتفع نہیں ہوتی، البتہ کراہت کی شدت وخفت میں فرق واختلاف کی گنجائش ہے، علامہ ابنِ نجیم، کراہتِ تحریمی کا رجحان رکھتے ہیں۔

اور علامہ ابنِ نجیم نے ''الظهيرية'' کے حوالے سے جو جزئیہ ذکر کیا، وہ بھی اسی اصول کا حصہ ہے، جس کا مقصود یہ ہے کہ جمعہ کے دن، شہر میں مریض ومعذور سب کو جماعتِ ظہر مکروہ ہے، یہاں تک کہ جن لوگوں کا جمعہ فوت ہوجائے، خواہ وجہ کوئی بھی ہو، ان کو بھی جماعتِ ظہر، مکروہ ہے، لہٰذا اس سے جو بعض اہلِ علم حضرات کو شبہ پیدا ہوا، جیسا کہ منسلکہ تحریر وفتوے میں ذکر ہے، وہ درست نہیں، ہم اس کے متعلق پہلے وضاحت کر آئے ہیں، اور آگے بھی آتی ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے'' منحةُ الخالق ''میں صاحبِ ''البحرُ الرائق '' کے کلام کے ضمن میں فرمایا کہ:

> '' انفرادی طور پر امام سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کا اضافہ، اس لیے نہیں کیا، تاکہ یہ شبہ نہ پڑ جائے کہ اس میں بھی کراہت پہلے (یعنی معذورین کے جماعت سے ظہر کی نماز پڑھنے) کی طرح تحریمی ہے، جبکہ خلاصہ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں کراہت، تنزیہی ہے''۔انتھیٰ۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ معذورین کے لیے تو جمعہ کے دن، شہر میں ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن جمعہ کے دن معذور کے لیے جمعہ سے فراغت سے پہلے ظہر کی نماز بغیر

---

[1] (قوله: ولو حذف المصنف وقوله الآتى، ولو زاد أو أداؤه إلخ) قال فى النهر أما الحذف كما ذكر فغير محتاج إليه؛ لأنه معلوم بالأولى، وأما الزيادة فلأنها توهم أن الكراهة فيها كالتى قبلها تحريمية وظاهر الخلاصة يقتضى أنها تنزيهية (منحةُ الخالق على البحرالرائق، ج٢ص ١٦٦، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

جماعت کے پڑھنا، مکروہ تحریمی نہیں، بلکہ مکروہ تنزیہی ہے، اس لیے انفراداً پڑھنے کے مسئلہ کا دوسرے مسئلے کے ساتھ اضافہ نہیں کیا، تاکہ دونوں کی کراہت ایک درجہ کی نہ سمجھ لی جائے۔

’’مجمعُ الأنهر‘‘ کا حوالہ

’’مجمعُ الأنهر‘‘ میں ہے کہ:

’’معذور اور مسجون کے لیے شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز، جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، خواہ امام کے جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے پڑھے، یا فارغ ہونے کے بعد پڑھے، اور معذور کی قید احترازی نہیں ہے، بلکہ اس لیے ہے، تاکہ غیر معذور کو بطریقِ اولیٰ یہ حکم شامل ہو جائے‘‘۔انتہیٰ۔ [1]

’’النهرُ الفائق‘‘ کا حوالہ

’’النهرُ الفائق‘‘ میں ہے کہ:

’’معذور اور مسجون کے لیے، جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد، با جماعت ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ بعض اوقات، معذور کی غیر معذور بھی اقتداء کر لیتا ہے، نیز اس میں جمعہ سے معارضہ کی ایک صورت بھی ہے، جمعہ کی جگہ، غیر جمعہ قائم کر کے‘‘۔انتہیٰ۔ [2]

---

[1] (وكره للمعذور والمسجون أداء الظهر بجماعة فى المصر يومها) أى الجمعة سواء قبل فراغ الإمام أو بعده لما فيه من الإخلال بالجمعة لأنها جامعة للجماعات قيد بالمصر لأن الجماعة غير مكروهة فى حق أهل السواد وتخصيصها بالذكر ليس للاحتراز بل ليعلم منه الحكم فى غيرهما بالطريق الأولى كما فى الإصلاح(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ١، ص ١٧٠، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] (وكره) تحريمًا (للمعذور والمسجون) من عطف الخاص على العام اهتمامًا به للخلاف فيه (أداء الظهر) قبل الجمعة وبعدها (بجماعة) قيد بذلک لأن الأذان، والإقامة غير مكروهين كما فى (السراج) معزيًا إلى (جمع التفاريق) إلا أنه في (الولوالجية) قال :ولا يصلى يوم الجمعة جماعة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت میں کراہتِ تحریمی کی صراحت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک کراہت کی جو دو بنیادی تعلیلات ہیں، ان کا بھی عمدہ انداز میں ذکر ہے، یعنی ایک تو معذورین کی غیر معذور کے اقتداء کرنے اور اس کے نتیجہ میں ترکِ جمعہ کا ذریعہ ہونا، اور دوسرے جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ ہونا، جو جمعہ کے دن شہر میں، بہر حال ہر شخص کے جماعتِ ظہر کرنے کی صورت میں موجود ہوتا ہے''الا فی صورة خاصة کما سیجیئ''

''الفتاویٰ الهندیة'' کا حوالہ

''الفتاویٰ الهندیة''میں ہے کہ:

''اور مسافر، اگر جمعہ کے دن، شہر میں آ جائیں، وہ ظہر کی نماز، بغیر جماعت کے تنہا پڑھیں گے، اور اسی طرح سے جب شہر والوں کا جمعہ فوت ہو جائے، اور اسی طرح قیدی اور مریض، سب ظہر کی نماز، جماعت کے بغیر پڑھیں گے، اور ان کو ظہر کی نماز با جماعت پڑھنا مکروہ ہے، قاضی خان میں اسی طرح ہے''۔انتہٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی مصر ولا یؤذن ولا یقیم فی سجن وغیره لصلاة الجمعة، وهذا أولی.
(فی المصر) قید به لأن أهل السواد لا تکره الجماعة فی حقهم، وذلک لأنه فی المصر ربما تطرق غیر المعذور إلی الاقتداء بهم وفیه أیضًا صورة معارضة للجمعة بإقامة غیرها(النهر الفائق شرح کنز الدقائق، ج ۱،ص ۳۶۳، کتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

[1] ومن لا تجب علیهم الجمعة من أهل القری والبوادی لهم أن یصلوا الظهر بجماعة یوم الجمعة بأذان وإقامة والمسافرون إذا حضروا یوم الجمعة فی مصر یصلون فرادی وکذلک أهل المصر إذا فاتتهم الجمعة وأهل السجن والمرض ویکره لهم الجماعة، کذا فی فتاوی قاضی خان وجازت بمنی فی الموسم للخلیفة أو لأمیر الحجاز لا لأمیر الموسم، کذا فی الوقایة.
سواء کان أمیر الموسم مقیما أو مسافرا إلا إذا کان مأذونا من جهة أمیر العراق أو أمیر مکة وقیل: إن کان مقیما تجوز وإن کان مسافرا لا تجوز، والصحیح الأول، هکذا فی البدائع، ولا تجوز فی غیر هذه الأیام، کذا فی محیط السرخسی.
ولا جمعة بعرفات اتفاقا، کذا فی الکافی.
وتؤدی الجمعة فی مصر واحد فی مواضع کثیرة وهو قول أبی حنیفة ومحمد – رحمهما الله تعالی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''فتاویٰ قاضیخان'' کا حوالہ آگے آتا ہے۔

اور مذکورہ عبارت میں صاف تصریح ہے کہ مسافر، اہلِ سجن، مریض اور جن کا جمعہ فوت ہوجائے، ان سب کو ظہر کی نماز، بغیر جماعت کے پڑھنی چاہیے، ان کو نمازِ ظہر جماعت کے ساتھ پڑھنا، مکروہ ہے، اور ''**وکذلک أھل المصر إذا فاتتھم الجمعة وأھل السجن، الخ**'' میں ''**وکذلک**'' کے الفاظ مسئلہ تحریر وفتوے کے اصحابِ علم حضرات کے لیے قابلِ توجہ ہیں۔

''الفتاویٰ البزازیة'' کا حوالہ

''**الفتاویٰ البزازیة**'' میں ہے کہ:

> ''مریض اور مسافر اور قیدیوں کے لیے ظہر کی نماز کو امام کے جمعہ سے فراغت تک مؤخر کرنا، مستحب ہے، اور اگر مؤخر نہ کریں، تو مکروہ ہے، صحیح قول یہی ہے، اور امام کی فراغت کے بعد وہ اذان واقامت کے ساتھ (جماعت کے بغیر) ظہر کی نماز پڑھیں گے، لیکن اگر وہ ایسے مقام پر ہوں، جہاں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں، جیسا کہ گاؤں میں، تو وہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھیں گے، دوسرے تمام دنوں کی طرح، اور شہر کے لوگوں کا جب جمعہ فوت ہوجائے، تو وہ مسافروں کی طرح ظہر کی نماز تنہا پڑھیں گے (جماعت سے نہیں پڑھیں گے)''۔ انتہیٰ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ – وھو الأصح وذکر الإمام السرخسی أنه الصحیح من مذھب أبی حنیفة – رحمه الله تعالی – وبه نأخذ، ھکذا فی البحر الرائق.

إذا أصاب الناس مطر شدید یوم الجمعة فھم فی سعة من التخلف، کذا فی الخلاصة(الفتاویٰ الھندیة، ج ۱ ص ۱۴۵، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة)

[1] ویستحب للمریض والمسافر وأھل السجن تأخیر الظھر إلی فراغ الإمام من الجمعة وإن لم یؤخرہ بکرہ فی الصحیح وبعد الفراغ یصلون بأذان وإقامة إلا أنھم إذا کانوا فی مقام لا یجوز إقامة الجمعة فیه کالرستاق صلوا الظھر بجماعة کما فی سائر الأیام *وأھل المصر إذا فاتتھم الجمعة صلوا فرادی کالمسافرین (الفتاویٰ البزازیة، ج ۱ ص ۳۶، کتاب الصلاة، الثالث والعشرون فی الجمعة، نوع ما یحرم فی الصلاة)

یہ عبارت بھی اپنے مدعا میں واضح ہے۔

کیا اس قسم کی عبارات سے یہ استدلال کرنا درست قرار پا سکتا ہے کہ جن شہر کے لوگوں میں وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں، وہ نہ تو جمعہ پڑھیں گے، نہ ان کا جمعہ درست ہوگا، اور ان کو اس کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے، اور ظہر کی نماز بھی با جماعت پڑھنی چاہیے، ان کو ظہر کی نماز پڑھنا مکروہ تک بھی نہیں۔

اس استدلال کی جو حیثیت ہے، وہ اہلِ علم حضرات پر مخفی نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ مریض و معذور کو شہر میں ظہر کی نماز با جماعت کے مکروہ ہونے میں تو خود حنفیہ کا اختلاف نہیں، البتہ بغیر جماعت کے اذان و اقامت کے مستحب ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری اور غلط فہمی سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

’’فتاویٰ قاضیخان‘‘ کا حوالہ

’’فتاویٰ قاضیخان‘‘ میں ہے کہ:

> ’’جن لوگوں پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، جیسا کہ گاؤں اور جنگل کے لوگ، تو وہ جمعہ کے دن، ظہر کی نماز با جماعت، اذان و اقامت کے ساتھ پڑھیں گے، لیکن مسافر اگر جمعہ کے دن شہر میں آ جائیں، تو وہ نمازِ ظہر کو تنہا پڑھیں گے، اور اسی طرح سے شہر کے وہ لوگ، جن کا جمعہ فوت ہو جائے، اور قیدی اور مریض، ان سب کے لیے ظہر کی نماز با جماعت پڑھنا مکروہ ہے‘‘۔ انتہٰی۔ [1]

’’فتاویٰ قاضیخان‘‘ کا حوالہ، پہلے ’’الفتاویٰ الهندیة‘‘ میں بھی گزر چکا ہے۔

معلوم ہوا کہ **عند الحنفیة** جمعہ کے دن شہر میں کسی کے لیے اور کسی صورت میں بھی ظہر کی

---

[1] ومن لا تجب علیهم الجمعة من أهل القری و البوادی لهم أن یصلوا الظهر بجماعة یوم الجمعة بـأذان وإقامة و المسافرون إذا حضروا یوم الجمعة فی مصر یصلون فرادی و کذلک أهل المصر إذ فاتتهم الجمعة وأهل السجن و المرضی ،یکره لهم الجماعة (فتاویٰ قاضیخان، ج ۱ ص ۱۳۹ ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الجمعة)

نماز، باجماعت کراہت سے خالی نہیں، چہ جائیکہ کراہت کی نفی کر کے، اس کو مستحب قرار دیا جائے، اوراوپر سے ان ہی عبارات سے استدلال بھی کیا جائے۔

''اللباب فی شرحِ الکتاب'' کا حوالہ

عبدالغنی دمشقی ''اللباب فی شرحِ الکتاب'' میں فرماتے ہیں کہ:

''معذور لوگوں کے لیے شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں جمعہ میں تقلیلِ جماعت کر کے خلل ڈالنا، اور جمعہ کے ساتھ معارضہ کی صورت پائی جاتی ہے۔

اوراسی طرح قیدیوں کے لیے بھی مکروہ ہے، کیونکہ اس میں بھی معارضہ کی صورت پائی جاتی ہے، اورقیدیوں کا ذکر الگ سے اس لیے کیا، تاکہ یہ وہم دور ہو جائے کہ شاید ان کے لیے مکروہ نہ ہو، کیونکہ ان کو قید سے نکلنا ممکن نہیں'' ۔انتھیٰ۔ [1]

معلوم ہوا کہ فقہائے کرام نے، معذوروں، قیدیوں، مریضوں اور جمعہ فوت ہونے والوں کا جو الگ الگ ذکر کیا، اس کی وجہ ہر شخص کے حق میں، اور ہر مجبوری کی صورت میں کراہت کے حکمِ عام کو بیان کرنا ہے۔

پھر بحالاتِ موجودہ کون سی صورت، اس حکمِ عام سے مستثنیٰ کرنے کی باقی رہ جاتی ہے، چہ جائیکہ ترقی کر کے مستحب بھی قرار دیا جائے، اورصحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط پائی جانے کے باوجود، جمعہ کو غیر واجب اور غیر صحیح تک بھی قرار دے دیا جائے۔

---

[1] (ویکرہ أن یصلی المعذورون الظھر بجماعة یوم الجمعة) فی المصر؛ لما فیه من الإخلال بالجمعة بتقلیل الجماعة وصورة المعارضة .قیدنا بالمصر لأنه لا جمعة فی غیرھا فلا یفضی إلی ذلک (وکذلک أھل السجن) : أی یکرہ لھم ذلک؛ لما فیه من صورة المعارضة .وإنما أفردہ بالذکر لما یتوھم من عدم الکراھة یمنعھم من الخروج(اللباب فی شرح الکتاب،لعبد الغنی الدمشقی الحنفی ،ج ۱،ص ۱۱۲، ۱۱۳، کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجمعة)

’’الفتاویٰ التاتار خانیة‘‘ کا حوالہ

’’الفتاویٰ التاتار خانیة‘‘ میں ہے کہ:

’’مسافر، اگر جمعہ کے دن شہر میں آئیں، تو وہ ظہر کی نماز، تنہا پڑھیں گے، اور اسی طریقے سے شہر والوں سے، جب جمعہ فوت ہوجائے، اور قیدی اور بیمار لوگوں کے لیے بھی ظہر کی جماعت مکروہ ہے۔

اور ’’النسفیة‘‘ میں ہے کہ اگر شہر والوں نے کسی مانع عذر کی وجہ سے، مطلقاً جمعہ کو ترک کردیا، تو اُن کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے، اور اُن کے لیے ظہر کی نماز، جماعت کے بغیر تنہا پڑھنا مستحب ہے، امام محمد کے کتاب الصلاۃ میں مذکور قول کے عموم کی وجہ سے۔

لیکن امام شافعی کا قول یہ ہے کہ معذورین کو ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں، بلکہ افضل ہے، تاہم اُن کو نماز باجماعت خفیہ طریقے پر پڑھنی چاہیے، تاکہ ان کو دیکھنے والے کو یہ گمان نہ ہو کہ انہوں نے امام سے اعراض کیا ہے۔

اور یہی اختلاف شہر میں موجود، مسافروں اور قیدیوں کے بارے میں بھی ہے۔

اور جو مریض جمعہ کی نماز میں حاضر ہونے کی استطاعت نہ رکھے، اگر وہ ظہر کی نماز اپنے گھر میں بغیر اذان واقامت کے پڑھے، تو اس کے لیے جائز ہے، اور اذان واقامت کے ساتھ پڑھنا ہی اچھا ہے۔

اور قدوری میں ہے کہ جس سے جمعہ فوت ہوجائے، تو وہ ظہر کی نماز بغیر اذان واقامت کے پڑھے گا، اور اسی طریقے سے قیدی اور بیمار اور غلام اور مسافر بھی، بغیر اذان واقامت کے ظہر کی نماز پڑھیں گے۔

لیکن ’’الفتاویٰ العتابیة‘‘ میں ہے کہ اگر یہ لوگ اذان واقامت کے ساتھ بغیر

جماعت کے ظہر کی نماز پڑھیں، تو زیادہ بہتر ہے"۔انتہیٰ۔ [1]

صاحبِ ہدایہ کے حوالے سے اس صورت پر کلام اور کراہت کے شدید وخفیف ہونے کے فرق کی وجہ گزر چکی ہے، جو "النسفیة" کے حوالے سے اوپر کی عبارت میں نقل کی گئی۔

اور آگے بھی اس کا ذکر آتا ہے، بطورِ خاص "ردُّ المحتار" وغیرہ کے حوالے سے۔

"مراقی الفلاح" کا حوالہ

"مراقی الفلاح" میں ہے کہ:

"جن لوگوں کا جمعہ فوت ہوجائے، ان کو جمعہ کے دن شہر میں اذان واقامت مکروہ ہے، جس طرح ان کو ظہر کی جماعت کرنا مکروہ ہے، قیدیوں کی طرح"۔

انتہیٰ۔ [2]

اور "مراقی الفلاح" میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

---

[1] والمسافرون اذا حضروا یوم الجمعة فی مصر، یصلون فرادیٰ، وکذا اهل المصر، اذا فاتتهم الجمعة ،واهل السجن والمرضی، یکره لهم الجماعة.

وفی النسفیة:سئل عن اهل مصر ترکوا الجمعة بعذر مانع، یجوز اداء الظهر بالجماعة فی ذلک الیوم؟فقال : یکره لهم ذالک، ویستحب ان یصلوا وحدنا، لعموم قول محمد فی کتاب الصلاة.

وقال الشافعی: لایکره ،أن یصلی المعذورن الظهر بجماعة، بل ذالک افضل، ولکنهم یخفونها، حتی ان من رأهم لایظن انهم رغبوا عن الامام.

وعلی هذا الاختلاف ، المسافرون فی المصر واهل السجن.

م: والمریض الذی لایستطیع أن یشهد الجمعة اذا صلی الظهر فی بیته بغیر اذان واقامة اجزأه ،وان صلاها باذان واقامة فهو حسن.

وفی القدوری: من فاتته الجمعة ، صلی الظهر بغیر اذان واقامة ،وکذا اهل السجن والمرضی والعبید والمسافرون.

وفی الفتاویٰ العتابیة : ولو صلوا باذان واقامة من غیر الجماعة، کان احسن(الفتاویٰ التاتارخانیة ، ج۲ص ۷۹، ۸۰، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة ، نوع آخر من هذا الفصل فی المتفرقات، مطبوعة : ادارة القرآن ، کراتشی، الباکستان، تاریخ الطبع:1990ء)

[2] ویکرهان. أی الأذان والإقامة .لظهر یوم الجمعة فی المصر.لمن فاتتهم الجمعة کجماعتهم مثل المسجونین(مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص ۸۰، کتاب الصلاة، باب الاذان)

''معذور، مثلاً مریض اور غلام اور مسافر اور قیدی کے لیے، شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے۔

اور معذور کو ظہر کی انفرادی طور پر نماز کا، جمعہ سے مؤخر کرنا مستحب ہے، اور صحیح قول کے مطابق اس کو جمعہ سے پہلے، ظہر کی نماز تنہا پڑھنا بھی مکروہ ہے'' ۔انتہیٰ۔ [1]

''حاشیۃُ الطحطاوی علیٰ مراقی'' کا حوالہ

''حاشیۃُ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح'' میں ہے کہ:

''معذورین کے لیے شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، اور معذورین کی قید اس لیے لگائی، تاکہ یہ بات معلوم ہوجائے کہ غیر معذور کے لیے بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے، اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ جمعہ کی جماعت کی تقلیل کی طرف مفضی ہوتی ہے، کیونکہ بعض اوقات غیر معذور کے لیے بھی معذور کی اقتداء کا راستہ کھل جاتا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں ظہر کی نماز باجماعت کو قائم کرکے، جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ پایا جاتا ہے۔

جہاں تک معذور کے لیے جمعہ سے پہلے، ظہر کی نماز کے تنہا پڑھنے کے مکروہ ہونے کا تعلق ہے، تو اس سے مکروہ تنزیہی مراد ہے، اور جس نے اس صورت میں کراہت کی نفی کی ہے، اس کی مراد کراہتِ تحریمی کی نفی ہے'' ۔انتہیٰ۔ [2]

---

[1] "وكره للمعذور "كمريض ورقيق ومسافر "والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر يومها "أي الجمعة يروى ذلك عن علي رضي الله عنه ويستحب له تأخير الظهر عن الجمعة فإنه يكره له صلاتها منفردا قبل الجمعة في الصحيح(مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص ۱۹۹، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

[2] قوله" :أداء الظهر بجماعة "سواء كان قبل الجمعة أو بعدها وإنما قيد بالمعذور ليعلم حكم غيره بالأولى ووجه الكراهة أنها تفضي إلى تقليل جماعة الجمعة لأنه ربما تطرق غير المعذور للاقتداء بالمعذور ولأن فيه صورة المعارضة بإقامة غيرها قوله" :في المصر "قيد به لإخراج أهل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارات سے بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن شہر میں، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، عندالحنفیۃ ہر حال میں مکروہ ہے، اور اس کی ایک بنیادی علت، حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس طرزِ عمل میں جمعہ کی نماز کے ساتھ صورتاً معارضہ پایا جاتا ہے، اور یہ علت شہر میں باجماعت ظہر کی نماز پڑھنے کی صورت میں بہرحال پائی جاتی ہے، خواہ دوسری علت یعنی تقلیلِ جماعت فی الجامع اور معذور کے ساتھ غیر معذور کی اقتداء وشرکت کی علت نہ پائی جائے۔

اور اگر تقلیلِ جماعت کی علت کو غور سے ملاحظہ کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ، جن پر جمعہ واجب ہے، وہ جمعہ کے وجوب کو ترک کر بیٹھیں گے، اسی لیے دوسرے کئی محققین نے اس تعبیر کو صاف طور پر اختیار کیا، تقلیل کا ذکر ہی نہیں کیا، اور بعض نے تقلیل کا ذکر کر کے، ساتھ ہی اس کی مذکورہ وضاحت بھی کر دی، اور جن حضرات نے اس تقلیل کو جامع مسجد کے ساتھ مقید کیا، وہ تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کے قول پر مبنی ہے، جو کہ اب مفتیٰ بہ نہیں۔

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات اس کے مطلب ہی کو نہ سمجھ سکے، اور وہ جماعتِ جمعہ میں ہی خود سے تقلیل کو معیوب سمجھ بیٹھے، اس طرح کی غلط فہمیاں، فقہائے کرام کے اصل مقصود کو نہ سمجھنے، یا جملہ عبارات پر نظر نہ کرنے سے ناشی ہوتی ہیں۔

پس بعض اہلِ علم حضرات کا پہلے جمعہ کے وجوب اور صحت کی شرائط کو نظر انداز کر کے، جمعہ کو غیر واجب اور غیر صحیح قرار دینا، اور پھر جمعہ کے بدلے میں ظہر کا حکم صادر فرمانا، اور پھر اس پر مزید جماعتِ ظہر کو بھی مستحب قرار دینا، کس قدر فقہائے کرام کے مقصود اور جمعہ کے ساتھ صورتاً وقصداً معارضہ کہلایا جاسکتا ہے، یہ اہلِ علم حضرات کے لیے قابلِ ملاحظہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السواد فإنه لا يكره لهم الجماعة لعدم الجمعة على أهلها فلا يلزم ما ذكر.

قوله" :فإنه يكره له صلاتها الخ "كذا فى البحر وهذا لا ينافى ما قدمناه عنه من أن ذلك لا يكره اتفاقا فالحمل الكراهة المنفية فيما سبق على التحريمية وما هنا على التنزيهية لأنها فى مقابلة المستحب أفاده السيد(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ٥٢٢،كتاب الصلاة،باب الجمعة)

’’منیةُ المصلی‘‘ کا حوالہ

’’منیةُ المصلی‘‘ میں ہے کہ:

معذورین اور مسجونین کے لیے شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کو باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، خواہ امام کے جمعہ سے فراغت سے پہلے ہو، یا بعد میں ‘‘۔انتھٰی۔ [1]

’’خلاصةُ الفتاویٰ‘‘ کا حوالہ

’’خلاصةُ الفتاویٰ‘‘ میں ہے کہ:

’’شہر میں موجود مریض کے لئے ظہر کی نماز کو جمعہ کی جماعت سے مؤخر کرنا مستحب ہے۔

اور امام کی فراغت کے بعد شہر میں موجود مریض اور مسافر اور قیدیوں کے لئے ظہر کی نماز کو اذان واقامت کے ساتھ باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، یہ تمام باتیں ’’الأصل‘‘ میں موجود ہیں۔

اور ’’الاجناس‘‘ میں ہے کہ اسی طریقے سے شہر والوں کے لیے جب اُن کا جمعہ فوت ہوجائے، تو وہ شہر میں مسافروں کی طرح تنہا ظہر کی نماز پڑھیں گے۔

اور امام خواہر زادہ کے نسخے میں ہے کہ مریض جب جمعہ کے لیے حاضر ہونے کی طاقت نہ رکھے، تو وہ اپنے گھر میں اذان واقامت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھے گا، اور اگر مریض ایک سے زیادہ ہوں، اور وہ جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھیں، تو ان کے لیے مکروہ ہے۔

اور اسی وجہ سے مریض اذان دے گا، اور اقامت کہے گا، کیونکہ وہ من وجہٍ گاؤں

---

[1] ویکرہ للمعذورین والمسجونین أداء الظهر بجماعة فی المصر یوم الجمعة سواء کان قبل الفراغ من الجمعة أو بعده (منیة المصلی وغنیة المبتدی، ص ۳۰۳، فصل فی صلاة الجمعة، مسائل متفرقة)

والوں کے مشابہ ہے (لیکن باجماعت ظہر نہ پڑھے گا)''۔انتھٰی۔ [1]

''خلاصۃُ الفتاویٰ'' کی مذکورہ عبارت کو بغور اور مکمل ملاحظہ فرمانے سے یہ بات واضح ہے کہ عندالحنفیۃ، شہر میں موجود، ہر طرح کے لوگوں کے لیے باجماعت ظہر کی نماز مکروہ ہے، یہاں تک کہ جن پر جمعہ واجب نہیں، ان کو جمعہ کی نماز ہو چکنے کے بعد بھی مکروہ ہے۔

اور ''وکذا اھل المصر اذا فاتتھم الجمعۃ، الخ'' سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کراہت کا یہ حکم پہلے سے چلا آ رہا ہے، جس پر یہ صورت بھی متفرع ہے۔

لہٰذا بعض اہلِ علم حضرات کا صرف اتنے جملہ کو لے کر غلط فہمی میں مبتلا ہونا، درست نہیں، جس کی توضیح وتفصیل ہم بار بار کر رہے ہیں۔

اسی وجہ سے جن کا جمعہ فوت ہو جائے، اور اس کی ادائیگی پر قدرت نہ رہے، خواہ اس وجہ سے کہ اذنِ حاکم نہ ہو، جبکہ اس کو شرط قرار دیا جائے، یا اس وجہ سے کہ تعددِ جمعہ کو ناجائز قرار دیا جائے، جو کہ اب غیر مفتیٰ بہ روایت ہے، اور علامہ شامی کے بقول اذنِ عام کی شرط، اسی شرط پر مبنی تھی، جب وہ مفتیٰ بہ نہ رہی، تو اذنِ عام کی شرط کیسے مفتیٰ بہ رہ جائے گی؟

یا اس وجہ سے کہ وہ چار سے کم افراد ہوں، تب بھی ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، شہر میں جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

پھر جن کو جمعہ کی قدرت ہو، اور ان میں جمعہ کی شرائط بھی موجود ہوں، اور وہ ادائیگیِ جمعہ پر قادر بھی ہوں، جس کی وجہ سے ان کا جمعہ فوت ہی نہ ہوا، ان کو پہلے ترکِ جمعہ کا حکم دینا، اور ان

---

[1] ویستحب للمریض ان یؤخر الصلاۃ الی ان یفرغ الامام من صلاۃ الجمعۃ، وان لم یؤخر یکرہ، ھو الصحیح.

وبعد فراغ الامام یصلی باذان واقامۃ ویکرہ لھم اداء الصلاۃ بالجماعۃ.

وکذا المسافرون فی المصر واھل السجن، الکل فی الاصل.

وفی الاجناس وکذا اھل المصر اذا فاتتھم الجمعۃ یصلون فرادیٰ کالمسافرین فی المصر.

وفی نسخۃ الامام خواھر زادہ، اذا لم یستطع المریض ان یشھد الجمعۃ، یصلی فی بیتہ باذان واقامۃ، فان کانوا جماعۃ من المریض فصلوا بجماعۃ، یکرہ.

ولھذا یؤذن المریض ویقیم لانہ یشبہ اھل السواد من وجہ(خلاصۃ الفتاویٰ، ج ۱، ص ۲۱۱، کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث والعشرون فی صلاۃ الجمعۃ)

کے جمعہ کو غیر صحیح کہنا، اور پھر اس کے عوض ظہر کو تجویز کرنا، اور پھر ظہر کی جماعت کی کراہت کو مرتفع قرار دینے کی کوشش کرکے، جماعتِ ظہر کی ترغیب دینا، یہ سب کچھ ہی سخت محلِ نظر باتیں ہیں۔

پس ''خلاصۃُ الفتاویٰ'' کی مذکورہ عبارت کے ایک حصہ سے، جو مسلکہ تحریر وفتوے کے اصحابِ علم حضرات کو غلط فہمی ہوئی، اسی عبارت کے سیاق وسباق اور فقہائے کرام کی دوسری عبارات سے اس کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں۔

''الدرُّ المختار'' کا حوالہ

''الدرُّ المختار'' میں ہے کہ:

''معذور اور قیدی اور مسافر کے لئے شہر میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرنا، جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد مکروہِ تحریمی ہے، کیونکہ اس میں جماعت کی تقلیل اور جمعہ کے ساتھ معارضہ کی صورت (نہ کہ معارضہ کی حقیقت) پائی جاتی ہے۔
جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ، تمام مساجد کو بند کیا جائے گا۔
اور اسی طرح سے شہر میں موجود جن لوگوں سے جمعہ فوت ہوجائے، اُن کے لئے بھی اذان واقامت اور جماعت کے بغیر ظہر پڑھنے کا حکم ہے۔
اور مریض کے لیے مستحب ہے کہ وہ ظہر کی نماز پڑھنے میں اتنی تاخیر کرے کہ امام جمعہ کی نماز سے فارغ ہوجائے ''۔انتہیٰ۔ [1]

---

[1] (وكره) تحريما (لمعذور ومسجون) ومسافر (أداء ظهر بجماعة فى مصر) قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع.
(وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة .ويستحب للمريض تأخيرها إلى فراغ الإمام وكره إن لم يؤخر هو الصحيح(الدرالمختار مع رد المحتار، ج۲ص۱۵۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

''الدرُّ المختار'' کی عبارت اپنے مقصود میں واضح ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک، شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت کو کراہت سے نکال کر استحباب میں داخل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، اگرچہ مکروہ تحریمی سے، تنزیہی کی طرف تنزلی کیوں نہ اختیار کر لی جائے، کیونکہ کراہتِ تنزیہی کا ارتکاب مستحب نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس کا ترک مستحب ہوا کرتا ہے، ورنہ اس کو مکروہ کہنے کے کیا معنیٰ ؟

گزشتہ بعض عبارات کی طرح مذکورہ عبارت کے الفاظ ''وکذا أهل مصر فاتتهم الجمعة'' سے بھی معلوم ہوا کہ کراہت کا حکم پیچھے سے چلا آ رہا ہے، جس میں کراہت کی ایک صورت یہ بھی ہے، جس میں جملہ اہلِ شہر کا جمعہ، کسی مانع سے فوت ہوگیا ہو، جیسا کہ صاحبِ ہدایہ کے حوالہ سے گزرا، پھر کراہت مرتفع ہونے کی کون سی صورت رہ گئی۔

بعض اوقات کسی عبارت کو سیاق وسباق سے ہٹ کر ملاحظہ کرنا، سخت غلط فہمی کا باعث بن جایا کرتا ہے۔

''حاشیۃُ الطحطاوی علی الدر المختار'' کا حوالہ

''حاشیۃُ الطحطاوی علی الدر المختار'' میں ہے کہ:

''تقلیلِ جماعت کی علت کا ''البحر'' اور ''النھر'' میں ذکر ہے، اور تقلیلِ جماعت اس طرح ہوتی ہے کہ بعض اوقات معذور کی، غیر معذور بھی اقتداء کر لیتا ہے، جس کی وجہ سے مقتدی جمعہ کو ترک کر بیٹھتا ہے، اور اس کے نتیجے میں جمعہ کی نماز میں تقلیل بھی لازم آتی ہے، پس دونوں عبارتوں کا مآل اور نتیجہ ایک ہی ہے۔

اور معارضہ کی صورت کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے علاوہ دوسری نماز کو، جماعت کے ساتھ قائم کر کے، جمعہ کے ساتھ معارضہ پایا جاتا ہے، جیسا کہ ''النھر'' میں ہے، اور یہ دونوں علتیں جماعتِ ظہر کے جمعہ سے پہلے، اور جمعہ کے بعد کی دونوں

صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں، جمعہ سے پہلے تو اس وجہ سے کہ جمعہ کا وقت داخل ہو چکا، اور وہ جمعہ کا وقت ہے، اور ظہر کو باجماعت ادا کرنے سے، جمعہ کی جماعت میں تقلیل ہوتی ہے، اور جمعہ کے ساتھ معارضہ بھی لازم آتا ہے، اور جمعہ کے بعد پڑھنے کی صورت میں بھی معارضہ لازم آتا ہے، کیونکہ جمعہ کے وقت میں ظہر کی نماز باجماعت کو پڑھا جارہا ہے، اور جمعہ کی جماعت میں تقلیل بھی لازم آتی ہے، اور حلبی نے پہلی علت پر اکتفاء کیا ہے''۔انتہٰی۔ [1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شہر میں جمعہ کے دن، امام کے جمعہ سے فراغت کے بعد، جب کچھ لوگوں کا جمعہ فوت ہوجائے، تب بھی جماعتِ ظہر میں جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ پایا جاتا ہے، خواہ کسی کا مقصد، معارضہ کا نہ ہو، اور اگر جمعہ سے بذاتِ خود معارضہ مقصود ہو، یعنی بذاتِ خود مخالفتِ جمعہ مقصود ہو، تو سخت گناہ ہوگا، جس کی فقہاء نے تصریح کی ہے۔

مذکورہ عبارت سے جمعہ کے دن ظہر کا باجماعت پڑھنا، مکروہ تحریمی بھی ثابت ہوتا ہے۔

''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''جس طرح معذور کے لیے جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنا، مکروہ ہے، تو غیر معذور کے لیے بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے۔

اور ''البحر'' میں فرمایا کہ فقہاء کے ظاہرِ کلام کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔

---

[1] (قولہ: لتقلیل الجماعة) الذی فی البحر والنهر، لان المعذور قد یقتدی به غیره، الی ترکها،اهـ ای فی حق المقتدی، فیلزم تقلیل الجماعة ، فمآل العبارتین واحد (قوله:وصورة المعارضة) بإقامة غیرها ، نهر، وهاتان العلتان ، تظهران فی القبلیة والبعدیة ، أما القبلیة فان الوقت قد دخل، وهو لها ، وباداء الظهر تقل الجماعة، وتحصل المعارضة، وأماالبعدیة فلان المعارضة تحصل بادائه فی وقتها، وتقل الجماعة بانتظار من رآهم الصلاة معهم، لو رآهم قبلها، وقصر الحلبی العلة الاولیٰ علی القبلیة (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، ج ۱ ص ۳۴۶، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطبوعة: المکتبةُ العربیة، کوئته، الباکستان)

میں کہتا ہوں کہ قہستانی نے تو مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح کی ہے۔

تقلیلِ جماعت کی علت کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات معذور کی، غیر معذور بھی اقتداء کر لیتا ہے، جو اس کے لیے جمعہ کے ترک کا باعث بن جاتا ہے، جیسا کہ ''البحر'' میں ہے، اور اسی طریقے سے جب کوئی شخص یہ جان لیتا ہے کہ جمعہ کے بعد جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی جائے گی، تو وہ بھی جمعہ ترک کر دیتا ہے، تاکہ بعد میں ان کے ساتھ باجماعت ظہر کی نماز پڑھ لے۔

اور جہاں تک معارضہ کی صورت کی علت کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن میں جمعہ کی نماز پڑھنا مسلمانوں کا شعار ہے، اور معارضہ کا قصد ایک عظیم فتنہ کا باعث ہوتا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ صورتاً معارضہ میں بھی کراہتِ تحریمی ہے، رحمتی۔

جہاں تک اِن اہلِ مصر کا تعلق ہے، جن کا (کسی مانع سے) مطلقاً جمعہ فوت ہو گیا، تو ان کے لیے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، بظاہر مکروہ تنزیہی ہے، کیونکہ اس میں تقلیل اور معارضہ کی علت نہیں پائی جاتی، جس کی تائید قہستانی میں مضمرات کے حوالے سے مذکور اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ ''یصلون وحدانا استحبابا''

اور جن کا جمعہ فوت ہو جائے، ان کے لیے اذان اور اقامت کا مکروہ ہونا اولیٰ ہے، اگرچہ وہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں۔

اور جن لوگوں نے اذان واقامت کے مکروہ ہونے کی نفی کی ہے، وہ قول اولیٰ نہیں ہے۔

اور مریض اور معذور کے لیے، جمعہ کی نماز ختم ہونے سے پہلے بغیر جماعت کے تنہا نمازِ ظہر پڑھنا مکروہ ہے، اس سے مراد بھی مکروہ تنزیہی ہونا ہے، اور جن لوگوں

نے کراہت کی نفی کی ہے، وہ کراہتِ تحریمیہ کی نفی پر محمول ہے"۔انتھٰی۔ [1]

علامہ ابنِ عابدین شامی نے جمعہ کے دن شہر میں معذورین کے جماعتِ ظہر کی کراہت کی علت کی بہت عمدہ اور سہل تشریح فرمادی ہے، اور تقلیلِ جمعات کی علت کو بھی خوب کھول دیا

---

[1] (قوله لمعذور) وكذا غيره بالأولى نهر (قوله ومسجون) صرح به كالكنز وغيره مع دخوله فى المعذور لرد ما قيل إنها تلزمه لأنه إن كان ظالما قدر على إرضاء خصمه وإلا أمكنه الاستغاثة اهـ قال الخير الرملى :وفى زماننا لا مغيث للمظلوم والغلبة للظالمين فمن عارضهم بحق أهلكوه (قوله تحريما) ذكر فى البحر أنه ظاهر كلامهم.

قلت :بل صرح به القهستانى (قوله أداء ظهر بجماعة) مفهومه أن القضاء بالجماعة غير مكروه وفى البحر وقيد بالظهر لأن فى غيرها لا بأس أن يصلوا جماعة .اهـ .(قوله فى مصر) بخلاف القرى لأنه لا جمعة عليهم فكان هذا اليوم فى حقهم كغيره من الأيام شرح المنية .وفى المعراج عن المجتبى من لا تجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة .

(قوله لتقليل الجماعة) لأن المعذور قد يقتدى به غيره فيؤدى إلى تركها بحر وكذا إذا علم أنه يصلى بعدها بجماعة ربما يتركها ليصلى معه فافهم (قوله وصورة المعارضة) لأن شعار المسلمين فى هذا اليوم صلاة الجمعة وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم فكان فى صورتها كراهة التحريم رحمتى .

(قوله تغلق) لئلا تجتمع فيها جماعة بحر عن السراج (قوله إلا الجامع) أى الذى تقام فيه الجمعة فإن فتحه فى وقت الظهر ضرورى والظاهر أنه يغلق أيضا بعد إقامة الجمعة لئلا يجتمع فيه أحد بعدها، إلا أن يقال إن العادة الجارية هى اجتماع الناس فى أول الوقت فيغلق ما سواه مما لا تقام فيه الجمعة ليضطروا إلى المجىء إليه وعلى هذا فيغلق غيره إلى الفراغ منها لكن لا داعى إلى فتحه بعدها فيبقى مغلوقا إلى وقت العصر ثم كل هذا مبالغة فى المنع عن صلاة غير الجمعة وإظهارا لتأكدها.

(قوله وكذا أهل مصر إلخ) الظاهر أن الكراهة هنا تنزيهية لعدم التقليل والمعارضة المذكورين ويؤيده ما فى القهستانى عن المضمرات يصلون وحدانا استحبابا .

(قوله بغير أذان ولا إقامة) قال فى الولوالجية ولا يصلى يوم الجمعة جماعة بمصر ولا يؤذن ولا يقيم فى سجن وغيره لصلاة الظهر اهـ قال فى النهر :وهذا أولى مما فى السراج معزيا إلى جمع التفاريق من أن الأذان والإقامة غير مكروهين (قوله :ويستحب للمريض) عبارة القهستانى المعذور وهى أعم (قوله وكره) ظاهر قوله يستحب أن الكراهة تنزيهية نهر وعليه فما فى شرح الدرر للشيخ إسماعيل عن المحيط من عدم الكراهة اتفاقا محمول على نفى التحريمية(رد المحتار، ج۲ص۱۵۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا شخص جس پر جمعہ واجب ہے، وہ بھی معذور کی اقتداء کر لیتا ہے، اوراس کے نتیجے میں جمعہ کے اصل واجب کو چھوڑ بیٹھنا ہے۔

جہاں تک جامع مسجد میں تقلیل کی علت کا تعلق ہے، اس کے بارے میں بار بار گزر چکا کہ وہ شہر میں تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کی روایت پر مبنی ہے، اوراب جبکہ مفتیٰ بہ اور مختار قول جواز کا ہے، تو اس صورت میں وہ علت بھی مؤثر نہیں رہی، بقیہ علتیں ہی مؤثر رہیں، جن میں سے ایک تو یہی ہے، جو گزری، اوردوسرے جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ کی ہے۔

یہاں سے ان اہلِ علم حضرات کی غلط فہمی بھی دور ہوگئی، جواس طرح کی عبارات میں مذکور تقلیل کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ کسی جگہ جمعہ کی جماعت میں مجمع کا کم ہونا ہی مکروہ ہے، حالانکہ جب تعددِ جمعہ کا جواز راجح اور مفتیٰ بہ ہے، تو پھراس فتوے کے لیے تقلیلِ جماعت لازم ہے، لیکن متعدد مقامات پر جگہ جگہ اپنی شرائط کے مطابق جمع ہونا، دوسری جہت سے تکثیر کا باعث ہے، اور بڑے شہروں میں اور دین سے لاپرواہی کے موجودہ دور میں کم ازکم مقامات پر جمعہ ہونا ہی دراصل، تقلیل کا باعث ہے کہ لوگ دوری کی وجہ سے جمعہ ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

پس مذکورہ امور کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

باقی فی نفسہٖ مجمع کے زیادہ ہونے کی فضیلت کے ہم بھی منکر نہیں، جیسا کہ مفصلاً آگے آتا ہے۔

صورتاً معارضہ کی وجہ سے کراہتِ تحریمی ہونے کا ذکر پیچھے علامہ طحطاوی کے حوالے سے بھی گزر چکا ہے۔

اورعلامہ شامی کے ''رحمتی'' کے الفاظ سے ''حاشیة الرحمتی علی الدر المختار '' مراد ہے، جو مصطفیٰ بن محمد دمشقی (المتوفیٰ:1205ھ) کی تالیف ہے، جو ''الرحمتی'' اور ''الایوبی'' کے نام سے معروف ہیں۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مریض ومعذور حضرات کے لیے، شہر میں جمعہ کے دن باجماعت ظہر کی نماز پڑھنا، حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس میں تقلیلِ جمعہ اور صورتاً جمعہ کی نماز کے ساتھ معارضہ پایا جاتا ہے۔

اگر اہلِ شہر کا جمعہ، کسی مانع سے فوت ہوجائے، اور ان کو جمعہ پڑھنا ممکن نہ رہے، علامہ شامی نے، ان کے لیے جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے مکروہ تنزیہی ہونے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ علامہ ابنِ عابدین کے بقول اس میں مذکورہ دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں، یعنی نہ تو تقلیلِ جماعت کی، اور نہ جمعہ سے صوری معارضہ کی۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کی مذکورہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسرے تمام معذورین کے لیے جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت، پڑھنے کو تو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں، اور اس میں **تقلیل فی الجمعة**، یعنی بعض لوگوں کے جمعہ سے رہ جانے کا ذریعہ ہونے، اور جمعہ کی نماز باجماعت کے ساتھ صورتاً معارضہ کی علت کو مؤثر مانتے ہیں، لیکن اگر جملہ اہلِ شہر کا کسی مانع سے جمعہ فوت ہوجائے، تو ان کے حق میں مذکورہ دونوں علتوں کو مؤثر نہ مان کر بھی مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کی یہ تقسیم وتفریق، صاحبِ ہدایہ کے ''التجنیس'' میں مذکور قول کے موافق ہے، کیونکہ جب تمام اہلِ شہر کا جمعہ کسی مانع سے فوت ہوگیا، مثلاً سخت بارش، طوفان، سیلاب، زلزلہ، یا دشمنوں کے حملہ وغیرہ کی وجہ سے، یا اس وجہ سے کہ سلطان، یا اس کا نائب کسی عارض سے حاضر نہ ہوسکا، نہ اس نے اجازت دی، جب اس کو شرط قرار دیا جائے، جیسا کہ پہلے ایسا تھا، تو چونکہ یہاں شہر میں مطلقاً جمعہ ہوا ہی نہیں، اس لیے نہ جمعہ میں تقلیل کا تصور ہے، اور نہ جمعہ سے معارضہ کا تصور ہے، لیکن امام محمد کے اطلاق کے خلاف ہے۔

برخلاف اس کے کہ شہر میں فی الجملہ جمعہ ہوا، اور کچھ کا فوت ہوگیا، کیونکہ جمعہ کے فوت ہونے کے بعد بھی، ان کی حیثیت جمعہ سے معذور ہونے والوں کی طرح سے ہوجاتی ہے، لہٰذا علتِ

مؤثرہ کی وجہ سے، ان کا حکم، تحریمی کا ہی رہا۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب کسی مانع سے تمام اہلِ شہر، جمعہ سے رہ گئے، تو جب ان کو بھی جماعتِ ظہر مکروہ تنزیہی ہے، تو جن پر جمعہ پہلے واجب تھا، اور بعد میں فوت ہوگیا، ان کے حق میں جماعتِ ظہر مکروہ تحریمی ہوگی۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ، اہلِ شہر کے جن مفوتینِ جمعہ کے حق میں کراہتِ تنزیہی کو ترجیح دے رہے ہیں، اس سے مراد وہ جملہ اہلِ شہر ہیں، جو کسی عذر کے باعث سرے سے جمعہ پڑھ ہی نہ سکے ہوں، اسی بات کی تصریح صاحبِ ہدایہ نے ''التجنیس'' میں فرمائی ہے، جس کے ضمن میں ہماری معروضات گزر چکی ہیں، اور اسی صورت کو قہستانی نے ''المضمرات'' کے حوالہ سے، اور خود صاحبُ ''المضمرات'' نے مکروہ تنزیہی کہا ہے، جیسا کہ آگے صراحتاً آتا ہے۔

اس تفصیل کے مطابق علامہ شامی کے مذکورہ کلام پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔

لہٰذا علامہ شامی کے مذکورہ کلام سے ان لوگوں کے حق میں کراہتِ تنزیہی کا حکم ثابت نہ ہوگا کہ جہاں شہر میں جمعہ قائم ہوا ہو، یا قائم ہو رہا ہو، کیونکہ وہاں جمعہ کے معارضہ کی صورت سے کوئی مفر نہیں، البتہ معذورین کے حق میں کراہتِ تنزیہی کو ایک مستقل قول قرار دینے کی کسی قدر گنجائش موجود ہے، جیسا کہ آگے ملا علی قاری کے حوالے سے آتا ہے۔

پس علامہ شامی کی اس عبارت سے بعض اہلِ علم حضرات جو یہ استدلال فرما رہے ہیں کہ شہر میں جمعہ قائم ہونے کی صورت میں جماعتِ ظہر کرنے میں کراہتِ تنزیہی ہوتی ہے، اور وہ بھی بحالاتِ موجودہ نہیں پائی جاتی، اور اس کے برعکس استحباب کی گنجائش پائی جاتی ہے، یہ سب باتیں مخدوش معلوم ہوئیں، چہ جائیکہ وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کی شرائط موجود ہوتے ہوئے جمعہ کو ساقط اور اس سے بڑھ کر غیر درست قرار دیا جائے۔

’’شرحُ النقایة لملا علی القاری‘‘ کا حوالہ

ملا علی قاری کی ’’شرحُ النقایة‘‘ میں ہے کہ:

’’شہر میں معذور وغیرہ کے لیے جمعہ کے دن ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے، خواہ وہ جمعہ سے پہلے پڑھیں، یا جمعہ کے بعد پڑھیں، کیونکہ اس میں بعض غیر معذوروں کے شریک ہونے کے باعث، جمعہ کی جماعت میں تقلیل اور معارضہ پایا جاتا ہے، جو کہ مخالفت کے طریقے پر نہ ہو، لیکن صرف یہ طرزِ عمل کراہتِ تنزیہی سے زیادہ پر دلالت نہیں کرتا، اس میں امام مالک اور امام شافعی کا اختلاف ہے کہ انہوں نے اِن معذور لوگوں کے ظہر کے مخاطَب ہونے کی طرف نظر کرتے ہوئے، اور فرائض میں جماعت کے سنت ہونے پر نظر کرتے ہوئے، جماعت کو مکروہ قرار نہیں دیا، لیکن ہمارا مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور شہر میں غیر معذور کے لیے جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس میں ایک متفق علیہ فرضِ قطعی کا ترک کرنا پایا جاتا ہے، جو کہ ظہر سے زیادہ مؤکد ہے، جب کہ امام مالک اور امام شافعی اور امام زفر، اس صورت میں ظہر کی نماز کو باطل قرار دیتے ہیں‘‘۔ انتہٰی۔ [1]

---

[1] (وکره فی المصر) أی دون القرية والمفازة ، لأنهم ليس عليهم شهود الجمعة، فكان هذااليوم فی حقهم كسائر الأيام .كذا فی المبسوط .وهذا القدر لا يدل علی أكثر من كراهة التنزيه (ظهر المعذور وغيره) كمن فاتته الجمعة لمانع، (بجماعة) سواء صلوا قبل الجمعة، أو بعدها .لأن فی ذلک تقليل جماعة الجمعة .والمعارضة (لا) علی وجه المخالفة، خلافا لمالک والشافعی، حيث نظرا إلی كونهم مخاطبين بالظهر دونها، وكون الجماعة سنة فی الفرائض، ومذهبنا مروی عن علی رضی الله عنه.

(وكره فی المصر (ظهر غير المعذور قبل الجمعة) والمراد بالكراهة هنا الحرمة، لأنه ترک الفرض القطعی باتفاقهم الذی هو أوكد من الظهر، فكيف لا يكون مرتكبا محرما؟ غير أن الظهر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاری کا رجحان اس طرف ہے کہ معذورین کے لیے شہر میں جمعہ کے دن جماعتِ ظہر، مکروہ تنزیہی ہے، اور وہ معارضہ کی علت کو معذورین کے حق میں کراہتِ تحریمی کا باعث نہیں مانتے، جس کی دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک وجہ جمہور کا اختلاف بھی ہے۔

اس حیثیت سے معذورین کے حق میں شہر کے اندر، با جماعت ظہر ادا کرنے کے مکروہ تنزیہی ہونے کا قول بھی حنفیہ میں نکل آیا، اور ساتھ ہی دلائل سے کوئی اس کو راجح قرار دے، اس کی بھی گنجائش نکل آئی، لیکن کراہتِ تنزیہی کے مرتفع ہونے کی عندالحنفیۃ کوئی صورت، تاحال ہمارے علم میں نہیں، یہاں تک کہ جب جملہ اہلِ شہر کسی مانع وعذر کی وجہ سے جمعہ نہ پڑھ سکیں، اس صورت میں بھی ظہر کی جماعت کے مکروہ تنزیہی ہونے کی تصریح حنفیہ سے دستیاب ہے، جو کہ اہلِ شہر کے اجتماعی طور پر معذور ہونے کی انتہائی صورت ہے، جب اس میں بھی کراہتِ تنزیہی مرتفع نہیں ہوتی، تو پھر کون سی صورت اس کے ارتفاع اور اس سے بڑھ کر استحباب کی نکالی جا سکتی ہے، البتہ غیر حنفیہ کا معاملہ جدا ہے، جو مذکورہ ومنسلکہ تحریر وفتوے میں زیرِ بحث ہے ہی نہیں۔

’’غمز عیونُ البصائر‘‘ کا حوالہ

علامہ حموی ’’غمز عیونُ البصائر‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

’’علامہ قہستانی کی شرح میں ہے کہ وہ معذور، جس پر جمعہ کی سعی واجب نہیں ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تقع صحيحة، وإن كان مأمورا بالإعراض عنها. وإنما لم يبطل ظهره عندنا لما مر من أن فرض الوقت هو الظهر وقد أتى به، والجمعة بدل عنه، لتوقفها على شرائط لا تتم بالمصلى وحده. والتكليف يعتمد على الوسع. وحكم مالك والشافعي وزفر ببطلانها بناء على تعيين الجمعة فرض الوقت عندهم، فلا يصح ظهره لأن الجمعة هي الأصل المأمور بها، ولا يصح غير الأصل مع القدرة عليه (شرح النقاية لعلي بن سلطان محمد القاري الحنفي، ج ۱، ص ۴۹۳، و۴۹۴، كتاب الصلاة، باب في صلاة الجمعة، فصل في شروط وجوب الجمعة، شروط أداء الجمعة)

جیسا کہ مریض اور مسافر اور غلام، اور غیر معذور، جس پر جمعہ کی سعی واجب ہے،سب کے لیے، جمعہ کے دن ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن (امام محمد کی''الاصـــــل'' کا) اطلاق اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب شہر میں سِرے سے جمعہ کو کسی مانع کی وجہ سے ترک کردیا جائے (مثلاً تیز بارش، سیلاب وغیرہ کی وجہ سے) تو ظہر کی نماز، باجماعت مکروہ نہیں (یعنی مکروہِ تحریمی نہیں) چنانچہ''الـمضمرات''میں ہے کہ ایسی صورت میں اہلِ مصر کے لیے تنہا ظہر کی نماز پڑھنا مستحب ہے''۔انتہٰی۔ [1]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی شہر میں نمازِ جمعہ کسی مانع کی وجہ سے مطلقاً ترک ہوجائے،جس کی مکمل وضاحت صاحبِ ہدایہ نے''التـجنیـس''میں فرمادی ہے،اور مکروہ تنزیہی ہونے کی وجہ بھی بیان فرمادی،اور''الـنسفیة''میں بھی اس کا ذکر ہے،اور علامہ شامی نے بھی اس کے مکروہ تحریمی ہونے کی علتیں نہ پائے جانے کی تصریح فرمادی ہے۔

اسی مخصوص صورت کو مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے، کیونکہ اس میں کراہت کی کوئی علت نہیں پائی جاتی ،لیکن امام محمد کے اطلاق کی مخالفت پائی جاتی ہے۔

البتہ ملا علی قاری وغیرہ نے جملہ معذورین کے حق میں مکروہ تنزیہی ہونے کو ترجیح دی ہے،جیسا کہ گزرا۔

علامہ قہستانی اور''الـمضمرات'' کا حوالہ آگے آتا ہے،جس میں اسی مذکورہ مخصوص صورت

---

[1] (مسألة) إن قيل أى فريضة لا تصح صلاتها جماعة فالجواب أنها النظر لمن فاتته الجمعة وهو مقيم بالمصر كذا فى الذخائر الأشرفية.

أقول فيه نظر لما فى النقاية وشرحها للعلامة القهستانى حيث قال: وكره يوم الجمعة كراهة تحريم فى المصر ظهر المعذور الذى لا يجب عليه السعى جماعة كالمريض والمسافر والعبد وغير المعذور وهو الذى عليه السعى ثم قال والإطلاق مشيرا إلى أنه لا تكره الجماعة إذا ترك الجمعة لمانع لكن فى المضمرات أنهم يصلون وحدانا استحبابا (غمز عيون البصائر فى شرح الأشباه والنظائر، ج۴، ص ۱۷۴،الفن الرابع من الأشباه والنظائر وهو فن الألغاز، كتاب الصلاة)

کا حکم مذکور ہے، اس لئے اس مخصوص صورت میں جن حضرات نے کراہت کی نفی کی ہے، اس سے کراہتِ تحریمی کی نفی مراد ہے، اور جنہوں نے کراہت کی تصریح کی، ان کی مراد، کراہتِ تنزیہی ہے، جس کی تصریح ''یصلون وحدانا استحبابا'' کے الفاظ میں ہے۔

اور پہلے گزر چکا ہے کہ بعض اوقات، کراہت کے اثبات سے کراہتِ تنزیہی مراد ہوا کرتی ہے، اور کراہت کی نفی سے کراہتِ تحریمی کی نفی مراد ہوا کرتی ہے، اور استحباب یا اولیٰ کی خلاف ورزی بھی اسی میں لازم آیا کرتی ہے، اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہوا کرتا۔

پس جب اس تنزلی والی صورت میں بھی کراہتِ تنزیہی مرتفع نہیں ہوتی، تو بحالاتِ موجودہ جماعتِ ظہر میں استحباب کس طرح ثابت ہوگا، جبکہ شہر میں جگہ جگہ جمعہ قائم ہے، چہ جائیکہ جمعہ کی فرضیت کو ساقط اور صحت کی بھی نفی کی جائے۔

''قهستاني'' کا حوالہ

شمس الدین محمد خراسانی قہستانی نے ''جامعُ الرموز شرح النقاية'' میں فرمایا کہ:

''جمعہ کے دن شہر میں معذور اور غیر معذور دونوں کے لیے، ظہر کی نماز، با جماعت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ (یعنی مریض کی اذان واقامت) مریض کی طرف سے حسن ہے، جیسا کہ ''الكافي'' میں ہے۔

اور اطلاق اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ معذور، ظہر کی نماز اذان واقامت کے ساتھ انفرادی طور پر پڑھے گا۔

لیکن ''مختصر القدوری'' میں ہے کہ وہ اذان واقامت کے بغیر پڑھے گا، جیسا کہ ''المحيط'' میں ہے۔

اور اطلاق اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جب کسی مانع (مثلاً تیز بارش، آندھی، طوفان وغیرہ) کی وجہ سے جمعہ کو اصل سے ہی ترک کر دیا جائے، پھر بھی

ظہر کی نماز، با جماعت پڑھنا مکروہ ہے۔

لیکن ''المضمرات'' میں ہے کہ ان کو تنہا بغیر جماعت کے، ظہر کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔

اور شیخین کے نزدیک غیر معذور کو جمعہ کی نماز ادا ہونے سے پہلے، ظہر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور معذور کو مکروہ نہیں، لیکن اس کو بھی امام کے جمعہ سے فارغ ہونے تک مؤخر کرنا، مستحب ہے، جیسا کہ ''المحیط'' میں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اتنا انتظار کرنا مستحب ہے کہ یہ بات معلوم ہوجائے کہ وہ جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوسکتا، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے حق میں تعجیل اور تاخیر برابر ہے، لیکن پہلا قول زیادہ راجح ہے (جس کے مطابق امام کے جمعہ سے فارغ ہونے تک مؤخر کرنا مستحب ہے) جیسا کہ ''التمرتاشی'' میں ہے''۔ انتہٰی۔ [1]

معلوم ہوا کہ ''المضمرات'' میں ان اہلِ شہر کے جمعہ کے دن با جماعت ظہر کی نماز پڑھنے کو

---

[1] (وكره) يوم الجمعة كراهة تحريم (في المصر) لافي القرى اذ هذا اليوم في حقهم كسائر الايام كما في المحيط (ظهر المعذور) الذى لايجب عليه السعي كالمريض والمسافر والعبد (وغيره) الذى عليه السعي (جماعة)

وعن محمد رحمه الله انها حسنة من المريض كما في الكافي.

والاطلاق مشير الى ان المعذور. يصلي الظهر منفرداً باذان واقامة .

لكن في القدورى انه يصلي بغيرهما كما في المحيط.

والى انه يكره الجماعة اذا ترك الجمعة لمانع .

لكن في المضمرات انهم يصلون وحدانا استحبابا.

(و) كره وجاز عند الشيخين ولم يجز عند محمد رحمه الله على اختلاف الاصلين (ظهر غير المعذور قبل) اداء (الجمعة) فلايكره ظهر المعذور قبلها الا انه يستحب له التاخير الى ان يفرغ الامام من الجمعة كما في المحيط وقيل الى ان يعلم انها لايدرك وقيل التعجيل والتاخير سواء والاول اشبه كما في التمرتاشي (جامع الرموز شرح النقاية ، صفحه ۱۴۹ ، فصل شرط لوجوب الجمعة، مطبوعة: كتب خانه آصفيه، سركار على حيدرآباد دكن، الهند)

مکروہ تنزیہی قرار دیا گیا ہے، جو کسی عذر کی وجہ سے جمعہ مطلقاً، اصلاً اور سرے سے ہی نہ پڑھ سکیں، لہٰذا اس سے ان لوگوں کے حق میں جماعتِ ظہر کے کراہتِ تنزیہی کو سمجھنا درست نہ ہوگا، جہاں جمعہ پڑھا جارہا ہو، اور پھر کچھ کا کسی عذر سے یا بغیر عذر کے جمعہ چھوٹ گیا ہو، کیونکہ وہاں معارضہ کی صورت موجود ہے، برخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں اگرچہ معارضہ کی صورت نہیں، لیکن امام محمد کے عموم کے پیشِ نظر کراہتِ تنزیہی سے نزول نہیں کیا گیا، جیسا کہ صاحبِ ہدایہ کی ''التجنیس'' کے ضمن میں گزرا۔

اور علامہ شامی کی طرف سے کراہت کی علتیں نہ ہونے کے باوجود مکروہ تنزیہی ہونے کی مزید وضاحت بھی پہلے گزری۔

''مختصرُ الکافی'' کا حوالہ

یہ ملحوظ رہے کہ علامہ قہستانی نے ''الکافی'' کے حوالے سے، جو امام محمد کی طرف سے، حسن ہونے کا قول نقل کیا ہے، وہ ظہر کی نماز باجماعت سے متعلق نہیں ہے، بلکہ انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی صورت میں صرف اذان واقامت سے متعلق ہے۔

چنانچہ حاکم شہید ''مختصرُ الکافی'' میں فرماتے ہیں:

مریض لا یستطیع أن یشهد الجمعة ، فصلی الظهر فی بیته بأذان وإقامة ، قال هو حسن.

ومن صلی الظهر لمرض او سفر او لغیر عذر ، ثم صلی الجمعة مع الامام ، فالجمعة هی الفریضة (الکافی فی الفروع، الجزء الاول، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة ، مخطوطة ، المکتبة الازهریة)

ترجمہ: جو مریض جمعہ میں حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتا، پھر وہ اپنے گھر میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھے، تو امام محمد نے فرمایا کہ یہ اچھا عمل ہے۔

اور جو شخص مرض یا سفر یا کسی عذر کے بغیر، ظہر کی نماز پڑھ لے، پھر وہ امام کے ساتھ جمعہ پڑھے، تو اس کا فریضہ جمعہ ہی کہلائے گا (مختصرُ الکافی)

پس امام حاکم نے خود ''الکافی'' میں جس چیز کے حسن ہونے کی تصریح فرمادی، تو ''الکافی'' کے حوالہ سے جس نے حسن کہا، اس سے اسی چیز کا حسن ہونا مراد و متعین ہوگا۔

''جامعُ المضمرات'' کا حوالہ

یوسف بن عمر بن یوسف کادوری (المتوفیٰ: 832ھ) قدوری کی شرح ''جامع المضمرات'' میں فرماتے ہیں:

''معذور کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، اور اسی طریقے سے قیدیوں کو بھی۔

''النسفیة'' میں ہے کہ اگر شہر والوں نے کسی مانع عذر کی وجہ سے مطلقاً جمعہ کو ترک کردیا، تو اُن کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے، اور اُن کے لیے ظہر کی نماز، جماعت کے بغیر تنہا پڑھنا مستحب ہے (کیونکہ اس صورت میں کراہت کی علتیں تو نہیں پائی جاتیں، البتہ) امام محمد کے کتاب الصلاۃ میں مذکور قول کے عموم کی وجہ سے (یہ بھی مکروہِ تنزیہی، یا خلافِ استحباب ہے)

اور قیدیوں اور غیر قیدیوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے''۔انتہیٰ۔ [1]

---

[1] قولہ: ویکرہ ان یصلی المعذور الظھر فی جماعة یوم الجمعة، وکذلک اھل السجن، فی النسفیة: سئل عن مصر ترکوا الجمعة بعذر مانع، یجوز اداء الظھر بالجمعة فی ذلک الیوم؟ فقال یکرہ ذلک، ویستحب لھم ان یصلوا وحدانا، لعموم قول محمد رحمه الله فی کتاب الصلاۃ: ویکرہ لاھل السجن وغیر اھل السجن ان یصلو الظھر بجماعة یوم الجمعة (جامع المضمرات والمشکلات فی شرح مختصر الامام القدوری، ج۲، ص۱۲۸، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، مطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت)

مذکورہ عبارت سے ''المضمرات'' کے بار بار آنے والے حوالہ جات کا مسئلہ بھی صاف ہوگیا کہ انہوں نے ''النسفية'' کے حوالہ سے یہ بات ذکر فرمائی ہے۔

''الفتاویٰ التاتار خانية'' کے حوالے سے بھی ''النسفية'' کی یہ عبارت گزر چکی ہے، اور اس سے پہلے ''التجنيس'' کے حوالے سے بھی اس کی تصریح اور اس کے ضمن میں ہماری کچھ توضیح گزر چکی ہے، اور علامہ شامی کی طرف سے کراہت کی علتیں نہ پائے جانے کی تصریح بھی گزر چکی ہے۔

جس سے یہ بات اب تقریباً صاف ہوگئی کہ جس صورت کو ان حضراتِ گرامی کی طرف سے مکروہ تنزیہی قرار دیا جارہا ہے، اس سے یہی خاص صورت مراد ہے، جس میں جمعہ سے معارضہ کی علت بھی نہیں پائی جاتی، اور کوئی دوسری علت بھی نہیں پائی جاتی، البتہ امام محمد کے اطلاق کی مخالفت پائی جاتی ہے، جیسا کہ علامہ شامی اور صاحبِ ہدایہ فرما چکے ہیں۔

پس مذکورہ عبارات سے واضح ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک، جمعہ کے دن شہر میں، اس دن کی ظہر کی نماز باجماعت، ہر ایک کے لیے مکروہ ہے، اس کراہت سے، کوئی فرد، اور کوئی جنسِ فرد، مستثنیٰ نہیں، یہاں تک کہ اگر تمام شہر کے لوگ کسی مانع سے مطلقاً جمعہ نہ پڑھ سکیں، تب بھی کراہتِ تنزیہی عند الحنفیہ موجود رہتی ہے۔

پس مخصوص حالات میں جب شہر میں فی الجملہ، بلکہ جگہ جگہ جمعہ قائم ہے، وہاں شہر کے اکثر لوگوں کو اپنے طور پر پہلے جمعہ سے معذور قرار دینا، پھر صحتِ جمعہ کی نفی کرنا، جبکہ ان کے اندر وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کی شرائط موجود ہیں، اور پھر ان کو معذور قرار دے کر کراہتِ جماعتِ ظہر سے مستثنیٰ کرنا، اور پھر جماعتِ ظہر کو مستحب قرار دینا، کیسے درست ہوسکتا ہے؟

اور جب فقہائے کرام خود ہی معذور لوگوں کی تصریح کرکے، کراہت کا حکم لگا چکے ہوں، اور ان میں مریض، مسافر، غلام، قیدی، وغیرہ سب طرح کے لوگوں کی تصریح فرما چکے ہوں، اور جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد بھی کراہت کی تصریح فرما چکے ہوں، ان تمام تصریحات کو نظر

انداز کرنے کی کیونکر گنجائش ہو سکتی ہے؟

ایسی صورت میں بعض تعلیلات پر نظر کر کے، دوسری تعلیلات کو نظر انداز کرنے، اور بالخصوص علامہ شامی کے بقول تعلیلات نہ ہوتے ہوئے بھی کراہتِ تنزیہی کی تصریح کو نظر انداز کرنے کی کیسے گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

صاحبِ ہدایہ اور علامہ شامی وغیرہ کے حوالے سے تو انتہائی مخصوص صورت میں، مثلاً تمام شہر کے لوگ کسی مانع کی وجہ سے جمعہ نہ پڑھ سکے ہوں، اور تقلیلِ جمعہ اور جمعہ سے معارضہ کی بھی بظاہر کوئی صورت نہ ہو، امام محمد کے اطلاق کے پیشِ نظر مکروہ تنزیہی اور جماعتِ ظہر کے غیر مستحب ہونے کی تصریح واضح ہو چکی ہے، اس کے باوجود کیا پھر بھی، جبکہ شہر میں جمعہ ہونے کی وجہ سے صورتِ معارضہ موجود ہو، کراہت کو متبدل بالاستحباب قرار دینے کی کوئی گنجائش موجود ہو سکتی ہے؟ اس پر بہت زیادہ تدبر کرنے کی ضرورت ہے۔

حاصل یہ کہ شہر کے اندر موجود ان لوگوں کے لیے، جن کا جمعہ فوت نہیں ہوا، اور ان میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ صحیح اور واجب ہونے کی شرائط پائی جاتی ہیں، اور ان کو جمعہ ادا کرنے پر قدرت بھی حاصل ہے، ان کے لیے جماعتِ ظہر تو درکنار، ظہر پڑھنا ہی سخت مکروہ اور حرام ہے، اور معذور حضرات وافراد کے لیے بھی ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، کراہتِ تنزیہی سے کم نہیں، حنفیہ کا اس سلسلے میں مکروہ تحریمی ہونے کا قول ہی معروف ومشہور اور جمہور حنفیہ کا ہے، جس کو اکثر حضراتِ حنفیہ نے ترجیح دی ہے، اور مکروہ تنزیہی کا قول معروف نہیں۔

''احسن الفتاویٰ'' کا حوالہ

چنانچہ ''احسن الفتاویٰ'' میں بھی اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے، جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

> مصر میں معذورین کے لیے نمازِ ظہر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، اس لیے وہ منفرداً نماز پڑھیں، اور حالتِ انفراد میں بھی اذان واقامت نہ کہیں۔

قال العلائی رحمه الله تعالیٰ: وكره تحريما لمعذور ومسجون ومسافر، اداء بظهر بجماعة فی مصر ، قبل الجمعة وبعدها، لتقليل الجماعة، وصورة المعارضة (ردالمحتار، ج ا ص ٧٦٦)

فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

(احسن الفتاویٰ، ج۴ص۱۴۰، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع یازدہم: ۱۴۲۵ھ)

اور حنفی فقہائے کرام نے جن عِلَل پر نظر کرتے ہوئے، معذورین کے لیے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو مکروہ قرار دیا تھا، تعددِ جمعہ کے جواز اور مفتیٰ بہٖ و معمول بہٖ ہونے کے بعد، ایک تو غیر معذورین کے معذورین کے ساتھ شریک ہو کر غیر معذورین کے جمعہ سے محروم ہونے، اور دوسرے جمعہ کے ساتھ صورتاً معارضہ کی علت زیادہ اہمیت کی حامل ہے، اور جامع مسجد یا مقامِ واحد میں تقلیلِ جماعت کی علت مفتیٰ بہٖ قول کی رُو سے مؤثر نہیں۔

اسی وجہ سے بعض جبالِ حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ جمعہ کے دن غیر معذورین کے لیے تو دو چیزوں کا حکم ہے، ایک تو جمعہ کی نماز کو قائم کرنے کا، دوسرے ظہر کی جماعت کو ترک کرنے کا، اور معذورین ایک حکم کے مکلّف پھر بھی رہتے ہیں، اور وہ جماعت کے مخاطب نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اگر موجودہ حالات کے بعد عام دِنوں میں کچھ معذور لوگ، جن کو جمعہ میں شرکت سے عذر ہو، وہ اگر ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں، اور مذکورہ اہلِ علم حضرات کے موجودہ حالات میں بیان کردہ عذر کو دلیل میں پیش کریں، تو شاید یہ اہلِ علم حضرات بھی اس وقت اُن معذورین کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو ہرگز افضل قرار دینے پر آمادہ نہ ہوں۔

اس موقع پر علامہ شامی کی یہ عبارت ملاحظہ کرنا بھی ضروری ہے کہ:

قلت :وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في

محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل(رد المحتار، ج۲، ص ۱۵۲، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اذنِ عام کا محلِ نزاع ہونا، اس صورت میں مناسب ہے، جبکہ جمعہ ایک ہی مقام پر قائم کیا جاتا ہو، لیکن جب متعدد مقامات پر قائم کیا جاتا ہو، پھر یہ شرط نہیں، کیونکہ اس صورت میں ''تفویت'' متحقق نہیں ہوتی، جیسا کہ اس کی تعلیل سے معلوم ہوتا ہے، اس پر غور کر لینا چاہیے (ردُّ المحتار)

علامہ شامی کی مذکورہ بالا عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب شہر کے مختلف مقامات پر جمعہ ہو، تو ''تفویت'' متحقق نہیں ہوتی۔

اس لیے جب جمعہ کا فوت ہونا، مذکورہ صورت میں متحقق نہیں ہوتا، تو اذنِ عام کی شرط کے بغیر بھی، دیگر شرائط کے ساتھ، متعدد مقامات پر جمعہ جائز یا واجب ہوگا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کے اسی قول کے مطابق ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' میں بھی درجِ ذیل فتویٰ ہے:

چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال وجواب کے اوپر مندرجہ ذیل سرخی قائم ہے:

''بارش کے زمانہ میں، جمعہ کی نماز، باجماعت، گھر میں پڑھ سکتا ہے''

پھر اس سرخی کے ذیل میں درجِ ذیل سوال وجواب فارسی زبان میں ہے، جس کا ہم نے آخر میں بزبانِ اردو، ترجمہ بھی کر دیا ہے۔

سوال: درایام باراں بوجہ کثرتِ بارش وآبِ فراواں راہ چلیدن از حد بیکراں دشوار گزار می شود مسجد ہم قدرے از مسکن دور است نادراں ہنگام ادائے صلوٰۃ جمعہ را شرعاً چہ حکم دارد۔ آیا دراں ہنگام تکلیف مالانہایۃ کشیدہ برائے صلوٰۃ جمعہ بمسجد رفتن ضرور باشد یا تادی صلوٰہ بمکان کافی کند یا نہ۔

الجواب: تعدد صلوٰۃ جمعہ علی القول مفتی بہ صحیح است پس اگر بعذر مطر رفتن بمسجد جامع دشوار باشد بجائے دیگر نماز جمعہ گزاردن بجماعت مشروعہ (وآں سہ مرد

است علاوہ امام۔ درمختار) صحیح است۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل، جلد پنجم، صفحہ ۶۷، مسائل نماز جمعہ، مطبوعہ: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

سوال: ترجمہ: بارش کے موسم میں، بارش کی کثرت اور پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں چلنا بہت زیادہ دشوار ہوتا ہے، اور مسجد بھی گھر سے کچھ دور ہے، ایسی صورتِ حال میں جمعہ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے، کیا اس صورتِ حال میں انتہائی تکلیف برداشت کر کے نمازِ جمعہ کے لئے مسجد میں جانا ضروری ہے، یا جمعہ کو مکان میں ادا کرنا کافی ہو جائے گا، یا نہیں؟

جواب: ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھنا مفتیٰ بہ قول کے مطابق صحیح ہے، پس اگر بارش کے عذر کی وجہ سے جامع مسجد جانا دشوار ہو، تو دوسری جگہ (یعنی اپنے گھر وغیرہ میں، جس کا سوال میں ذکر ہے) نمازِ جمعہ باجماعت مشروع طریقہ پر ادا کرنا (یعنی جبکہ امام کے علاوہ تین مرد حضرات ہوں، جیسا کہ درمختار میں ہے) صحیح ودرست ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل، جلد پنجم، صفحہ ۶۷، مسائل نماز جمعہ، مطبوعہ: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

مذکورہ سوال میں بارش کا ذکر ہے، اور ہماری مبحوث فیہ صورت میں خاص معاشرتی اور قانونی مجبوری ہے، اس فرق سے جمعہ کے حکم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا، کیونکہ دونوں صورتوں میں اصل بنیاد گھروں میں جمعہ کے جائز ہونے کی ہے، اور اس کا مدار تعدُّدِ جمعہ پر ہے، جیسا کہ جواب میں واضح طور پر صراحت ہے، اور علامہ ابنِ عابدین شامی نے بھی اسی چیز پر مدار رکھا ہے، اور اس کی علت کو بھی واضح فرمایا ہے۔

تقلیلِ جماعت کے شبہ کا ازالہ

جہاں تک اس موقع پر پُر زور انداز میں اس بات کو پیش کیا جاتا ہے کہ جمعہ کا اہم مقصد، بلکہ

اس کی روح، اسلام کی شان وشوکت کا اظہار ہے، جو جامع مسجد یا مسجد، یا بڑے مجامع وغیرہ میں ہی حاصل ہوسکتی ہے، گھروں وغیرہ میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

تو فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائط کے مقابلہ میں اس کو اہمیت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ اولاً تو جو بحث ہورہی ہے، وہ مجبوری کے مخصوص حالات میں ہے، جس میں بذاتِ خود مسجد، یا جمعہ کے بڑے مجامع، یا اِن میں شرکت سے روکنا مقصود نہیں، بلکہ ایک مخصوص وباء کی وجہ سے صرف بڑے بڑے مجامع کے انعقاد سے روکنا مقصود ہے، خواہ جس شکل میں بھی ہو، تو بڑے بڑے مجامع کا منعقد کرنا، تو خود اس وباء کے علاج کی تدبیر اور حکومتِ وقت کے موجودہ قانون کے خلاف ہے، جس کے لئے ساری جدوجہد کی جارہی ہے۔

پھر ان حالات میں مسجد، حلقۂ کبیر، اور بڑے مجامع کو کیسے بنیاد بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے اس چیز پر جمعہ کے جواز یا عدمِ جواز کا مدار ہے ہی نہیں، نہ ہی فقہائے کرام نے اس چیز کو جمعہ کی شرائط میں ذکر کیا، چنانچہ نہ تو جمعہ کے لئے مسجد ہونے کو شرط قرار دیا، اور نہ جامع مسجد ہونے کو شرط قرار دیا، جس طرح سے نمازِ عید کے لئے ان چیزوں کو شرط قرار نہیں دیا، بلکہ حنفیہ نے امام سمیت چار عاقل، بالغ، مرد افراد کے ہونے کو جمعہ کے لئے کافی قرار دیا، جس کا جابجا کتبِ فقہ میں ذکر پایا جاتا ہے۔

تو فقہائے کرام کی بیان کردہ ان شرائط کو نظر انداز کرکے ایک ایسی چیز پر حکم کا مدار رکھنا کیسے درست ہوسکتا ہے، جس کا فقہائے کرام نے بطور شرط کے ذکر ہی نہ فرمایا ہو۔

تیسرے جن حضرات نے اس کا ذکر کیا، وہ بطور حکمت اور فضیلت کے ذکر کیا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ حکمت وفضیلت پر کسی چیز کے بنیادی حکم کا مدار نہیں ہوا کرتا۔

اور یہ حکمت وفضیلت تو عام نمازوں میں بھی پائی جاتی ہے، جس کے بارے میں احادیث میں تصریح ہے کہ جتنے لوگ جماعت میں زیادہ ہوں، اتنا ہی ثواب زیادہ ہے۔

جمعہ میں چار افراد سے جتنے زیادہ ہوں گے، اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا، لیکن مجبوری والے

حالات میں جس طرح پنج گانہ نمازوں میں تقلیلِ جماعت معیوب بلکہ مکروہ نہیں، اسی طرح جمعہ میں بھی تقلیلِ جماعت معیوب ومکروہ وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَقَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ ؟قَالُوْا لَا ، قَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ ،قَالُوْا لَا ،قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلَاتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى (سنن ابی داوٗد، رقم الحدیث ۵۵۴، کتاب الصلاۃ، باب فی فضل صلاۃ الجماعۃ، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۱۲۶۶) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا کہ کیا فلاں شخص نماز میں حاضر ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا فلاں شخص حاضر ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو نمازیں (یعنی فجر اور عشاء) منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری گزرتی ہیں، اور اگر تم ان دونوں نمازوں میں جو کچھ (فضیلت اور اجروثواب) ہے، اس کی حقیقت کو جان لو؛ تو تم ان دونوں

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
حدیث حسن صحیح، عبد اللہ بن أبی بصیر، وثقه العجلی وذكره ابن حبان فی "الثقات "وقد تابعه أبوه أبو بصير العنبری الكوفی، وقد روى عنه ثلاثة وذكره ابن حبان فی "الثقات"، وباقی رجاله ثقات (حاشیة سنن ابی داود)

نمازوں کے لیے آؤ گے، خواہ تمہیں گھٹنوں کے بل ہی کیوں نہ آنا پڑے، اور بے شک پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہوتی ہے، اور اگر تم پہلی صف کی فضیلت کو جان لو، تو تم اس کے لیے ضرور پیش قدمی کرو، اور بے شک ایک آدمی کی نماز دوسرے آدمی کے ساتھ پڑھنا، زیادہ پاکیزہ ہے، اس کی تنہاء نماز پڑھنے کے مقابلہ میں، اور آدمی کی دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ پاکیزہ ہے، ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے کے مقابلہ میں، اور جتنے لوگ بھی (جماعت میں) زیادہ ہوں، وہ اتنی ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتی ہے (ابوداود، مسند احمد)

اس حدیث کو ابنِ حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] عن أبي بن كعب قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: " أشاهد فلان "قالوا لا قال: " أشاهد فلان "قالوا لا قال: " إن هاتين الصلاتين أثقل الصلاة على المنافقين ولو يعلمون فضل ما فيهما لأتوهما ولو حبوا وإن الصف الأول لعلى مثل صف الملائكة ولو تعلمون فضيلته لابتدرتموه وصلاة الرجل مع رجلين أزكى من صلاته مع رجل وكل ما كثر فهو أحب إلى الله تعالى ."(موارد الظمآن الٰی زوائد ابنِ حبان، رقم الحديث ۴۲۹)

قال حسين سليم اسد الداراني:

إسناده جيد عبد الله بن أبي بصير ما رأيت فيه جرحاً، ووثقه ابن حبان، وقال العجلي في "تاريخ الثقات "ص " :(251)كوفي، تابعي، ثقة ."وقال الذهبي: " وثق ."وأبوه أبو بصير روى عنه جماعة، وما رأيت فيه جرحاً، ووثقه ابن حبان، وباقي رجاله ثقات.

والحديث في الإِحسان 249 /3– 250برقم .(2554)

وأخرجه الحاكم 247 /1من طريق عثمان بن سعيد الدارمي، حدثنا محمد بن كثير، بهذا الإسناد.

وأخرجه الطيالسي 128 /1برقم - (604)ومن طريقه أخرجه البيهقي في الصلاة 3/ 67– 68باب: الاثنان فما فوقهما جماعة– من طريق شعبة، به.

وأخرجه أحمد 140 /5، وابن خزيمة في صحيحه 367 /2برقم (1477)من طريق محمد بن جعفر.

وأخرج أبو داود في اصلاة (554)باب: فضل صلاة الجماعة، من طريق حِفص بن عمر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت قباث بن اشیم لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَلَاةُ الرَّجُلَيْنِ يَؤُمُّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، أَزْكٰى عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ صَلَاةِ أَرْبَعَةٍ تَتْرٰى، وَصَلَاةُ أَرْبَعَةٍ يَؤُمُّهُمْ أَحَدُهُمْ، أَزْكٰى عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ صَلَاةِ ثَمَانِيَةٍ تَتْرٰى، وَصَلَاةُ ثَمَانِيَةٍ يَؤُمُّهُمْ أَحَدُهُمْ، أَزْكٰى عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ صَلَاةِ مِائَةٍ تَتْرٰى، قَالَ إِسْحَاقُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرج الدارمي في الصلاة 291 /1باب: أي الصلاة على المنافقين أثقل، والحاكم 247 /1من طريق سعيد بن عامر.

وأخرجه أحمد 140 /5، والنسائي في الإمامة (844)باب: الجماعة إذا كانوا اثنين، من طريق خالد بن الحارث.

وأخرجه ابن خزيمة 367 /2برقم (1477)من طريق يحيى بن سعيد،

وأخرجه الفسوي في "المعرفة والتاريخ 641 /2 "من طريق سعيد بن الربيع، وحجاج بن منهال، جميعهم عن شعبة، بهذا الإسناد.

وقال الحاكم 248 /1:" هكذا رواه الطبقة الأولى من أصحاب شعبة: يزيد بن هارون، ويحيى بن سعيد، وعبد الرحمن بن مهدي، ومحمد بن جعفر، وأقرانهم .وهكذا رواه سفيان بن سعيد، عن أبي إسحاق."

ثم أخرجه الحاكم من طريق: الحسين بن حفص، وأبي حذيفة، وعبد الصمد بن حسان، والأشجعي، والنعمان بن عبد السلام، جميعهم عن سفيان بن سعيد الثوري، عن أبي إسحاق، به.

وأخرجه عبد الرزاق 523 /1– ومن طريقه أخرجه الحاكم 248 /1– وأحمد 5/ 140، والبخاري في الكبير 50 /5من طريق سفيان، بالإسناد السابق.

وأخرجه أحمد 141 /5من طريق جرير بن حازم،

وأخرجه عبد الله بن أحمد في زوائده على المسند 141 /5من طريق الحجاج بن أرطاة.

وأخرجه الفسوي في "المعرفة والتاريخ641 /2 "، والبخاري في الكبير 51 /5، والحاكم 247 /1من طريق عبد الله بن رجاء، وعبيد الله بن موسى، حدثنا إسرائيل، وأخرجه البيهقي في الصلاة 61 /3من طريق إبراهيم بن طهمان، جميعهم عن أبي إسحاق، به .وانظر "تحفة الأشراف 21 /1 "برقم .(36)ولتمام تخريجه انظر الحديث التالي (حاشية موارد الظمآن)

بْنُ رَاهَوَيْهِ:قَدْ أَدْرَكَ قَبَاثٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۴۷، ج ۱۹ ص ۳۶) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوآدمیوں کی اس طرح نماز پڑھنا کہ ایک ان میں سے دوسرے کی امامت کرے، یہ اللہ کے نزدیک چار تنہا نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز سے زیادہ پاکیزہ (وپسندیدہ) ہے، اور چار آدمیوں کی اس طرح نماز پڑھنا کہ ان میں سے ایک دوسروں کی امامت کرے، یہ اللہ کے نزدیک آٹھ تنہا نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز سے زیادہ پاکیزہ (وپسندیدہ) ہے، اور آٹھ آدمیوں کی اس طرح نماز پڑھنا کہ ان میں سے ایک دوسروں کی

---

[1] قال الهيثمي:

رواه البزار والطبراني في الكبير ورجال الطبراني موثقون (مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۲۱۴۲،باب في صلاة العشاء الآخرة والصبح في جماعة)

و قال المنذرى:

رواه البزار والطبراني بإسناد لا بأس به(الترغيب والترهيب ، تحت رقم الحديث ۵۹۷،كتاب الصلاة الترغيب في الأذان وما جاء في فضله، الترغيب في كثرة الجماعة)

و قال الالبانى:

صلاة رجلين يؤم أحدهما صاحبه أزكى عند الله من صلاة ثمانية تترى، وصلاة أربعة يؤمهم أحدهم أزكى عند الله من صلاة مائة تترى ."

رواه البخاري في "التاريخ "(4/ 1/ 193 - 132) والبزار (رقم 461 -) وابن سعد (411/7) والديلمي (244/2 - 243) عن أبي خالد ثور بن يزيد عن ابن سيف الكلاعي عن عبد الرحمن بن زياد عن قباث بن أشيم الليثي مرفوعا.

قال ابن شعيب :فقلت لأبي خالد :ما "تترى"؟ قال :متفرقين.

قلت :وهذا سند ضعيف، عبد الرحمن بن زياد هذا لا يعرف أورده ابن أبي حاتم (2 2/ 234/) ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا .وأما ابن حبان فأورده في " الثقات "(1/ 123) ! ولعله لذلك قال المنذري (152/1) " : رواه البزار والطبراني بإسناد لا بأس به ."لكن للحديث شاهد يتقوى به من حديث أبي بن كعب مرفوعا نحوه .أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف "(1/ 131 /1) وأبو داود والنسائي وغيرهم وصححه الحاكم وغيره، وهو مخرج في "صحيح أبي داود "(563) وغيره(سلسلة الأحاديث الصحيحة ، تحت رقم الحديث ۱۲۱۹)

امامت کرے، یہ اللہ کے نزدیک سو تنہا نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز سے زیادہ پاکیزہ (وپسندیدہ) ہے۔

اسحاق بن راہویہ (جو اس روایت کے راوی ہیں، وہ) فرماتے ہیں کہ حضرت قباث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے (اس لیے وہ صحابی ہیں) (طبرانی)

مذکورہ احادیث میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ اُصولی طور پر جمعہ کی نماز کو بھی اس قید کے ساتھ شامل ہے کہ جتنے افراد جمعہ کے لئے ضروری ہیں، اُن سے زیادہ افراد کا ہونا عام حالات میں زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

پس عام نمازوں میں تو دو افراد سے جماعت کو وجود مل جاتا ہے، اور جمعہ کیونکہ جمع ہونے کا مقتضی ہے، اور اس کے لیے باجماعِ امت، جماعت شرط ہے، اس لئے اس میں فقہائے کرام نے جمعہ میں اجتماعیت کی صفت کو خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھا، اور اجتماع کے بغیر جمعہ کے وجود ہی کو کافی نہیں سمجھا، چنانچہ جمعہ کی جماعت کو وجود میں لانے کے لئے حنفیہ نے امام کے علاوہ تین مخصوص یعنی عاقل، بالغ مرد افراد کو کافی سمجھا، اور دوسرے فقہائے کرام نے اپنے اپنے اجتہاد کے ذریعہ اس سے زیادہ مخصوص افراد کو شرط قرار دیا۔

پس فقہائے کرام کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق، جتنے اور جیسے افراد جمعہ کے لئے شرط ہیں، اتنے افراد سے تو جمعہ وجود میں آجاتا، اور منعقد ہو جاتا ہے، اور اس سے اضافی افراد ہونے پر مذکورہ احادیث میں بیان کردہ اصول کے مطابق، ثواب میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، لیکن اتنے افراد سے زیادہ ہونا، جمعہ منعقد اور صحیح ہونے اور جمعہ کی اصل اور نفسِ فضیلت حاصل کرنے کے لئے شرط نہیں، جس طرح دوسری عام نمازوں میں نفسِ جماعت کی فضیلت کو حاصل کرنا، دو افراد سے وجود میں آجاتا ہے، اور افراد کے اضافہ کے تناسب سے فضیلت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

اور جب کسی کو اضافہ کی قدرت نہ ہو، تو امید ہے کہ عذر کی وجہ سے اضافی فضیلت سے بھی

محرومی نہ ہو۔

پس جس طرح بحالاتِ موجودہ نمازِ پنج گانہ میں تقلیلِ جماعت اور تعدُّدِ جماعات میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا، اور اس سے منع نہیں کیا جاتا، بلکہ جماعت سے نماز پڑھنے کی ترغیب دی جاتی ہے، اسی طرح فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائط کے مطابق، محدود افراد کے جمعہ کی نماز میں تقلیلِ جماعت اور تعدُّدِ جماعات میں بھی کوئی عیب نہیں سمجھنا چاہئے، اور جب بنیادی شرائط کے ساتھ جمعہ صحیح اور واجب ہو، تو نہ صرف یہ کہ اس کی ترغیب دینی چاہیے، بلکہ اس کی تاکید بیان کرنی چاہیے، چہ جائیکہ اس سے منع کیا جائے، اور روکا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جملہ فقہائے کرام نے اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں جمعہ منعقد ہونے والے مقام اور جمعہ منعقد کرنے والے افراد کی کیفیت وکمیت پر بحث کرتے ہوئے اپنے اجتہاد کے تناظر میں اضافی افراد کو کہیں بھی شرط قرار نہیں دیا، بلکہ اکثر حضرات نے تو افراد کی بنیادی کمیت و کیفیت کو بیان کرنے پر اکتفاء کیا، اور تعدُّدِ جمعہ کے جواز کو بیان کرتے ہوئے بھی اضافی افراد کے شرط، بلکہ واجب ہونے سے تعرُّض نہیں کیا، اور افراد کے زیادہ ہونے کے افضل ہونے کی بحث سے بھی سکوت اختیار کیا۔ [1]

---

[1] رہی وہ عبارات، جن میں فقہائے کرام نے جمعہ کے دن، شہر میں، معذورین کی جماعتِ ظہر کے مکروہ ہونے کی یہ علت بیان فرمائی ہے کہ اس کی وجہ سے جامع مسجد میں تقلیلِ جماعت و جمعہ ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں تقلیلِ جماعت کو ناپسند ومکروہ سمجھا گیا ہے، تو اس کے متعلق تفصیلاً کلام گزر چکا ہے کہ یہ علت تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کے قول پر مبنی تھی، اور جب تعددِ جمعہ کا جواز، مختار وراجح اور مفتیٰ بہ ہوگیا، تو اس کے بعد یہ علت بھی مؤثر نہیں رہی، اور اس کے بجائے جمعہ کے دن معذورین کے ظہر کی جماعت کی یہ علت برقرار رہی کہ کہیں ان کے ساتھ غیر معذور لوگ، جن پر جمعہ واجب تھا، وہ شامل ہوکر اپنے جمعہ کے وجوب کو ترک نہ کر بیٹھیں، اسی کی تعبیر بعض حضرات نے تقلیلِ جمعہ سے کی، لیکن مراد ان کی بھی یہی ہے، لہٰذا معذورین کے جماعتِ ظہر کے ضمن میں بیان کردہ اس علت کو تعددِ جمعہ کے ضمن میں حاصل ہونے والی تقلیلِ جماعت کے لیے مؤثر سمجھنا درست نہیں، کیونکہ وہاں نہ تو کسی کا ترکِ جمعہ کرنا پایا جاتا، بلکہ اس کا مقصود ہی زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمعہ کی سہولت اور جمعہ میں شرکت سے مستفید کرنا ہوتا ہے، تاکہ وہ دوری اور سستی کی وجہ سے جمعہ ہی کو ترک نہ کر بیٹھیں، اور نہ ہی وہاں جمعہ سے کوئی معارضہ پایا جاتا، کیونکہ جمعہ کا معارضہ تو ظہر کی نماز اور اس کو بھی باجماعت پڑھنے کی صورت میں لازم آتا ہے، جمعہ کا جمعہ سے کیسے معارضہ ہوسکتا ہے، جبکہ جمعہ بشرائطہٖ درست ہو رہا ہو۔ محمد رضوان خان۔

چوتھے اسلام کی شان وشوکت کا اظہار، زیادہ سے زیادہ لوگوں کے نمازِ جمعہ قائم کرنے سے بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوتا ہے، بنسبت اس کے کہ مسجد میں چار پانچ افراد کے علاوہ، ہر محلّہ کے ہزاروں لوگوں کو اس سے محروم کر دیا جائے، پھر جب موجودہ عذر نہ ہوگا، تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس شان وشوکت کے اظہار کی نمازِ پنج گانہ کی طرح دوسری شکل یعنی بڑے مجامع کی صورت میں بھی قدرت حاصل ہو جائے گی، جس پر کسی مسلمان کو کوئی اشکال پیش نہیں آتا، بلکہ یہ خود سے سب مسلمانوں کو پہلے سے علم ہے کہ موجودہ حالت لاک ڈاؤن کی وجہ سے اصلی ودائمی اور معمول کے مطابق نہیں، بلکہ عارضی ہے۔

آئندہ کے لیے مفسدہ لازم آنے کے شبہ کا ازالہ

جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ آئندہ اگر اس طرح مساجد کے علاوہ جمعہ کی اجازت دے دی گئی، تو پھر لوگ کہیں گے کہ اچھا آج ہمارے پاس ذرا مصروفیت ہے، تو بجائے اس کے کہ ہم مسجد میں جا کر جمعہ پڑھیں، تو ہم اپنے گھر میں کر لیتے ہیں، تو اس قسم کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔

یہ شبہ بھی زیادہ اہمیت کا حامل معلوم نہ ہوا، کیونکہ اولاً تو یہ بات سب کو معلوم ہے کہ موجودہ حکم ایک مخصوص حالت کی وجہ سے ہے، جس کے لئے لوگوں کو روزمرہ فرض نمازوں کے لئے بھی گھروں میں نماز پڑھنے اور زیادہ بڑے مجامع منعقد نہ کرنے کی تجویز اہلِ علم حضرات دے چکے ہیں، جس کے نتیجے میں لوگ اپنے اپنے گھروں میں جماعت کے ساتھ اور بغیر جماعت کے دن رات میں پانچ نمازیں ادا کر رہے ہیں، تو یہ شبہ تو یہاں بھی عائد ہوتا ہے کہ آئندہ اگر اس طرح مساجد کے علاوہ فرض نماز کی اجازت دے دی گئی، تو پھر لوگ کہیں گے کہ اچھا آج ہمارے پاس ذرا مصروفیت ہے، تو بجائے اس کے کہ ہم مسجد میں جا کر فرض نماز پڑھیں، تو ہم اپنے گھر میں کر لیتے ہیں، تو اس قسم کا دروازہ کھلنے کا یہاں بھی اندیشہ ہے۔

تو کیا اس اندیشے کی وجہ سے لوگوں کو گھروں میں نماز پڑھنے، یا جماعت کرنے سے بھی منع کیا جائے گا؟

پس جب فقہی لحاظ سے کسی شخص پر جمعہ واجب ہو، یا اس کا جمعہ درست ہو رہا ہو، تو اس قسم کے شبہ کی وجہ سے فقہ کے اس بنیادی حکم کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ایسی صورت میں لوگوں کو حکمِ شرعی کی بجا آوری کی تلقین کرتے ہوئے ''**الضروۃ یتقدر بقدر الضرورۃ**'' جیسے قواعد سے آگاہ کیا جانا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے جوازِ تعددِ جمعہ اور اس کے مفتیٰ بہ ہونے کا مسئلہ بیان کرتے وقت بھی، اس کی کوئی حد بندی نہیں فرمائی، جس کی رُو سے اگر شہر میں چار، چار عاقل، بالغ، مرد، افراد جگہ جگہ جمعہ قائم کریں گے، خواہ وہ جمعہ قائم کرنے کے متعدد مقامات سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں کیوں نہ ہوں، اصولی طور پر ان کو درست قرار دیا جائے گا، وہ الگ بات ہے کہ عام حالات میں اس طرزِ عمل کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی، لیکن مجبوری ومعذوری کے حالات میں اصولی طور پر، ان کے غیر درست ہونے کا حکم لگانا بھی، درست نہ ہوگا۔

بلکہ فقہائے حنفیہ کی تصریحات وجزئیات اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ شہر کے زیادہ سے زیادہ لوگ جمعہ قائم کر کے شعارِ اسلام وشانِ اسلام کا مظاہرہ کریں، اسی مقصد کے لئے فقہائے کرام نے معذورین کے لئے جماعتِ ظہر کو مکروہ قرار دیا، لیکن قیامِ جمعہ کو معذورین کے حق میں بھی کہیں مکروہ قرار نہیں دیا۔

فقہائے کرام نے جب بھی معذورین کے لئے جماعت کو مکروہ قرار دیا، تو جماعتِ ظہر کو ہی مکروہ قرار دیا، اس کا تقاضا یہ ہوا کہ غیر معذور تو کسی طرح سے جمعہ کو ترک نہ کریں، اور معذورین بھی کوئی ایسا عمل نہ کریں، جو غیر معذورین کے جمعہ میں عدمِ شرکت اور جمعہ کے عدمِ قیام کا باعث بنے، اور نہ ہی جماعتِ ظہر قائم کر کے جمعہ سے صوری معارضہ کریں، پس فقہائے کرام کا اصل مقصود تو قیامِ جمعہ کی کثرت کو بڑھانا تھا، خواہ ایک جگہ جمعہ قائم کر کے، یہ

مقصد حاصل ہو، یا زیادہ مقامات پر جمعہ قائم کر کے یہ مقصود حاصل ہو، اسی مقصد کے لئے تعددِ جمعہ کی غیر مشروط اجازت دی گئی۔

لیکن افسوس کہ ایک غیر اہم حکمت یا فضیلت کو ملحوظ رکھ کر، اس سے بڑی حکمت و مصلحت، بلکہ جمعہ کی علت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمعہ کے قیام کی دعوت دینے کے مقابلے میں، ظہر کو قائم کرنے اور اس کو بھی با جماعت قائم کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے، کیا جمعہ کے ساتھ صوری معارضہ اور قیامِ جمعہ کی حوصلہ شکنی کی اس سے زیادہ بھی اور کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے؟

''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کا حوالہ

چنانچہ ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' میں ہے کہ:

امصار وقصبات میں جمعہ ادا ہونے کے لیے، مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، علاوہ مساجد کے دوسرے مکانات اور کارخانوں میں اور میدانوں میں بھی جمعہ صحیح ہے۔

کما فی الدر المختار: وتؤدی فی مصر واحد ،بمواضع کثیرة ، مطلقا علی المذهب، وعلیه الفتویٰ.

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج۵ص۴۳، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ الجمعة، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، تاریخِ طبع: ستمبر 2002ء)

ملاحظہ فرمائیے کہ جمعہ کے لیے نہ تو مسجد شرط ہے، اور نہ ہی اس کے لیے مکانات اور کارخانے حائل ہیں۔

تعددِ جمعہ کی روایت اور فتوے نے جس طرح جا بجا، نمازِ جمعہ قائم کرنے کی گنجائش پیدا کی، اسی طرح اذنِ عام کی شرط کو بھی غیر مؤثر قرار دے دیا، جیسا کہ بصراحت علامہ شامی وغیرہ کے حوالے سے گزرا۔

''فتاویٰ محمودیہ'' کا حوالہ

''فتاویٰ محمودیہ'' میں ہے کہ:

جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں، وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ، درست ہے، اوراس سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ جمعہ پڑھا جائے، تب بھی۔

وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذھب، وعلیہ الفتویٰ، شرح المجمع للعینی، وامامۃ فتح القدیر، دفعاً للحرج.......... اھ، درمختار.

(قولہ: مطلقا) ای سواء کان المصر کبیرا او لا، الخ .

واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم.

(فتاویٰ محمودیہ، ج۸ص۱۹۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، الفصل الثالث فی تعدد الجمعۃ، مطبوعہ: ادارہ الفاروق، کراچی، سنِ طباعت بارِسوم: 2009ء)

ملاحظہ فرمایئے کہ کتنی صراحت اور وضاحت کے ساتھ شرائطِ جمعہ ہونے والی بستی میں ایک سے زائد جگہ جمعہ کو درست کہا گیا ہے، اور ہمارے زیرِ بحث وہی بستیاں ہیں، جہاں شرائطِ جمعہ موجود ہوں، اور جب بلا حاجت بھی متعدد جگہ جمعہ کو صحیح اور درست قرار دیا جارہا ہے، تو اب جو موجودہ حالات وعوارض اور قانونی رکاوٹوں میں بشرائطِ صحتِ جمعہ وشرائطِ وجوبِ جمعہ، متعدد جگہوں پر جمعہ کو جائز قرار دیا جارہا ہے، اور تعددِ جمعہ کی جو معاشرتی وقانونی ضرورت ہے، وہ اہلِ علم تو کیا عوام پر بھی مخفی نہیں، اس میں اہلِ علم واصحابِ افتاء کو کیا، اور کون سی رکاوٹ محسوس ہورہی ہے، اگر تعددِ مقامات میں غیر معمولی اضافہ، رکاوٹ محسوس ہورہی ہو، تو اس کی کوئی قید وحد ہمیں فقہاء سے دکھلادیں، اور شہر میں موجود کم از کم چار، عاقل، بالغ، مرد

افراد میں کوئی شرط مفقود ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہو، تو اس کا حوالہ پیش فرمادیں۔

لیکن اللہ کے واسطے، اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے سے گریز فرمائیں، اصولِ فقہ، قواعدِ فقہ، جزئیاتِ فقہ کے دائرے میں رہتے ہوئے گفتگو فرمائیں، اور ساتھ ہی وجوبِ جمعہ اور صحتِ جمعہ کی شرائط موجود ہوتے ہوئے، عدمِ وجوبِ جمعہ اور عدمِ صحتِ جمعہ کا حکم لگانے کے علاوہ، اس کے مقابلے میں وجوبِ ظہر اور عدمِ کراہتِ جماعتِ ظہر اور آخر میں استحبابِ جماعتِ ظہر کا ثبوت بھی پیش فرمادیں، تو نوازش ہوگی۔

فقہائے حنفیہ نے جابجا، تعدُّدِ جمعہ کے جواز کی تصریح کرتے ہوئے، تعدُّدِ جمعہ کے لئے حلقۂ کبیر وغیرہ کی کسی مخصوص صورت کو شرط قرار نہیں دیا، اور کسی چیز کا استحباب، اس کے نہ ہونے کی صورت میں، جواز یا صحت، بلکہ وجوب کی بھی نفی کو مستلزم نہیں ہوا کرتا، خود مستحب یا استحباب کے الفاظ اس کا پتہ اور خبر دیتے ہیں۔

پس کسی مستحب یا مسنون عمل کے فوت ہوجانے کی وجہ سے، بالخصوص جبکہ وہ عذر کی وجہ سے ہو، اصل عمل کی نفی کردینا، کہاں کا اصول ہے۔

فقہائے کرام نے تو عذر کی صورت میں ترکِ سنت اور ارتکابِ مکروہ کو بھی گوارا کرلیا ہے۔

جیسا کہ عام حالات میں جماعت سے نماز پڑھتے وقت، مقتدیوں کا صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اتصال سنت ہے، اور اس کی خلاف ورزی مکروہ ہے، لیکن عذر کی وجہ سے وہ کراہت باقی نہیں رہتی۔

موجودہ وباء کے حالات میں اکثر علماء اس کے جواز پر تقریباً متفق ہیں، بلکہ اس کے پرزور داعی بھی ہیں، اور تاحال کسی کی طرف سے کوئی قابلِ ذکر اشکال سامنے نہیں آیا، نہ ہی یہ کہا گیا کہ آئندہ کے لیے لوگ اس پر جری ہوجائیں گے، اور پھر اس میں کوتاہی کا مظاہرہ کریں گے، یا یہ کہ یہ طریقہ امت کے توارث وتعامل کے خلاف ہے، وغیرہ، وغیرہ۔ [1]

---

[1] الأصل فی صلاۃ الجماعۃ أن یکون المأمومون صفوفا متراصۃ کما سبق بیانہ —

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تو کیا صرف لے دے کر ایک جمعہ کا مسئلہ ہی باقی رہ گیا ہے، جس پر طرح طرح کے شکوک وشبہات کا اظہار کیا جا رہا ہے، اور اس کے فرضِ قطعی اور انتہائی مہتم بالشان اور اسلام کا شعار وغیرہ ہونے کی تمام جہات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، جس کی کوئی معقول مستند فقہی بنیاد بھی موجود نہیں، صرف چند متوہم یا غیر اہم امور ہیں۔

پس ہماری نظر میں بحالتِ موجودہ، جبکہ تعدُّدِ جمعہ مفتیٰ بہٖ ہے، اور اذنِ حاکم وغیرہ کی شرط بھی موجود ہے، اور ہمارے یہاں کسی بھی شہر کی مسجد میں جمعہ شروع کرنے کے لیے کسی وزیر اعظم یا حکومت کے اہل کار سے باضابطہ اجازت نامہ نہیں لیا جاتا، نہ ہی ان کی صدارت میں افتتاحِ جمعہ کی ضرورت سمجھی جاتی، بلکہ بحالتِ موجودہ، تو حکمِ حاکم، چھوٹے چھوٹے اجتماعات ہی منعقد کرنے کا ہے، ایسے حالات میں ہمارے نزدیک گھروں کے اندر دروازے کھولے بغیر بھی چار چار عاقل، بالغ، مرد افراد کو خطبہ دے کر جمعہ پڑھنا جائز ہے، اور دروازہ کھولنا اور بے پردگی، یا حفاظتی انتظامات میں خلل اندازی، یا مجمع بڑھانے کا راستہ کھولنے کو ضروری قرار دینا، زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، کوئی پھر بھی احتیاط وغیرہ کے عنوان سے ان چیزوں کا تکلف واہتمام کرے، اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے، تو ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولذلک یکره أن یصلی واحد منفردا خلف الصفوف دون عذر، وصلاته صحیحة مع الکراهة، وتنتفی الکراهة بوجود العذر علی ما سیأتی بیانه.

وهذا عند جمهور الفقهاء: — الحنفیة والمالکیة والشافعیة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷ ص ۱۸۳، مادة "صلاة الجمعة")

[1] (وتؤدی فی مصر فی مواضع) أی یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، وهو قول أبی حنیفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینة کبیرة حرجا بینا، وهو مدفوع کذا ذکر الشارح وذکر الإمام السرخسی أن الصحیح من مذهب أبی حنیفة جواز إقامتها فی مصر واحد فی مسجدین وأکثر وبه نأخذ لإطلاق :لا جمعة إلا فی مصر شرط المصر فقط، وفی فتح القدیر الأصح الجواز مطلقا خصوصا إذا کان مصرا کبیرا کمصر فإن فی إلزام اتحاد الموضع حرجا بینا لاستدعائه تطویل المسافة علی الأکثر وذکر فی باب الإمامة أن الفتوی علی جواز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ہماری نظر میں کوئی مسلمان بھی گھر اور چھوٹے مجمع میں جمعہ پڑھنے کو عام حالات میں گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

پھر اگر مجبوری والے حالات میں لوگوں کو محدود اجتماعات کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، تو ایسی صورت میں اکثر مسلمانوں کا جو جمعہ کے ساتھ شوق اور ذوق پایا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں وہ جمعہ کے دن روزمرہ کی طرح ظہر پڑھنے کے لئے آمادہ نہ ہوں گے، بعض تو اس دن کا فرض ہی چھوڑ بیٹھیں گے، کیونکہ نمازِ ظہر کی لوگوں کے دِلوں میں نمازِ جمعہ جیسی اہمیت نہیں، اور شریعت نے بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے، جبکہ گھروں میں نمازِ جمعہ کو غیر درست قرار دینے کی صورت میں، بہت سے لوگ ظہر کے بجائے مساجد میں جمعہ کی نماز میں شرکت کا اہتمام کریں گے، جس سے پھر وہی تکثیرِ جماعت اور ہجوم کا عارضہ پیش آئے گا، جس سے لوگوں کو منع کیا جارہا ہے۔

اوراس کے نتیجے میں آج ملک بھر میں ایسے واقعات پیش آرہے ہیں کہ بہت سے لوگ، جمعہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التعدد مطلقا وبما ذكرناه اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين، ولا يجوز فى أكثر من ذلك، وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص١٥٣، ١٥٤، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

(وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقا على المذهب وعليه الفتوى شرح المجمع للعينى وإمامة فتح القدير دفعا للحرج(الدر المختار)

(قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسى أن الصحيح من مذهب أبى حنيفة جواز إقامتها فى مصر واحد فى مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا فى مصر شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين لا فى أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر (قوله دفعا للحرج) لأن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على أكثر الحاضرين ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه لا سيما إذا كان مصرا كبيرا كمصرنا كما قاله الكمال ط (قوله وعلى المرجوح) هو ما مر عن البدائع من عدم الجواز فى أكثر من موضعين(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص١٤٥، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

کی نماز کے شوق میں مساجد میں آتے ہیں، جہاں سے انہیں منع کیا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے مسجد کی انتظامیہ، یا حکومت کے کارندوں سے نزاع اور جھگڑے، بلکہ مار دھاڑ کی نوبت آتی ہے، اور پھر مختلف قسم کے مقدمات قائم ہوتے ہیں، یا پھر عوام کے لیے ایک لمبے عرصے تک جمعہ کی برکات اور اس شعارِ اسلام سے محرومی مقدر بن جاتی ہے۔

جبکہ حنفیہ کی بیان کردہ شرائط کے مطابق، ان کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے نمازِ جمعہ کو درست قرار دینے کی صورت میں اس قسم کے مفاسد سے بھی حفاظت ہو جاتی ہے۔

اور جواز کی صورت میں شہر کے بہت سے لوگ نمازِ جمعہ قائم کر کے جمعہ کی برکات سے مستفید ہو جاتے ہیں، جمعہ کی فرضیت سے سبکدوش ہو جاتے ہیں، اس دن کا فرض ادا کر لیتے ہیں، اور بہت بڑا طبقہ شعارِ اسلام اور شانِ اسلام کے اظہار میں شرکت کر لیتا ہے، اور لوگوں کو یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر واقعتاً کسی دوسرے وقت عذر سے جمعہ رہ جائے، تو اس کی تلافی وادائیگی کی ایک ادنیٰ صورت یہ بھی ہے، نیز اس طرزِ عمل سے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو جمعہ قائم کر کے خطبہ ونمازِ جمعہ کے ادا کرنے کے مسائل سے واقفیت ہوگی، جو دوسرے اوقاتِ ضرورت میں کام آئے گی۔

جمعہ کا قیام بذاتِ خود اسلام کا شعار ہے، اس کو اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ قائم کرنے میں ہی اسلام کی شان وشوکت کا اظہار ہے۔

اور ابتدائے اسلام میں شہروں کے اندر عموماً ایک جگہ ہی جمعہ ہوتا تھا، اس وقت بھی قیامِ جمعہ کے ذریعہ اسلام کی شان وشوکت کا اظہار ہوتا تھا، بلکہ بعض حضرات کی طرف سے اس ''شعار'' کو اہمیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا، اور اس وقت حکومتِ وقت کی طرف سے بعض مصالح کی بناء پر خود سے لوگوں کو قیامِ جمعہ کی اجازت نہیں تھی۔

لیکن جب شہر بڑے ہو گئے، تو ایک سے زیادہ مقامات پر بھی جمعہ کی نمازیں ہونے لگیں، جس کے جواز کی حنفیہ کے یہاں پہلے ہی روایت موجود تھی، اس لیے تعددِ جمعہ کے جواز کے برخلاف قول کو غیر مختار اور مرجوح قرار دیا جانے لگا، اور تعددِ جمعہ کی روایت پر فتویٰ دیا جانے

لگا، اور آج دنیا بھر کے اکثر شہروں میں اسی کے مطابق عمل جاری ہے۔

ایسی صورت میں تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں بھی جمعہ کی نماز کا قیام اس شعار اور اسلام کی شان وشوکت کے اظہار کا ذریعہ سمجھا گیا، اور اس پر نکیر نہیں کی گئی۔

اور آج عام حالات میں بڑے بڑے شہروں کے تقریباً ہر محلے میں کئی کئی جگہ جمعہ کی نمازیں قائم ہوتی ہیں، ان کے ذریعہ سے بھی ہر محلّہ اور علاقہ میں اسلام کے شعار اور شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ کبھی نہ کہا گیا کہ اس طرزِ عمل سے اسلام کی شان وشوکت میں فرق واقع ہوتا ہے، بلکہ ایک حیثیت سے یہ طرزِ عمل اسلامی شعار اور شان وشوکت کے اظہار میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔

غرضیکہ جمعہ کی نماز کو جس طرح بڑے اجتماع کے ذریعہ سے قائم کرنا، اسلامی شعار اور اسلامی شان وشوکت کا اظہار ہے، اسی طرح ہر علاقہ میں اپنی شرائط کے ساتھ قائم کرنا بھی شعار اور اسلامی شان وشوکت کا اظہار ہے، جس پر دنیا بھر میں مسلمانوں کا عمل ہے۔

لیکن موجودہ صورتِ حال میں مخصوص عارضے اور مزید براں حکومتی پابندی کی وجہ سے مسلمانوں کو جمعہ کے دن شہر میں بڑے بڑے اجتماع منعقد کرنے پر پابندی ہے۔

ایسی صورت میں اس اسلامی شعار اور مسلمانوں کی شان وشوکت کا اظہار، اپنی متعلقہ شرائط کے پائے جانے پر، جگہ جگہ جمعہ قائم کرنے کی صورت میں ہی ملحوظ رہ سکتا ہے، اور ایسی صورت میں شہر کے اکثر لوگوں کو اس سے منع کرنا، دراصل اس اسلامی شعار اور مسلمانوں کی شان وشوکت کے اظہار کو کم کرنے کا باعث کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے اس کے برعکس یہ سمجھا جا رہا ہے کہ مذکورہ صورت میں جمعوں کا قیام اسلامی شعار اور مسلمانوں کی شان وشوکت کو کم کرنے کا باعث ہے، اور اس کے بجائے اس اسلامی شعار کو ترک کر کے روزمرہ کی طرح نمازِ ظہر کو قائم کرنا، گویا کہ اسلامی شعار اور مسلمانوں کی شان وشوکت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔

جس سے کسی صورت اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں، اور جن لوگوں میں جمعہ صحیح اور واجب ہونے کی شرائط پائی جاتی ہیں، وہاں اُن لوگوں کے لئے فقہائے کرام نے جمعہ قائم کرنے میں ہی اسلامی شعار اور مسلمانوں کی شان وشوکت کے اظہار کو مؤثر سمجھا، اور اس کے مقابلہ میں ظہر کی نماز اور ظہر کی جماعت کو اسلامی شعار کے خلاف سمجھا، اور اس کی ہر طرح سے حوصلہ شکنی فرمائی۔

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات اس اسلامی شعار کی حوصلہ شکنی اور اس کے مقابلہ میں نمازِ ظہر اور اس کی جماعت کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔

مذکورہ تفصیل کا خلاصہ اور اقوالِ فقہاء پر ایک نظر

اس تمام تر تفصیل کے بعد ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ موجودہ حالات میں، جہاں حاکمِ وقت کی طرف سے نمازِ جمعہ قائم کرنے کی ممانعت نہ ہو، وہاں جمعہ کے دن شہر میں موجود، جن لوگوں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ واجب اور صحیح ہونے کی شرائط پائی جائیں، مثلاً وہ کم از کم چار عاقل، بالغ مرد افراد ہوں، تو ان کا اپنے گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا، فی نفسہٖ درست ہے، اس کو غیر درست قرار دینا راجح نہیں۔

البتہ جن لوگوں میں جمعہ صحیح ہونے کی شرائط نہ پائی جائیں، اور وہ جمعہ کے دن شہر میں موجود ہوں، ان کے لیے حنفیہ کے نزدیک، اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے، ظہر کی نماز کی گنجائش موجود ہے، لیکن اس کو بھی باجماعت ادا کرنا افضل نہیں، بلکہ مکروہ ہے، بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی، اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی، اور اس کو مکروہ تنزیہی قرار دینے کا قول بھی بے بنیاد نہیں۔

اور اگر کسی حنفی کی طرف سے شہر میں موجود ایسے لوگوں کو جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے سے منع کیا جائے، جن میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں، اور ان کو انفرادی طور پر ظہر

کی نماز پڑھنے کا حکم صادر کیا جائے، تو وہی حنفیہ کی تصریحات کے مطابق درست ہے، ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک کسی کراہت کا ارتکاب لازم نہیں آتا، بلکہ کراہت سے بچنا پایا جاتا ہے۔

البتہ غیر حنفیہ کے نزدیک معذور لوگوں کو جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ نہیں، بلکہ افضل ہے۔

اگر کسی مصلحت سے موجودہ حالات میں غیر حنفیہ کے قول کو ترجیح دی جائے، اور مساجد میں، جمعہ کے محدود اجتماعات کے، علاوہ، عام لوگوں کو اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے، جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو افضل قرار دیا جائے، تو اہلِ علم حضرات اس کی بھی گنجائش پر غور فرما سکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں چونکہ حکومتِ وقت کی طرف سے مساجد وغیرہ میں، چار پانچ افراد سے زیادہ کا اجتماع منع ہے، اس لیے مساجد میں تو اتنے افراد کی موجودگی میں حنفیہ کے مطابق، جمعہ کی نماز کو جائز اور درست قرار دیا جائے۔ [1]

---

[1] الجماعة شرط، لما رواه أبو داود :الجمعة حق واجب على كل مسلم فی جماعة .. وانعقد الإجماع علی ذلک .وأقل الجماعة عند أبی حنيفة ومحمد فی الأصح :ثلاثة رجال سوی الإمام، ولو كانوا مسافرين أو مرضى؛ لأن أقل الجمع الصحيح إنما هو الثلاث، والجماعة شرط مستقل فی الجمعة، لقوله تعالى :(فاسعوا إلى ذكر الله) والجمعة مشتقة من الجماعة، ولا بد لهم من مذكر وهو الخطيب .فإن تركوا الإمام أو نفروا بعد التحريمة قبل السجود، فسدت الجمعة، وصليت الظهر .وإن عادوا وأدركوا الإمام راكعاً، أو بقی ثلاثة رجال يصلون مع الإمام .أو نفروا بعد الخطبة وصلى الإمام بآخرين، صحت الجمعة، فوجود الجماعة :شرط انعقاد الأداء ، لا شرط دوام وبقاء إلى آخر الصلاة، ولا يتحقق الأداء إلا بوجود تمام الأركان وهی القيام والقراءة والركوع والسجود، فلو نفروا بعد التحريمة قبل السجود فسدت الجمعة، ويستقبل (يستأنف) لظهر، كما بينا (الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحيلی، ج٢ص ١٢٩٥ و ١٢٩٦ ، الباب الثانی ، الفصل العاشر ، المبحث الثانی، المطلب الخامس)

(قوله وأقلها ثلاثة رجال) أطلق فيهم فشمل العبيد والمسافرين والمرضى والأميين والخرسى لصلاحيتهم للإمامة فی الجمعة، إما لكل أحد أو لمن هو مثلهم فی الأمی والأخرس فصلحا أن يقتديا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالکیہ کے نزدیک چونکہ جمعہ کے لیے مسجد اور کم از کم بارہ افراد کا ہونا، شرط ہے، جبکہ حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک کم از کم چالیس افراد کا ہونا شرط ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بمن فوقهما، واحترز بالرجال عن النساء والصبيان فإن الجمعة لا تصح بهم وحدهم لعدم صلاحيتهم للإمامة فيها بحال بحر عن المحيط (قوله ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة) أى على رواية اشتراط حضور ثلاثة فى الخطبة أما على رواية عدم الاشتراط أصلا أو أنه يكفى حضور واحد فأظهر (قوله سوى الإمام) هذا عند أبى حنيفة ورجح الشارحون دليله واختاره المحبوبى والنسفى كذا فى تصحيح الشيخ قاسم (رد المحتار، ج۲، ص ۱۵۱،كتاب الصلاة، باب الجمعة)

[1] واشترط الشافعية والحنابلة أن لا يقل المجمعون عن أربعين رجلا تجب فى حقهم الجمعة .
قال صاحب المغنى :أما الأربعون فالمشهور فى المذهب أنه شرط لوجوب الجمعة وصحتها ..
ويشترط حضورهم الخطبتين .
وقال المالكية :يشترط حضور اثنى عشر من أهل الجمعة .
ثانيها :يجب حضور ما لا يقل عن هذا العدد من أول الخطبة .قال فى البدائع:
لو نفروا قبل أن يخطب الإمام فخطب وحده، ثم حضروا فصلى بهم الجمعة لا يجوز؛ لأن الجماعة كما هى شرط انعقاد الجمعة حال الشروع فى الصلاة، فهى شرط حال سماع الخطبة؛ لأن الخطبة بمنزلة شفع من الصلاة، قالت عائشة -رضى الله عنها :-إنما قصرت الجمعة لأجل الخطبة، وجاء مثله عن عمر وعطاء وطاوس ومجاهد فتشترط الجماعة حال سماع الخطبة كما تشترط حال الشروع فى الصلاة .
ثالثها: الجماعة فى صلاة الجمعة شرط أداء عند الحنفية، وهو الصحيح عند المالكية والشافعية، ولا يتحقق الأداء إلا بوجود تمام الأركان، وهى: القيام، والقرائة، والركوع، والسجود .وعلى هذا فلو تفرقت الجماعة قبل سجود الإمام بطلت الجمعة ويستأنف الظهر، والجماعة شرط انعقاد عند الصاحبين، والانعقاد يتم بدخول صحيح فى الصلاة، وعلى هذا فلو تفرقت الجماعة عن الإمام قبل السجود وبعد الانعقاد صحت جمعة كل منهم وقد صحح صاحب (تنوير الأبصار) ما ذهب إليه أبو حنيفة.
أما الحنابلة: فظاهر كلام أحمد أنهم إن انفضوا قبل كمالها لم يجز إتمامها جمعة، وقياس قول الخرقى أنهم إن انفضوا بعد ركعة أتموها جمعة .
وذهب المالكية والشافعية والحنابلة ومحمد بن الحسن إلى أن من أدرك مع الإمام أقل من ركعة، فإنه لا يكون مدركا للجمعة ويصليها ظهرا .وقال أبو حنيفة وأبو يوسف: صلاة المقتدى صحيحة على أنها جمعة إذا أدرك جزءا منها مع الإمام، وإن قل .قال فى المبسوط :ومن أدرك الإمام فى التشهد فى الجمعة أو فى سجدتى السهو فاقتدى به فقد أدركها ويصليها ركعتين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۷، ص ۲۰۲،۲۰۳، مادة "صلاة الجمعة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بارہ، یا چالیس افراد کے اجتماع پر چونکہ اس وقت حکومتِ وقت کی طرف سے پابندی ہے، اس لیے موجودہ حالات میں یہ کہنے کی گنجائش پر اہلِ علم حضرات غور فرما سکتے ہیں کہ چار، پانچ افراد کے اجتماع سے ان فقہائے کرام کے نزدیک، جمعہ منعقد نہیں ہوتا، اس لیے ان فقہائے کرام کے قول کے مطابق، اُن کو جمعہ سے معذور سمجھ کر ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو نہ صرف یہ کہ جائز کہا جائے گا، بلکہ مستحب قرار دیا جائے۔

لیکن اس موقع پر اس چیز کی وضاحت کرنا، پھر بھی ضروری ہوگا کہ موجودہ حالات میں بعض مصالح کی بناء پر غیر حنفیہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

تا کہ فقہائے کرام کے اقوال میں التباس واختلاط لازم نہ آئے، اور یہ پھر دوسرے مواقع پر، دیگر مفاسد کا ذریعہ نہ بنے۔

لیکن چونکہ ملک کا بیشتر طبقہ فقہ حنفی پر عمل پیرا، اور اس سے مانوس ہے، اس لیے اس طرزِ عمل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اشترط المالكية هذين الشرطين وهما :أن تصلى بإمام مقيم، فلا تصح أفراداً، وأن يكون مقيماً غير مسافر، ولو لم يكن متوطناً، وأن يكون هو الخطيب إلا لعذر يبيح الاستخلاف كرعاف ونقض وضوء، وأن يكون حراً فلا تصح إمامة العبد .ولا يشترط أن يكون الإمام والياً، خلافاً للحنفية.

وأن تكون الصلاة بجامع يجمع فيه على الدوام، فلا تصح فى البيوت ولا فى رحبة دار، ولا فى خان، ولا فى ساحة من الأرض، وفى الجملة :لا تصح المواضع المحجورة كالدور والحوانيت.

وللجامع شروط أربعة :أن يكون مبنياً، وأن يكون بناؤه بحسب العادة والعرف فيجوز بالقصب ونحوه، وأن يكون متحداً، ومتصلاً بالبلد، فالجمعة لا تكون إلا متحدة فى البلد، وإذا تعددت الجمع، فالذى تصح الجمعة فيه هو الجامع العتيق الأقدم؛ دون غيره، والمراد بالعتيق :ما أقيمت فيه الجمعة ابتداء ، ولو تأخر بناؤه عن غيره.

ولا يشترط كون الجامع مسقفاً على الراجح، ولا قصد تأبيد إقامة الجمعة فيه، ولا قصد إقامة الصلوات الخمس فيه.

وتصح الجمعة فى رحاب المسجد :وهى ما زيد خارج محيطه لتوسعته، وتصح فى طرق المسجد المتصلة به من غير فصل ببيوت أو حوانيت أو أشياء محجورة، سواء ضاق المسجد أو اتصلت الصفوف أم لا، وتكره فى الرحاب والطرق من غير ضرورة.

ولا تجوز الجمعة على سطح المسجد، ولو ضاق بالناس، ولا فى الأماكن المحجورة كالدور والحوانيت(الفقه الاسلامى وادلتہٗ للزحيلى، ج٢ص١٢٩٨، ١٢٩٩، الباب الثانى ، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الخامس)

کے بجائے، ایک ہمہ جہتی مسئلہ میں حنفیہ کے طریقہ کو اختیار کرنا، شاید زیادہ مناسب ہو۔
اور اس پر پھر بھی کلام کی گنجائش رہتی ہے کہ عندالحنفیہ جن افراد پر جمعہ واجب ہے، اور شرائط موجود ہیں، ان سے جمعہ کو کیسے ساقط کیا جاسکتا ہے، اور ان کو کیسے معذور قرار دیا جاسکتا ہے؟
البتہ اگر کسی جگہ موجود آٹھ، دس، بالغ افراد نے جمعہ نہیں پڑھا، اور ظہر پڑھ لی، تو اِن کو امام مالک کے قول کے مطابق، معذور قرار دیا جاسکتا ہے۔
بلکہ اگر چالیس سے کم افراد بھی موجود ہوں، اور اس سے زیادہ کا اجتماع ممکن نہ ہو، تو موجودہ حالات وقانون کے تناظر میں، وہ حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک معذور قرار دیئے جاسکتے ہیں۔
اور اگر اب تک کسی نے ایسا کیا، تو ان فقہائے مجتہدین کے اقوال کے پیشِ نظر ان کو معذور قرار دے کر جوازِ ظہر کی گنجائش دی جاسکتی ہے، بلکہ حنفیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ، چونکہ ظہر ادا ہوجاتی ہے، اس لیے جنہوں نے لاعلمی یا کسی مفتی کے فتوے پر عمل کرتے ہوئے ظہر بغیر جماعت کے، یا جماعت کے ساتھ پڑھ لی، تو اس کو بھی درست قرار دینے کی گنجائش ہوسکتی ہے، اسی لیے ہم نے اپنے سابق مختصر مضمون کے آخر میں تحریر کیا تھا کہ مذکورہ تفصیل جو ذکر کی گئی، وہ ہمارے رجحان کے مطابق ہے، لیکن چونکہ مذکورہ صورت میں بعض اہلِ علم حضرات کا رجحان، جمعہ کی نماز کے بجائے، روزمرہ کی طرح ظہر کی نماز پڑھنے کی طرف ہے، اور وہ اہلِ علم حضرات بھی اصحابِ افتاء ہیں، جن کے فتویٰ پر عوام کو عمل کر لینے کی اجازت ہے، اور زیرِ بحث مسئلے کا مجتہَد فیہا ہونا بھی واضح ہے۔
اس لیے اگر کوئی موجودہ حالات میں اُن اہلِ علم حضرات کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے، روزمرہ کی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز پڑھ چکا ہے، تو اس کے ذمہ سے بھی فریضہ ادا ہو چکا۔
مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

استنباط سے جو حکم فقہاء نکالیں گے، اس کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا

کہ اللہ کے نزدیک قطعی طور پر یہی حق ہے، بلکہ اس حکم کے خطاء ہونے کا بھی احتمال باقی رہتا ہے، ہاں اس کے صحیح ہونے کا ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے، جو عمل کے لیے کافی ہے (معارف القرآن، ج۲، ص۴۹۴، سورہ نساء، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

مسئلہ ’’احتیاطُ الظہر‘‘

جہاں تک اس صورت میں، جبکہ مختلف مقامات پر جگہ جگہ چار، یا کچھ زیادہ افراد، جمعہ کی نماز ادا کریں، ہماری طرف سے ’’احتیاطُ الظہر‘‘ کی دی گئی تجویز کا تعلق ہے، تو وہ خروج عن الاختلاف کے اصول کی بناء پر زیادہ سے زیادہ ایک مستحب درجے کا عمل ہے، جو ہمارے نزدیک بھی ضروری نہیں، اور اگر اردو فتاویٰ اور بعض فقہی کتب میں مذکور مفسدہ کی وجہ سے، کوئی اس کا انکار کرتا ہے، تو ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں، لیکن ہم نے جس اصول کی بناء پر اس کو مستحب قرار دیا ہے، وہ اصول فقہائے کرام کے نزدیک مسلّمہ امر ہے، جس کی دلائل کے ساتھ تفصیل ہم نے اپنی بعض دوسری تالیفات میں ذکر کر دی ہے، اور اس کا استحباب خود حنفیہ کی کئی مستند فقہی کتب میں بھی مذکور ہے، اور جس مفسدہ کی وجہ سے، بعض اہلِ علم حضرات نے اس کا انکار کیا ہے، ہم اس عنوان سے نہ اس کو جائز سمجھتے، اور نہ ہی اس کی تبلیغ و تشہیر کرتے، بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ جس مقام پر جمعہ کے جواز وعدمِ جواز کا فقہائے مجتہدین کے درمیان اختلاف ہو، مثلاً مخصوص افراد کا شرط ہونا، یا تعدُّدِ جمعہ وغیرہ، وہاں خروج عن الاختلاف کے اصول کی بناء پر، یہ فی نفسہٖ مستحب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک چونکہ جمعہ کے دن شہر میں باجماعت ظہر کی نماز تو ویسے ہی مکروہ ہے، ایک قول کے مطابق تحریمی اور دوسرے قول کے مطابق تنزیہی اور چار عاقل، بالغ، غیر معذور مرد افراد پر اُصولی اعتبار سے جمعہ واجب ہے۔

ایسی صورت میں جب جمعہ کی نماز پڑھیں گے، تو ایک طرف تو جمعہ کی ترکِ وعید سے اجتناب ہوگا، اور دوسری طرف احتیاط ملحوظ ہوگی، اگر بالفرض ظہر ہی واجب تھی، جو کہ تنہا بغیر جماعت کے تھی، وہ ادا ہو جائے گی۔

مزید براں اس خدشہ سے بھی حفاظت رہے گی کہ وہ آئندہ کے لئے گھروں میں نمازِ جمعہ کی عادت نہ بنائیں، یہ طرزِ عمل، ان کے لئے گھر میں نمازِ جمعہ کو ایک گونہ ہلکا سمجھنے کا بھی باعث ہوگا۔

چنانچہ کئی محققینِ حنفیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ:

''اگر کسی جگہ جمعہ کے قیام میں تردد ہو جائے، یا بعض فقہاء کی بیان کردہ شرائط نہ پائی جائیں، تو جمعہ کے بعد چار رکعت ''احتیاط'' کے عنوان سے ادا کر لی جائیں، اور ان میں وقتی فریضہ کے احتیاط کی نیت کی جائے، تاکہ شک، وہم دور کر کے یقینی طور پر فریضہ کی ادائیگی ہو جائے، بصورتِ دیگر یہ چار رکعات نفل واقع ہو جائیں گی، ان کا نقصان وضرر کسی صورت میں نہیں''۔ [1]

---

[1] اعلم ان صلاة الجمعة تغنى عن ركعات الظهر، وأن إعادة صلاة الجمعة ظهرًا بعدها عند مَن قال بذلك إنما هى على سبيل الاستحباب لا على جهة الإيجاب، وليس لأحد أن يُنكر فى ذلك على أحد، وليسعنا فى ذلك ما وَسِعَ سَلَفَنا الصالح من أدب الخلاف الذى كان منهجًا لهم فى مسائلهم الخلافية، احتياطًا؛ وخروجًا من الخلاف. ولكن ليس الأمر إلزاميًا بل هو فقط مستحب.

لأن جمهور العلماء اشترطوا لصحة صلاة الجمعة شروطًا خاصا، ومن هنا استحبوا صلاة الظهر بعد الجمعة احتياطًا للخروج من الخلاف .فمن أراد الاحتياط ،خروجًا من الخلاف فله أن يفعل ذلك .وليس لأحد أن يُنكر فى ذلك على أحد،الا فى صورة المفسدة. محمد رضوان.

ثم فى كل موضع وقع الشك فى كونه مصر أو أقام أهل ذلك الموضع الجمعة بشرائطها، فينبغى لأهل ذلك الموضع أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات وينوون بها الظهر احتياطا، حتى أنه لو لم تقع الجمعة موقعها يخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر بيقين(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج ٢،ص ٦٦، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے ان کو ادا کرنے میں احتیاط کی نفی کی ہے، لیکن اس سے بھی بعض حنفیہ نے اختلاف کیا ہے، اور ان کے پڑھنے میں ہی نہ پڑھنے کے مقابلے میں ''احتیاط'' ہونے کا حکم لگایا ہے، اور یہاں تک بھی فرمادیا کہ اگر چہ تعددِ جمعہ کے جواز کا قول صحیح اور مفتیٰ بہ ہو، تب بھی ان کو پڑھنے میں احتیاط کی نفی وممانعت لازم نہیں آتی۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا اشتبه على الإنسان ذلک ينبغي أن يصلي أربعا بعد الجمعة ينوي بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده بعد، فإن لم تصح الجمعة وقعت ظهره وإن صحت كانت نفلا، وهل تنوب عن سنة الجمعة؟ قدمنا الكلام في باب شروط الصلاة فارجع إليه.

وكذا إذا تعددت الجمعة وشک في أن جمعته سابقة أو لا ينبغي أن يصلي ما قلنا(فتح القدير،لابن الهمام، ج٢،ص٥٣، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

وإذا وقع الشک في صحة أداء الجمعة لفقد بعض الشرائط، ينبغي أن يصلي بعد الجمعة أربع ركعات احتياطا، ولو بالحرمين الشريفين، وينوي ظهر يومه، أو آخر ظهر عليه ۔ وهو أحسن ۔ لأنه إن لم تجزىء الجمعة فعليه الظهر، وإن أجزأت كانت الأربع عن ظهر عليه إن كان عليه، وإلا فيقع نفلا(شرح النقاية، ج ١ ،ص ٤٨٦،باب في صلاة الجمعة،فصل في شروط وجوب الجمعة)

ثم كل موضع وقع الشک في جواز الجمعة بتفويت شرطها ينبغي أن يصلي أربع ركعات وينوي بها الظهر ليخرجوا عن فرض الوقت بيقين لو لم تقع الجمعة موقعها كما في الكافي (مجمع الأنهر ، ج ١ ، ص١٦٧ ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجمعة)

ثم في كل موضع وقع الشک في جواز الجمعة لوقوع الشک في المصر أو غيره وأقام أهله الجمعة ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات وينووا بها الظهر حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي، وهكذا في المحيط ثم اختلفوا في نيتها قيل: ينوي آخر ظهر عليه وهو الأحسن والأحوط أن يقول: نويت آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد، كذا في القنية(الفتاوىٰ الهندية، ج ١ ص ١٤٥ ، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة)

قالوا في كل موضع وقع الشک في جواز الجمعة ينبغي أن يصلي أربع ركعات بنية آخر ظهر أدركت وقته ولم يسقط عني بعد حتى إن صحت الجمعة وكان عليه ظهر يسقط عنه وإلا فنفل ، والأولى أن يصلي بعد الجمعة سنتها ثم الأربع بهذه النية ثم ركعتين بنية سنة الوقت فإن صحت الجمعة يكون قد أدى سنتها على وجهها وإلا فقد صلى الظهر مع سنته(منية المصلي وغنية المبتدي،ص ٢٩٩، كتاب الصلاة،فصل في صلاة الجمعة)

؎ قوله"وليس الاحتياط في فعلها الخ "قال البرهان الحلبي الفعل هو الاحتياط لأن الخلاف فيه قوي لأنها لم تكن تصلي في زمن السلف إلا في موضع واحد من المصر وكون الصحيح جواز التعدد للضرورة لا يمنع شرعية الاحتياط اهـ (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح،ص ٥٠٦، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

البتہ کوئی ان چار رکعات ''احتیاطُ الظہر'' کو ضروری سمجھے، یا جمعہ کو درست نہ سمجھے، تو الگ بات ہے، لیکن جمعہ کو درست اور ان چار رکعات کو لازم نہ سمجھے بغیر، صرف مندوب و مستحب سمجھ کر پڑھے، تاکہ فقہائے کرام کے اختلاف کی رعایت ہوجائے، تو مستحب ہونے میں تردد کی گنجائش نہیں۔ [1]

اور علامہ ابنِ نجیم نے ''البحرُ الرائق'' میں فرمایا کہ:

''بعض جہلائے زمانہ نے جمعہ کے بعد چار رکعات کو اصل ظہر کی جگہ پڑھنا شروع کردیا، اور یہ سمجھ لیا کہ اصل فریضہ ظہر کا ہے، نہ کہ جمعہ کا، حالانکہ تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کی روایت مختار نہیں ہے، لہٰذا اس کے مطابق عمل بھی مختار نہ ہوگا''۔ انتہٰی۔ [2]

لیکن بعض دوسرے حضرات کی طرح علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''منحۃُ الخالق'' میں اس کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''جمعہ کے بعد احتیاطُ الظہر کی بنیاد، یقینی طور پر ذمہ سے عہدہ برآ ہونے پر مبنی ہے، اور تعددِ جمعہ کے جواز میں علماء کا اختلاف، اس کے لیے کافی ہے، بالخصوص جبکہ

---

[1] أما البلاد فلا يشك فى الجواز وإلا تعاد الفريضة، بل يصلى الجمعة ثم سنتها ثم ركعتين، وهذا هو الصحيح المختار ,وعن الهندوانى قول الناس يصلى أربعًا بنية أقرب صلاة على ليس له أصل فى الروايات، ولا شك فى جواز الجمعة فى البلاد والقصبات، انتهى .وأقول هذا إنما ينفى تحتم صلاة الأربع، أما ندبها على القول بجواز التعدد خروجًا عن الخلاف فلا ينبغى أن يتردد فيه، وعليه يحمل ما فى (الفتح)، وكذا لو تعددت الجمعة وشك أن جمعته سابقة أو لا وينبغى أن يصلى ما قلنا، يعنى :أربعًا بنية آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده بعد(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ا ،ص ۳۵۵، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

[2] أقول: وقد كثر ذلك من جهلة زماننا أيضا ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر، وإنما وضعها بعض المتأخرين عند الشك فى صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فى مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة، وليس هذا القول أعنى اختيار صلاة الأربع بعدها مرويا عن أبى حنيفة وصاحبيه حتى وقع لى أنى أفتيت مرارا بعدم صلاتها خوفا على اعتقاد الجهلة بأنها الفرض، وأن الجمعة ليست بفرض وسنوضحه من بعد -إن شاء الله تعالى(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ،ص ۱۵۱ ، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

امام ابو حنیفہ سے تعددِ جمعہ کا عدمِ جواز بھی مروی ہے، جس کو امام طحاوی، تمرتاشی، اور صاحبِ مختار نے اختیار کیا ہے، اور عتابی نے اس کو ''اظھر'' قرار دیا ہے، اور امام شافعی کا مذہب اور امام مالک کا مشہور مذہب اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت بھی تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کی ہے، اور بدائع نے فرمایا کہ حنفیہ کی ''ظاھرُ الروایۃ'' دو مقامات سے زیادہ میں عدمِ جواز کی ہے''النہر'' اور''الحاوی القدسی''میں فرمایا کہ اسی پر فتویٰ ہے، اور''التکملۃ للرازی''میں ہے کہ ہم اسی روایت کو لیتے ہیں، لہٰذا ان ائمہ کے اختلاف کی وجہ سے احتیاط، اس کے پڑھنے میں ثابت ہوگئی، نیز متفق علیہ حدیث میں ہے کہ''جس نے شبہات سے اجتناب کرلیا، اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلیا'' اس لیے جمعہ پڑھنے کے بعد یہ احتیاطی ظہر مکروہ کیسے ہوگی، بلکہ احتیاط پر مبنی ہوگی۔

پھر علامہ شامی نے اس سلسلے میں کئی تصریحات وتائیدات نقل فرمائی ہیں، جس کے بعد علامہ شامی نے فرمایا کہ ہم نے اس پر طویل کلام اس لیے کیا ہے، تاکہ علامہ ابنِ نجیم کے کلام سے جو اِس کے نہ پڑھنے کا وہم ہوتا ہے، وہ دور ہوجائے۔

البتہ اگر کوئی ناکردہ مفسدہ لازم آئے، تو پھر نہ پڑھنا مناسب ہوگا۔

لیکن ہمارا یہ کلام تو مفسدہ نہ ہونے کی صورت میں ہے۔

اسی وجہ سے علامہ مقدسی نے فرمایا کہ ہم ایسے جاہل عوام کو اس کا حکم نہیں کریں گے، جو مفسدہ میں مبتلا ہیں، بلکہ جو اِن مفاسد سے محفوظ ہیں، ان کو ہی بتلائیں گے''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] لو حضر رجل فی قریة تقام بها الجمعة علی مذهب الشافعی یحضر معهم لئلا یظن به السوء لاعتقادهم فرضیتها أو جهلهم بحکم مذهبه وینوی صلاة الإمام ویصلی الظهر أیضا قبلها أو بعدها..........والاحتیاط فی القری أن یصلی السنة أربعا، ثم الجمعة، ثم ینوی أربعا سنة الجمعة، ثم یصلی الظهر، ثم رکعتین سنة الوقت فهذا هو الصحیح المختار اهـ .ملخصا ونقل العبارة بتمامها فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''اگر تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز کی روایت کا ضعیف ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے، تو بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الفتاوى الخيرية فراجعها (منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢، ص١٥٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(قوله مبنى كله على القول الضعيف إلخ) فيه نظر بل هو مبنى على أن ذلك الاحتياط أى الخروج عن العهدة بيقين لتصريحه بأن العلة اختلاف العلماء فى جوازها إذا تعددت وفيه شبهة قوية؛ لأن عدم الجواز حينئذ مروى عن أبى حنيفة واختاره الطحاوى والتمرتاشي وصاحب المختار وجعله العتابى الأظهر، وهو مذهب الشافعي والمشهور عن مالك وإحدى الروايتين عن أحمد كما ذكره المقدسى فى نور الشمعة، وقد علمت أن قول البدائع أن ظاهر الرواية عدم الجواز فى أكثر موضعين قال فى النهر، وفى الحاوى القدسى، وعليه الفتوى وفى التكملة للرازى وبه نأخذ انتهى فقد حصل الشك إذا كثر التعدد مع خلاف هؤلاء الأئمة.

وفى الحديث المتفق عليه فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ؛ ولذا قال بعضهم فيمن يقضى صلاة عمره مع أنه لم يفته شىء منها :لا يكره؛ لأنه أخذ بالاحتياط وذكر فى القنية أنه أحسن إذا كان فيه اختلاف المجتهدين ويكفينا خلاف من مر ونقل العلامة المقدسى عن المحيط كل موضع وقع الشك فى كونه مصرا ينبغى لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعا بنية الظهر احتياطا حتى أنه لو لم تقع الجمعة موقعها يخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر ومثله فى الكافى، ثم ذكر كلام القنية وذكر أن كثيرا من شراح الهداية وغيرها نقلوه وتداولوه قال :وفى الظهيرية وأكثر مشايخ بخارى على أنه يصلى الظهر بعدما صلى أربعا بعد الجمعة لاحتمال أنه نقل ليخرج عن العهدة بيقين واستحسنوا ذلك ويقرء ون فى جميع ركعاتها وذكر عن الفتح ينبغى أن يصلى أربعا ينوى بها آخر فرض أدركت وقته، ولم أؤده إن تردد فى كونه مصرا أو تعددت الجمعة وذكر مثله عن المحقق ابن جرباش قال :ثم قال وفائدته الخروج عن الخلاف المتوهم أو المحقق، وإن كان الصحيح التعداد فهى نفع بلا ضرر، ثم ذكر ما يوهم الدلالة على عدم فعلها ودفعه بأحسن وجه وذكر فى النهر أنه لا ينبغى التردد فى ندبها على القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اهـ.

وفى شرح الباقانى هو الصحيح ونحوه فى شرح المنية وبالجملة فقد ثبت أنه ينبغى الإتيان بهذه الأربع بعد الجمعة لكن بقى الكلام فى تحقيق أنه هل هو واجب أو مندوب قال المقدسى ذكر ابن الشحنة عن جده التصريح بالندب وبحث فيه بأنه ينبغى أن يكون عند مجرد التوهم أما عند قيام الشك والاشتباه فى صحة الجمعة فالظاهر وجوب الأربع ونقل عن شيخه ابن الهمام ما يفيده وبه يعلم أنها هل تجزى عن السنة أم لا؟ فعند قيام الشك لا وعند عدمه نعم ويؤيد التفصيل تعبير التمرتاشى بلا بدء وكلام القنية المذكور اهـ.

وتمام تحقيق المقام فى رسالة المقدسى -رحمه الله تعالى-، وقد ذكر شذرة منها فى إمداد الفتاح،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس اختلاف سے خروج، اولیٰ ہے، اور جب ائمۂ مجتہدین کا بھی تعددِ جمعہ میں اختلاف ہو، تو پھر جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر کو پڑھنا کیونکر اولیٰ نہ ہوگا، جبکہ حدیث میں بھی شبہات سے بچنے کا حکم ہے۔

پھر مختلف حوالہ جات وتصریحاتِ فقہاء نقل کر کے فرمایا کہ اگر چہ تعددِ جمعہ کا جواز ہی صحیح ہے، لیکن پھر بھی ان کا پڑھنا، نفع بلاضرر ہے، اور ان کے مندوب ومستحب ہونے میں کوئی تردد نہیں، خروج عن الخلاف کے قاعدہ کے پیشِ نظر۔

پھر مزید حوالہ جات کے بعد فرمایا کہ البتہ اگر کوئی مفسدہ لازم آئے، تو ان کو علانیہ نہیں پڑھا جائے گا، اور ہمارا کلام عدمِ مفسدہ کی صورت میں ہے، جیسا کہ علامہ مقدسی نے اس طرح کے جاہل عوام کے لئے پڑھنے کا حکم دینے کو ناپسند قرار دیا ہے، جو مفسدہ کا شکار ہوں، اور جو مفسدہ سے محفوظ ہوں، ان کو احتیاطُ الظہر کے بتلانے کا حکم فرمایا ہے"۔انتہیٰ۔ [1]

پھر آخر میں "تتمہ" کا عنوان قائم کر کے علامہ ابنِ عابدین شامی نے فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإنما أطلنا فى ذلک لدفع ما يوهمه كلام المؤلف من عدم طلب فعلها نعم إن أدى إلى مفسدة لا يفعل لكن الكلام عند عدمها؛ ولذا قال المقدسى نحن لا نأمر بذلک أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص، ولو بالنسبة إليهم(منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢، ص ١٥٤، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[1] قلت: على أنه لو سلم ضعفه فالخروج عن خلافه أولى فكيف مع خلاف هؤلاء الأئمة، وفى الحديث المتفق عليه فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ولذا قال بعضهم فيمن يقضى صلاة عمره مع أنه لم يفته منها شىء لا يكره لأنه أخذ بالاحتياط .وذكر فى القنية أنه أحسن إن كان فى صلاته خلاف المجتهدين ويكفينا خلاف من مر ونقل المقدسى عن المحيط: كل موضع وقع الشک فى كونه مصرا ينبغى لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعا بنية الظهر احتياطا حتى إنه لو لم تقع الجمعة موقعها يخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر، ومثله فى الكافى وفى القنية لما ابتلى أهل مرو بإقامة الجمعتين فيها مع اختلاف العلماء فى جوازهما أمر أئمتهم بالأربع بعدها حتما احتياطا .اهـ .ونقله كثير من شراح الهداية وغيرها وتداولوه وفى الظهيرية: وأكثر مشايخ بخارى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”احتیاطُ الظہر کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کے بعد پہلے چار سنتیں پڑھے، پھر یہ چار رکعتیں اس نیت سے پڑھے کہ اگر اس کے ذمہ ظہر کا فریضہ ہو، تو اس کو ادا کرتا ہوں“۔انتہٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عليه ليخرج عن العهدة بيقين .ثم نقل المقدسى عن الفتح أنه ينبغى أن يصلى أربعا ينوى بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده إن تردد فى كونه مصرا أو تعددت الجمعة، وذكر مثله عن المحقق ابن جرباش.

قال ثم قال: وفائدته الخروج عن الخلاف المتوهم أو المحقق وإن كان الصحيح صحة التعداد فهى نفع بلا ضرر ثم ذكر ما يوهم عدم فعلها ودفعه بأحسن وجه .وذكر فى النهر أنه لا ينبغى التردد فى ندبها على القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اهـ وفى شرح الباقانى هو الصحيح .وبالجملة فقد ثبت أنه ينبغى الإتيان بهذه الأربع بعد الجمعة، لكن بقى الكلام فى تحقيق أنه واجب أو مندوب قال المقدسى: ذكر ابن الشحنة عن جده التصريح بالندب، وبحث فيه بأنه ينبغى أن يكون عند مجرد التوهم، أما عند قيام الشك والاشتباه فى صحة الجمعة فالظاهر الوجوب، ونقل من شيخه ابن الهمام ما يفيده وبه يعلم أنها هل تجزى عن السنة أم لا؟ فعند قيام الشك لا وعند عدمه نعم، ويؤيد التفصيل تعبير التمرتاشى ب لا بد وكلام القنية المذكور اهـ وتمام تحقيق المقام فى رسالة المقدسى وقد ذكر شذرة منها فى إمداد الفتاح، وإنما أطلنا فى ذلك لدفع ما يوهمه كلام الشارح تبعا للبحر من عدم فعلها مطلقا.

نعم إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهارا والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسى نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم اهـ والله تعالى أعلم(ردالمحتار، ج۲ص۱۴۵، ۱۴۶، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

[1] (تتمة)قال فى شرح المنية الصغير :والأولى أن يصلى بعد الجمعة سنتها ثم الأربع بهذه النية أى نية آخر ظهر أدركته ولم أصله ثم ركعتين سنة الوقت، فإن صحت الجمعة يكون قد أدى سنتها على وجهها، وإلا فقد صلى الظهر مع سنته وينبغى أن يقرأ السورة مع الفاتحة فى هذه الأربع إن لم يكن عليه قضاء فإن وقعت فرضا فالسورة لا تضر وإن وقعت نفلا فقراءة السورة واجبة اهـ أى وأما إذا كان عليه قضاء فلا يضم السورة لأن هذه الأربع فرض على كل حال.

قلت :وحاصله أنه يصلى بعد الجمعة عشر ركعات أربعا سنتها وأربعا آخر ظهر وركعتين سنة الوقت :أى لاحتمال أن الفرض هو الظهر فتقع الركعتان سنته البعدية .والظاهر أنه يكفى نية آخر ظهر عن الأربع سنة الجمعة إذا صحت الجمعة لأن المعتمد عدم اشتراط التعيين فى السنن، وإن لم تصح فالفرض هو الظهر وتقع الأربع التى صلاها قبل الجمعة عن سنة الظهر القبلية لكن لطول الفصل بصلاة الجمعة وسماع الخطبة يصلى أربعا أخرى فالأولى صلاة العشرة (ردالمحتار، ج۲ص۱۴۶، ۱۴۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

بلکہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے تو یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی گاؤں میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق، جمعہ کی نماز قائم ہو، تو اس میں شریک ہوجانا چاہیے، اور پھر ''احتیاطُ الظهر'' پڑھ لینی چاہیے۔ [1]

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ ہم واضح طور پر اس بات کی تشہیر وتبلیغ کرتے ہیں، اور اس پر فتویٰ دیتے ہیں کہ شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز جائز ہے، جس کی کوئی حد وقید نہیں، جب تک اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ کم از کم چار، عاقل، بالغ، مرد افراد شریک ہوں، اور اس صورت میں تمام لوگوں کے جمعہ کی نماز کو جائز اور درست کہتے ہیں، اور ان کے نمازِ جمعہ کے صحیح اور درست واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں رکھتے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض فقہاء، اس طرح متعدد مقامات پر جمعہ کو جائز قرار نہیں دیتے، اور بعض فقہاء چار افراد کو بھی کافی قرار نہیں دیتے، اگرچہ ان کا قول ہمارے نزدیک مفتیٰ بہ نہیں۔

مگر ہم ان فقہاء کے اختلاف سے بچنے کے لیے جمعہ کے بعد، چار رکعت ''احتیاط'' کے طور پر پڑھنے کو مندوب ومستحب سمجھتے ہیں، نہ ضروری سمجھتے، نہ ہی جمعہ کے جواز وصحت میں شک کرتے، جو اِس کے مطابق عمل کرے، اچھا ہے، جو نہ کرے، اس میں کوئی حرج وعیب نہیں، اس کا جمعہ پھر بھی درست ہے، اور جو اِس کے خلاف کسی مفسدہ میں مبتلا ہو، ہم نہ اس کی حمایت کرتے، نہ اس کے مفسدہ کو جائز سمجھتے، بلکہ اس کو مفسدہ سے بچنے کی تعلیم وتلقین کرتے ہیں۔

اور اس سلسلے میں خود محققینِ حنفیہ کی اتنی تصریحات ہیں کہ اتنی تصریحات کے بغیر بھی بہت

---

[1] (قوله وأغرب من هذا ما فى القنية من أنه يلزم إلخ) أقول :الذى يظهر أنه ليس مراده باللزوم الافتراض وأن المراد أنه لو حضر رجل فى قرية تقام بها الجمعة على مذهب الشافعى يحضر معهم لئلا يظن به السوء لاعتقادهم فرضيتها أو جهلهم بحكم مذهبه وينوى صلاة الإمام ويصلى الظهر أيضا قبلها أو بعدها كما سيأتى عن القنية تأمل(منحة الخالق، ج ٢،ص ١٥٣ ، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

سے مسائل کو قبول کرلیا جاتا ہے۔

علامہ عبدالحئ لکھنوی، ایک فتوے میں فرماتے ہیں کہ:

سلف سے جمعہ کے بعد، ادائے ظہر منقول نہیں ہے، مگر اکثر فقہائے متاخرین نے ادائے ظہر کو احوط لکھا ہے، اس لیے کہ تعددِ جمعہ میں علماء کا اختلاف ہے، اور مصر کی تعریف میں بھی، جو وجوبِ جمعہ کی شرائط میں سے ہے، اختلاف واقع ہے، پس ادائے ظہر میں احتیاط ہے، اور یہ فرضیتِ جمعہ کو منافی نہیں ہے، اگر چہ مفتیٰ بہ یہی قول ہے کہ ایک شہر میں تعددِ جمعہ جائز ہے، لیکن اگر ادائے ظہر احتیاطی کے وقت ادائے جمعہ یا اس کی فرضیت میں شک پیدا ہو، تو شک، رفع کرے، اور ظہر احتیاطی نہ پڑھے (مجموعہ فتاویٰ عبدالحئ، ج ا ص ۳۰۲، کتاب الصلاۃ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

اب خود اہلِ علم حضرات غور فرما سکتے ہیں کہ ہم نے کون سے مکروہ یا ممنوع کام کی دعوت دی، جو اِس پر اتنا واویلا مچایا جائے۔

باقی جو کئی اردو فتاویٰ میں اس کے خلاف مذکور ہے، وہ دوسرے حضرات کے فتاویٰ ہیں، ہم نے جو مناسب سمجھا، وہ بیان کردیا، جس سے کسی صاحبِ علم، یا فتاویٰ کا اتفاق، یا اختلاف، ہمارے موقف میں تبدیلی یا کمزوری کا باعث نہیں، جب تک دلیل سے اس کے خلاف پر شرح صدر نہ ہو۔

اگر چہ موجودہ جمود کے دور میں بعض دوسرے حضرات، دلائل کے مقابلے میں رسمی وروایتی تقلید کو زیادہ اہم کیوں نہ سمجھتے ہوں، وہ ان کا فعل ہے، نہ ہمارا ان سے کوئی ذاتی ونفسانی نزاع ہے، اور نہ ہی ہم عنداللہ ان کے عمل وموقف کے جواب دہ ہیں، اس سے زیادہ اور کیا لب کشائی کی گنجائش رہ جاتی ہے۔

اب اس کے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے سلسلے میں غیر حنفیہ کے اقوال پر بھی ایک نظر ڈال لینا مناسب ہے۔

’’الأوسط لإبن المنذر‘‘ کا حوالہ

ابنِ منذر ’’الأوسط‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

’’جن لوگوں کا جمعہ فوت ہوجائے، ان کے بارے میں ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ ظہر کی نماز با جماعت پڑھیں گے، یہ قول عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے، اور حسن بن عبیداللہ اور زِر کے فعل سے ثابت ہے، اور ثوری نے فرمایا کہ بعض اوقات میں نے اور اعمش نے بھی اس پر عمل کیا ہے۔

اور یہی قول ایاس بن معاویہ اور احمد بن حنبل کا ہے، اور امام شافعی کا قول بھی یہی ہے، اور اسحاق اور ابوثور کا قول بھی یہی ہے، اور امام مالک کا قول بھی اس کے قریب ہے۔

لیکن ایک جماعت نے ان لوگوں کے لیے، جن کا جمعہ فوت ہوجائے، ظہر کی نماز با جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے، جن میں حسن اور ابوقلابہ اور ثوری اور امام ابوحنیفہ داخل ہیں۔

لیکن اس کو مکروہ قرار دینے کے کوئی معنیٰ نہیں، بلکہ یہ مستحب ہے، اور جس کو جمعہ کی نماز سے تخلف میں عذر ہو، اس کے ظہر کی نماز با جماعت پڑھنے میں، جماعت کی فضیلت کی امید کی جاتی ہے‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] قال أبو بكر :أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم على أن من فاتته الجمعة أن يصلى أربعا.
واختلفوا فى القوم تفوتهم الجمعة، فقالت طائفة :يصلون جماعة، روى هذا القول عن عبد الله بن مسعود، وفعله الحسن بن عبيد الله، وزر، وقال الثورى :ربما فعلته أنا، والأعمش.
حدثنا إسحاق بن إبراهيم، عن عبد الرزاق، عن الثورى، عن الحسن بن عبيد الله، قال " :صليت أنا وزر، فأمنى وفاتتنا الجمعة، فسألت إبراهيم، فقال :فعل ذلك عبد الله بن علقمة، والأسود، قال سفيان :ربما فعلته أنا، والأعمش "
وبه قال إياس بن معاوية، وأحمد بن حنبل، وكان الشافعى يقول :لا أكره جمعها إلا أن يجمعها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''المجموع شرحُ المهذب'' کا حوالہ

امام نووی شافعی ''المجموع شرحُ المهذب'' میں فرماتے ہیں کہ:

''جو لوگ جمعہ کی نماز ترک کرنے میں معذور ہوں، اگر ان کا عذر زائل ہونے کی توقع ہو، جیسا کہ غلام اور مریض اور مسافر وغیرہ، تو ان کو جمعہ ادا ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنا، جائز ہے، لیکن ان کو جمعہ کو حاصل کرنے کی امید ختم ہونے تک اپنی نمازِ ظہر کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔

اور جن کا عذر زائل ہونے کی توقع نہ ہو، جیسا کہ عورت اور کوڑھی وغیرہ، تو ان کے بارے میں اصح قول یہ ہے کہ ان کو جمعہ کے دن ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھنا، مستحب ہے، تاکہ اول وقت کی فضیلت کو حاصل کرلیا جائے۔

اور امام شافعی اور آپ کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ معذور لوگوں کے لیے جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مستحب ہے۔

اور رافعی نے غیر مستحب قرار دیا ہے، حسن بن صالح، امام ابوحنیفہ اور امام ثوری کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استخفافا بالجمعة، أو رغبة عن الصلاة خلف الأئمة، وآمر أهل السجن، وأهل الصناعات من العبيد أن يجمعوا، وكان إسحاق يرى القوم يفوتهم الجمعة، أن يصلوا جماعة .وقال إسحاق، وأبو ثور فيمن حبس، والمرضى :لا بأس أن يصلوا يوم الجمعة جماعة الظهر، وكان مالك يرخص لأهل السجن، والمسافر، والمرضى أن يجمعوا، واختلف قوله في القوم تفوتهم الجمعة، فحكى بشر بن عمر عنه أنه قال :إن شاء وا صلوا فرادى، وإن شاء وا جماعة، وحكى ابن القاسم عنه، أنه قال :لا يصلون إلا أفذاذا .

وكرهت طائفة أن يصلي من فاتته الجمعة جماعة، وممن روى أنه كره ذلك الحسن، وأبو قلابة، وهو قول الثوري، والنعمان.

قال أبو بكر :لا معنى لكراهية من كره ذلك بل يستحب ذلك، ويرجى لمن فعل ذلك ممن له عذر في التخلف عن الجمعة، فضل الجماعة(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف، ج۴، ص۱۰۷، ۱۰۸، كتاب صفة الصلاة ،ذكر القوم تفوتهم الجمعة)

بھی یہی قول ہے۔

لیکن امام شافعی نے فرمایا کہ ان لوگوں کو خفیہ جماعت کرنا، مستحب ہے، تاکہ ان کے دین میں لوگ تہمت نہ لگائیں، اور ان کی طرف سستی کی وجہ سے ترکِ جماعت کی نسبت نہ کریں۔

جمہور شافعیہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے، جبکہ ان کا عذر مخفی ہو، لیکن اگر ان کا عذر مخفی نہ ہو، تو ان کے لیے ظہر کی نماز با جماعت مخفی طریقے پر پڑھنا، مستحب نہیں، کیونکہ اس صورت میں ان پر کوئی تہمت عائد نہیں ہوتی۔

البتہ بعض شافعیہ نے امام شافعی کے ظاہری قول کے پیشِ نظر مطلقاً اخفاء کو مستحب قرار دیا ہے''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] قال أصحابنا المعذور فی ترک الجمعة ضربان:

(أحدهما)من يتوقع زوال عذره ووجوب الجمعة عليه كالعبد والمريض والمسافر ونحوهم فلهم أن يصلوا الظهر قبل الجمعة لكن الأفضل تأخيرها إلى اليأس من الجمعة لاحتمال تمكنه منها ويحصل اليأس برفع الإمام رأسه من ركوع الثانية هذا هو الصحيح المشهور وحكى إمام الحرمين وغيره وجها أنه يراعى تصور الإدراک فی حق كل واحد فإذا كان منزله بعيدا فانتهى الوقت الذى بحيث لو ذهب لم يدرک الجمعة حصل الفوات فی حقه.

(الضرب الثانی) من لا يرجو زوال عذره كالمرأة والزمن ففيه وجهان (أصحهما) وبه قطع الماوردی والدارمی والخراسانيون وهو ظاهر تعليل المصنف أنه يستحب لهم تعجيل الظهر فی أول الوقت محافظة على فضيلة أول الوقت.

(والثانی)يستحب تأخيرها حتى تفوت الجمعة كالضرب الأول لأنهم قد ينشطون للجمعة ولأن الجمعة صلاة الكاملين فاستحب كونها المتقدمة ولو قيل بالتفصيل لكان حسنا وهو أنه إن كان هذا الشخص جازما بأنه لا يحضر الجمعة وإن تمكن استحب تقديم الظهر وأن لو تمكن أو نشط حضرها استحب التأخير والله أعلم.

قال الشافعی والأصحاب ويستحب للمعذورين الجماعة فی ظهرهم.

وحكى والرافعی أنه لا يستحب لهم الجماعة لأن الجماعة المشروعة هذا الوقت الجمعة.

وبهذا قال الحسن بن صالح وأبو حنيفة والثوری.

والمذهب الأول كما لو كانوا فی غير البلد فإن الجماعة تستحب فی ظهرهم بالإجماع فعلى هذا قال الشافعی أستحب لهم إخفاء الجماعة لئلا يتهموا فی الدين وينسبون إلى ترک الجماعة تهاونا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’أسنى المطالب فى شرح روض الطالب‘‘ کا حوالہ

اورزکریابن محمدانصاری شافعی نے’’أسنى المطالب فى شرح روض الطالب‘‘میں فرمایا کہ:

’’معذورین کو جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، مستحب ہے، لیکن اگران کا عذر مخفی ہو، تو ان کو جماعت مخفی طریقے پر کرنا مستحب ہے، اوران کو جماعت کا اظہار کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر عذر ظاہر ہو، تو پھر اخفاء مستحب نہیں‘‘۔انتہٰی۔ [1]

’’المغنى لإبنِ قدامة‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی نے’’المغنى‘‘میں فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال جمهور الأصحاب هذا إذا كان عذرهم خفيا فإن كان ظاهرا لم يستحب الإخفاء لأنهم لا يتهمون حينئذ ومنهم من قال يستحب الإخفاء مطلقا عملا بظاهر نصه لأنه قد لا يفطن للعذر الظاهر وقد يتهم صاحبه مع العلم بعذره لاقتصاره على الظهر مع أنه مندوب إلى الجمعة وممن حكى هذا الوجه الرافعي وإذا كان العذر خفيا.

فعبارة الشافعي أحب إخفاء الجماعة كما حكاه المصنف وكذا اقتصر عليها كثيرون وقال المتولي يكره إخفاء الجماعة وفي كلام المصنف إشارة إليه بقوله إن كان عذرهم ظاهرا لم يكره إظهار الجماعة قال أصحابنا وإذا صلى المعذور الظهر ثم زال عذره وتمكن من الجمعة أجزأته ظهره ولا تلزمه الجمعة بالاتفاق إلا الصبي على قول ابن الحداد وهو ضعيف باتفاق الأصحاب كما ضعفه المصنف(المجموع شرح المهذب، ج۴،ص ۴۹۳ الٰی ۴۹۵، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

[1] (ويستحب لهم) أي للمعذورين (الجماعة) في ظهرهم لعموم أدلتها (ويخفونها) استحبابا (إن خفي عذرهم) لئلا يتهموا بالرغبة عن صلاة الإمام أو الجمعة قال المتولي وغيره ويكره لهم إظهارها قال الأذرعي :وهو ظاهر إذا أقاموها بالمساجد فإن كان العذر ظاهرا فلا يستحب الإخفاء لانتفاء التهمة (فإن صلوا الظهر لعذر أو شرعوا فيها فزال العذر قبل فوات الجمعة أجزأتهم) لأداء فرض وقتهم فلا تلزمهم الجمعة ولا حاجة لقوله لعذر؛ لأن ضمير صلوا للمعذورين(أسنى المطالب في شرح روض الطالب،لزكريا بن محمد بن زكريا الأنصاري،ج ۱،ص ۲۶۴،كتاب صلاة الجمعة، الباب الثاني فيمن تلزمه الجمعة ومن لا تلزمه)

’’جن لوگوں پر جمعہ واجب نہ ہو، جیسا کہ مسافر اور غلام اور عورت اور مریض، اور دوسرے تمام معذور لوگ، تو ان کو اکثر اہلِ علم حضرات کے قول کے مطابق، امام کی نمازِ جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

اور جس کا جمعہ فوت ہوگیا، یا جس پر جمعہ کی نماز فرض نہ ہو، تو اس کو ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ نہیں، جبکہ اس چیز سے حفاظت ہو کہ وہ امام کی مخالفت کی طرف منسوب کیا جائے، اور اس کے ساتھ نماز پڑھنے سے اعراض کی طرف نسبت کی جائے، یا امام یہ سمجھے کہ وہ اس کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں اعادہ کرنے کی رائے رکھتا ہے۔

ابنِ مسعود اور ابوذر اور حسن بن عبیداللہ اور ایاس بن معاویہ سے جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کا طرزِ عمل مروی ہے، اعمش اور امام شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

اور حسن اور ابوقلابہ اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک معذور کو شہر میں جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے‘‘۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] فصل :فأما من لا تجب عليه الجمعة، كالمسافر، والعبد، والمرأة، والمريض، وسائر المعذورين، فله أن يصلي الظهر قبل صلاة الإمام في قول أكثر أهل العلم .وقال أبو بكر عبد العزيز: لا تصح صلاته قبل الإمام؛ لأنه لا يتيقن بقاء العذر، فلم تصح صلاته كغير المعذور.

ولنا، أنه لم يخاطب بالجمعة، فصحت منه الظهر، كما لو كان بعيدا من موضع الجمعة .وقوله :لا يتيقن بقاء العذر .قلنا :أما المرأة فمعلوم بقاء عذرها، وأما غيرها فالظاهر بقاء عذره، والأصل استمراره، فأشبه المتيمم إذا صلى في أول الوقت، والمريض إذا صلى جالسا، إذا ثبت هذا، فإنه إن صلاها، ثم سعى إلى الجمعة، لم تبطل ظهره، وكانت الجمعة نفلا في حقه، سواء زال عذره أو لم يزل.

وقال أبو حنيفة :تبطل ظهره بالسعي إليها، كالتي قبلها .ولنا، ما روى أبو العالية، قال :سألت عبد الله بن الصامت، فقلت :نصلي يوم الجمعة خلف أمراء فيؤخرون الصلاة؟ فقال :سألت أبا ذر عن ذلك، فقال :سألت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -عن ذلك، فقال :صلوا الصلاة لوقتها، واجعلوا صلاتكم معهم نافلة. وفي لفظ :فإن أدركتها معهم فصل، فإنها لك نافلة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’التعلیق الکبیر للفراء الحنبلی‘‘ کا حوالہ

ابویعلیٰ فراء محمد بن حسین حنبلی (المتوفی:458ھ) نے ’’التعلیق الکبیر ‘‘میں بھی اس مسئلے پر کچھ مفصل کلام کیا ہے، اور معذورین کے لیے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت کے مکروہ نہ ہونے کو امام احمد بن حنبل کا قول قرار دیا ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور پھر امام احمد بن حنبل کے قول کے دلائل ذکر کیے ہیں، اور امام ابوحنیفہ کے قول کے دلائل کا جواب دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولأنها صلاة صحيحة أسقطت فرضه، وأبرأت ذمته، فأشبهت ما لو صلى الظهر منفردا، ثم سعى إلى الجماعة، والأفضل أن لا يصلوا إلا بعد صلاة الإمام؛ ليخرجوا من الخلاف، ولأنه يحتمل زوال أعذارهم، فيدركون الجمعة .

فصل :ولا يكره لمن فاتته الجمعة، أو لم يكن من أهل فرضها، أن يصلي الظهر في جماعة إذا أمن أن ينسب إلى مخالفة الإمام، والرغبة عن الصلاة معه، أو أنه يرى الإعادة إذا صلى معه .

فعل ذلك ابن مسعود، وأبو ذر، والحسن بن عبيد الله، وإياس بن معاوية، وهو قول الأعمش، والشافعي، وإسحاق.

وكرهه الحسن، وأبو قلابة، ومالك، وأبو حنيفة، لأن زمن النبي -صلى الله عليه وسلم -لم يخل من معذورين، فلم ينقل أنهم صلوا جماعة .ولنا قول النبي -صلى الله عليه وسلم :-صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بخمس وعشرين درجة وروى عن ابن مسعود أنه فاتته الجمعة، فصلى بعلقمة والأسود.

واحتج به أحمد، وفعله من ذكرنا من قبل ومطرف، وإبراهيم .قال أبو عبد الله :ما أعجب الناس ينكرون هذا، فأما زمن النبي -صلى الله عليه وسلم -فلم ينقل إلينا أنه اجتمع جماعة معذورون يحتاجون إلى إقامة الجماعة.

إذا ثبت هذا، فإنه لا يستحب إعادتها جماعة في مسجد النبي -صلى الله عليه وسلم -ولا في مسجد تكره إعادة الجماعة فيه.

وتكره أيضا في المسجد الذي أقيمت فيه الجمعة؛ لأنه يفضي إلى النسبة إلى الرغبة عن الجمعة، أو أنه لا يرى الصلاة خلف الإمام، أو يعيد الصلاة معه فيه، وفيه افتيات على الإمام، وربما أفضى إلى فتنة، أو لخوف ضرر به وبغيره، وإنما يصليها في منزله، أو موضع لا تحصل هذه المفسدة بصلاتها فيه(المغني لابن قدامة، ج٢،ص٢٥٥، ٢٥٦،كتاب صلاة الجمعة)

[1] وقد قال أحمد -رحمه الله -في رواية حنبل :في المسافرين إذا أدركهم يوم الجمعة، وحضرت صلاة الظهر :صلوا بأذان وإقامة، إنما هي ظهر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالکیہ کے نزدیک جن پر جمعہ کی نماز واجب نہ ہو، ان کو ظہر کی نماز، باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں، بلکہ مستحب ہے، مگر جن کا عذر کثیرُ الوقوع نہ ہو، ان کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا، بعض مالکیہ کی تصریح کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال فی رواية المروذى :فى القوم تفوتهم الجمعة، فإن كانوا ثلاثة أو أربعة، جمعوا، قد صلى عبد الله بعلقمة والأسود -رضى الله عنهم -، فقال له رجل :إنا جمعنا فى المسجد، فاجتمع الناس علينا، فتبسم، وقال :(... من العامة، ونحو هذا نقل حنبل، وقال فى رواية الأثرم :فيمن فاتتهم الجمعة إذا كانوا اثنين وثلاثة، جمعوا، فإذا كانوا أكثر من ذلك، فلا أعرفه، وبهذا قال الشافعى رضى الله عنه .-

وقال أبو حنيفة -رحمه الله :-يكره ذلك .

دليلنا :ما رُوى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال" :صلاة الجماعة تفضل على صلاة الفذ بخمسة وعشرين درجة، ولم يفرق.

ولأنه إجماع السلف -رحمهم الله -، فروى أحمد -رحمه الله

ذكره أبو بكر الخلال فى العلل قال :نا عبد الرحمن عن سفيان، عن الحسن بن عبيد الله قال: فاتتنى الجمعة أنا وزِرٌّ ، فصلينا فى جماعة، قال :فذكرت ذلك لإبراهيم، فقال :قد فعله ابن مسعود بعلقمة والأسود فى يوم جمعة .

وروى أيضًا أحمد -رحمه الله قال :نا زيد بن حُباب قال:

أخبرنى جميل بن عبيد الطائى قال :جئت إلى المسجد يوم الجمعة، فوجدت الناس قد صلوا، وجاء إياس -وهو يومئذ قاضى البصرة -قال :فصلى بنا فى الزاوية ، فتقدم، فصلَّى بنا فى جماعة .

وروى أيضًا أحمد -رحمه الله قال :نا عبد الرحمن عن أبى عوانة ، عن بعض أصحابه :أن سويد بن غفلة فاتته الجمعة، فصلى الظهر فى جماعة .

وروى أحمد عن عبد الرزاق عن سفيان :أنه كان ربما جمع الأعمش بعد الجمعة.

ولأنها صلاة، فاستحب فعلها فى جماعة؛ دليله :سائر الصلوات، وسائر الأيام.

فإن قيل :لما استحب إظهار الجماعة فى غير يوم الجمعة، لهذا استحب فعلها فيه، وليس كذلك فى يوم الجمعة؛ لأنه لا يستحب إظهارها فى المساجد، ولا تكثير الجمع فيها، وقد قال أحمد -رحمه الله -فى رواية الأثرم:إذا كانوا اثنين أو ثلاثة، جمّعوا، وإذا كانوا أكثر، فلا أعرفه.

قيل له :أما قولك :إنه لا يستحب إظهارها، فليس عن أحمد ما يمنع منه، وقد نقل المروذى عنه : أن رجلًا ذُكر له أنه جمع فى المسجد، واجتمع الناس، فلم ينكر عليه ذلك، ولا كرهه، وتبسم إلى ذلك .وقد نقل إسحاق بن إبراهيم بن هانئ ،قال :فاتت الجمعة لى ولأبى عبد الله ولرجل آخر، فدخل أبو عبد الله بعض المساجد، فصلى بنا، وقام وسطنا.

وهذا يدل على أنه ما كان يكره إظهارها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالکیہ کے نزدیک، جن لوگوں پر جمعہ واجب ہو، ان کو جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما قلة الجمع ، وعلى أنه لو كره إظهارها، وكثرة الجمع فيها، لم يضر؛ لأنه ربما اتهموا بالرغبة عن الصلاة خلف الإمام، فيعاقبهم الإمام إذا لم تكن أعذارهم ظاهرة، أما إذا كانت ظاهرة، فلا يكره ذلک، وعلى أن أبا حنيفة -رحمه الله :-يستحب الأذان والإقامة للظهر فی يوم الجمعة، ولا يستحب إظهاره ، ويجيز الفطر فی يوم الثلاثين من رمضان إذا رأى هلال شوال وحده، ويُسِرُّ به .

فإن قيل:إنما كرهنا إظهار الأذان والإقامة؛ لأنهما يظهران الجماعة، ولما كرهنا الجماعة، كرهنا الأذان.

قيل له :فكان يجب أن لا يستتر بالأذان؛ لأنه يستحب إظهاره، ولما قلت :إنه مستحب، وإن كان مستترًا به، كذلک الجماعة.

واحتج المخالف :بأن عصر النبی -صلى الله عليه وسلم -لم يخل من عبيد، ومرضى، ومن لا جمعة عليه، وفرضُه الظهر، ولم ينقل أنه -عليه السلام -أمرهم بالصلاة جماعة، ولم نقل أيضًا :إن أحدًا فعل ذلک.

والجواب :أن قوله -صلى الله عليه وسلم " :-صلاة الجماعة تفضل على صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة "يكفی فی البيان، وهذا كما قيل لأصحاب أبی حنيفة -رحمهم الله :-قد كانت بالمدينة مباقل ، ولو كان يجب فيها العُشر، لكان النبی -صلى الله عليه وسلم -يأخذه، ولو أخذه، لنقل، فقالوا :قوله -عليه السلام " :-فيما سقت السماء العُشر "يكفی فی بيان وجوبه، كذلک ها هنا، وعلى أنا قد روينا عن جماعة من السلف فعل ذلک.

واحتج :أنه لو جاز فعلُها فی جماعة، لما كُره إظهارها فی المساجد؛ كالظهر فی سائر الأيام، فلما لم يجز إظهارها فی المساجد؛ كالظهر فی سائر الأيام، لم يجز الإخفاء بها.

والجواب عنه :ما تقدم، والله أعلم(التعليق الكبير فی المسائل الخلافية بين الأئمة،للفراء محمد بن الحسين بن محمد بن خلف البغدادی الحنبلی، ج۳،ص۱۷۳ الیٰ ۱۷۹ ،کتاب الصلاة، مَسْأَلَة :لا يكره للعبد والمسافر والمريض أن يصلُّوا الظهر فی يوم الجمعة جماعة ، رقم المسئلة ۱۵۵)

[1] فاتتهم الجمعة صلوا أفذاذا ولا يجمعون الظهر، لأنهم أهل الجمعة، فإن صلوا جماعة ظهرا فبئس ما صنعوا ولا إعادة عليهم (التاج والاكليل لمختصر خليل ، ج۲ ص ۵۴۱، كتاب الصلاة، باب فی صلاة الجمعة)

مسألة قيل لأصبغ :ما تقول فی قرية يجمع فی مثلها الجمعة وحولها المنازل على مسيرة ميلين أو ثلاثة فاتتهم الجمعة، فكيف يصلون؟

قال :يصلون أفرادا ولا يجمعون الظهر لأنهم أهل الجمعة.

قلت :فإن صلوا جماعة ظهرا؟ قال :بئس ما صنعوا ولا أرى عليهم إعادة.

قلت :فإن كان ذلک فی المصر مثل الفسطاط وغيرها؟

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’الكافى فى فقه أهل المدينة‘‘ کا حوالہ

چنانچہ ’’الكافى فقه أهل المدينة‘‘ میں ہے کہ:

’’جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت نہیں پڑھی جائے گی، لیکن جن پر جمعہ واجب نہ ہو، اور اگر مریض اور قیدی، جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں‘‘۔ انتھیٰ۔ [1]

’’حاشية الصاوى‘‘ کا حوالہ

اور مالکیہ کی کتاب ’’حاشية الصاوى على الشرح الصغير‘‘ میں ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال :هو مثله يصلون أفذاذا، فإذا جمعوا الظهر فبئس ما صنعوا ولا أرى عليهم إعادة، ولا أحب ذلك لهم، فإن فعلوا فلا إعادة عليهم.

قال المؤلف :قوله فى الذين تجب عليهم الجمعة إنهم لا يجمعون إذا فاتتهم الجمعة ويصلون أفذاذا -هو المشهور فى المذهب.

وقوله :لا إعادة عليهم إن جمعوا -صحيح؛ لأن منعهم من الجمع ليس بالقوى، وذلك أنهم إذا منعوا من الجمع ليحافظوا على الجمعة؛ لأنهم إذا علموا أنه يفوتهم بفواتها فضل الجمعة والجماعة لم يتهاونوا بها.

وقيل :إنهم إنما منعوا من الجمع لئلا يكون ذلك ذريعة لأهل البدع، وهذه العلة أظهر، فإذا جمعوا وجب أن لا يعيدوا على كل واحدة من العلتين.

وقد روى عن مالك :أنهم يجمعون، وهو قول ابن نافع وأشهب فى المجموعة، فلم يراع على هذه الرواية واحدة من العلتين.

وكذلك من تخلف عن الجمعة لغير عذر غالب -المشهور أنهم لا يجمعون، إلا أنه اختلف إن جمعوا، فروى يحيى عن ابن القاسم فى رسم "أول عبد أشتريه "فهو حر من هذا الكتاب :أنهم يعيدون، وقال ابن القاسم فى المجموعة :إنهم لا يعيدون، وقاله أصبغ فى المتخلفين من غير عذر، وهو الأظهر، إذ قد قيل :إنهم يجمعون؛ لأنهم وإن كانوا تعدوا فى ترك الجمعة فلا يحرموا فضل الجماعة(البيان والتحصيل،لمحمد بن أحمد بن رشد القرطبى،ج ا،ص ۵۰۱،۵۰۲،كتاب الصلاة الثالث،مسألة :قرية يجمع فى مثلها الجمعة وحولها المنازل فاتتهم الجمعة)

[1] ولا يصلى الظهر جماعة يوم الجمعة إلا من لا تجب عليه وإن صلاها المرضى والمحبوسون جماعة فلا بأس(الكافى فى فقه أهل المدينة، ج ا،ص ۲۵۲، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

''جمعہ کے دن ایسے اہلِ اعذار کے لیے، جن کا عذر کثیرُ الوقوع نہ ہو، ان کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ (تنزیہی) ہے، اور جن کا عذر کثیرُ الوقوع ہو، ان کو باجماعت پڑھنا اولیٰ ہے، لیکن ان کو جمعہ کی نماز سے فراغت کا انتظار کرنا مستحب ہے، اور ان کو مخفی طریقے پر جماعت کرنا مستحب ہے، تاکہ وہ جمعہ سے اعراض کرنے کی تہمت سے محفوظ رہیں''۔ انتہیٰ۔ [1]

تاہم اس موقع پر بندہ کو اس چیز پر بھی تحفظات ہیں کہ موجودہ حالات میں جب بڑے مجامع سے منع کیا گیا ہے، اور جمعہ سے منع نہیں کیا گیا، اور تعدُّدِ جمعہ کے مفتیٰ بِہٖ ہونے اور اس کے نتیجہ میں اذنِ عام کے شرط نہ ہونے کی وجہ سے، جن لوگوں کو اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے جمعہ پر قدرت ہو، اور ان میں صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں، کیا ان کو جمعہ سے معذور قرار دیا جاسکتا ہے؟ بندہ کا رُجحان، ان کے معذور ہونے کی طرف نہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ مجتہدینِ عظام اور فقہائے کرام میں سے کسی کا مسلک بھی فی نفسہٖ منکر نہیں ہوتا۔

لہٰذا اگر کسی جگہ بارہ سے کم افراد تھے، بلکہ چالیس سے بھی کم افراد تھے، اور انہوں نے موجودہ حالات کے پیشِ نظر مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام میں سے کسی مسلک کے مطابق، یا معقول عذر، یا لاعلمی وغیرہ کی بناء پر جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز، باجماعت، یا بلاجماعت پڑھ

---

[1] تكره صلاة الظهر جماعة يوم الجمعة لغير أرباب الأعذار الكثيرة الوقوع، وأما عن أرباب الأعذار الكثيرة الوقوع فالأولى لهم الجمع، ويندب صبرهم إلى فراغ صلاة الجمعة، وإخفاء جماعتهم لئلا يتهموا بالرغبة عن الجمعة .

واحترزنا بكثرة الوقوع عن نادرة الوقوع كخوف بيعة الأمير الظالم فإنه يكره للخائف الجمع، وإذا جمعوا لم يعيدوا على الأظهر خلافا لمن قال بإعادتهم إذا جمعوا .وقد وقعت هذه المسألة بالإسكندرية فتخلف ابن وهب وابن القاسم عن الجمعة فلم يجمع ابن القاسم، ورأى أن ذلك نادر وجمع ابن وهب بالقوم وقاسها على المسافر، ثم قدما على مالك فسألاه؟ فقال :لا تجمعوا ولا يجمع إلا أهل السجن والمرض والمسافر(حاشية الصاوى، ج ١ ،ص ٥٠٨ ، باب الصلاة،فصل فى شروط الجمعة،تنبيه صلاة الظهر جماعة يوم الجمعة)

لی، تو اُن کی نماز کو بھی درست قرار دے دینا چاہیے۔

اس موقع پر ہم اہلِ علم حضرات کو ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ کو مبذول کرانا بھی ضروری سمجھتے ہیں، جس کی طرف آج بہت سے اہلِ علم حضرات کی توجہ نہیں، اور وہ وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں مختلف قسم کی طعن وتشنیع پر مشتمل یا غیر معتدل اور افراط وتفریط پر مبنی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

وہ اہم نکتہ یہ ہے کہ اجتہادی وفقہی اور فروعی مسائل میں مجتہدینِ عظام اور فقہائے کرام کا اختلاف، فی نفسہٖ رحمت ہے، جبکہ اس کو اپنے اصول وقواعد کے مطابق رکھا اور اختیار کیا جائے، اسی لیے جہاں مختلف حالات میں مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کے کسی ایک قول سے امت کی مشکلات حل ہوتی ہوں، وہاں اس کی گنجائش ہوتی ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اس قسم کے حالات میں لوگوں کی طرف سے مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کے مختلف معتبر اقوال میں سے کسی قول کے مطابق سرزَد ہونے والے عمل کے بطلان سے بھی حفاظت ہوتی ہے۔

اس مسئلہ پر بندہ نے اپنے بعض دوسرے مضامین میں سیر حاصل بحث کرنے کی کوشش کی ہے، اس وقت وہ تفصیل تو یہاں نقل کرنے کی گنجائش نہیں، البتہ حنفیہ کی ایک بلند پایہ شخصیت کی چند تصریحات نقل کرنا فائدہ سے خالی معلوم نہ ہوا۔

علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی کا حوالہ

امام شیخ عبد الغنی نابلسی دمشقی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: 1143ہجری) نے اپنی تالیف ''الحديقةُ الندية، شرح الطريقة المحمدية '' میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جن مسائل میں فقہائے کرام کا اختلاف ہو، وہ حقیقی بدعت شمار نہیں ہوتے، اور ان پر سختی ونکیر کرنا اور عوام الناس کی طرف سے فقہائے کرام میں سے کسی کے قول پر عمل ہونے کی صورت میں اس سے منع کرنا مناسب نہیں ہوتا، بلکہ عوام کا کوئی عمل، اتفاق سے فقہاء میں سے کسی کے قول کے مطابق، درست وجائز واقع ہوجائے، اس کی

بھی گنجائش موجود ہوتی ہے۔

چنانچہ شیخ موصوف، مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

وبعض صور العبادات الواردة فی الشرع بان یزاد فی صورتها او ینقص منها مع اعتقاد ان تلک الزیادة والنقصان طاعة بمجرد الرأی ، لتخرج من البدع هذه الزیادة والنقصان الواقعة فی العبادات علی حسب اختلاف المذاهب الاربعة الیوم کتثنیة الاقامة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، بالنظر الی مذهب الامام شافعی رحمه الله تعالیٰ وافرادها عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ بالنظر الی مذهب ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ، وصلاة الکسوف برکوعین وسجودین وفاتحتین فی کل رکعة عند الشافعی ، لا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ، فان هذا او ما اشبهه لیس ببدعة فی الدین، لانه ماخوذ من الادلة الشرعیة ، لا من مجرد الرأی (الحدیقة الندیة، شرح الطریقة المحمدیة، ج ا ،ص،۷ ۹ ،الفصل الثانی من الفصول الثلاثة من الباب الاول فی بیان اقسام البدع، مطبوعة: المکتبة الحقیقیة ، استانبول، ترکیا، 1994ء)

ترجمہ: اور بدعت یہ بھی ہے کہ عبادت کی بعض صورتیں، جو شریعت میں وارِد ہیں، ان کی صورتوں میں زیادتی کی جائے، یا ان میں کمی کی جائے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ زیادتی اور نقصان، طاعت ہے، محض رائے کی بنیاد پر، تا کہ بدعت کے مفہوم سے وہ زیادتی اور نقصان خارج ہوجائے، جو عبادات میں آج کے زمانے میں مذاہبِ اربعہ کے اختلاف کی بنیاد پر واقع ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اقامت کے کلمات کا دو دفعہ ہونا، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے

مذہب کے مقابلے میں، اور اقامت کے کلمات کا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکہرے ہونا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مقابلے میں، اور سورج گرہن کی نماز میں امام شافعی کے نزدیک، ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدوں، اور دو مرتبہ سورہ فاتحہ کا ہونا، نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، کیونکہ یہ، اوران جیسی چیزیں، دین میں بدعت شمار نہیں ہوتیں، کیونکہ یہ دلائلِ شرعیہ سے ماخوذ ہیں، محض رائے سے ماخوذ نہیں (الحديقة الندية)

امام شیخ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمہ اللہ، مذکورہ کتاب میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ومن هذا القبيل نهى الناس عن حضور مجالس الذكر بالجهر، وانشاد اشعار الصالحين، وان صرح فقهاء الحنفية بكراهة الجهر بالذكر، فان ائمة الشافعية كالنووى وغيره قائلون باستحباب ذالک ، ولاينبغى ان ينهى العوام عما تقول به ائمة المسلمين ، ولو كان العوام زاعمين انهم مقلدون لمذهب ابى حنيفة رحمه الله، وهم غير عالمين بفروع المذهب غير مجرد القول ، وقد ذكر الوالد رحمه الله تعالىٰ فى شرحه على شرح الدرر فى باب قضاء الفوائت فى مبحث الظن المعتبر، قال فى البحر شرح الكنز : والحق ان المجتهد لا كلام فيه اصلا ، وان ظنه معتبر مطلقا سواء كانت تلك الفائتة واجبة الاداء بالاجماع، او لا ، اذ لا يلزمه اجتهاد ابى حنفية ، ولا غيره ، وان كان مقلدا لابى حنيفة ، فلا عبرة برأية المخالف لمذهب امامه ، وان كان عاميا ليس له مذهب معين ، فمذهبه فتوى مفتيه كما صرحوا به ، ولاعبرة برأيه وان لم يستفت احدا ، وصادف الصحة على مجتهد اجزاه ، ولا

اعادة عليه كما بسطه ثمة اهـ.

ومن هذا القبيل :نهى العوام عن المصافحة، بعد صلاة الصبح، والعصر، فإن بعض المتأخرين من الحنفية، صرح بالكراهة فى ذلك، ادعاء بأنه بدعة، مع انه داخل فى عموم سنة المصافحة مطلقا، فلا يبقى إلا مجرد التخصيص بالوقتين المذكورين، فيقتضى ابتداع ذلك.

وصرح النووى فى كتابه -الأذكار -وغيره من الشافعية، بأنها فى هذين الوقتين بدعة مباحة. فلا ينبغى للواعظ، أو المدرس، ان ينهى العوام عما أفتى بجوازه بعض أئمة الإسلام، ولو كان فى مذهب الغير، خصوصا، والعوام لا مذهب لهم، والتقليد للمذاهب الأربعة جائز لكل أحد ،كما بسطناه فى رسالتنا"خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق" (الحديقة الندية، شرح الطريقة المحمدية، ج٢، ص٩٨، الخلق الثامن والأربعون، من الأخلاق الستين المذمومة"الفتنة" مطبوعة: المكتبة الحقيقية ، استانبول، تركيا، 1994ء)

ترجمہ: اور(لوگوں کومنع نہ کیے جانے والی صورتوں کے)اسی قبیل سے لوگوں کو ذکرِ جہری کی مجالس میں حاضر ہونے اور نیک لوگوں کے اشعار پڑھنے سے منع کرنا ہے(کہ اس سے بھی صرف جہر یا تداعی کی وجہ سے منع کرنا مناسب نہیں، جب تک کوئی اجماعی منکر لازم نہ آئے) اگرچہ فقہائے حنفیہ نے جہری ذکر (اور تداعی) کی کراہت کی تصریح فرمائی ہے، کیونکہ ائمۂ شافعیہ، جیسا کہ نووی وغیرہ، اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں، اور یہ بات مناسب نہیں کہ عوام کواُن افعال سے منع کیا جائے، جن کے ائمۂ مسلمین قائل ہیں، اگرچہ عوام اس بات کا گمان

کرتے ہوں کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مقلد ہیں، حالانکہ وہ مذہب کے فروع کو جانتے نہیں، سوائے قولِ محض کے۔ [1]

اور میرے والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے''شرحُ الدرر'' کی اپنی شرح میں''باب قضاء الفوائت'' کے ذیل میں ظنِ معتبر کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ''کنز'' کی شرح''البحر''میں یہ مذکور ہے کہ حق بات یہ ہے کہ مجتہد کے بارے میں تو قطعاً کوئی کلام نہیں، اور اس کا گمان مطلقاً معتبر ہے، خواہ وہ فوت شدہ نماز بالاجماع ، واجبُ الاداء ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس مجتہد کو امام ابوحنیفہ اور ان کے علاوہ کسی اور مجتہد کا اجتہاد لازم نہیں۔ [2]

اور اگر وہ امام ابوحنیفہ کا مقلد ہو، تو پھر اس کے امام کے مذہب کے مخالف کی رائے کا اعتبار نہیں (جبکہ وہ عامی شخص نہ ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے) اور اگر وہ عامی شخص ہو، تو اس کا کوئی مذہب متعین نہیں، پس اس کا مذہب، اس کے مفتی کا مذہب ہوتا ہے (خواہ اس نے حنفی مفتی سے فتویٰ لیا ہو، یا غیر حنفی مفتی سے) جیسا کہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے، اور اس کی اپنی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اور اگر اس نے کسی مفتی سے استفتاء نہیں کیا، اور پھر اس کا عمل کسی بھی مجتہد کے مطابق صحیح واقع ہو گیا، تو بھی اس کے لیے جائز ہے، اور اس پر (اس نماز وغیرہ کے عمل کا) اعادہ نہیں، جیسا کہ وہاں (یعنی البحر میں) تفصیل بیان کی گئی ہے، انتھیٰ۔

اور اسی قبیل سے عوام کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ سے منع کرنا ہے (کہ اس سے منع کرنا بھی مناسب نہیں) کیونکہ حنفیہ کے بعض متاخرین نے اس کی کراہت

---

[1] جس کی وجہ سے وہ عامی لوگوں میں داخل ہیں، جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، جیسا کہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے اور ہم نے اس قسم کی تصریحات، اپنے دوسرے مضامین وتالیفات میں ذکر کردی ہیں۔ محمد رضوان خان۔

[2] خواہ وہ کسی خاص متعلقہ مسئلہ یا متعلقہ مسائل میں جزوی مجتہد ہی، کیوں نہ ہو، جمہور اصولیین کے نزدیک اجتہاد متجزی ہونے کے قول کی رو سے۔ محمد رضوان خان۔

کی تصریح کی ہے، اس بات کا دعویٰ کرتے ہوئے کہ یہ بدعت ہے، حالانکہ یہ مطلق مصافحے کی سنت کے عموم میں داخل ہے، پس مذکورہ دو وقتوں کے ساتھ صرف تخصیص ہی باقی رہ گئی، جو اس عمل کے مبتدع ہونے کا تقاضا کرتی ہے (لیکن اس میں توسّع موجود ہے)

چنانچہ شافعیہ میں سے امام نووی نے اپنی ''کتابُ الاذکار'' وغیرہ میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ ان دو وقتوں میں مصافحہ کرنا ''بدعتِ مباحہ'' ہے۔

لہٰذا واعظ یا مدرس کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ عوام کو ایسی چیز سے منع کرے کہ جس کے جواز کا بعض ائمہ ٔ اسلام نے فتویٰ دیا ہے، اگرچہ وہ مذہبِ غیر میں ہی کیوں نہ ہو، خاص طور پر عوام کو، جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اور مذاہبِ اربعہ کی تقلید، ہر ایک کے لیے جائز ہے، جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے ''خلاصة التحقيق فی بيان حكم التقليد والتلفيق'' میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے (الحديقة الندية)

امام عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی دمشقی حنفی (المتوفی:1143ھ) ہی اپنے رسالہ ''خلاصة التحقيق فی بيان حكم التقليد والتلفيق'' میں فرماتے ہیں:

والحاصل :أن العلماء اختلفوا فی لزوم مذهب معين، وصحح كل أحد منهم ما ذهب إليه، وعدم اللزوم هو الراجح كما ذكرناه بعد أن لا يخرج عن المذاهب الأربعة، والله ولی التوفيق (خلاصة التحقيق فی بيان حكم التقليد، لعبدالغنی النابلسی، ص۸، مطلب : هل على الإنسان التزام مذهب معين أم لا؟)

ترجمہ: اور خلاصہ یہ ہے کہ علماء کا مذہبِ معین کے لزوم میں اختلاف ہے، اور ہر ایک نے اپنے اختیار کردہ قول کی تصحیح کی ہے، لیکن مذہبِ معین کا لازم نہ ہونا راجح

ہے،جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، بعد اس کے کہ مذاہبِ اربعہ سے خروج نہ کرے،

واللہ ولی التوفیق (خلاصۃ التحقیق)

موجودہ زمانے میں جب ہر طرف جمود اور تشدّد وتعصّب کا بازار گرم ہے، ممکن ہے کہ مذکورہ اقتباسات، اس فضاء میں سانس لینے والے، بعض اہلِ علم حضرات کے لئے وحشت کا باعث ہوں، لیکن ایک علمی وفقہی رائے ہونے کی حیثیت سے ملاحظہ کر لینا، بہرحال فائدہ سے خالی نہیں، اختلاف، یا اتفاق، ایک الگ اور جُدا معاملہ ہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو تفصیل ذکر کی گئی، اس کا بنیادی خلاصہ یہ نکلا کہ بحالاتِ موجودہ، جب ایک مخصوص وباء کی وجہ سے ملکِ پاکستان و ہندوستان وغیرہ کی حکومتِ وقت نے لوگوں کے ہجوم واجتماعات سے منع کیا ہوا ہے، اور اسی ضمن میں مساجد کے اندر بھی بڑے اجتماعات سے منع کر رکھا ہے، صرف چار، پانچ افراد تک جمع ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دے رکھا ہے، اور اکثر لوگوں کو اپنے گھروں یا متعلقہ مساکن ومقامات پر رہنے کا حکم دے رکھا ہے، جس کے مطابق، لوگ اپنے اپنے گھروں میں پنج وقتہ نمازیں ادا کرنے پر عمل پیرا ہیں۔

ان حالات میں جمعہ کے دن شہروں اور مخصوص بستیوں میں موجود لوگوں کے لیے جمعہ کی نماز کا مسئلہ زیرِ بحث ہے، جس کے متعلق حنفیہ کے عام ضابطہ وقاعدہ کے مطابق شہروں وغیرہ کے اندر موجود جن لوگوں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ صحیح اور واجب ہونے کی شرائط پائی جاتی ہیں، اور ان کو جمعہ ادا کرنے پر قدرت ہو، ان کے لیے جماعتِ ظہر تو در کنار، ظہر پڑھنا ہی سخت مکروہ ہے، اور ان کو جمعہ کے دن، جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا، مکروہ در مکروہ ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک کم از کم چار عاقل، بالغ، مرد افراد کو جمعہ کی نماز پڑھنا فی نفسہٖ جائز ہے۔

اس لیے اگر کم از کم چار عاقل، بالغ مرد افراد، جمعہ کی نماز قائم کریں، اور وہ خطبہ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھیں، تو ان کی نماز کو غیر درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

لیکن یہ حکم ایک محدود اور عارضی ومجبوری والے حالات سے متعلق ہے، اس کو عادتِ عام بنا لینا، اسلام کے معروف ومعتاد، اور متوارث طریقہ کے خلاف ہے۔

اور جہاں چار عاقل، بالغ، مرد افراد سے کم لوگ ہوں، ان کو اگر جمعہ کی نماز میں قانونی، یا کسی دوسری وجہ سے شرکت مشکل ہو، تو ان کو جمعہ کے دن اپنے مقام پر رہتے ہوئے ظہر کی نماز

پڑھ لینے میں کوئی گناہ نہیں، اور ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جماعت کے بغیر تنہا ظہر کی نماز پڑھیں، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ فقہائے کرام کے قول پر عمل کرنے کی وجہ سے جماعت کے ثواب سے محروم نہ ہوں گے۔

اور حنفیہ کے نزدیک ان کو جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا، مشہور قول کے مطابق مکروہ تحریمی، اور دوسرے قول کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے، جس کو راجح قرار دینا بھی بلادلیل نہیں ہے۔

البتہ غیر حنفیہ یعنی شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک جن پر جمعہ واجب نہ ہو، یعنی وہ جمعہ سے معذور ہوں، ان کو جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کرنا، نہ تو مکروہ تحریمی ہے، اور نہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، بلکہ بعض قیود کے ساتھ مستحب ہے۔

اگر کوئی جمعہ منعقد کرنے یا جمعہ میں شرکت سے معذور ہو، اور غیر حنفیہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے، اپنے گھر وغیرہ میں جمعہ کے دن باجماعت ظہر کی نماز ادا کرے، خواہ ایک عورت، یا سمجھدار بچے کو شامل کرکے ہی کیوں نہ ہو، تو غیر حنفیہ کے نزدیک اس میں کوئی کراہت یا گناہ لازم نہیں آتا۔

اور اگر کسی مصلحت سے شہر کی مساجد میں مخصوص ومحدود طریقے پر نمازِ جمعہ قائم کرنے کے علاوہ، شہروں میں موجود پانچ، یا دس افراد، جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں، تو غیر حنفیہ کے نزدیک، اس پر عمل کرلینے کی گنجائش ہوسکتی ہے، نیز حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی ایسا شخص جس پر جمعہ واجب ہو، جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھ لے، تو وہ اداء ہوجاتی ہے، البتہ کراہتِ تحریمی لازم آتی ہے، لیکن اگر کسی معتبر مفتی کے فتوے کی بنیاد پر، یا لاعلمی میں اس نے جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھ لی، تو جس طرح سے عنداللہ مفتی معذور، اور اپنے رُجحان کا مکلّف ہوتا ہے، اسی طرح اس کی اتباع کرنے والا بھی معذور ہوتا ہے، بصورتِ دیگر لاعلمی کی وجہ سے فی الجملہ قصوروار ہوتا ہے، لیکن اس کا عمل کسی معتبر مجتہد کے قول کے مطابق ادا ہونے سے درست قرار پاجاتا ہے، جیسا کہ علامہ عبدالغنی نابلسی کے حوالہ سے گزرا۔

اور اب ہم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے چند قیمتی اقتباسات کو نقل کر کے اپنے مضمون کا اختتام کرتے ہیں۔

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ائمہ مجتہدین جن کی شان اجتہاد علماءِ امت میں مسلم ہے، اگر کسی مسئلہ میں ان کے دو مختلف قول ہوں، تو ان میں سے کسی کو بھی منکر شرعی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس کی دونوں جانبیں معروف میں داخل ہیں، ایسے مسائل میں ایک رائے کو راجح سمجھنے والے کے لیے یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے پر ایسا انکار کرے، جیسا کہ گناہ پر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ وتابعین میں بہت سے اجتہادی اختلافات اور متضاد اقوال کے باوجود یہ کہیں منقول نہیں کہ وہ ایک دوسرے پر فاسق یا گنہگار ہونے کا فتویٰ لگاتے ہوں، بحث وتمحیص اور مناظرے ومکالمے سب کچھ ہوتے تھے، اور ہر ایک اپنی رائے کی ترجیح کی وجوہ بیان کرتا اور دوسرے پر اعتراض کرتا تھا، لیکن کوئی کسی کو اس اختلاف کی وجہ سے گناہ گار نہ سمجھتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلاف کے موقع پر یہ تو ہر ذی علم کو اختیار ہے کہ جس جانب کو راجح سمجھے اسے اختیار کرے، لیکن دوسرے کے فعل کو منکر سمجھ کر اس پر انکار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اس سے واضح ہوا کہ اجتہادی مسائل میں جنگ وجدل ، یا منافرت پھیلانے والے مقالات ومضامین امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں داخل نہیں، ان مسائل کو محاذِ جنگ بنانا، صرف ناواقفیت یا جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے (معارف القرآن، ج۳، ص۲۵۳و۲۵۴، سورہ مائدہ، ادارۃ المعارف، کراچی، اشاعت، اپریل ۱۹۹۲ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

میرے نزدیک اس جنگ وجدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہِ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار

دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے، جو اہلِ باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۱۱، مضمون ''وحدتِ امت'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جو اِن میں اختلافِ رائے پیش آیا ہے، اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو، باہمی اختلافِ مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۴۲، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

اور مفتی صاحب موصوف ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلافِ رائے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے، تو بلاشبہ رحمت ہی ہے، اس کا کوئی پہلو نہ مسلمانوں کے لیے مضر ثابت ہوا، اور نہ آج ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انہیں حدود کے اندر رہے، جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۴۳، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

فقط۔ وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ.

محمد رضوان خان 19/شعبان المعظم/1441ھ 13/اپریل/2020 بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(ضمیمہ)

گھروں وغیرہ میں نمازِ جمعہ کا آسان طریقہ

آخر میں عوام کے لیے گھروں وغیرہ میں جہاں منبر وغیرہ کی سہولت نہیں ہوتی، نہ ہی بحالاتِ موجودہ، باہر سے لوگوں کو بلانے اور دعوت دینے کی عام طور پر ضرورت، یا اجازت ہوتی، ان کے لیے ذیل میں نمازِ جمعہ کا مختصر اور سہل طریقہ لکھا جاتا ہے:

شہر کے جس علاقے یا مکان وغیرہ میں کم از کم چار عاقل، بالغ، مرد افراد موجود ہوں، خواہ باہم قریبی یا دور کے رشتہ دار ہوں، یا دوست احباب، محلّہ دار وغیرہ ہوں، وہ سب زوال سے پہلے صفائی، ستھرائی اور غسل یا وضو کر کے فارغ ہو جائیں۔

مریض و بیمار اور معذور افراد، سمجھ دار بچے اور خواتین بھی، جو پاکی کی حالت میں ہوں، اپنی حسبِ قدرت کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر، نمازِ جمعہ میں شریک ہو سکتے ہیں، اور اس کی وجہ سے ان کی ظہر کی نماز کا فریضہ بھی، ان شاء اللہ تعالیٰ ادا ہو جائے گا، اور ان کو بعد میں ظہر کی نماز پڑھنا ضروری نہیں رہے گا۔

نمازِ جمعہ زوال کے بعد جلدی پڑھنا بہتر ہے، کسی وجہ سے دیر ہو جائے، تو بھی گناہ نہیں، جب تک ظہر کی نماز کا وقت ختم نہ ہو، اس وقت تک جمعہ کی نماز کا اداء وقت باقی رہتا ہے، مگر ثواب کم ہو جاتا ہے۔

زوال ہونے کے بعد، یا جمعہ شروع کرنے سے پہلے، گھر وغیرہ میں، یا جس جگہ جمعہ کی نماز پڑھنی ہے، اس جگہ کچھ اونچی آواز میں پنج وقتہ نمازوں کی طرح جمعہ کی پہلی اذان دے دی جائے، اور جمعہ سے پہلے کی چار سنتیں ادا کر لی جائیں۔

جو افراد عاقل، بالغ، مقیم ہیں، وہ اذان کے بعد وہاں جمعہ کی تیاری کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ کریں۔

بحالتِ مذکورہ اس اذان کے بعد زیادہ وقفہ نہ دیا جائے، تو مناسب ہے، جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اذان کے بعد، جمعہ سے پہلے کی سنتیں پڑھ لی جائیں۔

سنتوں سے فراغت کے بعد، گھر کے جس عاقل، بالغ مرد نے جمعہ پڑھانا ہو، وہ اپنی آگے بچھی ہوئی، جائے نماز کے قریب، کسی کرسی، صوفے وغیرہ پر قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ جائے، ورنہ اپنی جائے نماز پر نیچے ہی بیٹھ جائے، اور اس کے سامنے، قبلہ رُو کھڑے ہو کر، کوئی عاقل، بالغ مرد، یا سمجھ دار بچہ، کچھ اونچی آواز میں اذان دے، اس صورت میں عورت اذان نہیں دے سکتی، نہ مرد کی امامت کرا سکتی۔

اذان کے بعد جمعہ کی نماز پڑھانے والا شخص کسی قدر اونچی چیز پر، ورنہ زمین پر بچھی ہوئی، جائے نماز پر قبلہ کی طرف پشت اور نمازیوں کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو جائے، باقی افراد قبلہ کی طرف رخ کر کے اپنی اپنی جائے نمازوں پر سکون واطمینان اور خاموشی سے بیٹھے رہیں، اور لایعنی وفضول باتوں اور حرکتوں سے پرہیز کریں۔

اور نماز پڑھانے والا شخص کھڑے کھڑے خطبہ کی نیت سے، سورہ فاتحہ، درود شریف، اور کوئی چھوٹی موٹی سورت پڑھے۔

اور پھر اسی طرح رخ کیے ہوئے ہونے کی حالت میں بیٹھ جائے۔

تین مرتبہ ''**سبحان ربی العظیم**'' کہنے کے برابر یا اس سے کم وبیش دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد دوبارہ پہلے کی طرح کھڑا ہو جائے۔

اور پھر اسی طرح سے دوسرا خطبہ پڑھے، جس طرح پہلا خطبہ پڑھا تھا۔

البتہ دوسرے خطبے کو، پہلے خطبے سے کچھ مختصر کرنے کے لیے دوسرے خطبے میں، پہلے خطبے سے کوئی چھوٹی سورت پڑھ لے، یا صرف سورہ فاتحہ اور درود شریف پر اکتفاء کرلے۔

اور خطبہ اس سے مختصر بھی پڑھا جا سکتا ہے، جیسا کہ آگے مسائل میں آتا ہے۔

دونوں خطبوں کے درمیان دعاء کی قبولیت کا وقت ہے، مگر دل میں زبان ہلائے اور ہاتھ اٹھائے بغیر دعاء، کرنا مناسب ہے۔

اور دوسرا خطبہ ختم ہونے کے بعد، امام اور سب مقتدی، جائے نماز پر قبلے کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوجائیں۔

اور پھر کوئی بالغ مرد یا سمجھ دار بچہ اقامت کہے۔

اقامت کے بعد امام صاحب دو رکعات، نمازِ جمعہ کی نیت سے، کچھ بلند آواز سے تکبیرِ تحریمہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہہ کر نماز شروع کریں، باقی نماز پڑھنے والے بھی اسی طرح کریں، مگر وہ تکبیر آہستہ آواز میں کہیں۔

اور امام اور مقتدی، سب ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کے بعد آہستہ آواز میں ''ثنا'' پڑھیں۔

اور ثناء کے بعد امام ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' اور اس کے بعد ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' آہستہ آواز میں پڑھے۔

اور پھر امام بلند آواز سے سورہ فاتحہ پڑھے۔

سورہ فاتحہ کے بعد امام اور مقتدی سب آہستہ آواز میں ''آمین'' کہیں۔

سورہ فاتحہ کے بعد امام آہستہ آواز میں ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' پڑھ کر کوئی سورت پڑھے۔

مقتدی خاموشی ویکسوئی سے امام کی قرائت سننے کی طرف متوجہ رہیں۔

پھر امام بلند آواز سے ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہہ کر رکوع میں جائے۔

رکوع سے ''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ'' کہتے ہوئے سر اٹھائے۔

مقتدی رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے، آہستہ آواز میں ''رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'' کہیں۔

پھر امام سجدے میں جانے اور سجدے سے اٹھنے کی تمام تکبیرات، بلند آواز سے کہہ کر پہلی رکعت مکمل کرے، اور تمام مقتدی خاموشی سے تکبیرات کہتے ہوئے امام کی اتباع و پیروی کرتے رہیں۔

پہلی رکعت مکمل کرنے کے بعد، دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی جائے۔

اور دوسری رکعت میں تشہد اور التحیات وغیرہ، سے فارغ ہوکر، امام دونوں طرف بلند آواز سے سلام پھیرے، اور اس کے ساتھ مقتدی آہستہ آواز میں سلام پھیریں۔

نماز سے فارغ ہوکر حسبِ موقع دعاء کرلیں، تو اچھا ہے، لیکن ضروری نہیں۔

نماز، دراصل سلام پھیرنے پر ختم ہوجاتی ہے، اور اس کے بعد دعاء یا اجتماعی دعاء ضروری نہیں ہوتی۔

لیجیے! الحمد للہ تعالیٰ آپ کے جمعہ کا فریضہ ادا ہوگیا، اب جمعہ کے بعد کی سنتیں ادا کرلیجیے، اور اس کے بعد اپنے دوسرے معمولات میں مشغول ہوجایئے۔

یہ ضرور یاد رکھیے کہ اگر عورتیں، یا سمجھ دار لڑکیاں بھی نماز با جماعت میں شرکت کریں، خواہ ایک ہو، یا زیادہ ہوں، تو ان کو مرد حضرات سے پیچھے الگ صف میں کھڑا ہونا چاہیے۔

نمازِ جمعہ سے پہلے حاضرین کو جمعہ کی نماز کا طریقہ بتلا دیا جائے، تو مناسب ہے، دوسری دین کی باتیں، بتلانا چاہیں، تو اور بھی بہتر اور خیر و برکت کا ذریعہ ہے، جبکہ خود نمازِ جمعہ بھی نہایت باعثِ برکت عمل ہے۔

جمعہ اور اس کے خطبہ سے متعلق چند مسائل

آخر میں تتمیماً للفائدہ ہماری تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' سے چند مسائل نقل کیے جاتے ہیں۔

مسئلہ......: جس شخص پر جمعہ کی نماز پڑھنا واجب ہو، اور اسے جمعہ کی نماز پڑھنے سے کوئی عذر نہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اسے جمعہ کے دن، جمعہ کی نماز سے پہلے اپنے گھر وغیرہ میں ظہر کی نماز پڑھنا معتبر مگر گناہ ہے۔

جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ صورت میں ایسے شخص کی ظہر کی نماز کا فریضہ صحیح اور معتبر نہیں ہوتا۔

پھر اگر ایسا شخص ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ کی نماز کے لئے جانے لگے، اور ابھی جمعہ کی نماز ختم نہیں ہوئی، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی ظہر کی نماز کے فرض ہونے کی حیثیت ختم ہو کر وہ نماز نفل بن جاتی ہے۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جب تک امام کے ساتھ جمعہ میں شریک نہ ہو، اس وقت تک اس کی ظہر کے فرض ہونے کی حیثیت برقرار رہتی ہے، اور جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کے بعد اس کی یہی جمعہ کی نماز فرض بن کر ادا ہو جاتی ہے۔ [1]

---

[1] ثانیا۔ صلاة الظهر فی المنزل یوم الجمعة بغیر عذر :قال الحنفیة : من صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة، قبل صلاة الإمام،ولاعذر له، حرم ذلک، وجازت صلاته جوازا موقوفا :فإن بدا له، ولو بمعذرة علی المذهب أن یحضر الجمعة، فتوجه إلیها، والإمام إلیها، والإمام فیها، ولم تقم بعد، بطلت صلاة الظهر، وصارت نفلا عند أبی حنیفة بالسعی، وإن لم یدرکها؛ لأن السعی إلی الجمعة من خصائص الجمعة، فینزل منزلتها فی حق ارتفاض الظهر احتیاطا، بخلاف ما بعد الفراغ منها؛ لأنه لیس یسعی إلیها.

وقال الصاحبان :لا تبطل حتی یدخل مع الإمام؛ لأن السعی دون الظهر، فلا ینقضه بعد تمامه، والجمعة فوق الظهر، فینقضها، وصار کما لو توجه إلی الجمعة بعد فراغ الإمام.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ......: جس شخص پر جمعہ کی نماز واجب نہ ہو، جیسا کہ مسافر، یا عورت یا مریض، تو اس کو جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

پھر اگر ایسا شخص ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے چل پڑے، تو حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی ظہر کی نماز باطل نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اگر وہ جمعہ کی نماز پڑھے، تو وہ جمعہ کی نماز اس کے حق میں نفل شمار ہوتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی ظہر کی نماز باطل ہوجاتی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

مسئلہ......: جس شخص کو جمعہ کی نماز پڑھنے سے عذر ہو، اور اسے جمعہ کی نماز ختم ہونے سے پہلے عذر زائل ہونے کی امید ہو، تو اسے ظہر کی نماز کو اس وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واتفق أبو حنيفة وصاحباه على أن السعي إذا كان بعدما فرغ الإمام من الجمعة، لم يبطل ظهره اتفاقا.

وقال الجمهور (المالكية والشافعية فى الجديد والحنابلة) : لا تصح للمرء صلاته الظهر قبل أن يصلى الإمام الجمعة، ويلزمه السعي إلى الجمعة إن ظن أنه يدركها؛ لأنها المفروضة عليه، فإن أدركها معه صلاها، وإن فاتته فعليه صلاة الظهر، وإن ظن أنه لا يدركها، انتظر حتى يتيقن أن الإمام قد صلى، ثم يصلى الظهر، والخلاصة :إنه إن صلى الظهر قبل الجمعة لا تصح وتجب عليه الجمعة، فإن كان بعد صلاة الجمعة أجزأه مع عصيانه.

ودليلهم :أنه صلى ما لم يخاطب به، وترك ما خوطب به، فلم تصح، كما لو صلى العصر مكان الظهر، ولا نزاع فى أنه مخاطب بالجمعة، فسقطت عنه الظهر، كما لو كان بعيدا، ولا خلاف فى أنه يأثم بتركه، وترك السعي إليها(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۲ص ۱۳۳۲،۱۳۳۳، الباب الثاني ، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب التاسع)

[1] قال أكثر أهل العلم :من لا تجب عليه الجمعة كالمسافر والعبد والمرأة والمريض المزمن وسائر المعذورين، له أن يصلى الظهر قبل صلاة الإمام فى الجمعة؛ لأنه لم يخاطب بالجمعة، فصحت منه الظهر، كما لو كان بعيدا من موضع الجمعة .فإن صلاها، ثم سعى إلى الجمعة، لم تبطل ظهره عند الجمهور، وكانت الجمعة نفلا فى حقه، سواء زال عذره، أو لم يزل .وقال أبو حنيفة كما قال فى الحالة الأولى :تبطل ظهره بالسعي إليها(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۲ص ۱۳۳۵، الباب الثاني ، الفصل العاشر، المبحث الثاني، المطلب التاسع)

جب تک کہ جمعہ کی نماز باجماعت پڑھنے کی امید ہو۔ [1]

مسئلہ......: اگر کوئی نمازِ جمعہ سے معذور ہو، اور وہ ظہر کی نماز پڑھ لے، پھر نمازِ جمعہ ہونے سے پہلے اس کا عذر زائل ہوجائے، مثلاً مریض کو صحت حاصل ہوجائے یا مسافر مقیم ہوجائے، تو اسے اگر جمعہ کی نماز پڑھنا ممکن ہو، تو اس کو بعض حضرات کے نزدیک نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم ہے، اور اگر وہ نمازِ جمعہ پڑھ لے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی یہی جمعہ کی نماز فرض واقع ہوتی ہے، اور ظہر کی نماز نفل بن جاتی ہے۔ [2]

مسئلہ......: جو لوگ جمعہ کی نماز سے معذور ہوں، اور ان پر جمعہ کی نماز کا پڑھنا واجب نہ ہو مثلاً مریض ہوں، تو انہیں جمعہ قائم ہونے والے مقام، مثلاً شہر اور قصبہ اور بڑے گاؤں میں جمعہ کی نماز سے پہلے اور جمعہ کی نماز کے بعد بہرحال ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی شمار ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] واتفق الجمهور مع الحنفية على أنه يستحب لمن يرجو زوال عذره أن يؤخر الظهر إلى اليأس عن إدراک الجمعة؛ لأنه قد يزول عذره(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحیلی، ج۲ص۱۳۳۵، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثانی، المطلب التاسع)

[2] فإن زال عذره بعد الفراغ من الظهر كأن قدم من السفر، أو شفي من المرض، أو انفک من وثاقه، أعاد الجمعة إن أدركها .كذلک الصبي يعيد الجمعة إذا بلغ بعد أن صلى الظهر(الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحیلی، ج۲ص۱۳۳۵، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثانی، المطلب التاسع)

قلت:أرأيت مسافرا صلى الظهر في السفر ركعتين، ثم قدم المصر، فأتى الجمعة فصلى مع الإمام الجمعة، أيتهاالفريضة؟ قال: الجمعة هي الفريضة، أستحسن ذلک وأدع القياس(الاصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، ج۱ص۳۰۷، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[3] حنفیہ کا مشہور قول یہی ہے، جبکہ ایک قول تنزیہی ہونے کا بھی ہے۔

ثالثا ـ صلاة الظهر جماعة من أصحاب الأعذار :قال الحنفية :يكره تحريما أن يصلي المعذورون من مسافر ومسجون ومريض وغيرهم الظهر بجماعة يوم الجمعة في موطن إقامة الجمعة (في المصر) قبل الجمعة وبعدها؛ لما فيه من الإخلال بالجمعة، إذ هي جامعة للجماعات، وربما يتطرق غير المعذور إلى الاقتداء بهم، ولما فيه من صورة معارضة الجمعة بإقامة غيرها .أما أهل القرى ممن لا جمعة عليهم فلهم صلاة الظهر بجماعة، ويكره أيضا لمن فاتتهم الجمعة من أهل المصر صلاة الظهر جماعة، وإنما يصلونها فرادى بغير جماعة ولا أذان ولا إقامة، ويستحب للمريض تأخير الظهر إلى فراغ الإمام، وكره إن لم يؤخر على الصحيح.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ......: اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جمعہ کی پہلی اذان سنت یا مستحب ہے، بدعت نہیں۔ البتہ امام شافعی کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے عام حالات میں یعنی جب ضرورت نہ ہو، جمعہ کی اُس ایک اذان کو ہی مستحب قرار دیا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خطبہ شروع ہونے کے وقت منبر کے سامنے ہوا کرتی تھی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الجمهور غير الحنفية : يجوز لمن فاتتهم الجمعة لعذر أو لمن لا تجب عليه الجمعة أن يصلوها ظهرا فى جماعة، تحصيلا لثواب الجماعة المذكور فى الحديث :صلاة الجماعة تفضل صلاة الفرد بخمس وعشرين درجة وروى عن ابن مسعود أنه فاتته الجمعة، فصلى بعلقمة والأسود.

لكن قال المالكية :تكره صلاة الظهر جماعة يوم الجمعة لغير أرباب الأعذار الكثيرة الوقوع، والأولى الجماعة لأرباب الأعذار الكثيرة الوقوع.

ورأى الحنابلة أنه :لا يستحب إعادتها جماعة فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم، ولا فى مسجد تكره إعادة الجماعة فيه، وتكره أيضا فى المسجد الذى أقيمت فيه الجمعة؛ لأنه يؤدى إلى التهمة كالرغبة عن الجمعة، أو أنه لا يرى الصلاة خلف الإمام، أو يعيد الصلاة معه فيه، وربما أفضى إلى فتنة أو لحوق ضرر به وبغيره، وإنما يصليها فى منزله أو فى موضع لاتحصل هذه المفسدة بصلاتها فيه(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲ص ۱۳۳۴،۱۳۳۵، الباب الثانى ، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب التاسع)

[1] وأما الجمعة فمثل باقى الصلوات لا يجوز الأذان لها قبل دخول الوقت، وللجمعة أذانان، أولهما عند دخول الوقت، وهو الذى يؤتى به من خارج المسجد -على المئذنة ونحوها -وقد أمر به سيدنا عثمان رضى الله عنه حين كثر الناس.

والثانى وهو الذى يؤتى به إذا صعد الإمام على المنبر، ويكون داخل المسجد بين يدى الخطيب، وهذا هو الذى كان فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم وعهد أبى بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثانى.

وكلا الأذانين مشروع إلا ما روى عن الشافعى من أنه استحب أن يكون للجمعة أذان واحد عند المنبر. هذا وقد اختلف الفقهاء فيما يتعلق بأذانى الجمعة من أحكام وأيهما المعتبر فى تحريم البيع (ر :بيع، وصلاة الجمعة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۳۶۳، ۳۶۴، مادة " اذان")

(قوله :ثم يؤذن لها ثانيا)أى على جهة السنية، وحاصل ما ذكر أن الأذان الأول مستحب، والثانى سنة.

قال عج :والذى ينبغى أن يقال إن كل واحد من الأذانين سنة كما فى أذانى الجمعة، وينبغى أن يكون الثانى آكد من الأول(حاشية العدوى على كفاية الطالب الربانى لابى الحسن العدوى المالكى ،ج ۱ ص ۲۵۵، كتاب الصلاة ، باب الاذان والاقامة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ امام شافعی کے نزدیک اگر لوگوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے دوسری اذان دی جائے، تو کوئی حرج بھی نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله (ثم يجلس إلى فراغ الأذان) الصحيح من المذهب :أن الأذان الأول مستحب، وقال ابن أبى موسى :الأذان المحرم للبيع واجب .ذكره بعضهم رواية، وقال بعض الأصحاب :يسقط الفرض يوم الجمعة بأول أذان، وقال ابن البنا فى العقود :يباح الأذان الأول، ولا يستحب، وقال المصنف : ومن سنن الخطبة :الأذان لها إذا جلس الإمام على المنبر.

قال فى مجمع البحرين :إن أراد :مشروع، من حيث الجملة، أو فى هذا الموضع .فلا كلام، وإن أراد به :سنة يجوز تركه فليس كذلك بغير خلاف ثم قال :قلت :فإن صليناها قبل الزوال، فلم أجد لأصحابنا فى الأذان الأول كلاما فيحتمل أن لا يشرع، ويحتمل أن يشرع كالثانى .انتهى.

وأما وجوب السعى إليها :فيأتى حكمه والخلاف فيه عند قوله ويبكر إليها ماشيا (الانصاف للمرداوى الحنبلى، ج۲ص ۳۹۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

أخبرنا الشافعى فى القديم قال :أخبرنا بعض أصحابنا، عن (ابن) أبى ذئب، عن الزهرى فذكر بمعناه وقال فى آخره :ثم أحدث عثمان الأذان الأول على الزوراء .

قال الشافعى :وأيهما كان -يعنى ما أحدثه عثمان أو معاوية -فالأمر الذى كان على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أحب(الشافى فى شرح مسند الشافعى لابن اثير الجزرى، ج۲ص۱۸۸، كتاب الصلاة، الباب الرابع، الفرع السادس فى وقت الجمعة والاذان)

[1] وقال الشافعى -فيما حكاه ابن عبد البر :-أحب إلى أن يكون الأذان يوم الجمعة حين يجلس الإمام على المنبر بين يديه، فإذا قعد أخذ المؤذن فى الأذان، فإذا فرغ قام فخطب، قال :وكان عطاءٍ ينكر أن يكون عثمان أحدث الأذان الثانى، وقال :إنما أحدثه معاوية.

قال الشافعى :وأيهما كان، فالأذان الذى كان على عهد النبى -صلى الله عليه وسلم -، وهو الذى ينهى الناس عنده عن البيع.

ولأصحابه فى أذان الجمعة -على قولهم :الأذان سنة -وجهان:

أحدهما :أنه سنة -أيضاً.

والثانى :أنه للجمعة خاصة فرض كفاية .فعلى هذا :هل تسقط الكفاية بالأذان الأول، أو لا تسقط الا بالاذان بين يدى الإمام؟ على وجهين -أيضاً.

ومن أصحابنا من قال :يسقط الفرض بالأذان الأول، وفيه نظر .والله أعلم.

وقال القاضى أبو يعلى :المستحب أن لا يؤذن الا أذان واحد، وهو بعد جلوس الإمام على المنبر، فإن أذن لها بعد الزوال وقبل جلوس الإمام جاز، ولم يكره.

ثم ذكر حديث السائب بن يزيد هذا.

ونقل حرب، عن إسحاق بن راهويه :أن الأذان الأول للجمعة محدث،احدثه عثمان، رأى أنه لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ......: امام کے منبر یا کُرسی پر جا کر بیٹھ جانے کے بعد اس کے سامنے مؤذن کو کھڑے ہو کر جمعہ کی دوسری اذان دینا سنت ہے۔ [1]

مسئلہ......: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خطبہ کا رکن، تحمید (یعنی الحمدللہ) یا تہلیل (یعنی لاالٰہ الا اللہ) یا تسبیح (یعنی سبحان اللہ) کہہ دینا ہے، لہٰذا اگر کوئی ان میں سے کسی لفظ پر بھی اکتفاء کر لے، تو اس کے خطبہ کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے، لیکن بلاعذر ایسا کرنا مکروہ کہلاتا ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک خطبہ میں اتنا طویل ذکر شرط ہے، جس کو خطبہ قرار دیا جاسکے، اور ان حضرات کے نزدیک اس کی ادنیٰ مقدار نماز میں پڑھے جانے والے تشہد (یعنی پوری التحیّات) کے برابر ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یسمعه إلا أن یزید فی المؤذنین، لیعلم الأبعدین ذلک، فصار سنة :لأن علی الخلفاء النظر فی مثل ذلک للناس.

وهذا یفهم منه أن ذلک راجع إلی رأی الإمام، فإن احتاج الیه لکثرة الناس فعله، وإلا فلا حاجة إلیه (فتح الباری لابنِ رجب، ج۸ص ۲۲۰، ۲۲۱، کتاب الجمعة، باب الاذان یوم الجمعة)

[1] الأذان بین یدی الخطیب، إذا جلس علی المنبر .وهذا الأذان هو الذی کان علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۹، ص ۱۸۱، مادة "خطبة")

[2] أرکانها :اختلف الفقهاء فی أرکان خطبة الجمعة:

فذهب أبو حنیفة إلی أن رکن الخطبة تحمیدة أو تهلیلة أو تسبیحة، لأن المأمور به فی قوله تعالی: (فاسعوا إلی ذکر الله) مطلق الذکر الشامل للقلیل والکثیر، والمأثور عنه صلی الله علیه وسلم لا یکون بیانا لعدم الإجمال فی لفظ الذکر.

وقال الصاحبان :لا بد من ذکر طویل یسمی خطبة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۹، ص ۱۷۷، مادة "خطبة")

ولو اقتصر الخطیب علی ذکر الله تعالی کتحمیدة أو تهلیلة أو تسبیحة، فقال :الحمد لله، أو سبحان الله، أو لا إله إلا الله، جاز عند أبی حنیفة مع الکراهة، لقوله تعالی :(فاسعَوْا إلی ذکر الله) والمراد به الخطبة باتفاق المفسرین، وقد أطلق علیها الذکر، من غیر فصل بین قلیل وکثیر، فالزیادة علیها نسخ، وروی أن عثمان رضی الله عنه :لما صعد المنبر أول جمعة ولّی، قال :الحمد لله، فأرتج (أی أغلق)، فنزل، وصلی وکان بمحضر من علماء الصحابة، ولم ینکر علیه أحد، فدل علی أن هذا المقدار کاف.

وقال الصاحبان :لا بد من ذِکر طویل یسمی خطبة، وأقله قدر التشهد؛ لأن الخطبة هی الواجبة، والتسبیحة أو التحمیدة لا تسمی خطبة (الفقه الاسلامی وادلتهٔ للزحیلی، ج۲ص ۱۳۰۴، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثانی، المطلب الخامس)

اور مالکیہ کا فرمانا یہ ہے کہ عرب کے نزدیک جس مقدار کو خطبہ قرار دیا جاسکے، اتنی مقدار میں خطبہ کا پڑھنا رکن اور فرض ہونے میں داخل ہے۔ [1]

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خطبہ میں اللہ کی حمد اور درود شریف اور کسی آیت کی قرائت وغیرہ کا ہونا رکن اور فرض ہونے میں داخل ہے۔ [2]

مسئلہ......: حنفیہ اور بعض دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے، فرض یا واجب نہیں۔

---

[1] أما المالكية فيرون أن ركنها هو أقل ما يسمى خطبة عند العرب ولو سجعتين، نحو :اتقوا الله فيما أمر، وانتهوا عما عنه نهى وزجر.
فإن سبح أو هلل أو كبر لم يجزه.
وجزم ابن العربى أن أقلها حمد الله والصلاة على نبيه صلى الله عليه وسلم وتحذير، وتبشير، ويقرأ شيئا من القرآن(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۱۷۷، مادة "خطبة")

[2] وذهب الشافعية إلى أن لها خمسة أركان وهى:
أ -حمد الله، ويتعين لفظ (الله) ولفظ (الحمد).
ب -الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ويتعين صيغة صلاة، وذكر النبى صلى الله عليه وسلم باسمه أو بصفته، فلا يكفى صلى الله عليه.
ج -الوصية بالتقوى، ولا يتعين لفظها.
د -الدعاء للمؤمنين فى الخطبة الثانية.
هـ -قراءة آية مفهمة -ولو فى إحداهما -فلا يكتفى بنحو "ثم نظر"، لعدم استقلالها بالإفهام، ولا بمنسوخ التلاوة، ويسن جعلها فى الخطبة الأولى.
واستدلوا على هذه الأركان بفعل النبى صلى الله عليه وسلم.
أما أركانها عند الحنابلة فأربعة، وهى :
أ -حمد الله تعالى بلفظ الحمد.
ب -الصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم بصيغة الصلاة.
ح -الموعظة، وهى القصد من الخطبة، فلا يجوز الإخلال بها.
د -قراءة آية كاملة وزاد بعضهم ركنين آخرين :
أ -الموالاة بين الخطبتين، وبينهما وبين الصلاة.
فلا يفصل بين أجزاء الخطبتين، ولا بين إحداهما وبين الأخرى، ولا بين الخطبتين وبين الصلاة.
ب -الجهر بحيث يسمع العدد المعتبر للجمعة، حيث لا مانع.
وعدهما الآخرون فى الشروط -وهو الأليق -كما يعرف من الفرق بين الركن والشرط فى علم أصول الفقه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۹، ص ۱۷۷، ۱۷۸، مادة "خطبة")

البتہ شافعیہ کے نزدیک دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا خطبہ صحیح ہونے کے لئے شرط اور ضروری ہے۔ [1]

اور فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا دورانیہ مختصر ہونا چاہئے، جس کی مقدار بعض حضرات کے نزدیک تین آیات، اور بعض کے نزدیک سورہ اخلاص کے بقدر، اور بعض کے نزدیک دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ کی مقدار ہے۔ [2]

مسئلہ......: دونوں خطبوں کا مختصر ہونا اور دوسرے خطبہ کا پہلے خطبہ سے بھی مختصر ہونا سنت ومستحب ہے۔ [3]

---

[1] الجلوس بين الخطبتين مطمئنا فيه، للاتباع.
وهو سنة عند الجمهور .وشرط عند الشافعية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص ۱۸۳، مادة "خطبة")
ذهب الحنفية، وجمهور المالكية، والحنابلة في الصحيح من المذهب إلى أن الجلوس بين خطبتي الجمعة، والعيدين سنة، لما روى عن أبي إسحاق قال :رأيت عليا يخطب على المنبر فلم يجلس حتى فرغ.
ويرى الشافعية وهو رواية عن أحمد أن الجلوس بينهما بطمأنينة شرط من شروط الخطبة، لخبر الصحيحين أنه صلى الله عليه وسلم كان يخطب يوم الجمعة خطبتين يجلس بينهما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص ۲۶۹،۲۷۰، مادة "جلوس")

[2] ولا خلاف بين الفقهاء أن صفة هذه الجلسة أن تكون خفيفة، وأما مقدارها فقد قيل :مقدار قراءة ثلاث آيات، وقال جماعة من الفقهاء :بقدر سورة الإخلاص، وقيل :مقدار الجلسة بين السجدتين لأنه فصل بين مشتبهتين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص ۲۷۰، مادة "جلوس")

[3] تقصير الخطبتين، وكون الثانية أقصر من الأولى ، لقوله صلى الله عليه وسلم :إن طول صلاة الرجل، وقصر خطبته مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلاة، واقصروا الخطبة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص ۱۸۲، مادة "خطبة")
تقصير الخطبتين، وكون الثانية أقصر من الأولى :سنة عند الجمهور، مندوب عند المالكية، لما روى مسلم عن عمار مرفوعاً :إن طول صلاة الرجل، وقصر خطبته مئنة فقهه، فأطيلوا الصلاة، وقصروا الخطبة .
ويسن أيضاً كون الخطبة بليغة مفهومة بلا تمطيط كالأذان، وأن يتعظ الخطيب بما يعظ به الناس، ليحصل الانتفاع بوعظه، ولقوله تعالى:"يا أيها الذين آمنوا لِمَ تقولون ما لا تفعلون، كبُر مقتاً عند الله أن تقولوا ما لا تفعلون " (الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۲ص ۱۳۱۴، الباب الثاني ، الفصل العاشر، المبحث الثاني، المطلب السادس)

مسئلہ......: خطبہ صحیح ہونے کے لئے خطبہ کے وقت اتنے لوگوں کا حاضر ہونا شرط ہے کہ ان کی وجہ سے جمعہ صحیح ہو جاتا ہو، جن کی تعداد حنفیہ کے راجح قول کے مطابق امام کے علاوہ کم از کم تین ایسے افراد کا ہونا ہے، جو امامت کی اہلیت رکھتے ہوں، یعنی عاقل، بالغ اور مرد، البتہ مقیم ہونا ضروری نہیں۔ [1]

جبکہ مالکیہ کے نزدیک جمعہ کے خطبہ میں بارہ اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک چالیس ایسے افراد

---

[1] حنفیہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین افراد کی موجودگی کا قول مشہور اور دلیل کے اعتبار سے راجح ہے، اور حنفیہ کے ایک قول کے مطابق امام کے علاوہ صرف ایک شخص کا موجود ہونا کافی ہے۔

حضور جماعة تنعقد بهم .

واختلفوا فى العدد الذى تصح بهم، فذهب الحنفية إلى أنه يكفى حضور واحد من أهلها سوى الإمام -على الصحيح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩، ص ١٧٩، مادة "خطبة")

وأقل الجماعة عند أبى حنيفة ومحمد فى الأصح :ثلاثة رجال سوى الإمام، ولو كانوا مسافرين أو مرضى؛ لأن أقل الجمع الصحيح إنما هو الثلاث، والجماعة شرط مستقل فى الجمعة، لقوله تعالى :(فاسعوا إلى ذكر الله) والجمعة مشتقة من الجماعة، ولا بد لهم من مذكر وهو الخطيب .فإن تركوا الإمام أو نفروا بعد التحريمة قبل السجود، فسدت الجمعة، وصليت الظهر .وإن عادوا وأدركوا الإمام راكعاً، أو بقى ثلاثة رجال يصلون مع الإمام .أو نفروا بعد الخطبة وصلى الإمام بآخرين، صحت الجمعة، فوجود الجماعة :شرط انعقاد الأداء ، لا شرط دوام وبقاء إلى آخر الصلاة، ولا يتحقق الأداء إلا بوجود تمام الأركان وهى القيام والقراء ة والركوع والسجود، فلو نفروا بعد التحريمة قبل السجود فسدت الجمعة، ويستقبل (يستأنف) لظهر، كما بينا (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٢ص١٢٩٥ و ١٢٩٦، الباب الثانى ، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الخامس)

(قوله وأقلها ثلاثة رجال) أطلق فيهم فشمل العبيد والمسافرين والمرضى والأميين والخرسى لصلاحيتهم للإمامة فى الجمعة، إما لكل أحد أو لمن هو مثلهم فى الأمى والأخرس فصلحا أن يقتديا بمن فوقهما، واحترز بالرجال عن النساء والصبيان فإن الجمعة لا تصح بهم وحدهم لعدم صلاحيتهم للإمامة فيها بحال بحر عن المحيط (قوله ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة) أى على رواية اشتراط حضور ثلاثة فى الخطبة أما على رواية عدم الاشتراط أصلا أو أنه يكفى حضور واحد فأظهر (قوله سوى الإمام) هذا عند أبى حنيفة ورجح الشارحون دليله واختاره المحبوبى والنسفى كذا فى تصحيح الشيخ قاسم (رد المحتار، ج٢، ص ١٥١، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

کی حاضری شرط ہے کہ جو جمعہ کی اہلیت رکھتے ہوں۔ [1]

مسئلہ......: حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خطبہ کھڑے ہوکر دینا سنت ہے، اور اگر دونوں خطبے بیٹھ کر دیئے جائیں، یا ایک خطبہ بیٹھ کر اور ایک کھڑے ہوکر دیا جائے، تو بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے، لیکن بلا عذر ایسا کرنا خلافِ سنت اور مکروہ کہلاتا ہے۔

اور شافعیہ اور اکثر مالکیہ کے نزدیک خطبہ کے دوران قیام یعنی کھڑا ہونا فرض یا واجب درجہ کا عمل ہے۔ [2]

---

[1] أمـا الـمـالـكية فيـرون وجـوب حـضـور اثـنـى عشر من أهلهـا الخطبتين، فـإن لم يحضروهما من أولهما لم يكتف بذلك؛ لأنهما منزلتان منزلة ركعتين من الظهر .
وذهب الشافعية والحنابلة إلى وجوب حضور أربعين من أهل وجوبها.
فـلـو حـضـر العدد، ثم انفضوا كلهم أو بعضهم، وبقي ما دون الأربعين، فإن انفضوا قبل افتتـاح الخطبة لم يبتدأ بها حتى يجتمع أربعون، وإن كان فى أثنائها فإن الركن المأتى به فـى غيبتهـم غيـر مـحسـوب، فـإن عـادوا قبـل طول الفصل بنى على خطبته، وبعد طوله يستـأنـفهـا لفوات شرطها وهو الموالاة .هـذا هـو الـمعتمد وفى المذاهب أقوال أخرى ينظر فى المطولات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص ۱۷۹، مادة "خطبة")

[2] وأما السنن المختلف فيها فهى:
القيام فى الخطبة مع القدرة، للاتباع.
وهو شرط عند الشافعية وأكثر المالكية.
وقال الدردير :الأظهر أن القيام واجب غير شرط، فإن جلس أثم وصحت .
فـإن عجز خطب قاعدا فإن لم يمكنه خطب مضطجعا كالصلاة، ويجوز الاقتداء به سواء أقال لا أستطيع أم سكت؛ لأن الظاهر أن ذلك لعذر.
والأولـى لـلـعـاجـز الاسـتـنـابة وهـو سـنة عـنـد الحنفية والحنابلة، ولو قعد فيهما أو فى إحـداهـمـا أجـزأ، وكـره مـن غير عذر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص ۱۸۲، ۱۸۳، مادة "خطبة")
ولـو خـطـب قـاعـداً أو عـلـى غير طهارة، جاز لحصول المقصود، إلا أنه يكره لمخالفته الـمـوروث، ولـلـفصل بينها وبين الصلاة لتجديد طهارته، فالطهارة والقيام سنةعندهم، والسبـب فـى ذلك أنهـا لا تقوم مقام الركعتين فى الأصح؛ لأنها تنافى الصلاة، لما فيها مـن استـدبـار الـقبـلة والـكـلام، فـلا يشتـرط لها شرائط الصلاة (الفقه الاسلامى وادلتهٔ لـلـزحيـلـى، ج۲ص ۱۳۰۴ ، الـبـاب الـثـانـى ، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الخامس)

البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دیا جائے، تو پھر کسی کے نزدیک بھی مکروہ نہیں، اور بلا کراہت جائز اور ادا ہو جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ......: اگر منبر میسر نہ ہو، تو کسی بھی قدرے اونچی چیز پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہئے، اور اگر کھڑے ہونے کے لئے کوئی مناسب چیز میسر نہ ہو، تو کمر کی طرف سے لکڑی، دیوار وغیرہ کا سہارا لے کر خطبہ دینا مناسب ہے، ضروری پھر بھی نہیں۔ [2]

مسئلہ......: خطبہ کے وقت فی نفسہٖ ہاتھ میں عصا (یعنی لاٹھی) لینا سنت و مستحب درجہ کا عمل ہے، لہٰذا اس کو اسی درجہ میں رکھنا چاہئے، اور اس کو اس کے درجہ سے بڑھا کر فرض یا واجب نہیں سمجھنا چاہئے۔

---

[1] من خطب جالسا :فإن كان لعذر فلا خلاف بين الفقهاء فى أنه يجوز، لأن الصلاة تصح من القاعد العاجز عن القيام فالخطبة أولى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥، ص ٢٧٠، مادة "جلوس")

[2] تنقسم هذه السنن إلى سنن متفق عليها وأخرى مختلف فيها

أما السنن المتفق عليها فهي:

أن تكون الخطبة على منبر لإلقاء الخطبة، اتباعا للسنة، ويستحب أن يكون المنبر على يمين المحراب (بالنسبة للمصلى) ، للاتباع.

فإن لم يتيسر المنبر فعلى موضع مرتفع؛ لأنه أبلغ فى الإعلام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩، ص ١٨١، مادة "خطبة")

ذهب الفقهاء إلى أن اتخاذ المنبر سنة مجمع عليها؛ كما أنه يسن أن تكون الخطبة على المنبر؛ وكذلك الجلوس على المنبر قبل الشروع فى الخطبة .

ويستحب أن يكون المنبر على يمين المحراب بالنسبة للمصلين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٩، ٨٥، مادة "منبر")

كونها على منبر، بالاتفاق، اتباعاً للسنة كما روى الشيخان، ويسن أن يكون المنبر على يمين المحراب (أى مصلى الإمام) إذ هكذا وضع منبره صلّى الله عليه وسلم، وينبغي أن يكون بين المنبر والقبلة قدر ذراع أو ذراعين.

فإن لم يتيسر المنبر فعلى موضع مرتفع، لأنه أبلغ فى الإعلام، فإن تعذر استند إلى نحو خشبة كما كان يفعل صلّى الله عليه وسلم قبل إيجاد المنبر، وكان النبى قد خطب إلى جذع، فلما اتخذ المنبر تحول إليه، فحن الجذع، فأتاه النبى صلّى الله عليه وسلم فالتزمه أو مسحه.

وكان منبره صلّى الله عليه وسلم ثلاث درجات غير درجة المستراح .ويستحب أن يقف على الدرجة التى تليها، كما كان يفعل النبى عليه السلام(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٢ص ١٣١١، ١٣١٢، الباب الثانى ، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب السادس)

مسئلہ......: جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے خطبہ کا ہونا شرط اور ضروری ہے،اور جمعہ کے خطبہ کا جمعہ کی نماز سے پہلے واقع ہونا بھی شرط ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ جمعہ کا خطبہ کا پڑھنا اور نماز سے پہلے پڑھنا ثابت ہے،اور کبھی اس کے خلاف ثابت نہیں۔ [1]

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام،مطبوعہ:ادارہ غفران،راولپنڈی)

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

---

[1] بلکہ مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے دونوں خطبوں کا ہونا شرط ہے۔

أن تكون قبل الصلاة :فلو خطب بعدها أعاد الصلاة -فقط -إن قرب، وإلا استأنفها؛ لأن من شروطها وصل الصلاة بها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٩، ص ١٧٨، ١٧٩، مادة "خطبة")

الخطبة :ويشترط تقدمها على الصلاة، وهي كل ذكر يسمى في عرف الناس خطبة، فمتى جاء الإمام بذلك بعد دخول الوقت، فقد تأدى الشرط وصحت الخطبة، سواء كان قائما، أو قاعدا أتى بخطبتين أو خطبة واحدة، تلا فيها قرآنا أم لا، عربية كانت أو عجمية، إلا أنها ينبغي أن تكون قبل الصلاة، إذ هي شرط، وشرط الشيء لا بد أن يكون سابقا عليه وهذا عند الحنفية .

واشترط لها المالكية والشافعية والحنابلة خطبتين مستدلين على ذلك بمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم .

واعتبر الشافعية للخطبة أركانا خمسة لا بد من توافرها وهي :حمد الله، والصلاة على رسوله، والوصية بالتقوى .وهذه الثلاثة أركان في كل من الخطبتين، والرابع :قراءة آية من القرآن في إحداهما، والخامس :ما يقع عليه اسم الدعاء للمؤمنين في الخطبة الثانية .

واشترط الحنابلة من هذه الأركان قراءة آية من القرآن .قال ابن قدامة . . .قال أصحابنا :ولا يكفي في القراءة أقل من آية؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يقتصر على أقل من ذلك وما عدا ذلك مستحب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص ٢٠١، ٢٠٢، مادة "صلاة الجمعة")

(ضمیمہ ثانیہ)

گھروں وغیرہ میں جمعہ سے متعلق چند فتاویٰ جات

''دارالعلوم دیوبند'' کا فتویٰ

بندہ محمد رضوان عرض کرتا ہے کہ بحالاتِ موجودہ، نمازِ جمعہ اور نمازِ ظہر سے متعلق مذکورہ مضمون مکمل کیا جا چکا تھا، اور سرِ دست معروف نشر واشاعت کی سہولت مہیا نہ ہونے کی بناء پر ادارہ غفران کی ویب سائٹ اور دوسرے ذرائع سے اس کی نشر واشاعت کی تیاری تھی، اسی دوران بالکل آخری وقت میں ''دارالعلوم دیوبند'' کا ایک فتویٰ، سوشل میڈیا کے ذریعے، دستیاب ہوا، اگرچہ اس فتویٰ پر تاریخ 6/ شعبان المعظم کی درج ہے۔

اس فتویٰ سے بھی ہمارے مذکورہ مفصل ومدلل اصولی موقف کی تائید ہوتی ہے، اگرچہ شرعی وفقہی دلائل اور فقہائے کرام کی تصریحات کے بعد اس فتویٰ کی تائید کی بھی خاطر خواہ ضرورت نہیں تھی، لیکن چونکہ جمعہ کا مذکورہ مسئلہ پاکستان کے علاوہ، ہندوستان اور دوسرے ممالک میں بھی زیرِ بحث اور زیرِ عمل ہے۔

نیز ''دارالعلوم دیوبند'' کا علمی دنیا میں، جو معروف علمی تشخص اور عوامی دنیا میں، جو مخصوص وسیع تاثر پایا جاتا ہے، اس کے پیشِ نظر، بحالاتِ موجودہ علمی وعوامی وسیع تر حلقوں میں، ہماری اس تحریر کے مقابلے میں، اس فتویٰ کی تاثیر زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس فتویٰ کو بھی ذیل میں مِن وعَن نقل کر دیا جائے، البتہ کچھ مقامات پر حواشی میں، بندہ کی طرف سے وضاحت کی ضرورت پیش آئی ہے۔

محمد رضوان۔22/ شعبان المعظم/ 1441ھ۔16/ اپریل/ 2020ء، بروز جمعرات

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

حضرات مفتیانِ کرام، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

(۶۸۱/ن) ملک کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر نمازِ جمعہ کے سلسلہ میں پہلے یہ ہدایت دی گئی تھی کہ مساجد کے اندر تو امام، مؤذن اور دو، تین افراد مل کر نمازِ جمعہ ادا کرلیں، اور باقی حضرات اگر کسی کے مکان کی بیٹھک، یا باہری کمرہ، میں اذنِ عام کی شرط کے ساتھ جمعہ ادا کرسکتے ہوں، یعنی انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی کا اندیشہ وغیرہ نہ ہو، تو جمعہ ادا کریں، اور جن لوگوں کے لئے جمعہ کی صورت نہ بن سکے، تو وہ اپنے اپنے گھروں پر انفرادی طور پر ظہر کی نماز پڑھیں، اور دارالافتاء سے مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری اور مفتی زین الاسلام صاحب نے بھی آڈیوفون پر لوگوں کو یہی مسئلہ بتایا، میں نے اپنی آڈیو میں ان دونوں حضرات کا حوالہ بھی دیا تھا۔

پھر جمعہ کو دارالعلوم کے مفتیانِ کرام نے بھی باہمی مشورے سے یہی طے کیا تھا، جس کا مجھے علم نہ ہوسکا۔ اس کے بعد جمعہ کو بعض اہلِ علم اور مفتیانِ کرام کی رائے، اس کے خلاف سامنے آئی، اس لئے میں نے اُن حضرات کی تحریر کی بنیاد پر ''نمازِ جمعہ سے متعلق ضروری وضاحت'' کے عنوان سے ایک تحریر جاری کردی، جمعہ کا دن تھا، اور جمعہ کا وقت قریب تھا، اس لیے آپ حضرات سے مشورہ نہیں کیا جاسکا، اور اب اکثر اہلِ علم نے اُن حضرات کی تحریر پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے، پس ایسی صورت میں آپ حضرات درجِ ذیل مسائل کے سلسلہ میں تحریری طور پر دارالافتاء کے موقف سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ آئندہ لوگوں کو اسی کے مطابق عمل کی ہدایت دی جائے۔

(1) ملک کی موجودہ صورتِ حال میں مساجد اور غیر مساجد میں جمعہ کے باب میں حکمِ شرعی کیا ہے؟

(2) جن لوگوں کے لئے جمعہ کی کوئی صورت نہ بن سکے، وہ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں گے، یا انفرادی طور پر؟

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۳/۸/۱۴۴۱ھ=۲۹/۳/۲۰۲۰ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰہ التوفیق:(۱۰۶/تتمۃ/ن ۱۴۴۱ھ)

(1): کوروناوائرس کو لے کر پورے ملک میں جولاک ڈاؤن ہوا ہے، اُس کے پیشِ نظر، حالات کی بحالی تک، مساجد، یا غیر مساجد میں جمعہ کے سلسلہ میں درجِ ذیل تفصیل ہوگی:

الف......: جن شہروں، قصبات یا بڑے گاؤں میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں، اور وہاں کی مساجد میں باقاعدہ جمعہ ہوتا آ رہا ہے، وہاں موجودہ صورتِ حال میں انتظامیہ (پرشاسن) کی طرف سے، جتنے افراد کی اجازت ہو، اُن کے ساتھ جمعہ قائم کیا جائے، بہ شرطیکہ امام کے علاوہ کم از کم تین مرد مقتدی ہوں۔ [1]

اور اگر کسی شہر یا قصبہ میں موجودہ صورتِ حال سے پہلے، وہاں کی بعض مساجد میں جمعہ ہوتا تھا، اور بعض میں نہیں، تو جن مساجد میں جمعہ نہیں ہوتا تھا، وہاں بھی حالات کی بحالی تک (انتظامیہ کی اجازت کے مطابق) چار، پانچ افراد کے ساتھ جمعہ ادا کرلیا جائے، تاکہ کچھ لوگوں کا جمعہ وہاں ہوجائے۔ [2]

اور ملک کی موجودہ صورتِ حال میں مساجد میں جو پانچ، چھ سے زائد لوگوں کو منع کیا جارہا ہے، یہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی بناء پر ہے، اور ایسی ممانعت اذنِ عام کے منافی نہیں ہوتی، کیونکہ مقصد لوگوں کو نمازِ جمعہ سے روکنا نہیں ہے، بلکہ قانون شکنی کی صورت میں

---

[1] یہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق حکم ہے۔ محمد رضوان خان۔

[2] اس فتوے میں جمعہ کے اسلامی شعار کو قائم اور وسیع کرنے پر زور دیا گیا ہے، اور جہاں تک ممکن ہو، اسی کے مطابق، اس شعار کو ادا کرنے اور بڑھانے کا اہتمام کیا گیا ہے، جو اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ محمد رضوان خان۔

ہونے والی بڑی پریشانیوں سے بچنا ہے۔

أما اذا كان لمنع عدو يخشى دخوله وهو فى الصلاة فالظاهر وجوب الغلق، اهـ. حلبى (حاشية الطحطاوى على الدر، ۱: ۳۴۴، ط: مكتبة الاتحاد، ديوبند)

قوله: "لم تنعقد": يحمل على ما اذا منع الناس لا ما اذا كان لمنع عدو أو لقديم عادة، وقد مر (المصدر السابق، ۱: ۳۴۴، ط: مكتبة الاتحاد، ديوبند)

امدادُالفتاویٰ میں ہے:

اذنِ عام ہونا بھی منجملہ شرائطِ صحتِ جمعہ ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا، وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذنِ عام میں مخل نہیں (امدادالفتاویٰ، ۱: ۶۱۴، مطبوعہ: مکتبہ زکریا، دیوبند)

امدادُالاحکام میں ہے:

اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے، تو جائز ہے، گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے، بلکہ انتظام مقصود ہے (امدادالاحکام، ۱: ۷۵۱، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

ب......: محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ ادا نہ کرسکیں، اور وہ اپنی بیٹھک، یا باہری کمرے میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر، اذنِ عام کے ساتھ جمعہ قائم کرسکتے ہوں، یعنی: آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کردی جائے، تاکہ جو کوئی جمعہ میں آنا چاہے، آسکے، اگرچہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کردیا جائے، تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم ازکم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لے کر مختصر خطبہ اور مختصر قرائت کے ساتھ جمعہ ہی ادا کریں، اور اگر کسی جگہ انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو، تو جمعہ سے پہلے زبانی بات چیت کے ذریعہ انہیں اعتماد میں لے

لیا جائے۔ [1]

اور بطورِ احتیاط درجِ ذیل دو باتوں کا مزید لحاظ رکھا جائے:

ایک: جو شخص اپنے گھر کی بیٹھک یا باہری کمرے میں آس پاس کے تین، چار لوگوں کے ساتھ جمعہ قائم کرنا چاہے، وہ خطرات اور اندیشوں کے سلسلے میں محض اپنی رائے پر بھروسہ نہ کرے، بلکہ ایک، دو مقامی علماء اور حالات وواقعات پر گہری نظر رکھنے والے اہلِ محلّہ سے بھی مشورہ کر لے۔

دوسری بات: آئندہ کے حالات کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا، اس لئے ہر جمعہ کو بیٹھک، یا باہری کمرے میں جمعہ قائم کرنے میں خاص اُس دن کے حالات مدنظر رکھے جائیں، حالات سے صرفِ نظر کر کے کسی سابقہ جمعہ کو نظیر نہ بنایا جائے، یعنی اگر کسی جمعہ میں حالات زیادہ سخت ہو جائیں، تو اُنہیں مدنظر رکھا جائے۔

ج......: اور جو حضرات اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق جمعہ قائم نہ کر سکیں، خواہ اس وجہ سے کہ کوئی جمعہ پڑھانے والا میسر نہ ہو، یا انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی، یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو، اور انتظامیہ کو اعتماد میں نہ لیا جا سکے، یا کسی کی طبیعت پر خوف وہراس غالب ہو، یا امام کے علاوہ مرد مقتدی صرف ایک یا دو ہوں، وہ حضرات

---

[1] ہمارے نزدیک مذکورہ تفصیل کے ساتھ بھی جمعہ جائز ہے، لیکن تعددِ جمعہ کے مفتیٰ بہٖ ہونے اور اس کے مطابق ہی جمعہ کے معمول بہ ہونے کی صورت میں، آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کرنے، یا اعتماد میں لینے کی بھی ضرورت نہیں، بالخصوص جبکہ اپنے گھر کے چار پانچ افراد کے علاوہ، آس پاس کے لوگ مسلمان بھی نہ ہوں۔

کیونکہ جب ایک چیز کی فقہی راستہ میں گنجائش موجود ہو، تو اس تکلف میں پڑنا ضروری نہ ہوگا، جبکہ اس تکلف کی حیثیت بھی زبانی جمع خرچ تک محدود ہو، اور اس میں قانون شکنی وغیرہ کی وجہ سے خطرات کا بھی اندیشہ ہو، اس لیے ہمارے نزدیک نہ تو بیٹھک میں جمعہ پڑھنے کا تکلف اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی باہری کمرے میں پڑھنا ضروری ہے، بلکہ جس جگہ جمعہ پڑھنے میں سہولت ہو، وہاں ادا کر لینا کافی ہے۔

ممکن ہے کہ چار افراد، ایسی جگہ موجود ہوں، جہاں نہ باہری کمرہ ہو، اور نہ ہی بیٹھک ہو، مثلاً بالائی منزل، یا کسی فلیٹ میں ہوں، یا وہ ایک کمرہ کے اندر موجود ہوں، اور بیرونی بیٹھک وغیرہ موجود ہی نہ ہو، یا باہر کی طرف جو صحن، یا جگہ یا کمرہ وغیرہ ہے، وہ جمعہ پڑھنے کے قابل ہی نہ ہو، وغیرہ وغیرہ۔ محمد رضوان خان۔

شریعت کی نظر میں معذور ہوں گے، اور اُن کے لئے جمعہ کی جگہ ظہر پڑھنا بلا کراہت درست ہوگا، کیونکہ اسلام میں اپنے کو پریشانی میں ڈالنے کا حکم نہیں ہے، اور نہ اس کی اجازت ہے۔

(2): شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں، جن لوگوں کے لئے جمعہ کا نظم نہ ہوسکے، یا وہ کسی عذر کی بناء پر، یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں، وہ ظہر کی نماز تنہا، تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں، کیونکہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں، اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ، یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ، وہاں معذور، یا غیر معذور ہر ایک کے لئے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علمائے دیوبند کے فتاویٰ میں ایسا ہی ہے، اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے، اور جو لوگ ظہر باجماعت کی اجازت دیتے ہیں، اُن کی رائے پر اکثر اہلِ علم واصحابِ فتویٰ کا عدمِ اطمینان بجا ہے۔

"قوله: وصورة المعارضة": لأن شعار المسلمين فى هذا اليوم صلاة الجمعة، وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم فكان فى صورتها كراهة التحريم رحمتى (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ٣:٣٣، ط: مكتبة زكريا، ديوبند،٥:٦٨،ت:الفرفور، ط:دمشق) [1]

اور جن چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں، وہاں کے باشندگان، حسبِ معمول، جمعہ کے دن بھی مسجد، یا اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں گے، انہیں ظہر کی نماز تنہا، تنہا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

ومن لاتجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادى لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان واقامة (الفتاوى الخانية على هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ١:١٧٧، ط:المطبعة الكبرىٰ الاميرية، بولاق، مصر)

---

[1] اس طرح کی متعدد عبارات ہم بھی اپنے مضمون میں ذکر کرچکے ہیں، اور ہم اس موقف کو ہی عندالحنفیۃ راجح سمجھتے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

(قوله: فی مصر): أما فی حق أهل السواد فغیر مکروه، لانه لاجمعة علیهم (حاشية الطحطاوی علی الدر، ١: ٣٤٦، ط: مكتبة الاتحاد، دیوبند)

واضح رہے کہ دونوں سوالوں کے جواب میں فقہ حنفی کے بنیادی مراجع اور اکابر علمائے دیوبند کے فتاویٰ اور اختلاف کی صورت میں راجح قول کا لحاظ کیا گیا ہے، البتہ تطویل سے بچنے کے لئے صرف اہم وضروری حوالہ جات پر اکتفا کیا گیا ہے۔**فقط و اللہ تعالیٰ أعلم۔**

نعمان سیتاپوری غفرلہٗ

٦/٨/١٤٤١ھ=١/٤/٢٠٢٠، چہارشنبہ

الجواب صحیح
محمود حسن بلندشہری غفرلہ
٦/٨/٤١ھ

الجواب صحیح
حبیبُ الرحمٰن عفااللہ عنہ
٦/٨/١٤٤١ھ

الجواب صحیح
وقارعلی غفرلہ
٦/شعبان١٤٤١ھ

الجواب صحیح
فخرالاسلام٦/٨/١٤٤١ھ

’’دارُالعلوم دیوبند‘‘ کا ایک اور فتویٰ

آج مورخہ 24/شعبان/1441ھ،کو’’دارالعلوم دیوبند‘‘ کا ایک اور فتویٰ بھی موصول ہوا، جس میں سابق فتویٰ ہی کی تائید کی گئی ہے،اوراس میں بعض اُن شبہات کا بھی جواب دیا گیا ہے، جو موجودہ حالات میں جمعہ کے عدمِ صحت کے بعض قائلین کی طرف سے پیش کیے جارہے ہیں،اور’’امدادُالاحکام‘‘ کی عبارت کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے،جس کے متعلق تفصیلی کلام ہم اپنے مضمون میں کرچکے ہیں’’دارالعلوم دیوبند‘‘ کا یہ دوسرا حالیہ فتویٰ بھی ہمارے باقی ماندہ،اس اصولی موقف کی تائید کرتا ہے،اس لیے تتمیماً للفائدہ،ذیل میں اس کو بھی مع سوال کے نقل کرنا مناسب سمجھا گیا۔محمد رضوان۔

باسمہٖ تعالیٰ

سوال

(۱۷/ ن) مفتی صاحب! آپ حضرات نے مساجد کے علاوہ گھر کی بیٹھک، یا باہری کمرہ میں حسبِ شرائط، جو جمعہ قائم کرنے کے لیے فرمایا ہے، یہ تو فقہ کے اس جزئیہ کے خلاف ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ اگر شہر والوں کا جمعہ فوت ہوجائے، تو وہ اذان واقامت کے بغیر تنہا تنہا ظہر پڑھیں گے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو گھروں کی بیٹھک وغیرہ میں جمعہ نہیں کرنا چاہیے، ورنہ فقہاء یہ فرماتے کہ "اولاً جمعہ کی کوشش کی جائے، اور اگر جمعہ کی کوئی صورت نہ بن سکے، تو اذان واقامت کے بغیر ظہر تنہا تنہا پڑھی جائے"

اور بعض اہلِ علم نے بھی اس اہم پہلو کی طرف متوجہ فرمایا ہے، آپ حضرات سے بھی غور وفکر کی درخواست ہے۔

مستفتی: حکمتُ اللہ حنیف قاسمی، ہرات، افغانستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰہ التوفیق. (۱۰۹/ تتمۃ/ ن ۱۴۴۱ھ)

سوال میں جس پہلو کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، الحمدللہ! دار العلوم کے فتوے کی تیاری میں اس پہلو کو بھی مدِ نظر رکھا گیا تھا، لیکن فتوے میں اگر اس طرح کے تمام پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے، تو فتویٰ بہت طویل ہوجاتا ہے، اور خالیُ الذہن کے لیے مشکل ودقیق بھی ہوجاتا ہے، اس لیے ان سب باتوں کی طرف اشارے کے لیے فتوے کے اخیر میں صرف یہ لکھ دیا گیا تھا کہ:

"واضح رہے کہ دونوں سوالوں کے جواب میں فقہ حنفی کے بنیادی مراجع اور اکابر علمائے دیو بند کے فتاویٰ اور اختلاف کی صورت میں راجح قول کا لحاظ کیا گیا ہے، الخ"

اور اب جب آپ مستقل سوال کررہے ہیں، تو اس پہلو سے متعلق وضاحت پیشِ خدمت ہے:

جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں، وہاں اگر کچھ لوگوں کا جمعہ فوت

ہو جائے، تو وہ اولاً جمعہ کے قیام کی کوشش کریں، اور اگر جمعہ کے قیام کی کوئی شکل نہ بن سکے، تو ظہر کی تنہا تنہا نماز پڑھیں (جماعت سے نہیں)

اور فقہ کا پیش کردہ جزئیہ، اسلامی ممالک کے ساتھ خاص ہے، جہاں اذنِ سلطان کے بغیر جمعہ قائم نہیں ہوسکتا، کیونکہ فقہ حنفی کی اکثر عربی کتابیں اسلامی سلطنت والے ممالک میں تصنیف کی گئی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی نے اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں ایسا ہی فرمایا ہے، ذیل میں حضرت مفتی صاحب کے جواب کا ضروری خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

قواعد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصر میں کم از کم چار شخص جمعہ سے رہ جاویں، تو وہ جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں پڑھ لیں، الخ۔

مگر جزئیہ کوئی نہیں ملا۔ بلکہ روایاتِ مذکورہ بالا سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں تنہا تنہا ظہر پڑھیں۔

لیکن خلافِ قواعد ہونے کی وجہ سے ان روایتوں میں تاویل کی جاوے گی۔

پھر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے حوالہ سے یہ تاویل نقل فرمائی کہ:

ان روایتوں کو مبنیٰ کہا جاوے، تعددِ جمعہ کے عدمِ جواز پر۔ اور جب مفتیٰ بہٖ جوازِ تعدد ہے، تو یہ روایت بھی مفتیٰ بہٖ نہ رہے گی۔

اور فرمایا: ''وھو وجہ وجیہ'' [1]

---

[1] ''امداد الاحکام'' کے اندر، درمیان میں ایک اور وجہ بھی مذکور ہے، جس کو مندرجہ بالا فتوے میں شامل نہیں کیا گیا، وہ یہ ہے:
جماعت کے لفظ کو محمول کیا جائے، چار سے کم پر، یعنی دو یا تین آدمی رہ جاویں، تو وہ جمعہ نہیں پڑھ سکتے، بوجہ فوت ہونے، شرطِ جماعت کے، بلکہ تنہا تنہا ظہر پڑھیں، کیونکہ جمعہ کے دن مصر میں ظہر کی جماعت مکروہ ہے۔
ہم نے اپنے مفصل مضمون میں ''امداد الاحکام'' کے اس پورے فتوے کو نقل کر دیا ہے۔ محمد رضوان خان۔

اور ایک تاویل یہ ذکر فرمائی کہ:

یہ روایت محمول ہے، اس جگہ پر، جہاں حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے قاضی وغیرہ مقرر ہو۔

اگر وہاں جمعہ فوت ہو جاوے، تو بدون اذنِ حاکم، دوسرا جمعہ نہیں ہوسکتا۔ باقی ہمارے ملک میں چونکہ تقررِ امام کا مدار، تراضیِ مسلمین پر ہے۔اس لیے یہ باقی ماندہ لوگ، کسی کو امام بنا سکتے ہیں، اور جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔

كما قال صاحب الخلاصة. الخ.

غرضیکہ اہلِ مصر کو تنہا تنہا ظہر کا حکم جب ہے کہ جمعہ سے کوئی مانع ہو۔

ويؤيد هذا ما فى العالمگيرية، ونصه: وكره جماعة الظهر لاهل المصر اذا لم يجمعوا المانع(ج ا ص ۹۵)

پھر چند سطروں کے بعد فرمایا:

یہ دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا، تو جب کہ چار آدمی جمعہ سے رہ جاویں۔

اور اگر چار سے کم یعنی دو تین آدمی رہ جاویں، تو وہ ظہر پڑھیں، اور الگ الگ پڑھیں، جماعت نہ کریں۔

اس کے بعد ’’مجموعۃُ الفتاویٰ ‘‘میں مولانا عبدالحیؒ صاحب کا فتویٰ بھی اس تحریرِ مذکور کے مطابق پایا (تفصیل: امدادالاحکام، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجمعۃ والعیدین، ج۱ص۷۸۳-۷۸۵، سوال:۵۵، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، میں ملاحظہ ہو)

لہٰذا ملک کی موجودہ صورتِ حال میں گھروں کی بیٹھک، یا باہری کمرے میں (شرائطِ جمعہ کی رعایت کے باوجود) جمعہ کی عدمِ صحت پر فقہ کے اس جزئیہ سے استدلال صحیح نہیں۔

اور صحتِ جمعہ کے لیے مسجد کی شرط کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں، بلکہ اکابر کے فتاویٰ اس کے برخلاف ہیں (دیکھیے: ’’فتاویٰ دارالعلوم دیوبند‘‘ ۵: ۱۱۷، مکتبہ دارالعلوم دیوبند۔ ’’کفایت المفتی‘‘ ۳: ۲۳۱، مطبوعہ:

دارالاشاعت، کراچی ''فتاویٰ محمودیہ جدید'' ۸:۵۳-۵۵، مطبوعہ: ادارہ صدیق، ڈابھیل، وغیرہ)

اور فقہی جزئیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے باب میں مسجد اور غیر مسجد کا فرق نہیں ہے، اور گھر (کی بیٹھک یا باہری کمرہ وغیرہ) میں بھی حسبِ شرائط، جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ شامی میں ''کافی، نسفی'' کے حوالے سے ہے:

والإذن العام وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذن للناس، حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع وأغلقوا الأبواب وجمعوا لم يجز، وكذا السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أو لا . الخ

(ردالمحتار، ۳: ۲۶، ط: مكتبة زكريا ديوبند، ۵: ۵۳، ت: الفرفور، ط: دمشق، نقلا عن الكافى للنسفى)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ''محیط'' وغیرہ کے حوالے سے ہے:

(ومنها الإذن العام) وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا فى الجامع وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم وجمعوا لم يجز وكذلك السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه فى داره فإن فتح باب الدار وأذن إذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا فى المحيط ويكره، كذا فى التتارخانية وإن لم يفتح باب الدار وأجلس البوابين عليها لم تجز لهم الجمعة، كذا فى المحيط (الفتاویٰ الهندية ، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة، ۱: ۱۴۸، ط: المطبعة الكبرىٰ الاميرية، بولاق، مصر)

فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

نعمان سیتاپوری غفرلہٗ

۱۶/۸/۱۴۴۱ھ=۱۱/۴/۲۰۲۰ء، شنبہ

الجواب صحیح
محمود حسن بلند شہری غفرلہ
۱۹/۸/۴۱ھ

الجواب صحیح
حبیبُ الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۲۱/۸/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح
وقار علی غفرلہ
۲۱/شعبان ۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح
فخر الاسلام
۲۱/۸/۱۴۴۱ھ

(https://www.darulifta-deoband.com/home/ur/Salah-Prayer/178298)

’’دارُالعلوم دیوبند‘‘ کا تیسرا فتویٰ

’’دارُالعلوم دیوبند‘‘ سے جاری کردہ ایک اور فتویٰ میں ہے کہ:

’’کالج اگر شہر میں واقع ہے تو کالج کے ہال میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں، جمعہ کے لیے جماعت، خطبہ اور اذن عام شرط ہے، اگر حفاظتی وجوہ سے باہری لوگوں کو آنے کی ممانعت ہو، تو وہ جواز سے مانع نہیں‘‘۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

سوال وجواب نمبر: 69767

تاریخ اجراء: 29 ستمبر 2016ء

Fatwa ID: 1149-1146/M=12/1437

(https://www.darulifta-deoband.com/home/ur/Jumuah--Eid-Prayers/69767)

جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا فتویٰ

اسی دوران جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی کا ایک مفصل فتویٰ بھی نظر سے گزرا، جس میں بحالاتِ موجودہ، جبکہ حکومت کی طرف سے مساجد کے اندر بڑے اجتماع پر پابندی ہے، جمعہ سے متعلق درجِ ذیل حکم بیان کیا گیا ہے:

اور جمعہ کی نماز میں چونکہ مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا امام کے علاوہ کم از کم تین مقتدی ہوں، تو جمعہ کی نماز صحیح ہوجائے گی، لہٰذا مسجد کی اذانِ ثانیہ کے بعد (اگر مسجد میں اذان نہ ہو، تو خود اذان دے دیں) امام خطبۂ مسنونہ پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھادے، چاہے گھر میں ہوں، یا کسی اور جگہ جمع ہوکر پڑھ لیں۔

تاہم جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط موجود ہونے کی صورت میں بغیر عذر کے جمعہ چھوڑ کر ظہر کی نماز پڑھنا گناہ ہے، اور اگر کسی نے ظہر پڑھ ہی لی، تو اس سے وقت کا فریضہ ساقط ہوجائے گا۔

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، کراچی

تاریخِ اجراء: 12-03-2020

فتوی نمبر: 144107200696

(https://www.banuri.edu.pk/readquestion/)

مذکورہ فتویٰ حنفیہ کے قواعد کے مطابق اصولی اعتبار سے درست ہے، جس میں کوئی اشکال نہیں، اور ہم نے بھی حنفیہ کا یہی موقف اپنے مضمون میں مدلل انداز میں ذکر کردیا ہے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا دوسرا فتویٰ

اس کے علاوہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی، کا ایک اور فتویٰ بھی نظر سے گزرا، جس کا سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال:......آج کے ماحول میں گھر پر جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں، مکمل ارکان کے ساتھ، جب کہ حکومت کی طرف سے 5 آدمی سے زیادہ کے جماعت پر پابندی ہے؟

جواب:......اگر کسی علاقے میں مساجد میں جمعہ کے اجتماع پر پابندی ہے، تو وہاں کے صحت مند افراد کو چاہیے کہ وہ مساجد کے علاوہ، جہاں چار، یا چار سے زیادہ بالغ مرد جمع ہوسکیں، اوران لوگوں کی طرف سے دیگر لوگوں کی شرکت کی ممانعت نہ ہو۔[1] جمعہ قائم کرنے کی کوشش کریں۔

شہر، فنائے شہر، یا قصبہ میں جمعہ کی نماز میں چوں کہ مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا امام کے علاوہ کم از کم تین مقتدی ہوں، تو بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

پس اذان دے کر امام خطبۂ مسنونہ پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھا دے، چاہے گھر میں ہوں، یا کسی اور جگہ جمع ہو کر پڑھ لیں۔

عربی خطبہ اگر یاد نہ ہو، تو کوئی خطبہ دیکھ کر پڑھ لیا جائے۔

ورنہ عربی زبان میں حمد وصلاۃ اور قرآنِ پاک کی چند آیات پڑھ کر دونوں خطبے دے دیں (امام کے بیٹھنے کے لیے اگر منبر موجود ہو تو بہتر، ورنہ کرسی پر بیٹھ جائے اور زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دے، تو بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی)

شہر، فنائے شہر، یا قصبہ میں اگر بالغ مرد چار کی تعداد میں جمع نہ ہوسکیں، تو ظہر کی نماز تنہا پڑھ لیں۔ فقط واللہ اعلم۔

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، کراچی

تاریخِ اجراء:26-03-2020

فتویٰ نمبر:144108200011

(https://darulifta.info/d/banuritown/fatwa/q1Z/)

---

[1] یہ شرط اذنِ عام کی بناء پر ہے، جس پر ہم اپنے مفصل مضمون میں کلام کر چکے ہیں، نیز اس موضوع پر ہم نے ایک اور مضمون میں بھی تفصیلی کلام کیا ہے۔ محمد رضوان خان۔

مذکورہ فتویٰ بھی فقہ حنفی کے اعتبار سے درست ہے، اور اس پر کوئی قابلِ ذکر اشکال نہیں۔
ہمارا بھی شروع سے یہی موقف ہے، جیسا کہ ہم نے اپنے مفصل مضمون میں اس پر مدلل کلام کیا ہے۔

جامعۃُ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا تیسرا فتویٰ

جامعۃُ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی، کا ایک اور فتویٰ بھی نظر سے گزرا، جس کا سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال:......حکومت کے موجودہ فیصلے کے بعد (کہ جمعہ اور جماعت چند افراد تک محدود ہوں گے) کیا محلے میں ہر گھر میں، چند افراد جمع ہوکر کسی دِین دار مستقل نمازی کو امام بنا کر جمعہ ادا کر سکتے ہیں؟ کیا یہ جائز ہے، یا ظہر ادا کرنا ہوگی؟

جواب:......اگر کسی ملک میں مساجد بالکلیہ بند ہوں، یا بعض صحت مند افراد کو جمعہ کی نماز میں شرکت سے روک دیا جائے، تو انہیں چاہیے کہ وہ مساجد کے علاوہ جہاں چار، یا چار سے زیادہ بالغ مرد جمع ہوسکیں اور نمازِ جمعہ ادا کرنے والوں کی طرف سے دوسرے لوگوں کی شرکت کی ممانعت نہ ہو، جمعہ قائم کرنے کی کوشش کریں، اگر گھر میں پڑھ رہے ہوں، تو گھر کا مرکزی دروازہ کھلا رکھیں، تاکہ اگر کوئی پڑوسی نماز میں شریک ہونا چاہے، تو شریک ہو سکے۔[1]

باقی شہر، فنائے شہر یا قصبہ میں جمعہ کی نماز میں چوں کہ مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا امام کے علاوہ کم از کم تین مرد مقتدی ہوں، تو بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی؛ چناں چہ جمعہ کا وقت ہوجانے کے بعد پہلی اذان دے کر سنتیں ادا کریں، پھر دوسری اذان دی جائے اور امام خطبۂ مسنونہ پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھا دے،

---

[1] یہ شرط اذنِ عام کی شرط کو مؤثر بنانے کے لیے ہے، جیسا کہ گزشتہ فتوے کے ذیل میں گزرا۔ محمد رضوان خان۔

چاہے گھر میں ہوں، یا کسی اور جگہ جمع ہو کر پڑھ لیں، عربی خطبہ اگر یاد نہ ہو تو کوئی خطبہ دیکھ کر پڑھیں، ورنہ عربی زبان میں حمد وصلاۃ اور قرآنِ پاک کی چند آیات پڑھ کر دونوں خطبے دے دیں (امام کے بیٹھنے کے لیے اگر منبر موجود ہو، تو بہتر، ورنہ کرسی پر بیٹھ جائے اور زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دے، تو بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی)

اگر شہر یا فنائے شہر یا قصبہ میں چار بالغ افراد جمع نہ ہو سکیں یا کسی وجہ سے جمعہ قائم نہ ہو سکے تو ظہر کی نماز تنہا پڑھیں۔

نیز جمعے کے خطبہ میں مسنون تو یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالی کی حمد وثناء، درود شریف اور قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ ہوں، لیکن اگر کسی نے خطبۂ جمعہ میں صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ لی، تو بھی جمعہ کا خطبہ ادا ہو جائے گا، کیوں کہ جمعے کے خطبے کا رکن ''ذکر اللہ'' اس میں پایا جاتا ہے۔

(اس کے بعد حوالہ میں کئی عربی عبارات نقل کی گئی ہیں)

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، کراچی

تاریخِ اجراء: 27-03-2020

فتوی نمبر: 144108200111

(https://darulifta.info/d/banuritown/fatwa/q3a/)

اس فتوے میں بھی فقہ حنفی کے لحاظ سے کوئی قابلِ ذکر اشکال نہیں۔

البتہ علامہ ابنِ عابدین شامی نے تصریح کی ہے کہ جب کسی شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نمازیں، حسبِ شرائطِ صحتِ جمعہ قائم ہوں، تو پھر دروازہ کھولنا ضروری نہیں، بعض اردو فتاویٰ میں اس کے مطابق، حکم مذکور ہے۔

اور ہم بھی اس کے مطابق رائے رکھتے ہیں، اور گھر کا مرکزی دروازہ کھولنے، یا بیٹھک اور باہری کمرے میں جمعہ پڑھنے کو ضروری قرار نہیں دیتے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا چوتھا فتویٰ

جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی، کا ایک اور فتویٰ بھی نظر سے گزرا، جس کا سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال:...... جمعہ کو دفتر میں ظہر کی نماز جماعت سے ادا کر سکتے ہیں؟

جواب:......شہر، فنائے شہر، اور بڑی بستی میں جس شخص پر جمعہ واجب ہو۔

اس کے لیے جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنا ناجائز اور گناہ ہے۔

اور جس شخص پر جمعہ واجب نہ ہو، یا عذر کی وجہ سے کوئی شخص جمعہ ادا نہ کر سکے، تو اس کے لیے بھی شہر، فنائے شہر، یا قصبہ میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ لہٰذا شہر، فنائے شہر، یا بڑی بستی میں اگر جمعہ کے وقت کم از کم چار بالغ مرد موجود ہوں اور ان میں سے کوئی شخص عربی خطبہ پڑھ سکتا ہو (خواہ دیکھ کر پڑھے یا خطبہ کی جگہ قرآنِ مجید کی کوئی سورت، یا آیات پڑھ لے)

اور ان لوگوں کی طرف سے دوسرے لوگوں کو نماز میں شرکت کی ممانعت نہ ہو، تو انہیں جمعہ کی نماز ادا کرنی چاہیے۔

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، کراچی

تاریخِ اجراء:03-04-2020

فتوی نمبر:144108200562

(https://darulifta.info/d/banuritown/fatwa/qAi/)

یہ فتویٰ بھی باقی فتاویٰ کے مطابق، اور حنفیہ کے اصول وقواعد کے موافق ہے، اور دوسرے لوگوں کو نمازِ جمعہ میں شرکت کی ممانعت نہ ہونے کی قید، اذنِ عام کی شرط کو بروئے کار لانے کے لیے ہے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا پانچواں فتویٰ

اس کے علاوہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی، کا ایک اور فتویٰ بھی نظر سے گزرا، جس کا سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال:......جیسا کہ ابھی لاک ڈاؤن کی وجہ سے جمعہ کی نماز اکثر لوگ ادا نہیں کر پا رہے ہیں، تو کیا وہ اپنے گھرں میں ظہر باجماعت ادا کر سکتے ہیں؟

جواب:......عام حالات میں بلا عذر گھروں میں جمعہ کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔[1]

البتہ اگر کسی علاقے میں مساجد میں جمعہ کے اجتماع پر پابندی ہے، تو وہاں کے صحت مند افراد کو چاہیے کہ وہ مساجد کے علاوہ کسی ایسی جگہ میں (خواہ گھر یا کوئی اور جگہ) جہاں چار، یا چار سے زیادہ بالغ مرد جمع ہو سکیں اور ان لوگوں کی طرف سے دیگر لوگوں کی شرکت کی ممانعت نہ ہو، جمعہ قائم کرنے کی کوشش کریں، جس جگہ نمازِ جمعہ ادا کر رہے ہوں، وہاں کا دروازہ کھلا رکھیں؛ تاکہ اگر کوئی نماز میں شریک ہونا چاہے تو شریک ہو سکے۔

باقی شہر، فنائے شہر یا قصبہ میں جمعہ کی نماز میں چوں کہ مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدی ہوں تو بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی؛ پس جمعہ کا وقت داخل ہونے کے بعد پہلی اذان دی جائے، پھر سنتیں ادا کی جائیں، پھر امام منبر یا کرسی وغیرہ پر بیٹھ جائے، اس کے سامنے دوسری اذان دی جائے، پھر امام کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھ کر دو رکعت نمازِ جمعہ پڑھا دے۔

عربی خطبہ اگر یاد نہ ہو، تو کوئی خطبہ دیکھ کر پڑھ لیا جائے، ورنہ عربی زبان میں حمد و

---

[1] گھروں میں نمازِ جمعہ کے مکروہ ہونے کا ذکر عام حالات کے اعتبار سے ہے۔
خاص حالات، یا عذر میں، چونکہ کراہت بھی مرتفع ہو جایا کرتی ہے، اس لیے آگے، عذر کی صورت میں اس کا حکم تحریر کیا گیا۔
محمد رضوان خان۔

صلاۃ اور قرآنِ پاک کی چند آیات پڑھ کر دونوں خطبے دے دیں۔

مذکورہ شرائط کی موجودگی میں گھر وغیرہ میں جمعہ کی نماز پڑھنا ہی لازم ہے، البتہ شہر، فنائے شہر، یا قصبہ میں اگر بالغ مرد چار کی تعداد میں جمع نہ ہوسکیں، یا ان میں کوئی بھی عربی خطبہ پڑھنے والا نہ ہو (یعنی قرآنی آیات پڑھ کر بھی خطبہ دینے والا کوئی نہ ہو) تو ظہر کی نماز جماعت کے بغیر انفرادی طور پر پڑھنی ہوگی؛ کیوں کہ فقہاءِ کرام نے جمعہ کے دن شہر، فنائے شہر اور قصبہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے۔

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، کراچی

تاریخِ اجراء: 04-04-2020

فتویٰ نمبر: 144108200665

(https://darulifta.info/d/banuritown/fatwa/q9z/)

یہ پانچواں فتویٰ بھی پہلے فتووں میں مذکور موقف ہی کے اصولی اعتبار سے موافق ہے۔

اور جو شخص پنج وقتہ نمازیں پڑھتا ہو، اس کے لیے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر جمعہ کا خطبہ پڑھنا کوئی مشکل کام نہیں۔

''دارُالعلوم زکریا'' جنوبی افریقہ کا فتویٰ

مورخہ 7/ شعبان/ 1441ھ، کا ''دارُالعلوم زکریا'' جنوبی افریقہ، سے مولانا محمد الیاس شیخ کا تحریر کردہ اور مولانا مفتی رضاء الحق صاحب کا تصدیق فرمودہ ایک فتویٰ، گھروں میں جمعہ کے متعلق نظر سے گزرا، جس میں مرقوم ہے کہ:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ گھروں میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اذنِ عام کی شرط مفقود ہے، تو اصل بات یہ ہے کہ گھروں کا دروازہ بند کرنا،

یہ حفاظت اور سیکورٹی کی وجہ سے ہے، لوگوں کو نمازِ جمعہ سے روکنے کے لیے نہیں ہے، کیونکہ اگر دروازہ کھلا ہو، تب بھی گھر میں جمعہ کے لیے کوئی نہیں آئے گا، اذنِ عام نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جامع مسجد میں لوگ جمع ہو جائیں، اور دروازہ بند کر کے جمعہ پڑھ لیں، باقی لوگوں کو اجازت نہ دیں، اور شہر میں کسی اور مقام پر جمعہ بھی قائم نہ ہوتا ہو، تو ان جامع مسجد والوں کی نماز صحیح نہ ہوگی، کیونکہ عام اجازت نہیں دی۔

یہ بات گھر میں نہیں ہے، کیونکہ اگر گھر کا دروازہ بند بھی کر لیں، تب بھی کسی کا جمعہ فوت نہیں ہوگا، اس کی نظیر فقہاء کا بیان کردہ مسئلہ ہے کہ اگر قلعہ کا دروازہ بند کر کے جمعہ پڑھ لیں، جبکہ باہر مساجد میں جمعہ ہو رہا ہو، تو اہلِ قلعہ کا جمعہ صحیح ہے، اور دروازہ بند کرنا انتظامی امور کی وجہ سے ہے، نہ کہ جمعہ سے روکنے کے لیے۔

دلائل کتبِ فقہ سے ملاحظہ فرمائیں:

قال فی الدرالمختار: (و) السابع: (الإذن العام من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كافی فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة.

وفی ردالمحتار: والذی يضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو ......قلت: وينبغی أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (الدرالمختار مع ردالمحتار، ۲/۱۵۲) وللمزيد راجع: (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۵۱۰، قديمی خانه، ومجمع الانهر) ....

دوسری بات یہ ہے کہ اذنِ عام کی شرط کے بارے میں علامہ طحطاوی، علامہ شامی اور علامہ شرنبلالی وغیرہ فقہاء نے فرمایا کہ یہ ظاہرُ الروایۃ میں مرقوم نہیں،

نادرُ الروایۃ ہے، اسی وجہ سے امام قدوری اور صاحبِ ہدایۃ نے ذکر نہیں فرمائی، اور ترکِ جمعہ پر احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، لہٰذا گھروں میں جمعہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

مذکورہ فتویٰ سے گھروں میں جمعہ کا جائز ہونا، اور اذنِ عام کی ایک توجیہ معلوم ہوئی۔ اور جمعہ کے لیے اذنِ عام کے مسئلے پر تفصیلی اور باحوالہ گفتگو، ہم نے اپنے ایک دوسرے مضمون میں کردی ہے، وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

24/شعبان المعظم/1441ھ 18/اپریل/2020 بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق

نمازِ جمعہ کے لیے اذنِ عام واذنِ حاکم کا حکم
نمازِ جمعہ کے لیے سعی سے متعلق چند اہم پہلوؤں کی تحقیق
گھروں وغیرہ میں نمازِ جمعہ کے جواز سے متعلق ایک تحریر اور چند شبہات کا ازالہ

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

نام کتاب: جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اول: رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ اپریل 2021ء

صفحات: 114

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان

فون 051-5507270 فیکس 051-5780728

www.idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر — مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

ملک میں موجودہ وبائی حالات کے پیشِ نظر، جب ایک طرح سے لاک ڈاؤن کا سماں ہے، اور لوگوں کے لیے مختلف حکومتوں کی طرف سے گھروں میں رہنے سہنے کی تلقین کی جارہی ہے، اور پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے بھی مساجد میں بڑے اجتماعات اور ایک دوسرے کے ساتھ ممکنہ حد تک قربت واختلاط سے منع کردیا گیا ہے۔

ان حالات میں گھروں وغیرہ میں پنج وقتہ نمازوں کے متعلق تو اہلِ علم حضرات کی طرف سے کافی وسعت ظاہر کردی گئی تھی اور گھروں میں رہتے ہوئے پنج وقتہ نمازوں کو حسبِ موقع تنہا، یا باجماعت ادا کرنے کی گنجائش دے دی گئی تھی، احادیث اور فقہائے کرام سے بھی اس میں کافی توسع موجود ہے۔

جس کے ضمن میں جمعہ کی نمازوں کو گھروں وغیرہ میں رہتے ہوئے اداء کرنے کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا۔

اگرچہ فقہائے کرام اور اہلِ افتاء کی طرف سے اس سلسلہ میں بھی توسع پہلے سے موجود ہے، وہ الگ بات ہے کہ پنج وقتہ نمازوں کے مقابلہ میں جمعہ کی شرائط تھوڑی زیادہ ہیں۔

لیکن معاشرے میں اس کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے عوام میں گومگو کی کیفیت طاری تھی، جس کا حکم معلوم کرنے کے لیے بہت سی عوام نے مختلف اہلِ علم واصحابِ افتاء کی طرف رجوع کیا، جس کے بعد ہندوستان و پاکستان اور بعض دوسرے ممالک میں موجود اصحابِ علم وافتاء کے ایک بڑے طبقہ کی طرف سے کچھ تامل کے بعد متعلقہ شرائط کے ساتھ، گھروں وغیرہ میں جوازِ جمعہ کے فتاویٰ جاری کردیے گئے۔

لیکن اس دوران بعض مشاہیر اصحابِ افتاء کی جانب سے ایک ایسا حکم اس مسئلہ میں جاری کیا

گیا، جو اہلِ علم کے لیے غیر اطمینان بخش، اور اس کا انطباق فقہائے کرام کی آراء پر بظاہر مشکل تھا۔

عوام تو اتنی باریکیوں سے واقف نہیں ہوتے، اور وہ ایسے حالات میں اپنے حسبِ اعتقاد و حسبِ ظن، کسی عالم یا مفتی کی رائے معلوم ہونے کے بعد اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں بھی مذکورہ بعض مشاہیر اہلِ علم حضرات کے فتوے پر ایک طبقہ نے عمل شروع کر دیا، جس کے مطابق گھروں وغیرہ میں جمعہ کا قیام درست قرار نہیں پاتا تھا، اور جمعہ کے بجائے نمازِ ظہر اداء کرنے اور اس کو بھی باجماعت اداء کرنے کے مستحب ہونے کا حکم تھا۔

لیکن علم وفقہ اور بطورِ خاص فقہ حنفی پر کسی قدر نظر رکھنے والے متعدد اہلِ علم واصحابِ افتاء حضرات کو اس رائے پر کسی طرح اطمینان حاصل نہ ہوا، اس لیے انہوں نے مذکورہ رائے کے برخلاف اپنی رائے ظاہر کرنے کا سلسلہ شروع کیا، بندہ نے بھی اس سے قبل اس موضوع پر کچھ تفصیل سے تحریر کر دیا تھا۔

اور اب ہندوستان میں موجود ایک مشہور ومعروف علمی مرکز ''دارالعلوم دیوبند'' اور پاکستان کے بعض مشہور ومعروف علمی اداروں سے بھی گھروں وغیرہ میں اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ، جوازِ جمعہ کے متعلق فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں، لیکن غیر مجوزین کی طرف سے تاحال اس پر کوئی وضاحت ورجوع وغیرہ سامنے نہ آسکا۔

اسی دوران مذکورہ غیر اطمینان بخش رائے کے حامل بعض اصحابِ علم کی طرف سے کچھ مزید باتیں سامنے آئیں، جن پر بندہ نے بعض باتوں کی مزید وضاحت کی ضرورت محسوس کی اور اس کو آنے والے مضمون کی شکل میں جمع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ہر قسم کی آزمائش میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔ فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ.

محمد رضوان خان 27/ شعبان المعظم/ 1441ھ 21/ اپریل/ 2020 بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مقدمہ)

منسلکہ تحریر اور اس پر کلام

موجودہ وباء اور اس کے نتیجہ میں جاری لاک ڈاؤن کے حالات میں فی الوقت نشر واشاعت کے دوسرے معروف ذرائع دستیاب نہیں، اس لئے بندہ نے ان حالات میں جمعہ کے دن نمازِ جمعہ اور نمازِ ظہر سے متعلق ایک مفصَّل ومدلَّل مضمون مرتَّب کر کے Whatsapp کے ذریعہ متعدد اہلِ علم واصحابِ افتاء حضرات کو ارسال کیا، جن میں بعض اہلِ علم حضرات وہ بھی تھے، جنہوں نے موجودہ حالات میں شہروں کے اندر جمعہ کے دن گھروں وغیرہ میں جمعہ کو غیر درست قرار دیا تھا، اور اس کے بجائے ظہر کی نماز اور اس کو بھی باجماعت پڑھنے کے مستحب ہونے کا حکم لگایا تھا۔

منسلکہ تحریر کا مضمون

اس کے اگلے ہی دن ایک معروف دینی ادارہ کے دارُالافتاء کے ساتھ منسلک ایک صاحبِ علم کی طرف سے ہمارے مذکورہ مفصَّل مضمون کے جواب میں ایک مختصر تحریر بذریعہ Whatsapp موصول ہوئی، اور اتفاق سے یہ صاحبِ علم بھی مذکورہ موقف اختیار کرنے والے اصحابِ علم میں شامل تھے، جو بحالاتِ موجودہ، گھروں میں جمعہ کی عدمِ صحت اور عدمِ وجوب کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ، اس کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنے اور اس کو بھی باجماعت پڑھنے کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔

ہمیں موصول شُدہ مذکورہ مختصر تحریر پر یہ سُرخی قائم تھی کہ ”عدمِ وجوبِ جمعہ کی ایک دلیل“ اور اس کے ذیل میں درجِ ذیل مضمون درج تھا:

’’اگر جمعہ فی البیوت کوفرض کہا جائے،تو اگر کسی گھر میں چار معذور ہوں۔

تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان پر جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟

اگر فرض کہا جائے ،تو یہ اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ معذورین پر بالاتفاق جمعہ واجب نہیں۔

اور اگر غیر واجب قرار دیا جائے،تو دلیل کیا ہوگی؟ جبکہ ان لوگوں کے لیے گھر میں جمعہ پڑھنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے معذور، جامع مسجد میں بیٹھا ہو، ایسی صورت میں اس پر جمعہ واجب ہوتا ہے (اوراس پر جمعہ واجب ہونا بدیہی ہے،لعدم العذر)

اسی طرح جس گھر میں ایک، دو، یا تین مرد ہوں،تو ان پر جمعہ فرض ہوگا یا نہیں؟

اگر نہیں ہوگا،تو کس دلیل سے؟ کیا ان پر سعی الی الجمعۃ واجب نہیں؟

جبکہ ان کے گھر کے سامنے والے گھر میں لوگ دروازہ کھول کر جمعہ پڑھ رہے ہوں؟

اور اگر سعی الی الجمعۃ واجب ہو، اور قریب میں پانچ افراد مکمل ہوں، اور مزید افراد کو منع کریں، حکومت کی پابندی کی وجہ سے، تو ان افراد پر اگلے گھر میں جانا ضروری ہوگا یا نہیں ہوگا؟

اور کتنے گھروں تک جانا ضروری ہوگا؟

اگر اپنے محلے میں کسی نے نہیں چھوڑا، تو دوسرے محلے میں جانا ضروری ہوگا، یا نہیں ہوگا؟ وھلم جرا۔

مذکورہ موصول شُدہ مختصر تحریر میں پہلے بین القوسین یہ جملہ درج نہیں تھا (اوراس پر جمعہ واجب ہونا بدیہی ہے،لعدم العذر)

جس پر صاحبِ تحریرِ مذکور سے یہ استفسار کیا گیا کہ:

’’مسجد میں معذور موجود ہو، تو اس پر جمعہ واجب ہے، اس کا حوالہ درکار ہے؟‘‘

جس کا اُن صاحبِ علم نے یہ مختصر جواب ارسال فرمایا کہ:

’’اس پر جمعہ واجب ہونا بدیہی ہے، **لعدم العذر**‘‘

اور ہم نے مضمون میں تسلسل کے لئے اس جملہ کو بھی مذکورہ تحریر میں متعلقہ جگہ نقل کر دیا، اور اس کو ممتاز کرنے کے لئے قوسین کا اضافہ کر دیا، تا کہ کسی قسم کا التباس واشتباہ، یا علمی خیانت کا شبہ وشائبہ نہ رہے۔

مذکورہ مختصر تحریر کے متعلق کچھ کلام کرنے سے پہلے اپنے ذہن میں پیدا شُدہ ایک تأثر کا بلا تکلُّف اظہار ضروری معلوم ہوا، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک عرصے سے علمی دنیا میں عموماً کچھ اس قسم کا ذوق بن گیا ہے کہ علمی، فقہی وتحقیقی کاموں میں، دلائل کے مقابلہ میں اپنے پہلے سے اختیار کردہ موقف، یا اپنے مخصوص معتقَد ومعتمَد علیہم سر پرستوں، یا بزرگوں، یا ایسی شخصیات کے اختیار کردہ موقف کی طرف زیادہ رُجحان ومیلان ہوتا ہے، جن کی عقیدت کا دل ودماغ پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے، یا ان کی عقیدت ومحبت دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہوتی ہے، خواہ وہ موقف، دلائل کی رُو سے کمزور تر ہی کیوں نہ ہو۔

اور ایسی صورت میں کسی دوسرے صاحبِ علم کی رائے اور اس کی تحقیق کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔

اور بعض معروف اداروں کے ساتھ وابستہ اور منسلک اصحابِ علم کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ ان کے یہاں اپنے مقابلہ میں دوسرے غیر معروف وغیر مشہور اداروں، یا افراد کی علمی، فقہی اور تحقیقی رائے کو قابلِ اعتناء وقابلِ ملاحظہ تک بھی نہیں سمجھا جاتا، بالخصوص جبکہ اُن کے مقابلہ میں، دوسرا اصاغر کی فہرست میں بھی داخل ہو، اگرچہ اُس دوسرے کی رائے نصوص اور فقہائے کرام کی تصریحات سے مبرهَن کیوں نہ ہو۔

حالانکہ اس مزاج کی نہ تو شریعت کی طرف سے تحسین ثابت ہوتی، اور نہ ہی یہ ذوق سلف کے

طرزِ عمل سے مَیل کھاتا۔

اس طرزِ عمل کے نتیجہ میں بسا اوقات مشہور ومعروف اداروں اوران سے وابستہ اورمنسلک شخصیات وافراد کی اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ اورغیر محققانہ آراءاورطرزِ عمل سے، سنجیدہ علمی طبقہ کے دل ودماغ پر کوئی اچھا اثر قائم نہیں ہوتا۔

چنانچہ مذکورہ صاحبِ علم نے ہمارے مفصَّل ومدلَّل مضمون کے جواب میں جوایک مختصر، مبہَم اورغیرمدلَّل تحریرارسال کی، اُس کے مؤثر جوابات ہمارے مضمون، یااُس میں مذکورعباراتِ فقہاء سے بصراحت یابدلالت واضح ہیں، مگرمنسلکہ تحریر میں ان کے ذکر، اوران سے تعرض تک کی بھی کوئی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کے علاوہ ان ہی مذکورصاحبِ علم کی خدمت میں، بلکہ ان کی خواہش پراس سے قبل بھی زیرِ بحث مسئلہ پرفقہائے کرام کی تصریحات کی روشنی میں ہم نے بعض تحریرات ارسال کی تھیں، جن میں ان کی موجودہ تحریر میں اُٹھائے گئے، بعض سوالات کے واضح جوابات پربھی کلام کیا گیا تھا۔

ان کے متعلق بھی تاحال مذکورہ صاحبِ علم کی طرف سے کوئی گفت وشنید سامنے نہیں آسکی۔

اس طرزِ عمل سے محسوس ہوتا ہے کہ مذکورہ صاحبِ علم کی طرف سے ہمارے مرتَّب کردہ کسی مضمون، یارائے کواس قابل بھی نہیں سمجھا جاتا کہ اُس کوملاحظہ کیا جائے، یا اُس میں مذکور فقہائے کرام کی تصریحات پرہی ایک نظرڈال لی جائے، اور بار بار کے تجربہ ومشاہدہ سے اب یہی رجحان ہونے لگا ہے کہ شایدآئندہ بھی اس روِش میں کوئی خاطرخواہ تبدیلی نہ آئے۔

اورہم نے اپنے مضمون میں جومفصل کلام کیا ہے، وہ دیگراہلِ علم حضرات کے مضمون اوراس کے ایک ایک جملہ کوبغوراور بار بار ملاحظہ کرنے کے بعد کیا ہے۔

جس کوہم اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں، کوئی دوسرا سمجھے، یانہ سمجھے۔

مسئلہ کیونکہ دینی وعلمی ہے، کوئی ذاتی اختلافات پرمبنی نہیں ہے، اس لئے اس قسم کے مسائل

میں ہر صاحبِ علم اپنے طرزِ عمل کا عنداللہ بھی جواب دہ ہے۔

اس لئے ہر صاحبُ الرائے کے ذہن میں یہ احساسِ ذمہ داری موجود ہونا بھی ضروری ہے۔

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ہم اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے مذکورہ تحریر کے متعلق کلام کررہے ہیں۔

اوراگر مذکورہ صاحبِ علم ہماری ان معروضات پر غور نہیں فرمائیں گے، تو آخر دنیا میں اور بھی تو کچھ ایسے اصحابِ علم اور اصحابِ فقہ ضرور ہوں گے، جن تک یہ تحریر پہنچ سکتی ہے، اور وہ اس کو ملاحظہ اور غور فرما کر، اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق کوئی نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں، یا دونوں قسم کی آراء میں تقابل کرکے راجح، مرجوح کا فرق کرسکتے ہیں، اور اس طرح ایک دینی اور اہم مسئلہ میں کوئی مناسب راہِ عمل نکال سکتے ہیں۔

خلقِ الٰہی میں اس طرح کے بندوں کا فی الجملہ تا قیامت موجود رہنا، ناممکنات میں سے نہیں ہے، اگرچہ وہ تھوڑی مقدار میں ہوں، یا زیادہ مقدار میں، اور اُن بندوں سے ہمارا تعارف ہو، یا نہ ہو، یا وہ ہمارے علم میں ہوں، یا نہ ہوں، اور اب نہ سہی، تو آئندہ کے لئے بھی اس طرح کی تحریرات غور وفکر کرنے والوں کے لئے مفید ہوسکتی ہیں، بالخصوص جبکہ کسی وقت اس طرح کے مسئلہ کی ضرورت بھی پیش آجائے۔

منسلکہ تحریر کے مندرجات

اس کے بعد عرض ہے کہ مذکورہ مختصر ومجمل، اور مبہم تحریر میں مندرجہ ذیل باتیں نمبر وار قابلِ غور ہیں:

(1)......عدمِ وجوبِ جمعہ کی دلیل۔

(2)......اگر جمعہ فی البیوت کو فرض کہا جائے، تو اگر کسی گھر میں چار معذور ہوں۔ تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان پر جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟

(3)...... اگر فرض کہا جائے، تو یہ اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ معذورین پر بالاتفاق جمعہ واجب نہیں۔

(4)...... اور اگر غیر واجب قرار دیا جائے، تو دلیل کیا ہوگی؟ جبکہ ان لوگوں کے لیے گھر میں جمعہ پڑھنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

(5)...... تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے معذور جامع مسجد میں بیٹھا ہو، ایسی صورت میں اس پر جمعہ واجب ہوتا ہے (اور اس پر جمعہ واجب ہونا بدیہی ہے، **لعدم العذر**)

(6)...... اسی طرح جس گھر میں ایک، دو، یا تین مرد ہوں، تو ان پر جمعہ فرض ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگا، تو کس دلیل سے؟ کیا ان پر **سعی الی الجمعة** واجب نہیں؟

(7)...... جبکہ ان کے گھر کے سامنے والے گھر میں لوگ دروازہ کھول کر جمعہ پڑھ رہے ہوں؟

(8)...... اور اگر **سعی الی الجمعة** واجب ہو، اور قریب میں پانچ افراد مکمل ہوں، اور مزید افراد کو منع کریں، حکومت کی پابندی کی وجہ سے، تو ان افراد پر اگلے گھر میں جانا ضروری ہوگا یا نہیں ہوگا؟

(9)...... اور کتنے گھروں تک جانا ضروری ہوگا؟

(10)...... اگر اپنے محلے میں کسی نے نہیں چھوڑا، تو دوسرے محلے میں جانا ضروری ہوگا، یا نہیں ہوگا؟

(11)...... **وھلم جرا۔**

(انتھٰی کلام صاحب العلم المذکور)

منسلکہ تحریر کے مندرجات پر کلام

منسلکہ تحریر کے مندرجاتِ مذکورہ کے متعلق بالترتیب چند معروضات پیشِ خدمت ہیں، جن میں اگرچہ کچھ الزامی نوعیت کا عنصر بھی شامل ہے، لیکن اس سے مقصود بھی، ان امور کی تنقیح و تفہیم ہی ہے۔

جبکہ منسلکہ تحریر میں مذکورہ بعض اہم نکات پر ان شاء اللہ، بعد میں باحوالہ کلام کیا جائے گا۔

منسلکہ تحریر کے نمبر **1** کے متعلق عرض ہے کہ اولاً تو اپنا دعویٰ پیش کرنا ضروری تھا کہ وہ جمعہ کے دن شہر میں موجود لوگوں پر جمعہ، فرض سمجھتے ہیں یا نہیں، اور سمجھتے ہیں، تو کن لوگوں پر، اور کن شرائط کے ساتھ، اور نہیں سمجھتے، تو کن لوگوں پر، اور کن شرائط کے ساتھ؟

اس طرح سے مبہم اور گول مول دعویٰ کرنے سے ایک دینی اور اہم مسئلہ کی تنقیح و تفہیم، کیونکر ممکن ہوگی؟

ثانیاً آگے انہوں نے اپنی تحریر میں صرف الزامی نوعیت کے کچھ سوالات قائم کردیئے ہیں، جن میں نہ کوئی واضح دعویٰ ہے، نہ ہی کوئی مستند فقہی دلیل۔

ثالثاً مذکورہ صاحبِ علم کا پہلے بنیادی موقف یہ تھا کہ گھروں میں جمعہ صحیح نہیں، اور وہ اس کے بجائے علی الاطلاق لوگوں پر نمازِ ظہر کو فرض اور اس کو بھی باجماعت پڑھنے کو مستحب قرار دیتے تھے، اور ان کی طرف سے تاحال، اس کے متعلق کوئی دوسری رائے سامنے نہیں آسکی۔

اس سے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا اب بھی یہی موقف ہوگا، بالخصوص جبکہ انہوں نے خود ہی اپنے منسلکہ مختصر مضمون میں یہ سرخی بھی قائم کردی ہے کہ ''عدمِ وجوب جمعہ کی ایک دلیل''۔

رابعاً یہ بات ظاہر ہے کہ جس بات کو مذکورہ صاحبِ علم دلیل قرار دے رہے ہیں، اس کا دعوے سے الگ ہونا ضروری ہے، کیونکہ دلیل دراصل دعوے پر ہی قائم ہوا کرتی ہے۔

اور اسی لیے دلیل کا دعوے کے اثبات کے طور پر مؤثر ہونا ضروری ہوا کرتا ہے، نہ یہ کہ جو

دعویٰ کیا جائے، اسی کو دلیل بھی سمجھ لیا جائے، یا دعوے کے اجزاء، یا الفاظ کی ہیر پھیر کو دلیل قرار دے دیا جائے۔

مسلکہ تحریر کے نمبر 2 کے متعلق عرض ہے کہ اولاً تو ہم نے **جمعہ فی البیوت** کو فرض قرار ہی نہیں دیا، بلکہ ہم تو فقہائے کرام کی تصریحات کے پیشِ نظر یہ قرار دینے پر مجبور ہوئے کہ جہاں اور جن لوگوں میں صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں، اُن کا نمازِ جمعہ صحیح بھی ہے، اور اُن پر نمازِ جمعہ واجب بھی ہے، ہمارا یہ دعویٰ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اور ان کے بیان فرمودہ دلائل سے مبرہن ہے۔

ہم نے ان واقعی اور حقیقی درجہ میں معذور افراد پر ہرگز ہرگز جمعہ کو واجب قرار نہیں دیا، جن کے معذور ہونے کی فقہائے کرام نے تصریح وتعیین فرمادی ہے۔

ظاہر ہے کہ جن لوگوں میں، جمعہ کے دن، صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں گی، ان کو اس حیثیت سے معذور قرار دینا ممکن ہی نہ ہوگا۔

البتہ اگر مذکورہ صاحبِ علم، معذور پر جمعہ کو فرض سمجھتے ہوں، یا گھروں میں موجود، عاقل، بالغ، آزاد، مرد، مقیم افراد پر، جن میں جمعہ منعقد کرنے کا کامل نصاب بھی موجود ہو، معذور سمجھ کر جمعہ فرض نہ سمجھتے ہوں، تو یہ سوال خود انہی پر عائد ہوگا، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

ثانیاً کیا مسجد کے علاوہ شہر میں تمام جگہیں بیوت کہلاتی ہیں؟

اور کیا جمعہ کے وقت مسجد کے علاوہ شہر کے تمام لوگ بیوت میں موجود ہوتے ہیں؟ اور کیا مسجد وغیر مسجد اور بیوت وغیر بیوت کے اعتبار سے شہر میں موجود لوگوں کے لیے، جمعہ صحیح یا واجب ہونے کے اعتبار سے شریعت نے کوئی فرق کیا ہے؟ اور ان کے لیے الگ الگ حکم صادر کیا ہے؟ مثلاً ایک عاقل، بالغ، آزاد، صحت مند اور مقیم شخص مسجد میں ہے، دوسرا شخص جامع مسجد میں ہے، تیسرا شخص گھر میں ہے، چوتھا شخص گلی میں ہے، پانچواں شخص دوکان میں ہے، چھٹا شخص دفتر میں ہے؟ کیا یہ سب افراد ''بیوت'' میں کہلائیں گے؟

اور کیا صرف اور محض ان مقامات کے فرق کی وجہ سے ان پر جمعہ کے وجوب وعدمِ وجوب کے اعتبار سے کوئی فرق ہوگا؟ اگر ہوگا، تو کس بنیاد پر ہوگا؟ اس کی بحوالۂ فقہاء وضاحت ضروری ہے۔

اور ہم مذکورہ صاحبِ علم کے محض دعویٰ کردینے کو اپنے اوپر حجت نہیں سمجھتے۔

صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط میں، ہم بیــوت کے متعلق پہلی مفصَّل تحریر میں ہی متعدد تنقیحات طلب کرچکے ہیں، جو مذکورہ صاحبِ علم کے ذمہ قرض ہیں، اگر پہلے اُن تنقیحات کے جوابات کی ادائیگی کا انتظام ہوجاتا، تو شاید مسئلہ اب تک منقح بھی ہوچکا ہوتا۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 3 کے متعلق عرض ہے کہ ہم چونکہ معذور پر جمعہ کو فرض ہی نہیں سمجھتے، جیسا کہ پہلے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر صاف صاف گزرا، پھر اجماع کے خلاف ہونے کا سوال ہم پر کیسے عائد ہوسکتا ہے۔

البتہ اگر مذکورہ صاحبِ علم، معذور پر جمعہ کو فرض سمجھتے ہوں، تو اُن کا یہ موقف ہی دراصل اجماع کے خلاف کہلائے گا، اور پھر اُن ہی کو اس اجماع کے خلاف دلیل کا پیش کرنا اور اجماع کی خلاف ورزی کا جواز پیش کرنا ضروری ہوگا۔

اور یہ ہم پہلے ہی عرض کرچکے ہیں کہ محض دعویٰ کردینا، خواہ وہ کتنا پرزور انداز میں کیوں نہ ہو، وہ ہم پر حجت نہیں، اور ہم پر تو کیا، دنیا کے کسی قانون میں بھی محض دعوے کو حجت نہیں سمجھا جاتا، الَّا یہ کہ کسی پر دوسرے کی تقلیدِ محض کو کسی دوسری جہت سے واجب قرار دے دیا جائے، اس میں بھی دراصل پیچھے دلیل ہی مؤثر ہوتی ہے، جس پر اعتماد کی وجہ سے اس کے دعوے کو قبول کرلیا جاتا ہے، مگر یہاں تو معاملہ اس طرح کا نہیں۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 4 کے متعلق عرض ہے کہ ہم نمبر ایک اور دو میں یہ واضح کرچکے کہ واقعی معذور پر جمعہ فرض نہیں۔

مذکورہ صاحبِ علم کا کیا موقف ہے؟ اس کو واضح کرنا، اُن کی ذمہ داری ہے۔

کیا ہر سوال کے جواب کی ذمہ داری دوسرے پر ہی عائد ہوتی ہے، سوال کرنے والے پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، جبکہ وہ اصحابِ علم اور اصحابِ افتاء کے قبیل سے بھی تعلق رکھتا ہو، اور پہلے سے ایک خاص موقف بھی رکھتا ہو، اور وہ پہلے سے ہی دوسرے کے متعدّد سوالات کا مقروض بھی ہو۔

اپنے فرض کو ادا کرنے سے پہلے دوسرے سے مزید سوال کا مطالبہ کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟

پھر اپنے مقصد کی بات کا جواب دے دینا، اور اپنے مقصد کے خلاف باتوں اور سوالوں سے سکوت اختیار کر لینا، جبکہ مسئلہ بھی دین کے اعتبار سے نہایت اہمیت اور وسعت کا حامل ہو، اور ان پر کلام کے بغیر، مسئلہ کی تنقیح بھی نہ ہوتی ہو، اس کا اصولِ افتاء میں کیا مقام ہے؟

اور اگر پھر بھی مذکورہ صاحبِ علم کو ہماری طرف سے جواب کا مطالبہ ہو، تو ہم اس سلسلہ میں اپنا موقف صاف طور پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ افراد جمعہ کی ادائیگی سے واقعتاً معذور ہوں، یعنی ان میں فقہائے مجتہدین کی بیان فرمودہ تفصیل کے مطابق، وجوبِ جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں، تو اُن پر ہرگز جمعہ واجب نہیں، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا۔

لیکن اس کے باوجود اگر اُن میں فقہائے کرام کی بیان فرمودہ تفصیل کے مطابق، صحتِ جمعہ کی شرائط موجود ہوں، اور وہ جمعہ ادا کر لیں، تو اُن کا جمعہ اور فریضۂ وقت بہر حال اداء ہو جائے گا۔

اب مذکورہ صاحبِ علم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان کو ہمارے اس اصولی موقف سے اتفاق ہو، تو بھی آگاہ کر دیں، اور اختلاف ہو، تو بھی آگاہ کر دیں، اور اگر کچھ اختلاف ہو، اور کچھ اتفاق ہو، تو بھی آگاہ کر دیں، تاکہ بات آگے بڑھے، ایک دینی اور اہم مسئلے کی ذمہ داری کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس پر اپنا واضح موقف بیان کریں، اور ''نشستن، گفتن، برخاستن'' والے طرزِ عمل سے اجتناب فرمائیں، تاکہ امتِ مسلمہ کی ایک ہمہ جہتی اور اہم ترین دینی مسئلہ کے متعلق صحیح رہنمائی کی راہیں کھل سکیں، اور اگر مذکورہ صاحبِ علم کو اپنی پہلی رائے میں کوئی سقم اور کمزوری محسوس ہو، تو جن لوگوں تک ان کی پہلی رائے پہنچی، ان تک اس

جدید رائے پہنچانے میں بھی کوتاہی اور سستی سے کام نہ لیں، جس کی ذمہ داری اور اس کے دلائل سے شاید وہ خود بھی اچھی طرح واقف ہوں گے۔

جہاں تک معذور پر، جمعہ واجب نہ ہونے کی دلیل کا تعلق ہے، تو اُن کا معذور ہونا ہی خود، اُن پر جمعہ واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ نصوص کے پیشِ نظر جمعہ سے معذورین کی فہرست میں فقہائے کرام نے ایک تو مسافر کو، دوسرے غلام کو، تیسرے عورت کو، چوتھے مریض کو شامل کیا ہے۔ [1]

اور مریض سے ایسا مریض مراد ہے، جو اپنے مرض کی وجہ سے جمعہ کی سعی یعنی ادائیگیٔ جمعہ کے اسباب پر قادر نہ ہو، یا اس کو سخت تکلیف ومشقت پیش آتی ہو، یا بیماری میں اضافہ ہوتا ہو، یا بیماری کے دیر سے ٹھیک ہونے کا ظن ہو، فقہائے کرام کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق۔ [2]

---

[1] المعذور نحو العبد والمسافر والمريض(المحيط البرهاني فى الفقه النعماني، ج٢، ص٨٨، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

المعذور نحو المريض والمسافر والعبد(تحفة الفقهاء، ج١،ص١٦٠، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

والمعذور مثل المسافر والعبد والمريض والمرأة (البناية شرح الهداية، ج٣،ص٤٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] قوله" :خرج به المريض "أى الذى لا يقدر على الذهاب إلى الجامع أو يقدر ولكن يخاف زيادة مرضه أو بطء برئه بسبب جلي وألحق بالمريض الممرض إن بقى المريض ضائعا بخروجه على الأصح جوهرة قوله" :لما روينا "أى من قوله صلى الله عليه وسلم" :الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة إلا أربعة "الخ وعد منهم المريض .

قوله" :فلا تجب على من اختفى من ظالم "أفاد التعبير بظالم لم أنه مظلوم فإن كان اختفاؤه لجناية منه توجب حدا مثلا لا يسقط عنه الوجوب .

قوله" :المفلس "بالتخفيف الذى لا دينار له ولا درهم والمراد به هنا من لا يقدر على وفاء دينه

قوله" :كما جاز له التيمم "أى فيجوز له ترك الجمعة كما جاز له التيمم.

قوله" :فلا تجب على الأعمى عند أبى حنيفة "لا فرق بين أن يجد قائدا أو لا سواء كان القائد متبرعا أو بأجر وله ما يستأجر به أو كان مملوكا ذكره السيد .

قال فى البحر ولم أر حكم الأعمى إذا كان مقيما بالجامع الذى يصلى فيه الجمعة هل تجب عليه لعدم الحرج اهـ.

وتجب على الأعور لعدم الحرج .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوران افراد پر جمعہ واجب نہ ہونے کا ثبوت صریح احادیث سے بھی ملتا ہے، جیسا کہ آگے ''**سعی الی الجمعة**'' کے بیان میں آتا ہے۔

لہٰذا اگر گھر میں موجودہ افراد صرف چار عورتیں ہوں، تو اُن پر جمعہ واجب نہ ہونا، بالکل واضح ہے، یہاں تک کہ اگر وہ جمعہ کے وقت جامع مسجد کے قریب اور متصل، یا اس کے اندر ہی کیوں نہ موجود ہوں، اور شوہر بھی جمعہ میں شریک ہونے کی اجازت دے دے، تب بھی ان پر جمعہ واجب نہیں، تاآنکہ وہ خود جمعہ میں عملی طور پر شرکت نہ کریں۔

اوراگر وہ چاروں افراد، مسافر ہوں، تب بھی اُن پر حسبِ تفصیلِ مذکور جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ جمعہ کے وقت جامع مسجد کے قریب، یا اس کے اندر ہی کیوں نہ موجود ہوں، بہرحال ان پر جمعہ واجب نہیں۔

اوراگر وہ افراد، غلام ہوں، تب بھی ان پر جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ جمعہ کے وقت جامع مسجد کے قریب، یا اس کے اندر، کیوں نہ موجود ہوں، یہاں تک کہ اگر غلام کو اس کا آقا نمازِ جمعہ کی اجازت دے دے، تب بھی عندالحنفیہ راجح یہ ہے کہ اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

اوراگر ایسے مریض ہوں کہ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے شرائطِ صحت کے ساتھ جمعہ قائم کرنے سے معذور ہوں، تو اُن پر بھی جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ مذکورہ کیفیت کے ساتھ جمعہ کے وقت، جمعہ قائم ہونے والی جگہ کے قریب کیوں نہ موجود ہوں۔

چنانچہ اگر وہ ایسے مریض ہوں کہ نہ تو جمعہ میں شرکت کرسکتے ہوں، اور نہ ہی وہ خود بشرائطِ صحت، جمعہ قائم کرسکتے ہوں، یا غیر معمولی مشقت لاحق ہوتی ہو، تب بھی ان پر جمعہ واجب نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله" :وهى مسئلة القادر بقدرة الغير "قد تقدم أن المصحح فيها قولهما .

قوله" :فلا تجب على المقعد "ومثله مقطوع الرجلين وفى الكلام إشارة إلى أنها تجب على مفلوج إحدى الرجلين أو مقطوعها إذا كان يمكنه المشى بلا مشقة وإلا فلا أشار إليه القهستانى وبهذا يحصل الجمع بين ما فى البحر من الوجوب وما فى الشمنى من عمده أفاده بعض الأفاضل(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص٥٠٥،٥٠٦، كتاب الجمعة ،باب الجمعة)

اور اگر وہ ایسے مریض ہوں کہ غیر معمولی مشقت کے بغیر دوسری جگہ جمعہ میں شرکت کر سکتے ہوں، یا اس تفصیل کے مطابق بشرائطِ صحتِ جمعہ، خود جمعہ قائم کرنے پر قادر ہوں، تو وہ مریض ہونے کی حیثیت سے معذورین کی فہرست میں داخل ہی نہیں، ان کو معذور سمجھنا ہی دراصل غلط فہمی پر مبنی ہے۔

شاید معاشرے میں اس طرح کے لوگوں کے جمعہ قائم کرنے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے ان کو معذور سمجھنے کی غلط فہمی ہوگئی ہو، لیکن عوام کی طرف سے یہ رواج تو کوئی شرعی دلیل اور حجت نہیں۔

ایسی صورت میں شرعی وفقہی دلیل ہی حجت شمار ہوگی، نہ کہ عوام کا کوئی طرزِ عمل، جس کی شرعی وفقہی دلیل سے تائید نہ ہوتی ہو۔

البتہ اگر معذورین بتکلف، خود سے جمعہ قائم کریں، یا جمعہ میں شریک ہوں، تو ان کا نمازِ جمعہ بہرحال ادا ہو جاتا ہے ''الا ان یکون النساء محضا''

اور بعض صورتوں میں حکمِ حاکم یا قانونی مجبوری بھی ایک عذر بن سکتی ہے، ایسی صورت میں حکمِ حاکم، یا قانونی نوعیت کا جائزہ لے کر ہی حکم کی تعیین کی جائے گی، جس کی تفصیل آگے اذنِ حاکم کے بیان میں باحوالہ آتی ہے۔

ممکن ہے کہ جمعہ کے دن شہر میں کسی جگہ موجود ایسے چند مریضوں کے متعلق یہ سوال ہو رہا ہو کہ ان کو اپنی جگہ سے چل کر اور مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنے کی تو قدرت نہ ہو، لیکن وہ عاقل، بالغ، آزاد اور کم از کم چار مقیم مرد ہوں، اور وہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے جمعہ ادا کرنے پر قادر ہوں۔

اور ان کے متعلق یہ شبہ ہو کہ ایسی صورت میں اگر ان پر جمعہ کو واجب کہا جائے گا، تو اس سے ان پر حرج کا پیدا کرنا لازم آئے گا۔

لیکن ہمیں الحمد للہ تعالیٰ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس طرح کے مریض ایک دوسرے سے الگ ہوں اور ان کا غیر معمولی مشقت کے بغیر جمعہ کے لیے صحتِ اقتداء کی شرائط کے ساتھ

جمع ہونا مشکل ہو، تو ان پر جمعہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق جمعہ کے لیے ہر شخص دوسرے تین اشخاص کا محتاج ہوتا ہے، لیکن اگر بالفرض کسی جگہ اس طرح کے کم از کم چار افراد ہوں، اور وہ اپنے مقام پر شہر کی حدود میں موجود ہوتے ہوئے جمعہ قائم کرنے پر قادر ہوں، تو ان پر بہرحال اصلاً جمعہ کی نماز ہی واجب ہے، اس کے باوجود اگر انہوں نے ظہر پڑھ لی، تو بھی ''عندالحنفیۃ'' ان کا فریضۂ وقت ادا ہو جائے گا۔

اور ان پر جمعہ واجب کرنے میں کوئی غیر معمولی اضافی بوجھ ڈالنا بھی نہیں پایا جاتا، کیونکہ اگر جمعہ کو واجب نہ کہا جائے، جس کی صرف دو رکعتیں ہیں، تب بھی ان پر ظہر کی چار رکعتیں پھر بھی فرض ہیں، وہ بہرحال ان کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے پڑھنی ہی پڑھنی ہیں۔

اب اگر ان پر ان چار رکعتوں کے بجائے، وہیں رہتے ہوئے جمعہ کی دو رکعتوں کو واجب قرار دیا جائے، اور خطبہ صرف ایک ہی شخص کو پڑھنے کا حکم ہے، وہ بھی مختصر اور انتہائی مختصر کافی ہے، باقی افراد کو تو سننا ہی کافی ہے، تو بتلایئے کہ اس میں ان پر کون سا غیر معمولی اضافی بوجھ پڑ گیا کہ اس میں پریشانی کی بات ہو۔

اور اگر ان کو بشرائطِ صحتِ اقتداء جمع ہو کر، باجماعت نماز ادا کرنے، یا کسی کو بھی خطبہ پڑھنے، یا جہر کرنے کی قدرت حاصل نہ ہو، یا کسی دوسری ایسی چیز پر قدرت حاصل نہ ہو، جو جمعہ کے لیے ضروری ہے، تو ان پر جمعہ پھر بھی واجب نہ ہوگا، اور اگر قدرت ہو، تو جمعہ سے کوئی مانع نہ ہوگا۔

بتلایئے اس میں کون سی خرابی یا مفسدہ لازم آ گیا، جو اِس ایک فرضی صورت اور فرضی بوجھ کا شوشہ چھیڑ کر دنیا بھر کے ہزاروں، بلکہ لاکھوں، کروڑوں صحت مند افراد سے بھی جمعہ کے فریضے کو ساقط، بلکہ غیر صحیح قرار دیئے جانے کی جدوجہد کی جائے۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 5 کے متعلق عرض ہے کہ یہ مثال، مذکورہ صاحبِ علم کی پیش کردہ ہے، اور اس پر جمعہ کے واجب ہونے کو انہوں نے بدیہی قرار دیا ہے، اور اس کی علت **لعدم العذر** قرار دی ہے۔

حالانکہ **لعدم العذر** کا مطلب یہ ہے کہ وہ معذور نہیں، جبکہ یہ صاحبِ علم اُس کو معذور بھی کہہ رہے ہیں، اور معلوم کرنے کے باوجود یہ بھی وضاحت فرمانے کی زحمت نہیں کررہے، کہ اس معذور سے کون سے معذور مراد ہیں؟

جبکہ ہم معذور کے بارے میں اس سے پہلے نمبر میں واضح کر چکے ہیں، اور اس کے متعلق صریح احادیث کا حوالہ بھی پیش کرچکے ہیں، جس سے واضح ہو چکا کہ معذور کئی قسم کے ہوتے ہیں، اور جب تک کوئی معذور کی صفت کے ساتھ متصف ہو، اس پر جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہو، الَّا یہ کہ کسی خاص جگہ موجود ہونے کی وجہ سے اس کی یہ صفت زائل ہوجائے، یا وہ خود جمعہ میں عملاً شریک ہوجائے۔

فقہائے کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ اگر جمعہ قائم ہونے والی جگہ کوئی معذور موجود ہو، یعنی ایسا معذور جس میں اس وقت اور اس جگہ بھی، جمعہ سے معذور ہونے کا عذر پایا جاتا ہو، تو اس پر جمعہ فرض نہیں ہوتا، البتہ اگر وہ اس وقت قیامِ جمعہ سے معذور ہونے کی صفت کے ساتھ متصف ہی نہیں، تو اس کو معذور سمجھنا ہی غلط ہے، جیسا کہ گزشتہ نمبر میں ہم اس کی وضاحت کرآئے ہیں، اور اس سلسلے میں فقہی حوالہ جات آگے''سعی الی الجمعۃ اور معذور کی تحقیق'' کے ذیل میں آتے ہیں۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 6 کے متعلق عرض ہے کہ مذکورہ صاحبِ علم چونکہ خود مخصوص حالاتِ حاضرہ میں، گھروں میں موجود، تین، بلکہ اس سے بھی زیادہ عاقل، بالغ صحت مند مرد افراد سے جمعہ کو ساقط اور اُن کے گھروں میں جمعہ کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں، اگرچہ وہ تین مرد مکلّف بالجمعۃ افراد سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

اور ہماری معلومات کے مطابق انہوں نے اب تک اپنے سابق موقف کو تبدیل، یا اس سے رجوع نہیں فرمایا، اس لئے یہ سوال مزید اضافہ کے ساتھ انہی پر عائد ہوتا ہے کہ جس گھر میں تین، یا اس سے زیادہ عاقل، بالغ، آزاد، مقیم، صحت مند مرد افراد ہوں، اُن پر جمعہ کس دلیل

سے فرض نہیں؟

اوران پر ''سعی الی الجمعة'' کس وجہ سے واجب نہیں؟

ہم اپنی سابق تحریر میں مذکورہ صاحبِ علم اوران کے رفقائے کاراور معاونین سے، اس طرح کے کئی سوالات بار بار کر چکے ہیں، جس کا جواب تا حال دیانتاً ان کے ذمہ ہے۔

اور ہم اس سلسلہ میں اُصولی موقف یہ رکھتے ہیں کہ جس جگہ چار عاقل، بالغ، مرد بھی موجود نہ ہوں، اور اتنے افراد کا جمع ہونا مشکل ہو، خواہ قانونی مجبوری کی وجہ سے کیوں نہ ہو، تو اُن پر جمعہ واجب نہیں، جیسا کہ آگے اذنِ حاکم کے بیان میں باحوالہ ذکر آتا ہے۔

اور جب ان پر مذکورہ صورت میں جمعہ واجب نہیں، تو ان پر جمعہ کی سعی بھی واجب نہیں، کیونکہ سعی، دراصل جمعہ کے لیے ہی واجب ہے، اور جس پر جمعہ واجب نہ ہو، اس پر جمعہ کی سعی بھی واجب نہیں ہوا کرتی، جیسا کہ آگے ''سعی الی الجمعة'' کے بیان میں ذکر آتا ہے۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 7 کے متعلق عرض ہے کہ موجودہ حالات میں قانونی اعذار اور قانون کی نوعیت کو سامنے رکھے بغیر سب کے لیے کوئی متعین اور یکساں حکم لگانا مشکل ہے، اگر اُن کو دوسرے لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر جمعہ پڑھنے میں کوئی عذر نہ ہو، اور اُن میں جمعہ واجب ہونے کی متعلقہ شرائط بھی پائی جاتی ہوں، تو اُن پر جمعہ پڑھنا واجب ہوگا۔

لیکن جس طرح اُن کو قانون کی خلاف ورزی اور اس پر مرتب ہونے والے نقصان سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہوگی، اسی طرح انہیں دوسرے لوگوں کے مملوکہ گھروں میں داخل ہونے کے لئے اُن کی بطیبِ خاطر اجازت لینے کی بھی ضرورت ہوگی، جہاں داخل ہونے کے لیے نصوص کی رُو سے اجازت ضروری ہے۔ [1]

---

[1] وإن كان البيت غير بيته، وأراد الدخول إليه، فعليه الاستئذان، ولا يحل له الدخول قبل الإذن بالاتفاق، سواء أكان باب البيت مفتوحا أو مغلقا . وسواء أكان فيه ساكن أم لم يكن، لقوله تعالى : (يا أيها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستأنسوا) ولأن للبيوت حرمتها فلا يجوز أن تنتهك هذه الحرمة؛ ولأن الاستئذان ليس للسكان أنفسهم خاصة، بل لأنفسهم ولأموالهم؛ لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۔ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (سورة النور، رقم الآية ۲۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! مت داخل ہو، تم اپنے گھر کے علاوہ کسی کے (بھی) گھر میں، یہاں تک کہ (اہلِ خانہ سے) اجازت طلب نہ کرلو تم، اور سلام نہ کرلو تم، یہ بہتر ہے تمہارے لیے تاکہ تم نصیحت پکڑو (سورہ نور)

اور اگر قانون وغیرہ کی بھی خلاف ورزی لازم نہ آئے، اور کوئی دوسرا معقول عذر بھی نہ ہو، اور دوسرے گھر کے لوگ انہیں اپنے یہاں جمعہ میں شامل ہونے کی بخوشی اجازت دے دیں، تو ایسی صورت میں ''میاں بیوی راضی، کیا کرے گا ملا قاضی'' والی مثال ہی صادق آئے گی۔

اس میں نہ مذکورہ صاحبِ علم کو اعتراض اور دفعِ دخلِ مقدر کا حق ہوگا، اور نہ ہمیں کوئی اختلاف کرنے اور روڑا اٹکانے کی گنجائش ہوگی۔

اور بحالاتِ موجودہ، اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہی ہوگی، جیسا کہ کسی کے گھر میں دو، یا تین عاقل، بالغ، آزاد اور مقیم مرد موجود ہوں، اور ان کے گھر کے سامنے مسجد میں کچھ لوگ دروازہ کھول کر جمعہ پڑھ رہے ہوں، لیکن ان کو مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنے کی قانون وغیرہ کی رُو سے، اجازت نہ ہو، تو اب ان افراد کا، مذکورہ صاحبِ علم کے نزدیک کیا حکم ہوگا؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإنسان كما يتخذ البيت سترا لنفسه، يتخذه سترا لأمواله، وكما يكره اطلاع الغير على نفسه، يكره اطلاعه على أمواله.

ويفرق الشافعية، في حالة كون بيت ذلك الغير هو بيت أحد محارمه، بين ما إذا كان الباب مغلقا أو مفتوحا، فيقولون:

إن كان الباب مغلقا فإنه لا يدخل إلا بعد استئذان وإذن، أما إن كان مفتوحا فوجهان، والأوجه الاستئذان(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳،ص۱۴۷،مادة''استئذان'')

ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اس کا شافی جواب دینے کی ضرور کوشش کریں گے، جنہوں نے تمام مساجد کو تو اپنی تحریر میں مثال سے نظر انداز کر دیا، اور مثال کے لیے مساجد کے بجائے، لوگوں کے مملوکہ گھروں کا ہی انتخاب کیا، جہاں مسجد کی طرح عادتاً ومعاشرتاً داخلہ کا اذنِ عام بھی نہیں ہوتا، اور لوگوں کے گھر، مسجد کی طرح عامۃ المسلمین کی نمازوں کے لیے وقف بھی نہیں ہوتے، بلکہ لوگوں کے مملوک ہوتے ہیں، جب کہ مسجدیت کے لیے عام ضابطہ وقاعدہ کی رو سے مخلوق کی ملکیت کا معدوم ہونا شرط ہے، پس جب کوئی قانون، مسجد میں داخلہ کے لیے عذر ہوسکتا ہے، تو وہ گھر میں داخلہ کے لیے کیسے بدرجۂ اولیٰ عذر نہ ہوگا۔ [1]

---

[1] وفی القهستانی ولا بد من إفرازه أی تمییزه عن ملکه من جمیع الوجوه فلو کان العلو مسجدا والسفل حوانیت أو بالعکس لا یزول ملکه لتعلق حق العبد به کما فی الکافی .

(تنبیه)ذکر فی البحر أن مفاد کلام الحاوی اشتراط کون أرض المسجد ملکا للبانی اهـ لکن ذکر الطرسوسی جوازه علی الأرض المستأجرة أخذا من جواز وقف البناء ، کما سنذکره هناک، وسئل فی الخیریة عمن جعل بیت شعر مسجدا فأفتی بأنه لا یصح(رد المحتار علی الدر المختار، ج۴، ص۳۵۶، کتاب الوقف)

قال فی البحر :وحاصله أن شرط کونه مسجدا أن یکون سفله وعلوه مسجدا لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالی (وأن المساجد لله)بخلاف ما إذا کان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد، فهو کسرداب بیت المقدس هذا هو ظاهر الروایة وهناک روایات ضعیفة مذکورة فی الهدایة .اهـ.(رد المحتار علی الدر المختار، ج۴،ص۳۵۸، کتاب الوقف)

وأما إذا اتخذ وسط داره مسجدا فلأن ملکه محیط بجوانبه فکان له حق المنع من الدخول والمسجد من شرطه أن لا یکون لأحد فیه حق المنع قال الله تعالی ”ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه“(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج۳،ص ۳۳۰، کتاب الوقف)

(قوله غلق باب المسجد) الأفصح إغلاق، لما فی القاموس :غلق الباب یغلقه لغیة ردیئة فی أغلقه . اهـ .قال فی البحر :وإنما کره لأنه یشبه المنع مع الصلاة، قال تعالی -(ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه)ومن هنا یعلم جهل بعض مدرسی زماننا من منعهم من یدرس فی مسجد تقرر فی تدریسه، وتمامه فیه.

(قوله إلا لخوف علی متاعه) هذا أولی من التقیید بزماننا لأن المدار علی خوف الضرر، فإن ثبت فی زماننا فی جمیع الأوقات ثبت کذلک إلا فی أوقات الصلاة، أو لا فلا، أو فی بعضها ففی بعضها، کذا فی الفتح .وفی العنایة :والتدبر فی الغلق لأهل المحلة، فإنهم إذا اجتمعوا علی رجل وجعلوه متولیا بغیر أمر القاضی یکون متولیا انتهی بحر ونهر .(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱ ،ص ۶۵۵، ۶۵۶، کتاب الصلاة ،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها)

پھر یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ موجودہ حالات میں، جبکہ تعددِ جمعہ میں کوئی شرعی وقانونی حائل ومانع نہیں، اور موجودہ پرفتن معاشرتی دور میں عموماً وعادتاً مختلف حفاظتی واحتیاطی مقاصد کی بناء پر، رات دن، گھروں کے دروازے بند رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں دروازے کھولنے کی قید لگانے کا کیا مقصد؟

کیا اس سے یہ مقصود ہے کہ اگر لوگ، کسی گھر، یا دفتر، یا کارخانے وغیرہ میں جمعہ کی نماز قائم کریں، تو وہ جمعہ کے وقت اس عمارت کا دروازہ چوپٹ کھول کر، نمازِ جمعہ میں مشغول ہوجائیں، اور وارداتیوں، چوروں، ڈاکوؤں کے لیے، راستہ فراہم کریں، اور مزید براں جمعہ کی اذان دے کر اس چیز سے ان کو آگاہ کردیں کہ اس گھر میں اب جمعہ کے لیے داخلہ کا اِذنِ عام، بلکہ دعوتِ عام ہے، خواہ داخل ہونے والے کے دل میں واردات کیوں نہ مخفی ہو؟

تو ہم موجودہ حالات میں، جبکہ تعددِ جمعہ میں شرعاً وقانوناً کوئی چیز مانع نہیں، گھر کا دروازہ کھولنے کو ضروری قرار نہیں دیتے، جس کی تفصیل ہم اپنے دوسرے مضمون میں بیان کرچکے ہیں، اور مزید تفصیل آگے اذنِ عام کی تحقیق میں بھی آتی ہے، لہٰذا جس چیز کے ہم مدعی وداعی ہیں ہی نہیں، تو ہم اس چیز کے جواب دہ اور مکلّف بھی نہیں ہوں گے۔

اگر مذکورہ صاحبِ علم اس چیز کے مدعی اور داعی ہوں، تو یہ ان کا مسئلہ ہے، وہ جانیں اور ان کے متبعین جانیں۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 8 کے متعلق عرض ہے کہ موجودہ حالات میں، حکومتی پابندی، کیونکہ عوامی مصلحت پر مبنی ہے، جس میں اپنے گھروں تک محدود رہنے کا حکم بھی ہے، اس لئے ہم حتی الامکان اس کی پابندی کی رائے رکھتے ہیں، اور ایسی صورت میں اس پابندی کو توڑ کر جمعہ پڑھنے کا مکلّف قرار دیے جانے کی رائے نہیں رکھتے، جیسا کہ آگے اذنِ حاکم کی تحقیق کے ضمن میں آتا ہے۔

مذکورہ صاحبِ علم کا موقف اس سلسلے میں مختلف ہو، تو اس کا ہمیں علم نہیں۔

اس لیے موجودہ حالات میں ''سعی الی الجمعۃ'' کے طور پر، اگلے گھر میں جانے کا وہی حکم ہوگا، جو بعینہٖ اسی صورت میں ایک گھر کے فاصلے پر گھر کے بجائے موجود، مسجد میں جانے کا ہوگا، جہاں مثلاً پانچ افراد جمعہ کی نماز قائم کررہے ہوں، اور چھٹے فرد کو حکومت کی طرف سے قانونی ممانعت ہو۔

اگر مذکورہ صاحبِ علم، گھر کے بجائے، مسجد ہونے کی صورت میں تو وہاں کے لیے جمعہ کی سعی کو، ضروری نہ سمجھتے ہوں، اور اس سے بڑھ کر جمعہ کو ہی واجب نہ سمجھتے ہوں، اور اس کے بجائے گھروں میں جمعہ کو غیر درست قرار دے کر ظہر کا حکم لگاتے ہوں، اور وہ بھی جماعت کے ساتھ مستحب ہونے کا، تو اس قسم کے الزامات، خود مذکورہ صاحبِ علم پر عائد ہوتے ہیں، جن کا معقول ومنقول اور موثر جواب دینا، ان کی ذمہ داری ہے، جس کے بعد دوسرے کو حق ہوگا کہ ان باتوں کا جو جواب وہ دیں، وہی جواب دوسرا بھی ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کردے۔

اور جب یہاں بھی یہ مثال، اس سے پہلے نمبر اور اس میں مذکور تفصیل کے مطابق، گھر کے علاوہ، مسجد پر بدرجۂ اولیٰ منطبق ہوسکتی تھی، جس کو تسلیم کر کے مذکورہ صاحبِ علم گھروں میں نمازِ جمعہ کو غیر صحیح وغیر واجب قرار دے کر، نمازِ ظہر کا مکلّف قرار دیتے ہیں، تو اس کو نظر انداز کر کے، گھر کی مثال ذکر کرنا، چہ معنیٰ دارد۔

منسلکہ تحریر کے نمبر 9 کے متعلق عرض ہے کہ تمام گھروں کے متعلق اصول وہی کارفرما ہوگا، جو ذکر کیا جاچکا۔

اور ان سب مثالوں میں مسجد کو نظر انداز کرنا، اور گھر کا انتخاب کرنا ہی بے محل، بلکہ ہیرا پھیری کے مترادف ہوگا، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

ہماری معلومات میں اس وقت حکومت کی طرف سے اپنے گھروں تک محدود رہنے کا حکم ہے، پھر جب تک اس قانون کی پابندی کو شرعاً ضروری قرار دیا جائے گا، یا اس کی خلاف ورزی پر

کوئی معقول نقصان پیش آنے کا اندیشہ ہوگا، اس وقت تک یہی حکم رہے گا، بلکہ اس صورت میں تو جمعہ کی خاطر اپنے قریبی گھر میں بھی جانے کی گنجائش مشکل ہوگی، چہ جائیکہ دُور دراز کے گھروں تک جانے کی جدوجہد کی جائے۔

منسلکہ تحریر کے نمبر **10** کے متعلق عرض ہے کہ موجودہ حالات اور حکومت کے موجودہ قانون کے پیشِ نظر، مذکورہ صاحبِ علم سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر کسی کے محلے میں سرے سے مسجد نہ ہو، جس کی وجہ سے وہاں جمعہ قائم نہ ہو، یا مسجد تو ہو، اور اس میں جمعہ بھی قائم ہو، لیکن اس کے دروازے بند ہوں، یا وہی قانون کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، بلکہ قانون پر عمل درآمد ہی کے لیے مسجد کے دروازے بند رکھے گئے ہوں، جس کی وجہ سے، اس کو اس مسجد میں داخل ہونا ممکن نہ ہو، خواہ محلے میں اس طرح کی ایک مسجد ہو، یا ایک سے زیادہ مساجد ہوں، تو کیا اس کو دوسرے محلے کی مسجد میں جانا ضروری ہوگا؟

اس بارے میں وہ جو معقول و موثر جواب ہمیں، یا اپنے سے سوال کرنے والوں کو مرحمت فرمائیں گے، ہم اسی جواب کو اپنے لیے بھی کافی سمجھنے میں ان شاء اللہ، لیت ولعل یا حیل وحجت سے کام نہ لیں گے، بشرطیکہ جواب معقول و موثر ہو۔

منسلکہ تحریر کے نمبر **11** کے متعلق ہماری طرف سے بھی نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ وھلم جرا.

لیکن اس قید کے ساتھ کہ ازراہِ کرم، مذکورہ تمام مقامات پر مسجد، یا جامع مسجد کی مثال کو ضرور شامل فرمالیں۔

کیونکہ موجودہ زمانے میں جماعت اور جمعہ کا معروف ومشہور مقام، مسجد ہے، اگر غیر معمولی حالات اور مخصوص قانون کی بناء پر اس معروف ومشہور اور معتاد مقام سے کسی کو معذور قرار دیا جاسکتا ہے، تو اس کو نظر انداز کر کے غیر معروف وغیر معتاد مقام کو مثال میں پیش کرنا، اس وقت زیب دے سکتا ہے، جبکہ موجودہ حالات میں مسجد کے لیے یہ تمام توسعات موجود ہوں، اور

اگر مسجد کے لیے یہ تمام توسعات موجود ہوں گے، تو پھر گھروں میں جمعہ کے قیام پر زور دینے کی موجودہ بحث کا ہی دروازہ بند ہو جائے گا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیں اور مذکورہ صاحبِ علم، بلکہ دنیا بھر کے اصحابِ علم کو اپنے قیمتی اوقاتِ زندگی کو اس بحث میں خرچ کرنے کی بھی خاطر خواہ ضرورت نہ رہے گی۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ صاحبِ علم، اس تحریر کے ذریعے نہ اپنا دعویٰ واضح طور پر ثابت کر سکے، اور نہ ہی اس دعوے پر کوئی مؤثر دلیل قائم کر سکے، بلکہ ان کا اس سلسلے میں جو پہلے سے دعویٰ، یا اس کے دلائل ہیں، وہ خود ان کے اس مجمل ومبہم دعوے کے خلاف ہیں، اور ان کے دعویٰ ودلائل میں التباس واختلاط کا قضیہ ایک الگ باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور ہم آخر میں اپنے اس دعوے کو صاف طور پر واضح کرنے میں بحمداللہ تعالیٰ کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ جب شہروں میں جگہ جگہ جمعہ کی نمازیں قائم ہوں، خواہ بڑے مجامع کے ساتھ یا چھوٹے مجامع کے ساتھ، ایسی صورت میں عام حالات میں بھی گھر کا دروازہ بند کر کے، چار یا زیادہ افراد کا جمعہ قائم کرنا فی نفسہٖ جائز ہے، اور گناہ نہیں، لیکن بلاضرورت اس طرزِ عمل کو اختیار کرنا، اور اس کی عادت بنانا پسندیدہ فعل نہیں۔

مذکورہ تحریر میں جو بعض نکات انتہائی مجمل انداز میں چھیڑے گئے ہیں، وہ کچھ تفصیل وتنقیح کے متقاضی ہیں، آگے ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اسی کے ساتھ اگر ہماری طرف سے الزامی نوعیت کی گفتگو سے کسی کی دل شکنی، یا ناگواری محسوس ہوئی ہو، تو اس کے لیے ہم برضائے الٰہی معذرت خواہ، بلکہ معافی کے خواستگار ہیں، اور اس سلسلہ میں بتقاضۂ حسنِ ظن پُر امید بھی ہیں، بالخصوص جبکہ ہماری معروضات کسی سے ذاتی ونفسانی اختلاف پر مبنی نہیں، بلکہ دینی جذبہ اور اس کے تقاضے پر مبنی ہیں۔

(فصل نمبر 1)

''سعی الی الجمعة'' ومعذور کی تحقیق

مذکورہ صاحبِ علم نے اپنی مختصر تحریر میں ''سعی الی الجمعة'' کے نکتہ کو بھی اٹھایا ہے، اور فقہائے کرام کی تصریحات کے بغیر اپنے موقف کو تقویت پہنچانے کی کوشش فرمائی ہے، لیکن اس مسئلہ کو بھی حسبِ عادت انہوں نے منقح نہیں کیا، اور ایسے انداز میں اس کا ذکر کردیا ہے، جس سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔

اس کے علاوہ کئی دوسرے اصحابِ علم کو بھی ''سعی الی الجمعة'' کے بعض پہلوؤں کے نادرونایاب ہونے کی وجہ سے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

اس لیے اب اس کے متعلق کچھ کلام کیا جاتا ہے، اور بعض ایسے پہلوؤں کی تحقیق کی کوشش کی جاتی ہے، جو بعض اصحابِ علم کی نظروں سے مخفی رہ جاتے ہیں۔

جمعہ کی سعی سے متعلق آیتِ قرآنی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ. ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورة الجمعة، رقم الآیة ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب نداء (یعنی اذان) دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن کی، تو سعی کرو تم، اللہ کے ذکر کی طرف، اور چھوڑ دو بیع کو، یہ بہتر ہے تمہارے لئے، اگر تم جانتے ہو (سورہ جمعہ)

اس آیتِ مبارکہ سے جمعہ کی فرضیت معلوم ہوئی۔

اور اس آیت میں نداء سے مراد ''اذان'' ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لئے اذان کا حکم ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن نماز کی اذان ہونے پر اللہ کے ذکر کی طرف سعی کا حکم فرمایا ہے، اور اس حکم کے بعد مزید تاکید یہ فرمائی کہ اذان کے بعد خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو۔ [1]

اور ''ذکرُ اللّٰہ'' سے مراد، نمازِ جمعہ، یا خطبۂ جمعہ، یا دونوں ہیں ''علىٰ إختلاف الأقوال، كما سيجيئ''

''سعی الی الجمعة'' کی توضیح

''سعی الی الجمعة'' سے مراد، جمعہ کی تیاری کرنا ہے، جو ہر شخص کے لیے، اسی کی حسبِ شان ہوتی ہے، مثلاً وضو، غسل کی ضرورت ہو، تو وہ کرنا، کیونکہ نماز کے لیے حدثِ اصغر واکبر سے پاکی ضروری ہے۔

---

[1] صلاة الجمعة من الفرائض المعلوم فرضيتها بالضرورة، وبدلالة الكتاب والسنة؛ فيكفر جاحدها .قال الكاساني :الجمعة فرض لا يسع تركها، ويكفر جاحدها والدليل على فرضيتها : الكتاب والسنة وإجماع الأمة.

أما الكتاب فقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله قيل " :ذكر الله "هو صلاة الجمعة، وقيل :هو الخطبة، وكل ذلک حجة؛ لأن السعي إلى الخطبة إنما يجب لأجل الصلاة، بدليل أن من سقطت عنه الصلاة لا يجب عليه السعي إلى الخطبة، فكان فرض السعي إلى الخطبة فرضا للصلاة؛ ولأن ذكر الله يتناول الصلاة ويتناول الخطبة من حيث إن كل واحد منهما ذكر الله تعالى.

وقد استدل الإمام السرخسي -أيضا -بالآية المذكورة من وجهين:

الوجه السابق، ووجه آخر حيث قال : اعلم أن الجمعة فريضة بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى :(فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع) والأمر بالسعي إلى الشيء لا يكون إلا لوجوبه، والأمر بترک البيع المباح لأجله دليل على وجوبه أيضا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص١٩٣، مادة "صلاة الجمعة")

جسم یا کپڑوں پر ناپاکی لگی ہوئی ہو، تو اس کو دور کرنا، کیونکہ نماز کے لیے جسم اور لباس کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔

اور اگر کوئی شخص پانی کو استعمال کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے، یا کسی اور وجہ سے، تو تیمّم کرنا۔

اور جس جگہ جمعہ ادا کیا جاسکتا ہو، تو وہاں پہنچنے اور قیامِ جمعہ کا اہتمام کرنا، خواہ وہ جگہ دور ہو، یا قریب ہو، یہاں تک کہ بالکل قریب کیوں نہ ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر کوئی، مثلاً اسی جمعہ قائم ہونے والے مقام پر ہو، جیسا کہ بہت سے مؤذنین اور خدامِ مسجد اور دینی مدارس و مکاتیب کے معزز اساتذہ وطلبہ وغیرہ، جمعہ قائم ہونے والے مقام پر ہوتے ہیں۔

تو اذان کے بعد ''سعی الی الجمعة'' ہر شخص پر اس کی حسبِ حیثیت وحسبِ شان واجب ہوگی، سب کے لیے یکساں حکم نہ ہوگا، اور ایک عمارت وغیرہ سے دوسری عمارت وغیرہ میں جانا، جہاں جمعہ قائم کیا جارہا ہے، وہاں جانا بھی سعی میں داخل ہوگا، یہاں تک کہ اگر اسی جگہ لیٹا، بیٹھا ہوا ہے، تو وہیں رہتے ہوئے خطبہ کی سماعت کرنے کا اہتمام کرنا بھی اس میں داخل ہوگا، اور اگر لیٹا ہوا ہے، اور بیٹھ کر جمعہ پڑھنے پر قادر ہے، تو وہیں رہتے ہوئے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے بیٹھ جانا، اور کھڑے ہونے پر قادر ہے، تو لیٹے یا بیٹھے ہوئے کا قیامِ جمعہ کے لیے کھڑا ہوجانا، یہ بھی ''سعی الی الجمعة'' میں داخل ہوگا۔

بہر حال جو لوگ دوسری جگہ جانے پر قادر نہیں، یا دوسری جگہ ان کو جمعہ کا حاصل ہونا میسر نہیں، لیکن اپنے مقام پر رہتے ہوئے، قیامِ جمعہ پر قادر ہیں، ان کو اپنی جگہ رہتے ہوئے قیامِ جمعہ کی سعی کرنا بھی ''سعی الی الجمعة'' کے مفہومِ عام میں اس کا جزو بن کر داخل ہے۔ [1]

اور بہت سے حضرات نے جو سعی کی تفسیر ''ذھـــــاب'' وغیرہ سے کی ہے، وہ اس کی ایک

---

[1] الصحة؛ لأن المريض تلحقه المشقة أيضا فی حضور الجمعة، وانتظار الإمام(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲ ص ۸۵، کتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

معروف شکل ہے، کیونکہ جمعہ، جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، اوراس کے لیے ہر ایک کو دوسرے کی عادتاً ضرورت پڑا کرتی ہے، بلکہ قیامِ جمعہ یعنی جمعہ کی جماعت کووجود میں لانے کے لیے ایک انسان، دوسرے انسان کا محتاج ہوتا ہے، تو اس مقصد کے لیے عادتاً وعموماً ''ذھــــاب'' کو بروئے کارلانا پڑتا ہے، خواہ وہ ذھابِ کثیر ہو، یا ذھابِ قلیل ہو، اوراسی حیثیت سے بعض نصوص میں ''رواحُ الجمعة'' کے الفاظ آئے ہیں۔ [1]

ورنہ اس میں حسبِ ضرورت وضو، غسل اور پا کی وطہارت بھی داخل ہے، جیسا کہ گزرا، اوران چیزوں کے لیے ''ذھاب'' لازم نہیں، بلکہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے ان امورکوانجام دیا جانا ممکن ہے، اورلفظِ ''ســعــی'' اللہ تعالیٰ کے معجز کلام ہی کا حصہ ہے، اور یہ اپنی جامعیت کے ساتھ ''سـعـی الـی الجمعة'' کی جملہ زمانوں اورمکانوں کی تمام عملی صورتوں اورشکلوں کو پوری طرح شامل اورمحیط ہے، اورجس زمانے اورجس علاقے میں بھی، جس ''مـــکـــلف بـالجمعة'' کے لیے، جس طرح کی ''سعی'' جمعہ اداء کرنے کے لیے درکار ہے، اس طرح کی سعی کا وہ مکلّف ہے، اورہمارے عرف میں بھی ''سعی'' کا لفظ ''کوشش'' کے معنیٰ میں اسی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں کام کی ''سعی'' ہی نہیں کی، اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوشش نہیں کی، یعنی جتنی کوشش کا وہ مکلّف تھا۔ ''فسبحان اللہ علیٰ کلام اللہ'' [2]

---

[1] عـن حـفـصة، عـن الـنبی – صلی الله علیه وسلم – قال:" عـلـی كل محتلم رواح الجمعة، وعلی من راح إلی الجمعة الغسل "(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۳۴۲)
قال شعیب الارنؤوط:اسناده صحیح(حاشیة سنن ابی داؤد)

[2] چنانچہ متعدد محققین نے اسی تحقیق کو ملحوظ رکھا ہے۔ محمد رضوان خان۔

وقوله تعالی :فاسعوا إلی ذكر الله ...الآیة، السعی فی الآیة لا یراد به الإسراع فی المشی، وإنما هو بمعنی قوله :وأن لیـس للإنسان إلا ما سعی ،فالسعی هو بالنیة والإرادة والعمل من وضوء ، وغسل، ومشی، ولبس ثوب كل ذلک سعی(تفسیر الثعالبی،ج۵،ص ۴۳۰،تفسیر سورة الجمعة)
وقال الجمهور :السعی العمل كقوله تعالی :(ومن أراد الآخرة وسعی لها سعیها وهو مؤمن) وقوله :(إن سعیكم لشتی)(من سورة اللیل) , وقوله :(وأن لیس للإنسان إلا ما سعی)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”سعی الی الجمعة“ کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ:

السعی إلى الجمعة وهو التأهب لها والاشتغال بأسبابها والمشی واجب على الفور وجوبا مضيقا وليس على التوسعة كغيرها من الصلوات لقوله تعالى (فاسعوا) والمعنى فيه تعظيم الجمعة على غيرها من الصلوات فخصت بوجوب السعی إليها من أول الوقت قصدا (فتاویٰ السبکی ج ۱ ص ۱۶۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة)

ترجمہ: جمعہ (کی نماز) کی سعی کرنا، اور وہ جمعہ (کی نماز) کے لیے ”تأھب“ (یعنی تیاری) کرنا اور جمعہ (کی نماز) کی تیاری کے اسباب میں مشغول ہونا اور جمعہ (کی نماز) کی طرف چلنا ہے، جوکہ فی الفور بغیر کسی تاخیر کے واجب ہے، اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں، جیسا کہ دوسری نمازوں میں گنجائش ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ”سعی کرو“۔

اوراس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کو دوسری نمازوں پر تعظیم حاصل ہے، اس لیے جمعہ (کی نماز) کی طرف سعی کا اول وقت میں واجب ہونا قصداً جمعہ (کی نماز) کے ساتھ خاص ہے (فتاویٰ السبکی)

اور ”بدائعُ الصنائع“ میں ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمعنى: فاعملوا على المضى إلى ذكر الله واشتغلوا بأسبابه من الغسل والطهر والتوجه إليه (تفسير اللباب لابن عادل، ج ۱۹ ص ۸۵، تفسير سورة الجمعة)

وعبر بالسعی إشارة إلى أنه يطلب من المسلم القيام للجمعة بهمة ونشاط، وجد وعزيمة، لأن لفظ السعی يفيد الجد والعزم. إلى ذكر الله للصلاة (التفسير المنير فى العقيدة والشريعة والمنهج، ج ۲۸، ص ۱۹۵، تفسير سورة الجمعة)

وليس المراد بالسعی هاهنا المشی السريع وإنما هو الاهتمام بها كقوله تعالى: ومن أراد الآخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن (تفسير ابن كثير، ج ۸، ص ۱۴۵، تفسير سورة الجمعة)

قيل ذكر الله هو صلاة الجمعة، وقيل هو الخطبة وكل ذلك حجة؛ لأن السعي إلى الخطبة إنما يجب لأجل الصلاة بدليل أن من سقطت عنه الصلاة لا يجب عليه السعي إلى الخطبة فكان فرض السعي إلى الخطبة فرضا للصلاة، ولأن ذكر الله يتناول الصلاة ويتناول الخطبة من حيث إن كل واحد منهما ذكر الله تعالى(بدائع الصنائع ، ج ا ص ۲۵۶ ، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ ذکرُ اللہ سے مراد جمعہ کی نماز ہے اور کہا گیا ہے کہ خطبہ مراد ہے اور یہ دونوں باتیں حجت ہیں، اس لیے کہ خطبہ کی طرف سعی جمعہ کی نماز ہی کی وجہ سے ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس پر جمعہ کی نماز واجب نہ ہو، اس پر خطبہ کی سعی بھی واجب نہیں رہتی، پس خطبہ کے لیے سعی کا فرض ہونا، جمعہ کی نماز ہی کے لیے فرض ہے اور اس لیے بھی کہ ذکرُ اللہ نماز اور خطبہ دونوں کو شامل ہے، اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک ذکرُ اللہ ہے (بدائعُ الصنائع)

اس طرح کی اور بھی ان گنت عبارات وحوالہ جات ہیں، جن کو نقل کرنا تطویل کا باعث ہوگا۔

معلوم ہوا کہ جمعہ کی اذان کے بعد، جمعہ کی سعی ضروری ہوجاتی ہے، اور اس سعی میں جو اُمور مخل ہوں، بطور خاص خرید وفروخت، اور اس کے علاوہ وہ تمام کام ممنوع ہوجاتے ہیں، جو جمعہ کی سعی میں مخل ہوں، اور جب یہ ممانعت، جمعہ کی سعی میں مخل ہونے کی وجہ سے ہے، تو اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے، جن پر جمعہ کی نماز کا پڑھنا واجب ہو، اور جن پر جمعہ کی نماز پڑھنا واجب نہ ہو، مثلاً عورت، مسافر، غلام اور قیامِ جمعہ پر غیر قادر مریض، تو ان لوگوں کے لیے یہ ممانعت نہیں۔ [1]

---

[1] البتہ حنابلہ کے نزدیک ممانعت بیع وشراء کے عقد کے ساتھ خاص ہوتی ہے، اور بیع وشراء کے علاوہ دیگر تمام عقود جائز ہوتے ہیں۔ محمد رضوان۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جمعہ سے معذور افراد سے متعلق احادیث

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، جن پر جمعہ واجب نہیں، اور اس کی وجہ سے وہ جمعہ سے معذور کہلاتے ہیں، تو ان کا ذکر، مندرجہ ذیل احادیث میں ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فصل :وتحريم البيع، ووجوب السعى، يختص بالمخاطبين بالجمعة، فأما غيرهم من النساء والصبيان والمسافرين، فلا يثبت فى حقه ذلك .وذكر ابن أبى موسى فى غير المخاطبين روايتين . والصحيح ما ذكرنا؛ فإن الله تعالى إنما نهى عن البيع من أمره بالسعى، فغير المخاطب بالسعى لا يتناوله النهى، ولأن تحريم البيع معلل بما يحصل به من الاشتغال عن الجمعة، وهذا معدوم فى حقهم.

فإن كان المسافر فى غير المصر، أو كان إنسانا مقيما بقرية لا جمعة على أهلها، لم يحرم البيع قولا واحدا، ولم يكره .وإن كان أحد المتبايعين مخاطبا والآخر غير مخاطب، حرم فى حق المخاطب، وكره فى حق غيره؛ لما فيه من الإعانة على الإثم ويحتمل أن يحرم أيضا :(ولا تعاونوا على الإثم والعدوان) (المغنى لابنِ قدامة الحنبلى، ج٢ص ٢٢٠، كتاب صلاة الجمعة ، فصل تحريم البيع ووجوب السعى يختص بالمخاطبين بالجمعة)

قيود تحريم هذا البيع:إن هذا النهى الذى اقتضى التحريم أو الكراهة، مقيد بقيود:

أ -أن يكون المشتغل بالبيع ممن تلزمه الجمعة، فلا يحرم البيع على المرأة والصغير والمريض، بل نص الحنفية على أن هذا النهى قد خص منه من لا جمعة عليه.ومع ذلك، فقد ذكر ابن أبى موسى -من الحنابلة -روايتين فى غير المخاطبين، والصحيح عندهم أن التحريم خاص بالمخاطبين بالجمعة .وذلك :لأن الله تعالى إنما نهى عن البيع من أمره بالسعى، فغير المخاطبين بالسعى لا يتناولهم النهى .ولأن تحريم البيع معلل بما يحصل به من الاشتغال عن الجمعة، وهذا معدوم فى حقهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٩، ص٢٢٥ ،مادة "بيع")

قياس غير البيع من العقود عليه فى التحريم:

النهى عند الجمهور شامل البيع والنكاح وسائر العقود(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٩، ص٢٢٦، مادة "بيع")

يعلم أن صورة البيع غير مقصودة، وإنما المقصود ما يشغله عن ذكر الله تعالى مثل النكاح وغيره، ولكن ذكر البيع لأنه أهم ما يشتغل به عن ذكر الله تعالى(تفسير القرطبى، ج٥ ص ٢٦ ،سورة النساء)

وذروا البيع أراد ترك ما يشغل عن الصلاة والخطبة وانما خص البيع بالذكر لاشتغالهم غالبا بعد الزوال فى الأسواق بالبيع والشراء فلو عقد البيع فى الطريق وهو يمشى الى الجمعة لا بأس به (التفسير المظهرى، ج٩ص ٢٨٢، سورة الجمعة)

حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةٍ: عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ، أَوْ اِمْرَأَةٍ، أَوْ صَبِيٍّ، أَوْ مَرِيْضٍ (سنن أبی داود، رقم الحديث ١٠٦٧، كتاب الصلاة، ابواب الجمعة، باب الجمعة للمملوک والمرأة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا ضروری حق ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے، ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے نابالغ بچہ، چوتھے مریض (ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةٍ: عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ، أَوْ اِمْرَأَةٍ، أَوْ صَبِيٍّ، أَوْ مَرِيْضٍ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ١٠٦٢، كتاب الجمعة) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا ضروری حق ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے، ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے نابالغ بچہ، چوتھے مریض (حاکم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ چار قسم کے افراد پر جمعہ واجب نہیں، اور جب ان پر جمعہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح. طارق بن شهاب اتفِق على أنه رأى رسولَ الله -صلّى الله عليه وسلم -، لكن اختُلف هل سمع منه أم لا؟ وعلى تقدير أنه لم يسمع منه تكون روايته مرسل صحابی، وهو حجة بالإجماع إلا من شذَّ، كما قال ابنُ الملقن فی "البدر المنير (حاشية سنن ابی داؤد)

[2] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد اتفقا جميعا على الاحتجاج بهريم بن سفيان ولم يخرجاه ورواه ابن عيينة، عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر ولم يذكر أبا موسى فی إسناده، وطارق بن شهاب ممن يعد فی الصحابة .

و قال الذهبی فی التلخيص: صحيح.

واجب نہیں، تو ان پر جمعہ کی سعی بھی واجب نہیں۔ [1]

اور مریض کی توضیح پہلے کی جا چکی ہے اور آگے بھی آتی ہے، اپاہج، اور عام نابینا وغیرہ بھی، مریض کے حکم میں داخل ہیں، اس لیے ان کے الگ سے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

جبکہ بعض اوقات انسان کے فی نفسہٖ مکلّف بالجمعۃ ہونے کے باوجود، خارج میں کوئی دوسرا معقول ومؤثر عذر بھی پیش آ سکتا ہے، مثلاً تیز بارش، یا ہنگامی حالات میں قانونی یا معاشرتی مجبوری وغیرہ، جیسا کہ بعض احادیث میں اس قسم کی چیزوں کا ذکر ہے، اور فقہائے کرام کی تصریحات وتوضیحات بھی اس سلسلہ میں موجود ہیں، چنانچہ فقہائے کرام نے مختلف اسباب کے پیشِ نظر جمعہ واجب نہ ہونے، یا جمعہ کے لیے حاضر نہ ہونے پر کلام فرمایا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [2]

اذان پر وجوبِ سعی اور معذور پر وجوبِ جمعہ کی توضیح

پھر اذانِ جمعہ پر سعی سے یہ مراد نہیں کہ اگر کہیں اذان کی آواز نہ آئے، یا کسی کو اذان سنائی نہ دے، تو اس پر جمعہ کی سعی واجب ہی نہ ہو، کیونکہ اذان تو دراصل جمعہ کی طرف بلانے اور دعوت دینے کے لیے مشروع اور سنت ہے، ورنہ اصل فریضہ، جس کی طرف دعوت دی جاتی ہے، وہ نماز ہے، جس کے لیے خطبہ بھی ضروری ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''منحۃُ الخالق'' میں فرمایا کہ:

---

[1] والمأمور بالسعی هو المؤمن الصحیح البالغ الحر الذكر، ولا جمعة علی مسافر فی طاعة، فإن حضرها أحسن، وأجزأته(تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الكتاب العزیز،لا بن عطیة الأندلسی، ج۵، ص۳۰۸،سورة الجمعة)

[2] (الجمعة حق واجب علی كل مسلم مكلف) زاد فی روایة یؤمن بالله والیوم الآخر (فی جماعة) فیشترط أن تقام فی جماعة (إلا علی أربعة) بالنصب لأنه استثناء من موجب (عبد مملوك فلا جمعة علیه لشغله بخدمة سیده (أو امرأة) ومثلها الخنثی (أو صبی) ولو مراهقا (أو مریض) وكذا مسافر وكل من له عذر مرخص فی ترك الجماعة (فیض القدیر للمناوی،ج۳ص۳۵۸، تحت رقم الحدیث ۳۶۳۰)

''سلف کے زمانے میں جماعت کی نماز ایک ہی مرتبہ ہوتی تھی، اور وہ ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں ہوتی تھی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہی حالت تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کو نماز پڑھا دیا کرتے تھے، تو جو شخص اس نماز سے پیچھے رہ جاتا تھا، تو اس کی جماعت فوت ہو جاتی تھی، اور عنقریب یہ بات آتی ہے کہ اہلِ مذہب (یعنی حنفیہ) کے نزدیک، راجح یہ ہے کہ جماعت واجب ہے، تو اس نماز کے وقت اس کی سعی بھی واجب ہوگی، اور وہ سعی اذان سے واجب ہوتی ہے، جیسا کہ جمعہ کے دن کی سعی، اذان سے واجب ہوتی ہے، اور وہ نماز کے لیے واجب ہوتی ہے، خود اذان کے لیے واجب نہیں ہوتی''۔ انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ میں ایک ہی جماعت ہوتی تھی، اس لیے جو شخص اس سے رہ جاتا تھا، وہ ایک طرح سے جماعت سے رہ جاتا تھا، جمعہ کا بھی یہی حال تھا، اور پنج گانہ نمازوں، اور جمعہ کی اذان، اور اس کے نتیجہ میں جماعت، یا جمعہ کی سعی واجب ہونے کا بھی یہی حال تھا، اس فرق کے ساتھ کہ اس وقت جمعہ کی صرف ایک دوسری اذان ہی تھی، اور اس پر ''سعی'' واجب تھی، اور اب بھی جمہور غیر حنفیہ، بلکہ بعض حنفیہ کے نزدیک اسی پر واجب ہے، مگر جمہور حنفیہ کا قول پہلی اذان پر سعی واجب ہونے کا ہے۔

اور اب جبکہ تعددِ جمعہ وجماعاتِ پنجگانہ، رائج اور جائز ہیں، اور تصریحاتِ فقہاء کے پیشِ نظر،

---

[1] وقد يجاب بأن ذلك مبنى على ما كان فى زمن السلف من صلاة الجماعة مرة واحدة وعدم تكررها كما هو فى زمنه -صلى الله عليه وسلم -فإنه هو الذى كان يصلى بأصحابه فإذا فرغ فمن تخلف تفوته الجماعة وسيأتى أن الراجح عند أهل المذهب وجوب الجماعة فيجب السعى إليها عند وقتها وذلك بالأذان كما فى'' السعى يوم الجمعة يجب بالأذان لأجل الصلاة لا لذاته''
فتأمل ذلك فلعله يحصل به التوفيق بين كل من القولين(منحة الخالق على البحر الرائق، ج ١، ص ٢٧٣، كتاب الصلاة ،باب الأذان)

یہاں تک بھی جائز ہے کہ اپنے گھر میں شرائطِ صحتِ جمعہ کے ساتھ، جمعہ و جماعت کی جائے، تو اس کی وجوبِ سعی کا مقصود، اسی طرزِ عمل کے ذریعے سے حاصل ہو جائے گا۔

کیونکہ یہ گزر چکا کہ سعی کا وجوب، اس وجہ سے ہے کہ جمعہ کا فریضہ ادا کیا جا سکے، تو جو شخص، جس شکل میں قیامِ جمعہ پر قادر ہے، تو وہ اسی حیثیت سے، اس فریضہ کی ادائیگی کی سعی کا بھی مکلّف ہوگا۔

البتہ جو اس طرح کے معذور ہیں کہ ان کا عذر، مذکورہ صورت میں بھی ان کے ساتھ قائم ہے، جیسا کہ عورت، غلام، مسافر، ان پر قیامِ جمعہ کے مقام واجتماع کے قریب اور انتہائی قریب ہوتے ہوئے بھی جمعہ، یا اس کی سعی واجب نہیں، تا آنکہ کوئی وجوب لغیرہٖ کی وجہ نہ پائی جائے، مثلاً امام کے ساتھ جمعہ میں نیت باندھ کر شریک ہو جانا وغیرہ۔

اور مریض کے کسی بھی حیثیت سے مع اپنی شرائط کے قیامِ جمعہ پر قادر ہونے کے باوجود بھی اس کو مریض ہونے کی وجہ سے ''**معذور عن الجمعة** '' سمجھنے سے کم از کم ہمیں اتفاق نہیں۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''**منحة الخالق** '' میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

> ''جمعہ کی سعی تو فرض ہے، لیکن (**عند الحنفية**) اذانِ اول کے بعد واجب ہے، فرض نہیں ہے، کیونکہ اس اذان پر سعی واجب ہونے میں اختلاف ہے، لہٰذا اس میں شبہ پیدا ہو گیا''۔ انتہٰی۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ غیر حنفیہ کے نزدیک دوسری اذان پر ''سعی'' واجب ہے، اور حنفیہ کے نزدیک پہلی اذان پر واجب ہے، اس لیے ''سعی'' جو کہ فی نفسہٖ فرض تھی، اس کو پہلی اذان پر فرض نہیں کہا گیا، واجب کہا گیا، اور اس واجب سے مراد بھی حنفیہ کا مخصوص اصطلاحی واجتہادی واجب ہے، منصوص اور متفق علیہ واجب مراد نہیں۔

اور امام قدوری نے فرمایا کہ:

---

[1] أصل السعي فرض وأما كونه عند الأذان الأول فهو واجب وليس بفرض للاختلاف فيه فأورث شبهة (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص ۱۶۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

''شہر میں اذان کا سننا معتبر نہیں، کیونکہ جو شخص شہر کے کنارے میں ہو، تو اس پر بھی جمعہ کی نماز واجب ہے، اگر چہ وہ اذان نہ سنے''۔ انتھٰی۔ [1]

اور امام قرطبی نے فرمایا کہ:

''امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا کہ شہر میں جمعہ واجب ہے، اذان سنے یا نہ سنے، اور شہر سے باہر والے پر جمعہ واجب نہیں، خواہ وہ اذان بھی سنے''۔ انتھٰی۔ [2]

اور علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''رَدُّ المحتار'' میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

''بعض حضرات نے فناء کی تعریف، اذان کی آواز سننے سے کی ہے، لیکن یہ راجح نہیں، بلکہ اس قسم کی قیود کے بجائے، فناء کا مدار، اس کے فناء کی تعریف، صادق آنے پر ہے، خواہ وہاں اذان کی آواز نہ بھی آئے''۔ انتھٰی۔ [3]

مذکورہ عبارات کا مطلب یہ ہے کہ ''عندالحنفية'' جمعہ فرض ہونے کے لیے کسی کا اذان سننا ضروری نہیں، لہٰذا جس کو اذان کی آواز نہ آئے، اس پر بھی جمعہ کی سعی اپنے مقصود، یعنی حصولِ جمعہ و قیامِ جمعہ کے لیے ضروری ہے، بالکل اسی تفصیل کے مطابق، جس کا ذکر کیا گیا۔

اسی طرح شہر کا جو حصہ اس کی حدود و فناء میں داخل ہو، وہاں نمازِ جمعہ درست ہے، خواہ وہاں اذان کی آواز بھی نہ آئے۔

---

[1] قلنا: اعتبار سماع النداء في المصر غير معتبر؛ لأنه لا يجب على من كان في نواحي المصر وإن كان لا يسمع النداء(التجريد للقدوری، ج۲، ص۹۱۸، كتاب الصلاة، رقم المسئلة ۳۹۴۰)

[2] وقال أبو حنيفة وأصحابه تجب على من في المصر، سمع النداء أو لم يسمعه، ولا تجب على من هو خارج المصر وإن سمع النداء(تفسير القرطبی، ج۱۸، ص۱۰۴، تفسير سورة الجمعة)

[3] (قوله والمختار للفتوى إلخ) اعلم أن بعض المحققين أهل الترجيح أطلق الفناء عن تقديره بمسافة وكذا محرر المذهب الإمام محمد وبعضهم قدره بها وجملة أقوالهم في تقديره ثمانية أقوال أو تسعة غلوة ميل ميلان ثلاثة فرسخ فرسخان ثلاثة سماع الصوت سماع الأذان والتعريف أحسن من التحديد لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۱۳۹، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

اور جو بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں دور پرے سے اذانِ جمعہ کی آواز آرہی ہے، وہاں، یا ان میں سے کسی ایک مقام پر جانے سے ہی یہ سعی کا وجوب ادا ہوگا، اگر کوئی اپنے یہاں متعلقہ شرائط کے ساتھ جمعہ ادا کرے، اس سے وجوب اداء نہ ہوگا، یہ سخت غلط فہمی ہے، کیونکہ سعی خود سے تو واجب ہی نہیں تھی، بلکہ جمعہ کے لیے واجب تھی ''**سعی الی الجمعة**'' کے الفاظ میں بھی، سعی کی نسبت، جمعہ کی طرف ہے۔

لہٰذا اندریں حالات، اگر کوئی اپنے یہاں بشرائطِ صحتِ جمعہ، قیامِ جمعہ کا اہتمام وانتظام کر کے اس فریضہ کو ادا کرلیتا ہے، اور کسی دوسرے فعلِ منکر کا بھی ارتکاب نہیں کرتا، وہ ہرگز فعلِ واجب کے ترک کا مرتکب شمار نہ ہوگا، جیسا کہ ہماری مبحوث فیہ صورت ہے۔

''کتابُ الأصل'' کا حوالہ

امام محمد رحمہ اللہ نے ''کتابُ الاصل'' میں فرمایا کہ:

قلت: أرأيت إن كانوا دخلوا المصر فصلوا الجمعة مع أهله؟

قال: تجزيهم.

قلت: لم وهم مسافرون وليس عليهم جمعة؟

قال: إذا دخلوا مع الإمام وجب عليهم ما وجب على الإمام.

ألا ترى أن المرأة والعبد لا جمعة عليهما، ولو صليا الجمعة مع الإمام أجزأهما .أولا ترى أن المسافر عليه أن يصلى ركعتين، فإذا دخل فى صلاة مقيم وجب عليه ما وجب على المقيم، فكذلك الجمعة (كتاب الاصل للشيباني، ج ا ص ۲۵۸، كتاب الصلاة، باب الإمام يحدث فيقدم رجلا ويحدث الثاني فيقدم آخر)

ترجمہ: میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ اگر مسافر شہر میں داخل ہوجائیں، پھر وہ جمعہ کی اہلیت رکھنے والوں کے ساتھ جمعہ پڑھ لیں، تو کیا آپ کی رائے کے

مطابق ان کا جمعہ جائز ہوجائے گا؟

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جائز ہوجائے گا۔

میں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے، حالانکہ وہ مسافر ہیں، اور ان پر جمعہ واجب نہیں؟

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب وہ امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوجائیں، تو ان پر وہی چیز واجب ہوجاتی ہے، جو امام پر واجب ہوتی ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عورت اور غلام پر جمعہ واجب نہیں، لیکن اگر وہ امام کے ساتھ جمعہ پڑھ لیں، تو ان کی نماز جائز ہوجائے گی، اور کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسافر کے اوپر دو رکعتیں واجب ہیں، لیکن جب وہ مقیم کی نماز میں شامل ہوتا ہے، تو اس کے اوپر وہی چیز واجب ہوجاتی ہے، جو مقیم پر واجب ہوتی ہے (یعنی چار رکعات) (کتاب الاصل)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جو افراد جمعہ سے معذور ہوں، جیسا کہ مسافر، اگر وہ امام کے ساتھ، جمعہ میں شریک ہوجائیں، تو ہی ان پر جمعہ واجب ہوتا ہے، اور ان کا جمعہ درست بھی ہوجاتا ہے، اس سے پہلے ان پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

مسافر اور غلام اور آخری درجے میں عورت کا مسئلہ تو واضح ہے۔ [1]

جہاں تک مریض کا تعلق ہے، تو اس کے لیے یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ پہلے سے ایسے مقام پر موجود ہو، جہاں جمعہ قائم کیا جارہا ہے، اور وہ جگہ خواہ مسجد ہو، یا غیرِ مسجد ہو، یا جمعہ کے وقت وہ مریض جمعہ قائم ہونے والی جگہ پہنچ گیا ہو، اور اب اس کو جمعہ میں بشرائطِ صحت شریک ہونے

---

[1] لیکن مذکورہ صاحبِ علم نے اپنی منسلکہ تحریر میں اس کے برعکس ''معذور'' پر نمازِ جمعہ میں شریک ہوئے بغیر، جمعہ واجب ہونے کا دعویٰ فرمایا ہے، اور دلیل دینے کی زحمت بھی نہیں فرمائی، دلیل کے مطالبہ پر بھی اس کو 'بدیہی' قرار دے دیا۔
جبکہ فقہائے کرام کی تصریحات، ان کے دعوے کے برخلاف ہیں، الّا یہ کہ مذکورہ صاحبِ علم کو 'معذور' کی حقیقت سمجھنے میں کوئی غلط فہمی ہو۔ محمد رضوان خان۔

میں مرض حائل نہ ہو، تو ایسی صورت میں اس شخص کا مرض، جمعہ میں شرکت یا حاضری میں (جو بھی نام دیا جائے) حائل نہیں رہا، اوراس حیثیت سے وہ معذور نہ رہا، یعنی اب وہ معذور کی صفت کے ساتھ متصف نہ رہا، لہٰذا اس طرح کی خاص صورت میں اس پر نماز میں شریک ہوئے بغیر بھی جمعہ واجب ہوجائے گا، برخلاف مسافر کے، جس کا مذکورہ عبارت میں ذکر ہے، اوراس کے اخوات، یعنی غلام اور عورت کے، کہ وہ شریک ہونے سے پہلے بھی معذور ہونے کے ساتھ متصف ہیں، لہٰذا ان پر شرکت سے پہلے جمعہ لازم نہیں ہوگا، الا یہ کہ ان کی یہ صفت زائل ہوجائے، مثلاً مسافر، اپنی نیتِ اقامت وغیرہ کی وجہ سے مقیم ہوجائے، یا غلام، آزاد ہوجائے، برخلاف عورت کے، کہ اس کا عادتاً وفطرتاً، مرد ہونا ممکن نہیں۔

پس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو علی الاطلاق یہ سمجھا جاتا ہے کہ جمعہ کو گھر وغیرہ میں قائم کرنے سے، وہاں پر موجود معذور افراد پر بھی جمعہ کا واجب کرنا لازم آتا ہے، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے، اور یہ گھر کی صورت تو ایک اتفاقی ہے، اور وہ بھی کافی حد تک فرضی، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ صورت مسجد میں، یا کسی کھلی جگہ میں، یا شہر کے کسی حصے میں جمعہ قائم کرنے کی صورت میں بھی بدرجہ اولیٰ پیش آسکتی ہے، بلکہ پیش آتی ہے۔

پھر اگر کوئی معذور، جمعہ میں شریک ہو بھی جائے، یا اس کو جمعہ میں شرکت سے کوئی معقول عذر نہ ہو، اور اس کو جمعہ میں شرکت کی دعوت دے بھی دی جائے، تو اس میں کون سا گناہ لازم آتا ہے، بلکہ اس میں تو اضافی ثواب ہے، متعدد فقہائے کرام نے معذور کے لیے بھی جمعہ کے دن، ظہر کے بجائے، جمعہ کو عزیمت قرار دیا ہے، البتہ بعض نے عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے، اور اس مستثنیٰ کرنے کی اصل وجہ بھی، گھر سے خروج ہے، اور وہ وجہ بھی گھر میں جمعہ قائم ہونے کی صورت میں مرتفع ہوجاتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی نے نقل کیا ہے کہ معذورین کو نمازِ جمعہ کا پڑھنا افضل ہے، سوائے عورت کے، لیکن اگر کسی عورت کا گھر، مسجد کے ساتھ متصل ہو، اور صحتِ اقتداء میں

کوئی مانع نہ ہو، تو اس کے لیے بھی نمازِ جمعہ میں شرکت افضل ہے۔ [1]

اور آخری درجے میں عرض ہے کہ اگر کسی فرد پر، جمعہ کا واجب ہونا بھی لازم آ جائے، تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، کیونکہ مریض پر حسبِ قدرت نمازِ ظہر، پہلے سے ہی فرض ہے، اور مقیم ہونے کی صورت میں اس پر چار رکعات فرض ہیں، اگر اس کو جمعہ کا حکم دیا بھی جائے گا، تو اس کو دو رکعتیں پڑھنے کا ہی مکلّف کیا جائے گا، رہا خطبہ کا معاملہ، تو وہ ہر ایک کو پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لیے سننا، اور اس سے بڑھ کر خاموش رہنا بھی کافی ہے، نیز خطبہ کا مختصر اور نہایت مختصر ہونا بھی کافی ہے۔

اور اس کے باوجود بھی کوئی زیادہ زور لگائے، تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ گھر میں کسی مریض کو جمعہ پڑھنے میں غیر معمولی مشقت لاحق ہوسکتی ہے، ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس صورت میں وہ معذور ہے، اور اس پر جمعہ واجب ہی نہیں، پھر اشکال کی کیا بات رہی۔

اور یہ بات ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ ایک نادرُ الوجود، یا فرضی سی صورت کی وجہ سے کیا اہلِ شہر کے تمام مقیم، بالغ، آزاد، صحت مند افراد سے جمعہ کو معاف قرار دیا جا سکتا ہے، ایسی صورت میں ان چند افراد کو عاصی قرار دینے سے بچنے کے لیے، اور وہ بھی زور زبردستی اور فرضی سی صورت متصور کر کے، اجتماعی طور پر لاکھوں افراد کو اس سے بڑے گناہ کا مرتکب اور فرض کا تارک ٹھہروانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

اور یہ بھی ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ عامۃُ المسلمین کے دلوں میں جو جذبۂ شوق، جمعہ کی نماز کا پایا جاتا ہے، وہ ظہر کی نماز کا نہیں پایا جاتا، جس کی وجہ سے جمعہ کی نماز کو ادا کرنے کے لیے بہت سے ایسے مسلمان بھی خوش دلی کے ساتھ تیار ہو جاتے ہیں، جو نمازِ ظہر کو ادا کرنے کا

---

[1] (قوله :وفي البحر إلخ) أخـذه في البحر من ظاهر قولهم :إن الظهر لهم رخصة فدل على أن الجمعة عزيمة، وهي أفضل إلا للمرأة لأن صلاتها في بيتها أفضل وأقره في النهر، ومقتضى التعليل أنه لو كان بيتها لصيق جدار المسجد بلا مانع من صحة الاقتداء تكون أفضل لها أيضا(رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۱۵۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

اہتمام نہیں کرتے، اور ان کو اگر جمعہ کے دن، جمعہ کے بجائے نمازِ ظہر پڑھنے کو کہا جائے، تو آسانی سے تیار نہیں ہوتے، مگر جمعہ کے لیے بآسانی، بلکہ کسی کے کہے بغیر، خود سے تیار ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ کسی ہسپتال کی عمارت میں اگر جمعہ قائم کیا جائے، تو بہت سے مریض بھی جمعہ اداء کرلیتے ہیں، اور وہاں ظہر کی نماز پڑھی جائے، تو بہت سے مریض ظہر بھی نہیں پڑھتے۔

اور یہ شوق اور جذبہ، دراصل جمعہ کے شعارِ اسلام ہونے کی وجہ سے منجانب اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دل میں راسخ ہوتا ہے، جو کسی کے نکالنے کی کوشش کرنے سے بھی نہیں نکلتا۔

’’المبسوط للسرخسی‘‘ کا حوالہ

’’المبسوط للسرخسی‘‘ میں ہے کہ:

’’مریض کو جمعہ کے لیے حاضر ہونے کی وجہ سے، اور امام کے انتظار کی وجہ سے حرج لاحق ہوتا ہے‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مریض بالفرض، جمعہ قائم ہونے والی جگہ ہو، اور اسے امام کے انتظار کی وجہ سے بھی حرج لاحق ہوتا ہو، تب بھی وہ جمعہ سے معذور ہی کہلائے گا، اور ایسے مریض کے قریب، گھر میں جمعہ قائم کرنے سے اس پر جمعہ کا فرض ہونا لازم نہیں آئے گا، الّا یہ کہ اس میں اس کو حرج لازم نہ آتا ہو، اور کوئی دوسری وجہ بھی حرج کی نہ ہو۔

’’المبسوط للسرخسی‘‘ میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

’’جمعہ، ظہر سے قوی تر ہے، اور ضعیف، قوی کے مقابلہ میں ظاہر نہیں ہوتا، اور مریض کا حکم صحت مند سے، اس لیے جدا ہے کہ اس پر جمعہ کی سعی واجب نہیں، لیکن اگر وہ جمعہ کی نماز میں شریک ہوجائے، تو وہ اور صحت مند برابر ہیں، اس پر

---

[1] والمریض یلحقہ الحرج فی شھود الجمعۃ وانتظار الإمام (المبسوط، للسرخسی، ج ۲، ص ۲۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ)

بھی جمعہ فرض ہو جائے گا''۔ انتھٰی۔ [1]

شرکتِ جمعہ مختلف شکلوں میں وجود پذیر ہو سکتی ہیں، صرف یہی نہیں کہ کہیں چل کر جائے، یا دور چل کر، بلکہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے چند لوگوں کے ساتھ شریک ہو جائے، وہ بھی شریکِ جمعہ ہی کہلائے گا۔

اس لیے مریض کے متعلق، مذکورہ صاحبِ علم کو، جو غلط فہمی پائی جاتی ہے، اس کو دور کرنا چاہیے۔

اوپر امام محمد اور اس کے بعد ''المبسوط للسرخسی'' کی عبارات سے یہ واضح ہو چکا کہ جن لوگوں پر جمعہ واجب نہ ہو، اور وہ معذور ہوں، جب تک وہ جمعہ میں شریک نہ ہوں، اور وہ اس صفتِ عذر کے ساتھ متصف ہوں، ان پر شرکت فی الجمعۃ سے پہلے جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

حنفیہ کی دیگر کئی کتب میں بھی اس طرح کے متعدد جزئیات ہیں، جن سے اسی موقف کا راجح ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس طرح کی چند عبارات ذیل میں جاتی ہیں۔

''المحیطُ البرھانی'' کا حوالہ

''المحیطُ البرھانی'' میں ہے کہ:

> ''اگر آقا، غلام کو جمعہ میں حاضر ہونے کی اجازت دے دے، تو غلام کو جمعہ پڑھنا جائز ہے، لیکن اس صورت میں غلام پر جمعہ پڑھنا واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اجازت ملنے کے بعد بھی، اس کے مملوک اور غلام ہونے کی حیثیت برقرار ہے، اور اجازت ملنے کے بعد اس کے منافع، اس کے مملوک نہیں ہو جاتے۔

---

[1] نقول: الجمعة أقوى من الظهر ولا يظهر الضعيف فى مقابلة القوى وإنما فارق المريض الصحيح فى الترخص بترك السعى إلى الجمعة فإذا شهدها فهو والصحيح سواء فيكون فرضه الجمعة(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج٢، ص ٣٢، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

اور شمس الائمہ حلوانی نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر غلام اپنے آقا کے ساتھ، جامع مسجد میں اپنے آقا کی سواری کو محفوظ رکھنے کے لیے حاضر ہوا، تو اگر آقا کی سواری کی حفاظت میں کوتاہی لازم نہ آئے، تو غلام کے لیے جمعہ پڑھنا، اصح قول کے مطابق جائز ہے (واجب پھر بھی نہیں)

اور اگر مسافر، شہر میں اس نیت سے آیا کہ وہ جمعہ کے دن شہر سے باہر نہیں نکلے گا، تو بھی اس پر جمعہ لازم نہ ہوگا، جب تک وہ شہر میں مقیم ہونے کی نیت نہ کرے۔

اور دیہاتی اگر شہر میں جمعہ کے دن اس نیت سے آیا کہ وہ جمعہ کا وقت داخل ہونے سے پہلے، یا جمعہ کا وقت داخل ہونے کے بعد، مگر جمعہ سے پہلے واپس چلا جائے گا، تو اس پر جمعہ کی نماز لازم نہ ہوگی، ورنہ واجب ہو جائے گی، کیونکہ اس صورت میں وہ اہلِ مِصر کی طرح سے ہو جائے گا"۔ انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں یہ تصریح ہے کہ غلام کو اس کے آقا کی طرف سے جمعہ کی اجازت ملنے کے بعد اور اپنے آقا کی سواری کی حفاظت کے لیے جامع مسجد آنے کے بعد بھی اس پر جمعہ

---

[1] قال شيخ الإسلام رحمه الله تعالىٰ فى شرحه :إذا أذن المولى للعبد فى حضور الجمعة كان له أن يشهد الجمعة؛ لأن المنع كان لحق المولى، وقد أبطل المولى حقه بالإذن، فكان له أن يشهدها، ولكن لا يجب عليه ذلك؛ لأن منافع العبد لم تصر مملوكة للعبد بإذن المولى ،فالحال بعد الإذن كالحال قبله............

وذكر الشيخ الامام شمس الأئمة السرخسى رحمه الله تعالىٰ اختلاف المشايخ فى العبد يحضر مع مولاه المسجد الجامع ،ليحفظ دابته على باب المسجد، هل له أن يصلى الجمعة؟ قال رحمه الله تعالىٰ :والأصح أن له ذلك إذا كان لا يخل بحق مولاه فى إمساك دابته.

وروى عن محمد رحمه الله تعالىٰ: أن له أن لا يصلى الجمعة، وإن تمكن من ذلك، وأذن له السيد فى أدائها.

وإذا قدم المسافر المصر يوم الجمعة على عزم أن لا يخرج يوم الجمعة ،لايلزمه الجمعة ما لم ينو الإقامة خمسة عشر يوما......القروى إذا دخل المصر يوم الجمعة ان نوى ان يمكث يوم الجمعة ، يلزمه الجمعة، وإن نوى أن يخرج من المصر فى يومه ذلك ،قبل دخول وقت الصلاة أو بعد دخول وقت الصلاة، فلا جمعة عليه؛ لأن فى الوجه الأول صار كواحد من أهل المصر، وفى الوجه الثانى لا (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج٢،ص٦ ٤٦،٧ ٤٦ ملخصاً ، كتاب الصلاة ،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة، الناشر: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى،الباكستان)

واجب نہیں ہوتا۔

کیونکہ اس صورت میں بھی وہ جمعہ سے معذور ہونے کی صفت کے ساتھ متصف ہے، یعنی وہ غلام ہی ہے۔

حنفیہ کی دیگر کتبِ فقہ میں بھی اسی کو راجح قرار دیا گیا ہے، اور اس کے برخلاف قول کی دلیل سے تردید بھی کی گئی ہے۔

ساتھ ہی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسافر، اگر شہر میں حاضر ہو، جہاں نمازِ جمعہ ہوتی ہے، خواہ وہ شہر کے کسی بھی حصہ میں ہو، یہاں تک کہ جامع مسجد میں کیوں نہ ہو، تو مقیم ہوئے بغیر، اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ مقیم ہوئے بغیر معذور کی صفت کے ساتھ متصف رہتا ہے۔

’’البحرُ الرائق‘‘ کا حوالہ

’’البحرُ الرائق‘‘ میں ہے کہ:

’’میں نے اس نابینا کا حکم نہیں دیکھا، جو جامع مسجد میں مقیم ہو، جس میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہو، اور جمعہ کی نماز قائم ہو جائے، اور وہ وہاں پر موجود ہو، تو کیا اس پر عدمِ حرج کی وجہ سے جمعہ واجب ہوگا یا نہیں ہوگا؟

اور مصنف نے حرّیت کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مکاتب اور ماذون اور اس غلام پر جمعہ واجب نہیں ہوگا، جو اپنے آقا کے ساتھ جامع مسجد کے دروازہ پر سواری محفوظ کرنے کے لیے موجود ہو، اور سواری کی حفاظت میں کوئی خلل بھی واقع نہ ہو، اور اس غلام پر بھی جمعہ واجب نہیں ہوگا، جو متعین مال کی ادائیگی میں مصروف ہے، کیونکہ حرّیت کی شرط نہیں پائی جاتی، لیکن کیا غلام کا آقا کی اجازت کے بغیر نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہے، تو ’’التجنیس‘‘ میں یہ بات مذکور

ہے کہ اگر غلام جمعہ یا عیدین کے لیے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر جائے، تو اگر اس کے آقا کو اس کا علم ہو، اور وہ اس پر راضی ہو، تو جائز ہے، ورنہ آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، کیونکہ یہ اس کے آقا کا حق ہے، اور اگر اس کا آقا اس کو جمعہ کے لیے جاتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہے، تو بھی اس کو جمعہ پڑھنے کے لیے جانا جائز ہے، کیونکہ آقا کا اس کو نمازِ جمعہ کے لیے جاتے ہوئے خاموش رہنا، اس کی رضا مندی کے درجہ میں ہے۔

اور ''السراجُ الوھاج'' میں ہے کہ اگر غلام کو اس کا آقا نمازِ جمعہ پڑھنے کی اجازت دے دے، تو اس پر جمعہ واجب ہوجاتا ہے، اور بعض نے فرمایا کہ اس کو اختیار ہوتا ہے، اور مکاتب اور کچھ آزادشدہ غلام پر جمعہ کا وجوب صحیح ہے، لیکن اس میں جو شبہ ہے، وہ مخفی نہیں، اسی وجہ سے ''الظھیریۃ'' میں یقین کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جس غلام کو اس کا آقا جمعہ کی اجازت دیدے، تو اس کو جمعہ کا اختیار حاصل ہوجائے گا، اس پر جمعہ پھر بھی واجب نہیں ہوگا، اور یہی بات قواعد کے زیادہ لائق ہے''۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] ولم أر حكم الأعمى إذا كان مقيما بالجامع الذى تصلى فيه الجمعة، وأقيمت وهو حاضر هل تجب عليه لعدم الحرج أو لا............

وأشار المصنف باشتراط الحرية إلى عدم وجوبها على المكاتب والمأذون والعبد الذى حضر مع مولاه باب المسجد لحفظ الدابة، ولم يخل بالحفظ والعبد الذى يؤدى الضريبة لفقد الشرط لكن هل له صلاتها بغير إذن المولى قال فى التجنيس وإذا أراد العبد أن يخرج إلى الجمعة أو إلى العيدين بغير إذن مولاه إن كان يعلم أن مولاه يرضى بذلك جاز وإلا فلا يحل له الخروج بغير إذنه؛ لأن الحق له فى ذلك، ولو رآه فسكت حل له الخروج إليها؛ لأن السكوت بمنزلة الرضى.

وعن محمد فى العبد يسوق دابة مولاه إلى الجامع فإنه يشتغل بالحفظ، ولا يصلى الجمعة؛ لأنه لم يوجد الرضا بأداء الجمعة والأصح أن له ذلك إذا كان لا يخل بحق المولى فى إمساك دابته اهـ.

وفى السراج الوهاج، فإن أذن للعبد مولاه وجب عليه الحضور وقال بعضهم يتخير.

وصحح الوجوب على المكاتب ومعتق البعض، ولا يخفى ما فيه وجزم فى الظهيرية فى العبد الذى أذن له مولاه بالتخيير، وهو أليق بالقواعد(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج٢،ص١٦٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

نابینا کوفقہائے کرام نے معذور کی فہرست میں داخل مانا ہے، البتہ اگر اس کو قائد میسر ہو، تو اس میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین وغیرہ کا اختلاف ہے، جو دراصل قدرت للغیر کی وجہ سے قادر شمار ہونے، نہ ہونے کے اصول پر مبنی ہے، جس کا مآل پھر وہی معذور ہونا، نہ ہونا ہے۔ [1]

اور اگر نابینا شخص جامع مسجد کے دروازے پر موجود ہو، تو اس پر جمعہ واجب ہونے نہ ہونے کے مسئلہ کو علامہ ابنِ نجیم نے نہیں دیکھا۔

جبکہ مذکورہ صاحبِ علم معذور کے جمعہ قائم ہونے والی جگہ میں موجود ہونے پر جمعہ کو علی الاطلاق واجب قرار دے رہے ہیں، اور اوپر سے اس کو بدیہی بھی فرمارہے ہیں۔

اگر مسئلہ اتنا بدیہی تھا، تو وہ بداہت علامہ ابنِ نجیم پر کیسے مخفی رہ گئی؟ یہ بات قابلِ توجہ ہے۔

لیکن علامہ ابنِ نجیم نے اس کی علتِ وجوب کی طرف اشارہ ضرور فرمادیا، جس سے اصولی طور پر یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اگر اس کو جمعہ کے قیام وادائیگی میں حرج لازم آتا ہے، تو جمعہ واجب نہیں ہوگا، ورنہ جمعہ واجب ہوگا۔

اس سلسلہ میں نابینا کی اپنی کیفیت اور قیامِ جمعہ والی جگہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق واقع ہوسکتا ہے۔

لیکن بہرحال بنیاد پھر بھی وہی اصول ہوگا، جس کا ہم ذکر کرآئے ہیں کہ جامع مسجد کے دروازہ پر محض موجود ہونا کافی نہیں، بلکہ قیامِ جمعہ وادائیگیِ جمعہ میں حرج ومشقتِ غیر عادیہ کا

---

[1] واختلفوا فی الأعمی قال أبو حنیفة :لا تجب علیه .وقالا :تجب إذا وجد قائدا لأنه یصیر قادرا علی السعی فصار کالضال وله أنه عاجز بنفسه کالمریض فلا یصیر قادرا بغیره، فإن القائد قد یترکه فی الطریق (الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱، ص ۸۲، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(وإن) وصلیة (وجد قائدا) عند الإمام لأنه عاجز بنفسه فلا یعتبر قادرا بغیره (خلافا لهما) لأن الأعمی بواسطة القائد قادر علی السعی وکذا عند الأئمة الثلاثة.

(وکذا الخلاف فی الحج) لکن قال أبو اللیث فی العیون روی الحسن عن الإمام أن علی الأعمی الجمعة والحج إذا کان له قائد أو له مال یبلغ به الحج ومن یحج معه.

وفی الخانیة الأعمی إذا وجد قائدا یلزمه الجمعة کالصحیح الضال إذا وجد دالا (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۱۶۹، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

پایا جانا، یا نہ پایا جانا ہے، ہم اسی بنیاد پر مسئلہ کے مدار ہونے کی وضاحت کر آئے ہیں، اور مذکورہ عبارت میں مندرجہ مزید باتوں پر کلام آگے آتا ہے۔

اس کے بعد علامہ ابنِ عابدین شامی کی ''ردُّ المحتار'' سے بھی نابینا کے متعلق ایک وضاحت موصول ہوئی۔

چنانچہ انہوں نے علامہ ابنِ نجیم کے اس کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''بعض علماء نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ پاک صاف ہو، اور اسے پاکی حاصل کرنے کے لیے کہیں جانا نہ پڑے، تو جمعہ واجب ہو جائے گا۔

بلکہ بعض نابینا، ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ کسی کی رہنمائی کے بغیر راستوں سے متعارف ہونے کی وجہ سے بلا تکلف چلتے پھرتے ہیں، اور کسی سے معلوم کیے بغیر، جس مسجد میں چاہتے ہیں، چلے جاتے ہیں، اس صورت میں وہ نابینا، جمعہ پر خود سے قادر مریض کی طرح کا شمار ہوگا، لیکن بعض اوقات ایسے نابینا کے مقابلے میں دوسرے مریض کو زیادہ مشقت پیش آتی ہے''۔ انتھٰی۔ [1]

علامہ شامی کی وضاحت سے ظاہر ہوا کہ بعض حسّی وظاہری معذور ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر دور رہ کر بھی جمعہ واجب ہوسکتا ہے، اور بعض پر قریب رہتے ہوئے بھی واجب نہیں ہوتا۔

جس کی بنیاد، اسی حرج ومشقتِ غیر عادیہ کے ہونے، نہ ہونے پر ہے۔

البتہ علامہ رافعی نے فرمایا کہ ''اعمٰی مذکور'' پر جمعہ واجب نہیں، اگر چہ وہ جانے پر قادر ہو، کیونکہ ''اعمٰی'' ہونا عذر کی علت ہے، جس کا ہر فرد میں تحقق ضروری نہیں، اغلب افراد

---

[1] (قوله فتجب على الأعور) وكذا ضعيف البصر فيما يظهر أما الأعمى فلا، وإن قدر على قائد متبرع أو بأجرة وعندهما إن قدر على ذلک تجب وتوقف فى البحر فيما لو أقيمت وهو حاضر فى المسجد.

وأجاب بعض العلماء بأنه إن كان متطهرا فالظاهر الوجوب لأن العلة الحرج، وهو منتف.

وأقول :بل يظهر لى وجوبها على بعض العميان الذى يمشى فى الأسواق ويعرف الطرق بلا قائد، ولا كلفة ويعرف أى مسجد أراده بلا سؤال أحد؛ لأنه حينئذ كالمريض القادر على الخروج بنفسه بل ربما تلحقه مشقة أكثر من هذا تأمل (ردّ المحتار، ج۲، ص ۱۵۴، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

میں کافی ہے۔ [1]

”البحرُ الرائق“ کا ایک اور حوالہ

”البحرُ الرائق“ میں ایک مقام پر ہے کہ:

”اس تفصیل سے ”السراجُ الوھاج“ میں مذکور اس بات کی تردید ہوگئی کہ غلام کو جب اس کا مولیٰ اجازت دیدے، تو اس پر عید کی نماز واجب ہوجاتی ہے، لیکن اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ جمعہ کا بدل نمازِ ظہر کی شکل میں موجود ہے، اور عید کا معاملہ اس طرح نہیں، کیونکہ اس کا کوئی بدل نہیں۔

”السراجُ الوھاج“ کی بات کے مردود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آقا کی اجازت دینے سے غلام کے منافع اس کے مملوک نہیں ہوجاتے، پس غلام کی حالت اجازت حاصل ہونے کے بعد بھی ویسی ہی رہتی ہے، جیسا کہ اجازت حاصل ہونے سے پہلے تھی“۔ انتھیٰ۔ [2]

”منحةُ الخالق“ کا حوالہ

”منحةُ الخالق“ میں ہے کہ:

”علامہ ابنِ نجیم کی مذکورہ عبارت سے ”السراجُ الوھاج“ کی بات کا رَد ہوجاتا ہے، لہٰذا غلام پر عید کی نماز بھی واجب نہیں ہوگی، اگرچہ اس کا آقا اس کو اجازت

---

[1] الظاهر عدم وجوبها على الاعمى المذكور، وان لم توجد العلة المذكورة، فان العلة انما تراعى فى اغلب الافراد، لا فى كل فرد، كما فى فطر المسافر وصلاة السفينة، قاعدا، تأمل(تقريراتِ رافعى، ص ۱۱۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

[2] وبه اندفع ما فى السراج الوهاج من أن المملوك تجب عليه العيد إذا أذن له مولاه، ولا تجب عليه الجمعة؛ لأن الجمعة لها بدل، وهو الظهر، وليس كذلك العيد فإنه لا بدل له؛ لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالإذن فحاله بعد الإذن كحاله قبله(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲،ص ۱۷۱، كتاب الصلاة ،باب العيدين)

دے دے، جیسا کہ اس پر جمعہ واجب نہیں ہوگا''۔ انتھٰی۔ [1]

''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

''ردُّ المحتار'' میں ہے کہ:

''اگر غلام کو اس کا آقا نمازِ جمعہ کی اجازت دیدے، تو اس پر بالاتفاق جمعہ واجب نہیں ہوگا، جیسا کہ بحر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، اور بحر میں جمعہ کا اختیار حاصل ہونے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ''الظھیریۃ'' میں اس پر یقین ظاہر کیا ہے، اور قواعد کے زیادہ لائق بھی یہی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی کی تائید ''الجوھرۃ'' میں بیان کردہ مسئلہ سے بھی ہوتی ہے، جس میں جزم کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی ہے کہ غلام پر جمعہ کی طرح عید کی نماز کا واجب نہ ہونا ہی زیادہ مناسب ہے، کیونکہ غلام کے منافع اجازت حاصل ہونے کے بعد بھی اس کے مملوک نہیں ہوتے، لہٰذا غلام کو جمعہ وعیدین کی اجازت حاصل ہونے کے بعد بھی اس کی حالت پہلے کی طرح ہی برقرار رہتی ہے، اور اس کی تائید اس مسئلہ سے بھی ہوتی ہے کہ اگر غلام کو اس کا آقا حج کی اجازت دے دے، تو اس سے ''حجۃُ الاسلام'' یعنی حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا، اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ جب اس پر جمعہ واجب نہیں ہوگا، تو آقا کی اجازت کے بعد اس کو اختیار ہوگا، کیونکہ عدمِ وجوب کا نتیجہ یہی ہے''۔ انتھٰی۔ [2]

---

[1] (قوله وبه اندفع ما في السراج) أى بما أفاده المصنف أن جميع شرائط الجمعة وجوبا وصحة شرائط للعيد ومن جملتها الحرية فلا تجب العيد أيضا، وإن أذن له كالجمعة لكن قد نقل فى الجمعة عن السراج أن الجمعة تجب عليه وقال بعضهم يتخير (منحة الخالق على البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢، ص ١٧١، كتاب الصلاة، باب العيدين)

[2] (قوله :ولو أذن له مولاه) أى بالصلاة وليس المراد المأذون بالتجارة فإنه لا يجب عليه اتفاقا كما يعلم من عبارة البحر ح (قوله ورجح فى البحر التخيير) أى بأنه جزم به فى الظهيرية وبأنه أليق بالقواعد .اهـ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''ردُّ المحتار'' کا ایک اور حوالہ

''ردُّ المحتار'' میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

''الجوهرة'' میں یہ بات مذکور ہے کہ مناسب بات یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بعد غلام پر نہ تو جمعہ واجب ہوگا، اور نہ ہی عید واجب ہوگی، کیونکہ غلام کے منافع اجازت کے بعد بھی اس کے مملوک نہیں بنتے، اور البحر میں اسی پر یقین ظاہر کیا ہے''۔ انتہٰی۔ [1]

''الجوهرةُ النيرة'' کا حوالہ

''الجوهرةُ النيرة'' میں بھی وہی بات مذکور ہے، جس کا پیچھے کئی مرتبہ حوالہ گزرا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :ويؤيده أنه فى الجوهرة أعاد المسألة فى الباب الآتى وجزم بعدم وجوبها عليه حيث ذكر أن من لا تجب عليه الجمعة لا تجب عليه العيد إلا المملوك فإنها تجب عليه إذا أذن له مولاه لا الجمعة لأن لها بدلا يقوم مقامها فى حقه، وهو الظهر بخلاف العيد ثم قال :وينبغى أن لا تجب عليه كالجمعة لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالإذن فحاله بعده كحاله قبله؛ ألا ترى أنه لو حج بالإذن لا تسقط عنه حجة الإسلام اهـ ولا يخفى أنه إذا لم تجب عليه يخير لأنه فرع عدم الوجوب، وفى البحر أيضا :وهل يحل له الخروج إليها أو إلى العيدين بلا إذن مولاه؟ ففى التجنيس إن علم رضاه أو رآه فسكت حل وكذا إذا كان يمسك دابة المولى عند الجامع ولا يخل بحقه فى الإمساك له ذلك فى الأصح(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص ١٥٤ ، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

[1] واستثنى فى الجوهرة من الأول المملوك إذا أذن له مولاه فإنه تلزمه العيد بخلاف الجمعة لأن لها بدلا وهو الظهر، وقال :وينبغى أن لا تجب عليه العيد أيضا لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالأذان .اهـ .وجزم به فى البحر(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص ١٦٦ ، كتاب الصلاة،باب العيدين)

[2] ومن لا تجب عليه الجمعة لا تجب عليه صلاة العيد إلا المملوك فإنها تجب عليه إذا أذن له مولاه ولا تجب عليه الجمعة فإن الجمعة لها بدل وهو الظهر والظهر يقوم مقامها فى حقه وليس كذلك العيد فإنه لا بدل له وينبغى أيضا أن لا يجب عليه العيد كما لا تجب عليه الجمعة؛ لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالإذن فحاله بعد الإذن كحاله قبله ألا ترى أنه لو حج بإذن المولى لا تسقط عنه حجة الإسلام لهذا المعنى(الجوهرة النيرة، ج١ ،ص٩٣، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

’’حاشیۃُ الشلبی علیٰ تبیین الحقائق‘‘ کا حوالہ

’’حاشیۃُ الشلبی علیٰ تبیین الحقائق‘‘ میں ہے کہ:

’’اگر غلام اپنے آقا کے ساتھ جامع، یا عیدگاہ میں حاضر ہو، تاکہ وہ دروازے پر اپنے آقا کی سواری کی حفاظت کرے، تو کیا اس کو آقا کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے، تو اصح یہ ہے کہ اگر اس کے آقا کی سواری کی حفاظت میں کوئی خلل واقع نہ ہو، تو اس کو آقا کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے (واجب نہیں)‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

’’النھرُ الفائق‘‘ کا حوالہ

’’النھرُ الفائق‘‘ میں ہے کہ:

’’مصنف کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ غلام پر عید کی نماز واجب نہیں ہوگی، اگرچہ اس کا آقا اجازت کیوں نہ دے دے، کیونکہ اس کے منافع اس کے مملوک نہیں ہوجاتے، اجازت کے بعد بھی اس کی حالت پہلے کی طرح رہتی ہے، المعراج وغیرہ میں اسی طرح سے ہے، لیکن ’’السراجُ الوھاج‘‘ میں عید کی نماز کے وجوب پر یقین ظاہر کیا گیا ہے، اور ’’الظھیریۃ‘‘ میں اجازت ملنے کے بعد ایک قول تخلف کے مکروہ ہونے کا، اور دوسرا قول مکروہ نہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ اس کو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے، جب وہ اپنے آقا کے ساتھ حاضر ہو، بشرطیکہ آقا کے مال کی حفاظت میں کوئی خلل واقع نہ

---

[1] (قوله والعبد الذى حضر باب الجامع) اختلف المشايخ فى العبد إذا حضر مع مولاه الجمعة أو مصلى العيد ليحفظ دابته على باب الجامع أو فى المصلى هل له أن يصلى الجمعة والعيد بغير إذن المولى قال رحمه الله الأصح أن له أن يصلى بغير إذن المولى إذا كان لا يخل بحق مولاه فى إمساك دابته وروى عن محمد أن له أن لا يصلى، وإن تمكن من ذلك وأذن له السيد فى أدائها. اهـ .ذخيرة (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق ،ج ١ ،ص ٢٢٢، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

ہو، اور بظاہر مکروہ کے قول سے ''تحریمی ہونا'' مراد ہے''۔ انتھٰی۔ [1]

''غمزُ عیونِ البصائر'' کا حوالہ

''غمزُ عیونِ البصائر'' میں بھی اسی قول کی ترجیح نقل کی گئی ہے، جس کا پہلے بار بار ذکر گزرا۔ [2]

مذکورہ عبارات سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ غلام کا جمعہ والی جگہ میں محض موجود ہونا، جمعہ کے وجوب کا سبب نہیں، اور غلام کا جمعہ کے معذورین میں داخل ہونا بدیہی ہے۔

اب مذکورہ صاحبِ علم ہمیں بتلائیں کہ ان فقہائے کرام کی تصریحات کے مقابلے میں وہ کون سا بدیہی امر ہے، جو اِن کو تو نظر آ گیا، لیکن مذکورہ فقہائے کرام کو مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد بھی نظر نہ آیا۔

---

[1] واقتضى كلامه أنها لا تجب على العبد، وإن أذن له مولاه لأن منافعه لا تصير مملوكة فحاله بعده كحاله قبله كذا في (المعراج) وغيره، وجزم في (السراج) بالوجوب وفي (الظهيرية) قيل: يكره له التخلف مع الأذن، وقيل :لا والأصح أن له أن يصليها بلا إذن إذا حضر مع مولاه حيث لم يخل بحفظ ماله وظاهره أن الكراهة تحريمية(النهر الفائق ،ج ا ،ص ٣٦٦، كتاب الصلاة ،باب صلاة العيدين)

[2] قوله لا جمعة عليه ولا عيد إلخ .

أطلق في عدم وجوب الجمعة على العبد فشمل ما إذا أذن له سيده أو لا وفي السراج إن أذن له مولاه يجب عليه الحضور .

وقال بعضهم يخير .

هكذا ذكر في باب صلاة الجمعة وذكر في باب صلاة العيد ما يخالف هذا فقال بعدم الوجوب وإن أذن له مولاه ونص عبارته وتجب أي صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة إلى أن قال ومن لا تجب عليه الجمعة لا تجب عليه صلاة العيد إلا المملوك فإنه يجب عليه العيد إذا أذن له مولاه ولا تجب عليه الجمعة لأن لها بدلا وهو الظهر وهو يقوم مقامها في حقه وليس كذلك العيد فإنه لا بدل له وينبغي أن لا يجب عليه العيد كما لا تجب عليه الجمعة لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالإذن فحاله بعد الإذن كحاله قبله ألا ترى أنه لو حج بإذن المولى لا تسقط عنه حجة الإسلام لهذا المعنى وكذا لو كفر العبد بالمال لا يجوز ولو أذن له المولى لأنه بالإذن لا يملك المال انتهى(غمز عيون البصائر شرح كتاب الأشباه والنظائر، ج٣،ص ٣٣٥، الفن الثالث من الأشباه والنظائر وهو فن الجمع والفرق، احكام العبيد)

اور انہوں نے بالآخر عدمِ وجوبِ جمعہ کے راجح ہونے پر ہی اطمینان کا اظہار فرمایا، ان کو غلام کے لیے آقا کی اجازت ملنے اور جامع مسجد حاضر ہونے پر جمعہ کے وجوب پر اطمینان و رجحان نہ ہوا، یہاں تک کہ نمازِ عید، جس کا بدل نہیں، اور اس کے وجوب کا درجہ نمازِ جمعہ سے بھی کم ہے، اس کے متعلق بھی انہوں نے عدمِ وجوب کو راجح ٹھہرایا۔

ہمارے نزدیک مذکورہ فقہائے کرام کا یہ رجحان دراصل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے ''کتابُ الاصل''میں مذکور، امام ابوحنیفہ کے اس اصولی موقف ہی پر متفرع ہے، جس کو ہم مع توضیح کے پہلے نقل کرآئے ہیں۔

اور اس بحث کا حاصل اور لبِ لباب یہی ہے کہ جب تک کوئی معذور کی صفت کے ساتھ متصف ہے، اس صفت کے ساتھ ہوتے ہوئے، اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا، الَّا یہ کہ وہ خود نمازِ جمعہ میں شریک ہوجائے، پھر اس پر امام کی اتباع کی وجہ سے جمعہ واجب ہوجاتا ہے۔

جبکہ مذکورہ صاحبِ علم، محض جمعہ والے مقام کے قریب ہونے کو''عدمِ عذر'' کی دلیل اور بدیہی دلیل سمجھ رہے ہیں۔

کیا مذکورہ فقہائے کرام کی تصریحات کو نظر انداز کرکے ایسے شخص کے قول کو راجح قرار دیا جاسکتا ہے، جس کو واضح بداہت کی حقیقت سے بھی واقفیت نہ ہو۔

''سعی الی الجمعة'' سے بطلانِ ظہر کا مسئلہ

اس موقع پر ایک اور پہلو کی طرف توجہ مبذول کرانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نمازِ ظہر اداء کرلینے کے بعد نمازِ جمعہ کی سعی سے ظہر باطل ہوجاتی ہے، برخلاف امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے، اس ضمن میں بھی سعی کی بعض صورتوں کا فقہائے کرام نے ذکر فرمایا ہے، اور اس سے سعی کی بعض نادر و نایاب صورتوں پر روشنی پڑتی ہے، اور مذکورہ صاحبِ علم کی طرف سے معذور کی چھیڑی ہوئی بحث کی بھی مزید

وضاحت ہوتی ہے، اس لیے افادۂ مزیدہ کے طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

''البحرُ الرائق'' میں ہے کہ:

''اگر کسی نے ظہر کی نماز ادا کرکے، جمعہ کی سعی کی، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اس کی نمازِ ظہر باطل ہوجائے گی، اور صاحبین کے نزدیک نمازِ جمعہ میں شریک ہونے سے پہلے، ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

اور جمعہ کی نماز کے لیے جانا، یا اس کی طرف متوجہ ہونا، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کی سعی میں داخل ہے''۔ انتہٰی۔ [1]

---

[1] (قوله :فإن سعى إليها بطل) أى الظهر المؤدى عند أبى حنيفة بمجرد السعى إليها؛ لأنه مأمور بعد صلاة الظهر ينقضها بالذهاب إلى الجمعة فالذهاب إليها شروع فى طريق نقضها المأمور به فيحكم بنقضها به احتياطا لترك المعصية وقالا لا تبطل حتى يدخل مع الإمام واختلفوا فى معنى السعى إليها والمختار أنه الانفصال عن داره حتى لا يبطل قبله على المختار؛ لأن السعى الرافض لها هو السعى إليها على الخصوص ومثل ذلك السعى إنما يكون بعد خروجه من باب داره والمراد من السعى المشى لا الإسراع فيه، وإنما عبروا به اتباعا للآية وقيد بقوله سعى؛ لأنه لو كان جالسا فى المسجد بعدما صلى الظهر فإنه لا يبطل حتى يشرع مع الإمام اتفاقا كذا فى الحقائق.

وقيد بقوله إليها؛ لأنه لو خرج لحاجة أو خرج، وقد فرغ الإمام لم يبطل ظهره إجماعا فالبطلان به مقيد بما إذا كان يرجو إدراكها بأن خرج والإمام فيها أو لم يكن شرع وأطلق فشمل ما إذا لم يدركها لبعد المسافة مع كون الإمام فيها وقت الخروج أو لم يكن شرع، وهو قول البلخيين قال فى السراج الوهاج، وهو الصحيح؛ لأنه توجه إليها وهى لم تفت بعد حتى لو كان بيته قريبا من المسجد وسمع الجماعة فى الركعة الثانية وتوجه بعدما صلى الظهر فى منزله بطل الظهر على الأصح أيضا لما ذكرنا، وفى النهاية إذا توجه إليها قبل أن يصليها الإمام ثم إن الإمام لم يصلها لعذر أو لغيره اختلفوا فى بطلان ظهره والصحيح أنها لا تبطل، وكذا لو توجه إليها والإمام والناس فيها إلا أنهم خرجوا منها قبل إتمامها لنائبة فالصحيح أنه لا يبطل ظهره، ثم اعلم أن الضمير المستتر فى قوله سعى يعود إلى مصلى الظهر لا إلى من لا عذر له ليكون أفيد وأشمل فإنه لا فرق بين المعذور وغيره فى بطلان ظهره بسعيه كما فى غاية البيان والسراج الوهاج لكن التعليل المذكور أولا لا يشمله؛ لأن المعذور ليس بمأمور بالسعى إليها مطلقا فكيف يبطل به فينبغى أن لا يبطل الظهر بالسعى، ولا بشروعه فى صلاة الجمعة؛ لأن الفرض قد سقط عنه، ولم يكن مأمورا بنقضه فتكون الجمعة نفلا منه كما قال به زفر والشافعى .وظاهر ما فى المحيط أن ظهره إنما يبطل بحضوره الجمعة لا بمجرد سعيه كما فى غير المعذور وهو أخف إشكالا وأسند المصنف البطلان إلى الظهر ليفيد أن أصل الصلاة لم يبطل فينقلب نفلا كما فى السراج الوهاج وذكر فى الظهيرية والخلاصة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت میں جمعہ کی طرف متوجہ ہونے کی ادنیٰ صورت کو بھی ''سعی'' میں داخل مانا گیا ہے، اور ہم بھی کلامِ الٰہی میں مذکور معجزانہ ''سعی الی الجمعة '' کی جامعیت کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔

''ردُّ المحتار''میں ہے کہ:

''ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد، امام ابوحنیفہ کے نزدیک، جمعہ کی سعی کرنے سے ظہر کی نماز باطل ہونے میں معذور اور غیر معذور کا کوئی فرق نہیں۔

البتہ بعض حضرات نے فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک معذور کی ظہر، اس وقت تک باطل نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ جمعہ کو شروع نہ کرے، کیونکہ اس سے پہلے وہ جمعہ کی سعی کا مکلّف نہیں ہوتا۔

لیکن دیگر حضرات نے فرمایا کہ اس کی ظہر باطل ہوجائے گی، اس لیے کہ وہ جمعہ کی سعی کا مکلّف نہیں تھا، لیکن اس نے خود سعی کرکے، اس رخصت کو ترک کرکے، عزیمت کو اختیار کرلیا، تو اس کی ظہر باطل ہوگئی''۔ انتھٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرستاقی إذا سعی یوم الجمعة إلی مصر یرید به إقامة الجمعة وإقامة حوائج نفسه فی المصر ومعظم مقصوده إقامة الجمعة ینال ثواب السعی إلی الجمعة، وإن کان قصده إقامة الحوائج لا غیر أو کان معظم مقصودہ إقامة الحوائج لا ینال ثواب السعی إلی الجمعة اھـ.

وبهذا یعلم أن من شرک فی عبادته فإن العبرة للأغلب وقید بسعی المصلی؛ لأن المأموم لو لم یسع إلیها وسعی إمامه فإنه لا یبطل ظهر المأموم، وإن بطل ظهر إمامه؛ لأن بطلانه فی حق الإمام بعد الفراغ فلا یضر المأموم کما صرح به فی المحیط(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲، ص۱۶۵ و ۱۶۶، کتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

[1] (قوله :بلا فرق بین معذور وغیره) قال فی الجوهرة والعبد والمریض والمسافر وغیرهم سواء فی الانتقاض بالسعی اھـ.

وعزاه فی البحر إلی غایة البیان والسراج ثم استشکله بأن المعذور لیس بمأمور بالسعی إلیها مطلقا فینبغی أن لا یبطل ظهره بالسعی ولا بالشروع فی الجمعة لأن الفرض سقط عنه، ولم یکن مأمورا بنقضه فتکون الجمعة نفلا کما قال به زفر والشافعی .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ ''**سعی الی الجمعة** ''جس طرح غیر معذور سے متحقق ہوسکتی ہے، اسی طرح معذور سے بھی متحقق ہوسکتی ہے، وہ الگ بات ہے کہ معذور پر سعی واجب نہیں۔

لیکن بہر حال متحقق ہوسکتی ہے، اوراس کے متحقق ہونے کا اثر اس کی نمازِ ظہر کے بطلان، تک متعدی ہوسکتا ہے، **عند الامام أبی حنيفة رحمه اللّٰه**۔

اور ''**حاشية الشرنبلالی** ''میں ہے کہ:

''ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جمعہ کی محض سعی کرنے سے، ظہر باطل ہوجائے گی، اور گھر سے نکلنا بھی سعی میں معتبر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جب تک وسیع گھر میں، ایک دوقدم نہیں چلے گا، اس وقت تک، اس کی ظہر باطل نہیں ہوگی'' ۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں ''**محض خروج عن الدار** ''کواورایک قول کے مطابق، وسیع گھر میں ایک دوقدم چلنے کو بھی سعی میں داخل مانا گیا ہے۔

اور یہ بھی اس صورت میں ہے، جبکہ جمعہ قائم ہونے والا مقام، گھر سے خارج ہو، ورنہ جمعہ کے قیام والی جگہ میں موجود شخص کی سعی اس سے بھی ادنیٰ، بلکہ بہت ادنیٰ ہوسکتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قال وظاهر ما فی المحيط أن ظهره إنما يبطل بحضوره الجمعة لا بمجرد سعيه كما فی غير المعذور وهو أخف إشكالا .اهـ.

قلت :ويجاب عنه بما فی الزيلعی والفتح أنه إنما رخص له تركها للعذر وبالالتزام التحق بالصحيح (قوله على المذهب) عبارة شرح المنية هو الصحيح من المذهب ثم قال خلافا لزفر هو يقول إن فرضه الظهر، وقد أداه فی وقته فلا يبطل بغيره ولنا أن المعذور إنما فارق غيره فی الترخص بترك السعی فإذا لم يترخص التحق بغيره اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۱۵۶، ۱۵۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

[1] (قوله بطل ظهره بمجرد سعيه) أقول والمعتبر فی السعی الانفصال عن داره فلا تبطل قبله على المختار، وقيل إذا خطا خطوتين فی البيت الواسع يبطل، كذا فی الفتح.

(قوله وله أن السعی إلى الجمعة . . .إلخ) أقول لا فرق على هذا الخلاف بين المعذور كالعبد وغيره حتى لو صلى المريض الظهر ثم سعى إلى الجمعة بطل ظهره على الخلاف خلافا لزفر كما فی الفتح والتبيين(حاشية الشرنبلالی علىٰ دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۱۳۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، شروط الجمعة)

اور ''حلبی کبیر'' میں ہے کہ:

''اگر معذور نے، ظہر کی نماز پڑھ کر، جمعہ کی سعی کی، تو اس وجہ کی بناء پر تو اس کی ظہر باطل نہیں ہوگی کہ اس نے کوئی معصیت کا فعل نہیں کیا، لیکن اس وجہ کی بناء پر باطل ہوجائے گی کہ اس کا جمعہ کی سعی کرنا، جمعہ میں مشغول ہونے کی طرح ہے۔

اور اگر کوئی جامع مسجد میں موجود ہو، پھر اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے خطبہ سن لیا، پھر اس نے کھڑے ہوکر ظہر کی نماز پڑھ لی، تو اس کی ظہر کی نماز جائز ہے، اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ اپنے گھر سے ظہر پڑھ کر نکلا، لیکن جمعہ کے قصد سے نہیں نکلا۔

اور اس تعلیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک جمعہ شروع نہ کیا ہو''۔ انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جمعہ پڑھے جانے والی جگہ میں موجود ہو، اور وہ خطبہ بھی سن لے، تو وہ جمعہ کی سعی میں داخل نہیں، اسی لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی ظہر باطل نہیں ہوتی، اور ایسی صورت میں اگر وہ ظہر بھی پڑھے، تو اس کی ظہر معتبر ہوجاتی ہے، الَّا یہ کہ جمعہ کی نماز میں شرکت کرے۔

اس طرح کے جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محض جمعہ قائم ہونے والی جگہ میں موجود ہونا، بلکہ

---

[1] ولو كان من صلى الظهر معذورا كالمسافر ونحوه فسعى إليها، لا يبطل ظهره بالسعى اتفاقا، علىٰ هذا التوجيه الثانى، لكون فعله غير معصية، وعلى التوجيه الاول (أى لكون الاشتغال بالسعى كالاشتغال بها، فينتقض به، ماينتقض بها) لا فرق بينه وبين غير المعذور، وهو الصحيح من المذهب.

ولو كان فى الجامع فسمع الخطبة، ثم قام فصلى الظهر، جاز ظهره، ولا ينتقض، ذكره قاضى خان، لانه لم يرغب فى الجمعة، فصار كما لو خرج من بيته، ويسعى، لايقصدها، كذا ذكره السروجى، ويظهر من التعليل ان المراد اذا لم يشرع بعد ذلك فى الجمعة، اما لو شرع فيها، فينبغى أن ينتقض ظهره، فان ادركها المعذور، بعد ماصلى الظهر، وشرع فيها، بطلت ظهره عندنا، خلافا لزفر...... ولنا ان المعذور انما فارق غيره فى الترخص بترك السعى، فاذا لم يترخص التحق بغيره (حلبى كبير، صفحه ٥٦٣، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، مطبوعة، سهيل اكادمى، لاهور، الباكستان)

خطبۂ جمعہ کا محض سماعت کر لینا بھی نہ تو بذاتِ خود جمعہ کی سعی میں داخل ہے، اور نہ ہی وجوبِ جمعہ کا سبب ہے۔

پس اگر گھر یا ہسپتال وغیرہ میں جمعہ قائم کیا جا رہا ہے، اور کچھ مریضوں، یا معذوروں تک اذان یا خطبہ کی آواز پہنچ رہی ہے، بلکہ وہ خطبہ بھی سن رہے ہیں، تو محض اس وجہ سے، ان پر جمعہ واجب نہ ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ قریب مسجد سے دی جانے والی اذان، یا خطبہ کی آواز کسی مریض ومعذور کے کانوں میں پڑ رہی ہو۔

جبکہ مذکورہ صاحبِ علم، معذور کے قریب جمعہ کے قیام کو بذاتِ خود، وجوبِ جمعہ کا سبب ٹھہرا رہے ہیں، اور مزید یہ کہ اس کو بدیہی بھی قرار دے رہے ہیں۔

کیا وہ اس موقع پر اس بات کا جواب دینے کی زحمت فرمائیں گے کہ آج کل بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری ہسپتالوں کی عمارات کے اندر، موجود مسجد، یا جائے نمازوں میں جو جمعہ کی نمازیں، جگہ جگہ قائم ہوتی ہیں، وہاں اس کی وجہ سے ہسپتال کے تمام مریضوں پر جمعہ فرض، یا واجب ہو جاتا ہے؟

یا پھر ان کو دنیا بھر کے ہسپتال اور لاکھوں مریض چھوڑ کر، گھر میں موجود صرف چند مریض ہی ایسے نظر آتے ہیں کہ جن پر نرالے انداز میں جمعہ واجب ہوگا، اور پھر ان کے جمعہ اداء کرنے سے، ان پر کوئی بھاری بھرکم، یا ناقابلِ برداشت بوجھ پڑ جائے گا۔

یا پھر ان کو ہسپتالوں میں تو تمام مریض نظر آتے ہیں، اور گھر میں اتفاق، یا حسنِ اتفاق سے، یا فرضی طور پر چند مریض ہی ''متمرض'' نظر آتے ہیں، جن کی گردنوں پر یا تو جمعہ کا بھاری بھرکم بوجھ لادنا پڑے گا، یا کسی طرح گھروں سے نمازِ جمعہ کے قیام کا صفایا کرنا پڑے گا۔

اس قسم کے اجتہاد سے خود مذکورہ صاحبِ علم کو نہ سہی، لیکن دیگر قارئین کو تو یہ اندازہ ضرور ہو جائے گا کہ وہ اس اجتہاد پر کس قدر شاباش اور داد کے مستحق ہیں۔

''حاشیۃُ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح'' میں ہے کہ:

’’اگر کوئی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا، تو اس کی ظہر اس وقت تک باطل نہیں ہوگی، جب تک وہ امام کے ساتھ جمعہ میں شریک نہ ہوجائے، اور اس بات پر امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے‘‘۔ انتہٰی۔ [1]

اور ’’تبیینُ الحقائق‘‘ میں ہے کہ:

’’اگر کسی نے جامع مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی، اور امام کے ساتھ جمعہ نہیں پڑھا، تو اس کی ظہر باطل نہیں ہوگی‘‘۔ انتہٰی۔ [2]

اور ’’النھرُ الفائق‘‘ میں ہے کہ:

’’اگر مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، تو اس کی ظہر، جمعہ شروع کرنے سے پہلے بالاتفاق باطل نہیں ہوگی‘‘۔ انتہٰی۔ [3]

مذکورہ جزئیات سے ہمارے بیان کردہ مدعا پر مزید روشنی پڑگئی، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ’’کتابُ الاصل‘‘ میں بیان کردہ مسئلہ، اور اس کے متعلق ہماری اس موقع پر بیان کردہ توضیح کی بھی تائید ہوگئی، پس اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

---

[1] قوله" :فإن سعى إليها الخ "قيد بالسعى لأنه لو كان جالسا فى المسجد بعدما صلى الظهر لا تبطل حتى يشرع مع الإمام بالاتفاق كما فى البحر عن الحقائق لأنه إذا لم يشرع معه تبين أنه لم يرغب فى الجمعة تبيين وقيد باليها لأنه لو سعى إلى غيرها لا يبطل ظهره بالاتفاق كما فى غاية البيان قوله" :وكان الإمام فيها وقت انفصاله "أدركه فيها أو لم يدركه لبعد مسافة أن نحوه لأن الإدراک ممكن بتقدير الله تعالى عناية قال فى الفتح وهذا تخريج أهل بلخ عن الإمام وهو الأصح وعلى تخريج أهل العراق عنه لا يبطل إلا إذا كان لا يرجو إدراكها اهـ قوله" :وكذا المعذور "فلا فرق بينه وبين غيره فى أن السعى مبطل وإنما الفرق من جهة حرمة أداء الظهر قبلها أو عدمها(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ۵۲۱، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

[2] وبخلاف ما إذا صلى الظهر فى الجامع ولم يصل الجمعة مع الإمام حيث لا يبطل ظهره؛ لأنه لم يرغب فى الجمعة ولا فرق فى هذا بين المعذور وغيره حتى لو صلى المريض ونحوه الظهر فى منزله، ثم سعى إلى الجمعة بطل ظهره على الاختلاف الذى تقدم؛ لأنه بالالتزام يلتحق بالصحيح(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج ۱،ص ۲۲۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[3] لو كان جالسًا فى المسجد لم تبطل إلا بالشروع اتفاقًا(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ۱ ص ۳۶۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ قائم ہونے والی جگہ میں کسی کا محض موجود ہو جانا، امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اتفاق سے، جمعہ واجب ہونے کا سبب نہیں، اور اسی وجہ سے کسی کے جمعہ والی جگہ موجود ہونے سے معذور پر بھی ظہر باطل ہو کر جمعہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں رخصتِ ظہر کو ترک کر کے عزیمتِ جمعہ کا التزام نہیں پایا جاتا، جو کہ سعی کی شکل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہر کو باطل کرنے کا سبب ہے، اور ان کے نزدیک سعی کرنا ایک توجیہ کے مطابق مشغول فی الجمعۃ ہونے کی طرح ہے، جبکہ صاحبین، جمعہ میں مشغول ہونے سے ہی ظہر باطل ہونے کے قائل ہیں۔

پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معذور پر جمعہ کا وجوب، یا تو جمعہ شروع کرنے سے ہوتا ہے، یا اس کے قائم مقام سے ہوتا ہے، جو کہ ''**سعی الی الجمعة**'' ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مذکورہ صاحبِ علم، جو نہایت یقین اور بداہت کے ساتھ ہر معذور پر قیامِ جمعہ کے مقام پر موجود ہونے کی وجہ سے جمعہ واجب قرار دیتے ہیں، وہ ہمارے سامنے فقہائے کرام کی مذکورہ تصریحات کے مقابلے میں اپنے بدیہیات پیش فرما کر استفادہ کا موقع ضرور فراہم کریں گے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

(فصل نمبر 2)

جمعہ کے لئے اِذنِ حاکم کی تحقیق

ہم نے اپنے دوسرے تفصیلی مضمون میں یہ بات واضح کردی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کا ملک ہو، تو مسلمان حاکمِ وقت، یا اس کے نائب ومجاز شخص نے وہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہو، اور یہ اجازت جس طرح صراحتاً معتبر ہے، اسی طرح دلالتاً بھی معتبر ہے۔

اسی وجہ سے بعض حنفیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ جہاں حاکمِ وقت کو جمعہ کا قائم کرنا معلوم ہو، اور وہ اس پر سکوت وخاموشی اختیار کرے، اور منع نہ کرے، تو یہ بھی اس حاکم کی طرف سے دلالتاً اجازت سمجھا جاتا ہے۔

اور حنفیہ نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ اگر کسی جگہ مسلمان حاکم، یا اس کا نائب موجود نہ ہو، تو وہاں کے لوگوں کو خود کسی امام کو مقرر کر کے جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے۔

جبکہ بعض حنفیہ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لئے اجازتِ حاکم کی شرط، فی نفسہٖ عبادتِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے ضروری نہیں، پنجگانہ نمازوں کی طرح، اور جمعہ، ظہر ہی کے قائم مقام، فرض عبادت ہے، اور اذنِ حاکم کی شرط اس مصلحت سے رکھی گئی تھی کہ جمعہ کی نماز ایک بڑی جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، جس میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور فتنہ وفساد کا خوف ہوتا ہے، لہٰذا اگر حاکم، یا اس کا نائب ونمائندہ موجود ہوگا، تو فتنہ کی روک تھام کرسکے گا اور انتظام درست رہے گا، ورنہ فی نفسہٖ یہ شرط جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری نہیں، لہٰذا اگر کسی علاقے کے لوگ کسی امام کی اقتداء میں مل کر جمعہ کی نماز پڑھیں، اور اس قسم کا فتنہ لازم نہ آئے، تو وہ بلاشبہ جائز اور درست ہے، اور اس کو نہایت معقول توجیہ قرار دیا ہے۔

اور موجودہ دور میں جبکہ مسلمان بہت سے ایسے ملکوں میں بھی آباد ہیں کہ جہاں مسلم حکمرانوں کا وجود نہیں، اور جہاں مسلمانوں کے ممالک میں مسلم حکمران موجود ہیں، وہاں بھی بہت سے مقامات پر حکمرانوں کو اسلامی احکام سے وابستگی اور جمعہ کی نماز کے قیام اور اس کی اجازت دینے لینے سے دلچسپی، اور کوئی خاطر خواہ سروکار نہیں، اور نہ ہی حکمران کی اجازت کے بغیر جمعہ قائم کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہوتا ہے، ان حالات میں مقامی لوگوں کی طرف سے کسی کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا کرنا بلاشبہ درست ہے۔

پھر یہ تفصیل بھی حنفیہ کے نزدیک ہے، جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر اکثر وجمہور فقہائے کرام کے نزدیک جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے حاکمِ وقت کی طرف سے باقاعدہ قیامِ جمعہ کی اجازت کا پایا جانا ہی ضروری نہیں، وہ الگ بات ہے کہ قانون شکنی کر کے اپنے آپ کو فتنہ اور خطرات میں ڈالنے سے بچنے بچانے کا اہتمام اپنی جگہ ضروری ہے۔ [1]

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے یہاں ملکِ پاکستان میں موجودہ وباء کے حالات میں حاکمِ وقت نے شہروں میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع نہیں کیا، بلکہ محض بڑے مجامع کے انعقاد یا

---

[1] واشترطه الحنفية، إذن السلطان بذلك، أو حضوره، أو حضور نائب رسمي عنه، إذ هكذا كان شأنها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي عهود الخلفاء الراشدين.

هذا إذا كان ثمة إمام أو نائب عنه في البلدة التي تقام فيها الجمعة، فإذا لم يوجد أحدهما، لموت أو فتنة أو ما شابه ذلك، وحضر وقت الجمعة كان للناس حينئذ أن يجتمعوا على رجل منهم ليتقدمهم فيصلي بهم الجمعة .

أما أصحاب المذاهب الأخرى فلم يشترطوا لصحة الجمعة أو وجوبها شيئا مما يتعلق بالسلطان، إذنا أو حضورا أو إنابة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص ١٩٧، مادة "صلاة الجمعة")

إذن السلطان لإقامة الجمعة:

قال المالكية والشافعية، وهو الصحيح عند الحنابلة، إنه لا يشترط لصحة الجمعة إذن الإمام.وصرح المالكية والشافعية بأنه مندوب .ودليل ذلك أن عليا رضي الله عنه، عندما حوصر عثمان رضي الله عنه، أقام الجمعة من غير إذن ولا استئذان من عثمان رضي الله عنه، وكان ذلك بمحضر من الصحابة؛ ولأنها عبادة بدنية، لا يتوقف إقامتها على إذن.

وذهب الحنفية، وهو قول عند الحنابلة، إلى أن إذن الإمام شرط لصحة صلاة الجمعة؛ لأن ذلك هو المأثور عن الأئمة، والمتوارث عنهم، ولأن في هذا دفعا للفتنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص ١٥٤، ١٥٥، مادة "استئذان")

مخصوص تعداد سے زیادہ لوگوں کے مساجد میں حاضر ہونے سے منع کیا ہے، اور اپنے اپنے مقامات پر رہ کر نمازیں ادا کرنے کا علی الاطلاق حکم دیا ہے۔

لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہوا کہ اذنِ حاکم کی شرط فوت نہیں ہوئی، بلکہ تعددِ جماعات وجمعات میں مزید توسع اور گنجائش نکل آئی۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ شہروں میں جمعہ کا جواز، مسجد اور غیر مسجد میں عندالحنفیۃ برابر ہے۔

اور جمعہ کے باب میں حاکم کے فیصلوں پر عوام کو عمل کرنے کا حکم ہے، کیونکہ اس کا یہ فیصلہ جمعہ سے عناد، یا دین کو ضرر پہنچانے پر مبنی نہیں۔

بلکہ ایک وبائی سبب کی بناء پر ہے، جس کے اثرات اس وقت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، اور تمام ملکوں میں معاشرتی فاصلوں کو برقرار رکھتے ہوئے، ہجوم واجتماع اور اختلاط سے بچنے بچانے کی تلقین اور اس کا اہتمام کیا جارہا ہے، جن میں مساجد میں بڑے اجتماعات پر بھی پابندی ہے۔

اس سلسلہ میں چند فقہی عبارات کی روشنی میں حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

’’المحیطُ البرھانی ‘‘ کا حوالہ

’’المحیطُ البرھانی ‘‘میں ہے کہ:

الإمام إذ منع أهل مصر أن يجمعوا، حكى عن الفقيه أبي جعفر رحمه الله أنه إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب، أو أراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصرا لم يجمعوا، فأما إذا نهاهم متعنتا، أو إضرارا بهم، فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲، ص۸۷، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة)

ترجمہ: امام (یعنی مسلمانوں کا حکمران) جب اہلِ شہر کو جمعہ پڑھنے سے منع

کردے، تو فقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب وہ لوگوں کو اجتہادی طور پر، اسباب میں سے کسی سبب کی بناء پر منع کرے، یا اُس مقام کو مصر سے نکالنے کا ارادہ کرے، تو ایسی صورت میں لوگ (اس علاقے میں) جمعہ نہیں پڑھیں گے۔

لیکن جب وہ لوگوں کو تعنُّت یا ضَرر پہنچانے کی بناء پر منع کرے، تو ایسی صورت میں لوگوں کو کسی آدمی کو امام مقرر کر کے جمعہ پڑھنا جائز ہے (المحیطُ البرھانی)

''فتاویٰ قاضیخان و الفتاویٰ التتارخانیة'' کا حوالہ

''فتاویٰ قاضیخان '' اور'' الفتاویٰ التتارخانیة '' میں بھی اسی طرح سے ہے، اور اس میں بھی ''بسبب من الاسباب'' کے بعد ''او اراد'' کے الفاظ ہیں۔ [1]

''البحرُ الرائق'' کا حوالہ

البتہ ''البحرُ الرائق'' وغیرہ میں ''او اراد'' کے بجائے ''و اراد'' کے الفاظ ہیں۔ [2]

---

[1] الإمام إذا منع أهل مصر أن يجمعوا لم يجمعوا كما أن له أن يمصر موضعاً كان له أن ينهاهم قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالي هذا إذا نهاهم مجتهداً بسبب من الأسباب أو أراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصراً فأما إذا كان نهى متعنتاً أو إضراراً بهم فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة(فتاوى قاضى خان، ج ۱،ص ۱۳۹ ،كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

الإمام إذا منع أهل المصر أن يجمعوا لم يجمعوا، كما أنهم ان ارادوا أن يمصروا موضعاً كان له أن ينهاهم.

الامام اذا منع ان يجمعوا، حكى عن الشيخ الامام الفقيه أبي جعفر :انه اذا نهاهم مجتهداً بسبب من الأسباب أو أراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصراً ، لم يجمعوا،أما إذا نهاهم متعنتاً أو إضراراً بهم فلهم أن يجمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة(الفتاوىٰ التاتارخانية ، ج ۲ ص ۷۲، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة ، نوع آخر من هذا الفصل فى المتفرقات، مطبوعة : ادارة القرآن ، كراتشي، الباكستان، تاريخ الطبع:1990ء)

[2] وأشار المصنف -رحمه الله تعالى -إلى أن الإمام إذا منع أهل المصر أن يجمعوا لم يجمعوا كما أن له يمصر موضعا كان له أن ينهاهم قال الفقيه أبو جعفر هذا إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب وأراد أن يخرج ذلك المصر من أن يكون مصرا أما إذا نهاهم متعنتا أو إضرارا بهم فلهم أن يجمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۲،ص۱۵۷ ، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

اور ہمارا رُجحان پہلے الفاظ یعنی ”او اراد“ کی طرف ہے، جس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ جب امام، کسی شہر کو شہر ہونے سے خارج ہونے کی وجہ سے، یا کسی اور سبب سے اجتہادی طور پر جمعہ پڑھنے سے منع کر دے، تو لوگ وہاں جمعہ نہیں پڑھیں گے۔

ان الفاظ کے راجح ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ منع کرنے کے مؤثر اسباب کے مقابلہ میں غیر مؤثر صورت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

”فأما إذا نهاهم متعنتا، أو إضرارا بهم، فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة“

اور یہ بات ظاہر ہے کہ تعنُّت اور اضرار کے مقابلہ میں اجتہادی نوعیت کے اسباب ہی ہو سکتے ہیں، خواہ وہ اجتہاد، براہِ راست، جمعہ کے عدمِ قیام سے متعلق ہو، یا کسی اور سبب، مثلاً بارش، یا دشمنوں کے خوف وغیرہ کی وجہ سے ہو، اور اس کے ضمن میں قیامِ جمعہ کی ممانعت لازم آ رہی ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اسی وجہ سے اگر کسی علاقے کے حکمران اور وُلاۃ، کفار ہوں، تو وہاں فقہائے کرام نے فی نفسہٖ ان حکمرانوں کی اجازت کی ضرورت نہیں سمجھی، کیونکہ کافر کا تعنت اور اضرار ظاہر ہے۔ [1]

البتہ ایسی صورت میں چونکہ اپنے آپ کو قانونی ضرر سے بچانا ضروری ہے، یا مباح امور میں قانون پر عمل داری فی نفسہ وہاں کے مکین کے لیے قانونی طور پر بھی ضروری، یا ایک طرح سے حکومت اور وہاں کے مستقل یا عارضی مکینوں کے لیے عملی معاہدہ میں داخل ہے، اس لیے وہاں بھی دیگر شرائط کی رعایت کرتے ہوئے جمعہ کو قائم کرنا، جائز ہوگا، اپنے آپ کو ضَرر سے بچانے کی بھی، اسلام میں تعلیم دی گئی ہے **”لاضرر ولا ضرار فی الاسلام“**

اور مذکورہ، یعنی ”او اراد“ کے الفاظ کے راجح ہونے کی ایک دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ مجتہدین کے بیان کردہ اسباب کئی طرح کے ہو سکتے ہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک تو قیامِ جمعہ

---

[1] فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة (رد المحتار، ج ۲ ص ۱۴۴، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

کے لیے خود اذنِ حاکم ہی ضروری ہے، اور یہ خود ہی ایک مستقل سبب ہے، اور حنفیہ کے علاوہ دیگر مجتہدینِ عظام، جوازِ جمعہ کے لئے شہر کو ضروری نہیں سمجھتے، اور وہ ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کو بھی عام حالات میں جائز نہیں سمجھتے، نیز بعض حضرات بارہ، یا چالیس مخصوص افراد سے کم کی صورت میں جمعہ منعقد ہونے کو جائز نہیں سمجھتے۔

ایسی صورت میں ''إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب '' کا مطلب یہ ہوگا کہ جب حاکم کے جمعہ سے منع کرنے کا حکم اجتہادی اسباب میں سے کسی سبب کے تحت صادر ہو۔

لیکن اس کی تعبیر ''بسبب من الأسباب '' کے مجمل الفاظ کے ساتھ کرنے سے غالبًا اس طرف اشارہ ہے کہ حاکم، بعض اوقات کسی تعنُّت اور اِضرار کے بغیر، کسی ایسے سبب کی بناء پر جمعہ سے منع کرسکتا ہے، جو سبب بظاہر دنیاوی ضرورت ومصلحت سے تعلق رکھتا ہو، اُس کا سبب براہِ راست انعقادِ جمعہ کے اجتہاد سے نہ ہو، مثلاً دشمنوں کے خوف کے سبب سے بڑے اجتماع سے منع کرنا مقصود ہو، یا کسی وقت میں سخت بارش، یا سیلاب، یا آندھی طوفان، یا زلزلے وغیرہ کے سبب سے منع کرے، یا کسی مخصوص وباء کی وجہ سے منع کرے، یا عوام میں سخت انتشار واختلاف اور نزاع وجھگڑے کی فضاء سے بچانے کی وجہ سے منع کرے، جیسا کہ آج کل کرفیو وغیرہ کے مواقع پر ایسا ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں جس طرح مجتہِد کا اجتہاد معتبر ہوا کرتا ہے، اسی طرح اجتہادی اُمور میں اس کا حکم بھی معتبر ہوگا۔

اس کی تائید ان احادیث وآثار سے بھی ہوتی ہے، جن میں جمعہ کے دن بارش ہونے کی صورت میں جمعہ کے لیے حاضر نہ ہونے، اور اس کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم آیا ہے (جب نمازِ جمعہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتداء میں اداء ہوتی تھی) [1]

---

[1] عن ابن عباس، عن النبى -صلى الله عليه وسلم -، أنه قال فى يوم جمعة يوم مطر : "صلوا فى رحالكم(سنن ابن ماجه ، رقم الحديث : ۹۳۸)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورکئی احادیث میں ایسے مواقع پر دوسری فرض نمازوں کے متعلق بھی حکم آیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لضعف عباد بن منصور (حاشية سنن ابن ماجه)

عن عبد الله بن الحارث بن نوفل أن ابن عباس أمر المؤذن أن يؤذن يوم الجمعة، وذلک يوم مطير، فقال :الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله .ثم قال له :ناد فى الناس فليصلوا فى بيوتهم .فقال له الناس :ما هذا الذى صنعت؟ قال :قد فعل هذا من هو خير منى، تأمرنى أن أحرج الناس فيأتونى يدوسون الطين إلى ركبهم (سنن ابن ماجه ، رقم الحديث : ۹۳۹)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح. (حاشية سنن ابن ماجه)

وظاهر هذا :يدل على أن ابن عباس يرى أن الإمام إذا دعا الناس إلى الجمعة فى الطين والمطر لزمتهم الإجابة، وإنما يباح لأحدهم التخلف إذا نادى(الصلاة فى الرحال) .والله أعلم.

وقد نص على ذلک الإمام أحمد، فيما رواه البيهقى فى (مناقب أحمد) بإسناده، عن محمد بن رافع، قال :سمعت أحمد بن حنبل يقول :إن قال المؤذن فى أذانه :(الصلاة فى الرحال) ، فلک أن تتخلف، وإن لم يقل فقد وجب عليک(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن رجب ،ج۶،ص ۱ ۹،باب هل يصلى الإمام بمن حضر وهل يخطب يوم الجمعة فى المطر)

[1] عن عبيد الله بن عمر، قال: حدثنى نافع، قال: أذن ابن عمر فى ليلة باردة بضجنان، ثم قال: صلوا فى رحالكم، فأخبرنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر مؤذنا يؤذن، ثم يقول على إثره: ألا صلوا فى الرحال فى الليلة الباردة، أو المطيرة فى السفر (صحيح البخارى، رقم الحديث ۶۳۲)

عن عبد الله بن الحارث، قال: خطبنا ابن عباس فى يوم ردغ، فلما بلغ المؤذن حى على الصلاة، فأمره أن ينادى الصلاة فى الرحال، فنظر القوم بعضهم إلى بعض، فقال: فعل هذا من هو خير منه وإنها عزمة(صحيح البخارى، رقم الحديث ۶ ۱ ۲)

عن سمرة، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال يوم حنين فى يوم مطير:الصلاة فى الرحال "(مسند احمد، رقم الحديث ۲ ۹ ۰ ۰ ۲)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا الإسناد رجاله ثقات رجال الصحيح كسابقه(حاشية مسند احمد)

حدثنا أبو المليح، عن أبيه، أن نبى الله صلى الله عليه وسلم قال يوم حنين فى يوم مطير: "الصلاة فى الرحال "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۷۰۳)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه، فقد روى له أصحاب السنن(حاشيه مسند احمد)

حدثنا أبو نعيم، حدثنا مسعر، عن عمرو بن دينار، قال: سمعت عمرو بن أوس،قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور فقہائے متأخرین نے دین سے دُوری اور سُستی کی وجہ سے اس بات کی طرف بھی نزول فرمالیا ہے کہ نفسِ قاضی اور حاکم کے وجود میں آنے کے لئے اُس کا مجتہد ہونا ضروری نہیں، بلکہ اُس کے حکم کا مجتہدین میں سے کس مجتہد کے مطابق واقع ہونا کافی ہے۔

اور اسی کے مطابق آج عمل بھی جاری ہے، کیونکہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے اکثر حکمرانوں میں مجتہد ہونے کی صلاحیت تقریباً مفقود ہو کر رہ گئی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أخبرني من سمع منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قامت الصلاة – أو حين حانت الصلاة أو نحو هذا –: " أن صلوا في رحالكم لمطر كان "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۴۳۳)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)

عن عبيد الله بن عمر ، عن شيخ سماه عن نعيم بن النحام، قال: سمعت مؤذن النبي صلى الله عليه وسلم في ليلة باردة وأنا في لحافي، فتمنيت أن يقول: صلوا في رحالكم، فلما بلغ حي على الفلاح، قال: " صلوا في رحالكم "ثم سألت عنها، فإذا النبي صلى الله عليه وسلم قد أمره بذلك (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۹۳۳)

قال شعيب الارنؤوط:حديث حسن(حاشية مسند احمد)

حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا ابن جريج، أخبرني عمرو بن دينار، أن عمرو بن أوس أخبره، أن رجلا من ثقيف أخبره، أنه سمع مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم في يوم مطير يقول: " حي على الصلاة، حي على الفلاح، صلوا في رحالكم "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۱۶۷)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)

عن عمرو بن أوس، عن رجل، حدثه مؤذن النبي، صلى الله عليه وسلم قال: نادى منادى النبي صلى الله عليه وسلم في يوم مطر: " صلوافي الرحال "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۵۲۷)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح(حاشية مسند احمد)

عن عبد الله بن الحارث، أن ابن عباس أمر المؤذن أن يؤذن يوم الجمعة، وذلك يوم مطير، فقال: الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال له: ناد الناس فليصلوا في بيوتهم ، فقال له الناس: ما هذا الذى صنعت؟ قال: قد فعل هذا من هو خير منى، أفتأمروني أن أخرج الناس أو أن يأتوا يدوسون الطين إلى ركبهم؟ هذا حديث أحمد بن عبدة، وقال يوسف: عن عبد الله بن الحارث – رجل من أهل البصرة نسيب لابن سيرين – وقال: أن أخرج الناس، ونكلفهم أن يحملوا الخبث من طرقهم إلى مسجدكم؟ (صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۸۶۴)

قال الألباني في تعليق ابنِ خزيمة:إسناده صحيح(حاشية صحيح ابنِ خزيمة)

اس کے باوجود محققین کی طرف سے اجتہادی مسائل میں حکمِ حاکم کو رافعِ اختلاف قرار دیا جاتا ہے، جس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں صریح معصیت کے علاوہ حکمرانوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ [1]

اور یہ بات بھی فقہائے کرام نے واضح فرمادی ہے کہ اجتہادی واختلافی مسائل کی کوئی جانب فی نفسہٖ منکر نہیں کہلاتی، جس کا مآل یہی ہے کہ ایسی صورت میں حاکم کا وہ حکم ایک امرِ مباح میں واقع ہوتا ہے۔

بلکہ اگر کوئی حکم مستقل شریعت سے متعلق نہ ہو، اور وہ امرِ مباح کے قبیل سے تعلق رکھتا ہو، اس میں بھی اطاعتِ حاکم کا حکم ہے۔

اس کی وضاحت ہم پہلے دیگر اپنے مضامین میں باحوالہ کر چکے ہیں۔

’’بدائعُ الصنائع‘‘ کا حوالہ

علامہ کاسانی نے ’’بدائعُ الصنائع‘‘ میں فرمایا کہ:

اتباع الإمام فی محل الاجتهاد واجب، کاتباع القضاة فی مواضع الاجتهاد واللہ تعالٰی عز شأنه أعلم (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۷، ص۱۰۰، کتاب السیر، فصل فی بیان ما یندب إلیه الإمام عند بعث الجیش أو السریة إلی الجهاد)

---

[1] عند الحنفية ليست العدالة شرطا لصحة الولاية، فيصح تقليد الفاسق الإمامة عندهم مع الكراهة، وإذا قلد إنسان الإمامة حال كونه عدلا، ثم جار فی الحكم، وفسق بذلك أو غيره لا ينعزل، ولكن يستحق العزل إن لم يستلزم عزله فتنة، ويجب أن يدعى له بالصلاح ونحوه، ولا يجب الخروج عليه، كذا نقل الحنفية عن أبی حنيفة، وكلمتهم قاطبة متفقة فی توجيهه على أن وجهه :هو أن بعض الصحابة رضی الله عنهم صلوا خلف أئمة الجور وقبلوا الولاية عنهم .وهذا عندهم للضرورة وخشية الفتنة.وقال الدسوقی :يحرم الخروج على الإمام الجائر لأنه لا يعزل السلطان بالظلم والفسق وتعطيل الحقوق بعد انعقاد إمامته، وإنما يجب وعظه وعدم الخروج عليه، إنما هو لتقديم أخف المفسدتين، إلا أن يقوم عليه إمام عدل، فيجوز الخروج عليه وإعانة ذلك القائم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٢٢٠، مادة ’’الامامة الكبرىٰ‘‘ دوام الامامة)

ترجمہ: محلِ اجتہاد میں امام (یعنی امیر وحکمران) کی اتباع واجب ہے، جیسا کہ مواضعِ اجتہاد میں قاضیوں کی اتباع واجب ہے، واللہ تعالٰی عزشانہٗ اعلم (بدائعُ الصنائع)

''البنایۃ شرحُ الھدایۃ'' کا حوالہ

علامہ عینی نے اسی جمعہ کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے مزید وضاحت بھی فرمادی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

وفى "الفتاوى الظهيرية" الإمام إذا منع أهل المصر أن يجمعوا لم يجمعوا، قال الهندوانى :هذا إذا منع لسبب من الأسباب، أما إذا منعهم تعنتا أو إضرارا بهم يجوز أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة.

وقياسهم على سائر الصلوات فاسد، لأن الجمعة يشترط لها ما لم يشترط لغيرها من الصلوات مثل الخطبة والجماعة.

فإن قلت: هذا عبادة على البدن فلا يكون السلطان شرطا فيها كما فى الحج والصوم.

قلت: هذا مبطل بإقامة الحد وانفراد الواحد بالحج لا يفوت على غيره، وانفراد طائفة بإقامة الجمعة يفوت (على) الباقين، فافهم

(البناية شرح الهداية، ج٣،ص ١٥، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ جب امام اہلِ مصر کو جمعہ پڑھنے سے منع کردے، تو وہ جمعہ نہیں پڑھیں گے، ہندوانی نے فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے، جبکہ اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے منع کرے۔

لیکن جب اُن کو تعنُّت یا ضَرَر پہنچانے کے طور پر منع کرے، تو پھر لوگوں کے لئے

جائز ہے کہ ایسے امام کو مقرر کر کے جمعہ پڑھیں، جو انہیں جمعہ پڑھا دے۔

اور بعض حضرات کا جمعہ کو دوسری نمازوں پر قیاس کرنا فاسد ہے، کیونکہ جمعہ کے لئے بعض ایسی شرائط ہیں، جو دوسری نمازوں کے لئے شرط نہیں ہیں، مثلاً خطبہ اور جماعت کا ہونا۔

اگر آپ یہ شبہ کریں کہ جمعہ تو بدنی عبادت ہے، تو اس کے لئے سلطان (یا اُس کا اِذن) شرط نہیں ہوگا، جیسا کہ حج اور روزے میں؟

تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ یہ باطل ہے، جیسا کہ حدود کی اقامت، حاکم کا حق ہے، اور اس کے حکم واذن کے بغیر جائز نہیں، لیکن ایک شخص کا حج سے رہ جانا، دوسرے کے حج کے فوت ہونے کا سبب نہیں ہوتا، مگر اس کے برعکس ایک جماعت کے جمعہ قائم کرنے سے الگ ہو جانا، دوسروں کا جمعہ فوت ہونے کا سبب ہوتا ہے، **فافهم** (البنایة)

مذکورہ عبارت میں ''مجتهداً'' کے الفاظ بھی نہیں، جس سے اسی عموم کی تائید ہوتی ہے، جس کا ذکر کیا گیا۔

اور اس کے مقابلے میں تعنت واضرار سے اس عموم کی دوسری جہت سے تعیین بھی آسان ہو جاتی ہے۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کے لیے سلطان، یا اس کا اِذن، روزے، اور عام نمازوں کے لیے تو شرط نہیں، کیونکہ اس کا تعلق اجتماعیت سے نہیں، اگر ایک عام فرد، نماز پڑھے، یا روزہ رکھے، اور دوسرا یہ عمل نہ کرے، تو پہلے کی عبادت میں خلل نہیں آتا، لیکن جمعہ کا تعلق اجتماعیت سے ہے، اسی وجہ سے اگر مثلاً جمعہ سے چند افراد الگ ہو گئے، اور باقی ماندہ لوگوں کا نصاب انعقادِ جمعہ کے لیے فقہائے کرام کی بیان کردہ شرط کے مطابق نہیں بچا، تو باقی ماندہ لوگوں کا جمعہ قائم کرنا درست نہیں رہتا، اور جب اس کا تعلق اجتماعیت سے ہوا، تو یہ سیاستِ

مدنیہ کے قبیل میں داخل ہوگیا، اور اس طرح اس میں سلطان وحکمران کا دخل ثابت ہوگیا۔

اس لیے ہم نے کہا کہ اگر کسی شہر میں کسی سبب سے مخصوص اجتماعات پر پابندی ہو، اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ، گھروں وغیرہ میں قیامِ جمعہ کی ممانعت نہ ہو، تو ایسی صورت میں اس قانون کی پاسداری کرتے ہوئے کم از کم چار افراد کو جمعہ قائم کرنا جائز ہوگا، اور جہاں اتنے افراد بھی جمع نہ ہوسکیں، وہ ظہر کی نماز پڑھیں گے۔

مگر حنفیہ کے نزدیک ان کو ظہر کی نماز با جماعت پڑھنا، پھر بھی مکروہ ہے۔

’’الدرُّ المختار‘‘ کا حوالہ

’’الدرُّ المختار‘‘ میں ہے:

وفی القهستانی: إذن الحاكم ببناء الجامع فی الرستاق إذن بالجمعة اتفاقا علی ما قاله السرخسی وإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه فليحفظ (الدرالمختار مع رد المحتار، ج۲، ص۱۳۸، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ)

ترجمہ: اور القہستانی میں ہے کہ حاکم کا دیہاتوں میں جمعہ کے لئے مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دے دینا، بالاتفاق جمعہ کی اجازت دے دینے میں داخل ہے، جیسا کہ سرخسی نے فرمایا، اور جب اس کے ساتھ حاکم کا حکم متصل ہوجائے، تو یہ اجماعی حکم ہوجائے گا۔ پس اس کو یاد رکھ لیجئے (الدرالمختار)

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ حنفیہ کے نزدیک عام گاؤں، دیہات میں جمعہ جائز نہیں، لیکن حاکم کے حکم سے گاؤں میں جمعہ جائز ہوجاتا ہے، کیونکہ گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام اس کے قائل ہیں، اور جب حاکم نے گاؤں میں جمعہ کے لئے مسجد بنانے کی اجازت دیدی، تو وہ اس کی طرف سے گاؤں میں جمعہ کا حکم صادر کرنے کے مترادف ہے، اس لئے وہاں بالاجماع جمعہ جائز ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جب اجتہادی

اُمور میں حاکم کا حکم صادر ہوجائے، تو وہ اجماعی حکم کا درجہ رکھتا ہے۔
اسی کو دیگر فقہائے کرام نے ''حُکمِ حاکم کے رافعِ اختلاف'' ہونے سے تعبیر فرمایا ہے۔

''ردُّالمحتار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''الدرُّ المختار'' کی مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ابو قاسم نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کہ جب والی، یا قاضی جامع مسجد کو تعمیر کرنے اور جمعہ کی ادائیگی کی اجازت دیدے، تو وہاں جمعہ جائز ہے، کیونکہ یہ مجتہَد فیہ مسئلہ ہے، اور جب اس کے ساتھ حاکم کا حکم متصل ہو جائے گا، تو یہ مجمع علیہ ہو جائے گا۔

اور حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے، جبکہ اس کے ساتھ حاکم کا حکم متصل نہ ہو۔

اور فتاویٰ الدیناری میں ہے کہ جب گاؤں میں امام کے حکم سے مسجد تعمیر کر دی جائے، تو وہ بالاتفاق جمعہ کا حکم رکھتی ہے، جیسا کہ سرخسی نے فرمایا، اور ''الرستاق'' سے دیہات مراد ہیں، جیسا کہ القاموس میں ہے۔

اور حاکم کی طرف سے کبھی جمعہ کے صحیح ہونے کا حکم ضِمناً اور تبعاً بھی ہوتا ہے۔

اور قہستانی کی اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان یا قاضی کا محض مسجد تعمیر کرنے کا حکم صادر کر دینا، اور اس میں جمعہ کا حکم کر دینا، یہ کسی دعوے اور حادثے کے بغیر ''رافع للاختلاف'' ہے''۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] (قولہ وفی القھستانی إلخ) تأیید للمتن، وعبارۃ القھستانی تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا أسواق.

قال أبو القاسم: ھذا بلا خلاف إذا أذن الوالی أو القاضی ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعۃ لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جس طرح حاکم کا کسی بستی میں جمعہ کا حکم، رافعِ اختلاف ہے، اور اس میں ضمنی وتبعی حکم بھی شامل ہے، اسی طرح کسی بستی سے جمعہ کے لئے منع کرنا بھی رافعِ اختلاف ہے، اور اس میں بھی ممانعتِ جمعہ کا ضمنی وتبعی حکم شامل ہے، جیسا کہ اس سے پہلی عبارات میں گزرا۔

پس جب حاکم کا حکم، کسی جگہ نفسِ جمعہ سے منع کرنے میں بھی مؤثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو اگر حاکم، نفسِ جمعہ سے تو منع نہ کرے، لیکن کسی سبب سے بڑے اجتماع سے منع کردے، اور مخصوص ومحدود اجتماعات سے منع نہ کرے، تو اس کا حکم بدرجۂ اولیٰ اس میں مؤثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، جبکہ تعنت واضرار پر مبنی نہ ہو۔

نیز حاکم اگر انتظامی طور پر کسی اور مصلحت سے لوگوں کو گھروں تک محدود رہنے کا حکم کرے، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه.

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة؛ ألا ترى أن في الجواهر لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر.

وهذا إذا لم يتصل به حكم.

فإن في فتاوى الديناري إذا بني مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقا على ما قال السرخسي اهـ فافهم والرستاق القرى كما في القاموس.

(تنبيه)في شرح الوهبانية :قضاة زماننا يحكمون بصحة الجمعة عند تجديدها في موضع بأن يعلق الواقف عتق عبده بصحة الجمعة في هذا الموضع وبعد إقامتها فيه بالشروط يدعي المعلق عتقه على الواقف المعلق بأنه علق عتقه على صحة الجمعة في هذا الموضع وقد صحت ووقع العتق فيحكم بعتقه فيتضمن الحكم بصحة الجمعة، ويدخل ما لم يأت من الجمع تبعا اهـ قال في النهر وفي دخول ما لم يأت نظر فتدبر .اهـ

أقول :الجواب عن نظره أن الحكم بصحة الجمعة مبني على كون ذلك الموضع محلا لإقامتها فيه وبعد ثبوت صحتها فيه لا فرق بين جمعة وجمعة فتدبر .وظاهر ما مر عن القهستاني أن مجرد أمر السلطان أو القاضي ببناء المسجد وأدائها فيه حكم رافع للخلاف بلا دعوى وحادثة.

وفي قضاء الأشباه أمر القاضي حكم كقوله :سلم المحدود إلى المدعي، والأمر بدفع الدين، والأمر بحبسه إلخ وأفتى ابن نجيم بأن تزويج القاضي الصغيرة حكم رافع للخلاف ليس لغيره نقضه (قوله : وإذا اتصل به الحكم إلخ) قد علمت أن عبارة القهستاني صريحة في أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء على أن مجرد أمره حكم(ردالمحتار، ج۲ص۱۳۸ ، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

ایسی صورت میں بھی اس کا حکم مؤثر ہونے کی صلاحیت رکھے گا، اور اس کے ضمن میں عوام کو فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں جمعہ کے قیام، وعدمِ قیام کا حکم ہوگا، کیونکہ حکمِ حاکم، نفسِ جمعہ یا مطلق جمعہ سے منع کرنے کے متعلق صادر نہیں ہوا، بلکہ اس کا حکم ہمہ جہتی اعتبار سے بڑے اجتماعات واختلاط سے منع کے متعلق صادر ہوا ہے۔

ایسے حالات اور قانون کی روشنی میں ہم فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں جمعہ کے قیام کے مسئلہ کا جائزہ لے کر حل نکالیں گے، اور جب ہم نے فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں صحتِ جمعہ اور وجوبِ جمعہ کی شرائط کے تناظر میں جائزہ لیا، تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ موجودہ حالت میں مسلم حکمرانوں کا مساجد وغیرہ میں جمعہ کے بڑے اجتماعات کو منعقد کرنے سے منع کرنا، تعنت واضرار کے طور پر نہیں، بلکہ دراصل لوگوں کو خاص وباء کے اضرار سے بچانے کی مصلحت پر مبنی ہے۔

اور شہر کے اندر، جس جگہ گھر میں یا کسی اور مقام پر، کم از کم چار ایسے افراد موجود ہوں، جن میں صحتِ جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں، تو حنفیہ کے نزدیک، ان کا جمعہ پڑھنا صحیح ہے، اور اگر وجوبِ جمعہ کی شرائط بھی پائی جاتی ہوں، تو اُن پر جمعہ کی نماز پڑھنا واجب بھی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک شہر کے اندر، جمعہ کے دن، جمعہ سے معذور اشخاص کے لیے بھی ظہر کی نماز کو باجماعت پڑھنا، مکروہ ہے، اور غیر معذور اشخاص کو بدرجۂ اولیٰ مکروہ، بلکہ حرام ہے۔

اور جہاں بحالاتِ موجودہ، اس طرح کے چار افراد کا اجتماع بھی نہ ہوسکے، تو ان کو جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

اب ان حالات میں جو اہلِ علم واصحابِ افتاء، موجودہ قانون کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں، یا بڑے اجتماعات سے منع کرنے کو حاکم کے تعنت واضرار پر محمول کررہے ہیں، تو وہ ان کا نقطۂ نظر ہے، لیکن ہم نے عباراتِ فقہاء کے تناظر میں جس نقطۂ نظر کو مناسب سمجھا، اس کے مطابق حکم بیان کردیا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

(فصل نمبر 3)

اِذنِ عام ومتعدد مکانات میں جمعہ کی تحقیق

جب گھروں وغیرہ میں قیامِ جمعہ کے مسئلہ کا ذکر آتا ہے، تو اس ضمن میں ''اذنِ عام'' کے مسئلہ کا بھی ذکر آتا ہے، اور اس پر بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے تردد کا اظہار کیا جاتا ہے، اور اس مقصد کے لیے گھر کے دروازے کھلے رکھنے اور لوگوں کو نمازِ جمعہ کے لیے گھر میں داخلہ کی اجازت دینے وغیرہ کی بحث چل پڑتی ہے، اس لیے اس کا فقہی جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

حنفیہ کی ''ظاہر الروایۃ'' میں تو ''اذنِ عام'' کی شرط کا ذکر نہیں پایا جاتا، البتہ ''نوادر'' کی ایک روایت میں ''اذنِ عام'' کی شرط کا ذکر پایا جاتا ہے، اور ائمہ ثلاثہ غیر حنفیہ یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اس شرط کا اعتبار نہیں کرتے۔

اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی اس شرط کا اعتبار نہ ہوتا، لیکن حنفیہ کی بہت سی کتب میں نوادر کی روایت کے مطابق، اذنِ عام کی شرط کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے متاخرینِ حنفیہ کی متعدد کتبِ فقہ وفتاویٰ میں اس شرط کا ذکر پایا جاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں سلسلۂ حنفیہ کے اردو فتاویٰ میں بھی اس شرط کا ذکر ملتا ہے۔

یہ امر ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ فقہ کی وہ کتابیں، جو قدیم زمانوں میں اس وقت تحریر ومرتب کی گئی تھیں، جب مسلمانوں کی حکومتیں تھیں، اور اسلامی قوانین رائج تھے، جن میں جمعہ کا مسئلہ بھی شامل تھا۔

ان زمانوں میں اسلامی معاشرہ کی جو نوعیت وکیفیت تھی، اس کے اعتبار سے بہت سے مسائل ان کتابوں میں بیان کیے جاتے تھے، بعد میں مرورِ زمانہ کے ساتھ بہت کچھ معاشرے میں تبدیلی آتی چلی گئی، اور مختلف ممالک کے قوانین بھی الگ الگ ہونے لگے۔

ان حالات میں بعد کے فقہائے زمانہ نے بھی بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں ان مسائل کے انطباق کا اہتمام کیا۔

پہلے زمانوں میں عموماً شہر کے اندر ایک مقام پر ہی حاکم کی موجودگی میں، جمعہ ادا کیا جاتا تھا، اور وہاں اذنِ عام نہ ہونے کی صورت میں، اہلِ شہر کے بہت سے لوگوں کا جمعہ کی نماز سے محروم ہونا لازم آتا تھا، اس لیے اس دور میں اذنِ عام کی شرط کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا، اور اذنِ عام کے ساتھ ''حاکم'' کا بھی عموماً ذکر ہوتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں اذنِ عام نہ ہونے کی صورت بھی حاکم کی طرف سے ہی وجود میں آتی تھی۔

چنانچہ بعض اوقات حکمران اپنے، قلعہ یا اپنے گھر وغیرہ میں جمعہ ادا کیا کرتے تھے، ایسی صورت میں وہاں اذنِ عام نہ ہونے، یا قلعہ کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے، شہر کے بہت سے لوگ، جمعہ سے محروم ہوجاتے تھے اور ان کا جمعہ فوت ہوجاتا تھا، اس لیے فقہائے کرام نے اذنِ عام کی بحث میں قلعہ اور حاکم وغیرہ سے متعلق اس طرح کی مثالوں اور صورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

پھر بعد میں ایک شہر میں، ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نمازیں ہونے لگیں، اور فقہائے کرام نے بھی ان کے جواز پر فتویٰ دیا، اسی کے ساتھ حکمرانوں کی طرف سے بھی تعددِ جمعہ کی صراحتاً، یا دلالتاً اجازت میں توسع ہوتا چلا گیا۔

اور اس قسم کے توسعات کے پیچھے، جہاں شہروں کی وسعت اور آبادیوں کی کثرت تھی، اسی کے ساتھ جمعہ کی اہمیت وعظمت اور لوگوں کی طرف سے دین میں سستی ولاپرواہی تھی، تاکہ کسی قسم کی سستی، اسلام کے اس عظیم الشان شعار یعنی جمعہ کے ترک کا باعث نہ بن جائے، جس کی خاطر اس قدر رعایت وسہولت دی گئی کہ بغیر ضرورت کے بھی متعدد مقامات ومکانات میں جمعہ کی نمازوں کو بلا کراہت گوارا کیا گیا۔

لیکن پہلے زمانوں کی فقہی کتب میں اذنِ عام کی شرط کا اپنے موقع پر ذکر برقرار رہا، جس کے

نتیجے میں بعض متاخرین کو اس مسئلے کے حل کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

جن فقہائے کرام نے اذنِ عام کی شرط، معتبر ہونے کی بنیادی علت پر نظر کی، انہوں نے اس مسئلے کی بنیاد کو واضح فرمادیا، اور جن حضرات کی نظر بعض فقہی جزئیات اور مثالوں پر پڑی، انہوں نے اسی حیثیت سے حکم بیان کیا۔

اور اس کے نتیجے میں بعد کے زمانے کے فتاویٰ میں کچھ فرق واختلاف بھی پیش آ گیا۔

جس کی ذیل میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

''شرح مختصرُ الطحاوی'' کا حوالہ

امام ابوبکر جصاص (المتوفیٰ: 370ھ) نے ''شرح مختصرُ الطحاوی'' امام طحاوی (المتوفیٰ: 321ھ) کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''لوگوں کے لیے شہر میں دو مسجدوں میں جمعہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس سے زیادہ مقامات پر جمعہ پڑھنا جائز نہیں، امام محمد سے اسی طرح مروی ہے۔

اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ایک شہر میں دو جگہ، اس وقت تک جائز نہیں، جب تک اس شہر کی اس طرح دو جانب نہ ہوں کہ ان کے درمیان نہر ہو، اس صورت میں وہ دو شہروں کی طرح ہو جائیں گے، اور اگر دو مسجدوں (یعنی دو مقامات پر ہونے والی جمعہ کی نمازوں) کے درمیان نہر نہ ہو، تو جمعہ اسی کا معتبر ہوگا، جو اُن میں سے پہلے پڑھے گا، اور بعد میں پڑھنے والوں پر ظہر کو لوٹانا واجب ہوگا۔

ابوبکر آمد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں کوئی بات محفوظ نہیں، اور پہلا قول امام محمد کا ہے، جو مسجد اور عید گاہ میں، عید کی نماز کے مشابہ ہے، اور جب عید کی نماز دو مقامات پر جائز ہے، تو جمعہ بھی جائز ہوگا۔

اور امام ابو یوسف کا فرمانا یہ ہے کہ اگر دو مسجدوں میں جائز ہوگا، تو تین میں اور چار میں بھی جائز ہوگا، یہاں تک کہ ہر مسجد والوں کے لیے پڑھنا جائز ہوگا، اور یہ

بالاجماع جائز ہے، پس اسی طریقے سے دو مسجدوں میں پڑھنا بھی ناجائز ہے۔
ابوبکر فرماتے ہیں کہ حسن کرخی نے خلف بن ایوب کے واسطے سے، امام ابویوسف کا ایک قول یہ روایت کیا ہے کہ شہر میں دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، لیکن تین مقامات پر جائز نہیں'' ۔انتہٰی۔ [1]

''الدرُّ المختار'' کا حوالہ

''الدرُّ المختار'' میں ہے کہ:

''حنفی مذہب کے مطابق، ایک شہر میں بہت سے مقامات پر علی الاطلاق، جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے، اسی پر فتویٰ ہے، دفعِ حرج کی وجہ سے، اور مرجوح قول کے

---

[1] قال :(ولا بـأس بأن يجمع الناس فى المصر فى مسجدين، ولا يجمع فيما هو أكثر من ذلك، هكذا روى محمد)

وقال أبو يوسف :لا يجوز الا فى مصر يكون جانبين، بينهما نهر، فيكون كمصرين، وإن لم يكن بين المسجدين نهر :فالجمعة لمن سبق منهما، وعلى الآخرين أن يعيدوا ظهرًا.

قـال أبو بكر أمد :لا يـحـفـظ عـن أبى حنيفة فى ذلک شیء ، والأول هو قول محمد، شبهة بصلاة العيدين فى المسجد، والجبانة.

وقـو روى أن عـليًـا رضى الله عنه كان يخلف رجلاً يصلى العيد بضعفه الناس فى المسجد، ويخرج هو، فيصلى بهم فى الجبانة.

والجبانة فى حكم المصر، لولا ذلک لما أجزأ فيها صلاة العيد؛ لأن من شرطها أن تفعل فى المصر، فلما جاز ذلک فى العيد بالاتفاق، جاز فى الجمعة، إذ كان من شرطهما جميعًا المصر.

ولأبى يوسف :أنـه لو جاز فى مسجدين :جـاز فـى ثـلاثة وأربعة، حتى يصلى فى كل مسجد، وهذا ساقط بإجماع، فكذلک فى مسجدين.

فأما إذا كان بين المسجدين نهر عظيم، مثل دجلة، فإن الجانبين يكونان كالمصرين، فيجوز.

(مسألة:)قال :(فإن صلى أهل المسجدين معًا :فسدت صلاتهم جميعًا فى قول أبى يوسف)

يعنى فى المصر الذى ليس فيه نهر؛ لأن أحدهما ليس بأولى لجواز الصلاة فيه من الآخر.

قال أبو بكر أحمد :وقد حكى أبو الحسن الكرخى رحمه الله عن خلف بن أيوب عن أبى يوسف أنه قال :تجزء الجمعة فى موضعين من المصر، ولا تجزء فى ثلاثة.

قال :وقال محمد :تـجزئ(شرح مختصر الطحاوى، ج۲، ص۱۳۳ الیٰ ۱۳۵ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مسألة:تعدد الجمعة فى المصر)

مطابق متعدد مقامات پر جمعہ جائز نہیں، ایسی صورت میں ان لوگوں کا جمعہ درست ہوگا، جو پہلے ادا کرلیں، اور اگر ایک ساتھ اداء کریں، یا معیت میں شبہ پڑ جائے، توسب کا جمعہ فاسد ہوجائے گا''۔انتھٰی۔ [1]

''حاشیۃُ الطحطاوی علی الدر المختار'' کا حوالہ

''حاشیۃُ الطحطاوی علی الدر المختار''میں ہے کہ:

''بہت سے مقامات پر جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو، اور شہر کے دونوں جانب نہر حائل ہو یا نہ ہو، کیونکہ جمعہ کے لیے صرف شہر شرط ہے، جو ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھنے کی صورت میں موجود ہے، اور ایک قول کے مطابق، شہر میں صرف دو مقامات میں ادا کیا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ مقامات میں ادا کرنا جائز نہیں''۔انتھٰی۔ [2]

''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے''ردُّ المحتار '' میں فرمایا کہ:

''شہر کے متعدد مقامات پر علی الاطلاق جمعہ جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ شہر

---

[1] (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقا علی المذھب وعلیه الفتوی شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدیر دفعا للحرج، وعلی المرجوح،فالجمعة لمن سبق تحریمة وتفسد بالمعیة والاشتباه(الدر المختار مع شرحه رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۱۴۴،۱۴۵، کتاب الصلاة،باب الجمعة)

[2] (قوله: بمواضع کثیرة)وقیل فی موضعین، لا اکثر(قوله مطلقا) سواء کان هناک ضرورة أم لا،فصل بین جانبی البلد نهر ، ام لا(قوله: علی المذهب) لاطلاق الخبر وهو لاجمعة الا فی مصر ، فشرط المصر فقط (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، ج ۱ ص ۳۴۱، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطبوعة: المکتبةُ العربیة، کوئته، الباکستان)

بڑا ہو، یا بڑا نہ ہو، اور خواہ اس کی دونوں جانب میں بڑی نہر فاصل وحائل ہو، یا نہ ہو، اور خواہ وہ متعدد جمعے، دو مسجدوں میں پڑھے جائیں، یا زیادہ میں، اور فتح القدیر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز، حاجت کے بقدر ہو، جیسا کہ سرخسی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

حنفیہ کا اصل مذہب یہی ہے، اور اسی کو ہم لیتے ہیں، کیونکہ جمعہ کے لیے فقط (عندالحنفیۃ) شہر ہونا شرط ہے، اور مرجوح قول، وہ ہے، جو بدائع کے حوالے سے گزرا کہ شہر میں دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں ''۔انتہٰی۔[1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق، ایک شہر میں بہت سے مقامات پر جمعہ کی نماز کا قائم کرنا جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ اتنے سارے مقامات پر جمعہ قائم کرنے کی بظاہر ضرورت بھی نہ ہو، اور جب ضرورت ہو، تو پھر جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

دیگر کئی حضرات نے بھی ضرورت کے بغیر مطلقاً تعددِ جمعہ کو جائز قرار دیا ہے۔

ہمارے یہاں کے سلسلۂ حنفیہ پر مشتمل متعدد اردو فتاویٰ میں بھی اسی کے مطابق حکم مذکور ہے، اور بعض فتاویٰ میں بغیر حاجت کے بھی متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کو صاف طور پر جائز قرار دیا گیا

---

[1] (قوله مطلقا) أی سواء كان المصر كبيرا أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقی متصلا وسواء كان التعدد فی مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسی الآتی (قوله علی المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسی أن الصحيح من مذهب أبی حنيفة جواز إقامتها فی مصر واحد فی مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا فی مصر شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما فی البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فی موضعين لا فی أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر (قوله دفعا للحرج) لأن فی إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة علی أكثر الحاضرين ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه لا سيما إذا كان مصرا كبيرا كمصرنا كما قاله الكمال ط (قوله وعلی المرجوح) هو ما مر عن البدائع من عدم الجواز فی أكثر من موضعين (رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص۱۴۴، ۱۴۵، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

ہے، اس طرح کے چند اردو فتاویٰ آگے آتے ہیں۔

اور آج دنیا کے بڑے بڑے شہروں کے ایک ایک محلّہ میں کئی کئی مقامات پر جمعہ کی نماز قائم کی جاتی ہے، جس پر ضرورت وعدمِ ضرورت کا فرق کیے بغیر کوئی نکیر بھی نہیں کی جاتی۔

اس کے بعد حنفیہ کی کتب میں جمعہ کے درست ہونے کے لیے اذنِ عام کو جو مستقل شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

''المحیطُ البرھانی'' کا حوالہ

''المحیطُ البرھانی'' میں ہے کہ:

''جمعہ جائز ہونے کے لیے اذنِ عام بھی شرط ہے کہ جمعہ قائم ہونے والی جگہ کے دروازے کھول دیئے جائیں (خواہ وہ مسجد ہو، یا قلعہ ہو، یا کوئی دوسری عمارت ہو) اور تمام لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

اگر کچھ لوگوں نے کسی جگہ جمع ہوکر، جمعہ کی نماز اس طرح پڑھی کہ دروازوں کو بند کرلیا، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا، اور اسی طریقے سے اگر بادشاہ نے اپنے حشم وخدم کو اپنے گھر میں جمع کر کے جمعہ پڑھا، تو اگر اس گھر کا دروازہ کھول دیا، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازتِ عام دے دی، تو اس کی نمازِ جمعہ جائز ہوگی، خواہ عامۃُ الناس، جمعہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں، اور اگر گھر کا دروازہ نہیں کھولا، اور اس کے تمام دروازے بند کردیئے، اور ان پر چوکیداروں کا پہرہ بٹھا دیا، تاکہ وہ لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روکیں، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] والشرط السادس :الإذن العام، وهو أن تفتتح أبواب الجامع، ويؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا في الجامع وأغلقوا الأبواب على أنفسهم وجمعوا لم يجزئهم ذلك وكذلك إذا أراد السلطان أن يجمع بحشمه في داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب كلها، وأجلس عليها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت میں بادشاہ کے گھر کا ذکر، اس لیے کیا گیا کہ اس زمانے میں جمعہ کو قائم کرنے کا حق بادشاہ، یا اس کے نمائندے کو ہی حاصل تھا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حنفیہ کی دیگر کتب کا حوالہ

حنفیہ کی اور کئی کتب میں بھی جمعہ کی شرائطِ صحت کے موقع پر اذنِ عام کی شرط کا ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

”مراقیُ الفلاح و حاشیۃُ الطحطاوی“ کا حوالہ

علامہ شرنبلالی (المتوفیٰ:1069ھ) نے ”مراقیُ الفلاح“ میں اس مسئلے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”الھدایۃ“ میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا ”ظاھرُ الروایۃ“ میں ذکر نہیں پایا جاتا، یہ تو ”النوادر“ کی ایک روایت ہے، اور بعض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البوابين ليمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، ولا يحصل ذلك إلا بالإذن العام وكما يحتاج العام إلى السلطان لإقامة الجمعة والسلطان أيضا يحتاج إلى العام بأن يأذن لهم إذنا عاما حتى تجوز صلاة الكل بهذا النظر من الجانبين(المحيط البرهاني، ج۲،ص۸۵، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

[1] (و) شرط أدائها أيضًا (الإذن العام) من الإمام حتى لو غلق بابه وصلى باتباعه لا تجوز، ولو أذن للناس بالدخول فيه جاز ويكره فالإمام يحتاج للعامة في دينه ودنياه. كما يحتاج العامة إليه فسبحان من تنزه عن الاحتياج، بل كل موجود إليه محتاج وهذا الشرط لم يذكر في الظاهر، بل في رواية (النوادر)، ولهذا حذفه في الهداية(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج۱،ص۳۶۰، ۳۶۱،باب صلاة الجمعة)

وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر في الظاهر(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج۱،ص۳۷۳،باب صلاة الجمعة)

(و) شرط صحتها أيضا (الإذن العام) أي أن يأذن الأمير للناس إذنا عاما حتى لو أغلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز(درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج۱،ص۱۳۸، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

حضرات نے قاہرہ کے قلعہ میں، جمعہ کے وقت دروازہ کے مقفل ہونے کی وجہ سے، جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن ممانعت کا قول، بظاہر قابلِ نظر ہے، کیونکہ حاکم کے اپنے قافلے کے ساتھ، محل میں نمازِ جمعہ صحیح نہ ہونے کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ جمعہ کو اپنے ساتھ مختص کرلے، اور عام لوگوں کو جمعہ سے محروم کردے، لیکن قاہرہ کے قلعہ میں جمعہ پڑھنے کے قضیہ میں یہ علت مفقود ہے، کیونکہ قاہرہ کے اس قلعے کو اگرچہ جمعہ کے وقت مقفل کردیا جاتا ہے، لیکن حاکم نے جمعہ کو اپنے ساتھ مختص نہیں کیا ہوتا، کیونکہ قلعہ کے دروازے کے قریب کئی جامع ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر خطبہ اور جمعہ ہوتا ہے، اور ان کی وجہ سے قلعہ میں داخل ہونے سے منع کرنے کی وجہ سے جمعہ فوت نہیں ہوتا، بلکہ اگر قلعہ کا درازہ کھلا بھی رکھا جائے، تو اس میں جمعہ کی نماز کے لیے جانے کی لوگوں کو زیادہ رغبت نہیں ہوتی، کیونکہ جمعہ کی نماز، اس قلعے میں چڑھنے کا تکلف کرنے کے مقابلے میں سہل مقامات پر بھی حاصل ہوجاتی ہے، اور قاہرہ شہر کے ہر محلے میں مختلف خطبے اور جمعے ہوتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں قلعہ کو بند کرکے صحتِ جمعہ کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی "۔انتھٰی۔ [1]

اور "حاشیۃُ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح" میں ہے کہ:

---

[1] ولم یذکر فی (الھدایۃ) ھذا الشرط لأنہ غیر مذکور فی ظاھر الروایۃ وإنما ھو روایۃ (النوادر).

قلت اطلعت علی رسالۃ العلامۃ بن الشحنۃ وقد قال فیھا بعدم صحۃ الجمعۃ فی قلعۃ القاھرۃ لأنھا تقفل وقت صلاۃ الجمعۃ ولیست مصرا علی حدتھا .وأقول فی المنع نظر ظاھر لأن وجہ القول بعدم صحۃ صلاۃ الإمام بقفلہ قصرہ اختصاصہ بھا دون العامۃ والعلۃ مفقودۃ فی ھذہ القضیۃ فإن القلعۃ وإن قفلت لم یختص الحاکم فیھا بالجمعۃ لأن عند باب القلعۃ عدۃ جوامع فی کل منھا خطبۃ لا یفوت من منع من دخول القلعۃ الجمعۃ بل لو بقیت القلعۃ مفتوحۃ لا یرغب فی طلوعھا للجمعۃ لوجودھا فیما ھو أسھل من التکلف بالصعود لھا .

وفی کل محلۃ من المصر عدۃ من الخطب فلا وجہ لمنع صحۃ الجمعۃ بالقلعۃ عند قفلھا(مراقی الفلاح شرح متن نور الإیضاح،ص ۱۹۴ ، کتاب الصلاۃ ،باب الجمعۃ)

''جب ہر محلّہ میں جمعہ ہوتا ہے، تو قلعہ والوں کے دروازہ بند کر کے، اپنے آپ کو جمعہ کے ساتھ مختص کرنے کی وجہ نہیں پائی گئی ''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارات سے واضح ہوا کہ اگر شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز ہو رہی ہو، تو ایسی صورت میں کسی کا گھر وغیرہ کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ پڑھنا، جائز ہے، اور ایسی صورت میں جمعہ صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔

اور آج جب شہروں میں جگہ جگہ جمعہ کی نمازیں، شرعاً وقانوناً جائز ہیں، اس لیے جب تک کسی شرط وقانون کی مخالفت لازم نہ آئے، اس کے عدمِ جواز کا بھی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

اس بناء پر ہم بحالاتِ موجودہ گھروں وغیرہ میں دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ کو بلاتردد جائز قرار دیتے ہیں اور دروازے کھولنے کے تردد اور تکلف اور اس کے نتیجہ میں مختلف خطرات و تحفظات کی بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

''الدرُّ المختار و ردُّ المحتار'' کا حوالہ

''الدرُّ المختار''میں ہے کہ:

''امام کی طرف سے اذنِ عام کا ہونا بھی جمعہ صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، جو کہ جمعہ ہونے والے مقام میں آنے والوں کے لیے دروازہ کھولنے سے حاصل ہوجاتا ہے، لہٰذا قلعہ کے دروازے کا دشمن سے حفاظت کی غرض سے، یا پرانے رواج کے مطابق، بند کرنا مضر (ونقصان دہ) نہیں، کیونکہ اذنِ عام وہاں کے لوگوں کے لیے ثابت ہے، اور ایسی صورت میں قلعہ کے دروازے بند کرنا دشمن سے حفاظت کے لیے ہے، نہ کہ نمازِ جمعہ سے منع کرنے کے لیے، البتہ اس کے باوجود، اگر دروازے بند نہ کیے جائیں، تو اچھا ہے۔

---

[1] قولہ" :وفی کل محلة الخ "أی فلا اختصاص بها لمن بالقلعة(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۵۱۱، کتاب الصلاة ،باب الجمعة)

پس اگر امیر (یعنی بادشاہ، یا اس کا نمائندہ) اپنے قلعہ میں داخل ہوا، اور اس نے اپنے ساتھیوں سمیت، اس کے دروازے کو بند کرلیا، تو جمعہ درست نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے قلعہ کے دروازے کو کھول دیا، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، تو پھر جمعہ کا پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے''۔انتھٰی۔ [1]

علامہ ابنِ عابدین شامی نے مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے ''ردُّ المحتار''میں فرمایا کہ:

''اذنِ عام سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو عام اجازت دے دی جائے، جن لوگوں کا جمعہ پڑھنا صحیح ہو، ان میں سے کسی کو اس مقام میں داخل ہونے سے منع نہ کیا جائے، جس مقام میں جمعہ کی نماز پڑھی جارہی ہے (خواہ وہ کوئی مسجد ہو، یا قلعہ، یا کوئی دوسری عمارت ہو) اور جس نے اذنِ عام کی تفسیر ''اشتہار'' کے ساتھ کی ہے، اس کی مراد بھی یہی (اذنِ عام) ہے۔

لیکن اس شرط کا حنفیہ کی ''ظاهرُ الرواية''میں ذکر نہیں، اسی وجہ سے ''الهداية''میں بھی اس کا ذکر نہیں، البتہ یہ ''النوادر''میں مذکور ہے ''كنز اور الوقاية اور النقاية اور الملتقٰى''اور (دیگر حنفیہ کی) بہت سی معتبر کتابوں میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور امام کی طرف سے اذنِ عام کی قید، آنے والی قلعہ کی مثال کی وجہ سے لگائی گئی

---

[1] (و) السابع :(الإذن العام من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كافى فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى، نعم لو لم يغلق لكان أحسن كما فى مجمع الأنهر معزيا لشرح عيون المذاهب قال :وهذا أولى مما فى البحر والمنح فليحفظ (فلو دخل أمير حصنا) أو قصره (وأغلق بابه) وصلى بأصحابه (لم تنعقد) ولو فتحه وأذن للناس بالدخول جاز وكره، فالإمام فى دينه ودنياه إلى العامة محتاج، فسبحان من تنزه عن الاحتياج(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار،ج ٢: ص ١٥٢، ١٥٣، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

ہے، ورنہ تو اجازت کا اعتبار اس جمعہ کو قائم کرنے والے کی طرف سے ہے۔

اور اذنِ عام کے لیے صریح اجازت شرط نہیں۔

اور قلعہ کے دروازے، دشمن کی وجہ سے بند کرنے کی صورت میں اذنِ عام اس لیے موجود ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز شروع کرنے سے پہلے، ہر نماز پڑھنے والے کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور باعثِ ضرر، نمازیوں کو منع کرنا ہے، نہ کہ دشمن کو منع کرنا۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کے وقت بھی دروازوں کو بند کرنا، درست نہیں، کیونکہ نماز کی حالت میں دروازوں کو بند کرنے سے بھی نمازِ جمعہ کے لیے داخل ہونے والوں کے لیے ممانعت متحقق ہوتی ہے، چنانچہ جو شخص کچھ دور دراز سے چل کر ایسے وقت پہنچا کہ جمعہ کھڑا ہو چکا تھا، تو اس وقت دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کا جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔

اور میں کہتا ہوں کہ نماز کے دوران، دروازے بند کرنے کی صورت میں مذکورہ اختلاف کا اس صورت میں ہی پایا جانا مناسب ہے، جبکہ شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، لیکن اگر شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، تو پھر (بغیر اذنِ عام اور بغیر اشتہار کے) جمعہ کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہاں دروازے بند کرنے سے، جمعہ کا فوت ہونا ثابت نہیں ہوگا، جیسا کہ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے (یعنی فقہائے کرام نے اذنِ عام کی شرط کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے دوسرے لوگوں کا جمعہ فوت ہو جاتا ہے)

اور حاکم کا قلعہ کے دروازے کھول کر جمعہ پڑھنے کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

اس طرزِ عمل کی وجہ سے جامع مسجد کا حق ادا نہیں ہوتا، اور وہاں جمعہ قائم نہیں ہو پاتا

(کیونکہ جمعہ حاکم کے بغیر منعقد نہیں ہوتا)''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (قوله الإذن العام) أى أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه .وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وكذا فى البرجندى إسماعيل وإنما كان هذا شرطا لأن الله -تعالى -شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله (فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للاشتهار وكذا تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور تحقيقا لمعنى الاسم بدائع.

واعلم أن هذا الشرط لم يذكر فى ظاهر الرواية ولذا لم يذكره فى الهداية بل هو مذكور فى النوادر ومشى عليه فى الكنز والوقاية والنقاية والملتقى وكثير من المعتبرات.

(قوله من الإمام) قيد به بالنظر إلى المثال الآتى وإلا فالمراد الإذن من مقيمها لما فى البرجندى من أنه لو أغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لا يجوز إسماعيل.

(قوله :وهو يحصل إلخ) أشار به إلى أنه لا يشترط صريح الإذن ط (قوله للواردين) أى من المكلفين بها فلا يضر منع نحو النساء لخوف الفتنة ط.

(قوله لأن الإذن العام مقرر لأهله) أى لأهل القلعة لأنها فى معنى الحصن والأحسن عود الضمير إلى المصر المفهوم من المقام لأنه لا يكفى الإذن لأهل الحصن فقط بل الشرط الإذن للجماعات كلها كما مر عن البدائع.

(قوله :وغلقه لمنع العدو إلخ) أى أن الإذن هنا موجود قبل غلق الباب لكل من أراد الصلاة، والذى يضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو (قوله لكان أحسن) لأنه أبعد عن الشبهة لأن الظاهر اشتراط الإذن وقت الصلاة لا قبلها لأن النداء للاشتهار كما مر وهم يغلقون الباب وقت النداء أو قبيله فمن سمع النداء وأراد الذهاب إليها لا يمكنه الدخول فالمنع حال الصلاة متحقق ولذا استظهر الشيخ إسماعيل عدم الصحة ثم رأيت مثله فى نهج النجاة معزيا إلى رسالة العلامة عبد البر بن الشحنة والله أعلم (قوله :وهذا أولى مما فى البحر والمنح) ما فى البحر والمنح هو ما فرعه فى المتن بقوله فلو دخل أمير حصنا أى أنه أولى من الجزم بعدم الانعقاد.

(قوله :أو قصره) كذا فى الزيلعى والدرر وغيرهما، وذكر الوانى فى حاشية الدرر أن المناسب للسياق أو مصره بالميم بدل القاف.قلت :ولا يخفى بعده عن السياق .وفى الكافى التعبير بالدار حيث قال :والإذن العام وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذن للناس، حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع وأغلقوا الأبواب وجمعوا لم يجز. وكذا السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أو لا.وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز. لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لا يحصل إلا بالإذن العام .اهـ.

قلت :وينبغى أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا فى محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ شامی کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں، اور جمعہ کے اشتہار و اعلان سے مراد بھی، یہی اذنِ عام ہے، اور جب شہر میں دوسرے مقامات پر نمازِ جمعہ قائم ہو، تو ایسی صورت میں کسی گھر، یا عمارت کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ کا قائم کرنا جائز ہے، اور اس کے جائز ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اس میں وہ علت پائی ہی نہیں جاتی، جس کی وجہ سے اذنِ عام کو شرط قرار دیا گیا تھا، یہی بات مزید صراحت کے ساتھ "مراقی الفلاح" کے حوالہ سے بھی گزر چکی ہے۔

اور علامہ شامی کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب نمازِ جمعہ کے دوران، دروازہ کا بند کرنا، نمازِ جمعہ سے روکنے کے بجائے، کسی دوسرے مقصد سے ہو، مثلاً حفاظتی نقطۂ نظر سے، تو بعض حضرات اس صورت میں بھی جمعہ کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ علامہ ابنِ عابدین شامی کا رجحان بظاہر اس کی طرف معلوم نہیں ہوتا، بہر حال بعض حضرات کا یہ قول موجود ہے۔ [1]

پس اگر گھر میں نمازِ جمعہ قائم کیا جائے، اور پردہ کی خاطر، یا مکان اور اس میں موجود افراد اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (قوله لم تنعقد) يحمل على ما إذا منع الناس فلا يضر إغلاقه لمنع عدو أو لعادة كما مر ط.قلت :ويؤيده قول الكافي وأجلس البوابين إلخ فتأمل .

(قوله وأذن للناس إلخ) مفاده اشتراط علمهم بذلك، وفي منح الغفار وكذا أي لا يصح لو جمع في قصره لحشمه ولم يغلق الباب ولم يمنع أحدا إلا أنه لم يعلم الناس بذلك .اهـ .(قوله وكره) لأنه لم يقض حق المسجد الجامع زيلعي ودرر (قوله فالإمام إلخ) ذكره في المجتبى(ردالمحتار،ج ۲: ص ۱۵۱،۱۵۲، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

[1] (قوله حتى إن أميرا لو أغلق إلخ) ينبغي حمله على ما إذا منع الناس من الصلاة وإلا فالإذن العام يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كما عزاه في الدر المختار إلى الكافي وفيه عن مجمع الأنهر معزيا إلى شرح عيون المذاهب لا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلي نعم لو لم يغلق لكان أحسن اهـ.

وبه اندفع قول الشيخ إسماعيل وعلى اعتباره أي الإذن العام تحصل الشبهة في صحتها في قلعة دمشق وأضرابها حيث يغلق بابها ويمنع الناس من الدخول حال الصلاة كما هو المعتاد فيها بل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اشیاء کی حفاظت کی غرض سے دروازہ بند کر کے رکھا جائے، تو جمعہ کی نماز جائز ہے۔

اور شہروں میں متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ ہونے کی صورت میں بھی بلاشبہ جائز ہے۔

اور علامہ شامی نے جب اشتہار سے مراد بھی اذنِ عام لیا ہے، یعنی ان دونوں قسم کے الفاظ سے ایک ہی چیز کی تعبیر کا ہونا بیان کیا ہے، اور تعددِ جمعہ کی صورت میں یہ شرط برقرار نہیں رہتی، تو اب جب کہ کسی شہر میں جگہ جگہ جمعہ کی نمازیں قائم ہوں، تو گھروں میں نمازِ جمعہ کو اس لیے ناجائز قرار دینا بھی درست نہ ہوگا کہ اس صورت میں جمعہ کے شعار کا اظہار نہیں پایا جاتا۔

چنانچہ اس کی کئی نظیریں موجود ہیں کہ جن چیزوں کو اسلام کا شعار قرار دیا گیا ہے، ان کی ادائیگی اور ان پر عمل کرنے کو ہی شریعت نے نفسِ شعار قرار دیا ہے، البتہ بعض امور میں اظہار واعلان کو سنت ومستحب قرار دیا گیا ہے، جبکہ بعض امور کے، کسی علاقے میں فی الجملہ اظہار کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ عیدالاضحیٰ کی قربانی کو شعار قرار دیا گیا ہے، لیکن قربانی کو گھر وغیرہ میں اس طرح کرنے سے کہ اس کا دوسرے پر اظہار نہ ہو، ناجائز قرار نہیں دیا جاتا۔

اسی طرح مساجد بھی شعائر میں داخل ہیں، لیکن اگر کوئی جگہ شرعی اعتبار سے وقف کردی جائے، اور اس پر مینارہ وغیرہ قائم نہ کیا جائے، اور نہ ہی اس کے مسجد ہونے کی لوگوں میں شہرت کی جائے، تو فی نفسہٖ وہ شرعی مسجد شمار ہوتی ہے۔

اسی طرح پنجگانہ نماز، اور اس کی جماعت، اور اذان اور تراویح وغیرہ کو بھی شعار میں داخل مانا گیا ہے، لیکن ہر کسی کے فرض نماز کی ادائیگی یا فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنے، یا تراویح کو ادا کرنے کے لیے، اس کا اظہار ضروری نہیں، اور فقہائے کرام نے اذان میں رفعِ صوت کا حکم

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الظاهر حينئذ عدم الصحة إذ لا إذن عام فيها إلا لمن في داخلها كمن في داخل القصر (منحة الخالق، ج٢، ص١٦٢، ١٦٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ولا مدخل في غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره تدبر وعند الأئمة الثلاثة لا يشترط الإذن العام (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج١، ص١٦٦، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

فرمایا ہے، لیکن رفعِ صوت پر، اذان کے وجود کو موقوف نہیں رکھا، بلکہ بعض جگہ، یعنی جب ضرورت نہ ہو، تو بقدرِ ضرورت آواز کو کافی قرار دیا ہے، خواہ غائبین تک آواز نہ پہنچے۔ [1]

اور ہم اپنے دوسرے مفصل مضمون میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ اپنی شرائط کے ساتھ جمعہ کا قیام ہی خود سے دراصل شعارِ اسلام کا اظہار ہے۔ [2]

---

[1] أوجب الشافعية والحنابلة رفع الصوت بالأذان؛ ليحصل السماع المقصود للأذان، وهو كذلك رأى للحنفية، وهذا إذا كان الغرض إعلام غير الحاضرين بصلاة الجماعة، أما من يؤذن لنفسه أو لحاضر معه فلا يشترط رفع الصوت به إلا بقدر ما يسمع نفسه أو يسمعه الحاضر معه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص٣٦٥، مادة "أذان")

ولكن رفع الصوت بالإقامة يكون أخف من رفعه بالأذان، لاختلاف المقصود فی كل منهما. فالمقصود من الأذان :إعلام الغائبين بالصلاة، أما الإقامة فالمقصود منها طلب قيام الحاضرين فعلا للصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٨، مادة "إقامة")

ويسن رفع الصوت بالأذان لمنفرد فوق ما يسمع نفسه، ولمن يؤذن لجماعة فوق ما يسمع واحدا منهم، ويخفض صوته فی مصلی أقيمت فيه جماعة (الفقه الإسلامی وأدلته للزحيلی، ج١، ص٧٠٤، القسم الاول، الباب الاول، الفصل الثالث)

الذكر الثانی تأكد علی الأول فی رفع الصوت ولا مزيد عليه(التجريد للقدوری، ج١، ص٤٢٢، كتاب الصلاة، رقم المسئلة ١٧٩٢)

ولأن الأذان لإعلام الغائبين ....ولأن المقصود من الأذان الإعلام، وذلك برفع الصوت(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج١، ص٣٤٢، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر فی التغنی والألحان)

والمؤذن فی بيته يرفع دون ذلک فوق ما يسمع نفسه(رد المحتار علی الدر المختار، ج١، ص٣٩٠، كتاب الصلاة، باب الأذان)

[2] اب جبکہ یہ مضمون مکمل ہو چکا تھا، ایک صاحب نے اس سلسلے میں ایک فتویٰ ارسال کر کے بندہ کی رائے معلوم کی۔

اس فتوے میں اذنِ عام کے مسئلے میں علامہ شامی کی طرف ''تفرد'' کے الزام کی نسبت کی گئی ہے، اور اس کے لیے علامہ رافعی اور ''فتاویٰ رحیمیہ'' کی عبارات کو مستدل بنایا گیا ہے، اور بعض اردو فتاویٰ میں عجیب وغریب تاویلات کی گئی ہیں، اور اذنِ عام واذنِ سلطان کی شرط کی بھی عجیب وغریب توجیہ کی گئی ہے۔

ہم نے اس فتوے کو بغور ملاحظہ کیا، جس سے ہمیں اتفاق نہ ہو سکا، ہم سمجھتے ہیں کہ علامہ شامی اور علامہ شرنبلالی (یعنی صاحبِ مراقی الفلاح) نے اس مسئلہ کی بنیادی علت کو سمجھ کر اس کو منقح کیا ہے۔

ارادہ تھا کہ اس تحریر میں ہی اس فتوے پر کلام کر دیا جائے، لیکن اس کی وجہ سے اس مضمون کے تسلسل میں خلل واقع ہو رہا تھا، اس لیے مناسب خیال کیا کہ اس پر الگ سے کلام کر دیا جائے، چنانچہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر جلد ہی تحریر کر دیا جائے گا، جس سے علامہ ابنِ عابدین شامی کے اس موقف کا راجح ہونا، ظاہر ہوتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

مذکورہ اور اس جیسی عبارات کے پیشِ نظر اردو فتاویٰ میں بھی اس سلسلہ میں کچھ اختلافی فتاویٰ ملتے ہیں، لیکن متعدد اہلِ افتاء نے مذکورہ دونوں نقطہائے نظر کو اپنی اپنی آراء کے مطابق اختیار فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں چند اردو فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

امدادُ الفتاویٰ کا حوالہ

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

اذنِ عام ہونا بھی منجملہ شرائطِ صحتِ جمعہ ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا، وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذنِ عام میں مخل نہیں۔

فی الدر المختار: والإذن العام من الامام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كاف فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لاهله وغلقه لمنع العدو لا المصلي، نعم لو لم يغلق لكان أحسن اهـ.

في ردالمحتار: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل(ج ا ص ۸۵۱)

پس بناء برروایتِ بالا، اس قلعہ میں نمازِ جمعہ درست ہے (امداد الفتاویٰ، ج ا ص ۶۸۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: جولائی 2010ء)

مذکورہ فتوے میں اسی قول کی اتباع کی گئی ہے، جس کے مطابق، دروازے بند کرنے یا روک ٹوک کا مقصد نفسِ نمازِ جمعہ سے روکنا نہ ہو، بلکہ کوئی دوسری مصلحت مثلاً حفاظتی نقطۂ نظر ہو۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ حالات میں ایک خاص وباء کی وجہ سے بڑے بڑے

اجتماعات کے انعقاد سے روکنا مقصود ہے، نفسِ جمعہ سے روکنا مقصود نہیں۔
اور شہر میں متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی شکلوں میں قائم ہیں، اس لیے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کوئی اپنے گھر وغیرہ کے دروازے بند کر کے جمعہ پڑھے، یا ظہر کی نماز پڑھے، اس کی شرعی وفقہی اعتبار سے کوئی ممانعت نہیں ہوگی۔

امدادُ الاحکام کا حوالہ

امدادُ الاحکام میں ہے کہ:

اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے، تو جائز ہے، گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں، کیونکہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے، بلکہ انتظام مقصود ہے (امدادالاحکام، ج۱ص۷۵۱، کتاب الصلاۃ ، فصل فی الجمعۃ والعیدین ،مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم۱۴۳۰ھ، جنوری2009ء)

یہ فتویٰ بھی سابقہ فتوے کے مطابق ہے، جس کی توضیح بیان کی جاچکی ہے۔

امدادُ الاحکام کا دوسرا حوالہ

امدادُ الاحکام میں ایک مقام پر ہے کہ:

الجواب من جامع امدادالاحکام

صورت مسئولہ میں صرف فلاں صاحب کے (مسجد میں جمعہ کے لیے) منع کرنے سے اذنِ عام فوت نہیں ہوا۔

اذنِ عام ایسے شخص کی ممانعت سے فوت ہوتا ہے، جس کی مخالفت پر عوام قادر نہ ہوں، مثلاً حاکمِ وقت منع کردے۔

اور حاکمِ وقت کی ممانعت سے بھی اذنِ عام اس وقت فوت ہوتا ہے، جبکہ کسی بستی میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع کردے۔

اوراگرکسی ایک جگہ سے منع کرے، اور دوسری جگہ سے منع نہ کرے، تو اذنِ عام فوت نہیں ہوتا، نماز جمعہ اس بستی کی ہر مسجد میں صحیح ہوگی۔

اورفلاں صاحب کی یہ حرکت خلافِ شرع تھی کہ ان سے چندہ وصول کرنے پر ایسا جبر کیا، اور نمازیوں کو نماز سے روکا، اس کو علانیہ اپنی حرکت سے توبہ کرنی چاہیے، اور خداتعالیٰ سے استغفار کرے۔ واللہ اعلم بالصواب، ظفر احمد عفاعنہ۔

الجواب من جامع تتمۂ امدادالاحکام:

ظاہر یہی ہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے اذنِ عام مرتفع نہیں ہوتا، الَّا آنکہ کہنے والا صاحبِ حکومت ہو، اور فعلاً منع کرنا، حاکم وغیر حاکم ہر دو کی جانب سے ہوسکتا ہے، یعنی اگر غیر حاکم بھی مسجد کا دروازہ بند کردے، یا پہرہ زبردست دروازہ پر لگادے، تو اذنِ عام فوت ہوجائے گا۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے، جبکہ وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہے، اور اگر دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو، تو بہرحال جمعہ جائز ہوجائے گا۔

فی الشامی ”قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا یتحقق التفویت کما أفاده التعلیل تأمل“

پس صورتِ مسئولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا (امدادالاحکام، ج۱، ص۷۸۲، ۷۸۳، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

امدادُالاحکام کا مذکورہ فتویٰ، علامہ ابنِ عابدین شامی کے بیان کردہ موقف کے مطابق ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا فتوے سے بھی معلوم ہوا کہ جب شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم ہو، تو اذنِ عام کا نہ ہونا، جمعہ کی صحت کے لیے مانع نہیں۔

اور آج کل چونکہ ہمارے دیار میں شہر کے اندر جگہ جگہ جمعہ قائم کیے جاتے ہیں، جن کے جائز ہونے پر اصحابِ فقہ وافتاء کو بھی اشکال نہیں، اور حکومت کی طرف سے بھی ممانعت نہیں۔

ایسی صورت میں گھر کے اندر دیگر شرائط کا اعتبار کرتے ہوئے، دروازے بند کر کے اور اشتہار وتشہیر کے بغیر جمعہ فی نفسہٖ جائز ہوگا۔

اور جب متعدد حنفیہ کی تصریحات کے مطابق، تعددِ جمعہ کی تکثیر بلا حاجت کے بھی جائز ہے، تو مخصوص اعذار وحالات میں اپنی متعلقہ معتبر شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے، جا بجا گھروں اور عمارتوں وغیرہ میں دروازے بند کر کے اور اعلان وتشہیر کے بغیر بھی جمعہ جائز ہوگا، اور ایسی صورت میں گھر وغیرہ کے دروازے کھولنے اور اعلان وتشہیر وغیرہ کرنے کا تکلف اختیار کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔

اور موجودہ قانونی ومخصوص وبائی ضرورت میں اس طرح جمعے کی نمازوں کے جائز ہونے پر اشکال وشبہ کرنا درست نہ ہوگا۔

بالخصوص جبکہ قیامِ جمعہ کے لیے حنفیہ کے نزدیک مسجد بھی شرط نہ ہو، تو ایسی صورت میں تو گھروں میں قیامِ جمعہ کو، نادرست قرار دینا بے جا اور غیر معقول کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔ [1]

امدادُالاحکام کا تیسرا حوالہ

امدادُالاحکام میں ہی ہے کہ:

قواعد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصر میں کم از کم چار شخص جمعہ سے رہ جاویں، تو وہ جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں پڑھ لیں۔

اور ان سب میں وجوبِ جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہوں، تو جمعہ واجب ہو۔

اور اگر فقط صحت کی شرطیں ہوں، تو واجب نہ کہا جاوے، لیکن پڑھیں، تو صحیح ہو (امداد

---

[1] والمسجد الجامع ليس بشرط فيجوز فی فناء المصر وهو ما اتصل به معدا لمصالحه من ركض الخيل وجمع العساكر والمناضلة ودفن الموتى وصلاة الجنازة ونحو ذلک (منية المصلی وغنية المبتدی، ص ۲۹۹)

الاحکام، ج۱، ص۳۸۷، کتاب الصلاۃ ، فصل فی الجمعة و العیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

مذکورہ فتوے سے معلوم ہوا کہ اگر شہر کی کسی مسجد یا غیر مسجد میں کم از کم چار اشخاص بھی جمعہ قائم کریں، تو جمعہ جائز ہے۔

امدادُ الاحکام کا چوتھا حوالہ

امدادُ الاحکام میں ہی ہے کہ:

جہاں حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے قاضی وغیرہ مقرر ہو، اگر وہاں جمعہ فوت ہوجاوے، تو بدون اذنِ حاکم دوسرا جمعہ نہیں ہوسکتا۔

باقی ہمارے ملک میں چونکہ تقررِ امام کا مدار، تراضیِ مسلمین پر ہے۔

اس لیے یہ باقی ماندہ لوگ، کسی کو امام بنا سکتے ہیں، اور جمعہ پڑھ سکتے ہیں، غرضیکہ اہلِ مصر کو تنہا تنہا ظہر کا حکم جب ہے کہ جمعہ سے کوئی مانع ہو، یہ دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا، تو جب ہے کہ چار آدمی جمعہ سے رہ جاویں۔

اور اگر چار سے کم یعنی دو تین آدمی رہ جاویں، تو وہ ظہر پڑھیں، اور الگ الگ پڑھیں، جماعت نہ کریں (امدادالاحکام، ج۱، ص۷۸۴، کتاب الصلاۃ ، فصل فی الجمعة و العیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

مذکورہ فتوے سے بھی معلوم ہوا کہ جب کسی علاقے میں تقررِ امام کا مدار وہاں کے متعلقہ افراد کی رضامندی پر ہو، جیسا کہ آج کل ایسا ہی ہے، تو کم از کم چار افراد بھی اپنے میں سے کسی کو امام مقرر کر کے جمعہ قائم کر سکتے ہیں۔

اور یہ حکم اس صورت کو بھی شامل ہے، جب کسی آبادی میں اتفاق سے، ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو، وہاں اگر کم از کم چار افراد جمعہ سے رہ جائیں، یا کسی کو چار افراد، جمعہ پڑھنے والے میسر

ہوں، تو ان کو دوبارہ جمعہ کی نماز جائز ہے۔

ہم بھی موجودہ حالت میں اس فتوے کے مطابق جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اور جب اس طرح جمعہ کے قیام سے بھی کوئی مانع ہو، یا چار افراد سے کم ہی موجود ہوں، تو ایسی حالت میں ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم ہوگا، لیکن وہ بھی حنفیہ کے نزدیک، بغیر جماعت کے۔

''فتاویٰ دارُالعلوم دیوبند'' کا حوالہ

''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' میں ہے کہ:

> امصار وقصبات میں جمعہ ادا ہونے کے لیے، مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، علاوہ مساجد کے دوسرے مکانات اور کارخانوں میں اور میدانوں میں بھی جمعہ صحیح ہے۔
>
> **كما في الدر المختار: وتؤدى في مصر واحد ،بمواضع كثيرة ، مطلقا على المذهب، وعليه الفتوىٰ** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج۵ ص۷۳، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة الجمعة، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، تاریخِ طبع: ستمبر 2002ء)

مذکورہ فتوے میں مساجد کے علاوہ مکانات اور کارخانوں اور میدانوں میں بھی جمعہ کو صحیح قرار دیا گیا ہے، اور مکانوں وکارخانوں میں جمعہ کے جائز ہونے کی دلیل یہی پیش کی گئی ہے کہ حنفیہ کے مذہب اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق ایک شہر میں علی الاطلاق کثیر مقامات پر جمعہ کو اداء کرنا جائز ہے۔

اور جب یہ حنفیہ کا اصل مذہب اور مفتیٰ بہ قول ہے، تو پھر مساجد کے علاوہ کثیر مکانوں اور کارخانوں وغیرہ میں جمعہ کو ناجائز قرار دینا، کیسے درست ہوسکتا ہے؟ خواہ وہ مقامات کی کثرت کتنی زیادہ تعداد میں کیوں نہ ہو، بالخصوص جبکہ وہ کثرت مخصوص حالات اور ضرورت کی وجہ سے ہو، اور متعدد حنفیہ بغیر ضرورت کے بھی متعدد مقامات پر جمعہ کے قیام کو جائز قرار

دے چکے ہیں، اور اگر ضرورت وحاجت ہی کی قید لگائی جائے، تو یہ ضرورت ان اہلِ شہر یا اہلِ علاقہ، بلکہ خود جمعہ پڑھنے والوں کے اپنے اعتبار سے ہوسکتی ہے، یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنی مخصوص ضرورت کی وجہ سے گھر میں جمعہ قائم کریں، یا گھر کے علاوہ کارخانے، یا ہسپتال، یا کسی دفتر وغیرہ میں قائم کریں، اوران میں صحتِ جمعہ کی شرائط بھی پائی جاتی ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مخصوص حالت میں وہ ضرورت ایک وسیع شکل اختیار کرلے، جس میں ایک شہر بلکہ ایک سے بھی زیادہ شہروں اوراس سے بڑھ کر پورے ملک کے شہر والوں کو وہ ضرورت پیش آجائے، اور یہ ضرورت مختلف انواع کی ہوسکتی ہے، جس کے متعلق دوسرے مقام پر وضاحت کی جاچکی ہے۔

پھراس نقد وجرح کی ضرورت بھی اس وقت ہے، جب کہ کثیر مقامات پر جمعہ کے قیام کو ضرورت وحاجت کے ساتھ مقید کیا جائے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جوازِ جمعہ کے لیے اس قید کی بھی ضرورت نہیں، البتہ افضلیت کا معاملہ الگ ہے، لیکن ترکِ فضیلت کی وجہ سے کسی پر ملامت نہیں کی جاسکتی، نہ ہی اس کے جائز فعل پر نکیر کی جاسکتی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حاجت بھی امرِ اضافی ہے، جس کو کسی خاص صورت میں مقید ومتعین کرنا، اورضبط میں لانا مشکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں آج کل شہروں کے اندر ایک ایک محلّہ میں جومتعدد مقامات پر، جمعہ کی نمازیں قائم ہوتی ہیں، اوران پر کوئی نکیر نہیں کی جاتی، جبکہ ان میں بھی حاجت کے اعتبار سے کلام کی گنجائش ہے، لیکن جب عام حالات میں بھی کلام کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، تو مخصوص اورانتہائی مخصوص حالات میں اس پر کلام کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے، بالخصوص جبکہ کلام بھی اس نوعیت کا کیا جائے کہ سرے سے جوازِ جمعہ کی ہی نفی کردی جائے، اور ملک بھر کے لاکھوں اور کروڑوں افراد کو جمعہ کے شعار اوراس کی برکات سے محروم کردیا جائے، اس کی کس قدر گنجائش پائی جاتی ہے، اس پر مانعینِ جمعہ کو غور کرنا چاہیے۔

''فتاویٰ دارُ العلوم دیوبند'' کا دوسرا حوالہ

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال وجواب کے اوپر مندرجہ ذیل سرخی قائم ہے:

''بارش کے زمانہ میں، جمعہ کی نماز، باجماعت، گھر میں پڑھ سکتا ہے''

پھر اس سرخی کے ذیل میں درجِ ذیل سوال وجواب فارسی زبان میں ہے، جس کا ہم نے آخر میں بزبانِ اردو، ترجمہ بھی کر دیا ہے۔

سوال: در ایام باراں بوجہ کثرتِ بارش وآبِ فراواں راہ چلیدن از حد بیکراں دشوار گزار می شود مسجد ہم قدرے از مسکن دور است نادراں ہنگام ادائے صلوٰۃ جمعہ را شرعاً چہ حکم دارد۔ آیا دراں ہنگام تکلیف مالانہایۃ کشیدہ برائے صلوٰۃ جمعہ بمسجد رفتن ضرور باشد یا تادی صلوٰہ بمکان کافی کند یانہ۔

الجواب: تعدد صلوٰۃ جمعہ علی القول مفتی بہ صحیح است پس اگر بعذر مطر رفتن بمسجد جامع دشوار باشد بجائے دیگر نماز جمعہ گزاردن بجماعت مشروعہ (وآں سہ مرد است علاوہ امام۔ درمختار) صحیح است۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل، جلد پنجم، صفحہ ۶۷، وصفحہ ۶۸، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

سوال: ترجمہ: بارش کے موسم میں، بارش کی کثرت اور پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں چلنا بہت زیادہ دشوار ہوتا ہے، اور مسجد بھی گھر سے کچھ دور ہے، ایسی صورتِ حال میں جمعہ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے، کیا اس صورتِ حال میں انتہائی تکلیف برداشت کر کے نمازِ جمعہ کے لئے مسجد میں جانا ضروری ہے، یا جمعہ کو مکان میں ادا کرنا کافی ہو جائے گا، یا نہیں؟

جواب: ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھنا مفتیٰ بہ قول کے مطابق صحیح ہے، پس اگر بارش کے عذر کی وجہ سے جامع مسجد جانا دشوار ہو، تو دوسری جگہ (یعنی

اپنے گھر وغیرہ میں، جس کا سوال میں ذکر ہے) نمازِ جمعہ با جماعت مشروع طریقہ پر ادا کرنا (یعنی جبکہ امام کے علاوہ تین مرد حضرات ہوں، جیسا کہ درمختار میں ہے) صحیح ودرست ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل، جلد پنجم، صفحہ ۶۷، وصفحہ ۶۸، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

مذکورہ فتوے سے بھی معلوم ہوا کہ عذر کی صورت میں گھر میں جمعہ کا قائم کرنا جائز ہے، اور عذر جس طرح انفرادی ہوسکتا ہے، یعنی چند آدمیوں کو پیش آسکتا ہے، اسی طرح اجتماعی طور پر بھی پیش آسکتا ہے، یعنی جملہ اہلِ شہر کے لیے اس طرح کے حالات پیش آجائیں، جیسا کہ آج کل درپیش ہیں، تو پھر علت کے وسیع ہونے کی وجہ سے ایک گھر وعمارت کے بجائے، کئی کئی گھروں اور عمارتوں میں بھی جمعہ پڑھنا جائز ہوگا، خواہ وہ تعداد میں کتنے بھی ہوں، کیونکہ اس باب میں ''مکانٌ دونَ مکانٍ'' کی کوئی قید وفرق نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک مصر کی تمام جگہیں جوازِ جمعہ کے اعتبار سے یکساں ہیں، مسجد بھی شرط نہیں۔

پس ایک ایسی بدیہی ضرورت، جو عوام اور حکومت اور پوری دنیا کے انسانوں کو نظر آرہی ہو، اس سے صرفِ نظر کر لینا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

جبکہ متعدد حنفیہ تو بغیر حاجت کے بھی تعددِ مقامات بلکہ تکثیرِ مقامات میں جوازِ جمعہ کو ذکر فرما چکے ہیں۔

''کفایتُ المفتی'' کا حوالہ

''کفایتُ المفتی''میں ہے کہ:

ہاں مکان میں بھی جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، جبکہ کسی کی روک ٹوک نہ ہو، مگر ہمیشہ مکان میں ہی نماز قائم کرنا، اور مسجد کو معطل نہیں کرنا چاہیے (کفایت المفتی، ج۳ ص۲۳۱، کتاب الصلاۃ، پانچواں باب، نمازِ جمعہ، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، طباعت: جولائی 2001ء)

مذکورہ فتوے میں مکان کے اندر جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، مگر اس کی ہمیشہ عادت بنا لینے اور مسجد کے معطل کر دینے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

اور موجودہ حالات میں اگر چار پانچ افراد مسجد میں بھی جمعہ قائم کریں، تو مسجد کا معطل ہونا لازم نہیں آتا، بشرطیکہ اس میں کوئی قانونی رکاوٹ نہ ہو۔

اور مخصوص حالت ومجبوری میں ایسا کرنا، ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینے میں داخل نہیں۔

مذکورہ فتوے میں بھی مکان میں جمعہ کی اجازت دی گئی، لیکن ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینے سے منع کیا گیا، تفقہ کا تقاضا یہی ہے کہ ضرورت کے تحت اجازت دی جائے، اور ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینے سے منع کیا جائے، نہ یہ کہ اس قسم کے خدشہ کی بناء پر ضرورت کا راستہ ہی بند کر دیا جائے، اور اوپر سے لوگوں کو جمعہ سے محروم کر دیا جائے، اور اس کی جگہ نمازِ ظہر کا حکم دیا جائے، پھر اس کو بھی باجماعت اداء کرنے کی ترغیب دی جائے۔

رہا روک ٹوک نہ ہونے کی قید کا معاملہ، تو یہ اذنِ عام کی شرط کا لحاظ کرنے کے لیے ہے، اور اس پر کلام پہلے گزر چکا ہے، جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

''فتاویٰ رحیمیہ'' کا حوالہ

''فتاویٰ رحیمیہ'' میں ہے کہ:

جو لوگ جمعہ پڑھنے سے رہ گئے ہیں، وہ دوسری جماعت نہیں کر سکتے، مکروہ تحریمی ہے۔

البتہ دوسری مسجد، جہاں جمعہ نہ ہوا ہو، وہاں جا کر باقاعدہ خطبہ دے کر نمازِ جمعہ ادا کر سکتے ہیں، یا کسی مکان میں پڑھ سکتے ہیں۔

ظہر پڑھیں، تو تنہا تنہا پڑھیں، شہر اور قصبات میں جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے، ظہر کی نماز، مسجد میں یا مکان میں باجماعت ادا کرنا، ممنوع ہے (فتاویٰ رحیمیہ، ج۶ ص۸۲،

کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، طباعت: مارچ 2009ء)

مذکورہ فتوے میں بھی باقی ماندہ لوگوں کو دوسری مسجد یا مکان میں جمعہ پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے۔

’’فتاویٰ محمودیہ‘‘ کا حوالہ

’’فتاویٰ محمودیہ‘‘ میں ہے کہ:

جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں، وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ، درست ہے، اوراس سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ بلاحاجت کے بھی اگر متعدد جگہ جمعہ پڑھا جائے، تب بھی۔

وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب، وعليه الفتوىٰ، شرح المجمع للعينى، وامامة فتح القدير، دفعاً للحرج............ اهـ، درمختار.

(قوله: مطلقا) اى سواء كان المصر كبيرا او لا، الخ .

والله سبحانهٗ وتعالىٰ اعلم.

(فتاویٰ محمودیہ، ج۸ص۱۹۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: ادارہ الفاروق، کراچی، سنِ طباعت بارِ سوم: 2009ء)

اس فتوے سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شرائطِ جمعہ پائی جانی والی بستی میں ایک سے زائد اور متعدد مقامات پر اگر بغیر حاجت کے بھی جمعہ پڑھا جائے، تو وہ درست بھی ہوتا ہے، اوراس سے جمعہ کا فریضہ اداء بھی ہوتا ہے۔

اور مذکورہ فتوے میں متعدد مقامات سے ’’مقاماتِ مساجد‘‘ مراد نہیں، اور نہ ہی حنفیہ کے نزدیک قیامِ جمعہ کے لیے مسجد، یا مساجد کا ہونا، شرط ہے، بلکہ ایسی بستی کا ہونا کافی ہے، جس میں جمعہ صحیح ہونے کی شرائط پائی جاتی ہوں، اور مذکورہ فتوے میں بھی اسی چیز کی قید کے ساتھ

مذکورہ مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے۔

پس جو حضرات حاجت کے وقت بھی متعدد مقامات، یا کثرتِ مقامات کی نفی کر کے قیامِ جمعہ کو ناجائز قرار دے رہے ہیں، جب کہ اس میں فقہائے کرام کی بیان کردہ، صحتِ جمعہ کی شرائط موجود ہیں، اور ان حضرات کی طرف سے قیامِ جمعہ کو ناجائز، یا عدمِ صحیح قرار دینے کی کوئی معقول اور مؤثر دلیل بھی پیش نہیں کی جارہی، فقہائے کرام کی تصریحات کے مقابلہ میں ان کا قول لائقِ التفات معلوم نہ ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جب شہر میں متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ کا قائم کرنا، جائز ہے، اور اس کے مطابق عام حالات میں بلانکیر عمل جاری ہے، اور فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق، اگر ضرورت سے زائد مقامات پر جمعہ کی نمازیں قائم کی جائیں، تب بھی گناہ نہیں، اور جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا بھی ضروری نہیں، جو جگہیں، شہر کی حدود میں ہوں، خواہ کھلے میدان کی شکل میں ہوں، یا عمارت وبناء کی شکل میں، ان سب میں نمازِ جمعہ جائز ہے، اور راجح یہ معلوم ہوا کہ شہر کے متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ ہونے کی صورت میں کسی جگہ جمعہ قائم کرتے وقت، دروازہ بند کرنے میں بھی حرج نہیں۔ [1]

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

---

[1] یہ مضمون مکمل کرنے کے بعد کراچی کے ایک مفتی صاحب کا فتویٰ، ایک صاحب نے بندہ کے پاس بھیجا، اور اس سے متعلق کچھ امور دریافت کیے۔

اس فتوے میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ:

''موجودہ صورتِ حال میں مساجد اور گھروں میں نمازِ ظہر ادا کی جائے گی، یہی اقرب الی الاحتیاط ہے''

حالانکہ جن لوگوں میں جمعہ صحیح اور واجب ہونے کی شرائط موجود ہوں، اور انہیں کسی قانون شکنی وغیرہ کے بغیر جمعہ کا قیام ممکن ہو، ان کے جمعہ کے فریضہ کو ترک کرا کر ظہر، کا حکم لگانا ''اقرب الی الاحتیاط'' تو کیا ہوتا، فقہائے حنفیہ کی تصریح کے مطابق مکروہ تحریمی سے کم نہیں۔

اور اس فتوے میں جو عدمِ صحتِ جمعہ پر استدلال کیا گیا ہے، اس کا جواب ان شاء اللہ تعالیٰ، الگ مضمون میں جلد ہی تحریر کیا جائے گا۔ محمد رضوان خان۔

ایک توضیح

اب رمضانُ المبارک کے آغاز سے قبل، جبکہ حکومتِ پاکستان اور مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندہ علمائے کرام کے مابین ایک معاہدہ طے پایا ہے، جس کے مطابق، مساجد میں دوصفوں کے مابین ایک صف کا فاصلہ چھوڑ کر، صفیں بنائی جائیں گی، اور ہر نمازی کے دائیں بائیں کم از کم تین فٹ کا فاصلہ رکھا جائے گا، اور پچاس سال سے زائد عمر کے افراد، اور کھانسی، نزلہ، زکام اور بعض دوسری اہم بیماروں کا شکار افراد مساجد میں حاضر نہیں ہوں گے، بلکہ وہ گھروں میں ہی نمازیں اداء کریں گے، اور ان شرائط کی خلاف ورزی کی سخت ممانعت کی گئی ہے، اور عوامُ الناس کو ان ہدایات پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، وہ الگ بات ہے کہ اس پر کتنے فیصد عملدرآمد ہوتا ہے، اور خلاف ورزی پر بھی کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ہماری نظر میں موجودہ قانون اور معاہدہ کے مطابق، ایک مرتبہ پھر نمازِ جمعہ کے، گھروں وغیرہ میں قیام کا مسئلہ زیرِ بحث رہے گا۔

کیونکہ اس صورتِ حال کے تناظر میں یہ ظاہر ہے کہ بہت سے جوانوں اور صحت مندوں کو جمعہ کے لیے ہر صف کے درمیان ایک صف، اور ہر نماز کے درمیان 3 فٹ کا فاصلہ کرنے کی وجہ سے مساجد میں جگہ میسرآنا مشکل ہوگا، اور بعض ایسے لوگوں کو بھی مساجد یا دیگر مقامات پر جمعہ کے بڑے مجامع میں شریک ہوکر جمعہ ادا کرنا ممکن نہ ہوگا، جن پر شرعی وفقہی اعتبار سے جمعہ کی نماز واجب ہے، مثلاً پچاس سال سے زائد عمر کے افراد، یا نزلہ، زکام، کھانسی، اور بعض دوسری مخصوص بیماریوں میں مبتلا اشخاص، جو ادائیگیِ جمعہ پر قادر ہیں۔

ایسی صورتِ حال میں بھی ہمارے نزدیک، اگر گھروں وغیرہ میں جمعہ کی نمازیں قائم کی جائیں، تو گھروں وغیرہ میں اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ جمعہ قائم کرنا جائز ہوگا، اور اس میں

کوئی گناہ یا کراہت لازم نہ آئے گی، اوران کے نمازِ جمعہ کو غیر درست قرار دینا درست نہ ہوگا، اگرچہ ان کے ساتھ بعض نوجوان، اورنزلہ، زکام وغیرہ جیسی بیماریوں سے محفوظ افراد اور گھر کی خواتین، اور یہاں تک کہ گھر وغیرہ سے باہر جانے سے معذورافراد بھی کیوں نہ شریک ہوجائیں، اوراس کے بعد ان کوظہر کی نماز پڑھنا بھی ضروری نہ رہے گا۔

جس کی تفصیل ہم اپنے مندرجہ بالا مضمون میں ذکر کر چکے ہیں۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

(خاتمہ)

خلاصۂ کلام

شروع سے اب تک جو مختلف عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں تفصیل ذکر کی گئی، اس کا حاصل یہ نکلا کہ شہروں کے اندر، جمعہ کے دن، آزاد، بالغ اور عاقل، صحت مند، مقیم مرد پر جمعہ واجب ہے، لیکن جمعہ کی نماز کے لیے جماعتِ مخصوصہ شرط ہے، لہٰذا اس کے قیام کے لیے مخصوص افراد کا اجتماع بھی شرط ہوگا، جو کہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق مجموعی طور پر چار عاقل، بالغ مرد افراد کا موجود ہونا ہے، اور جب کسی شہر کی حدود میں کسی جگہ کم از کم اتنے افراد موجود ہوں گے، تو ان پر نمازِ جمعہ واجب ہوگا، خواہ وہ مسجد یا جامع مسجد میں ہوں، یا اس سے باہر ہوں، اور مسجد کے قریب ہوں، یا دور ہوں، اور خواہ گھر میں ہوں، یا کسی دوسری عمارت میں، یا کھلے میدان میں، اور جب تک اتنے افراد کے ساتھ قیامِ جمعہ کے مجاز مسلم حاکم کی طرف سے ممانعت نہ ہوگی، تو نمازِ جمعہ پڑھنا جائز بھی ہوگا۔

اور شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم ہونے کی صورت میں جمعہ کے قیام والے مقام کے دروازے بند کرنا بھی جائز ہوگا۔

اور اسی اصول کی بناء پر ہم بحالاتِ موجودہ، مذکورہ تفصیل کے مطابق نمازِ جمعہ کو واجب اور صحیح قرار دیتے ہیں، اور جمعہ کے قیام پر قدرت حاصل ہونے والے اشخاص وافرد کو نمازِ جمعہ کو ترک کرکے نمازِ ظہر پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، لیکن عندالحنفیۃ ان کے فریضہ کے ادا ہوجانے کا حکم لگاتے ہیں۔

اور اس کے برخلاف جو بعض اہلِ علم حضرات مذکورہ تفصیل کے مطابق قیامِ جمعہ کے وجوب اور اس سے بڑھ کر صحتِ جمعہ کی نفی کررہے ہیں، ہم ان کے قول کی حنفیہ کے اصول وقواعد اور

جزئیات وتصریحات سے تائید نہیں پاتے، اس لیے ان کے قول کو عندالحنفیۃ نا قابلِ اعتبار اور نا قابلِ قبول سمجھتے ہیں۔

اور بعض حضرات، جو موجودہ حالات میں ''اذنِ عام'' کی شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے، عدمِ صحتِ جمعہ کا حکم لگا رہے ہیں، ان کے بیان کردہ دلائل سے بھی ہمیں اتفاق نہ ہوسکا۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

27/شعبان المعظم/1441ھ 21/اپریل/2020 بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

ایک شہر کے متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم
جمعہ کے لیے سلطان، اذنِ سلطان اور اذنِ عام کا حکم
گھر وغیرہ میں دروازہ کھول یا بند کر کے نمازِ جمعہ کا حکم
مخصوص اذنِ عام کے بغیر دنیا بھر میں عدمِ جوازِ جمعہ کے ایک فتوے پر کلام

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان
www.idaraghufran.org

نام کتاب: تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اول: رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ اپریل 2021ء

صفحات: 172

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان

فون 051-5507270 فیکس 051-5780728

www.idaraghufran.org

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

دنیا بھر میں مخصوص کرونا وائرس (COVID-19) کی بناء پر ایک عرصہ سے لاک ڈاؤن کا سماں ہے، جس کے نتیجہ میں لوگ اپنے گھروں میں محصور ہوکر رہ گئے ہیں۔

موجودہ وائرس کے اثرات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال سے دنیا بھر کی معاشرت میں ایک لمحہ کے لیے بہت کچھ بدل کر رہ گیا ہے، اور لگتا ہے کہ قدرت کی طرف سے انسانیت کو فطرت کی طرف پلٹنے کی ایک زوردار دعوت دی گئی ہے، تاکہ وہ دنیا میں ہونے والی موجودہ بے جا نقل وحرکت اور فضول اختلاط اور ناجائز میل جول سے اجتناب اور کنارہ کشی اختیار کرے، جس کا گزشتہ زمانوں میں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔

اس وقت دنیا بھر میں بسنے والے انسانوں کو بے جا نقل وحرکت، میل وجول اور فضول اختلاط وغیرہ کے نقصانات سے، آگاہ کرنے اور ہونے کا یہ عمدہ موقع ہے، بشرطیکہ اپنے آپ کو فضولیات ولغویات سے بچایا جائے، جن میں آج گھروں میں بیٹھ کر بھی لوگ مبتلا ہیں، جس کا اہم ذریعہ، سوشل وغیر سوشل میڈیا ہے۔

مخصوص وائرس کی موجودہ صورتِ حال میں، اسلام کی فطرت پر مبنی بہت سی تعلیمات و ہدایات بھی کھل کر سامنے آئی ہیں، خاص کر صفائی وستھرائی اور طہارت وپاکیزگی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا ایک ایک فطری پہلو، اس وقت فرد فرد کی زبان پر ہے، وہ الگ بات ہے کہ اس کو اسلام کی طرف منسوب کرنے میں لاعلمی، بخل، یا ضد وعناد وغیرہ حائل ہے۔

اس لاک ڈاؤن (Lockdown) کے ماحول میں ایک اور پہلو دینی حوالے سے یہ محسوس ہوا کہ ہمارا علم وفقہ اور افتاء سے وابستہ ایک بڑا طبقہ، علم وتحقیق اور فقہ وتفقہ میں کافی پیچھے ہے، ابوابِ فقہ کے اہم ترین ابواب پر بھی روایتی امور سے ہٹ کر گہری نظر رکھنے والی

شخصیات وافراد کی بڑی کمی ہے۔

اور ہنگامی حالات میں پیش آنے والے غیر معمولی مسائل واحکام کے لیے پہلے سے تیاری کا معیار بھی کمزور تر ہے، جس کی وجہ سے عین وقت پر کسی نئی صورتِ حال کا سامنا کرنے پر تذبذب اور پریشانی کا اظہار ہوتا ہے۔

چنانچہ موجودہ صورتِ حال میں مساجد سے ہٹ کر، پنجگانہ نمازوں، تراویح اور خاص طور پر جمعہ کی نماز اور خود کرونا وائرس کے حوالے سے جس قسم کی دینی آراء سامنے آتی رہیں، اور ان کا سلسلہ اب تک جاری ہے، ان میں عجیب وغریب قسم کے تبصرے اور فتوے علم وفقہ کی صلاحیتوں کے جوہر کھولنے کا ایک نمونہ ثابت ہوئے۔

ایک عرصہ سے اہلِ علم واہلِ افتاء کی طرف سے روزمرہ کی بنیادوں پر جاری ہونے والے فتاویٰ وآراء کے متعلق تو مشاہدہ یہی بتلاتا رہا ہے کہ موجودہ دور میں دین اور علم وفقہ پر غیر رسمی اور غیر روایتی نوعیت کی عمیق اور گہری نظر رکھنے والی شخصیات، کی بڑی کمی، بلکہ فقدان پایا جاتا ہے، البتہ جوشِ خطابت اور الفاظ کی بناوٹ میں بہت کچھ مہارت حاصل ہے، جس کا اندازہ دینی ومذہبی پروگراموں کے دوران ہونے والے بہت سے بیانات وخطابات، اور دینی رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے تبصروں وتجزیوں، اور سوشل وغیر سوشل میڈیا پر نشر ہونے والے کلپس (Clips) اور میسجز (Massages) وغیرہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

فقہ کے وہ جزئیات، جو ہزاروں سال پہلے کے مخصوص ماحول میں تحریر کیے گئے تھے، موجودہ حالات میں، جبکہ بہت کچھ تبدیلی آچکی ہے، اور قربِ قیامت کے بہت سے آثار ظاہر ہوچکے ہیں، ہمارے اصحابِ علم وفقہ کا ایک بڑا طبقہ، صدیوں، بلکہ ہزاروں سال قبل کے تمدن وعرف پر مبنی ان جزئیات سے ذرا انحراف کے لیے تیار نہیں، اور ان پر پوری طرح جمود اختیار کیے ہوئے ہے، حالانکہ بہت سے مسائل عرف ورواج پر مبنی ہوتے ہیں، اور عرف بدلنے سے ان کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔

اب بجائے اس کے کہ اپنے زمانے کے عرف وتمدن کو پیشِ نظر رکھ کر اس قسم کے احکام پر غور وفکر کیا جائے، ایک طبقہ کی طرف سے اس کے برعکس سابق زمانوں کے عرف وتمدن پر مبنی ان جزئیات کے بعینہٖ، اپنے زمانے کے عرف پر انطباق کی جستجو کی جاتی ہے، اور اس مقصد کے لیے خوب کھینچ تان کی جاتی ہے، اور انطباق نہ ہونے کی صورت میں طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کیا جاتا ہے، اور اگر کسی دوسرے کی طرف سے سابق اور موجود عرف میں فرق کا لحاظ کر کے حکم میں فرق بیان کیا جائے، تو اس کو گوارا نہیں کیا جاتا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں، اس طرح کے اہلِ علم حضرات کے جمود نے نوبت یہاں تک پہنچادی ہے کہ شریعت کے قطعی اور متفق علیہ فریضۂ جمعہ کو فقہ کے بعض نادر اور مبہم جزئیات کی وجہ سے ساقط اور معطل قرار دینے کی جرائت کی جارہی ہے، اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس قسم کے جزئیات کی وجہ سے ایک قطعی اور متفق علیہ فرض اور اہم شعارِ اسلامی کے ترک کی برملا دعوت دی جارہی ہے، جبکہ اس قسم کے جزئیات کا موجودہ حالات میں انطباق بھی پوری طرح موجود نہیں۔

بندہ اس سے قبل بھی موجودہ حالات کے نتیجے میں سامنے آنے والے بعض دیگر مسائل پر حسبِ ضرورت مختصر یا مفصل کلام کر چکا ہے۔

ابھی جمعہ کی نماز کے حوالے سے ایک نرالا فتویٰ اور اس سے متعلق استفتاء سامنے آیا، اس فتوے میں علم وفقہ کے اعتبار سے متعدد، نرالے تسامحات اور کمزوریاں محسوس ہوئیں، جو قارئین کو آنے والے مضمون میں معلوم ہوسکیں گی۔

اللہ تعالیٰ فہمِ صحیح وفہمِ سلیم عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ.

محمد رضوان خان

12 / رمضانُ المبارک / 1441ھ 06 / مئی / 2020 بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

سوال

جناب مفتی صاحب!

ملک میں موجودہ حالات کے اندر، آپ نے فقہ حنفی کے مطابق کم از کم چار آدمیوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے کا شرعی حکم بیان کیا تھا، دارُالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی اسی نوعیت کا ہے۔

لیکن ہمیں آج کراچی شہر کے ایک مفتی صاحب کا فتویٰ دستیاب ہوا، جس میں انہوں نے موجودہ حالات میں جمعہ کے بجائے، ظہر کی نماز کا حکم لکھا ہے، خواہ گھر ہو، یا مسجد ہو، ان کا کہنا ہے کہ بحالاتِ موجودہ گھروں میں اور مسجدوں میں اذنِ عام کی تعریف، صادق نہیں آرہی، اس لیے جمعہ کی نماز جائز نہیں ہوگی، بلکہ تمام حضرات، ظہر کی نماز اداء کریں گے۔

انہوں نے اپنے فتوے میں لکھا کہ جمعہ کی نماز کے جواز کی جو سات شرائط فقہاء نے ذکر کی ہیں، ان میں ایک شرط سلطان، یا اس کے نائب کی ہے، جبکہ ایک دوسری اہم شرط اذنِ عام کی ہے۔

اور دروازے بند کرنے سے اذنِ عام کی شرط فوت ہوجاتی ہے، خواہ گھر کے دروازے بند ہوں، یا مسجد کے دروازے بند ہوں۔

اور علامہ شامی نے جو تعددِ جمعہ کی صورت میں اذنِ عام کی شرط نہ ہونے کا ذکر کیا ہے، یہ ان کا تفرد ہے۔

پھر آخر میں انہوں نے اپنے جوابات کو مندرجہ ذیل نمبروں میں ذکر کیا ہے:

(1)......اذنِ عام، شرائطِ جمعہ میں سے ایک شرط ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس جگہ جمعہ ادا کیا جارہا ہے، اس کے دروازے نمازیوں کے لیے کھلے ہوں، اگر

باہر سے کسی کو آنے کی اجازت نہ دی جائے، تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

(2)......اذنِ عام کی شرط، اگرچہ ''نوادر'' کی روایت ہے، لیکن یہ شرط ''اوفق بالقرآن والسنۃ'' ہے، نیز فقہائے متاخرین کی اکثریت نے اسے اختیار کیا ہے، جبکہ کسی فقیہ نے بھی اس کا رَد نہیں کیا، لہٰذا ''ظاھرُ الروایۃ'' کے مقابلے میں، اصولاً یہی راجح ہوگی ''کما قدمناہ مفصلًا''

(3)......اذنِ عام کی یہ شرط، صرف رعایا کے لیے نہیں، بلکہ خود حاکم کے لیے بھی شرط ہے، اگر حاکم بھی اپنے محل یا قلعہ میں دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ ادا کرتا ہے کہ باہر سے کسی کو آنے کی اجازت نہیں، تو اس صورت میں حاکم وسلطان کا جمعہ ادا نہ ہوگا۔

(4)......اذنِ عام کی شرط، ایک ایسی شرط ہے، جو انعقادِ جمعہ کے لیے ضروری ہے، چاہے حاکم ہو، یا عام نمازی، اس شرط کو حضرت امامُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں معطل نہیں کیا، تو دوسرے کو یہ حق کیسے حاصل ہوگا؟ ''کما قدمناہ مفصلًا''

(5)......حکمِ حاکم، رافع للخلاف، مسئلہ میں نہیں چلے گا، اس کا مفصل جواب، ہم گزشتہ صفحات میں دے چکے ہیں۔

(6)......علامہ شامی رحمہ اللہ، نے تعددِ جمعات کی وجہ سے جو استثناء فرمایا ہے، وہ ان کا تفرد ہے، جو خود ان کے بیان کردہ اصول وجزئیات، نیز کتبِ فقہ کے عموم کے خلاف ہے، لہٰذا مرجوح ہے، جیسا کہ تفصیلی بحث میں گزشتہ صفحات پر گزر چکا ہے۔

(7)...... جمعہ کے انعقاد میں سلطان کی شرط ہونے کا، مقصد بھی اذنِ عام کی شرط پر عمل کروانا ہے، جیسا کہ مبسوط سرخسی کے حوالہ سے ہم نے ذکر کیا، لہٰذا جن

ممالک میں اسلامی حکومت نہیں ہے، بلکہ غیر مسلم حکمران ہیں، تو ایسی صورت میں اگر اذنِ عام کی شرط متحقق ہو جاتی ہے، تو نمازِ جمعہ جائز ہوگی، نیز موجودہ صورت میں جبکہ ان تمام ممالک میں حکومت کی طرف سے مساجد میں جمعہ وغیرہ پڑھنے پر پابندی ہے، لہٰذا اذنِ عام نہ ہونے کی وجہ سے ان تمام ممالک میں بھی جمعہ کی نماز جائز نہ ہوگی، بلکہ تمام حضرات چاہے مساجد میں ہوں، یا گھروں پر، ظہر کی نماز ہی ادا کریں گے۔

(8)......جن حضرات نے حکومت کی پابندی کے باوجود، جمعہ کی نماز مسجد میں ادا کی، بشرطِ اذنِ عام کہ تمام نمازیوں کے لیے مسجد کے دروازے کھلے ہوں، پائی گئی، تو ان لوگوں کی نمازِ جمعہ ادا ہوگئی، اگر چہ امرِ حاکم کی مخالفت کی بناء پر یہ لوگ گناہ گار ہوں گے۔

(9)......اذنِ عام کی راجح تعریف کی بناء پر موجودہ صورتِ حال میں مساجد اور گھروں میں نمازِ ظہر ادا کی جائے گی، یہی **اقرب الی الاحتیاط** ہے، جس کی تفصیل ہم نے گزشتہ صفحات پر بیان کردی۔

(10)......اگر ان مقامات (چھاؤنیاں، فیکٹریاں، فلیٹ وغیرہ) پر اندر مساجد موجود ہیں، اور ان مساجد میں ان مقامات کے اندر، موجود افراد کو نماز سے نہیں روکا جاتا، اس صورت میں ان کا جمعہ ادا ہو جائے گا۔

ھٰذا ما ظھر لی من الفتاح الوھاب

کتبہٗ ......01\04\2020

....

اگر آپ مندرجہ بالا امور پر بھی فرداً فرداً اپنی رائے سے آگاہ فرمادیں کہ آپ کو ان شقوں سے اتفاق ہے، یا اختلاف، تو آپ کے موقف کو سمجھنا آسان ہوگا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

ہمیں دلائلِ شرعیہ وفقہیہ اور بالخصوص محققینِ حنفیہ کے قواعد وتصریحات کے تناظر میں مذکورہ فتوے سے اتفاق نہیں ہوسکا۔

جمعہ کی نماز، باجماعِ امت فرض ہے، اوراس کی تاکید روزمرہ کی نمازِ ظہر سے زیادہ ہے۔

جمعہ کی نماز کو خاص ''شعارِ اسلام'' ہونے کا بھی امتیازی شرف حاصل ہے۔

اور مذکورہ فتوے میں جس طرح موجوہ حالات میں یکلخت ، بیک جنبشِ قلم ، دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس شعارِ اسلامی سے محروم کرنے کا حکم لگایا گیا ہے، یہ انتہائی غیر محتاط وغیر ذمہ دارانہ موقف ہے۔

اصحابِ علم وفقہ اور مقتدائے دین سمجھے جانے والے طبقہ کی طرف سے اس قسم کے فتاویٰ وآراء کا صادِر و جاری ہونا، افسوس وحیرت کا باعث ہے۔

اسلامی شعار کو قائم رکھنے کے لیے تو شریعت اور فقہائے کرام نے جابجا تنزل اختیار کرلیا ہے، اور اگر کوئی اسلامی شعار، اپنی جملہ صفاتِ کاملہ کے ساتھ انجام نہ دیا جاسکے، تب بھی اس کی بقاء کی خاطر کئی صفات میں نرمی وسہولت پیدا کر کے اس شعارِ اسلامی کو قائم وباقی رکھنے پر زور دیا گیا ہے، اور اسلام کی تعلیمات ، تاقیامت ہر زمانے میں قابلِ عمل ہیں، جن کے عمل کی شکلیں وصورتیں مختلف زمانوں وعلاقوں کے اعتبار سے مختلف ومتنوع اور شدید وخفیف وغیرہ ضرور ہوسکتی ہیں، لیکن پوری طرح معطل نہیں ہوتیں، جبکہ نرالے مفتی صاحب کے مذکورہ فتوے نے شریعت کے اس اہم آئین کو دنیا بھر کے مسلمانوں سے معطل ہی کردیا، جو لاک ڈاؤن (Lockdown) جاری رہنے والے پورے عرصہ تک ان کے نرالے فتوے کی رُو سے معطل ہی رہے گا، لیکن صرف کاغذوں میں، کیونکہ بحمداللہ تعالیٰ ہندوستان وپاکستان اور دنیا بھر کے بیشتر علاقوں میں کسی نہ کسی شکل میں مسلمانوں نے اس شعار کو زندہ رکھا ہوا ہے، اور بالکل معطل نہیں ہونے دیا، دارالعلوم دیو بند اور پاکستان کے بعض بڑے جامعات کی

طرف سے موجودہ حالات میں نمازِ جمعہ کو اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ قائم دائم رہنے کے فتاویٰ بحمداللہ تعالیٰ بروقت جاری ہوئے، جن کی وجہ سے مخالف فتاویٰ وآراء کا زورِ قلم زیادہ تر کاغذوں اور باتوں تک محدود رہا۔

اس عرصے میں الحمدللہ تعالیٰ دنیا بھر کی لاکھوں مساجداور غیر مساجد میں محدود و غیر محدود سطح پر جمعہ کی نمازیں قائم وجاری ہیں، یہاں تک کہ حرمین شریفین میں بھی محدود پیمانہ پر نمازِ جمعہ کا قیام جاری ہے۔

اور مفتی صاحب موصوف کے نرالے فتوے کی رُو سے ان تمام جمعوں کا جواز ہی محلِ نظر ہے۔

آگے ہم اس موضوع پر کچھ تفصیل سے کلام کرتے ہیں، جس کے ضمن میں ان شاءاللہ تعالیٰ، بغیر کسی لاگ لپیٹ کے مذکورہ فتوے کے مندرجات پر بھی تبصرہ شاملِ حال رہے گا۔

واللہ الموفق.

ایک فتوے کے مندرجات پر کلام

مفصل کلام سے پہلے مذکورہ فتوے کے سوال میں ذکر کردہ مندرجات پر بالترتیب ہماری رائے درجِ ذیل ہے۔

(1)......اس نمبر سے ہمیں علی الاطلاق اتفاق نہیں، نیز اس میں بہت زیادہ اجمال وابہام بھی پایا جاتا ہے، جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

اوّلاً یہ بات واضح کرنے کی ضرورت تھی کہ اِذنِ عام کن فقہائے کرام کے نزدیک شرط ہے، کیونکہ اس وقت نمازِ جمعہ کا مسئلہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو درپیش ہے، جن کے متعلق مذکورہ فتوے میں تصریح بھی ہے، اور دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف فقہائے کرام اور مجتہدینِ عظام سے وابستہ عوام وعلماء کا بڑا طبقہ موجود ہے، اور غیر حنفی فقہائے کرام اِذنِ عام کو شرط ہی قرار نہیں دیتے، نیز ہمارے یہاں بھی ایسے عامیوں کی کمی نہیں، جن کا حسبِ تصریحِ فقہاء کوئی مذہب نہیں ہوتا، اور ان کو اپنے حسبِ اعتماد مفتی کے فتوے پر عمل کرلینا جائز ہوتا ہے، خواہ وہ مفتی دوسروں سے مفضول اور مذکورہ نرالے مفتی صاحب کے علاوہ کیوں نہ ہو۔

اور اس وقت دنیا بھر کے بہت سے اصحابِ فقہ وافتاء، جوازِ جمعہ کے فتاویٰ جاری فرما چکے ہیں۔

اگر کچھ لوگوں نے ان کے فتوے وقول پر عمل کرتے ہوئے اذنِ عام کے بغیر اور دروازے بند کر کے جمعہ پڑھا، تو کیا ان کا جمعہ ادا نہ ہوگا؟ [1]

---

[1] مطلب يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل:ثم اعلم أنه ذكر في التحرير وشرحه أيضا أنه يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل .وبه قال الحنفية والمالكية وأكثر الحنابلة والشافعية. وفي رواية عن أحمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز .ثم ذكر أنه لو التزم مذهبا معينا .كأبي حنيفة والشافعي، فقيل يلزمه، وقيل لا وهو الأصح اهـ وقد شاع أن العامي لا مذهب له.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ بعض حنفیہ کے نزدیک جب نمازِ جمعہ سے منع کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ کسی اور وجہ سے نمازِ جمعہ والے مقام کے دروازے وغیرہ بند کرنا، یا وہاں داخلے سے روکنا مقصود ہو، یا شہر کے متعدد مقامات پر باضابطہ جمعہ کی نمازیں قائم ہوں، اس وقت حنفیہ کی مخصوص نادرُ الروایت کے مطابق بھی سب کے لئے اِذنِ عام کی شرط لازم نہیں رہتی، جس کے مطابق کئی اصحابِ فقہ وفتاویٰ کی طرف سے موجودہ حالات میں فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں۔

پس کیا ان کے قول پر عمل کرنے والوں کا جمعہ بھی اداء نہیں ہوگا؟ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا علمت ذلک ظهر لک أن ما ذکر عن النسفی من وجوب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ مبنی علی أنه لا يجوز تقليد المفضول وأنه يلزمه التزام مذهبه وأن ذلک لا يتأتى فی العامی.

وقد رأيت فی آخر فتاوی ابن حجر الفقهية التصريح ببعض ذلک فإنه سئل عن عبارة النسفی المذکورة، ثم حرر أن قول أئمة الشافعية کذلک، ثم قال إن ذلک مبنی علی الضعيف من أنه يجب تقليد الأعلم دون غيره.

والأصح أنه يتخير فی تقليد أی شاء ولو مفضولا وإن اعتقده کذلک، وحينئذ فلا يمکن أن يقطع أو يظن أنه علی الصواب، بل علی المقلد أن يعتقد أن ما ذهب إليه إمامه يحتمل أنه الحق .قال ابن حجر :ثم رأيت المحقق ابن الهمام صرح بما يؤيده حيث قال فی شرح الهداية :إن أخذ العامی بما يقع فی قلبه أنه أصوب أولی، وعلی هذا استفتی مجتهدين فاختلفا عليه الأولی أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما .وعندی أنه لو أخذ بقول الذی لا يميل إليه جاز؛ لأن ميله وعدمه سواء ، والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل .اهـ.(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱، ص۴۸، مقدمة)

مطلب العامی لا مذهب له قلت :وأيضا قالوا العامی لا مذهب له، بل مذهبه مذهب مفتيه، وعلله فی شرح التحرير بأن المذهب إنما يکون لمن له نوع نظر واستدلال وبصر بالمذهب علی حسبه، أو لمن قرأ کتابا فی فروع ذلک المذهب وعرف فتاوی إمامه وأقواله.

وأما غيره ممن قال أنا حنفی أو شافعی لم يصر کذلک بمجرد القول کقوله أنا فقيه أو نحوی اهـ وتقدم تمام ذلک فی المقدمة أول هذا الشرح(رد المحتار علی الدر المختار، ج۴، ص۸۰، کتاب الحدود، باب التعزير)

[1] امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

اذنِ عام ہونا بھی منجملہ شرائطِ صحتِ جمعہ ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا، وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذنِ عام میں مخل نہیں۔

فی الدر المختار: والإذن العام من الامام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين کاف فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لاهله وغلقه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ثانیاً مذکورہ فتوے میں اِذنِ عام کے جو یہ معنیٰ بیان کیے جارہے ہیں کہ دروازے نمازیوں کے لئے کھلے ہوں، تو یہ اذنِ عام نہ ہونے کی ایک خاص صورت ہے، ورنہ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمعہ قائم کرنے کے لئے جب عمارت ضروری نہ ہو، بلکہ کھلی فضاء، فناءِ مصر اور کھلی عیدگاہ وغیرہ میں بھی نمازِ جمعہ جائز ہو، اور شرعی وقف شدہ ایسی مسجد میں بھی، جہاں باجماعت نماز ہوتی ہو، اور وہ مسجد صرف چبوترے، یا صحن کی شکل میں قائم ہو، چھت بھی نہ ہو، اور اگر چھت تو ہو، مگر دروازہ نہ ہو، یا حاکم، عوام کے علم میں لائے بغیر خود سے کسی کھلی جگہ جمعہ قائم کرے، تو ایسے مقامات پر دروازے کھولنے کے یہ معنیٰ کس طرح صادق آئیں گے؟

جبکہ حنفیہ کی ''نوادرُ الروایۃ'' والی اصل روایت، حاکم کے عوام کے علم میں لائے بغیر جمعہ قائم کرنے کی ہے، جس سے اذنِ عام کے مسئلہ کو اخذ کیا گیا ہے، اس روایت میں دروازے بند کرنے کا ذکر ہی نہیں، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

ثالثاً اگر باہر سے کسی کو آنے کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں جمعہ اداء نہ ہو، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نمازِ جمعہ قائم کرنے والے عملے اور انتظامیہ کے افراد تو نمازیوں کو نہ روکیں، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لمنع العدو لا المصلی، نعم لو لم یغلق لکان أحسن اھـ.

فی ردالمحتار: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا یتحقق التفویت کما أفاده التعلیل تأمل(ج ا ص ۸۵۱)

پس بناء برروایتِ بالا، اس قلعہ میں نمازِ جمعہ درست ہے (امداد الفتاویٰ، ج ا ص ۴۸۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: جولائی 2010ء)

امدادُ الاحکام میں ہے کہ:

اور یہ سب تفصیل جب ہے، جبکہ وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہے، اور اگر دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو، تو بہرحال جمعہ جائز ہوجائے گا۔

فی الشامی"قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا یتحقق التفویت کما أفاده التعلیل تأمل "

پس صورتِ مسئولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا (امداد الاحکام، ج ا ص ۷۸۲، ۷۸۳، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

کھلی فضاء میں نمازِ جمعہ کو اداء کیا جارہا ہو، یا عمارت میں دروازے کھول کر نمازِ جمعہ کو اداء کیا جارہا ہو، لیکن پولیس، یا فوج کے پہرے داری، یا قانونی گرفت کی وجہ سے نمازِ جمعہ میں بہت سے ایسے افراد کو شریک نہ ہونے دیا جائے، جن پر فی نفسہٖ جمعہ کی نماز فرض ہے، جیسا کہ کرفیو، یا فتنہ وفساد وغیرہ پھیلنے کے زمانے میں ہوتا ہے، یا کسی وباء وغیرہ کی وجہ سے، مثلاً مخصوص عمر سے زیادہ کے افراد کو، یا نزلہ، زکام، کھانسی وغیرہ کے مریضوں کو، یا دوسرے مخصوص مریضوں کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے منع کردیا جائے، یا مخصوص تعداد کے بعد مزید افراد کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے روک دیا جائے، یا مثلاً غیر معمولی فاصلہ پر صفیں بنانے اور کھڑے ہونے کی وجہ سے مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے جگہ تنگ پڑجانے کے باعث بہت بڑے مکلّف بالجمعہ طبقہ کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے روک دیا جائے، تو کیا یہ بھی اِذنِ عام کے لیے مانع ہوگا؟ کیونکہ حسبِ تصریحِ حنفیہ، اِذنِ عام مکلّف بالجملہ تمام افراد کو شرکت کی اجازت دینے سے ہی متحقق ہوتا ہے، اور اذنِ عام ایسے محافظوں کا پہرہ بٹھا دینے سے بھی متأثر ہوجاتا ہے، جو مکلّف بالجمعہ کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے روکیں، خواہ دروازے کھلے ہوں۔ [1]

---

[1] (قوله الإذن العام) أى أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص ۱۵۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

(قوله لأن الإذن العام مقرر لأهله) أى لأهل القلعة لأنها فى معنى الحصن والأحسن عود الضمير إلى المصر المفهوم من المقام لأنه لا يكفي الإذن لأهل الحصن فقط بل الشرط الإذن للجماعات كلها كما مر عن البدائع (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص ۱۵۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

(ومنها الإذن العام) وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن للناس كافة (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۴۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة)

والشرط السادس :الإذن العام، وهو أن تفتتح أبواب الجامع، ويؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا فى الجامع وأغلقوا الأبواب على أنفسهم وجمعوا لم يجزئهم ذلك وكذلك إذا أراد السلطان أن يجمع بحشمه فى داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب كلها، وأجلس عليها البوابين ليمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة (المحيط البرهانى، ج۲، ص ۸۵، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

تو کیا مذکورہ صورتوں میں دروازے نہ ہونے، یا دروازے کھول کر بھی اِذنِ عام متحقق ہو جائے گا؟ اگر نہیں، تو دروازے کھولنے کے جو معنیٰ اذنِ عام کے مذکورہ فتوے میں بیان کیے گئے، ان کا کیا بنے گا۔

رابعاً اگر نمازِ جمعہ کھڑی ہونے سے پہلے تو دروازے کھلے تھے، لیکن نماز کے دوران دہشت گردوں، بلوائیوں، شرپسندوں، یا متعصب غیر مسلموں کے حملہ وغیرہ کے ڈر سے نمازیوں کی حفاظت کے لیے، دروازے بند کردیئے گئے، تو کیا یہ بھی اذنِ عام کے خلاف اور نمازِ جمعہ کی صحت کے لیے مانع ہوگا؟ جبکہ نمازِ جمعہ، دروازے بند کرکے ادا کیا جارہا ہے، اور اس وقت آنے والوں کو جمعہ میں شرکت سے روک دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں اذنِ عام موجود نہ رہا۔

خامساً اگر کسی مسلمان بادشاہ، یا وزیرِ اعظم، یا مثلاً بڑے فوجی افسر، یا کسی دوسرے حساس عہدیدار، بلکہ دینی و مذہبی مقتداء شخص کو دہشت گردوں سے سخت خطرہ ہے، اور وہ شخص کسی مسجد میں نمازِ جمعہ اداء کرتا ہے، اور اس کی حفاظت وسیکورٹی کی خاطر دروازے بند کردیئے گئے، یا اجنبی لوگوں کو، مثلاً جن کے پاس مخصوص شناختی کارڈ، یا داخلے کا مخصوص اجازت نامہ نہ ہو، وہاں داخل ہونے سے روکا جارہا ہے، جبکہ وہ مکلّف بالجمعہ ہیں، تو کیا وہاں جمعہ کے لیے داخلہ کی اجازتِ عام واذنِ عام نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح جمعہ پڑھنے والے لوگوں کا جمعہ اداء نہیں ہوگا؟

جبکہ مسجد کے امام، انتظامیہ، اور نمازِ جمعہ میں شریک عام نمازیوں کی طرف سے اذنِ عام میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں ڈالی گئی، اور جس کی وجہ سے رکاوٹ ڈالی گئی، اس کی حیثیت ایک نمازی اور مقتدی کی ہے، تو کیا پھر بھی اس ایک مخصوص شخص کی وجہ سے دوسرے تمام نمازیوں، مسجد کی انتظامیہ اور امام صاحب، کسی کی بھی نمازِ جمعہ اداء نہ ہوگی؟

سادساً مذکورہ فتوے میں کسی کو باہر سے آنے کی اجازت نہ دینے سے کیا مراد ہے؟ کیا اگر کسی

ایک مکلّف بالجمعہ شخص کو بھی اجازت نہ دی جائے، تو بھی اِذنِ عام متحقق نہ ہوگا، یا اس سے افراد واشخاص کی کوئی خاص کمیت وکیفیت مراد ہے؟

اور اگر کسی جگہ مخصوص عمر کے افراد، مخصوص مریض و بیمار، کو اجازت نہ ہو، یا مساجد اور دینی ومذہبی اجتماعات میں حملے وغیرہ ہونے کے خطرے سے، غیر متعلقہ، یا مشکوک افراد کا داخلہ ممنوع ہو، جس سے کئی مکلّف بالجمعہ افراد بھی متاثر ہوجاتے ہوں، وہاں نمازِ جمعہ پڑھنے والوں کے جمعہ کا کیا بنے گا؟

سابعاً اگر کوئی حکمران، غیر حنفی فقہائے کرام کے قول کے مطابق، یا مخصوص صورت، مثلاً تعددِ جمعہ کی صورت میں اذنِ عام کی شرط قرار نہ دینے والے، حنفی مفتیانِ کرام کے قول کے مطابق، دروازے بند کر کے مخصوص وباء کی وجہ سے صرف محدود افراد کو جمع ہو کر جمعہ پڑھنے کا حکم صادر کرتا ہے، تو کیا اس کا یہ فیصلہ ''حکمِ حاکم ، رافع للخلاف '' ہو کر نمازِ جمعہ کے جواز کا باعث ہوگا، یا نہیں؟

جبکہ حنفی فقہائے کرام عدمِ قیامِ جمعہ کے بارے میں حکمِ حاکم کے رافع للخلاف ہونے کی تصریح فرما چکے ہیں، اور جمعہ کو بالکلیہ معطل کرنے کے حکم کے مقابلہ میں مخصوص یا محدود افراد کے اجتماع کا حکم، بالکلیہ جمعہ کے حکمِ تعطل سے اھون ہے، جس کی باحوالہ تفصیل ہم اپنے دوسرے مضمون میں بیان کر چکے ہیں۔ [1]

---

[1] الإمام إذ منع أهل مصر أن يجمعوا، حكى عن الفقيه أبي جعفر رحمه الله أنه إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب، أو أراد أن يخرج ذلك الموضع من أن يكون مصرا لم يجمعوا، فأما إذا نهاهم متعنتا، أو إضرارا بهم، فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلي بهم الجمعة، ولو أن إمام مصر مصل ثم نفر الناس عنه لخوف عدو وما أشبه ذلك ثم عادوا إليه، فإنهم لا يجمعون إلا بإذن مستأنف من الإمام(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ۲، ص ۸۷، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة)

وظاهر ما مر عن القهستاني أن مجرد أمر السلطان أو القاضي ببناء المسجد وأدائها فيه حكم رافع للخلاف بلا دعوى وحادثة .وفي قضاء الأشباه أمر القاضي حكم كقوله : سلم المحدود إلى المدعي، والأمر بدفع الدين، والأمر بحبسه إلخ وأفتى ابن نجيم بأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان تمام امور کی وضاحت کے بغیر پوری دنیا کے کروڑوں، بلکہ اربوں مسلمانوں کے لئے اہم مسئلہ وفریضہ پر حنفیہ کی ایک ''نادرُ الروایۃ'' کی بناء پر بیک جنبشِ قلم، عدمِ جواز کا حکم لگا دینا کہاں کا اصول ہے؟

(2)......اوّل تو نوادر کی جس روایت سے اِذنِ عام کی شرط کو لیا گیا ہے، اس سے اِذنِ عام کی شرط کا وہ مفہوم اور اس کا وہ حکم ونتیجہ ثابت ہونا مشکل ہے، جو مذکورہ فتوے میں بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

دوسرے مذکورہ فتوے میں جن وجوہات کی بناء پر اس شرط کو اَوفق بالقرآن والسنۃ قرار دیا گیا ہے، وہ خود ضعیف اور مخدوش ہیں، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

تیسرے حنفی فقہائے متاخرین میں ایسے فقہاء بھی بہت ہوئے ہیں، جنہوں نے اس شرط کو نمازِ جمعہ قائم کرنے والے امام وحکمران، یا اس کے مجاز نمائندہ ونائب کے ساتھ خاص رکھا ہے، یا مخصوص صورت پر محمول کیا ہے، مثلاً جب باقاعدہ تعددِ جمعہ پر عمل نہ ہو، جو موجودہ صورتِ حال میں نہیں پائی جاتی۔

چوتھے جمہور غیر حنفیہ آج تک اس شرط کا اعتبار نہیں کرتے، جن میں ان کے متقدمین ومتاخرین فقہاء سب شامل ہیں، جیسا کہ گزرا۔

پس مذکورہ فتوے میں اِذنِ عام کی تشریح وتعبیر اختیار کرکے اس پر مطلق فقہائے متاخرین کی اکثریت کے اتفاق کا جو دعویٰ کیا گیا ہے، یہ حقیقت کے مطابق نہیں، جس کی وجہ سے ہمیں اس سے اتفاق نہیں، اور ہمارے نزدیک اصولی طور پر یہ دعویٰ مرجوح، بلکہ خلافِ واقعہ ہے ''کما سنذکرہٗ، ان شاء اللہ تعالٰی مفصلًا''

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تزويج القاضی الصغيرة حكم رافع للخلاف ليس لغيره نقضه (قوله :وإذا اتصل به الحكم إلخ) قد علمت أن عبارة القهستانی صريحة فی أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء على أن مجرد أمره حكم(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۱۳۸، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

(3)......حنفیہ کی طرف سے نوادر کی جس روایت سے اس شرط کو اخذ کیا گیا ہے، وہ درحقیقت اور بنیادی طور پر سلطان وحاکم کے لیے ہی ہے، اسی لیے اگر سلطان وحاکم لوگوں کو اطلاع دیے بغیر کسی ایسی جگہ جمعہ پڑھتا ہے، جہاں جمعہ پڑھنے کا لوگوں کو علم نہ ہو، یا اپنے محل یا قلعہ کا دروازہ بند کر کے نمازِ جمعہ پڑھتا ہے، یا اپنے محافظوں کا پہرہ بٹھا کر باہر سے آنے والوں کو نمازِ جمعہ میں شرکت سے روکتا یا رکواتا ہے، تو اس کا اور اس کے شرکاء کا جمعہ ادا نہیں ہوتا، یہاں اس کے ساتھ شریک نہ ہونے والی رعایا کا ذکر ہی نہیں، کیونکہ رعایا کو تو جمعہ میں شرکت سے محروم کر دیا گیا، یا روک دیا گیا، اور سلطان وحاکم ان کی صحتِ جمعہ کے لیے عندالحنفیہ شرط تھا، مذکورہ صورت میں سلطان اور اس کے ہمراہیوں کا جمعہ اسی لیے معتبر قرار نہیں دیا جاتا کہ اس کے جمعہ کو معتبر مان کر ان تمام لوگوں کے جمعہ کا فوت کرنا لازم آتا ہے، جن کو مطلع نہ کر کے، یا اذنِ عام نہ دے کر، جمعہ میں شرکت سے محروم کیا جا رہا ہے، اور سلطان یا اس کے نائب کے بغیر خود سے ان کو جمعہ اداء کرنا ممکن نہ تھا، پس سلطان وحکمران کے لیے اِذنِ عام کی شرط لگا کر، دراصل عوام کے جمعہ کو فوت ہونے اور جمعہ کو حکمران وسلطان کے اپنے ساتھ مخصوص رکھنے سے بچانے کا انتظام مقصود ہے۔

پھر فتوے میں جو سلطان کے ساتھ رعایا کے لیے بھی اس شرط کا حکم لگایا گیا، وہ کونسی ظاہر الروایۃ، یا نادر الروایۃ سے ثابت ہوگا، بالخصوص اس صورت میں جبکہ حکمران صحتِ جمعہ کے لئے اپنی تخصیص ختم کر کے لوگوں کو خود سے اپنے اپنے طور پر متعدد مقامات میں، خواہ مساجد ہوں، یا غیر مساجد، جمعہ قائم کرنے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت، بھی دے چکا ہو؟ جبکہ کسی جگہ جمعہ قائم ہونے کا علم ہوتے ہوئے، اس پر حاکم کا سکوت اختیار کرنا اور منع نہ کرنا بھی، دلالتاً اجازت میں داخل اور اس کی طرف سے حکمِ قضاء کا حامل ہے۔

(4)......اس کے متعلق نمبر 3 میں گزر چکا، اس کے بعد نمبر 4 میں جو بات کہی ہے، وہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد سے زیادہ حیثیت کی حامل معلوم نہ ہوسکی، کیونکہ اِذنِ عام کی شرط جس

نادرُالروایت سے حاکم کے حق میں ثابت ہے، اس میں صحتِ جمعہ کی نفی والی صورت میں عام نمازی کو تو حاکم کے قیامِ جمعہ کا علم ہی نہیں، یا اسے نمازِ جمعہ حاکم کے ساتھ اداء کرنے کی قدرت ہی نہیں، وہ بے چارہ دوسروں کو کیا اِذنِ عام دینے لگا، وہ تو خود اِذنِ عام، بلکہ قیامِ جمعہ کا علم حاصل کرنے کا سلطان وحکمران سے محتاج ہے، تاکہ اپنے فریضۂ جمعہ کی صحت کو بروئے کار لا سکے۔

رہا امامُ الانبیاء کے مکہ مکرمہ میں اذنِ عام کی اس شرط کو معطل نہ کرنے کا معاملہ، تو یہ اس پر موقوف ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے نمبر 1 میں جوازِ اذنِ عام کے یہ معنیٰ بیان کیے تھے کہ ''جس جگہ جمعہ اداء کیا جارہا ہے، اس کے دروازے نمازیوں کے لیے کھلے ہوں، الخ'' تو وہ بحوالۂ معتبر یہ بات ثابت کردیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں نمازِ جمعہ فرض ہونے کے بعد، دروازے نہ کھولے ہوں، اور دروازے بند کر کے اذنِ عام نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ سے معذور ہونے کا حکم لگادیا ہو۔

پھر یہ بھی اس وقت ہے کہ جب خصم کو یہ بات مسلم ہو کہ سورہ جمعہ کی جس آیت سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے، وہ مکی سورت کا حصہ ہو، حالانکہ تمام حضرات نے اس سورۂ جمعہ کو مدنی سورت قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] (تفسير سورة الجمعة)سورة الجمعة مدنية فى قول الجميع، وهى إحدى عشرة آية(تفسير القرطبى،ج١٨،ص١٩١،سورة الجمعة)

سورة الجمعة:مدنية وهى احدى عشرة اية وفيها ركوعان(التفسير المظهرى،ج٩،ص٢٧٥،سورة الجمعة)

سورة الجمعة.مدنية كما روى عن ابن عباس وابن الزبير والحسن ومجاهد وعكرمة وقتادة وإليه ذهب الجمهور، وقال ابن يسار :هى مكية، وحكى ذلك عن ابن عباس ومجاهد والأول هو الصحيح لما فى صحيح البخارى وغيره عن أبى هريرة قال :كنا جلوسا عند النبى صلى الله تعالى عليه وسلم حين أنزلت سورة الجمعة الحديث، وسيأتى قريبا إن شاء الله تعالى، وإسلامه رضى الله تعالى عنه بعد الهجرة بمدة بالاتفاق، ولأن أمر الانفضاض الذى تضمنه آخر السورة وكذا أمر اليهود المشار إليه بقوله سبحانه :قل يا أيها الذين هادوا إن زعمتم إلخ -لم يكن إلا بالمدينة(روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم،ج١٤،ص٢٨٧،سورة الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یا کم از کم خصم کو یہ بات مسلَّم ہو کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہو گیا تھا۔

سورہ جمعہ کی وہ آیت، جس کی رو سے جمعہ فرض ہے، اس کے بعد والی آیت میں نداءِ صلاۃِ جمعہ پر سعی کرنے، اور بیع چھوڑنے کا حکم ہے، اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ کی حالت میں چھوڑ کر، لوگوں کے تجارت کی طرف متوجہ ہونے کا بھی ذکر ہے، اور یہ خطبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، مدینہ منورہ میں دیا تھا، پھر اس سے مذکورہ فتوے کے مطابق مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے قبل، مکہ مکرمہ میں اِذنِ عام نہ ہونے کی بناء پر جمعہ قائم نہ کرنے کا مسئلہ کیونکر ثابت ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفيه إشكال؟ لأنّ فرض الصلاة كان بمكة، وسورة الجمعة مدنية إجماعًا، حكاه أبو العباس المفسر الضرير فى كتاب التنزيل وغيره، اللهم إلّا أن يريد صلاة الجمعة ما مطلق الصلوات؛ لأنّ فريضة الجمعة إنما كانت بالمدينة والله تعالى أعلم(شرح سنن ابن ماجه،لمغلطاى بن قليج بن عبد الله البكجرى المصرى الحكرى الحنفى،ص ۱۰۹۳ ،أبواب الأذان والسنة فيه)

[1] أخبرنا أبو سعيد أحمد بن محمد بن زياد البصرى قال حدثنا أبو يعقوب إسحاق بن إبراهيم بن عباد الدبرى قال قرأنا على عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن بن سيرين قال جمع أهل المدينة قبل أن يقدم رسول الله صلى الله عليه و سلم وقبل أن تنزل الجمعة وهم الذين سموها الجمعة فقالت الانصار لليهود يوم يجتمعون فيه كل سبعة أيام وللنصارى أيضا مثل ذلك فهلم فلنجعل يوما نجتمع ونذكر الله ونصلى ونشكره فيه أو كما قالوا فقالوا يوم السبت لليهود ويوم الاحد للنصارى فاجعلوه يوم العروبة وكانوا يسمون يوم الجمعة يوم العروبة فاجتمعوا إلى أسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ وذكرهم فسموه الجمعة حتى اجتمعوا إليه فذبح أسعد بن زرارة لهم شاة فتغدوا وتعشوا من شاة واحدة وذلك لقلتهم فأنزل الله فى ذلك بعد ذلك إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۱۴۴)

وادعى الشيخ أبو حامد فى "تعليقه "أن الجمعة فرضت بمكة قبل الهجرة، وفيه نظر .والآية المذكورة مذكورة كلها فى رواية أبى الوقت، وهذِه السورة مدنية، وهي من آخر ما نزل بها، وأنه لم ينزل بعدها إلا التغابن والتوبة والمائدة .كما ذكره الأستاذ أبو القاسم الحسن بن محمد بن حبيب فى كتاب "ترتيب التنزيل(التوضيح لشرح الجامع الصحيح،لابن الملقن،ج۷،ص ۳۷۲، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)

وفيه :دليل على أن الجمعة إنما فرضت بالمدينة؛ لأن جابرا إنما صحب النبى -صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے جمہور کے نزدیک جمعہ، مدینہ منورہ میں فرض ہوا، جو مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسلم -وشهد خطبته بالمدينة، وهذا قول جمهور العلماء .

ويدل عليه -أيضا :-أن سورة الجمعة مدنية، وأنه لم يثبت أن النبى -صلى الله عليه وسلم -كان يصلى الجمعة بمكة قبل هجرته.

ونص الإمام أحمد على أن أول جمعة جمعت فى الإسلام هى التى جمعت بالمدينة مع مصعب بن عمير.

وكذا قال عطاء والأوزاعى وغيرهما .وزعم طائفة من الفقهاء :أن الجمعة فرضت بمكة قبل الهجرة، وأن النبى -صلى الله عليه وسلم -كان يصليها بمكة قبل أن يهاجر.

واستدل لذلک :بما خرجه النسائى فى (كتاب الجمعة) من حديث المعافى بن عمران، عن إبراهيم بن طهان، عن محمد ابن زياد، عن أبى هريرة قال :إن أول جمعة جمعت -بعد جمعة جمعت مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بمكة-بجواثاء بالبحرين -قرية لعبد القيس.

وقد خرجه البخارى -كما سيأتى فى موضعه -من طريق أبى عامر العقدى، عن إبراهيم بن طهمان، عن أبى جمرة، عن ابن عباس، أن أول جمعة جمعت -بعدجمعة فى مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فى مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين.

وكذا رواه وكيع، عن إبراهيم بن طهمان، ولفظه :إن أول جمعة جمعت فى الإسلام -بعد جمعة جمعت فى مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بالمدينة -لجمعة جمعت بجواثاء -قرية من قرى البحرين.خرجه أبو داود.

وكذا رواه ابن المبارک وغيره، عن إبراهيم بن طهمان.

فتبين بذلک :أن المعافى وهم فى إسناد الحديث ومتنه، والصواب :رواية الجماعة، عن إبراهيم بن طهمان.

ومعنى الحديث، أن أول مسجد جمع فيه -بعد مسجد المدينة :-مسجد جواثاء ، وليس معناه :أن الجمعة التى جمعت بجواثاء كانت فى الجمعة الثانية من الجمعة التى جمعت بالمدينة، كما قد يفهم من بعض ألفاظ الروايات؛ فإن عبد القيس إنما وفد على أن يقدم النبى -صلى الله عليه وسلم -المدينة، وقبل أن يبنى مسجده(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن رجب، ج۸،ص ۶۲ الیٰ ۶۴،کتاب الجمعة،باب فرض الجمعة)

[1] واختلف فى وقت فرضيتها فالأكثر على أنها فرضت بالمدينة وهو مقتضى ما تقدم أن فرضيتها بالآية المذكورة وهى مدنية وقال الشيخ أبو حامد فرضت بمكة وهو غريب(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۲،ص ۳۵۴، كتاب الجمعة،قوله باب فرض الجمعة لقول الله تعالى إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراگر یہ بات مان لی جائے کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے ہی جمعہ فرض ہوگیا تھا، جیسا کہ بعض حضرات کا قول ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں، جمعہ اس لیے قائم نہیں فرمایا کہ وہاں اذنِ عام نہیں تھا، جیسا کہ بعض حضرات نے بیان فرمایا۔ [1]

تو یہ صرف بعض حضرات کا قول ہے، جبکہ مکہ مکرمہ میں جمعہ کی فرضیت کو تسلیم کرکے، وہاں جمعہ قائم نہ کرنے کی وجہ کے متعلق بہت سے دوسرے حضرات نے یہ تصریح کی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو کفار کی طرف سے، اتنے افراد کے مجتمع ہونے کی قدرت نہیں تھی، جتنے افراد سے جمعہ منعقد ہوتا ہے، نیز مکہ مکرمہ اس وقت دارُ الحرب تھا، اور وہاں کفار کی طرف سے مسلمانوں کو قیامِ جمعہ پر، بلکہ اسلامی شعائر کے اظہار وقیام پر قدرت حاصل ہی نہیں تھی۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ معذور پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أی :هذا فی تفسیر بعض سورة الجمعة ومر الكلام فی ضبط الجمعة ومعناه فی كتاب الصلاة .قال أبو العباس :مدنية بلا خلاف، وقال السخاوی :نزلت بعد التحريم وقيل :التغابن، وهی سبعمائة وعشرون حرفا .ومائة وثمانون كلمة وإحدى عشرة آية(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج١٩،ص٢٣٣، كتاب تفسير القرآن،سورة الجمعة)

واختلف فی وقت فرضيتها، فالأكثر أنها فرضت بالمدينة، وهو مقتضى ما تقدم أن فرضيتها بالآية المذكورة، وهی مدنية، ويدل عليه أيضا ما روى ابن ماجه بسند ضعيف من حديث جابر قال :خطبنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فقال :يا أيها الناس توبوا إلى ربكم -الحديث، وفيه :واعلموا أن الله كتب عليكم الجمعة فی يومی هذا فی مقامی هذا فی شهری هذا إلى يوم القيامة .وقال الشيخ أبو حامد :فرضت بمكة، وهو غريب، واستدل بعضهم لذلک بما أخرجه الدارقطنی عن ابن عباس قال :أذن النبی -صلى الله عليه وسلم -فی الجمعة قبل أن يهاجر، ولم يستطع أن يجمع بمكة، فكتب إلى مصعب بن عمير الخ .ذكره الحافظ فی التلخيص :ولم يبين أن هذه الرواية أی كتاب للدار قطنی، وكيف حالها من حيث الصحة والضعف(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٤،ص٤٤٣، كتاب الصلاة، باب الجمعة، باب وجوبها، الفصل الاول)

[1] قلت ويمكن الاستدلال على اشتراط الإعلان والاذن العام بما مران النبی -صلى الله عليه وسلم -كتب الى مصعب بن عمير ليصلی بالناس الجمعة فی المدينة ولم يصل بنفسه الكريمة بمكة مع إمكان صلوته الجمعة بأصحابه فی بيته فذلک دليل على ان الإعلان والاذن العام شرط لاداء الجمعة ولم يكن ذلک مقدورا بمكة والله تعالى اعلم(التفسير المظهری، ج٩، ص٢٩٠، سورة الجمعة)

اور جس صورت میں عند الحنفية ، کم از کم چار اور عند غير الحنفية اس سے زیادہ مخصوص افراد کے ساتھ قیامِ جمعہ کی اجازت ہو، وہ اس صورت سے خارج ہے۔ [1]

---

[1] ويتأيد هذا بما رواه الدارقطني والخطيب معا في كتابيهما "الرواة عن مالك "من طريق المغيرة بن عبد الرحمن عن مالك عن الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس رضي الله عنهما قال :أذن النبي صلى الله عليه وسلمب الجمعة قبل أن يهاجر ولم يستطيع أن يجمع بمكة فكتب إلى مصعب بن عمير ـ يعني الذي كان أرسل به النبي صلى الله عليه وسلم إلى الأنصار الذين بايعوه صلى الله عليه وسلم ليفقههم في الدين، ويعلمهم الإسلام، ويقرئهم القرآن ونزل على أسعد بن زرارة ـ " :أما بعد فانظر اليوم الذي يجهر فيه اليهود بالزبور فاجمعوا نساء كم وابناء كم فإذا مال الظهر عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة فتقربوا إلى الله سبحانه وتعالى بركعتين "قال :فهو أول من جمع حتى قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر وأظهر ذلك."

فهذا صريح في أنهم إنما أقاموها بعد فرضها وأن ذلك بإذن منه صلى الله عليه وسلم.

وسنده لا بأس به، وصرح الخطيب بأنه لم يكتبه إلا من هذا الوجه، ولهذا قال ابن كثير :إنه غريب.

قلت :وأعله بعض الفقهاء بما رواه أبو عروبة الحراني في "الأوائل "من حديث ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب أنه قال :بلغنا أن أول ما جمعت الجمعة بالمدينة قبل أن يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم فجمع بالمسلمين مصعب بن عمير بن عبد مناف.

ولا يعل حديث مالك بهذا خصوصا وهو واصل وقد روى أبو عروبة أيضا من حديث ابن وهب أيضا فقال عن ابن جريج عن سليمان بن موسى أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب إلى مصعب يأمره بذلك .وابن موسى تابعي، فيه مقال.

ولحديث ابن عباس شاهد عند الطبراني في الأوسط من حديث العباس بن عبد العظيم العنبري حدثنا عبد الغفار بن عبيد الله الكزبري عن صالح بن أبي الأخضر أنه حدثهم عن الزهري عن أبي بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام عن أبي مسعود الأنصاري قال " :أول ما قدم من المهاجرين المدينة مصعب بن عمير، وهو أول من جمع بها يوم الجمعة جمعهم قبل أن يقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى بهم."

وقال عقبه :لم يروه عن الزهري إلا صالح، ولا عنه إلا عبد الغفار، تفرد به عباس .انتهى.

ومن هذا الوجه بهذا اللفظ سواء ، أخرجه في معجمه الكبير، لكنه أخرجه في الأوائل من حديث يحيى بن كثير العنبري عن صالح به باختصار، وهي ترد عليه دعوى الفقهاء التفرد.

وأما ما وقع في تخريج الرافعي لشيخنا حيث عزا هذا الحديث لمعجمي الطبراني فزاد فيه " :وهم أي المعجمون اثنا عشر رجلا "فالظاهر أن شيخنا قلد فيه أصله والذي في المعجمين إنما هو الذي أثته.

وبالجملة فصالح بن أبي الأخضر ضعيف، وعلى تقدير ثبوت روايته فلا تنافي بينها وبين حديث ابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جب مکہ مکرمہ میں یہ مانع، کفار کی طرف سے موجود تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ فرض ہونے کے باوجود اس کو اپنے اختیار سے ترک نہیں فرمایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اِذنِ عام نہ دینے اور اس شرط کو معطل نہ کرنے کی نسبت کا کیا مطلب؟

حنفیہ کی ''نــادرُ الروایة'' کے جزئیہ کا تعلق کفار کے بجائے، اس حکمران کی طرف سے اذنِ عام نہ دینے سے متعلق ہے، جو مسلمان ہے، اور اس کے اذنِ عام نہ دینے سے اس کا جمعہ قائم کرنا معتبر ہی نہیں ہوتا، اور اس کا جمعہ معتبر نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ حکمران کو حکم ہے کہ وہ اہلِ مصر کو جمعہ پڑھائے، اور اپنے ساتھ عوام کو شرکت کی اذنِ عام نہ دینے سے وہ اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عباس بل يجمع بينهما بأن أسعد كان آمرا وكان مصعب إماما، وقد سبق لهذا الجمع الماوردى فى الحاوى فقال ردا على من زعم اضطراب الحديث :من نسبها إلى مصعب فلأجل أمره، ومن نسبها إلى أسعد فلأجل فعله.

وأما ما خدش به بعضهم من كونه لم ينقل إلينا قط أنها صليت بمكة إلا فى حديث الصواب خلافه، فليس بجيد لأنه يقال :إنه كما أشار إليه حديث ابن عباس لم يكن يتمكن هو وأصحابه بمكة من الاجتماع حتى يقيموا بها جمعة ذات خطبة وإعلان بموعظة، وما ذاك إلا لشدة مخالفة المشركين لهم وأذيتهم إياهم.

ولهذا لما قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة وأدركه وقت الزوال وهو فى دار بنى عمرو ابن عوف صلاها هنالك فى واد يقال له :وادى رانوناء فكانت أول جمعة صلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة بل مطلقا لما قدمناه.

وقد أشار إلى هذا الماوردى أيضا لكن مع احتمال، بل احتمالين آخرين فإنه قال :يحتمل فى كونه لم يصلها هو وأصحابه بمكة، أمرين :أحدهما :قلة أصحابه عن العدد الذى تنعقد به الجمعة لأنهم كانوا دون الأربعين حتى تموا بعمر، والثانى :وكأنه أشبه أن من شأن الجمعة إظهارها وانتشار أمرها، وقد كان صلى الله عليه وسلم خائفا من قريش لا يقدر على مجاهرتهم بها فلذلك لم يصلها على أنه يجوز أن تكون الجمعة قبل الهجرة لم تفرض على الأعيان، ثم فرضت على الأعيان بعد هجرة النبى صلى الله عليه وسلم لأن جابرا سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول على منبره بالمدينة " :إن الله فرض عليكم الجمعة فى عامى هذا فى شهرى هذا، فى ساعتى هذه "فدل هذا على أن الجمعة لم تكن فرضا قبل ذلك اليوم .انتهى(الأجوبة المرضية فيما سئل السخاوى عنه من الأحاديث النبوية،للسخاوى، ج ٢،ص ٧٠٠ الى ٧٠٣،وقع السؤال من القاضى الشافعى بمجلس السلطان فى مرضان سنة ست وسبعين كما بلغنى :هل كان تجميع اسعد بن زرارة للجمعة بأمر منه صلى الله عليه وسلم أم لا؟ فلم يجبه أحد؟)

شرط کو فوت کرنے، اور اس کے نتیجے میں عوام کے جمعہ کو فوت کرنے والا ہوتا ہے، کیونکہ عند الحنفیہ عوام کے لیے حکمران، شرطِ صحتِ جمعہ ہے۔

کیا نعوذ باللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ مکرمہ میں یہ طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا؟ [1]

---

[1] وفی شرح المنهاج للعلامة ابن حجر إن صلاة الجمعة فرضت بمكة ولم تقم بها لفقد العدد أو لأن شعارها الإظهار وكان صلى الله عليه وسلم بها مستخفيا(تفسير روح المعانى للألوسى، ج۸ص۸، تحت سورة الإسراء)

وأما كونه لم يفعله بمكة، فيحمل على أنه إنما أمر بها أن يقيمها فى دار الهجرة، لا فى دار الحرب، وكانت مكة إذ ذاك دار حرب .ولم يكن المسلمون يتمكنون فيها من إظهار دينهم، وكانوا خائفين على أنفسهم، ولذلك هاجروا منها إلى المدينة(البحر المحيط الثجاج فى شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج، لمحمد بن على بن آدم بن موسى الإ تيوبى الولوى، ج۱۷،ص ۱۱، كتاب الجمعة)

شرعت صلاة الجمعة فى أول الهجرة عند قدوم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة، قال الحافظ ابن حجر :الأكثر على أنها فرضت بالمدينة .وهو مقتضى أن فرضيتها ثبتت بقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع وهى مدنية، وقال الشيخ أبو حامد :فرضت بمكة، وهو غريب .

ومن المتفق عليه :أن أول جمعة جمعها رسول الله صلى الله عليه وسلم بأصحابه، كانت فى قبيلة بنى سالم بن عوف فى بطن واد لهم قد اتخذ القوم لهم فى ذلك الموضع مسجدا، وذلك عندما قدم إلى المدينة مهاجرا .

غير أنه ثبت أيضا أن أسعد بن زرارة أول من جمع الناس لصلاة الجمعة فى المدينة، وكان ذلك بأمر النبى صلى الله عليه وسلم له قبل أن يهاجر من مكة، فقد ورد عن كعب بن مالك أنه "كان إذا سمع النداء ترحم لأسعد بن زرارة، وكان يقول :إنه أول من جمع بنا فى هزم النبيت من حرة بنى بياضة فى نقيع يقال له :نقيع الخضمات .

فمن رجح أنها فرضت بالمدينة بعد الهجرة، استدل بأنه صلى الله عليه وسلم لم يقم أى جمعة فى مكة قبل الهجرة، ومن قال :إنها فرضت بمكة قبل الهجرة استدل بأن الصحابة قد صلوها فى المدينة قبل هجرته -عليه الصلاة والسلام -فلا بد أن تكون واجبة إذ ذاك على المسلمين كلهم سواء من كان منهم فى مكة وفى المدينة، إلا أن الذى منع من أدائها فى مكة عدم توافر كثير من شرائطها .قال البكرى :فرضت بمكة ولم تقم بها؛ لفقد العدد، أو لأن شعارها الإظهار، وكان صلى الله عليه وسلم مستخفيا فيها .وأول من أقامها بالمدينة قبل الهجرة أسعد بن زرارة بقرية على ميل من المدينة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۱۹۲، مادة "صلاة الجمعة")

والجمعة عندالحنفية فرضت بمكة ، ولم يتمكنوا من ادائها هناک لعدم القدرة والسلطة ....

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اس پر مزید یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ اگر نماز قائم کرنے والے کی طرف سے تو سب کے لئے اِذنِ عام ہو، اور اس نے مثلاً دروازہ بھی کھلا چھوڑ دیا ہو، اور وہاں مثلاً چار، یا اس سے زیادہ افراد موجود ہوں، لیکن کافر حکمران کی طرف سے جمعہ والی جگہ میں باہر سے مزید لوگوں کو حاضر ہونے کی اجازت نہ ہو، جیسا کہ اس وقت ہندوستان اور کئی دوسرے غیر مسلم ممالک میں صورتِ حال ہے، یا عام حالات میں کچھ لوگوں کو اپنے دشمنوں، اور شر پسندوں، بلوائیوں وغیرہ کے خوف کی وجہ سے مسجد جا کر جمعہ پڑھنا مشکل ہو، تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وانکر الخصم فرضيتها بمكة، قال وانما فرضت بالمدينة(معارف السنن ج۴ص ۳۰۴، ابواب الجمعة ، باب فضل الجمعة)

أن الجمعة فرضت على النبى صلى الله عليه وسلم وهو بمكة قبل الهجرة، فلم يتمكن من إقامتها هناك من أجل الكفار(الحاوى للفتاوىٰ السيوطى، ج ۱ ص۷۸،۷۹، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

فتبين بهذا :أن النبى -صلى الله عليه وسلم -أمر بإقامة الجمعة بالمدينة، ولم يقمها بمكة، وهذا يدل على أنه كان قد فرضت عليه الجمعة بمكة.

وممن قال :إن الجمعة فرضت بمكة قبل الهجرة :أبو حامد الاسفراييني من الشافعية، والقاضى أبو يعلى فى (خلافه الكبير) من أصحابنا، وابن عقيل فى (عمد الادلة) ، وكذلك ذكره طائفة من المالكية، منهم :السهيلى وغيره.

وأما كونه لم يفعله بمكة، فيحمل أنه إنما امر بها أن يقيمها فى دارالهجرة، لا فى دار الحرب، وكانت مكة إذ ذاك دار حرب، ولم يكن المسلمون يتمكنون فيها من إظهار دينهم، وكانوا خائفين على أنفسهم، ولذلك هاجروا منها إلى المدينة، والجمعة تسقط بأعذار كثيرة منها الخوف على النفس والمال.

وقد أشار بعض المتأخرين من الشافعية إلى معنى آخر فى الامتناع من إقامتها بمكة، وهو :أن الجمعة إنما يقصد بإقامتها اظهار شعار الإسلام، وهذا إنما يتمكن منه فى دار الإسلام(فتح البارى لابنِ رجب ، ج۸ص ٦٦،٦٧، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)

أن الجمعة فرضت على النبى -صلى الله عليه وسلم -وهو بمكة قبل الهجرة كما أخرجه الطبرانى عن ابن عباس، فلم يتمكن من إقامته هنالك من أجل الكفار(نيل الأوطار للشوكانى، ج۳ص ۲۷۴،ابواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة)

وما نقل عن الحافظ ابن حجر أنها فرضت بالمدينة فيمكن حمله على معنى أنها استقر وجوبها فى المدينة والحاصل أنه طلب فعلها بمكة لكن لما لم يتفق فعلها للعذر لم يوجد شرط الوجوب ووجد بالمدينة فكأنه لم يخاطب بها إلا فيها (حاشية الشروانى على تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج۲ص ۴۰۵، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

واقعہ سے استدلال کر کے مسجد وغیرہ میں نمازِ جمعہ اداء کرنے والوں کے جمعہ کو ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے، جن بے چاروں نے اِذنِ عام پر قدغن لگائی ہی نہیں، اور جنھوں نے قدغن لگائی، وہ نہ جمعہ کو فرض سمجھتے، نہ عبادت سمجھتے، اور نہ ہی ان کو جمعہ ہونے نہ ہونے سے کوئی سروکار؟

اگر مفتی صاحب مذکور، مذکورہ صورت میں مسلمانوں کے جمعہ کو درست نہ سمجھتے ہوں، تو ہمیں فقہ سے کوئی ایسا صریح جزئیہ پیش فرمادیں، جس سے اس صورت میں اِذنِ عام کے کفار کی طرف سے نہ پائے جانے پر بے چارے لاچار مسلمانوں کے جمعہ کا عدمِ جواز ثابت ہوتا ہو۔

اور اگر مفتی صاحب مذکور، دارُ الحرب میں جمعہ کے عدمِ جواز کے قائل ہوں، تو اس کو واضح فرمادیں، اور ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیں کہ امریکہ، برطانیہ، اور بہت سے ایسے ملکوں میں، جہاں کفار کی حکومت ہے، وہاں مسلمانوں کو عام حالات میں جمعہ پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟ اور وہاں کے مسلمانوں پر جمعہ واجب ہوگا یا نہیں؟

اور اس کے باوجود یہاں بھی خصم کو پلٹ کر یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا کہ جب اس طرح کی صورتِ حال میں مسلمانوں کے فریضۂ جمعہ کو امامُ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے معطل نہیں فرمایا، تو کسی مفتی، بلکہ کافر حکمران کو معطل کرنے کا کیسے حق حاصل ہوگا، **کما قدمناہ مفصلاً۔**

(5)......اگر **حکمِ حاکم رافع للخلاف** اس مسئلہ، یعنی موجودہ صورتِ حال میں نہیں چلے گا، جب مسجد والوں کو مسلم حاکم نے جزوی طور پر صرف چار، پانچ افراد کے ساتھ جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہو، اور اس قانون کے مطابق چند لوگ مسجد کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ ادا کریں، تو اس کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ حاکم کے انعقادِ جمعہ والی جگہ میں اِذنِ عام سے منع کرنا مؤثر نہ ہوگا، یعنی **حکمِ حاکم، رافع للخلاف**، نہ ہونے کی وجہ سے، اِذنِ عام کی شرط کو فوت کرنے کا باعث نہ ہوگا، تو پھر مفتی صاحب مذکور نے خود ہی غیر مسلم ممالک

میں، مسلمان حکمران تو درکنار، کفار حکمران کی طرف سے اِذنِ عام نہ ہونے کو دروازے بند ہونے نہ ہونے کی قید وشرط کے بغیر اجتماعی طور پر کروڑوں مسلمانوں کے لیے، کس اصول کی بناء پر مؤثر مان لیا، جیسا کہ آگے نمبر 7 میں ذکر آتا ہے، اور کچھ اجزاء پر کلام، اس سے پہلے نمبروں کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان حاکم کا حکم تو **دافع للخلاف** کی حیثیت سے بھی مؤثر ومعتبر نہیں، اور کافر حکمران کا حکم علی الاطلاق مؤثر ومعتبر ہے۔

اس بے تکے نتیجے اور بے سروپا اجتہاد پر تو کسی احمق ہی سے دادِ تحسین وصول کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

(6)...... علامہ شامی پر تفرد کا الزام عائد کرنے سے قبل ضروری تھا کہ تفرد کی جامع مانع تعریف اور اس کا شرعی وفقہی حکم باحوالہ پیش کردیا جاتا، اور بلادلیل، بعض اہلِ علم کی زبان زد عام کے اس جادوئی نعرے سے متاثر نہ ہوا جاتا، جس کا فقہی اصول وقواعد سے ثبوت ہی مشکل ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے جس علت کی بنیاد پر یہ حکم بیان فرمایا ہے، وہ علت تو خود فقہائے حنفیہ، علامہ سرخسی وغیرہ سے ثابت ہے، اگرچہ انہوں نے علامہ ابنِ عابدین شامی کے بیان کردہ نتیجے سے تعرُّض نہ کیا ہو، جبکہ علامہ ابنِ عابدین شامی سے پہلے علامہ شرنبلالی وغیرہ بھی، یہی موقف مختلف الفاظ کے ساتھ اختیار اور واضح فرما چکے ہیں۔ [1]

اور ان حضراتِ گرامی کا مذکورہ موقف، جمہور فقہائے کرام کی طرف سے بیان کردہ ایک اہم

---

[1] وأقول فی المنع نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة والعلة مفقودة فی هذه القضية فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة لأن عند باب القلعة عدة جوامع فی كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب فی طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها .
وفی كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها(مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح،ص ۱۹۴ ، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

اصول وقاعدہ کے تحت داخل ہے، جیسا کہ باحوالہ آگے آتا ہے۔

پھر علامہ ابنِ عابدین شامی پر تفرد کے الزام کا کیا مطلب؟

اور اگر کوئی پلٹ کر یہ کہے کہ اذنِ عام کی شرط کو نہ تو امام شافعی معتبر مانتے، نہ امام مالک معتبر مانتے، نہ امام احمد بن حنبل معتبر مانتے، نہ امام ابوحنیفہ ''ظاهرُ الروایة'' میں معتبر مانتے، اور نہ ہی حنفیہ کی ''نوادرُ الروایة'' کی شرط کو معتبر ماننے والے متعدد حنفیہ، موجودہ مخصوص صورتِ حال میں اس شرط کو موثر مانتے، تو اب ان جمہور مجتہدین وفقہائے کرام کے مقابلے میں مفتی صاحب موصوف جیسے چند نرالے مقلدین کا معتبر ماننا ہی دراصل تفرد ہے؟ تو اس کو کیا جواب دیا جائے گا۔

کیونکہ اجتہادی مسائل میں اعتبار مجتہدین کا ہوتا ہے، مقلدین کی تعداد زیادہ ہونے سے جمہور مجتہدین کے مقابلے میں ان مقلدین کا قول جمہور کا نہیں بن جاتا، جمہور کا قول تو بہر حال وہی رہتا ہے، اور رہے گا جو ذکر کیا گیا، خواہ اس کے خلاف پر کتنا زور کیوں نہ لگا لیا جائے۔ [1]

جہاں تک علامہ ابنِ عابدین شامی کے بیان کردہ موقف کے ان کے ہی بیان کردہ، اُصول وجزئیات اور کتبِ فقہ کے عموم کے خلاف ہونے کا تعلق ہے، تو ہمیں دلائل کی بناء پر، اس سے بھی اتفاق نہیں، یہ مفتی صاحب موصوف کا اپنا، یا اُن لوگوں کا دعویٰ یا خیال ہے، جن کی انہوں نے پیروی کی، لہٰذا اس کو مرجوح قرار دینا بھی ان کا دعویٰ ہی شمار ہوگا، اور ان کے دعوے کا دوسرے پر حجت ہونا لازم نہیں، چہ جائے کہ پورے عالمِ اسلام اور مسلمانوں پر حجت ہو، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں تفصیلی بحث کے بعد ثابت کریں گے۔

---

[1] جمهور أهل السنة على أن الإجماع ينعقد باتفاق المجتهدين من الأمة، ولا عبرة باتفاق غيرهم مهما كان مقدار ثقافتهم، ولا بد من اتفاق المجتهدين ولو كانوا أصحاب بدعة إن لم يكفروا ببدعتهم، فإن كفروا بها كالرافضة الغالين فلا يعتد بهم، وأما البدعة غير المكفرة أو الفسق فإن الاعتداد بخلافهم أو عدم الاعتداد فيه خلاف وتفصيل بين الفقهاء والأصوليين موضعه الملحق الأصولي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ٤٨، مادة "إجماع")

(7)......اس بات سے بالکل بھی اتفاق نہیں، صحتِ جمعہ کے لیے عندالحنفیہ سلطان کی شرط ظاہرُ الروایۃ سے ثابت ہے، اور امام اعظم سے صراحتاً اس کا ثبوت ہے، جبکہ اِذنِ عام کی شرط حنفیہ کی ظاہرُ الروایۃ سے ثابت نہیں، اور نادرُ الروایۃ سے بھی صراحتاً بطور شرط کے اس کا ثبوت نہیں، البتہ امام محمد کے بیان کردہ ایک جزئیہ سے اس شرط کو اخذ کیا گیا ہے، اور اخذ کرنے والے ابتدائی مشائخِ حنفیہ نے خود اس کی تصریح کردی ہے کہ اِذنِ عام کو اس لیے شرط قرار دیا گیا ہے کہ سلطان کو حکم ہے کہ وہ اہلِ مصر کو جمعہ پڑھائے۔ [1]

سلطان یا اس کے نائب کے صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہونے کا لازمی تقاضا بھی یہی ہے، اور جب سلطان لوگوں کو اپنے، یا اپنے نمائندہ کے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کی اجازتِ عام، و اذنِ عام نہ دے گا، تو وہ لوگوں کو جمعہ پڑھانے والا نہیں ہوگا، اگر اس سلسلہ میں نوادرُ الروایت کا جزئیہ نہ بھی ہوتا، تب بھی لوگوں کی صحتِ جمعہ کے لئے سلطان کے شرط ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ لوگوں کی صحتِ جمعہ کی شرط اپنے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے وہ ان کو اپنے، یا اپنے نمائندہ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کا اِذنِ عام دے، ورنہ تو عوام کے صحتِ جمعہ کے لئے سلطان کے شرط ہونے کی عملی صورت ممکن ہی نہ ہوگی، اور اگر پہلے سے کسی درجہ میں ہوگی بھی، تو وہ اذنِ عام نہ دینے سے مسدود اور بے اثر ہوکر رہ جائے گی۔ [2]

---

[1] وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ا، ص ٣٧٣، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

(و) شرط صحتها أيضا (الإذن العام) أى أن يأذن الأمير للناس إذنا عاما حتى لو أغلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ا، ص ١٣٨، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] وإن لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول وصلى بحشمه ومواليه لم يجزهم؛ لأن من شرط الجمعة الإذن العام ولم يوجد وإنما جعلنا الإذن العام شرطا؛ لأنه مأمور بأن يصلى الجمعة بأهل المصر فإن موضع إقامة الجمعة فيه المصر وإذا لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول لم يكن مصليا بأهل المصر وإنما جعلنا -السلطان شرطا فى الجمعة لئلا يفوت بعض أهل المصر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ مذکورہ فتوے میں جمعہ کے لیے غیر مسلم حکمرانوں کی طرف سے اِذنِ عام ہونے کو بھی شرط قرار دیا جارہا ہے، اور موجودہ صورت میں ان حکمرانوں کے زیرِ اثر تمام ممالک میں نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دیا جارہا ہے، خواہ وہ مساجد میں جمعہ پڑھیں، یا گھروں میں، حالانکہ غیر مسلم حکمران کا ہونا، نہ تو مسلمانوں کے صحتِ جمعہ کے لیے شرط ہے، نہ غیر مسلم کا اپنا جمعہ صحیح ہے، نہ ہی اس کا جمعہ میں دوسروں کی امامت کرانا صحیح ہے، اور حنفیہ کی ''نادرُ الروایۃ'' کی رو سے اِذنِ عام اس فرد کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا تھا، جس فرد کے ساتھ لوگوں کے صحتِ جمعہ کی شرط وابستہ ہے، پس مذکورہ فتوے کا یہ موقف عجیب اور نرالی منطق پر مبنی ہے، جس کی بناء پر یہ فتویٰ بھی نرالا فتویٰ کہلائے جانے کا مستحق ہے، اور اس کا قواعدِ فقہ اور نصوصِ فقہاء پر انطباق ممکن ہی نہیں۔

(8)...... پیچھے نمبر 7 میں غیر مسلم حکومت کی طرف سے مساجد میں جمعہ پڑھنے کی پابندی کو تو اِذنِ عام نہ ہونے میں مؤثر مان لیا گیا، اور نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دے دیا گیا، خواہ مساجد میں پڑھیں، یا گھروں میں، اور یہاں اس کے برعکس مسلم ملک میں حکومتی پابندی کے باوجود جمعہ کو درست قرار دیا جارہا ہے، صرف دروازے کھلے ہونے کی وجہ سے۔

جس سے معلوم ہوا کہ کہیں تو غیر مسلم حکومت کی پابندی کو بھی اِذنِ عام نہ ہونے کے لئے مؤثر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على البعض صلاة الجمعة لذلك لا يكون للسلطان أن يفوت الجمعة على أهل المصر فلهذا شرطنا الإذن العام فى ذلك (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي، ج٢، ص ١٢٠، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

إذا أراد السلطان أن يجمع بحشمه فى داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب كلها، وأجلس عليها البوابين ليمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، ولا يحصل ذلك إلا بالإذن العام وكما يحتاج العام إلى السلطان لإقامة الجمعة فالسلطان أيضا يحتاج إلى العام بأن يأذن لهم إذنا عاما حتى تجوز صلاة الكل بهذا النظر من الجانبين(المحيط البرهاني فى الفقه النعماني، ج٢، ص٨٥، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

مان لیا جاتا ہے، اور دروازے کھولنے نہ کھولنے کی قید وشرط کا لحاظ کیے بغیر مساجد اور گھروں میں نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے، اور کہیں مسلم حکومت کی طرف سے پابندی ہوتے ہوئے صرف دروازے کھلنے پر اِذنِ عام کو متحقق مان لیا جاتا ہے، اور مسلم حاکم کے امر کی مخالفت کے باوجود بھی جمعہ کو درست اور معتبر ٹھہرادیا جاتا ہے، اور حکمِ حاکم کے رافعِ اختلاف ہونے کے اصول کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اس نرالی منطق اور عجیب فتوے پر مفتی صاحب مذکور، کسی نرالے اور عجیب القاب کے ہی مستحق قرار پاسکتے ہیں۔

(9)......اس نمبر میں موجودہ صورتِ حال میں علی الاطلاق مساجد اور گھروں میں نمازِ جمعہ کے بجائے، نمازِ ظہر کے اداء کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے، اور مساجد یا گھروں کے دروازے کھلے ہونے کی قید کے ساتھ بھی جمعہ کی صحت یا وجوب کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

جس سے پہلے نمبروں اور بالخصوص ابتدائی وافتتاحی نمبر کے ساتھ معارضہ ظاہر ہے۔

جہاں تک فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائطِ وجوبِ جمعہ کو نظر انداز کر کے نمازِ ظہر کو اقرب الی الاحتیاط قرار دینے کا تعلق ہے، تو یہ رائے فقہائے کرام کے اجماعی موقف سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ جمہور ائمہ ثلاثہ غیر حنفیہ تو نہ سلطان کو شرط قرار دیتے، اور نہ ہی اِذنِ عام کو، اور وہ وجوبِ جمعہ کی شرائط پائے جانے پر ظہر پڑھنے والے کی نماز کو کالعدم قرار دیتے ہیں، امام زفر بھی ایسی صورت میں نمازِ ظہر کو کالعدم قرار دیتے ہیں۔ [1]

---

[1] ذهب الأئمة الثلاثة -مالك والشافعي في مذهبه الجديد وأحمد -إلى أن الجمعة فرض مستقل، فليست بدلا من الظهر، وليست ظهرا مقصورا .واستدل الرملي لكونها صلاة مستقلة: بأنه لا يغني الظهر عنهاولقول عمر -رضي الله عنه :-الجمعة ركعتان، تمام غير قصر على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم وقد خاب من افترى.

وقال أبو حنيفة وأبو يوسف :إن فرض وقت الجمعة في الأصل إنما هو الظهر، إلا أن من تكاملت فيه شرائط الجمعة الآتي ذكرها فإنه مأمور بإسقاطه وإقامة الجمعة في مكانه على سبيل الحتم، أما من لم تتكامل فيه شرائطها، فيبقى على أصل الظهر إلا أنه يخاطب بأداء الجمعة في مكانها على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ وصاحبین، جمعہ ترک کر کے ظہر پڑھنے کو مکروہِ تحریمی، بلکہ حرام قرار دیتے ہیں۔ [1]

پھر جمعہ ترک کرا کر، ظہر کا حکم لگانا، اَقرب الی الاحتیاط کیسے ہوگیا؟

البتہ ہمارے نزدیک باقاعدہ جمعہ ادا کر کے بعد میں چار رکعات احتیاطُ الظہر پڑھ لینا زیادہ احتیاط کے قریب ہے، اس صورت میں اگر جمعہ فرض و درست تھا، تو وہ ادا ہو جائے گا، ورنہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سبيل الترخيص، أى فإذا أدى الجمعة رغم عدم تكامل شروط وجوبها عليه سقط عنه الظهر بذلك على أن لكل من محمد وزفر أقوالا أخرى فى كيفية فرضية الجمعة .

وفائدة الخلاف تظهر فيما لو صلى الظهر فى بيته وحده قبل فوات الجمعة -وهو غير معذور، فعند أبى حنيفة وأبى يوسف يصح ظهره ويقع فرضا؛ لأنه أدى فرض الوقت الأصلى فيجزئه.

قال السمرقندى :من صلى الظهر فى بيته وحده -وهو غير معذور -فإنه يقع فرضا فى قول أصحابنا الثلاثة -أبى حنيفة وصاحبيه -خلافا لزفر فإن عنده لا يجوز الظهر .

وفى المذاهب الأخرى لا تجزئه صلاة الظهر ويلزمه حضور الجمعة، فإن حضرها فذاك وإلا بأن فاتته لزمه قضاء الظهر حينئذ .قال أبو إسحاق الشيرازى فى المهذب :وأما من تجب عليه الجمعة، ولا يجوز له أن يصلى الظهر قبل فوات الجمعة، فإنه مخاطب بالسعى إلى الجمعة، فإن صلى الظهر قبل صلاة الإمام ففيه قولان :قال فى القديم :يجزئه؛ لأن الفرض هو الظهر . . .وقال فى الجديد :لا تجزئه، ويلزمه إعادتها وهو الصحيح.

وقال ابن قدامة فى المغنى :من وجبت عليه الجمعة إذا صلى الظهر قبل أن يصلى الإمام الجمعة لم يصح، ويلزمه السعى إلى الجمعة إن ظن أنه يدركها؛ لأنها المفروضة عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ١٩٤، ١٩٥،مادة" صلاة الجمعة ")

[1] ومن صلى الظهر فى منزله يوم الجمعة، ولا عذر له كره وجازت صلاته، وإنما أراد حرم عليه. وصحت الظهر فالحرمة لترك الفرض، وصحة الظهر لما سنذكره، وقد صرح أصحابنا بأنها فرض آكد من الظهر وبإكفار جاحدها اهـ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج٢،ص ١٥٠، ١٥١، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(قوله: كره له ذلك إلخ) لا بد من كون المراد حرم عليه ذلك، وصحت الظهر؛ لأنه ترك الفرض القطعى باتفاقهم الذى هو آكد من الظهر فكيف لا يكون مرتكبا محرما، غير أن الظهر تقع صحيحة وإن كان مأمورا بالإعراض عنها .وقال زفر: لا يجوز؛ لأن الفرض فى حقه الجمعة والظهر بدل عنها؛ لأنه مأمور بأداء الجمعة معاقب بتركها، ومنهى عن أداء الظهر مأمور بالإعراض عنها ما لم يقع اليأس عن الجمعة، وهذا هو صورة الأصل والبدل، ولا يجوز أداء البدل مع القدرة على الأصل(فتح القدير، ج٢ص ٦٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

یہ چار رکعات ظہر کے قائم مقام ہو جائیں گی، جس کی فقہائے کرام نے تصریح کی ہے، اور ہم نے بعض دوسرے مضامین میں اس کی باحوالہ تفصیل اور شبہات کی تردید بیان کردی ہے۔ [1]

---

[1] صلاة الظهر بعدها: فقال الشافعية يصلى الظهر بعدها احتياطا على تفصيل ذكروه فى كتبهم ، وقد قال به ايضا متاخرو الحنفية ، وامروا به احتياطا ، لاختلاف الائمة فى اشتراط المصر وعدمه ،وفى تعريف المصر ، و جواز التعدد وعدمه ، وفى العدد الذى تنعقد به، وفى اشتراط اذن السلطان او نائبه باقامتها وعدمه.

ومن هذا كله تعلم جواب السؤال وان المقطوع به المتفق عليه هو كون الجمعة فرضا ، لايجوز تركها ، ويكفر جاحدفرضيتها، وانها من شعائر الاسلام .

وان كل موضع اختلفوا فيه سواء كان من شروطها او من غيرها، فادلته ظنية، فكان دليل الفرض قطعيا ، ودليل الاشتراط ظنيا.

ولا يخفى ان اشتراط المصر واذن الحاكم ليس لامرلا توجد الجمعة بدونه، اذ لا ملائمة بين ذلك وبين صلاة الجمعه ، وانما اشتراط اذن الحاكم لمنع التنازع على ما قالوا، واشتراط المصر لبيان الموضع الذين امرنا باقامة الجمعة فيه.

ولا يخفى ايضاً ان الله تعالىٰ قدر من رحمته وفضله ان كل ما ادى اليه رأى المجتهد فى محله على وجه فهو شريعة له تعالىٰ فى حق المجتهد. وكل من عمل به يكون العمل به طاعة وعبادة صحيحة ، وان اخطأ ذلك المجتهد فانما يكون خطأه بالنظر الى ما هو عندالله من الحكم، لابالنظر الى عامنا وما ادى اليه اجتهاده بل هو بالنظر الى ذلك صواب بالاجماع.

وتعلم ايضا ان الاحوط للمكلف اذا اراد ان يخرج من عهدة ما كلف به بيقين ويكون آتيا بالفرض على جميع المذاهب ان يصلى الجمعة فى كل موضع بقول امام مجتهد لوجوبها فيه، ولو كان قرية صغيرة جداً وان يصلى الظهر بعدها ينوى به فرض اليوم فى كل موضع قال فيه امام مجتهد بعدم وجوبها فيه ، او عدم صحتها لفقد شرط ، او غير ذلك، وذلك لما قلنا ان الجمعة فريضة قطعية ، لايجوز تركها ولاجحدها ولا التهاون فيها، والدليل على ذلك قطعى ، وما عداه مما جرى فيه الخلاف ظنى.

وقد قدمنا لك ما قاله فى فتاوىٰ الحجة. ان الاحتياط فى القرى الصغيرة ان يصلى الجمعة ثم اربعا سنتها ، ثم ركعتين سنة الوقت ، ثم الاربع ، الخ، ما سبق نقله ، ومراده الاربع التى ينوى بها ظهر اليوم كما سبق.

الا اننا نقول ان صلاة الظهر بعدها احتياطا لايختص بالقرى الصغيرة لما علمت ان المقصود من صلاة الظهر بعدها ،هو الاحتياط ، والخروج من عهدة الخلاف بين الائمة .

وهذا المعنى لايختص بالقرى الصغيرة بل هو متحقق فى كل موضع وجد فيه الخلاف فى صحة الجمعة او فى وجوبها فيه، والخلاف لا يختص بالقرى الصغيرة كما علمت مما سبق (احسن القرا فى صلاة الجمعة فى القرىٰ للمطيعى، ص١٧ الىٰ ١٩ ،الموضع السابع صلاة الظهر بعدها ، الطبعة الثانية :سنة ١٣٥٥ هـ ،1936ء ،مطبوعة: جمعية الازهر العلمية، مصر)

(10)...... اِذنِ عام کی یہ تعبیر فقہائے کرام کی عبارت کا مطلب صحیح نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔

جن فقہائے کرام نے جمعہ کے لئے اِذنِ عام کو جس صورت میں شرط قرار دیا، اس کا مطلب انہوں نے خود یہ بیان فرمادیا ہے کہ شہر بھر کے جن جن لوگوں پر نمازِ جمعہ واجب ہے، ان سب کو شرکت کا اِذنِ عام دیا جائے، قلعہ کے اندر والوں کو تو قلعہ کا دروازہ بند ہونے کی صورت میں بھی شرکت سے کوئی مانع نہیں، قلعہ کے دروازے کھولنے کی شرط اسی لیے ہے کہ قلعہ سے باہر کے لوگ جمعہ میں شریک ہوسکیں، جس کی خود فقہاء نے تصریح کی ہے۔

اب مفتی صاحب مذکور، جس قسم کے اذنِ عام کو پیچھے شرطِ صحتِ جمعہ قرار دے آئے ہیں، اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ اگر کسی فیکٹری کے اندر جمعہ پڑھا جارہا ہے، تو فیکٹری کا صدر دروازہ کھولا جائے، تاکہ باہر مصر کے لوگ نماز کے لئے اندر آسکیں، اور اگر کسی فوجی کوارٹر میں جمعہ پڑھا جارہا ہے، بلکہ جی، ایچ، کیو میں جمعہ پڑھا جارہا ہے، تو باہر کا صدر دروازہ کھولا جائے، تاکہ باہر مصر کے لوگ نماز کے لئے اندر آسکیں۔

اور اگر صدر ہاؤس، یا وزیر اعظم ہاؤس میں جمعہ پڑھا جارہا ہے، تو اس کا صدر دروازہ باہر مصر سے آنے والے نمازیوں کے لئے کھولا جائے، اور اگر کسی بڑی جیل میں جمعہ پڑھا جارہا ہو، تو اس کا صدر دروازہ، باہر سے آنے والے نمازیوں کے لیے کھولا جائے، کیونکہ مذکورہ اداروں کا اندرونی حصہ مستقل طور پر، مصر کے تقاضے پورے نہیں کرتا، اس لیے وہ مصر بننے کے لیے بیرونی تمدن کا محتاج ہے۔[1]

اور اس پر شاید دنیا کے کسی خطے میں بھی عمل نہ ہوسکے، بلکہ حکومتی قانون کی رُو سے اس قسم کے اداروں میں غیر متعلقہ لوگوں کا داخلہ بھی ممنوع ہوا کرتا ہے، جبکہ حکومتی پابندی کو مفتی صاحب مذکور پیچھے ایک جگہ تذبذب کے انداز میں اذنِ عام کے لیے مخل قرار دے آئے ہیں، اور اس

---

[1] قوله" :فی قلعة القاهرة "أی ونحوها قوله" :وليست مصرا علی حدتها "فإنه وإن كان فيها الجوانيت والسكك وغير ذلك إلا أنها لم تستوف جميع ما ذكر فی حد المصر من القاضی ونحوه(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۱ ۵ ۱، كتاب الصلاة ، باب الجمعة)

طرح کروڑوں افراد کے جمعہ کو باطل ٹھہرانا لازم آئے گا، اور اس بات کے شاید مفتی صاحب موصوف اوران کے مقتداء اور مقتدی بھی قائل نہ ہوں گے۔

اور انہوں نے جو اِذنِ عام کی تعریف اور اس سلسلے کی بعض عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ درست ہی نہیں۔

اور انہوں نے اس موقف پر جن فتاویٰ سے استدلال کیا ہے، وہ بھی ان کے مدعا کے لیے مفید وکار آمد نہیں، کیونکہ ان میں انہوں نے بے جا تاویل اور نرالی توجیہ کا ارتکاب کیا ہے، جس کا اہلِ فہم کو ادنیٰ غور اور تدبر کرنے سے سمجھ آنا کوئی بھی مشکل نہیں، جس کے بعد اس فتوے کے نرالے ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب مذکور کے نرالے ہونے کو سمجھنا بھی زیادہ مشکل نہ رہے گا۔

اور ہم اس مسئلہ میں تحقیق وجستجو کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ صحتِ جمعہ کے لیے، جس قسم کے اذنِ عام کے شرط ہونے کی موجودہ دور کے بعض اصحابِ علم میں شہرت حاصل ہے، وہ درست نہیں، اور اس سلسلے میں علامہ شرنبلالی اور علامہ ابنِ عابدین شامی کا موقف ہی راجح وصواب ہے، جس کی باحوالہ تفصیل، ان شاءاللہ تعالیٰ آگے آتی ہے۔

تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت پر کلام

اب تعددِ جمعہ اور اذنِ عام کی حقیقت سے متعلق مختلف عبارات وحوالہ جات کی روشنی میں تفصیلی کلام کیا جاتا ہے۔

’’الموسوعةُ الفقهية الكويتية‘‘ کا حوالہ

’’الموسوعةُ الفقهية الكويتية‘‘ میں ہے کہ:

واشترطه الحنفية، إذن السلطان بذلک، أو حضوره، أو حضور نائب رسمي عنه، إذ هكذا كان شأنها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى عهود الخلفاء الراشدين.

هذا إذا كان ثمة إمام أو نائب عنه فى البلدة التى تقام فيها الجمعة، فإذا لم يوجد أحدهما، لموت أو فتنة أو ما شابه ذلک، وحضر وقت الجمعة كان للناس حينئذ أن يجتمعوا على رجل منهم ليتقدمهم فيصلى بهم الجمعة .

أما أصحاب المذاهب الأخرى فلم يشترطوا لصحة الجمعة أو وجوبها شيئا مما يتعلق بالسلطان، إذنا أو حضورا أو إنابة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص١٩٧، مادة ’’صلاة الجمعة‘‘)

ترجمہ: حنفیہ نے جمعہ کے لئے سلطان کی اجازت، یا اس کی حاضری، یا اُس کے نامزد کردہ نائب کی حاضری کو شرط قرار دیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں جمعہ اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔

یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ اُس شہر میں امام، یا اُس کا نائب موجود ہو، جس میں جمعہ

قائم کیا جا رہا ہے، اور اگر اِن دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو، اس امام کے فوت ہو جانے، یا کسی فتنہ وفساد کے لازم آنے کی وجہ سے، یا اس جیسی کسی اور بات کی وجہ سے، اور جمعہ کا وقت آ جائے، تو لوگوں کو کسی آدمی پر جمع ہو کر اُس کی اقتداء میں جمعہ پڑھ لینا جائز ہے۔

جہاں تک حنفیہ کے علاوہ دیگر اہلِ مذاہب کا تعلق ہے، تو انہوں نے جمعہ صحیح یا واجب ہونے کے لئے سلطان کی اجازت، یا اس کی حاضری، یا اُس کے نائب کو شرط قرار نہیں دیا (الموسوعةُ الفقهية)

''الموسوعةُ الفقهية الكويتية'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

قال المالكية والشافعية، وهو الصحيح عند الحنابلة، إنه لا يشترط لصحة الجمعة إذن الإمام. وصرح المالكية والشافعية بأنه مندوب .ودليل ذلك أن عليا رضي الله عنه، عندما حوصر عثمان رضي الله عنه، أقام الجمعة من غير إذن ولا استئذان من عثمان رضي الله عنه، وكان ذلك بمحضر من الصحابة؛ ولأنها عبادة بدنية، لا يتوقف إقامتها على إذن.

وذهب الحنفية، وهو قول عند الحنابلة، إلى أن إذن الإمام شرط لصحة صلاة الجمعة؛ لأن ذلك هو المأثور عن الأئمة، والمتوارث عنهم، ولأن في هذا دفعا للفتنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص ١٥٤، ١٥٥، مادة ''استئذان'')

ترجمہ: مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک، اور حنابلہ کے صحیح مذہب کے مطابق جمعہ صحیح ہونے کے لئے امام (یعنی سلطان، یا اس کے نائب) کی اجازت شرط نہیں ہے، اور مالکیہ اور شافعیہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ حکمران کا ہونا مستحب ہے، جس کی

دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہونے کے وقت، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر جمعہ قائم کیا، اور صحابہ اس وقت موجود تھے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جمعہ بدنی عبادت ہے، جس کو قائم کرنے کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

اور حنفیہ اس طرف گئے ہیں، اور حنابلہ کا ایک قول بھی یہی ہے کہ جمعہ صحیح ہونے کے لئے امام وحکمران کی اجازت شرط ہے، کیونکہ یہی طریقہ ائمہ سے چلا آ رہا ہے، اور لوگوں کا بھی یہی طریقہ رہا ہے، اور اس میں فتنہ سے حفاظت بھی پائی جاتی ہے (الموسوعةُ الفقهية)

''الموسوعةُ الفقهية الكويتية'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

واشترط الحنفية أن تؤدى بإذن عام يستلزم الاشتهار، وهو يحصل بإقامة الجمعة فى مكان بارز معلوم لمختلف فئات الناس، مع فتح الأبواب للقادمين إليه.

قال فى تنوير الأبصار :فلو دخل أمير حصنا أو قصره وأغلق بابه، وصلى بأصحابه لم تنعقد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۷، ص ۲۰۳، مادة "صلاة الجمعة")

ترجمہ: اور حنفیہ نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ جمعہ کو اذنِ عام کے ساتھ ادا کیا جائے، جس سے شہرت حاصل ہو جائے، اور شہرت جمعہ کو کھلے اور معلوم مکان میں قائم کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جو مختلف لوگوں کی جماعتوں کے لیے ہو، اور اس جگہ میں آنے والوں کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہوں۔

''تنویر الابصار'' میں ہے کہ اگر امیر قلعہ میں داخل ہوا، یا اپنے محل میں داخل ہوا، اور اس کے دروازے کو بند کر لیا، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ لی، تو جمعہ منعقد نہیں ہوگا (الموسوعة الفقهية)

’’الفقۃُ الاسلامی و ادلتۃُ‘‘ کا حوالہ

’’الفقۃُ الاسلامی و ادلتۃُ‘‘ میں ہے کہ:

’’حنفیہ نے جمعہ کے لیے دو شرطیں مزید لگائی ہیں۔

ایک تو یہ کہ سلطان ہو، یا اس کا نائب ہو، یا ایسا شخص ہو، جس کو اس نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہو، کیونکہ جمعہ بڑے مجمع میں ادا کیا جاتا ہے، اور جمعہ کے مجمع میں بعض اوقات نزاع واقع ہو جاتا ہے، جس کو روک تھام کے لیے سلطان، یا اس کے نمائندے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور حنفیہ نے دوسری شرط ’’اذنِ عام‘‘ کی لگائی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ پڑھے جانے والی جگہ کے دروازے کھول دیئے جائیں، اور لوگوں کو داخل ہونے کی عام اجازت دے دی جائے، اور جن کا جمعہ صحیح ہوتا ہو، ان میں سے کسی کو وہاں داخل ہونے سے منع نہ کیا جائے۔

اور حنفیہ کے علاوہ، دیگر فقہاء نے یہ دونوں شرطیں نہیں لگائیں، پس ان کے نزدیک جمعہ صحیح ہونے کے لیے، امام وحکمران کی اجازت اور اس کا حاضر ہونا بھی شرط نہیں، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (جو کہ اس وقت کے خلیفہ وحکمران تھے) وہ محصور تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کسی نے نکیر نہیں کی، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو درست قرار دیا۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جمعہ وقت کا فریضہ ہے، پس وہ ان دونوں شرطوں کے اعتبار سے ظہر کے مشابہ ہے‘‘۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] اشترط الحنفية هذين الشرطين: كون الأمير أو نائبه هو الإمام، والإذن العام من الإمام بفتح أبواب الجامع للواردين عليه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا غیر حنفیہ نے سلطان، یا اذنِ عام کو جمعہ کے لیے شرط قرار نہیں دیا، جس طرح نمازِ ظہر اور جماعتِ ظہر کے لیے یہ چیزیں شرط نہیں۔

اسی وجہ سے غیر حنفیہ کے نزدیک امام وحکمران کی اجازت کے بغیر بھی اپنی شرائط کے ساتھ جمعہ کو قائم کرنے کا حکم ہے، اور حکمران کی طرف سے اجازت یا ممانعت اس میں اثر انداز نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ، خالص اللہ کا حق ہے۔

البتہ حکمران کی مخالفت اور افتراق سے بچنے کی خاطر، جمعہ کو ترک کرنا، ایک الگ وجہ ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ قدامہ حنبلی نے ''المغنی'' میں فرمایا کہ:

> ''امام احمد بن حنبل کی صحیح روایت کے مطابق، جمعہ کے لیے اذنِ امام شرط نہیں، امام مالک اور امام شافعی اور ابوثور وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔
>
> جس کی مختلف آثار کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جمعہ فرضِ عین عبادت ہے، جس کو انجام دینے کے لیے حکمران کی اجازت کی کیا ضرورت، جیسا کہ ظہر کی نماز کے لیے حکمران کی اجازت کی ضرورت نہیں''۔ انتہٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الأول ــ أن يكون السلطان ولو متغلباً أو نائبه، أو من يأذن له بإقامة الجمعة كوزارة الأوقاف الآن هو إمام الجمعة وخطيبها؛ لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع منازعة في شؤون الجمعة، فلا بد منه تتميماً لأمره، ومنعاً من تقدم أحد.

والثاني ـ الإذن العام :وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذن للناس بالدخول إذناً عاماً، بأن لا يمنع أحد ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلي فيه؛لأن كل تجمع يتطلب الإذن بالحضور، ولأنه لا يحصل معنى الاجتماع إلا بالإذن، ولأنها من شعائر الإسلام، وخصائص الدين، فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم.

ولم يشترط غير الحنفية هذين الشرطين، فلا يشترط إذن الإمام لصحة الجمعة، ولا حضوره؛ لأن علياً صلى بالناس، وعثمان محصور، فلم ينكره أحد، وصوبه عثمان ولأن الجمعة فرض الوقت، فأشبهت الظهر في عدم هذين الشرطين (الفقه الاسلامي وادلتهٗ للزحيلي، ج۲ص۱۲۹۷، ۱۲۹۸، الباب الثاني ، الفصل العاشر، المبحث الثاني، المطلب الخامس)

[1] فصل :واختلفت الرواية في شرطين آخرين :أحدهما، الحرية .ونذكرها في موضعها إن شاء الله تعالى .والثاني، إذن الإمام والصحيح أنه ليس بشرط، وبه قال مالك، والشافعي، وأبو ثور والثانية :هو شرط، روى ذلك عن الحسن، والأوزاعي، وحبيب بن أبي ثابت وأبي حنيفة؛ لأنه لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض دیگر حنابلہ نے بھی اسی طرح کی تصریح فرمائی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يقيمها إلا الأئمة فى كل عصر، فصار ذلك إجماعا.

ولنا، أن عليا صلى الجمعة بالناس وعثمان محصور، فلم ينكره أحد، وصوب ذلك عثمان وأمر بالصلاة معهم، فروى حميد بن عبد الرحمن، عن عبيد الله بن عدى بن الخيار، أنه دخل على عثمان وهو محصور، فقال :إنه قد نزل بك ما ترى، وأنت إمام العامة، وهو يصلى بنا إمام فتنة، وأنا أتحرج من الصلاة معه .فقال :إن الصلاة من أحسن ما يعمل الناس، فإذا أحسنوا فأحسن معهم، وإذا أساء وا فاجتنب إساء تهم .أخرجه البخارى، والأثرم، وهذا لفظ رواية الأثرم.

وقال أحمد وقعت الفتنة بالشام تسع سنين، فكانوا يجمعون .وروى مالك، فى "الموطأ "عن أبى جعفر القارء أنه رأى صاحب المقصورة فى الفتنة حين حضرت الصلاة، فخرج يتبع الناس، يقول : من يصلى بالناس .حتى انتهى إلى عبد الله بن عمر، فقال له عبد الله بن عمر :تقدم أنت فصل بين يدى الناس.

ولأنها من فرائض الأعيان، فلم يشترط لها إذن الإمام، كالظهر، ولأنها صلاة أشبهت سائر الصلوات، وما ذكروه إجماعا لا يصح، فإن الناس يقيمون الجمعات فى القرى من غير استئذان أحد، ثم لو صح أنه لم يقع إلا ذلك لكان إجماعا على جواز ما وقع، لا على تحريم غيره، كالحج يتولاه الأئمة، وليس بشرط فيه .فإن قلنا :هو شرط فلم يأذن الإمام فيه، لم يجز أن يصلوا جمعة وصلوا ظهرا.

وإن أذن فى إقامتها ثم مات، بطل إذنه بموته، فإن صلوا، ثم بان أنه قد مات قبل ذلك، فهل تجزئهم صلاتهم؟ على روايتين :أصحهما، أنها تجزئهم؛ لأن المسلمين فى الأمصار النائية عن بلد الإمام لا يعيدون ما صلوا من الجمعات بعد موته، ولا نعلم أحدا أنكر ذلك عليهم، فكان إجماعا، ولأن وجوب الإعادة يشق؛ لعمومه فى أكثر البلدان.

وإن تعذر إذن الإمام لفتنة، فقال القاضى :ظاهر كلامه صحتها بغير إذن، على كلتا الروايتين فعلى هذا يكون الإذن معتبرا مع إمكانه، ويسقط اعتباره بتعذره(المغنى لابن قدامة، ج۲، ص ۲۴۵، كتاب صلاة الجمعة،مسألة إذا لم يكن فى القرية أربعون رجلا عقلاء لم تجب عليهم الجمعة)

۱؎ (ولا يشترط لصحة الجمعة إذن الإمام) لأن عليا صلى بالناس وعثمان محصور فلم ينكره أحد وصوبه عثمان رواه البخارى بمعناه ولأنها فرض الوقت أشبهت الظهر قال أحمد :وقعت الفتنة بالشام تسع سنين، فكانوا يجمعون(كشاف القناع عن متن الإقناع، ج۲، ص۳۷، ۳۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة ،فصل يسن أن يخطب على منبر)

(ولا يشترط إذن الإمام) فى الأصح؛ لأن عليا صلى بالناس، وعثمان محصور، فلم ينكره أحد، وصوبه عثمان، رواه البخارى بمعناه، ولأنها فرض الوقت، أشبهت الظهر.

قال أحمد :وقعت الفتنة بالشام تسع سنين، فكانوا يجمعون (وعنه :يشترط) لأنه لا يقيمها فى كل عصر إلا الأئمة؛ وهى من أعلام الدين الظاهرة، أشبهت الجهاد، وعنه :إن لم يتعذر، وعنه :يشترط لوجوبها لا لجوازها، وإن لم يعلم بموته إلا بعد الصلاة، واشترط إذنه، فعنه :لا إعادة للمشقة، وعنه :بلى، لبيان الشرط(المبدع فى شرح المقنع، ج۲، ص۱۲۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، فصل شروط لصحة الجمعة)

اورشافعیہ نے بھی جمعہ کے قیام کوحکمران کی اجازت سے ضروری قرارنہیں دیا، البتہ مستحب قراردیا ہے، لیکن حکمران اجازت نہ دے، تو ظہر کی نماز کی طرح پھر بھی جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ [1]

مالکیہ کی کتب میں بھی جمعہ کے لیے حکمران کی اجازت کے شرط ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ [2]

---

[1] يستحب أن لا تقام الجمعة إلا بإذن الإمام؛ لأن الجمعة لم تقم فى عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ولا فى أيام الخلفاء إلا بإذنهم، فإن أُقيمت بغير إذنه ...صحت، وبه قال مالك، وأحمد، وأكثر أهل العلم.

وقال أبو حنيفة، والأوزاعى :(لا تصح إقامتها إلا بإذن الإمام أو الوالى من قبله).

وحكى بعض أصحابنا :أن هذا قول الشافعى فى القديم، وليس بمشهور.

وقال محمد :إن مات الإمام، فقدم الناس رجلًا يصلى بهم الجمعة ...جاز ذلك؛ لأن ذلك موضع ضرورة.

دليلنا :قوله - صلى الله عليه وسلم :-من كان يؤمن بالله واليوم الآخر ...فعليه الجمعة .ولم يفرق بين أن يكون فيها إمام أو لم يكن.

وروى :أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :سيأتى بعدى أُمراء يؤخرون الصلاة عن مواقيتها، فصلوا الصلاة لوقتها، واجعلوا صلاتكم معهم سُبحة .ولم يفرق بين الجمعة وغيرها.

وروى :(أن الوليد بن عقبة أخر الصلاة بالكوفة، فصلى بهم ابن مسعود الجمعة) . ولم ينكر عليه أحد من الصحابة، ولأنها صلاة، فجاز إقامتها بغير إذن الإمام، كسائر الصلوات(البيان فى مذهب الإمام الشافعى، ج٢،ص٦١٨، ٦١٩، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة،مسألة تقام الجمعة بإذن الإمام)

[2] فلا يبيح التخلف عنها، ولا عن الجماعة إن لم يأذن لهم الإمام فى التخلف بل (وإن أذن) لهم (الإمام) فى التخلف عن الجمعة والجماعة إذ لا حق له فيه إنما هو لله وحده(منح الجليل شرح مختصر خليل، ج١،ص٤٥٣،باب فى بيان أوقات الصلوات الخمس،فصل فى بيان شروط الجمعة وسننها ومندوباتها ومكروهاتها ومسقطاتها)

وبهذا يظهر أن الإمام لو قال :لا تقيموا الجمعة إلا بإذنى لم يكن ذلك حكما وان كانت مسألة مختلف فيها، هل تفتقر الجمعة إلى إذن السلطان أم لا؟ وللناس أن يقيموها بغير إذن الإمام، إلا أن يكون ذلك صورة المشاقة، وخرق الولاية، وإظهار الفساد والمخالفة فممتنعة إقامتها بغير أمره، لأجل (ذلك لا ل) انه خلاف اتصل به حكم حاكم، وقد قاله بعض الفقهاء ، وليس بصحيح، بل حكم الحاكم إنما يؤثر إذا أنشأ فى مسألة اجتهاد تتقارب فيها المدارك، لأجل مصلحة دنيوية، فاشتراط قيد الإنشاء احتراز من أحكمه فى مواقع الإجماع فإن ذلك إخبار وتنفيذ محض، وفى مواقع الخلاف ينشء حكما وهو إلزاما أحد القولين اللذين قيل بهما فى المسألة ويكون إنشاؤه اخبارا خاصا عن الله تعالى فى تلك الصورة فى ذلك الباب، وجعل لله تعالى إنشاء ه فى مواطن الخلاف قضاء ورد من قبله فى خصوص تلك الصورة(شرح المنهج المنتخب إلى قواعد المذهب، ج٢،ص٦١٥،فصل فى القضاء والشهادة)

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا حوالہ

برِّصغیر کی معروف علمی شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اذنِ حاکم کو جمعہ کے لیے ضروری قرار نہیں دیا، البتہ حاکم کا پہلا حق ہونے کو اولیٰ قرار دیا ہے، جس طرح جنازہ وغیرہ میں حاکم کا حق اولیٰ ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب ''حجة الله البالغة'' میں جمعہ کی نماز کے متعلق فرماتے ہیں:

ولا يشترط أربعون، وأن الأمراء أحق بإقامة الصلاة وهو قول علي كرم الله وجهه: أربع إلى الإمام الخ، وليس وجود الإمام شرطا (حجة الله البالغة، ج۲ ص۴۷، المبحث السابع مبحث استنباط الشرائع من حديث النبي صلى الله عليه وسلم، القسم الثاني في بيان أسرار ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم تفصيلا، الجمعة)

ترجمہ: اور (میرے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے) چالیس افراد شرط نہیں، اور حکمران جمعہ کی نماز قائم کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، یہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ ''چار چیزیں امام (یعنی مسلمان حکمران) کی طرف سپرد کی گئی ہیں، الخ'' اور امام کا وجود (صحتِ جمعہ کے لیے) شرط نہیں (حجۃ اللہ البالغۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ''مصفّٰی'' میں فرماتے ہیں:

واما امامتِ خلیفہ یا نائب او، پس امر مستمرہ بود ومنشاء آن امر است بتقدم والی در محل ولایتِ خود پس مخصوص باشد بحضور والی وبطریق استحباب باشد، چنانکہ تقدیم اقرء بر اعلم وسائر نظائر مسئلہ واثر حضرت علی کہ اربع الی الامام، الخ محمول بر ندب تقدم والی در محل ولایۃ خود است (مصفّٰی، ج۱ص۱۵۲، باب التشديد علىٰ من ترك الجمعة بغير عذر، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

ترجمہ: جہاں تک خلیفہ یا اس کے نائب کی امامت کا تعلق ہے، تو یہ ایک مستقل معمول رہا ہے، لیکن اس کی منشاء دراصل کسی بھی والی کے اپنی ولایت کے محل میں آگے بڑھنا ہے، پس یہ مستحب طریقہ پر والی کے حاضر ہونے کے ساتھ خاص ہوگا، جیسا کہ قاری کی عالم پر تقدیم کا تعلق ہے، اور اس مسئلہ کی دوسری نظائر کا تعلق ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر کہ چار چیزیں امام کے سپرد ہیں، الخ ،تو یہ والی کے اس کی ولایت میں مقدم ہونے کے مندوب ہونے پر محمول ہے (مصفّٰی)

معلوم ہوا کہ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، بھی جمعہ کے لیے حکمران اور اس کی اجازت کو صحتِ جمعہ کے لیے شرط اور ضروری قرار نہیں دیتے۔ [1]

اور حنفیہ کی ''ظاهرُ الرواية''میں سلطان، یا اس کا مجاز نمائندہ و نائب، جمعہ کے لیے شرط ہے، لیکن بعض نے اس کو انتظامی نوعیت کی شرط قرار دیا ہے، اور اذنِ عام کی شرط حنفیہ کی ''ظاهرُ الرواية''میں نہیں، صرف ''نادرُ الرواية''میں اس کا ذکر ہے، اور وہ بھی محققینِ حنفیہ کے نزدیک حکمران کے جمعہ قائم کرنے کو اپنے ساتھ مختص نہ رکھنے، یا اس کی طرف سے تعددِ جمعہ کی علی الاعلان، باضابطہ اجازت کی صورت میں ضروری نہیں رہتی، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لیکن ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے، منسلکہ نرالے فتوے میں لاک ڈاؤن (Lockdown) کے حالات میں دنیا بھر میں مختلف مسالک سے وابستہ لوگوں کی نمازِ جمعہ کو ناجائز قرار دے دیا گیا ہے، جیسا کہ تمام ملکوں میں حنفیہ سے وابستہ لوگ ہی آباد ہوں، یا سب کسی ایک نرالے مفتی صاحب کے ایک نرالے فتوے کے مکلّف و پابند ہوں۔

اب اس سلسلے میں حنفیہ کا موقف کچھ تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] اس کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے مضامین میں ذکر کردی ہے۔محمد رضوان خان۔

''شرح مختصرُ الطحاوی'' کا حوالہ

امام ابوبکر جصاص (المتوفیٰ: 370ھ) نے ''شرح مختصرُ الطحاوی'' میں امام طحاوی (المتوفیٰ: 321ھ) کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''جمعہ کو سلطنت والا ہی قائم کرسکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کی نماز کو امام بن کر سرانجام دینا ثابت ہے، اور آپ سلطان تھے۔

اور یہی بات بعض صحابۂ کرام سے مروی ہے۔

نیز ہر ایک کو خود سے اجتماع کے بغیر تنہا جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں، جس کی وجہ سے یہ حدود کے مشابہ ہے کہ جن کو قائم کرنا ہر ایک کے لیے جائز نہیں، اور جمعہ کی نماز، دوسری نمازوں کی طرح نہیں ہے، کیونکہ دوسری نمازیں، ہر ایک کو تنہا پڑھنا جائز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے، جمعہ کی نماز کو سلطان ہی قائم کرتے آئے ہیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر سلطان کے بغیر، نمازِ جمعہ جائز ہوگی، تو اس میں لوگ جھگڑیں گے، اور ہر ایک کے لیے اپنی مسجد میں جمعہ قائم کرنا جائز ہو جائے گا، لہٰذا اس کے لیے سلطان کی ضرورت ہوگی، جو کسی شخص کو جمعہ قائم کرنے کے لیے متعین کرے، تاکہ تنازع کا خاتمہ ہو جائے، اور اختلاف کا مادہ ختم ہو جائے''۔

انتہٰی۔ [1]

---

[1] قال :(ولا يقوم بها إلا ذو سلطان)وذلک لقول النبی صلی الله علیه وسلم "صلوا كما رأيتمونی أصلی"، وكان فعله لها بإمام، فهو سلطان.

وقد روی نحو قولنا عن الزهری، وسلیمان بن یسار، ورواه الحسن عن رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک، جمعہ کو قائم کرنے کا حق، حکمران کو حاصل ہے، کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اور جمعہ کا حکمران کو حق حاصل ہونے کی حنفیہ نے مختلف حکمتیں بیان کی ہیں، جن میں ایک حکمت لوگوں کو جھگڑے اور اختلاف اور اس کی بنیاد پر اپنی حسبِ خواہش جگہ جگہ، جمعہ قائم کرکے انتشار وافتراق کی فضاء سے بچانے کی ہے۔

اسی وجہ سے فقہائے حنفیہ نے سلطان، یا اُس کے نائب کے جمعہ وعید پڑھ لینے، اور بعض لوگوں کے اس سے رہ جانے کے بعد قضاء نہ ہونے کی وجہ، سلطان وغیرہ کی شرط نہ پائے جانے کی بیان کی ہے۔

اورحنفیہ کے نزدیک اس باب میں راجح یہ ہے کہ جمعہ وعیدین کا حکم یکساں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأيضًا :لما لم يجز لكل واحد من الناس فعلها منفردًا دون الاجتما ع.

أشبهت الحدود التي لا لزم الكافة إقامتها، لم يجز لكل واحد إقامتها منفردًا قيام الإمام بها.

وليست كسائر الصلوات؛ لأن لكل أحد فعلها منفردًا.

وأيضًا :لما كان فعل النبي صلى الله عليه وسلم للجمعة على وجه البيان، كان الإمام شرطًا فيها، لأنه يقتضي الوجوب، وكذلك فعلها.

ولم ينقل أيضًا فعلها من لدن النبي صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا إلا بسلطان، فدل أنه من شرطها.

وأيضًا :لو جازت بغير سلطان، لتنازعها الناس، ولجاز لكل أحد أن يفعلها في مسجد، فاحتيج لذلك فيها إلى سلطان يقيم رجلاً بعينه، ليقطع التنازع، ويحسم الخلاف(شرح مختصر الطحاوي، ج۲، ص۱۲۵، ۱۲۶، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة،مسألة :اشتراك السلطان لإقامة الجمعة)

[1] قال الحنفية :كل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين، وجوازها، من الإمام والجماعة، والمصر، والوقت، إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة، ولو تركها جازت صلاة العيد.

أما الإمام أي حضور السلطان أو الحاكم أو نائبه :فهو شرط أداء العيد كالجمعة، لما ثبت في السنة، ولأنه لو لم يشترط السلطان، لأدى إلى الفتنة، بسبب تجمع الناس، وتنازعهم على التقدم للإمامة لما فيها من الشرف والعلو والرفعة(الفقه الإسلامي وأدلتہ للزحيلي،ج۲،ص۱۳۸۹، القسم الاول،الباب الثاني :الصلاة ، الفصل العاشر،المبحث الرابع ـ صلاة العيدين)

قلت :أرأيت الرجل الذي لا يريد أن يشهد الجمعة، وليس له عذر من مرض ولا غيره، متى يصلي الظهر؟ قال . يصليها حين ينصرف الإمام من الجمعة .قلت :فإن صلى قبل ذلك؟ قال :يجزيه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ فقہائے حنفیہ نے جہاں نمازِ جمعہ کی صحت کے لیے سلطان کو ضروری قرار دیا ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شہر میں سلطان، خود جمعہ پڑھائے، اور جہاں سلطان جمعہ نہ پڑھائے، ان شہروں میں جمعہ ہی نہ ادا کیا جائے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہر جگہ جمعہ کو قائم کرنے کا حق، سلطان یا خلیفہ کو حاصل ہے، وہ جہاں چاہے، جمعہ پڑھائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قلت :أرأيت الإمام يمر بمصر من الأمصار أو بمدينة من المدائن فيجمع يوم الجمعة بأهلها وهو مسافر هل يجزيهم؟ قال :نعم .قلت :لم؟ قال :لأن الإمام فی هذا لا يشبه غيره؛ ألا ترى أنه لا يكون جمعة إلا بإمام .

قلت :أرأيت رجلا صلى بالناس يوم الجمعة ركعتين من غير أن يأمره الأمير؟ قال :لا يجزيهم، وعليهم أن يستقبلوا الظهر .قلت :فإن كان الأمير أمره بذلک أو كان خليفة الأمير أو صاحب شرطة أو القاضی؟ قال :تجزيهم صلاتهم(الأصل،لمحمد بن الحسن،ج ١،ص ٣١٠، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

ولا تجوز إقامتها إلا بالسطان أو من أمره السلطان(مختصر القدوری،ص١٧،كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

والسلطان من شرائط الجمعة عندنا خلافا للشافعی(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج٢، ص٢٥، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

رجل صلى الجمعة بالناس بغير إذن الإمام أو خليفته أو صاحب الشرط أو القاضی لم يجزئهم لما بينا أن السلطان شرط لإقامتها وقد عدم(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی،ج٢،ص٣٤، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

إقامة الجمعة والعيدين إليه(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی،ج٢،ص٦٢، كتاب الصلاة، باب غسل الميت،دفن الميت قبل الصلاة عليه)

جعلنا -السلطان شرطا فی الجمعة(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی،ج٢،ص١٢٠، كتاب الصلاة، باب نوادر الصلاة ،باب الجمعة)

ولا يصح افتتاح الجمعة ممن لا يكون مستجمعا لشرائطها ومن شرائطها السلطان فلهذا لا يجزيهم إلا أن يكون المتقدم ذا سلطان(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی،ج٢،ص١٢٢، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

صلاة العيد إذا فاتت لا تقضى عندنا لأنها لم تشرع إلا بجماعة وسلطان، والمنفرد عاجز عن تحصيلها(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی،ج ١،ص١٥٠، كتاب الطهارات،الفصل الخامس فی التيمم)

وقوله :وتصح صلاة العيدين بما تصح به الجمعة إشارة إلى اشتراط المصر والسلطان(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی،ج٢،ص١٠٠، كتاب الصلاة،الفصل السادس والعشرون فی صلاة العيدين)

ولا شیء على من فاتته صلاة العيد مع الإمام، وقال الشافعی :يصلی وحده كما يصلی مع الإمام،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ سلطان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مختلف شہروں میں وہاں کے امیرِ مصر، یا قاضی کو جمعہ قائم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهذا بناء على أن المنفرد هل يصلى صلاة العيد؟ عندنا لا يصلى، وعنده يصلى؛ لأن الجماعة والسلطان ليس بشرط عنده، فكان له أن يصلى وحده، فإذا فاتته مع الإمام لم يعجز عن قضائها.

فقال بالقضاء كالتراويح إذا فاتت بالجماعة فى رمضان يقضيها وحده؛ لأنه قادر على قضائها، لأنه يجوز الأداء منفردا كما يجوز بجماعة كذا ههنا .وعلماؤنا رحمهم الله قالوا :لا يجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة منها الإمام، فإذا فاتت مع الإمام فقد عجز عن قضائها، فلا يلزمه القضاء (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج٢،ص ١١٢ ، كتاب الصلاة،الفصل السادس والعشرون فى صلاة العيدين)

وإن فسدت بخروج الوقت أو فاتت عن وقتها مع الإمام سقطت، ولا يقضيها عندنا(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ١ ،ص ٢٧٩ ، كتاب الصلاة ،فصل بيان ما يفسد صلاة العيدين وبيان حكمها إذا فسدت)

ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام لم يقضها لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد(الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج ١ ،ص ٨٥، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)

وفى "السامع "فيشترط بصلاة العيد ما يشترط للجمعة الخطبة، فإنها سنة فيها.

وفى "الولوالجى :"شروط العيد مثل شروط الجمعة فى المصر، والقوم والسلطان والوقت إلا الخطبة(البناية شرح الهداية، ج٣،ص ١١٨ ، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)

(لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد) ش :أراد بالشرائط هى الشرائط المخصوصة بها، نحو الجماعة والسلطان والمصر والمنفرد عاجز عن ذلك، فلا يجب عليه صلاتها(البناية شرح الهداية، ج٣،ص ١٢٠ ، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)

وقوله (ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام) أى أدى الإمام صلاة العيد ولم يؤدها هو (لم يقضها) عندنا خلافا للشافعى فإنه قال :يصلى وحده كما يصلى مع الإمام لأن الجماعة والسلطان ليس بشرط عنده فكان له أن يصلى وحده.

وعندنا هى صلاة لا تجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة من الجماعة والسلطان، فإذا فاتت عجز عن قضائها(العناية شرح الهداية، ج٢ ،ص٧٨، ٧٩، كتاب الصلاة،باب :صلاة العيدين)

(ولا تقضى) صلاة العيد (إن فاتت مع الإمام) كلمة مع متعلقة بالضمير المستتر فى فاتت لا بفاتت والمعنى أن الإمام لو صلاها مع جماعة وفاتت عنه الصلاة بالجماعة لا يقضيها من فاتته وعند الأئمة الثلاثة تقضى(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ١ ،ص ١٧٤، كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين)

ويشترط للعيد ما يشترط للجمعة من المصر والسلطان والأذان العام إلا فى شيئين أحدهما فى الخطبة والخطبة فى صلاة العيد تخالف الخطبة فى الجمعة من وجهين أحدهما أن الجمعة لا تجوز بدون الخطبة وصلاة العيد تجوز بدونها والثانى أن فى الجمعة تقدم الخطبة على الصلاة وفى العيدين تؤخر عن الصلاة فإن قدم الخطبة فى صلاة العيد جاز أيضاً ولا تعاد الخطبة بعد الصلاة (فتاوى قاضى خان، ج ١ ،ص ١٤٢ ،كتاب الصلاة،باب صلاة العيدين وتكبيرات أيام التشريق)

کرنے کے لیے مقرر کردے، ایسی صورت میں اس شہر کا وہ امیر یا قاضی، سلطان یا خلیفہ کا نائب کہلائے گا، اور جب تک یہ سلطان یا خلیفہ کا نائب ہو، اس وقت تک، اس کی امامت میں جمعہ قائم کرنے کا حکم سلطان، یا خلیفہ والا ہی ہوگا۔

نیز اگر مسلمان، حکمران کی طرف سے لوگوں کو اپنے اپنے طور پر خود سے امام مقرر کر کے مختلف مقامات پر جمعہ قائم کرنے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت ہو، یعنی اس کی طرف سے اس طرزِ عمل کی ممانعت نہ ہو، جیسا کہ آج کل ملکِ پاکستان وغیرہ میں یہ صورتِ حال ہے، تو یہ بھی اذنِ حاکم میں داخل ہے، یعنی یہ اذنِ حاکم کی ایک وسیع ترین شکل ہے، جو پہلے زمانوں میں عام طور پر نہیں پائی جاتی تھی، اس صورت میں ظاہر ہے کہ لوگوں کے صحتِ جمعہ کے لیے کوئی مخصوص امام ضروری نہ ہوگا۔ [1]

تاہم بعض حنفیہ نے سلطان کی شرط کو انتظامی نوعیت کی قرار دیا ہے کہ بڑے مجمع میں فتنہ و انتشار کا خوف ہوتا ہے، اور سلطان وامیر کی وجہ سے اس قسم کے فتنوں سے حفاظت رہتی ہے۔

اسی وجہ سے حکمران کے بغیر فتنہ لازم نہ آنے کی صورت میں ان اہلِ علم حضرات نے حکمران کی شرط کو ضروری قرار نہیں دیا (ملاحظہ ہو: عمدۃ الفقہ، حصہ دوم، صفحہ ۲۴۴)

جبکہ بعض احناف نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے سلطان وامیر کے شرط ہونے کی کوئی معتبر دلیل نہیں" **کما قال مولانا بحرالعلوم فی رسائل الارکان: ولم اطلع علی دلیل ، یفید اشتراط امر السلطان** "(ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد ۸ صفحہ ۵۰ تا ۵۲، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: ادارۃ الفاروق، کراچی، تاریخِ طبع: 2005ء)

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین اور حکمرانوں کی شکل میں

---

[1] **فالحاصل ان حق التقدم فی اقامة الجمعة حق الخليفة الا انه لا يقدر ، ولا اقامة هذا الحق بنفسه فی كل الامصار،فيقيمها غيره بنيابته ، فالسابق فی هذه النيابة فی كل بلد الامير الذی ولی علی تلک البلدة ،ثم الشرط ، ثم القاضی، ثم الذی ولاه قاضی القضاة (الفتاویٰ التاتارخانية ، ج۲ ص۵۶، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة ، النوع الثانی فی بيان شرائط الجمعة، مطبوعة : ادارة القرآن ، كراتشی، الباكستان، تاريخ الطبع: 1990ء)**

جمعہ وعیدین کی امامت اور جمعہ کے قیام کا تعلق ہے، تو اس میں شبہ نہیں کہ ابتدائے اسلام میں یہ اور اس طرح کے بہت سے امور حکمران ہی انجام دیتے تھے، بلکہ شہروں میں فرض نمازوں کی امامت اور جنازہ وغیرہ کی امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

اور فقہائے حنفیہ نے جنازہ کی امامت کا ابتدائی استحقاق بھی سلطان کے لیے قرار دیا ہے۔ [1]

لیکن آج کے دور میں سلطان وامراء نے ان امور، بلکہ دین کے احکام سے اپنے آپ کو کافی الگ تھلگ کرلیا ہے، پس جس طرح جنازہ کے لیے آج حکمران کی موجودگی، یا اس کی اجازت کو ضروری قرار نہیں دیا جاتا، اسی طرح جمعہ کی ادائیگی وصحت کے لیے بھی اس کی اجازت، ضروری نہ ہونی چاہئے، البتہ انتظامی طور پر ضروری قرار دی جائے، اور خلاف ورزی کو قانون شکنی اور معصیتِ ولاۃ کی وجہ سے منع کیا جائے، تو الگ معاملہ ہے۔

اور بندہ سمجھتا ہے کہ سابق فقہاء اگر حکمرانوں، اور رعایا، نیز تمدنی زندگی کے موجودہ حالات کا مشاہدہ فرماتے، تو وہ سلطان کی شرط کو صحتِ جمعہ کی حیثیت سے لازم اور شرط قرار نہ دیتے۔

امام ابوبکر جصاص نے "شرح مختصرُ الطحاوی" میں ایک مقام پر فرمایا کہ:

"جمعہ، امام کے علاوہ تین افراد ہی قائم کرسکتے ہیں، جس کی دلیل، اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ "وإذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر

---

[1] وإمام الحی أحق بالصلاة علی المیت وحاصل المذهب عندنا أن السلطان إذا حضر فهو أحق بالصلاة علیه لأن إقامة الجمعة والعیدین إلیه فکذلک الصلاة علی من کان یحضر الجمعة والعیدین ولأن فی المتقدم علی السلطان ازدراء به والمأمور فی حقه التوقیر(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۲،ص ٦۲، کتاب الصلاة، باب غسل المیت،دفن المیت قبل الصلاة علیه)

قال أصحابنا :إذا حضر السلطان فهو أولی بالصلاة علی المیت .وعن أبی یوسف أن المولی أحق(التجرید للقدوری، ج۳، ۱۱۰۰،مسائل الجنائز،مسألة :السلطان أولی بالصلاة علی المیت)

(قوله :وذلک أن تقدیم الولاة واجب) لأن فی التقدیم علیهم ازدراء بهم، وتعظیم أولی الأمر واجب، کذا فی الفتح .وصرح فی الولوالجیة والإیضاح وغیرهما بوجوب تقدیم السلطان، وعلله فی المنبع وغیره بأنه نائب النبی -صلی الله علیه وسلم -الذی هو أولی بالمؤمنین من أنفسهم فیکون هو أیضا کذلک إسماعیل(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۲۲۰، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة)

اللہ'' اس کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تھوڑی اور زیادہ تعداد کے لوگوں کا جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے۔

اور امام ابو یوسف کے بارے میں ایک روایت یہ مشہور ہے کہ انہوں نے امام کے علاوہ دو افراد کو جمعہ کی نماز کے لیے کافی قرار دیا ہے، لیکن میں نے ان کی روایت کو کسی سے منقول نہیں پایا''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] قال أبو جعفر :(ولا تـقـوم الجمعة إلا بثلاثة سوى الإمام، وقال أبو يوسف بأخرة :اثنان سوى الإمام)

قال أبو بكر :الحجة قول الله عز وجل :(وإذا نوى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله) واقتضى ظاهرة جوازها بقليل العدد وكثيرة، فبطل به قول من شرط أربعين رجلاً.

فإن قيل :نثبت أنها جمعة أولاً، ثم نعتبر العموم.

قيل له :ليـس كـذلک؛ لأنـه أمـرنـا بـالسـعی إلى الذكر إذا نودى للصلاة؛ فاقتضى الظاهر وجوبها بحصول النداء .

ويـدل عليه ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم" :إن الـلـه فرض عليكم الجمعة فى مقامى هذا"، ولم يشترط عددًا، فظاهره يقتضى جوازها بسائر الأعداد.

وأيضًا :روى عـن جـابـر بن عبد الله رضى الله عنه فى قول الله عز وجل :(وتركوک قائمًا) :قال: قدمت عير فانفضوا إليهان ولم يبق إلا أثنا عشر رجلاً.

ولـم تـختلف الرواية أن ذلک كان فى شأن الجمعة، ولم يذكر رجوعهم بعد ما انفضوا، ومعلوم أن الـنبـى صـلـى الـلـه عليه وسلم لم يترک الجمعة منذ قدم المدينة، فدل على أنه صلاها بهذا العدد؛ لأنهم لو كانوا رجعوا لنقل، فلما لم ينقل :لم يجز إثبات رجوعهم، فدل على بطلان اعتبار الأربعين.

وروى الـواقـدى بـأسـانيـد ذكرها أن أول من جمع فى الإسلام مصعب بن عمير رضى الله عنه حين قـدم الـمـديـنة، وأمـره الـنبى صلى الله عليه وسلم وهو بمكة، كتب إليه أن يصلى الجمعة بعد زوار الشمس ركعتين.

وأن يـخـطـب، فجمع مصعب بن عمير رضى الله عنه فى دار سعد بن خيثمة رضى الله عنه، وهم اثنا عشر رجلاً.

قال الواقدى :وقـد روى قـوم مـن الأنـصار أن أول من جمع بهم أبو أمامة أسعد بن زرارة رضى الله عنه.

وأيضًا :فـقد اتفق الجميع على أن من شرائطها :جـمـعًا تنعقد بهم الجمعة سوى الإمام، وقد وجدنا الـجـمع الصحيح ثلاثة، وما دونها من الجمع مختلف فيه، ألا ترى أن عبد الله بن مسعود رضى الله عـنـه كان إذا كان معه رجلان، أقام أحدهما عن يمينه، والآخر عن يساره، فوجب أن لا يختلف حكم الثلاثة وما فوقها إذا لم يختلفا من حيث هو جمع صحيح، يصلح أن يكونوا أئمة فى الجمعة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک، جمعہ قائم ہونے کے لیے، امام سمیت چار افراد کا ہونا کافی ہے، اگر کہیں صرف چار افراد جمع ہو کر نمازِ جمعہ پڑھیں، تو ان کا نمازِ جمعہ درست ہے۔

اس کے علاوہ امام ابوبکر جصاص نے ''شرح مختصرُ الطحاوی ''میں ایک مقام پر، امام طحاوی کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''لوگوں کے لیے شہر میں دو مسجدوں میں جمعہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور دو سے زیادہ مقامات پر جمعہ پڑھنا جائز نہیں، امام محمد سے اسی طرح مروی ہے۔

اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ایک شہر میں نمازِ جمعہ دو جگہ، اس وقت تک جائز نہیں، جب تک اس شہر کی اس طرح دو جانب نہ ہوں کہ ان کے درمیان نہر ہو، اس صورت میں نہر کی دونوں جانب کے وہ دونوں حصے دو شہروں کی طرح ہو جائیں گے، اور اگر دو مسجدوں (یعنی دو مقامات پر ہونے والی جمعہ کی نمازوں) کے درمیان نہر نہ ہو، تو (امام ابو یوسف کے نزدیک) جمعہ اسی کا معتبر ہوگا، جو اُن میں سے پہلے پڑھے گا، اور بعد میں پڑھنے والوں پر ظہر کو لوٹانا واجب ہوگا۔

ابوبکر آمد نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ سے اس بارے میں کوئی بات محفوظ نہیں، اور پہلا قول امام محمد کا ہے، جو مسجد اور عیدگاہ میں، عید کی نماز کے مشابہ ہونے پر مبنی ہے، اور جب عید کی نماز دو مقامات پر جائز ہے، تو جمعہ بھی دو مقامات پر جائز ہوگا۔

اور امام ابو یوسف کا فرمانا یہ ہے کہ اگر جمعہ، دو مسجدوں میں جائز ہوگا، تو تین میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكما اتفقوا فى الأربعين، كان الثلاثة مثلهم، لاتفاقها فى باب الجمع الصحيح.

فإن قيل :فى حديث كعب بن مالك :أن أول جمعة جمعت بالمدينة، بأربعين رجلاً.

قيل له :ليس فيها :لا يجوز بأقل منها، وهو كما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم "أنه قطع رجلاً فى جمل سرقه"، فلا يكون تقديرًا لم يقطع فيه السارق.

وأما ما حكاه عن أبى يوسف، فإنه غير مشهور عنه، ولم أجد أحد حكى عنه(شرح مختصر الطحاوى، ج٢،ص ١٢٦ الىٰ ١٣٠، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة،مسألة :العدد الذى تنعقد به الجمعة)

اور چار میں بھی جائز ہوگا، یہاں تک کہ ہر مسجد والوں کے لیے پڑھنا جائز ہوگا، اور یہ بالاجماع ناجائز ہے، پس اسی طریقے سے دو مسجدوں میں پڑھنا بھی ناجائز ہے۔

ابوبکر فرماتے ہیں کہ حسن کرخی نے خلف بن ایوب کے واسطے سے، امام ابو یوسف کا ایک قول یہ روایت کیا ہے کہ شہر میں دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، لیکن تین مقامات پر جائز نہیں، اور امام محمد نے فرمایا کہ تین مقامات پر جائز ہے"۔انتھٰی۔ [1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ جائز ہونے کے متعلق، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی بات صراحت کے ساتھ مروی نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ کے دو شاگردوں، یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف کا اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

---

[1] قال :(ولا بـأس بأن يجمع الناس فى المصر فى مسجدين، ولا يجمع فيما هو أكثر من ذلك، هكذا روى محمد)

وقال أبو يوسف :لا يجوز الا فى مصر يكون جانبين، بينهما نهر، فيكون كمصرين، وإن لم يكن بين المسجدين نهر :فالجمعة لمن سبق منهما، وعلى الآخرين أن يعيدوا ظهرًا.

قـال أبو بكر أمد :لا يـحـفـظ عـن أبى حنيفة فى ذلک شىء ، والأول هو قول محمد، شبهة بصلاة العيدين فى المسجد، والجبانة.

وقـو روى أن عـليًـا رضى الله عنه كان يخلف رجلاً يصلى العيد بضعفه الناس فى المسجد، ويخرج هو، فيصلى بهم فى الجبانة.

والجبانة فى حكم المصر، لولا ذلک لما أجزأ فيها صلاة العيد؛ لأن من شرطها أن تفعل فى المصر، فلما جاز ذلک فى العيد بالاتفاق، جاز فى الجمعة، إذ كان من شرطهما جميعًا المصر.

ولأبى يوسف :أنـه لو جاز فى مسجدين :جـاز فـى ثـلاثة وأربعة، حتى يصلى فى كل مسجد، وهذا ساقط بإجماع، فكذلک فى مسجدين.

فأما إذا كان بين المسجدين نهر عظيم، مثل دجلة، فإن الجانبين يكونان كالمصرين، فيجوز.

(مسألة:)قال :(فإن صلى أهل المسجدين معًا :فسدت صلاتهم جميعًا فى قول أبى يوسف)

يعنى فى المصر الذى ليس فيه نهر؛ لأن أحدهما ليس بأولى لجواز الصلاة فيه من الآخر.

قال أبو بكر أحمد :وقد حكى أبو الحسن الكرخى رحمه الله عن خلف بن أيوب عن أبى يوسف أنه قال :تجزء الجمعة فى موضعين من المصر، ولا تجزء فى ثلاثة.

قال :وقال محمد :تـجـزء(شرح مختصر الطحاوى، ج٢،ص ١٣٣ الىٰ ١٣٥، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة،مسألة :تعدد الجمعة فى المصر)

لیکن مذکورہ تینوں حضرات میں سے کسی سے بھی تین سے زیادہ مقامات پر جمعہ کا جواز بصراحت ثابت نہیں۔

اسی وجہ سے متعدد حنفیہ نے امام ابوحنیفہ، یا امام محمد، یا امام ابو یوسف کی طرف ایک شہر میں تین سے زیادہ مقامات پر جمعہ کے جواز کو باطل اور بے سند قرار دیا ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس زمانے میں یہ حکم بیان کیا گیا، اس وقت شہروں میں عموماً ایک مقام پر ہی جمعہ کو قائم کیا جاتا تھا۔

اور بغداد جیسے شہر میں بڑی نہر کے دونوں اطراف میں جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ جمعہ کے دن، پل کو الگ کرنے کا حکم فرماتے تھے، تاکہ دونوں اطراف ایک دوسرے سے جدا ہوکر دو شہروں جیسا حکم حاصل کرلیں، اور اس طرح ایک شہر میں صرف ایک مقام پر ہی جمعہ کی نماز پڑھنا کہلائے۔

اسی کے ساتھ سابق زمانوں میں جمعہ کے وقت، شہروں میں جامع مسجد کے علاوہ تمام مسجدوں کو بند رکھا جاتا تھا، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔

''الکافی فی الفروع'' کا حوالہ

حاکم شہید نے ''الکافی فی الفروع'' میں فرمایا کہ:

> ''امام طحاوی نے امام ابو یوسف کے بارے میں امام کے علاوہ، دو افراد کے جمعہ قائم کرنے کا قول روایت کیا ہے۔
>
> اور امام محمد کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کو ایک شہر کے اندر دو مسجدوں میں جمعہ قائم کروانا جائز ہے، اس سے زیادہ میں جائز نہیں۔
>
> اور اصحابِ املاء نے امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ ایک شہر میں دو مسجدوں کے اندر بھی جمعہ جائز نہیں، سوائے اس کے کہ شہر کے درمیان نہر ہو،

ایسی صورت میں اس کے دونوں اطراف کا حکم دو شہروں کی طرح ہو جائے گا۔

اور اگر نہر درمیان میں حائل نہ ہو، تو جمعہ پہلے پڑھنے والوں ہی کا صحیح ہوگا، اور دوسرے لوگ اپنی ظہر کا اعادہ کریں گے۔

اور اگر دونوں مسجد والے ایک ساتھ جمعہ پڑھیں، تو ان سب کا جمعہ باطل ہو جائے گا“۔انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے جمعہ کو ایک سے زیادہ مقامات پر قائم کرنے کے متعلق امام ابو یوسف، اور امام محمد کا قول معلوم ہوا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ”الکافی“ کی عبارت سے، دو سے زیادہ مقامات پر جمعہ کا جواز ثابت نہیں۔

حاکم شہید کی ”الکافی“ میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ سے متعلق ہمیں صرف مذکورہ عبارت ہی دستیاب ہوئی، اور جو بعض حضرات نے حاکم شہید کی ”الکافی“ کی طرف اذنِ عام وغیرہ کے متعلق ایک جزئیہ کو منسوب کیا ہے، جیسا کہ آگے ”شامیة“ وغیرہ کے حوالے سے آتا ہے، اور منسلکہ فتوے میں بھی اس کو نمایاں خبر کے طور پر شائع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تو اس جزئیہ کا حاکم شہید کی ”الکافی“ میں ہمیں تلاشِ بسیار کے باوجود کوئی وجود نہیں ملا

”ومن ادعٰی، فعلیه البیان“۔

البتہ حاکم شہید کی دوسری کتاب ”المنتقٰی“ کے حوالے سے اذنِ عام سے متعلق ایک دوسرا

---

[1] وحکی الطحاوی عن ابی یوسف برجلین سوی الامام، وقام الجمعة.

(حکی عن محمد انه قال لاباس بان یجمع الامام بالناس فی مسجدین فی مصر واحد، ولا یجمع اکثر منه.

وروی الاصحاب الاملاء عن ابی یوسف انه قال لایجوز ان یجمع فی مسجدین فی مصر واحد الا ان یکون بینهما نهر، فیکون حکمه حکم المصرین.

وان لم یکن بینهما نهر، فالجمعة ممن سبق الیها، ویعیدالآخرون.

وان صلی اهل المسجدین معا فصلاتهم فاسدة (الکافی فی الفروع، الجزء الاول، ص ۲۵، کتاب الطهارة، باب صلاة الجمعة، قبل صلاة العید، مخطوطة، المکتبة الازهریة)

''غیر ظاھرُ الروایۃ ''یعنی''نادرُ الروایات'' کا جزئیہ ملتا ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے، ممکن ہے کہ حاکم شہید کی''المنتقٰی ''کے بجائے''الکافی ''خطاء سے تحریر کردیا گیا ہو، کیونکہ''الکافی ''بھی حاکم شہید ہی کی تالیف ہے۔

''ابنِ کمال باشا'' کا حوالہ

''ابنِ کمال باشا ''نے تعدُّدِ جمعہ کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ تالیف کیا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ:

''الحصر میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ دو مقامات پر جائز نہیں، اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف دو مقامات پر جائز ہے، لیکن امام ابو یوسف نے یہ شرط لگائی ہے کہ دونوں جمعہ قائم ہونے والے مقامات کے درمیان بڑی نہر فاصل ہو۔

اور امام محمد نے متعدد مقامات پر جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، اور کنز میں اسی کی پیروی کی گئی ہے، اور زیلعی نے''کثیرۃ'' کے الفاظ زیادہ کیے ہیں، لیکن یہ زیادتی باطل ہے، جس کو وہ اپنے پاس سے لائے ہیں، اور اس کا روایت میں کوئی وجود نہیں، بلکہ وہ ہر ایک جس نے مواضع، یا جوامع کا لفظ بولا ہے، جیسا کہ نظم میں ہے، اس نے تین مقامات کو مراد لیا ہے، اور جس نے دو یا زیادہ مقامات کا لفظ بولا ہے، اس نے فقط تین کو مراد لیا ہے۔

پھر ابنِ کمال باشا نے متعدد حوالہ جات سے مذکورہ مدعا کو ثابت کیا ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ''مجمع البحرین ''اور''الدرر'' وغیرہ میں جو اطلاق کے ساتھ متعدد مقامات پر جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، یہ امام محمد سے مروی روایت کے خلاف ہے۔

امام الطحاوی نے امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کیا ہے، اور بدائع میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور ایک جماعت نے امام محمد کے قول کو اختیار کیا ہے، اور انہوں نے امام ابو یوسف کے قول کے مطابق یہ بھی فرمایا کہ اگر مذکورہ شرط وقید کے بغیر شہر میں دو مقامات پر جمعہ پڑھا گیا، تو امام ابو یوسف کے نزدیک، صحیح جمعہ پہلے والا ہوگا“۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] قال فی الحصر ولایجوز بموضعین عند الامام وعند یعقوب یجوز بموضعین منه فقط ثم شرط ان یکون فیها نهر کبیر فاصل.

وجوزها محمد فی مواضع منه وعلی هٰذا مشی فی الکنز وزاد الزیلعی کثیرة وهذه الزیادة باطلة اتی بها من عنده لاوجود لها فی الروایة بل کل من قال مواضع اوجوامع کما فی النظم اراد ثلثة وکل من قال موضعین اواکثر اراد ثلثة فقط.

(بیان الاول انه قال فی الذخیرة ولا بأس بصلوة الجمعة فی موضعین وثلثة عند محمد واجاز ابویوسف فی موضعین دون ثلثة اذا کان المصر له جانبان وقال فی المحیط ولابأس بصلاة الجمعة فی موضعین و ثلاثة فی مصر واحد عند محمد دفعا للحرج، والمشقة عن الناس اذا کان البلد کبیرة فانه یشق علی اهل کل جانب المسیر الی جانب آخر، وصار کصلاة العید یجوز فی موضعین وعند ابی یوسف لایجوز فی موضعین الا اذا کان مصر له جانبان، بینهما نهر، فیصیر فی حکم مصرین، کبغداد.

وبیان الثانی انه قال فی شرح الطحاوی وذکر الکرخی فی مختصره عند محمد یجوز اقامة الجمعة فی موضعین واکثر ولفظ الکرخی الذی عبر عنه فی شرح الطحاوی ولابأس لصلاة الجمعة فی الموضع والموضعین والثلثة عند محمد.

فظهر ان مراده باکثر ثلثة.

وقطع القدوری الاحتمالات فقال فی التقریب وقال محمد یجوز فی موضعین وثلثة استحسانا ولایجوز فیما زاد للاکتفاء بالصلاة فی طرفی المصر ووسطه وقال فی شرح الکرخی واما محمد فقال ان المصر اذا عظم وبعد اطرافه وشق علی اهله المسیر من طرف الی طرف آخر جوزها فی ثلثة مواضع للحاجة الی ذالک ومازاد علی ذالک لاحاجة الیه انتهی.

وبهذا تبین ان قوله فی مجمع البحرین واجازه مطلقا وقوله فی الدرر واطلق خلاف الروایة عن محمد.

ثم اختلف فی الصحیح فاختار الطحاوی قول ابی یوسف وصححه فی البدائع، واختار جماعة قول محمد، وقالوا علی قول ابی یوسف ، الاول ان الجمعة الصحیحة هی السابقة ، فعلی هذا قالوا یتعین

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، ایک سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ جائز نہیں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔

امام محمد تو شہر میں تین مقامات تک، جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں، اور امام ابو یوسف ایک خاص صورت میں ہی، دو مقامات پر جمعہ کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں، اس کے بغیر صرف پہلے جمعہ کو ہی درست قرار دیتے ہیں، اور تین مقامات سے زیادہ پر جمعہ کا جواز، مذکورہ تینوں میں سے کسی سے صراحت کے ساتھ ثابت نہیں۔

اور حنفیہ کی متعدد تصریحات سے ثابت ہے کہ ابتداء میں شہروں کے اندر، ایک ہی جگہ قائم ہوتا تھا، اور شہر کی جامع مسجد کے علاوہ، دوسری تمام مساجد کو جمعہ کے وقت مقفل رکھا جاتا تھا۔

علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کا حوالہ

اگرچہ ہم علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کے جمعہ سے متعلق اذنِ عام کے تفصیلی موقف کو آگے آخر میں پیش کریں گے۔

لیکن چونکہ انہوں نے اذنِ عام کے مسئلہ کی بنیاد کو واضح کیا ہے، اس لیے اذنِ عام سے متعلق پہلے ان حضراتِ گرامی کے اجمالی موقف کو پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ شرنبلالی (المتوفیٰ: 1069ھ) نے ''مراقی الفلاح'' میں جمعہ کے لئے اِذنِ عام کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''صحتِ جمعہ کی پانچویں شرط، اِذنِ عام ہے۔

پس اگر حکمران نے اپنے قلعہ، یا محل کے دروازہ کو بند کر کے اپنے ساتھیوں کو جمعہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ان يصلى بعد الجمعة اربعا ينوى آخر ظهر ادركت وقته ، ولم يصل بعد ، ويقرأ في جميعها لاحتمال النفلية (رسائل ابنِ كمال باشا، الرسالة الخامسة والعشرون في تعدد الجوامع وما هو الحق فيها، وهي من المسائل المهمة، مشمولة: جلد٢، ص ٢٣٠، طبع في مطبعة اقدام ، بدارالخلافة العلية، سن١٣١٦ هجرية)

پڑھادیا، تو جائز نہ ہوگا۔

اور ''الھدایۃ'' میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا ''ظاھرُ الروایۃ'' میں ذکر نہیں پایا جاتا، یہ تو ''النوادر'' کی ایک روایت ہے۔

اور قاضی عبدالبرابن شحنہ نے قاہرہ کے قلعہ میں، جمعہ کے وقت دروازہ کے مقفل ہونے کی وجہ سے، جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن ممانعت کا قول، بظاہر قابلِ نظر ہے، کیونکہ حاکم کے اپنے قافلے کے ساتھ، محل میں نمازِ جمعہ صحیح نہ ہونے کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ جمعہ کو اپنے ساتھ مختص کرلے، اور عام لوگوں کو جمعہ سے محروم کردے، لیکن قاہرہ کے قلعہ میں جمعہ پڑھنے کے قضیہ میں یہ علت مفقود ہے، کیونکہ قاہرہ کے اس قلعے کو اگرچہ جمعہ کے وقت مقفل کردیا جاتا ہے، لیکن حاکم نے جمعہ کو اپنے ساتھ مختص نہیں کیا ہوتا، کیونکہ قلعہ کے دروازے کے قریب کئی جامع ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر خطبہ اور جمعہ ہوتا ہے، اوران کی وجہ سے قلعہ میں داخل ہونے سے منع کرنے کی وجہ سے جمعہ فوت نہیں ہوتا، لہٰذا ایسی صورت میں قلعہ کو بند کرکے صحتِ جمعہ کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] "و "الخامس من شروط صحة الجمعة "الإذن العام "كذا فى الكنز لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم حتى غلق الإمام باب قصره أو المحل الذى يصلى فيه بأصحابه لم يجز وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت ولكن لم يقض حق المسجد الجامع فيكره.

ولم يذكر فى (الهداية) هذا الشرط لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية وإنما هو رواية (النوادر).

قلت اطلعت على رسالة العلامة بن الشحنة وقد قال فيها بعدم صحة الجمعة فى قلعة القاهرة لأنها تقفل وقت صلاة الجمعة وليست مصرا على حدتها .وأقول فى المنع نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة والعلة مفقودة فى هذه القضية فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر حاکم کی اجازت سے با قاعدہ شہر کے متعدد مقامات پر نمازِ جمعہ قائم ہو، تو اس شہر میں اگر حاکم بھی اذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ پڑھے، تو اس کی نمازِ جمعہ جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں جمعہ کی حاکم کے ساتھ تخصیص باقی نہیں رہتی، جو لوگوں کے جمعہ فوت ہونے اور حاکم کے اذنِ عام کے بغیر جمعہ قائم کرنے میں تہمت کا سبب تھی، اور اس کی وجہ سے اذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ کو نا جائز قرار دیا گیا تھا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''اذنِ عام سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو عام اجازت دے دی جائے، جن لوگوں کا جمعہ پڑھنا صحیح ہو، ان میں سے کسی کو اس مقام میں داخل ہونے سے منع نہ کیا جائے، جس مقام میں جمعہ کی نماز پڑھی جارہی ہے (خواہ وہ کوئی مسجد ہو، یا قلعہ، یا کوئی دوسری عمارت ومقام ہو)

لیکن اس شرط کا حنفیہ کی ''ظاهرُ الرواية'' میں ذکر نہیں، اسی وجہ سے ''الهداية'' میں بھی اس کا ذکر نہیں، البتہ یہ ''النوادر'' میں مذکور ہے ''کنز اور الوقاية اور النقاية اور الملتقٰى'' اور (دیگر حنفیہ کی) بہت سی معتبر کتابوں میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور نماز کے دوران قلعہ کے دروازے، دشمن کی وجہ سے بند کرنے کی صورت میں اذنِ عام اس لیے موجود ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز شروع کرنے سے پہلے، ہر نماز پڑھنے والے کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور باعثِ ضرر، نمازیوں کو منع کرنا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عند باب القلعة عدة جوامع فی کل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب فی طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها .

وفی كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها(مراقی الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص۱۹۴، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

ہے، نہ کہ دشمن کو منع کرنا۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کے وقت بھی دروازوں کو بند کرنا، درست نہیں، کیونکہ نماز کی حالت میں دروازوں کو بند کرنے سے بھی نمازِ جمعہ کے لیے داخل ہونے والوں کے لیے ممانعت متحقق ہوتی ہے، چنانچہ جو شخص کچھ دور دراز سے چل کر ایسے وقت پہنچا کہ جمعہ کھڑا ہو چکا تھا، تو اس وقت دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کا جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔

اور میں کہتا ہوں کہ نماز کے دوران، دروازے بند کرنے کی صورت میں مذکورہ اختلاف کا اس صورت میں ہی پایا جانا مناسب ہے، جبکہ شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، لیکن اگر شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، تو پھر (بغیر اذنِ عام اور بغیر اشتہار کے) جمعہ کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہاں دروازے بند کرنے وغیرہ سے، جمعہ کا فوت ہونا ثابت نہیں ہوگا، جیسا کہ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے (یعنی فقہائے کرام نے اذنِ عام کی شرط کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے دوسرے لوگوں کا جمعہ فوت ہو جاتا ہے)''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] (قوله الإذن العام) أى أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه .وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وكذا فى البرجندى إسماعيل وإنما كان هذا شرطا لأن الله -تعالى -شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله (فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للاشتهار وكذا تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور تحقيقا لمعنى الاسم بدائع.

واعلم أن هذا الشرط لم يذكر فى ظاهر الرواية ولذا لم يذكره فى الهداية بل هو مذكور فى النوادر ومشى عليه فى الكنز والوقاية والنقاية والملتقى وكثير من المعتبرات......

السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أو لا .وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز. لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لا يحصل إلا بالإذن العام .اهـ.

قلت :وينبغى أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا فى محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل(ردالمحتار، ج۲ص ۱۵۱، ۱۵۲، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

علامہ شامی نے بھی تعددِ جمعہ کی صورت میں اذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، اس کی وجہ بھی وہی ہے، جو علامہ شرنبلالی کے حوالہ سے گزری کہ جمعہ کی حاکم کے ساتھ تخصیص نہیں رہتی، جو لوگوں کے جمعہ کے فوت ہونے اور حاکم کے اذنِ عام کے بغیر، جمعہ کا اپنے حق میں فیصلہ کرنے کی بناء پر تہمت کا سبب ہے۔

بہرحال علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر شہر میں متعدد مقامات پر باقاعدہ اعلان کے ساتھ جمعہ کی نمازیں ہوتی ہوں، تو اِذنِ عام ضروری نہیں رہتا، اور اگر سلطان نے مختلف مقامات پر جمعہ کو قائم کرنے کی باضابطہ اجازت دے رکھی ہو، اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں اُس شہر کے کسی حصہ میں سلطان کو بھی اِذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ پڑھنا جائز ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں شہر کے لوگوں کے صحتِ جمعہ کی شرط سلطان کے ساتھ خاص نہیں رہتی، اور اس صورت میں سلطان اِذنِ عام کے بغیر نماز پڑھ کر، کسی کی حق تلفی کرنے اور اپنے حق میں جمعہ کا فیصلہ کر کے تہمت کو اپنے سر لینے والا شمار نہیں ہوتا۔

حنفیہ نے لوگوں کی نمازِ جمعہ کی صحت کو سلطان یا اس کے نائب کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، اس لیے وہ لوگوں کو اذنِ عام دیئے بغیر جمعہ نہیں پڑھ سکتا، جب تک دوسروں کو نہ پڑھائے، یا اپنے نائب سے نہ پڑھوائے، اس لیے سلطان پر دو ذمہ داریاں ہیں، ایک خود اپنے فریضۂ جمعہ کو اداء کرنا، اور دوسرے شہر کے لوگوں کو جمعہ پڑھانا، اسی لیے وہ جب تک جمعہ کی اپنے لیے تخصیص برقرار رکھ کر جمعہ اداء کرے گا، تو ایک شرط کے مفقود ہونے کی وجہ اس کی نمازِ جمعہ درست نہ ہوگی، جس طرح رعایا پر ایک تو خود جمعہ کا فریضہ اداء کرنا ضروری ہے، دوسرے سلطان، یا اس کے نائب کی اقتداء میں اداء کرنا ضروری ہے۔

حنفی فقہائے کرام نے جس طرح رعایا کو جمعہ اداء کرنے کے لیے سلطان کا محتاج قرار دیا، اسی طرح سلطان کو اپنا جمعہ اداء کرنے کے لیے رعایا کو اذنِ عام دینے کا محتاج قرار دیا، اور اس

طرح جانبین کی رعایت کو ملحوظ رکھا۔

مذکورہ تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اذنِ عام کی شرط کی تحقیق ضروری ہے۔

ہم اس سلسلہ میں علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کے موقف کو راجح سمجھتے ہیں، اور اس کو علامہ شامی وغیرہ کا ذاتی موقف اور دوسرے حنفیہ کے خلاف سمجھنا، ہمارے نزدیک راجح نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

’’تبیینُ الحقائق و حاشیۃُ الشلبی‘‘ کا حوالہ

علامہ زیلعی نے ’’تبیینُ الحقائق‘‘ میں جمعہ کے ’’مواضعِ کثیرۃ‘‘ میں جائز ہونے کو، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول قرار دیا ہے، اور اس کو اصح فرمایا ہے، جو کہ غالباً شمس الائمہ سرخسی کی اتباع میں ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اور پھر امام زیلعی نے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کو نقل کیا ہے کہ جمعہ، ایک ہی مقام پر جائز ہے، مگر یہ کہ دونوں جمعے قائم ہونے والے مقامات کے درمیان، بڑی نہر حائل ہو، تو نہر کے آر پار مقامات پر جمعہ جائز ہوگا، بشرطیکہ دونوں کو ملانے کے لیے پُل نہ ہو، اور اگر پُل ہو، جیسا کہ بغداد میں، تو جمعہ کے دن اس کو کاٹا جائے گا، تاکہ وہ دوشہروں کے حکم میں داخل ہوجائے‘‘۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] قال -رحمه الله -(وتؤدى فى مصر فى مواضع) أى تؤدى الجمعة فى مصر واحد فى مواضع كثيرة، وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فى الاجتماع فى موضع واحد فى مدينة كبيرة حرجا بينا، وهو مدفوع وروى عن أبى حنيفة أنه لا يجوز إلا فى موضع واحد إلا أن يكون بينهما نهر عظيم كدجلة وعنه أنها لا تجوز إذا كان عليه جسر وروى عنه أنه كان يأمر برفع الجسر فإن أديت فى موضعين أو أكثر فالجمعة للأولين تحريمة وقيل :فراغا وقيل فيهما جميعا، وقيل تجوز فى موضعين ولا تجوز فى أكثر، وهو رواية عن أبى يوسف ومحمد وروى عن أبى يوسف أنها لا تجوز إلا فى موضع واحد إلا أن يكون بينهما نهر عظيم كدجلة وعنه أنها لا تجوز إذا كان عليه جسر وروى عنه أنه كان يأمر برفع الجسر فى بغداد وقت الصلاة لتكون كمصرين(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص ٢١٨، ٢١٩، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

لیکن اس سلسلے میں عرض ہے کہ ایک تو درمیان میں نہر حائل ہونے کا مذکورہ قول امام ابوحنیفہ کے بجائے، امام ابو یوسف کا ہے۔

دوسرے ''حاشیۃُ الشلبی علیٰ تبیین الحقائق ''میں شیخ علامہ زین الدین قاسم کی ''شرحُ النقایۃ'' کے حوالے سے، علامہ زیلعی کے ''مواضعِ کثیرۃ ''میں جوازِ جمعہ کی تردید کی گئی ہے، اور فرمایا کہ ''کثیرۃ'' کی زیادتی، باطل ہے، جس کا کسی جگہ کوئی وجود نہیں، پھر ابنِ کمال باشا کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق، امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ [1]

---

[1] (قوله فی مواضع كثيرة إلخ) قال شيخ شيخنا العلامة زين الدين قاسم -رحمهما الله تعالى- فی شرح النقاية ما نصه قال فی المصر :ولا تجوز بموضعين عند الإمام وعند يعقوب تجوز بموضعين منه فقط، ثم شرط أن يكون بينهما نهر كبير فاصل وجوزها محمد فی مواضع منه وعلى هذا مشى فی الكنز وزاد فی الزيلعی كثيرة وهذه الزيادة باطلة أتى بها من عنده لا وجود لها فی الرواية بل كل من قال فی مواضع أراد ثلاثة وكل من قال موضعين وأكثر أراد ثلاثة فقط بيان الأول أنه قال فی الذخيرة ولا بأس بصلاة الجمعة فی موضعين وثلاثة عند محمد وأجاز أبو يوسف فی موضعين دون ثلاثة إذا كان المصر له جانبان، وقال فی المحيط ولا بأس بصلاة الجمعة فی موضعين وثلاثة فی مصر واحد عند محمد دفعا للحرج والمشقة عن الناس إذا كانت البلدة كبيرة فإنه يشق على كل جانب المسير إلى جانب آخر وصار كصلاة العيد تجوز فی موضعين وأكثر وعند أبی يوسف لا تجوز فی موضعين إلا إذا كان مصرا له جانبان بينهما نهر فيصير فی حكم مصرين كبغداد وبيان الثانی أنه قال فی شرح الطحاوی وذكر الكرخی فی مختصره عند محمد تجوز إقامة الجمعة فی مصر جامع فی موضعين وأكثر ولفظ الكرخی الذی عبر عنه فی شرح الطحاوی ولا بأس بصلاة الجمعة فی الموضع والموضعين والثلاثة عند محمد فظهر أن مراده بأكثر ثلاثة، وقطع القدوری الاحتمالات فقال فی التقريب.

وقال محمد تجوز فی موضعين وثلاثة استحسانا ولا تجوز فيما زاد للاكتفاء بالصلاة فی طرفی المصر ووسطه وقال فی شرح الكرخی وأما محمد فقال إن المصر إذا عظم وبعد أطرافه شق على أهله المسير من طرف إلى طرف آخر فجوزها فی ثلاثة مواضع للحاجة إلى ذلک وما زاد على ذلک لا حاجة إليه اهـ .وبهذا تبين أن قوله فی مجمع البحرين وأجازه مطلقا وقوله فی الدرر وأطلق خلاف الرواية عن محمد، ثم اختلف فی الصحيح فاختار الطحطاوی قول أبی يوسف وصحح فی البدائع واختار جماعة قول محمد اهـ

(قوله لا تجوز فی أكثر إلخ) قال فی شرح الطحاوی وهكذا روى عن محمد وبه نأخذ، ولو حصلت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ متعدد محققینِ حنفیہ نے تین سے زیادہ مقامات پر جمعہ کے جواز کو امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے ثابت ہونے کی نفی کی ہے۔

اور علامہ زیلعی نے ''اذنِ عام'' کی شرط کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''جمعہ ادا ہونے کی شرط یہ ہے کہ امام (یعنی سلطان) لوگوں کو اجازتِ عام دے دے، یہاں تک کہ اگر اس نے اپنے محل کے دروازے بند کر کے، اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھا دیا، تو جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جمعہ، اسلام کے شعائر اور دین کے خصائص میں سے ہے، لہٰذا اس کو اشتہار کے طریقے پر قائم کرنا واجب ہے''۔انتہٰی۔ [1]

اس عبارت میں ''اذنِ عام کی شرط'' کی نسبت، امام وحکمران کی طرف کی گئی ہے۔

جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عند الحنفیة ''اذنِ عام کی شرط'' امام وحکمران کے حق میں مؤثر ہے۔

اور اس کی وجہ وہی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ قائم کرنے کا حق حکمران کو ہی حاصل ہے، اور لوگوں کے صحتِ جمعہ کے لیے امام وحکمران شرط ہے، تو اس کی طرف سے ہی اذنِ عام بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی المسجدین معا کانت صلاتهم جميعا فاسدة وعليهم أن يعيدوا الجمعة معا إن كانت فی وقت الظهر، وإن كان بعد خروجه صلوا الظهر أربعا هكذا ذكر الطحطاوی هنا وذكر الكرخی فی مختصره أن عند محمد تجوز إقامة الجمعة فی مصر واحد فی موضعين وأكثر وأما صلاة العيد فی موضعين وأكثر منهما فجائز إجماعا .اهـ .وفيه ولو نزل بأهل مصر نازلة وخرجوا من المصر يوم الجمعة وصلى بهم الإمام الجمعة إن كانوا فی فناء المصر صح، وإن كانوا بعيدا لا وكذا صلاة العيدين .اهـ.(حاشية الشلبی علىٰ تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۲۱۸، ۲۱۹، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

[1] قال -رحمه الله -(والإذن العام) أی من شرط أدائها أن يأذن الإمام للناس إذنا عاما حتى لو غلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز؛ لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فتجب إقامتها على سبيل الاشتهار، وإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول فيه يجوز ويكره؛ لأنه لم يقض حق المسجد الجامع(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۲۲۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

شرط ہوگا، کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کو اپنے فریضۂ جمعہ کو اداء کرنے کی کوئی دوسری جگہ موجود ہی نہ ہوگی، اوراسی وجہ سے امام وحکمران کے نمازِ جمعہ قائم کر لینے کے بعد اگر کچھ لوگ جمعہ سے رہ جائیں، توان کو اس زمانے میں خود سے نمازِ جمعہ قائم کرنا جائز نہ تھا۔

اور''حاشیۃُ الشلبی ''میں''اذنِ عام'' کو''نوادر '' کی روایت قرار دے کر''بدائعُ الصنائع ''کے حوالے سے، اس کے شرط ہونے کی دلیل میں سورہ جمعہ کی آیت کو ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

جمعہ کے شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہونے، اور سورہ جمعہ کی آیت سے اذنِ عام کی شرط کے ثبوت پر کلام آگے آتا ہے۔

''الإختیار لتعلیل المختار'' کا حوالہ

''الإختیار لتعلیل المختار''میں ہے کہ:

''جمعہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک، امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا ضروری ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے یہ مروی ہے کہ امام کے علاوہ دو بھی کافی ہیں، کیونکہ جمعہ، اجتماع سے مشتق ہے، اور وہ امام کے علاوہ دو افراد سے وجود میں آجاتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کا فرمانا یہ ہے کہ صحیح، جمع تین کو کہا جاتا ہے، اور اس سے کم میں اختلاف ہے، اور جمعہ کے لیے جماعت، بالاجماع شرط ہے، لہٰذا یہ اختلافی جمع سے ادا نہیں ہوگا۔

اور امام محمد نے فرمایا کہ ایک شہر میں دو اور تین مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھنے میں

---

[1] (قوله والإذن العام) وهي رواية النوادر وإنما كان هذا شرطا؛ لأن الله تعالى شرط النداء لصلاة الجمعة بقوله تعالى (يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للإشهار، وكذا تسمى جمعة لاجتماع الناس فيها فاقتضى أن يكون الجماعات كلها مأذونين تحقيقا لمعنى الاسم .اهـ .بدائع(حاشية الشلبي،ج ١،ص ٢٢١، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

حرج نہیں، لیکن تین سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز جائز نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ شہر میں صرف ایک ہی جگہ، جمعہ جائز ہے، کیونکہ یہی متوارث ومنقول ہے، اور اگر دو جگہ جائز قرار دیا جائے گا، تو پھر تمام مساجد میں دوسری نمازوں کی طرح جائز قرار دیا جائے گا، اور یہ جائز نہیں۔

اور امام ابو یوسف کا قول بھی امام ابوحنیفہ کے مطابق ہے، لیکن اگر ایسا مقام ہو کہ اس میں درمیان کے اندر نہر ہو، جیسا کہ بغداد، تو پھر نہروں کے آر پار دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، کیونکہ وہ ایسی صورت میں دو شہروں کی طرح ہو جاتا ہے۔

اور امام ابو یوسف جمعہ کے دن پل کو کاٹنے کا حکم دیتے تھے، تاکہ شہر کی دونوں طرف کا حصہ، ایک دوسرے سے جدا ہو کر دو شہروں کے حکم میں داخل ہو جائے۔

پس اگر شہر کے دو حصوں کے درمیان نہر نہ ہو، تو ایسی صورت میں پہلے پڑھنے والوں کا جمعہ درست ہو جائے گا، کیونکہ ان کے ساتھ کوئی مزاحم نہیں پایا جاتا، اور وہ اپنے وقت میں شرائط کے ساتھ واقع ہوا ہے، لیکن دوسرے لوگوں کا جمعہ فاسد ہو جائے گا، اور وہ ظہر کی قضاء کریں گے۔

اور اگر دونوں مسجد والے ایک وقت میں جمعہ کی نماز پڑھ لیں، یا پہلے پڑھنے والوں کا پتہ نہ چلے، تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور شک پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ ذمہ داری سے بری نہیں ہوں گے''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] قال :(ولا بد من الجماعة) لأنها مشتقة منها، ولا خلاف في ذلك .واختلفوا في كميتها.

قال أبو حنيفة :لا بد من ثلاثة سوى الإمام، وأن يكون الإمام والثلاثة ممن يجوز الاقتداء بهم في غير الجمعة .وقال أبو يوسف ومحمد :اثنان سوى الإمام، والأصح أن محمدا مع أبي حنيفة .لأبي يوسف أن الاثنين جماعة لأنه مشتق من الاجتماع وقد وجد .ولهما أن الجمع الصحيح ثلاثة وما دونها مختلف فيه، والجماعة شرط بالإجماع فلا يتأدى بالمختلف .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت سے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے متعدد مقامات پر جمعہ سے متعلق اقوال معلوم ہوئے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں یا تو صراحتاً کچھ مروی نہیں، یا صرف ایک ہی مقام پر جمعہ کا جواز مروی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق زمانوں میں شہر کے اندر ایک ہی جمعہ کا تعامل رہا ہے، تعددِ جمعہ کے قول پر عام طور سے عمل نہیں رہا، اسی لیے شہر کی ایک جامع مسجد کے علاوہ تمام مساجد کو بند کرنے کا معمول رہا۔

چنانچہ ''الإختيار لتعليل المختار'' میں ہی ہے کہ:

''اور آج تک تمام زمانوں اور شہروں میں جمعہ کے وقت عام مساجد کو بند کرنے کا تعامل جاری رہا ہے''۔انتہٰی۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال محمد :لا بأس بصلاة الجمعة فى المصر فى موضعين وثلاثة ولا يجوز أكثر من ذلک؛ لأن المصر إذا بعدت أطرافه شق على أهله المشى من طرف إلى طرف فيجوز دفعا للحرج، وأنه يندفع بالثلاث فلا حرج بعدها، ولهذا كان على -رضى الله عنه - يصلى العيد فى الجبانة، أى المصلى، ويستخلف من يصلى بضعفة الناس بالمدينة، والجبانة من المدينة، والخلاف فى الجمعة والعيد واحد.

وقال أبو حنيفة :لا تجوز إلا فى موضع واحد لأنه المتوارث، ولأنه لو جاز فى موضعين لجاز فى جميع المساجد كغيرها من الصلوات وأنه ممتنع .

وقال أبو يوسف كذلک إلا أن يكون بين الموضعين نهر فاصل كبغداد لأنه يصير كمصرين .

وكان أبو يوسف يأمر بقطع الجسر يوم الجمعة لتنقطع الوصلة بين الجانبين.

فإن لم يكن بينهما نهر فالجمعة لمن سبق لعدم المزاحم، وقد وقعت فى وقتها بشرائطها، وتفسد جمعة الآخرين ويقضون الظهر.

فإن صلى أهل المسجدين معا، أو لا يدرى من سبق فصلاة الكل فاسدة لعدم الأولوية فلا يخرج عن العهدة بالشک(الاختيار لتعليل المختار،ج ١ ،ص ٨٣، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

[1] وقد جرى التوارث فى جميع الأمصار والأعصار بغلق المساجد وقت الجمعة (الاختيار لتعليل المختار، ج ١ ص ٨٤ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

’’فتاویٰ قاضیخان‘‘ کا حوالہ

’’فتاویٰ قاضیخان‘‘ میں ہے کہ:

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ایک شہر میں دوجگہ جمعہ جائز ہے، اور تین مقامات پر جمعہ جائز نہیں، اور اسی طریقے سے امام محمد سے بھی مروی ہے۔

اور امام ابو یوسف سے امالی میں مروی ہے کہ ایک شہر کی دو مسجدوں میں جائز نہیں، مگر جبکہ ان کے درمیان بڑی نہر ہو، تو ہی دوجگہ جمعہ جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، ایسی صورت میں پہلے لوگوں کا جمعہ صحیح ہوگا، اور اگر وہ دونوں ایک ساتھ پڑھیں، تو دونوں کا فاسد ہوگا‘‘۔انتھیٰ۔ [1]

مذکورہ عبارت سے بھی امام ابوحنیفہ اور آپ کے دو مشہور تلامذہ کا قول تعددِ جمعہ کے بارے میں معلوم ہوا۔

’’خلاصۃُ الفتاویٰ‘‘ کا حوالہ

’’خلاصۃُ الفتاویٰ‘‘ میں ایک شہر کے اندر امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو مقامات پر جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور تین مقامات پر جمعہ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، اور امام محمد کے نزدیک تین مقامات پر، جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور امام ابو یوسف سے اصحابِ

---

[1] وتجوز الجمعة فی موضعین فی مصر واحد فی قول أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله تعالی ولا تجوز فی ثلاث مواضع وهکذا روی عن روی عن محمد رحمه الله تعالی وروی أصحاب الأمالی عن أبی یوسف رحمه الله تعالی أنه لا یجوز فی المسجدین من مصر واحد إلا أن یکون بینهما نهر کبیر فکان حکمه حکم مصرین فإن لم یکن بینهما نهر فالجمعة لمن سبق منهما فإن صلوا معاً فسدت صلاتهم جمیعاً وعن محمد رحمه الله تعالی جواز الجمعة فی ثلاث مواضع (فتاوی قاضی خان، ج ۱، ص ۱۳۹، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

املاء کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اگر شہر کے درمیان بڑی نہر ہو، تو ہی دو جگہ یعنی نہر کے آر پار مقامات پر جمعہ جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، ایسی صورت میں پہلے لوگوں کا جمعہ صحیح ہوگا، اور اگر ایک ساتھ پڑھیں، تو دونوں کا فاسد ہوگا۔ [1]

''الفتاویٰ التتارخانیة'' کا حوالہ

''الفتاویٰ التتارخانیة للاندریتی ''(المتوفیٰ:786ہجری) میں ہے کہ:

''امام محمد کے نزدیک، ایک شہر میں دو یا تین جگہ جمعہ قائم کرنے میں حرج نہیں، اور ''الولوالجیة ''میں ہے کہ ایک شہر میں دو مقامات پر جمعہ قائم کرنا، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جائز ہے، اور ''العتابیة ''میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں مروی ہیں، زیادہ راجح اور اظہر یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک شہر میں دو مقامات پر نمازِ جمعہ جائز نہیں۔

اور امام ابو یوسف نے دو مقامات پر جائز قرار دیا ہے، ''جامعُ الجوامع ''میں ہے کہ جب کہ شہر بڑا ہو، مگر تین مقامات پر جائز نہیں، اور ''الخانیة'' میں ہے کہ امام محمد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

اور ''الامالی '' کی روایت میں امام ابو یوسف سے دو مقامات پر اسی صورت میں جواز مروی ہے، جب کہ شہر کی دو جوانب ہوں، اور ان کے درمیان بڑی نہر ہو، جس کی وجہ سے وہ دو شہروں کے حکم میں ہو جائے، جیسا کہ بغداد، اور ''العتابیة''

---

[1] نوع منه اقامة الجمعة فى المصر فى موضعين، يجوز عند ابى حنيفة وابى يوسف، ولايجوز فى ثلاثة مواضع، وعن محمد انها يجوز فى ثلاثة مواضع، وفى واقعات قاضى خان لم يذكر قول ابى حنيفة، وانما ذكر الاختلاف بين ابى يوسف ومحمد، وفيه روى اصحاب الاملاء عن ابى يوسف ، انه لايجوز فى مسجدين فى مصر واحد ، الا ان يكون بينهما نهر كبير، حتى كان حكمه حكم مصرين، فان لم يكن بينهما نهر، فالجمعة لمن سبق منهما ، فان صلو معا فسدت صلاتهم جميعا(خلاصةُ الفتاوىٰ، ج ا ص ۲۱۱، ۲۱۲، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون فى صلاة الجمعة، مطبوعة: امكتبۂ رشيدية، كوئته ، الباكستان)

میں ہے کہ امام ابو یوسف نے یہ بھی فرمایا کہ جب نہر پر پل ہو، تو پھر دو مقامات پر جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ باہم جڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے ایک ہی شہر کا حکم رکھتے ہیں''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کا ناجائز ہونا راجح ہے، اور امام ابو یوسف تو ''أمالی'' کی روایت کے مطابق، جب تک شہر کے درمیان بڑی نہر نہ ہو، اس وقت تعددِ جمعہ کو ناجائز کہتے ہیں، جیسا کہ متعدد حضرات نے تصریح کی ہے۔

البتہ امام محمد کے نزدیک ایک شہر میں دو مقامات پر نمازِ جمعہ جائز ہے۔

اور متعدد فقہائے کرام کے حوالہ جات اور تاریخی اوراق سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور بعد کے ادوار میں ایک زمانے تک شہروں میں ایک ہی مقام پر نمازِ جمعہ اداء ہوتا رہا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر کسی شہر میں پہلے سے ایک مقام پر جمعہ ہوتا ہو، تو عندالحنفیۃ تعددِ جمعہ پر عمل کرنے کے لیے سلطان کی طرف سے تعددِ جمعہ کا اعلان ضروری ہوگا، تاکہ لوگ یہ بات جان لیں کہ اب ہمارے صحتِ جمعہ کی شرط فلاں جگہ بھی پوری ہوسکتی ہے، اور سلطان یہ فیصلہ اپنے حق میں کرنے کی وجہ سے تہمت کا مرتکب شمار نہ ہو۔

---

[1] ولا بأس بالجمعة فی موضعین او ثلاثة فی مصر واحد عند محمد، وفی الکافی خلافا للشافعی رحمه الله، وفی الولوالجیة: و اقامة الجمعة فی موضعین فی مصر واحد الصحیح عند ابی حنیفة، و محمد یجوز، العتابیة: عن ابی حنیفة روایتان، والاظهر انه لا یجوز فی موضعین م: و اجاز ابو یوسف فی موضعین ، جامع الجوامع: اذا کان البلد عظیما دون الثلاث، و فی الخانیة: وهکذا روی عن محمد رحمه الله،م :و فی روایة الأمالی أجاز ابو یوسف فی الموضعین اذا کان مصرا لهٗ جانبان بینهما نهر عظیم حتی یصیر فی حکم مصرین کبغداد، العتابیة:و عن ابی یوسف لا یجوز اذا کان علیه جسر (الفتاویٰ التتارخانیة ، ج۲ص۵۰، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة ، النوع الثانی فی بیان شرائط الجمعة، مطبوعة : ادارة القرآن ، کراتشی، الباکستان، تاریخ الطبع:1990ء)

اس کے بغیر سلطان، یا امیر کا چھپ کر اپنے لیے تعددِ جمعہ کی راہ نکالنا درست نہیں، کیونکہ وہ تعددِ جمعہ کا باضابطہ اعلان کیے بغیر بھی، یعنی جب تک اس کو قضائی درجہ نہ دے، دراصل دوسروں کے لیے جمعہ پڑھانے والا ہوتا ہے، لہٰذا جب تک اس کے پاس دوسروں کا حقِ جمعہ وابستہ ہے، اس کو دوسروں کی حق تلفی کر کے اپنا جمعہ قائم کرنا، ایک طرح سے اپنے حق میں فیصلہ کرنے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔

چنانچہ''الفتاویٰ التتارخانیة''میں ہی ہے کہ:

اِذنِ عام یہ ہے کہ جامع کے دروازے کھول دیے جائیں (جبکہ جامع میں جمعہ اداء کیا جارہا ہو، جیسا کہ اس زمانے میں رواج تھا) اور تمام لوگوں کو اجازت دیدی جائے، یہاں تک کہ اگر لوگوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اور مسجد کے دروازے بند کر کے جمعہ پڑھ لیا، اور محافظین کو اندر جانے سے روکنے کے لیے بٹھادیا، تو ان کا جمعہ جائز نہ ہوگا (کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی نمازِ جمعہ رہ جائے گی) اور اسی طرح اگر امیر نے اپنے گھر میں لوگوں کو جمع کر کے جمعہ پڑھ لیا، تو اگر اس نے دروازہ کھول دیا، اور اجازتِ عام دیدی، تو جمعہ جائز ہوگا، ورنہ نہیں''۔انتھیٰ۔ [1]

مذکورہ عبارت سے''اذنِ عام'' کی قید کا حکمران کے ساتھ تعلق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عند الحنفیۃ اس زمانے میں صحتِ جمعہ کے لیے سلطان شرط لازمی تھا، اور سلطان کے ساتھ ہی جمعہ

---

[1] الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن بالناس كافة، حتى أن جماعة لو اجتمعوا فى الجامع، وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم، وجمعوا لم يجزهم، وكذلك السلطان إذا أراد أن يجمع بحشم فى داره، فإن فتح باب الدار فأذن إذنا عاما، جازت صلاته ، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب ، وأجلس البوابين عليها، ليمنعوا عن الدخول لم يجزهم الجمعة . جامع الجوامع: فتح الأمير أبواب قصره، وأذن وخطب وجمع بالناس جاز ويكره (الفتاوىٰ التاتارخانية ، ج٢ص ٧٠، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة ، النوع الثانى فى بيان شرائط الجمعة، مطبوعة : ادارة القرآن ، كراتشى، الباكستان، تاريخ الطبع:1990ء)

کا قیام مختص تھا، اور جمعہ کا قیام بھی شہر میں عموماً ایک مقام پر ہوتا تھا، ایسی صورت میں جامع کے دروازے کھولنے کا حکم بھی سلطان کے لیے ہوگا، جو کہ جمعہ قائم کرتا ہے، اسی وجہ سے اگر وہ اپنے محل کے دروازے بند کر کے جمعہ پڑھے، تو اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اور سلطان کے جمعہ کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے فریضۂ جمعہ کی صحت، سلطان کے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے پر موقوف ہے، اور جب سلطان اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے سے لوگوں کو منع کر دے گا، یا اپنے ساتھ شریک نہیں کرے گا، تو ایسی صورت میں لوگوں کو خود سے جمعہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کے لیے حکمران شرط ہے، اور اس طرح لوگوں کے جمعہ کا فریضہ، ذمہ میں باقی رہ جائے گا۔

اذنِ عام کے حکمران کے ساتھ مختص ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نوادر کی جس روایت سے اذنِ عام کی شرط کو اخذ کیا گیا ہے، اس میں بھی حکمران کا ہی ذکر ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

''الفتاویٰ التتارخانية'' میں ہی ہے کہ:

> حاکم شہید نے ''المنتقٰی'' میں ذکر کیا ہے کہ اگر امیر نے اتفاق سے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم کیا، اور خود اپنی ضرورت سے چلا گیا، پھر وہ امیر شہر میں واپس آیا، اور کسی مسجد میں داخل ہو کر، جمعہ پڑھ لیا، تو اس کا جمعہ جائز نہیں ہوگا۔
>
> مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ جب لوگ اس کے جمعہ پڑھنے کو جان لیں، ایسی صورت میں یہ دو مقامات پر جمعہ پڑھنے کی طرح ہو جائے گا، جو کہ جائز ہے۔
>
> اور اگر امام جمعہ کے دن استسقاء کے لیے نکلا، جس کے ساتھ بہت سے لوگ نکلے، اور اس نے اپنے پیچھے ایک شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کے لیے چھوڑ دیا، پھر جب جمعہ کا وقت آیا، تو اس امیر نے لوگوں کو عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھا دی،

اور وہ عید گاہ شہر سے ایک غلوہ کے فاصلے پر تھی، اور اس امیر کے نائب نے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا دی، تو دونوں کی نماز درست ہوجائے گی، اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عید گاہ میں نمازِ جمعہ جائز ہے''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جو حاکم کی ''المنتقٰی '' کی عبارت نقل کی گئی ہے، وہ ''نوادرُ الروایۃ '' ہے۔

''المنتقٰی فی فروع الحنفیۃ '' کے نام سے دراصل حاکم شہید کی کتاب ہے، جس کو ''المنتقٰی فی الفروع ''اور ''المنتقٰی '' کے نام سے بھی شہرت حاصل ہے۔

فقہ حنفی میں امام محمد کی کتابوں کے بعد ''المنتقٰی '' کو اہم ترین بنیادی ماخذ قرار دیا جاتا ہے، اس میں ''الکافی '' کے مقابلے میں خاص طور پر نوادر کے اقوال کو نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ ''المنتقٰی ''میں مذکور نوادر کے اس جزئیہ سے جس میں امیر کے لوگوں کے علم میں لاکر جمعہ کو صحیح قرار دیا گیا ہے، اس سے جمعہ کے اذنِ عام کے شرط ہونے کو اخذ کیا گیا ہے، اور یہ دراصل امام محمد کا قول ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، جن کے نزدیک سلطان، یا اس کا نائب ''امیر'' اہلِ شہر کے جمعہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔

اور پہلے باحوالہ یہ معلوم ہو چکا کہ تعددِ جمعہ میں امام محمد اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور امام ابو یوسف کے قول کا تقاضا تو یہ تھا کہ مذکورہ عبارت میں

---

[1] ذکر الحاکم الشهید فی المنتقیٰ مرسلا(کذا) أمیر أمر إنسانا بأن یصلی بالناس الجمعة فی المسجد الجامع، وانطلق إلی حاجة له ثم دخل المصر، ودخل بعض المساجد، وصلی الجمعة، لایجزیه، إلا أن یکون الناس علم بذلک ، فهذا کالجمعة فی موضعین ، وإنه جائز، وإذا خرج الإمام یوم الجمعة للاستسقاء ، وخرج معه ناس کثیر وخلّف إنسانا یصلی بهم فی المسجد الجامع (فلما حضرت الصلاة علی بهم الجمعة فی الجبانة وهو علی غلوة من المصر، وصلی خلیفته فی المسجد الجامع) یجزیه، ودلت المسئلة علی أن الجمعة فی الجبابة جائزة (الفتاویٰ التتارخانیة ، ج۲ص ۸۱،۸۲، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة ، نوع آخر من هذا الفصل فی المتفرقات، مطبوعة : ادارة القرآن ، کراتشی، الباکستان، تاریخ الطبع:1990ء)

مذکوردونوں صورتوں میں دوسرا جمعہ صحیح نہ ہو، کیونکہ ان کے نزدیک اس طرح کی صورتِ حال میں پہلا جمعہ صحیح ہوتا ہے، لیکن دوسرے جمعہ کو جو درست قرار دیا گیا، وہ بظاہر امام محمد کے قول کے مطابق ہے، اوراس صورت پر مبنی ہے، جبکہ شہر میں پہلے سے صرف ایک جگہ جمعہ ہوتا ہو، پھران میں سے دوسری صورت میں یعنی عیدگاہ کے اندر جمعہ کواس لیے جائز قرار دیا گیا کہ امام کے ساتھ بہت سے لوگ موجود ہیں، جو اِس کے جمعہ قائم کرنے کو جانتے، بلکہ اس کے ساتھ شریک ہیں، اوراذنِ عام موجود ہے، نیز عیدگاہ، نمازِ عید کے بڑے مجمع کے لیے معروف مقام ہے، اور حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید کو، شرائط کے اعتبار سے نمازِ جمعہ کے ساتھ مشابہت حاصل ہے، اس لیے علاقہ کے بڑے مجمع کے ساتھ عیدگاہ میں نمازِ جمعہ میں امام کا جمعہ کواپنے ساتھ خاص کرنا، یااپنے حق میں تعددِ جمعہ کا فیصلہ کرنا نہیں پایا جاتا، برخلاف دوسری صورت کے کہ اس میں امام خود اتفاقاً اپنی حاجت سے شہر سے باہر گیا تھا، اور واپس آ کر وہ خود جمعہ قائم کررہا ہے، اس صورت میں لوگوں کے جمعہ کی نماز کو جان لینے کی قید لگائی گئی ہے، اوراس صورت میں اس کو شہر میں دوجگہ جمعہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اوراسی جزئیہ سے اذنِ عام کی شرط کو لیا گیا ہے۔

اس صورت میں لوگوں کے جان لینے کی جو شرط لگائی گئی، اوراس کے نتیجہ میں یہ فرمایا گیا کہ اس صورت میں یہ شہر میں دومقامات پر جمعہ پڑھنے کی طرح ہوجائے گا۔

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جزئیہ، دراصل اس صورت سے متعلق ہے، جب شہر میں پہلے ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو، اور حکمران نے عارضی طور پر دوسرے کو نائب بنا کر اہلِ شہر کو جمعہ پڑھانے کے لیے مقرر کیا ہو، ایسی صورت میں بھی جمعہ کے قیام کا اصل حق حکمران کا ہی ہے، اس صورت میں لوگوں کے جان لینے کی قید اس لیے ضروری ہوگی، تاکہ ایک تو تعددِ جمعہ کو قضائی حکم حاصل ہوکر، سب کے لیے رافعِ اختلاف بن جائے، دوسرے جمعہ کی حکمران کے ساتھ تخصیص نہ رہے، جو لوگوں کے جمعہ فوت ہونے کا سبب، یااس کی طرف مفضی ہے، اور

حاکم، امیر یا سلطان کا لوگوں کے علم میں لائے بغیر اس طرح جمعہ قائم کرنا، درحقیقت اپنے لیے فیصلہ کرنا ہے، جو موضعِ تہمت کی وجہ سے ناجائز ہے، کیونکہ وہ اپنے حق میں فیصلے کے اعتبار سے رعیت کے درجہ میں ہوتا ہے، اور جب وہ لوگوں کے علم میں لاکر دوسری جگہ جمعہ قائم کرے گا، تو وہ یہ فیصلہ اپنے بجائے رعایا کے حق میں کرنے والا شمار ہوگا۔ [1]

---

[1] لا يجوز للقاضى أن يحكم فيما لا يقبل فيه شهادته فلا يقضى لنفسه، ولا يقضى لأحد من أصوله وفروعه، وإن نزلوا أو علوا، ولا لشريكه فيما له فيه شركة، ولوكيله فيما هو موكل فيه، فإن فعل لم ينفذ حكمه، وإلى هذا ذهب جمهور الفقهاء .وذلك لموضع التهمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص ۹۴، مادة"تهمة")

لا يجوز للقاضى أن يحكم لنفسه ولو رضى خصمه بذلک، فإن حكم على نفسه فيكون كالإقرار منه بما ادعى خصمه عليه، ولا يحكم لشريكه فى المشترک .

ويجوز أن يحكم للإمام الذى قلده، أو يحكم عليه، فقد قلد على بن أبى طالب رضى الله عنه شريحا وخاصم عنده؛ لأن القاضى نائب عن جماعة المسلمين وليس نائبا عن الإمام.

ولا يجوز قضاؤه لمن لا تقبل شهادته له؛ لأن مبنى القضاء على الشهادة، ولا يصح شاهدا لمن لا تقبل شهادته له، فلا يصح قاضيا له لمكان التهمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۳، ص ۳۲۶، مادة"قضاء")

وكذلک الحاكم لا يجوز أن يحكم لنفسه، ويجوز أن يحكم له غيره(البناية شرح الهداية، ج ۹، ص ۲۲۶، كتاب الوكالة، الوكالة بإثبات الحدود والقصاص بإقامة الشهود)

(سئل) هل يصح حكم الحاكم لأبيه وابنه أم لا؟

(الجواب) : هذه المسألة أجمع علماء الأئمة الأربعة على عدم جوازها قال الإمام الجليل أبو الحسن أحمد بن محمد القدورى من أئمة الإمام الأعظم أبى حنيفة -رحمه الله تعالى -فى مختصره المبارک المعروف به وحكم الحاكم لأبويه وولده وزوجته باطل اهـ وهى دوارة فى متون المذهب من باب التحكيم وقال العلامة الشيخ خليل فى مختصره من كتب الإمام مالک بن أنس إمام دار الهجرة -رحمه الله تعالى -ولا يحكم الحاكم لمن لا يشهد له على المختار اهـ قال شارحه التتائى كابنه وأبيه وزوجته ونحوهم اهـ وقال العلامة ابن حجر الهيتمى من أئمة الإمام الجليل محمد بن إدريس الشافعى -رحمه الله تعالى -فى كتاب القضاء فى التحفة تحت قول المنهاج ولا ينفذ حكمه لنفسه ثم قال وكذا أصله وفرعه على الصحيح قال ابن حجر؛ لأنهم أبعاضه فكانوا كنفسه اهـ وقال العلامة الشيخ موسى الحجاوى فى كتاب الإقناع فى مذهب الإمام الجليل المحدث الإمام أحمد بن حنبل -رحمه الله تعالى -فى كتاب القضاء ولا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رہی وہ صورت، جس میں امام وحکمران نے جمعہ کے انعقاد کو اپنے لیے خاص ہی نہ رکھا ہو، بلکہ اس کی طرف سے اہلِ مصر کے لیے قضاءً تعددِ جمعہ کا انتظام موجود ہو، اور وہ لوگوں کو معلوم و

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يصح أن يحكم لنفسه ولا لمن لا تقبل شهادته له وقال فی كتاب الشهادات موانع الشهادة ستة أحدها قرابة الولادة فلا تقبل من عمودی النسب بعضهم لبعض من والد وإن علا ولو من جهة الأم وولد وإن سفل من ولد البنين والبنات(العقود الدرية فی تنقيح الفتاوى الحامدية، ج ا ،ص ٢٩٦ ،كتاب القضاء)

(فروع ليس للقاضی تزويج الصغيرة من نفسه ولا ممن لا تقبل شهادته)

(قوله ولا ممن لا تقبل شهادته له) كأصوله وإن علوا، وفروعه وإن سفلوا ط (قوله علم أن فعله حكم) أی وليس له أن يحكم لنفسه لأنه فی حق نفسه رعية وكذا السلطان ح عن الهندية.

(تنبيه) أفتى ابن نجيم بأن القاضی إذا زوج يتيمة ارتفع الخلاف، فليس لغيره نقضه أی لما علمت من أن ذلك حكم منه ثم رأيت ما أفتى به فی أنفع الوسائل (قوله وإن عری عن الدعوى) وأما قولهم على شرط نفاذ القضاء فی المجتهدات أن يصير الحكم حادثة تجری فيه خصومة صحيحة عند القاضی من خصم على خصم فالظاهر أنه محمول على الحكم القولی، أما الفعلی يشترط فيه ذلك توفيقا بين كلامهم نهر.

قلت :وكذا القضاء الضمنی لا تشترط له الدعوى والخصومة كما إذا شهدا على خصم بحق وذكرا اسمه واسم أبيه وجده وقضى بذلك الحق كان قضاء بنسبه ضمنا وإن لم يكن فی حادثة النسب، وكذا لو شهدا بأن فلانة زوجة فلان وكلت زوجها فلانا فی كذا على خصم منكر وقضى بتوكيلها كان قضاء بالزوجية بينهما ونظيره الحكم بثبوت الرمضانية فی ضمن دعوى الوكالة وتمامه فی قضاء الأشباه(رد المحتار على الدر المختار، ج٣،ص ٨٠، كتاب النكاح،باب الولی)

فإن قلت :فماذا تفعل فيما اتفقت كلمتهم عليه من أن شرط نفاذ القضاء فی المجتهدات أن يصير الحكم حادثة تجری فيه خصومة صحيحة عند القاضی من خصم على خصم، قلت :الظاهر إنه محمول على الحكم القولی أما الفعلی فلا يشترط فيه ذلك توفيقا بين كلامهم(منحة الخالق،ج٣،ص ١٣٤ ،كتاب النكاح،باب الأولياء والأكفاء)

القاضی لا يقضی لنفسه بالإجماع(منحة الخالق،ج٧،ص ١٤ ،كتاب القضاء ،باب كتاب القاضی إلى القاضی وغيره)

ليس للقاضی أن يحكم لنفسه أو لمن لا تجوز شهادتهم له فإذا حكم لا ينفذ حكمه لأن فی ذلك تهمة(درر الحكام فی شرح مجلة الأحكام،لعلی حيدر خواجه أمين أفندی، ج٤،ص ٦١٤ ،الكتاب السادس عشر القضاء،الباب الأول فی حق القضاة،الفصل الثالث،المادة 1808)

مشہور ہو، تو وہ مذکورہ صورت سے خارج ہے، کیونکہ اس میں حکمران نے خود ہی لوگوں کو دوسری جگہ اذنِ عام دے کر جمعہ کی اپنے ساتھ تخصیص کو غیر مؤثر قرار دے دیا ہے، اور ایسی صورت میں حکمران کے اذنِ عام کے بغیر جمعہ پڑھنے کی حیثیت اپنے لیے فیصلہ کرنے کی شمار نہیں ہوتی، جو کہ ''موضعِ تہمت'' تھی، جیسا کہ علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کے حوالہ سے گزرا۔

اور آج ہمارے یہاں کی حالت سابق زمانوں سے یکسر مختلف ہے، چنانچہ عرب وغیرہ ممالک میں مسلم حکمرانوں کی طرف سے جگہ جگہ تعددِ جمعہ کا نظم و انتظام لوگوں کو معلوم ہے، اور پاکستان جیسے ممالک میں حکمران کی طرف سے اپنے اپنے طور پر امام مقرر کر کے لوگوں کو جمعہ پڑھنے کی دلالتاً اجازت ہے، اور ہندوستان جیسے ممالک میں حکمران، غیر مسلم ہیں، وہاں بھی مسلمان خود اپنے اپنے طور پر امام کو مقرر کر کے جمعہ قائم کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اگر چند لوگ اپنے طور پر بغیر اعلان کے نمازِ جمعہ اداء کریں گے، تو وہ سابق زمانے کے سلطان یا امیر کی طرح، خود سے کسی کے جمعہ کو فوت کرنے اور سلطان کی طرح اپنے حق میں کوئی قضائی فیصلہ کرنے والے شمار نہیں ہوں گے، کیونکہ ان میں سے کوئی شخص بھی سابق زمانے کے سلطان، یا امیر کی طرح ایسا نہیں، جس کی یا اس کے نائب کی متعین طور پر موجودگی اہلِ شہر کے جمعہ صحیح ہونے کے لیے شرط ہو، اور اس حیثیت سے اذنِ عام کے بغیر اس کا جمعہ پڑھنا، اپنے حق میں فیصلہ کی وجہ سے موضعِ تہمت ہو۔

''المبسوط للسرخسی'' کا حوالہ

شمس الائمہ سرخسی (المتوفی:483ھ) نے ''المبسوط'' میں فرمایا کہ:

''اور ہمارے نزدیک، جمعہ کی شرائط میں سے ''سلطان'' کا ہونا بھی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اس سے اختلاف کرتے ہیں، اور وہ جمعہ کو، دوسری تمام فرض

نمازوں کی ادائیگی پر قیاس کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ جمعہ کی ادائیگی میں سلطان اور رعایا برابر ہیں۔

اور ہماری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے کہ جس نے جمعہ کو سستی وغیرہ کی وجہ سے ترک کر دیا، اور اس کا حکمران تھا، خواہ ظالم یا عادل، تو اس کا نماز، روزہ قبول نہیں ہوگا۔ [1]

---

[1] علامہ سرخسی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے، جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس کے پورے الفاظ، انہوں نے ''باب صلاۃ الجمعۃ'' کے شروع میں درجِ ذیل طریقہ پر ذکر کیے ہیں۔

والسنة حديث جابر – رضى الله عنه – قال :خطبنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم - فقال :أيها الناس توبوا إلى ربكم قبل أن تموتوا وتقربوا إلى الله بالأعمال الصالحة قبل أن تشغلوا وتحببوا إلى الله بالصدقة فى السر والعلانية تجبروا وتنصروا وترزقوا واعلموا أن الله تعالى كتب عليكم الجمعة فى يومى هذا فى شهرى هذا فى مقامى هذا فمن تركها تهاونا بها واستخفافا بحقها وله إمام جائر أو عادل فلا جمع الله شمله ألا فلا صلاة له ألا فلا صوم له إلا أن يتوب فإن تاب تاب الله عليه(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسي ،ج٢،ص ٢١،٢٢، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

لیکن مذکورہ روایت کی سند پر کلام ہے، جبکہ بعض روایات میں ''امام'' کے الفاظ موجود نہیں۔

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، حدثنا الوليد بن بكير، حدثنى عبد الله بن محمد العدوى، عن على بن زيد، عن سعيد بن المسيب،عن جابر بن عبد الله، قال: خطبنا رسول الله – صلى الله عليه وسلم –؛ فقال:" يا أيها الناس، توبوا إلى الله قبل أن تموتوا، وبادروا بالأعمال الصالحة قبل أن تشغلوا، وصلوا الذى بينكم وبين ربكم بكثرة ذكركم له، وكثرة الصدقة فى السر والعلانية؛ ترزقوا وتنصروا وتجبروا.

واعلموا أن الله قد افترض عليكم الجمعة فى مقامى هذا، فى يومى هذا، فى شهرى هذا، من عامى هذا إلى يوم القيامة، فمن تركها فى حياتى أو بعدى، وله إمام عادل أو جائر، استخفافا بها، أو جحودا لها، فلا جمع الله له شمله، ولا بارك له فى أمره، ألا ولا صلاة له، ولا زكاة له، ولا حج له، ولا صوم له، ولا بر له حتى يتوب، فمن تاب تاب الله عليه.

ألا لا تؤمن امرأة رجلا، ولا يؤم أعرابى مهاجرا، ولا يؤم فاجر مؤمنا، إلا أن يقهره سلطان ، يخاف سيفه وسوطه"(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٠٨١، باب فرض الجمعة)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده تالف، على بن زيد بن جدعان ضعيف، وعبد الله بن محمد العدوى الراوى عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور روایت میں ہے کہ چار چیزیں حکمرانوں کے سپرد کی گئی ہیں، جن میں سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متروک وقد اتهمه بعضهم، والوليد بن بكير لين الحديث.

وأخرجه عبد بن حميد (1136)، وابن عدى فى ترجمة عبد الله بن محمد العدوى من "الكامل 4/ 1498 "من طريق على بن زيد بن جدعان، بهذا الإسناد.

وأخرجه أبو يعلى (1856)، وعنه ابن عدى 4/ 1498 عن عبد الغفار بن عبد الله، عن المعافى بن عمران، عن فضيل بن مرزوق، عن الوليد، عن محمد بن على الباقر، عن سعيد بن المسيب، به .عبد الغفار لم يوثقه سوى ابن حبان، والوليد مجهول.

وله شاهد لا يفرح به من حديث أبى سعيد الخدرى عند الطبرانى فى "الأوسط" (7246)فى سنده موسى بن عطة الباهلى لم نقف له على ترجمة، وفيه أيضا عطية العوفى ضعيف(حاشية سنن ابنِ ماجه)

وقال الالبانى:قلت: وهذا إسناده واهٍ جداً , وفيه ثلاث علل(ارواء الغليل فى تخريج احاديث منار السبيل، ج٣ص ١٥، تحت رقم الحديث ٥٩١، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

حدثنا أبو بكر أحمد بن محمد بن أبى شيبة، حدثنا مهنى بن يحيى، حدثنا زيد بن أبى الزرقاء ، عن سفيان، عن على بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن جابر بن عبد الله قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله عز وجل افترض الجمعة فى يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا إلى يوم القيامة ألا فمن تركها استخفافا بها أو تهاونا فلا جمع الله له شمله ولا بارك له ألا ولا صلاة له ألا ولا يؤمن فاجر برا . هذا حديث غريب من حديث سفيان الثورى، عن على بن زيد بن جدعان، تفرد به زيد بن أبى الزرقاء عنه وتفرد به مهنى بن يحيى، عن زيد(الأفراد،للدارقطنى، ص ٦٠، رقم الرواية ٣١)

اور اگر مذکورہ روایت کو معتبر بھی مانا جائے، تو اس سے جمعہ کی اہمیت، اور اس کو ترک کرنے کا گناہ ثابت ہوتا ہے، لیکن اس سے صحتِ جمعہ کے لیے امام کے شرط ہونے کا ثبوت، پھر بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے جمعہ کے قیام میں معاون ہونا، اور کسی قسم کی رکاوٹ کا نہ ہونا مقصود ہو سکتا ہے ''والإحتمال يسقط الإستدلال ''۔محمد رضوان خان۔

وفى إسناده ضعف واضطراب واختلاف، قد أشرنا إلى بعضه فيما تقدم فى ((أبواب الإمامة)) وفيه: دليل على أن الجمعة إنما فرضت بالمدينة؛ لأن جابرا إنما صحب النبى – صلى الله عليه وسلم – وشهد خطبته بالمدينة، وهذا قول جمهور العلماء(فتح البارى لابنِ رجب، ج٨ص ٦٢، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)

والذى عند كثير من العلماء محمول على الكراهة وإلا فالصلاة صحيحة وقد يستدل بمثل هذا من يقول الفاسق ليس بمؤمن قوله (بسلطان) أى غلبة وفى الزوائد إسناده ضعيف لضعف على بن زيد بن جدعان وعبد الله بن محمد العدوى(حاشية السندى على سنن ابنِ ماجه، ج ١ ص ٣٣٤، ٣٣٥، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب فى فرض الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک جمعہ ہے۔ [1]

اس کے علاوہ ایک دلیل یہ ہے کہ (سلطان کے بغیر) لوگ جمعہ قائم کرنے کے لیے، بہت سے لوگوں کو نظر انداز کر دیں گے، اور اگر اس میں سلطان شرط نہیں ہوگا، تو فتنہ اور جھگڑا لازم آئے گا، کیونکہ سب لوگ جمعہ کے اجتماعات کی طرف ایک دوسرے پر سبقت کریں گے، اور وہ اپنی غرض کی بنیاد پر جمعے قائم کریں گے، اور دوسروں کے جمعے فوت کر دیں گے، جس میں واضح فتنہ لازم آئے گا، لہٰذا اس جمعہ کو ایسے امام کی طرف سپرد کیا جائے گا، جس کی طرف لوگوں کے احوال سپرد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(واعلموا) أيها الناس (أن الله) عز وجل (قد افترض) أی: فرض وأوجب (عليكم الجمعة) أی: صلاتها .وهذا موضع الترجمة .

(فی مقامی هذا، فی يومی هذا، فی شهری هذا من عامی هذا إلی يوم القيامة، فمن تركها) أی: ترک صلاة الجمعة بغير عذر من أعذار الجمعة؛ كالمرض والمطر والخوف مما هو مبسوط فی كتب الفروع (فی حياتی أو بعدی) أی: بعد وفاتی، (وله) أی: والحال أن لذلک التارک (إمام عادل) يأمر بالمعروف وينهی عن المنكرات، (أو جائر) لا يأمر بالمأمورات ولا ينهی عن المنكرات؛ أی: تركها (استخفافا) لشأنها وعدم اهتمام (بها أو جحودا لها) أی: إنكارا لوجوبها) ..فلا جمع الله له) أی: لذلک التارک (شمله) أی: شؤونه، (ولا بارک) الله (له) أی: لذلک التارک (فی أمره) أی: فی شغله دينا ودنيا(شرح سنن ابن ماجة المسمی مرشد ذوی الحجا والحاجة إلی سنن ابن ماجه والقول المكتفی علی سنن المصطفی، لمحمد الامين بن عبدالله علوی اثيوبی بويطی، ج۷ص ۳۲، ۳۳، باب فی فرض الجمعة)

[1] یہ مضمون بھی کسی مرفوع حدیث میں دستیاب نہیں، البتہ بعض محدثین سے اس طرح کے آثار مروی ہیں۔ مگر اس کو دیگر حضرات نے استحباب وغیرہ پر محمول کیا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حوالہ سے گزرا، اور بعض نے اس کو انتظامی شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔ محمد رضوان خان۔

حدثنا عبدة ، عن عاصم ، عن الحسن ، قال :أربعة إلی السلطان ؛ الزكاة ، والصلاة ، والحدود ، والقضاء .

حدثنا ابن مهدی ، عن حماد بن سلمة ، عن جبلة بن عطية ، عن ابن محيريز ، قال : الجمعة ، والحدود ، والزكاة ، والفیء إلی السلطان.

حدثنا عمر بن أيوب ، عن مغيرة بن زياد ، عن عطاء الخراسانی ، قال :إلی السلطان الزكاة ، والجمعة ، والحدود(مُصنف ابن أبی شيبة، كتاب الحدود،من قال الحدود إلی الإمام)

کیے جاتے ہیں، اور اس کی طرف سے لوگوں کے درمیان عدل قائم ہوتا ہے، کیونکہ وہی فتنے کو تسکین پہنچانے کا زیادہ اہم ومؤثر ذریعہ ہے۔

اور اِذنِ عام جمعہ کی شرائط میں سے ہے، یہاں تک کہ اگر سلطان اپنے حشم وخدم کے ساتھ اپنے محل میں جمعہ کی نماز پڑھ لے، تو اگر وہ محل کے دروازے کھول دے، اور لوگوں کو اجازتِ عام دیدے، تو اس کی نماز جائز ہوگی، خواہ عامۃُ الناس نماز میں آئیں یا نہ آئیں، اور اگر محل کے دروازے نہ کھولے، اور ان کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے، تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی (جس کی دلیل یہ ہے)

"لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس ولا يحصل ذلک إلا بالإذن العام وكما يحتاج العامة إلى السلطان فى إقامتها فالسلطان يحتاج إليهم بأن يأذن لهم إذنا عاما بهذا يعتدل النظر من الجانبين"

کیونکہ جمعہ کے لیے سلطان کی شرط اس لیے تھی، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہوجائے، اور یہ بات اذنِ عام کے بغیر حاصل نہیں ہوگی، اور جس طرح عوام، جمعہ قائم کرنے کے لیے سلطان کے محتاج ہوتے ہیں، پس سلطان بھی، عوام کا اس چیز میں محتاج ہوگا کہ وہ لوگوں کو اجازتِ عام دے دے۔

اس سے جانبین کی رعایت ملحوظ رہے گی"۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (قال) والسلطان من شرائط الجمعة عندنا خلافا للشافعى – رضى الله عنه – وقاسه بأداء سائر المكتوبات فالسلطان والرعية فى ذلک سواء.

(ولنا) ما روينا من حديث جابر – رضى الله عنه – وله إمام جائر أو عادل فقد شرط رسول الله – صلى الله عليه وسلم – الإمام لإلحاقه الوعيد بتارک الجمعة وفى الأثر أربع إلى الولاة منها الجمعة ولأن الناس يتركون الجماعات لإقامة الجمعة ولو لم يشترط فيها السلطان أدى إلى الفتنة لأنه يسبق بعض الناس إلى الجامع فيقيمونها لغرض لهم وتفوت على غيرهم وفيه من الفتنة ما لا يخفى فيجعل مفوضا إلى الإمام الذى فوض إليه أحوال الناس والعدل بينهم لأنه أقرب إلى تسكين الفتنة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت میں سلطان کے، لوگوں کو اپنے ساتھ، جمعہ میں شریک ہونے کا اذنِ عام نہ دینے، اور اپنے محل کا دروازہ، بند کر کے اپنے حشم وخدم کے ساتھ، نماز پڑھ لینے کی صورت میں، اس کی نماز نہ ہونے کی دلیل جن الفاظ میں بیان کی گئی ہے، ہم نے اوپر کی عبارت میں ان الفاظ کو نمایاں طور پر نقل کر دیا ہے۔

مذکورہ عبارت میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ سلطان کی شرط، اس لیے تھی، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہو جائے، کیونکہ سلطان کی امامت وسیادت پر رعایا متفق ہوتی ہے، اور اس کی امامت سے اختلاف کی کسی کو جرائت نہیں ہوتی، اور اس بات کا بھی ہر ایک کو ڈر ہوتا ہے کہ اگر سلطان کو میری جمعہ میں غیر حاضری کا خود سے یا کسی کے بتلانے سے علم ہو گیا، تو تعزیر وغیرہ ہو سکتی ہے۔

اور جب بناء پر مصالحِ مختلفہ، عندالحنفیہ لوگوں کے صحتِ جمعہ وانعقادِ جمعہ کے لیے سلطان کو شرط قرار دیا گیا، تو دوسری طرف، سلطان اپنا جمعہ قائم کرنے کے لیے لوگوں کا محتاج ہوگا، اور اس کو لوگوں کے بغیر اپنا جمعہ قائم کرنا، یا جمعہ کو اپنے لیے مختص کرنا جائز نہ ہوگا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ نے جب ''ظاہرُ الروایۃ'' کے مطابق صحتِ جمعہ کے لیے ''سلطان'' کو شرط قرار دیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام لوگوں کے فریضۂ جمعہ کی صحت ''سلطان'' کے ہاتھ میں ہے، جب تک وہ لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کر کے جمعہ نہ پڑھوائے گا، ان کا فریضہ ادا نہ ہوگا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والإذن العام من شرائطها حتى أن السلطان إذا صلى بحشمه فى قصره فإن فتح باب القصر وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهدوها وإن لم يفتح باب قصره ولم يأذن لهم فى الدخول لا يجزئه لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس ولا يحصل ذلك إلا بالإذن العام وكما يحتاج العامة إلى السلطان فى إقامتها فالسلطان يحتاج إليهم بأن يأذن لهم إذنا عاما بهذا يعتدل النظر من الجانبين(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج٢،ص٢٥، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہوا کہ حکمران، عوام کو اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کا اذنِ عام بھی دے، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہو جائے۔

لوگوں کے جمعہ کے فوت ہونے سے بچانے کے لیے ''سلطان'' کو اس کا پابند کر دیا گیا کہ اگر وہ لوگوں کو اذنِ عام نہ دے گا، تو اس کا اپنا جمعہ درست نہ ہوگا، کیونکہ جب وہ اذنِ عام نہ دے کر بے شمار لوگوں کے جمعہ کے فریضہ کو ضائع کر رہا ہے، تو اس عظیم مفسدہ سے بچنے کے لیے، سلطان کے جمعہ کو ہی کالعدم قرار دیا جائے۔

یہی دلیل علامہ سرخسی کی آنے والی عبارت میں مزید صراحت کے ساتھ آتی ہے۔

چنانچہ علامہ سرخسی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

اگر امیرِ مصر نے محل کے دروازے کھول دیے، اور مؤذن کو حکم دے کر اذان دِلوائی، پھر لوگوں کو محل میں جمع کر کے جمعہ پڑھا دیا، تو ان کا جمعہ جائز ہو جائے گا، اور محل کے دروازے کھولنے سے مراد یہ ہے کہ عام لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دے، تو اس صورت میں وہ امیر اپنی شرائط کے ساتھ جمعہ کو ادا کرنے والا ہوگا (اور حکمران کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ شہر کے لوگوں کو جمعہ پڑھائے، اور لوگوں کو اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کی عام اجازت دے، تاکہ وہ حکمران کے ساتھ شریک ہو کر، حکمران کی شرط کو ملحوظ رکھ کر اپنے فریضۂ جمعہ کو اداء کر لیں)

لیکن وہ لوگوں کو اذنِ عام دے کر بھی اپنے محل میں جمعہ قائم کرنے کے فعل کی وجہ سے بُرا کام کرنے والا ہوگا، کیونکہ جمعہ قائم کرنے کی جگہ جامع مسجد ہے، اس نے اس مقام کے ساتھ (جمعہ قائم نہ کر کے) زیادتی کی، اور اس کے اس طرزِ عمل میں تعلّی اور ترفع کی شان بھی پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے محل سے مسجد کی طرف نہیں نکلا، جو سلف کے طریقہ کے مخالف ہے (اس لیے، اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہوگا)

اور اگر اس نے محل کے دروازے نہیں کھولے، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت

نہیں دی، اور اپنے حشم وخدم کے ساتھ جمعہ پڑھ لیا، تو پھر ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جمعہ کے لئے اذنِ عام شرط ہے، جوکہ نہیں پایا گیا (پھر فرمایا کہ)

”وإنما جعلنا الإذن العام شرطا؛ لأنه مأمور بأن يصلی الجمعة بأهل المصر فإن موضع إقامة الجمعة فيه المصر وإذا لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول لم يكن مصليا بأهل المصر وإنما جعلنا -السلطان شرطا فی الجمعة لئلا يفوت بعض أهل المصر علی البعض صلاة الجمعة لذلک لا يكون للسلطان أن يفوت الجمعة علی أهل المصر فلهذا شرطنا الإذن العام فی ذلک“

اور ہم نے اذنِ عام کو اس لئے شرط قرار دیا ہے، کہ سلطان کو حکم ہے کہ وہ اہلِ مصر کو جمعہ کی نماز پڑھائے، کیونکہ جمعہ کی نماز کا مقام شہر ہے، اور جب قلعہ کا دروازہ نہیں کھولا جائے گا، تو سلطان، اہلِ مصر کو جمعہ کی نماز پڑھانے والا نہیں ہوگا، اور ہم نے سُلطان کو جمعہ کے لئے اسی بناء پر شرط قرار دیا، تا کہ اہلِ مصر ایک دوسرے کے جمعہ کو فوت نہ کردیں (جس کی وجوہات پہلے گزریں) اس وجہ سے سلطان کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ اہلِ مصر کا جمعہ فوت کردے، پس اسی وجہ سے ہم نے اس میں اذنِ عام کو بھی شرط قرار دیا۔ [1]

---

[1] مندرجہ بالا عبارت کا مطلب پوری طرح واضح ہے کہ حنفیہ کی ”ظاهرُ الرواية“ کے مطابق ”سلطان“ یا اس کا نائب، صحتِ جمعہ کے لیے شرط ہے، اور شہر کے لوگوں پر جمعہ واجب ہے، لہٰذا ”سلطان“ پر واجب ہوا کہ وہ اہلِ مصر کو جمعہ پڑھائے، اور اہلِ مصر کو جمعہ پڑھانا، اور ان کو جمعہ پڑھنا، اس وقت تک ممکن نہ ہوگا، جب تک ”سلطان“ اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کا اہلِ مصر کو اذنِ عام نہ دے گا۔

لیکن منسلکہ نرالے فتوے میں مذکورہ عبارت کے اس حصے کو حذف کردیا گیا، جس کا تعلق اذنِ عام کے اصل مسئلے سے تھا، اور اس کے اگلے حصے یعنی ”**وإنما جعلنا السلطان شرطا فی الجمعة لئلا يفوت بعض أهل المصر علی البعض**

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر امیرِ مصر نے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم کیا، اور خود اپنی ضرورت سے باہر چلا گیا، پھر وہ امیر شہر میں واپس آیا، اور کسی مسجد میں داخل ہوکر، جمعہ پڑھ لیا، تو جامع مسجد والوں کا جمعہ جائز ہوجائے گا، کیونکہ امام کے نائب میں جمعہ کی شرائط مکمل پائی جاتی ہیں، اور اہلِ شہر نے جمعہ کی نماز پڑھ لی ہے، اور امیرِ مصر کا اپنا جمعہ جائز نہیں ہوگا، مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ جب تمام لوگ اس کے جمعہ کو جان لیں، اس طور پر کہ وہ ان کو اپنے ساتھ جمعہ کی اجازتِ عام دے دے، تو اس صورت میں ہی اس کا جمعہ جائز ہوگا، کیونکہ امیرِ مصر جمعہ کی شرائط کو اس کے بغیر جمع کرنے والا نہیں ہوگا (اور وہ شرط یہی ہے، جو ذکر کی گئی کہ امام وحکمران یا امیرِ مصر کو اہلِ شہر کے جمعہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے، خود اپنے جمعہ کے لیے مقرر نہیں کیا گیا) اور اس طرح یہ دو مقامات پر جمعہ قائم کرنے کی طرح ہوجائے گا۔

اور شہر میں دو مقامات پر جمعہ قائم کرنے کے متعلق، روایات مختلف ہیں، لیکن صحیح قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے کہ ایک شہر میں دو اور اس سے زیادہ مقامات پر، جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے۔

اور امام ابو یوسف سے اس سلسلہ میں دو روایات مروی ہیں، ایک روایت کے مطابق دو مقامات پر جائز ہے، اور اس سے زیادہ میں جائز نہیں، اور دوسری روایت کے مطابق ایک شہر میں دو مقامات پر جائز نہیں، مگر اسی صورت میں جبکہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلاة الجمعة لذلک لا یکون للسلطان أن یفوت الجمعة علی أهل المصر فلهذا شرطنا الإذن العام فی ذلک'' کو نقل کر کے یہ مطلب نکالا گیا کہ سلطان کی شرط بھی اذنِ عام کو بروئے کار لانے کے لیے ہے۔

اور اس طرح ''ظاهرُ الروایة'' کی شرط کو ایک ''نادرُ الروایة'' کے تابع کر دیا گیا، حالانکہ اذنِ عام کی شرط ''سلطان'' کی شرط پر متفرع تھی، جس کی تفصیل وتوضیح ہم دوسرے مقام پر نقل کر چکے ہیں، اور اس سے پہلے سرخسی ہی کی عبارت میں بھی اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ محمد رضوان خان۔

شہر کے درمیان میں بڑی نہر ہو، جیسا کہ بغداد، اس صورت میں نہر کی دونوں جانب علیٰحدہ شہر کا حکم رکھیں گی۔

امام ابو یوسف کی اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے بعد، ایک شہر میں ایک مسجد سے زیادہ جگہ جمعہ قائم نہیں کیے گئے، اور اگر ان کو دو جگہ قائم کرنا جائز ہوگا، تو اس سے زیادہ میں بھی جائز ہوگا، لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ ہر مسجد والے، اپنی مسجد میں جمعہ پڑھ لیں، جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اور جمعہ کو دو جگہ جائز قرار دینے میں جماعت کی تقلیل پائی جاتی ہے، اور جمعہ کا قائم کرنا دین کے شعائر میں سے ہے، تو ایسا قول کرنا جائز نہیں ہوگا، جو اس کی تقلیل کا باعث ہو۔ [1]

اور دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ شہر بعض اوقات بڑا ہوتا ہے، جس میں بوڑھوں اور کمزوروں کو ایک جگہ جمع ہونا مشکل ہوتا ہے، تو اس وجہ سے ہم نے شہر میں دو جگہ جمعہ قائم کرنے کو جائز قرار دے دیا، جس کی بنیاد عید کی نماز ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں پڑھا کرتے تھے، اور شہر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کمزور لوگوں کو عید کی نماز پڑھنے کے لئے مقرر فرما دیتے تھے۔

لہٰذا دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں ہوگا۔

اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کی دلیل یہ ہے کہ روایت میں ہے کہ جمعہ مصرِ جامع میں ہی جائز ہے، تو جمعہ قائم کرنے کے لئے شہر شرط ہے، اور یہ شرط شہر کے ہر فریق کے حق میں پائی جاتی ہے۔

اور اگر امام (یعنی سلطان) جمعہ کے دن استسقاء کے لئے نکلا، اور اس کے

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے شعارِ دین ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ شہر میں ایک جگہ ہی جمعہ جائز ہو، اور ایک سے زیادہ مقامات پر اذنِ عام کی شرط کے ساتھ بھی جائز نہ ہو، جبکہ بعض اصحابِ علم، یہی دلیل اذنِ عام کی شرط کے لیے پیش کرتے ہیں، جس پر کلام ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

ساتھ بہت سے لوگ بھی نکلے، اوراس نے اپنے پیچھے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے ایک شخص کو مقرر کردیا، پھراس نے اپنے ساتھ موجود لوگوں کے ساتھ عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھ لی، اور عیدگاہ شہر سے ایک غِلوہ کے فاصلے پر تھی، تو دونوں فریقوں کی نماز جائز ہوجائے گی، کیونکہ فنائے مصر کو، جوفِ مصر کا حکم حاصل ہے، اور جس طرح سے جمعہ کی نماز کے لئے شہر شرط ہے، اسی طرح سے عید کی نماز کے لئے بھی شرط ہے، اور عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کی جایا کرتی ہے، جبکہ وہ ایک غِلوہ کے فاصلہ پر ہو، بلکہ اس سے زیادہ فاصلے پر بھی ہو، تو اسی طریقہ سے اس مقام میں جمعہ کا قائم کرنا بھی جائز ہوگا''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] ولو أن أميرا فتح أبواب القصر وأمر المؤذن فأذن فجمع بالناس فی قصره فإنه يجزيهم والمراد من فتح أبواب القصر الإذن للعامة بالدخول وقد أدى الجمعة وهو مستجمع لشرائطها ولكنه مسيء فيما صنع؛ لأن الموضع المعد لإقامة الجمعة فيه المسجد وقد جفا ذلک الموضع، وفی فعله نوع ترفع حيث لم يخرج من قصره إلى المسجد ففعله هذا مخالف فعل السلف فكان مسيئا فی ذلک، وإن لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول وصلى بحشمه ومواليه لم يجزهم؛ لأن من شرط الجمعة الإذن العام ولم يوجد وإنما جعلنا الإذن العام شرطا؛ لأنه مأمور بأن يصلى الجمعة بأهل المصر فإن موضع إقامة الجمعة فيه المصر وإذا لم يفتح باب قصره ولم يأذن للناس بالدخول لم يكن مصليا بأهل المصر وإنما جعلنا -السلطان شرطا فی الجمعة لئلا يفوت بعض أهل المصر على البعض صلاة الجمعة لذلک لا يكون للسلطان أن يفوت الجمعة على أهل المصر فلهذا شرطنا الإذن العام فی ذلک.

ولو أمر الأمير إنسانا فصلى بالناس الجمعة فی المسجد الجامع وانطلق فی حاجة له ثم دخل المصر فی بعض المساجد فصلى الجمعة قال يجزء أهل المسجد الجامع؛ لأن خليفته مستجمع لشرائط الجمعة وقد صلى بأهل المصر ولا يجزئه صلاته إلا أن يكون علم الناس بذلک بأن أذن لهم إذنا عاما فی الصلاة معه فحينئذ يجوز؛ لأنه لا يكون مستجمعا شرائط الجمعة إلا بذلک.

وهذا إقامة الجمعة فی موضعين.

واختلفت الروايات فی إقامة الجمعة فی موضعين فی مصر واحد فالصحيح من قول أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى أنه يجوز إقامة الجمعة فی مصر واحد فی موضعين وأكثر من ذلک وعن أبی يوسف -رحمه الله تعالى -فيه روايتان فی إحدى الروايتين تجوز فی موضعين ولا تجوز فی أكثر من ذلک وفی الرواية الأخرى لا يجوز إقامة الجمعة فی مصر واحد فی موضعين إلا أن يكون فی وسط المصر نهر عظيم كما هو ببغداد فحينئذ يكون كل جانب فی حكم مصر على حدة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت کو علامہ سرخسی نے ''نوادرُ الصلاۃ ''میں ذکر کیا ہے، جس سے واضح ہوا کہ امیرِ مصر کے کسی ضرورت سے باہر جا کر واپس آنے کی صورت میں لوگوں کو اطلاع دیئے بغیر، نمازِ جمعہ کے جائز نہ ہونے کے جزئیہ سے اذنِ عام کی شرط پر استدلال کیا گیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ''نوادر'' کا یہ جزئیہ، امیرِ مصر یعنی حکمران سے متعلق ہے، جس کی دلیل بھی ساتھ ہی مذکور ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ووجه هذه الرواية أن فى زمن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -والخلفاء بعده فتحت الأمصار ولم يتخذ أحد منهم فى كل مصر أكثر من مسجد واحد لإقامة الجمعة ولو جاز إقامتها فى موضعين جاز فى أكثر من ذلك فيؤدى إلى القول بأن يصلى أهل كل مسجد فى مسجدهم، وأحد لا يقول بذلك، وفى تجويز إقامة الجمعة فى موضعين فى مصر واحد تقليل الجماعة وإقامة الجمعة من أعلام الدين فلا يجوز القول بما يؤدى إلى تقليلها .

ووجه الرواية الأخرى أن المصر قد يكون متباعد الجوانب فيشق على الشيوخ والضعفاء التحول من جانب إلى جانب لإقامة الجمعة فلدفع هذا العسر جوزنا إقامتها فى موضعين والأصل فيه حديث على -رضى الله عنه -حين خرج يوم العيد إلى الجبانة استخلف من يصلى بالضعفة فى المسجد الجامع، وما ثبت بالضرورة يتقدر بقدرها وهذه الضرورة ترتفع بتجويزها فى موضعين فلا نجوزها فى أكثر من ذلك.

وجه قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى قول النبى -صلى الله عليه وسلم -لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع فإنما شرط لإقامة الجمعة المصر الواحد وهذا الشرط فى حق كل فريق ولأن الحرج مدفوع. وفى القول بأنه لا تجوز إقامتها إلا فى موضع واحد معنى الحرج ومعنى تهييج الفتنة، فقد يكون بين أهل مصر واحد اختلاف على وجه لو اجتمعوا فى موضع كان ذلك سببا لتهييج الفتنة وقد أمرنا بتسكينها فلهذا جوزنا إقامتها فى موضعين وأكثر من ذلك.

ولو خرج الإمام يوم الجمعة إلى الاستسقاء وخرج معه ناس كثير وخلف إنسانا فصلى بهم فى المسجد الجامع وصلى هو بمن معه الجمعة فى الجبانة وهو على غلوة من المصر فصلاة الفريقين جائزة؛ لأن فناء المصر فى حكم جوف المصر فكان هذا وما لو صلى الإمام فى جوف المصر سواء ثم المصر كما يشترط لإقامة الجمعة يشترط لإقامة صلاة العيد وهو إنما يؤدى فى الجبانة على غلوة من المصر أو أكثر من ذلك فكذلك تجوز إقامة الجمعة فى مثل هذا الموضع.

فإن قيل أليس فى حق المسافر هذا الموضع فى حكم المفازة لا فى حكم جوف المصر حتى إن من خرج من أهل هذا المصر على نية السفر يصلى صلاة المسافرين فى هذا الموضع ومن قدم مسافرا من أهل هذا المصر فانتهى إلى هذا الموضع صلى صلاة المسافرين أيضا فكذلك فى حق إقامة الجمعة ينبغى أن يجعل هذا الموضع بمنزلة المفازة (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج۲، ص ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

لہٰذا اذنِ عام کی مذکورہ حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور اس کو نظر انداز کرنا درست نہیں، جس کے بارے میں گزر چکا ہے کہ یہ جزئیہ، اس صورت سے متعلق ہے، جبکہ پہلے سے مصر میں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو۔

چنانچہ خود علامہ سرخسی نے ''المبسوط'' میں معذور ومسجون کے جمعہ کے دن، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے مکروہ ہونے کے ذیل میں فرمایا کہ:

ولأن الناس أغلقوا أبواب المساجد فی وقت الظهر يوم الجمعة فی الأمصار (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج ٢، ص ٣٦، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور کیونکہ آج تک، ہر دور میں جمعہ کے دن ظہر کے وقت میں (جامع مسجد کے علاوہ) مساجد کے دروازے بند کرنے کا رواج رہا ہے (المبسوط)

اور امام قدوری (المتوفیٰ: 428ھ) نے ''التجرید'' میں فرمایا کہ:

''آج تک سب لوگ، تمام زمانوں میں جمعہ کے دن مساجد کو بند رکھتے ہیں، سوائے جامع مسجد کے'' ۔انتہیٰ۔ [1]

صاحبِ بدائع وغیرہ نے بھی اسی چیز کی تصریح کی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت اور امام ابو یوسف کے قول کے مطابق شہر میں تعددِ جمعہ جائز ہی نہیں، امام ابو یوسف اپنے زمانے کے قاضی تھے، اور وہ بغداد جیسے شہر میں بھی درمیان میں، نہر ہونے کے باوجود، جب تک پُل کو جدا نہیں کر دیتے تھے، اس وقت تک تعددِ جمعہ کو جائز قرار نہیں دیتے تھے، اور اہلِ مرو نے جب، اس قول سے عدول کر کے، تعددِ جمعہ کے قول پر عمل کیا، تو ان میں اس کے جواز کے متعلق اختلاف ہوا، اور احتیاطُ الظہر کا مسئلہ شروع ہوا، جس سے معلوم ہوا کہ سابق زمانوں میں شہر کے اندر ایک ہی مقام پر جمعہ قائم ہوتا تھا، تعددِ

---

[1] أن الناس فی سائر الأعصار يغلقون المساجد يوم الجمعة (التجريد للقدوری، ج ٢، ص ٩٨ ٤، کتاب الصلاة، يکره للمعذور أن يصلی الظهر يوم الجمعة فی جماعة)

جمعہ کا رواج نہیں تھا، اور امام محمد رحمہ اللہ کا یہ نوادرُ الروایۃ والا قول، ظاہر ہے کہ بہت پہلے کا ہے، اس زمانے میں تو شہروں میں تعددِ جمعہ کا تصور، بہت مشکل تھا۔

پس اس تفصیل کی روشنی میں جب سلطان کی اجازت سے، اس کا نمائندہ شہر میں ایک مرتبہ جمعہ پڑھا دے، تو اصولی طور پر سلطان کو دوبارہ جمعہ پڑھنا جائز نہیں تھا، لیکن چونکہ مسئلہ مجتہَد فیہا ہے، امام محمد رحمہ اللہ، تعددِ جمعہ کے جواز کے قائل ہیں، اور سلطان میں صحتِ جمعہ کی شرط پائی جاتی ہے، اور سلطان نے عارضی طور پر دوسرے کو نائب بنا کر اہلِ شہر کو جمعہ پڑھانے کے لیے مقرر کیا ہے، ایسی صورت میں بھی جمعہ کے قیام کا اصل حق حکمران کا ہی ہے، اس صورت میں لوگوں کے جان لینے کی قید اس لیے ضروری ہوگی، تاکہ ایک تو تعددِ جمعہ کو قضائی حکم حاصل ہو کر، سب کے لیے رافعِ اختلاف بن جائے، دوسرے جمعہ کی حکمران کے ساتھ تخصیص نہ رہے، جو لوگوں کے جمعہ فوت ہونے کا سبب، یا اس کی طرف مفضی اور خود حکمران کے اپنے حق میں فیصلہ کرنے کی وجہ سے تہمت کا سبب ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی گئی۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ امام محمد کی ''کتابُ الاصل'' جو ''المبسوط'' کے نام سے معروف ہے، اس میں مذکور روایات کو ''ظاھرُ الروایات'' کہا جاتا ہے۔

اور دوسری ''المبسوط'' کے نام سے کتاب، شمس الائمہ سرخسی (المتوفیٰ 483ھ) کی ہے، جو دراصل شرح ہے، جس میں ظاہر الروایات کا التزام نہیں، اور اس میں بہت سے مسائل کے دلائل بھی شمس الأئمہ کی طرف سے بیان کردہ ہیں، جو امام ابو حنیفہ، امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے اپنے بیان کردہ نہیں، اس لیے وہ دلائل ''ظاھرُ الروایۃ'' نہیں کہلاتے۔

نیز یہ امر بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ شمس الائمہ سرخسی (المتوفیٰ 483ھ) کی ''المبسوط'' براہِ راست امام محمد رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 189ھ) کی کتب یا کسی کتاب کی شرح نہیں، بلکہ یہ دراصل محمد بن محمد بن احمد حاکم مروزی شہید (المتوفیٰ: 334ھ) کی کتاب ''الکافی'' کی

شرح ہے، جس کو''مختصرُ الکافی''اور''المختصر للحاکم''بھی کہا جاتا ہے، اور ''الکافی''میں حاکم شہید نے امام محمد (المتوفیٰ: 189ھ) کی کتابوں میں مذکور مسائل کا اختصار کیا تھا، اوران کے مکررات کو حذف کردیا تھا۔ [1]

اس کے علاوہ بعض حضرات کی تصریح کے مطابق شمس الائمہ سرخسی نے''المبسوط''کو قید خانہ میں محبوس ہونے کی حالت میں قید خانے سے باہر بیٹھے ہوئے طلبہ کو املاء کروایا ہے، جس کی وجہ سے ان کی اس شرح میں کچھ فرق پیدا ہوگیا۔ [2]

شمس الائمہ سرخسی نے اپنی''المبسوط''کے شروع میں خود اس کی تصریح کی ہے۔

---

[1] ب – المختصرات: الكافي للحاكم الشهيد (ت334 .)
لا شك أن أهم الأعمال على الكتاب هو مختصر الأصل وكتب الإمام محمد الأخرى والمسمى بالكافي للحاكم الشهيد، ويسمى بالمختصر الكافي أو المختصر أيضا .يقول الحاكم في مقدمة الكافي: " قد أودعت كتابي هذا معاني محمد بن الحسن –رحمه الله تعالى– في كتبه المبسوطة وما في الجوامع المؤلفة مع اختصار كلامه وحذف ما كرر من مسائله، قاصدا تسهيل سبيل الراغبين في حفظه وتخفيف المؤنة عنهم في كتابته وقرائته وحمله في السفر والحضر . "والذي لاحظناه من الاطلاع على كتاب الكافي للحاكم أنه يختصر لفظ كتاب الأصل ويتخذه أساسا ثم يضيف إليه ما يراه مناسبا من كتب الإمام محمد الأخرى وأحيانا من كتب أبي يوسف، لكن الأساس هو كتاب الأصل والعبارة هي عبارة كتاب الأصل في معظمها(الأصل للشيباني، ص ١١٩ ،مقدمة المحقق للدكتور محمَّد بوينو كالن)

[2] محمد بن أحمد بن أبي سهل أبو بكر السرخسي تكرر ذكره في الهداية الإمام الكبير شمس الأئمة صاحب المبسوط وغيره أحد الفحول الأئمة الكبار أصحاب الفنون كان إماما علامة حجة متكلما فقيها أصوليا مناظرا لزم الإمام شمس الأئمة أبا محمد عبد العزيز الحلواني حتى تخرج به وصار أنظر أهل زمانه وأخذ في التصنيف وناظر الأقران فظهر اسمه وشاع خبره أملأ المبسوط نحو خمسة عشر مجلدا وهو في السجن بأوزجند محبوس(الجواهر المضية في طبقات الحنفية،لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القرشي، أبو محمد، محيي الدين الحنفي ، ج٢ ص٢٨، حرف الميم، تحت رقم الترجمة ٨٥)

صنف رحمه الله كتاب المبسوط (وهو كتابنا هذا) في الفقه ، في نحو خمسة عشر مجلدا املاءً من خاطره من غير مطالعة كتاب ولا مراجعة تعليق، بل كان محبوسا في الجب بسبب كلمة نصح بها، وكان يملي على الطلبة من الجب، وهم على أعلى الجب يكتبون ما يملي عليهم (المبسوط للسرخسي، ج١ ص٤٨، مقدمة التحقيق ، للكتور كمال عبدالعظيم العناني''استاذ بكلية الشريعة ، جامعة الازهر، القاهرة، مطبوعة : دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ 2001ء)

چنانچہ شمس الائمہ سرخسی نے ''المبسوط'' کے ''خطبةُ الکتاب'' میں فرمایا کہ:

''امام محمد رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 189ھ) نے اپنی کتاب ''المبسوط'' میں ان کی کتب میں مذکور مختلف مسائل کو لوگوں کی آسانی کے لیے جمع کر دیا تھا، تاکہ لوگوں کو ان مسائل کا محفوظ کرنا آسان ہو جائے۔

یہ سلسلہ (تقریباً ڈیڑھ صدی تک) اسی طرح چلتا رہا، یہاں تک کہ حاکم شہید (المتوفیٰ: 334ھ) نے یہ محسوس کیا کہ امام محمد کی ''المبسوط'' میں الفاظ کے وسیع اور مسائل کے مکرر ہونے کی وجہ سے، بعض متعلمین اس کتاب کی قرائت سے اعراض کرتے ہیں، تو حاکم شہید نے امام محمد کی کتابوں میں مذکور مبسوط مسائل کے معانی ومطالب کو مکررات حذف کر کے جمع کر دیا۔

(شمس الائمہ سرخسی، المتوفیٰ 483ھ، فرماتے ہیں کہ) پھر میں نے اپنے زمانے میں، بعض فقہ کے طالبین کو اس سے چند وجوہات کی بناء پر اعراض کرتے ہوئے دیکھا، اس لیے حاکم شہید کی ''المختصر'' کی شرح کی ضرورت محسوس کی، اور میرے قید ہونے کے زمانے میں بعض خواص نے مجھ سے جو سوالات کیے، اور میں نے ان کو جوابات املاء کرائے، وہ بھی اس کتاب میں شامل کر لیے گئے''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] (ومن) فرغ نفسه لتصنيف ما فرعه أبو حنيفة – رحمه الله – محمد بن الحسن الشيباني – رحمه الله – فإنه جمع المبسوط لترغيب المتعلمين والتيسير عليهم ببسط الألفاظ وتكرار المسائل فى الكتب ليحفظوها شائوا أو أبوا.

إلى أن رأى الحاكم الشهيد أبو الفضل محمد بن أحمد المروزى – رحمه الله – إعراضا من بعض المتعلمين عن قرائة المبسوط لبسط فى الألفاظ وتكرار فى المسائل فرأى الصواب فى تأليف المختصر بذكر معانى كتب محمد بن الحسن – رحمه الله – المبسوطة فيه وحذف المكرر من مسائله ترغيبا للمقتبسين ونعم ما صنع .

(قال الشيخ الإمام) – رحمه الله تعالى – ثم إنى رأيت فى زمانى بعض الإعراض عن الفقه من الطالبين لأسباب: فمنها قصور الهمم لبعضهم حتى اكتفوا بالخلافيات من المسائل الطوال، ومنها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال یہ بات واضح ہوگئی کہ علامہ سرخسی نے نوادر کے جس جزئیہ سے اِذنِ عام کی شرط کو اخذ کیا ہے، وہ جزئیہ امام وحکمران سے متعلق ہے، اوراس کی وجہ اور علت خود علامہ سرخسی نے جوذکر فرمائی ہے، وہ اِذنِ عام کی شرط کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی وافی ہے، اوراس میں کوئی ابہام نہیں، اگرچہ مشائخِ حنفیہ میں سے کسی دوسرے نے اس کی دوسری توجیہ وتعلیل کیوں نہ بیان کی ہو۔

ہمارے نزدیک علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کی توجیہ علامہ سرخسی کی بیان کردہ علت اور حکمران کے حکمِ قضاء لنفسہٖ ولغیرہٖ کے اہم اصول کے مطابق ہے، جیسا کہ گزرا، اور مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

''المحیطُ البرھانی'' کا حوالہ

ابوالمعالی برہان الدین محمود بن احمد ابن مازۃ بخاری حنفی (المتوفیٰ: 616ھ) کی''المحیطُ البرھانی''میں ہے کہ:

''امام محمد کے نزدیک، شہر میں دو یا تین مقامات پر جمعہ کی نماز میں حرج نہیں، اور امام ابویوسف نے دو مقامات پر ہی جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، اور امالی کی روایت میں امام ابویوسف نے دو مقامات پر اس وقت جائز قرار دیا ہے، جبکہ شہر کی دو جانب اس طرح کی ہوں کہ ان کے درمیان بڑی نہر ہو، تاکہ وہ دو شہروں کا حکم

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ترک النصیحة من بعض المدرسين بالتطويل عليهم بالنكات الطردية التي لا فقه تحتها، ومنها تطويل بعض المتكلمين بذكر ألفاظ الفلاسفة في شرح معاني الفقه وخلط حدود كلامهم بها .
(فرأيت) الصواب في تأليف شرح المختصر لا أزيد على المعنى المؤثر في بيان كل مسألة اكتفاء بما هو المعتمد في كل باب، وقد انضم إلى ذلك سؤال بعض الخواص من زمن حبسي، حين ساعدوني لأنسي، أن أملي عليهم ذلك فأجبتهم إليه .
(وأسأل) الله - تعالى - التوفيق للصواب، والعصمة عن الخطأ وما يوجب العقاب، وأن يجعل ما نويت فيما أمليت سببا لخلاصي في الدنيا ونجاتي في الآخرة إنه قريب مجيب(المبسوط للسرخسي، ج ۱ ص ۳،۴، خطبة الكتاب)

حاصل کرلیں، جیسا کہ بغداد، اور اگر وہ شہر اس صفت کا نہ ہو، تو جمعہ ان لوگوں کا درست ہوگا، جنہوں نے پہلے پڑھا، اور اگر وہ ایک ساتھ پڑھیں، تو ان سب کی نمازِ جمعہ فاسد ہوجائے گی''۔انتہٰی۔ [1]

اور''**المحیطُ البرھانی**''میں ہی ہے کہ:

حاکم نے''**المنتقی**'' میں ذکر کیا ہے کہ اگر امیر نے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم کیا، اور خود اپنی ضرورت سے چلا گیا، پھر وہ امیر شہر میں واپس آیا، اور کسی مسجد میں داخل ہوکر، جمعہ پڑھ لیا، تو اس کا جمعہ جائز نہیں ہوگا۔

مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ جب تمام لوگ اس کے جمعہ پڑھنے کو جان لیں، ایسی صورت میں یہ دو مقامات پر جمعہ پڑھنے کی طرح ہوجائے گا۔

اور اگر امام جمعہ کے دن استسقاء کے لیے نکلا، جس کے ساتھ بہت سے لوگ نکلے، اور اس نے اپنے پیچھے ایک شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کے لیے چھوڑ دیا، پھر جب جمعہ کا وقت آیا، تو اس امیر نے لوگوں کو عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھا دی، اور وہ عیدگاہ شہر سے ایک غلوہ کے فاصلے پر تھی، اور اس امیر کے نائب نے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا دی، تو دونوں کی نماز درست ہوجائے گی، اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عیدگاہ میں نمازِ جمعہ جائز ہے''۔انتہٰی۔ [2]

---

[1] ولا بأس بالجمعة في موضعين أو ثلاثة من مصر واحد عند محمد، وأجاز أبو يوسف في موضعين دون الثلاث، وفي رواية الأمالي :أجاز في موضعين إذا كان مصرا له جانبان بينهما نهر عظيم حتى يصير في حكم مصرين كبغداد، فإن لم يكن المصر بهذه الصفة فالجمعة لمن سبق منهم بأدائها فإن فعلوا معا، فسدت صلاتهم جميعا(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲،ص ٦٦، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة)

[2] ذكر الحاكم في المنتقى :مرسلا أمير أمر إنسانا أن يصلي بالناس الجمعة في المسجد الجامع وانطلق إلى حاجة له، ثم دخل المصر ودخل بعض المساجد وصلى الجمعة لا يجزئه إلا أن يكون علم الناس بذلك كله، فهذا كالجمعة في موضعين وإنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح کی عبارت پیچھے علامہ سرخسی کی طرف سے بھی حاکم شہید کی ''المنتقیٰ'' کے حوالے سے گزر چکی ہے، اوراس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس صورت میں امام کے ساتھ بڑا مجمع ''استسقاء'' کی غرض سے موجود ہے، اس صورت میں امام کا عیدگاہ میں نماز پڑھنا، لوگوں کوعلم ہونے اور جمعہ میں شریک ہونے کی وجہ سے، جمعہ کواپنے ساتھ خاص رکھنے، اور لوگوں کا جمعہ فوت ہونے اورامام کے لیے تہمت کا سبب نہیں بنتا۔

برخلاف اس صورت کے، جبکہ خاص امام اپنی ضرورت سے شہر سے باہر گیا ہو کہ اس صورت میں اعلانِ عام کے بغیر، جمعہ کی اس کے ساتھ تخصیص برقرار رہتی ہے، اور یہ تخصیص دوسروں کے لیے جمعہ فوت ہونے کا سبب بنتی ہے، اگرچہ اس خاص صورت میں نہ بنے، لیکن وہ شرط بہرحال امام وحکمران کے لئے فی الجملہ ضروری ہے، نیز اعلانِ عام کے بغیر اس کے جمعہ پڑھنے کا فیصلہ اپنے حق میں ہے، جو کہ درست نہیں، اور اعلانِ عام کے بعد وہ فیصلہ رعایا کے لیے ہے، جس میں امام پر تہمت نہیں آتی، اس لیے امام کو جمعہ کے اپنے لیے خاص رکھنے کی صورت میں بہرحال اس کے جمعہ کو درست قرار نہیں دیا گیا، اور جب اس کو اعلانِ عام کا پابند کر دیا گیا، تو اس کے لیے جمعہ کی تخصیص برقرار نہیں رہی، جس طرح تعددِ جمعہ کے باضابطہ اعلان کے بعد بھی برقرار نہیں رہتی ''**کما قاله الشرنبلالي والشامي**''

''**المحيطُ البرهاني**'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''جمعہ جائز ہونے کے لیے اذنِ عام بھی شرط ہے کہ جمعہ قائم ہونے والی جگہ کے دروازے کھول دیئے جائیں (جب کسی عمارت کے اندر جمعہ ہو، خواہ وہ مسجد ہو، یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جائز به ورد الأثر عن علي رضي الله عنه، وإن خرج الإمام يوم الجمعة للاستسقاء، وخرج معه ناس كثير وخلف إنسانا يصلي بهم الجمعة في المسجد الجامع، فلما حضرت الصلاة صلى بهم الجمعة في الجبانة، وهو على غلوة من المصر وصلى خليفته في المسجد الجامع يجزئهما، ودلت المسألة على أن الجمعة في الجبانة جائزة(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٢، ص ٩٣، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة)

قلعہ ہو، یا کوئی دوسری عمارت ہو) اور تمام لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

اگر کچھ لوگوں نے کسی جگہ جمع ہوکر، جمعہ کی نماز اس طرح پڑھی کہ دروازوں کو بند کرلیا، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا، اور اسی طریقے سے اگر سلطان نے اپنے حشم وخدم کو اپنے گھر میں جمع کر کے جمعہ پڑھا، تو اگر اس گھر کا دروازہ کھول دیا، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازتِ عام دے دی، تو اس کی نمازِ جمعہ جائز ہوگی، خواہ عامۃُ الناس، جمعہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں، اور اگر گھر کا دروازہ نہیں کھولا، اور اس کے تمام دروازے بند کردیئے، اور ان پر چوکیداروں کا پہرہ بٹھادیا، تاکہ وہ لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روکیں، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا۔

”لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، ولا يحصل ذلک إلا بالإذن العام وكما يحتاج العام إلى السلطان لإقامة الجمعة فالسلطان أيضا يحتاج إلى العام بأن يأذن لهم إذنا عاما حتى تجور صلاة الكل بهذا النظر من الجانبين“

”کیونکہ جمعہ کے لیے سلطان کی شرط اس لیے تھی، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہوجائے، اور یہ بات اذنِ عام کے بغیر حاصل نہیں ہوگی، اور جس طرح عوام جمعہ قائم کرنے کے لیے سلطان کے محتاج ہوتے ہیں، اسی طرح سلطان بھی عوام کا محتاج ہوگا کہ وہ لوگوں کو اجازتِ عام دے دے، تاکہ اس طرزِ عمل کے ذریعے جانبین کی رعایت ہوکر دونوں کی نمازِ جمعہ جائز ہوجائے“۔انتہیٰ۔ [1]

---

[1] والشرط السادس :الإذن العام، وهو أن تفتتح أبواب الجامع، ويؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا فى الجامع وأغلقوا الأبواب على أنفسهم وجمعوا لم يجزئهم ذلک وكذلک إذا أراد السلطان أن يجمع بحشمه في داره، فإن فتح باب الدار، وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدها العامة أو لم يشهدوها، وإن لم يفتح باب الدار وأغلق الأبواب كلها، وأجلس عليها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت میں ''اذنِ عام'' کی شرط کا ذکر ہے، ساتھ ہی مذکورہ عبارت میں سلطان کے دروازہ بند کر کے نمازِ جمعہ کے نادرست ہونے کی ان ہی الفاظ میں تصریح ہے، جن الفاظ میں سرخسی کے حوالے سے گزری۔

مذکورہ عبارت سے بھی ''اِذنِ عام'' کے امام وحکمران کے لیے شرط ہونے کی حقیقت اوراس کی دلیل معلوم ہوگئی۔

اور چونکہ اس زمانے میں جمعہ، شہر میں ایک مقام پر ہی سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہوتا تھا، اس لیے جہاں مطلق جماعت کے جمعہ پڑھنے کا ذکر ہے، وہ بھی اسی صورت کے ساتھ مقید ہے۔

''تحفةُ الفقهاء'' کا حوالہ

علامہ سمرقندی (المتوفیٰ: 540ھ) کی ''تحفةُ الفقهاء'' میں ہے کہ:

جمعہ کی جو شرائط ظاہرُ الروایۃ میں ذکر کی گئی ہیں، وہ پانچ ہیں، یعنی مصرِ جامع، اور سلطان، اور جماعت، اور خطبہ، اور وقت، اور ایک شرط نوادرُ الصلاۃ میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ جمعہ کی ادائیگی، اشتہار کے طریقہ پر ہو، یہاں تک کہ اگر امیرِ مصر نے اپنے لشکر کو قلعہ میں جمع کرلیا، اور دروازے بند کرلیے، اور لوگوں کو جمعہ پڑھادیا، تو اُن کے لئے جائز نہیں ہوگا، اور اگر قلعہ کا دروازہ کھول دیا، اور عام لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دے دی، تو پھر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البوابين ليمنعوا الناس عن الدخول لم تجزئهم الجمعة؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، ولا يحصل ذلک إلا بالإذن العام وكما يحتاج العام إلى السلطان لإقامة الجمعة فالسلطان أيضا يحتاج إلى العام بأن يأذن لهم إذنا عاما حتى تجور صلاة الكل بهذا النظر من الجانبين(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲،ص۸۵، کتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

اس کا جمعہ جائز ہوگا۔ انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جمعہ کی نماز کے اشتہار کے طریقے پر ہونے کی شرط کو ''نوادرُ الصلاۃ'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور پھر امیرِ مصر کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ کی مثال پیش کی گئی ہے، جو بظاہر تعددِ جمعہ کے بغیر صرف ایک جگہ امیر کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا کیے جانے کی صورت ہے، جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں، اور مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

''بدائعُ الصنائع'' کا حوالہ

ابوبکر بن مسعود کاسانی (المتوفیٰ: 587ھ) نے علامہ سمرقندی کی ''تحفۃُ الفقھاء'' کی شرح ''بدائعُ الصنائع'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے، جس میں انہوں نے اصل متن کو شرح کے ساتھ اس طرح داخل کر دیا ہے کہ دونوں کے درمیان تمیز باقی نہیں رہی، اور ترتیب کو بھی اپنی طرف سے منتخب کیا ہے، اور انہوں نے بعض مسائل میں ماتن سے اختلاف بھی کیا ہے، جس کی متعلقہ مقامات پر تصریح کا التزام نہیں کیا، نیز انہوں نے اپنی اس شرح میں متعدد مسائل اور دلائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔

ابوبکر بن مسعود کاسانی نے ''بدائعُ الصنائع'' میں فرمایا کہ:

اور ایک شہر میں دو جگہ جمعہ کو قائم کرنے کے بارے میں کرخی نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک دو، یا تین جگہ جمعہ قائم کرنے میں حرج نہیں۔

اور امام ابو یوسف سے دو روایتیں مروی ہیں، ایک روایت کے مطابق جب دو جگہ

---

[1] وأما الشرائط التى ليست من صفات المصلى فستة أيضا خمسة ذكرها فى ظاهر الرواية وهى المصر الجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت والسادس ذكره فى نوادر الصلاة وهو أن يكون أداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى إن أميرا لو جمع جنوده فى الحصن وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة فإنه لا يجزئهم وإن فتح باب الحصن وأذن للعامة فيه بالدخول جاز (تحفة الفقهاء، ج ١، ص ١٦٢، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

جمعہ قائم کرنے والی جگہوں کے درمیان بڑی نہر حائل ہو، جیسا کہ دجلہ وغیرہ، تو پھر یہ دوشہروں کے درجہ میں ہوجائیں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اسی صورت میں دوجگہ جمعہ جائز ہوگا، جبکہ نہر پر پُل نہ ہو، لیکن اگر پُل ہوتو جائز نہیں ہوگا، اس صورت میں اس کو ایک ہی شہر کا حکم حاصل ہوگا، اور امام ابو یوسف جمعہ کے دن پُل کو کاٹنے کا حکم دیتے تھے، تاکہ اُن دونوں اطراف کا ایک دوسرے سے تعلق منقطع ہوجائے، اور دونوں حصے دوشہروں کے حکم میں داخل ہوجائیں۔

اور ایک روایت کے مطابق دو مقامات پر اس وقت جمعہ جائز ہے، جبکہ بڑا شہر ہو، اور تین مقامات میں جائز نہیں۔

اور اگر درمیان میں چھوٹی نہر ہو، تب بھی دو مقامات پر جمعہ جائز نہیں۔

پھر اگر وہ دو مقامات پر جمعہ ادا کریں، تو پہلے والوں کا جمعہ صحیح ہوجائے گا، اور دوسرے والوں کو ظہر کی نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا۔

اور اگر وہ دونوں ایک وقت میں ادا کریں، یا پہلے ادا کرنے والوں کا پتہ نہ چل سکے، تو اُن میں سے کسی کی نماز بھی جائز نہیں ہوگی۔

اور امام محمد نے، امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ جمعہ دو، یا تین یا اس سے زیادہ مقامات پر جائز ہے (لیکن پیچھے ابنِ کمال باشا اور علامہ شلبی وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تین سے زیادہ مقامات کی روایت کا کوئی وجود نہیں، اور امام ابوحنیفہ سے تعددِ جمعہ کی مطلقاً مخالفت بھی مروی ہے، جس کو بعض نے اظہر وراجح قرار دیا ہے، اور ابتداءِ اسلام سے لے کر صدیوں تک شہروں میں ایک ہی جگہ جمعہ کے قیام کا رواج رہا ہے)

اور امام محمد نے نوادرُ الصلاۃ میں ذکر کیا ہے کہ اگر امیرِ مصر نے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم کیا، اور خود اپنی ضرورت سے چلا گیا، پھر وہ امیر شہر میں

واپس آیا، اور کسی مسجد میں داخل ہوکر، جمعہ پڑھ لیا، تو جامع مسجد والوں کا جمعہ جائز ہوجائے گا، اور اس کا اپنا جمعہ جائز نہیں ہوگا، مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ جب تمام لوگ اس کے جمعہ پڑھنے کو جان لیں، ایسی صورت میں یہ دو مقامات پر جمعہ پڑھنے کی طرح ہوجائے گا۔

اور امام محمد نے نوادرُ الصلاۃ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر امام جمعہ کے دن استسقاء کی دعاء کے لیے نکلا، جس کے ساتھ بہت سے لوگ نکلے، اور اس نے اپنے پیچھے ایک شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کے لیے چھوڑ دیا، پھر جب جمعہ کا وقت آیا، تو اس امیر نے لوگوں کو عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھادی، اور وہ عیدگاہ شہر سے ایک غلوہ کے فاصلے پر تھی، اور اس امیر کے نائب نے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھادی، تو دونوں کی نماز درست ہوجائے گی، اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ظاہرُ الروایۃ کے مطابق دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، اور اسی پر اعتماد ہے کہ دو مقامات پر جائز ہے، اور دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن، عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، اور پیچھے ضعیف لوگوں کو عید کی نماز پڑھانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ جایا کرتے تھے، اور جب ایسا کرنا عید کی نماز میں جائز ہے، تو جمعہ کی نماز میں بھی جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں نمازیں شہر کی خصوصیت میں برابر ہیں۔

اور دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں۔

اور امام محمد سے جو تین مقامات پر جواز مروی ہے، وہ حاجت اور ضرورت کے موقع پر محمول ہے۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] وأما إقامة الجمعة فی مصر واحد فی موضعین فقد ذکر الکرخی أنه لا بأس بأن یجمعوا فی موضعین أو ثلاثة عند محمد هکذا ذکر وعن أبی یوسف روایتان فی روایة قال :لا یجوز إلا إذا کان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ عبارت میں بھی امام محمد کی نوادر کے حوالے سے امیرِ مصر کے دوسرا جمعہ پڑھنے کی وہی دو مثالیں، ذکر کی گئی ہیں، جو پہلے گزریں، ساتھ ہی دونوں جگہ جمعہ جائز ہونے سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ شہر میں دو جگہ جمعہ جائز ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ دوسری جگہ جمعہ پڑھنے کے یہ دونوں جزئیات، اس صورت سے متعلق ہیں، جس میں اس واقعہ سے قبل ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا، اور امام ابوحنیفہ سمیت ایک جگہ جمعہ کا جواز متفق علیہ ہے، اس میں حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کا بھی اختلاف نہیں۔

پس ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ جائز ہونے کے لیے، جو کہ اجتہادی مسئلہ ہے، اس کو قضاء کا درجہ دینے کے لئے ضروری ہوگا کہ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار ہو، تا کہ نہ تو جمعہ کی امیر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بين موضعي الإقامة نهر عظيم كدجلة أو نحوها فيصير بمنزلة مصرين، وقيل :إنما تجوز على قوله إذا كان لا جسر على النهر فأما إذا كان عليه جسر فلا؛ لأن له حكم مصر واحد وكان يأمر بقطع الجسر يوم الجمعة حتى ينقطع الفصل، وفي رواية قال :يجوز في موضعين إذا كان المصر عظيما ولم يجز في الثلاث وإن كان بينهما نهر صغير لا يجوز فإن أدوها في موضعين فالجمعة لمن سبق منهما وعلى الآخرين أن يعيدوا الظهر، وإن أدوها معا أو كان لا يدرى كيف كان لا تجوز صلاتهم وروى محمد عن أبي حنيفة أنه يجوز الجمع في موضعين أو ثلاثة أو أكثر من ذلك.

وذكر محمد في نوادر الصلاة، وقال :لو أن أميرا أمر إنسانا أن يصلي بالناس الجمعة في المسجد الجامع وانطلق هو إلى حاجة له ثم دخل المصر في بعض المساجد وصلى الجمعة قال :تجزء أهل المصر الجامع ولا تجزئه إلا أن يكون أعلم الناس بذلك فيجوز وهذا كجمعة في موضعين.

وقال أيضا :لو خرج الإمام يوم الجمعة للاستسقاء يدعو وخرج معه ناس كثير وخلف إنسانا يصلي بهم في المسجد الجامع فلما حضرت الصلاة صلى بهم الجمعة في الجبانة وهي على قدر غلوة من مصره وصلى خليفته في المصر في المسجد الجامع قال :تجزئهما جميعا فهذا يدل على أن الجمعة تجوز في موضعين في ظاهر الرواية وعليه الاعتماد أنه تجوز في موضعين، ولا تجوز في أكثر من ذلك فإنه روي عن علي -رضي الله عنه -أنه كان يخرج إلى الجبانة في العيد ويستخلف في المصر من يصلي بضعفة الناس وذلك بمحضر من الصحابة -رضي الله عنهم -ولما جاز هذا في صلاة العيد فكذا في صلاة الجمعة؛ لأنهما في اختصاصهما بالمصر سيان ولأن الحرج يندفع عند كثرة الزحام بموضعين غالبا فلا يجوز أكثر من ذلك، وما روي عن محمد من الإطلاق في ثلاثة مواضع محمول على موضع الحاجة والضرورة(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ۱، ص ۲۶۰، ۲۶۱، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، فصل بيان شرائط الجمعة)

کے لیے تخصیص رہے، اور نہ ہی امیر کا یہ طرزِ عمل، لوگوں کے جمعہ کے فوت ہونے اور اسی کے اپنے حق میں فیصلہ کرنے کا سبب بنے، تو جس صورت میں لوگوں کو علم نہ ہوا، اس صورت میں ان کو آگاہ کرنا ضروری قرار دیا گیا، اسی جزئیہ سے اِذنِ عام کی شرط کو اخذ کیا گیا ہے۔

''بدائعُ الصنائع''میں آگے چل کر مندرجہ ذیل عبارت ہے:

وذكر في النوادر شرطا آخر لم يذكره في ظاهر الرواية وهو أداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى إن أميرا لو جمع جيشه في الحصن وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة لا تجزئهم كذا ذكر في النوادر، فإنه قال :السلطان إذا صلى في فهندرة والقوم مع أمراء السلطان في المسجد الجامع قال :إن فتح باب داره وأذن للعامة بالدخول في فهندرة جاز وتكون الصلاة في موضعين ولو لم يأذن للعامة وصلى مع جيشه لا تجوز صلاة السلطان وتجوز صلاة العامة.

وإنما كان هذا شرطا؛ لأن الله تعالى شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله (يا أيها الذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله)والنداء للاشتهار ولذا يسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور إذنا عاما تحقيقا لمعنى الاسم والله أعلم (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ا ،ص ٢٦٩،كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، فصل بيان شرائط الجمعة)

ترجمہ: ''نوادر''میں ایک دوسری شرط بھی مذکور ہے، جو ظاہرُ الروایۃ میں مذکور نہیں، اور وہ جمعہ کو اشتہار کے طریقہ پر ادا کرنے کی ہے، یہاں تک کہ اگر امیر نے

اپنے لشکر کو قلعہ میں جمع کرلیا، اور دروازوں کو بند کرلیا، اور جمعہ کی نماز اپنے لشکر کے ساتھ پڑھ لی، تو ان کی نمازِ جمعہ جائز نہیں ہوگی، نوادر میں اسی طرح مذکور ہے۔

کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ سلطان جب اپنے محل میں نماز پڑھ لے، اور باقی لوگ سلطان کے امراء کے ساتھ جامع مسجد میں نماز پڑھ لیں، تو اگر سلطان اپنے گھر کے دروازہ کو کھول دے، اور عام لوگوں کے لئے اپنے محل میں داخل ہونے کی اجازت دے دے، تو جائز ہے، اور جمعہ کی نماز دو مقامات پر ہوجائے گی۔

اور اگر سلطان عامۃُ الناس کو اجازت نہ دے، اور اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھ لے، تو سلطان کی نماز جائز نہیں ہوگی، اور دوسرے لوگوں کی نماز جائز ہوجائے گی۔

اور اشتہار کے طریقہ پر جمعہ کو ادا کرنا اس لئے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمازِ جمعہ کے لئے اذان کو مشروع فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **"یا أیھا الذین آمنوا إذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا إلی ذکر اللہ"** اور اذان اشتہار کے لئے ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے اس کا نام جمعہ ہے، کیونکہ اس میں (شہر کی) تمام جماعتیں جمع ہوجاتی ہیں، لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہوا کہ تمام جماعتوں کو حاضر ہونے کی اجازتِ عام بھی دی جائے، تاکہ اس کے نام کے معنیٰ متحقق ہوجائیں۔ **واللہ أعلم** (بدائع)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ کاسانی، شہر میں دو مقامات تک جمعہ کے جواز کو راجح سمجھتے ہیں۔

اور علامہ کاسانی نے اوپر ''نوادر'' کے حوالے سے، جس روایت کا ذکر فرمایا ہے، ہمیں ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کا کہیں ثبوت، اور وجود نہیں ملا، نہ ہی اس کتاب کے متن یعنی ''**تحفۃُ الفقھاء** '' میں اس کا ذکر ہے، اور نہ ہی کسی دوسری کتاب میں اس کا ذکر دستیاب ہوا۔ **و من ادّعٰی فعلیہ البیان۔**

جبکہ نوادر کی روایت کو بغیر ثبوتِ معتبر کے فقہاء نے تسلیم کرنے میں تحفظ کا اظہار فرمایا ہے۔[1]

اور ہمارے خیال میں صاحبِ بدائع کی طرف سے ''نوادر'' کی جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ وہی روایت ہے، جو اس سے پہلی عبارت میں امیرِ مصر کے اعلان کے بغیر جمعہ پڑھنے کی ذکر کی گئی، کیونکہ اذنِ عام کی شرط کو صاحبِ بدائع سے پہلے شمس الائمہ سرخسی نے اور ان کے بعد دیگر حضرات نے اسی نوادر کی روایت و جزئیہ سے لیا ہے، اور غالباً علامہ کاسانی نے اس کو روایت بالمعنیٰ کے طور پر ذکر کیا ہے، جس میں فقہاء کے مابین توسع موجود ہے۔

بہرحال اس موقع پر علامہ کاسانی نے امام وحکمران کے اِذنِ عام کے بغیر اس کی نمازِ جمعہ جائز نہ ہونے کی اس علت کو ذکر نہیں کیا، جس کو علامہ سرخسی اور صاحبِ المحیطُ البرھانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، جس سے حکمران کے اِذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ کے جائز نہ ہونے کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

لیکن اس کے بجائے صاحبِ بدائع نے ایک ایسی دلیل کو ذکر فرما دیا ہے، جو ایک تو خود سے مخدوش قرار دی گئی ہے۔

اور دوسرے اس دلیل کی رو سے اِذنِ عام کی شرط کی وہ حقیقت بعض اہلِ علم حضرات کی

---

[1] مسائل النوادر، وهى المروية عن أصحابنا المذكورين لكن لا فى الكتب المذكورة، بل إما فى كتب أخر لمحمد كالكيسانيات والهارونيات والجرجانيات والرقيات، وإنما قيل لها غير ظاهر الرواية؛ لأنها لم ترو عن محمد بروايات ظاهرة ثابتة صحيحة كالكتب الأولى، وإما فى كتب محمد كالمحرر للحسن بن زياد وغيره ومنها كتب الأمالى المروية عن أبى يوسف .والأمالى: جمع إملاء، وهو ما يقوله العالم بما فتح الله تعالى عليه من ظهر قلبه ويكتبه التلامذة وكان ذلك عادة السلف، وإما برواية مفردة كرواية ابن سماعة والمعلى بن منصور وغيرهما فى مسائل معينة (رد المحتار، ج ا، ص ۶۹، تحت المقدمة)

فعلى هذا لو وجد بعض نسخ النوادر فى زماننا لا يحل عزو ما فيها إلى محمد ولا إلى أبى يوسف؛ لأنها لم تشتهر فى عصرنا فى ديارنا، ولم تتداول نعم إذا وجد النقل عن النوادر مثلا فى كتاب مشهور معروف كالهداية والمبسوط كان ذلك تعويلا على ذلك الكتاب(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۶،ص ۲۸۹، كتاب القضاء ،الفاسق يصلح مفتيا)

نظروں سے مخفی رہ جاتی ہے، جو سرخسی وغیرہ کے حوالے سے ذکر کی گئی ہے، اور اس کا ایک دوسرا ایسا عمومی پہلو ظاہر ہوتا ہے، جو بہت سے اصحابِ علم کے لئے غلط فہمی کا باعث بنتا ہے۔

علامہ کاسانی نے جو استدلال فرمایا ہے، اسی کو علامہ ابنِ ہمام نے بھی مختصراً نقل کیا ہے۔ [1]

لیکن محققین نے اس استدلال سے اتفاق نہیں فرمایا۔

چنانچہ علامہ لکھنوی نے ''عمدةُ الرعاية'' میں اِذنِ عام کے لئے قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے استدلال کے بارے میں فرمایا کہ ''وفيه نظر، لايخفىٰ''۔ [2]

اور ''التفسيرُ المظهری'' میں ہے کہ:

''جمہور علماء اذنِ عام کو شرط قرار نہیں دیتے، اور ابنِ ھمام وغیرہ کا قرآن مجید کی سورہ جمعہ کی آیت سے اِذنِ عام کے شرط ہونے پر استدلال ضعیف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اذان کو جمعہ کی سعی واجب ہونے کا سبب قرار دیا ہے، لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اذان، جمعہ کی ادائیگی کے لئے شرط ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وإذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا'' یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی قراءت کے وقت سُننا اور خاموش رہنا واجب ہے، لیکن یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ سُننا اور خاموش رہنا، قراءت جائز ہونے کے لئے شرط ہے کہ اگر مقتدی، نماز یا خطبہ کے دوران قرائت کرے، تو

---

[1] وشرائط فی غیره :المصر، والجماعة، والخطبة، والسلطان، والوقت، والإذن العام، حتى لو أن واليا أغلق باب بلد وجمع بحشمه وخدمه، ومنع الناس من الدخول لم تجز أخذا من إشارة قوله تعالى (نودی للصلاة)فإنه أی تشهير (فتح القدير، ج۲، ص ۵۰، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

[2] قوله :والأذن العام؛ هذا الشرط لم يذكر فی الهداية، ولا أثر له فی ظاهر الرواية، وإنما هو مذكور فی النوادر ومشى عليه أصحاب المتون، واستبط من قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا إذا نودی للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله، فإن النداء للاشتهار، وفيه نظر لا يخفى(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج۳ص ۶۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

امام کی قرائت اور خطبہ ہی جائز نہ ہو"۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک اِذنِ عام شرط نہیں، اور حنفیہ کی ظاہرُ الروایۃ میں بھی اس شرط کا ذکر نہیں۔

البتہ نوادر کے ایک جزئیہ سے اس کا شرط ہونا معلوم ہوتا ہے، وہ بھی امام وحکمران کے لیے ایک خاص وجہ سے، جیسا کہ گزرا۔

اور اِذنِ عام کی شرط پر سورہ جمعہ کی مذکورہ آیت سے استدلال ضعیف ہے۔

جس کی وجہ صاحبِ تفسیرِ مظہری نے بیان فرمادی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس آیت سے جمہور نے اِذنِ عام کی شرط پر استدلال نہیں کیا، اگر مذکورہ آیت سے یہ استدلال قوی ہوتا، تو جمہور علماء کی نظر سے یہ استدلال مخفی رہنا مشکل تھا۔

جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے اذان کا ہونا، یا بلند آواز سے ہونا شرط ہے ہی نہیں، تو اس سے استدلال کرکے جمعہ صحیح ہونے کے لئے کسی دوسری شرط پر کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اذان تو نمازِ پنجگانہ کے لئے بھی بطریقِ اشتہار مشروع ہے، لیکن اس کی ادائیگی کے لئے بھی تشہیر، بلکہ اذان کا ہونا، شرط نہیں، جبکہ "سعی" تو نمازِ پنجگانہ کی اذان پر بھی واجب ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] (مسئلة) يشترط عند ابى حنيفة رح لاداء الجمعة الاذن العام حتى لو ان واليا اغلق باب بلد وجمع بحشمه ومنع الناس من الدخول لا يصح الجمعة عنده خلافا لجمهور العلماء احتج ابن همام فى هذه المسألة باشارة قوله تعالى نودى للصلوة فان النداء يقتضى الاذن وهذا الاستدلال ضعيف فانه تعالى جعل النداء سببا لوجوب السعى الى الجمعة ولا يلزم منه كون النداء شرطا لادائها كما ان قوله تعالى إذا قرء القران فاستمعوا له وانصتوا يدل على وجوب الاستماع والإنصات عند قراء ة القران لا على كون الاستماع والإنصات شرطا لجواز القراء ة حتى لا يجوز قراء ة الامام فى الصلاة والخطبة ان قرأ المقتدى والله تعالى اعلم(التفسير المظهرى، ج٩، ص٢٩٠، سورة الجمعة)

[2] وقد يجاب بأن ذلك مبنى على ما كان فى زمن السلف من صلاة الجماعة مرة واحدة وعدم تكررها كما هو فى زمنه -صلى الله عليه وسلم- فإنه هو الذى كان يصلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ نمازِ پنجگانہ کے لیے اذان، اسلامی شعائر سے تعلق رکھتی ہے، اور گھر میں نماز باجماعت اداء کرنے کی صورت میں بھی فقہاء نے اذان کو سنت یا مستحب قرار دیا ہے، لیکن اذان یا جماعت کے لیے دروازے کھلے رکھنے کو وہاں بھی شرط قرار نہیں دیا۔

نیز یہ بات ممکن ہے کہ اذان سے جماعت کی تشہیر کردی جائے، لیکن شرکتِ جمعہ میں اذنِ عام نہ دیا جائے، چنانچہ مختلف فیکٹریوں، حساس اداروں وغیرہ کی مساجد میں اذانیں دی جاتی ہیں، جن کی آوازیں باہر بھی پہنچ جاتی ہیں، لیکن باہر سے نماز پڑھنے کے لیے آنے والوں کو اجازتِ عام، یا اِذنِ عام نہیں دی جاتی، اور جماعت پھر بھی درست قرار دی جاتی ہے۔

اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کاسانی نے دراصل، اس اشتہار کی شرط کو بھی، جس سے اذنِ عام ہی مراد ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی کے حوالے سے آتا ہے، شہر میں ایک مقام پر نمازِ جمعہ قائم ہونے کی صورت میں ہی ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس دلیل کے بعد خود ہی فرمایا کہ:

ولذا يسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور إذنا عاما تحقيقا لمعنى الاسم والله أعلم (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۱، ص ۲۶۹، کتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، فصل بيان شرائط الجمعة)

ترجمہ: اور اسی وجہ سے اس کا نام جمعہ ہے، کیونکہ اس میں (شہر کی) تمام جماعتیں جمع ہو جاتی ہیں، لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہوا کہ تمام جماعتوں کو حاضر ہونے کی اجازتِ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بأصحابه فإذا فرغ فمن تخلف تفوته الجماعة وسيأتي أن الراجح عند أهل المذهب وجوب الجماعة فيجب السعي إليها عند وقتها وذلك بالأذان كما في "السعي يوم الجمعة يجب بالأذان لأجل الصلاة لا لذاته"

فتأمل ذلك فلعله يحصل به التوفيق بين كل من القولين (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۱، ص ۲۷۳، كتاب الصلاة، باب الأذان)

عام بھی دی جائے، تاکہ اس کے نام کے معنیٰ متحقق ہو جائیں۔ واللہ اعلم (بدائع)

اور علامہ کاسانی نے خود ہی اپنے زمانے میں فرمایا ہے کہ تمام شہروں میں ایک جامع مسجد کے علاوہ، تمام مساجد کو بند رکھا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی نے ''بدائعُ الصنائع'' میں فرمایا کہ:

''اور آج تک توارث وتعامل بھی اسی کے مطابق ہے کہ شہروں میں جامع مسجد کے علاوہ تمام مساجد کو جمعہ کے دن تالا لگا دیا اور مقفل کر دیا جاتا ہے''۔ انتھیٰ۔ [1]

ظاہر ہے کہ ایک مقام پر جمعہ ہونے کی صورت میں جب تک اذنِ عام کی شکل میں اشتہار نہیں ہوگا، اس وقت تک شہریوں کے لیے کسی اور شکل میں جمعہ کی ادائیگی ممکن ہی نہیں ہوگی، جس کی تفصیل ہم علامہ سرخسی وغیرہ کی عبارت کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں، اور مزید وضاحت آگے علامہ شامی وغیرہ کے حوالے سے آتی ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ علامہ شامی نے اس سلسلے میں جو موقف اختیار فرمایا، وہ صاحبِ بدائع کے مذکورہ موقف کے خلاف نہیں۔ [2]

''فتحُ القدیر'' کا حوالہ

''فتحُ القدیر'' میں ہے کہ:

---

[1] جری التوارث بإغلاق أبواب المساجد فی وقت الظهر یوم الجمعة فی الأمصار (بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۷۰، کتاب الصلاة، فصل بیان ما یستحب فی یوم الجمعة وما یکره فیه)

[2] اور مسلکہ فتویٰ میں جو صاحبِ بدائع کی عبارت ''لاجتماع الجماعات'' کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ''اس میں بہت سی جماعتوں کا مختلف مقامات پر اجتماع ہوتا ہے'' اور اسی طرح علامہ شامی کی اس عبارت ''الاذن للجماعات کلها'' کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ ''وہ تمام مقامات، جہاں پر جمعہ کی جماعت ہو رہی ہے'' یہ ترجمہ درست نہیں، اور اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ صرف اہلِ قلعہ وغیرہ کے لیے اذن کافی نہیں، بلکہ شہر کے تمام لوگوں کے لئے اِذن ضروری ہے، اور یہ اسی صورت میں ہوگا، جب شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ ہو، جیسا کہ آگے علامہ شامی کی عبارت میں صراحتاً آتا ہے۔

لہٰذا ان عبارات سے جو مذکورہ فتوے میں استدلال کیا گیا، اور علامہ شامی کو جو صاحبِ بدائع کے خلاف موقف اختیار کرنے کا الزام دیا گیا، وہ بھی درست نہ ہوگا۔ محمد رضوان خان۔

’’جب جمعہ کی نماز متعدد جگہ ہو، اور جمعہ میں شک ہو، کہ اس کا جمعہ پہلا ہے، یا بعد کا، تو جو احتیاطُ الظہر ہم نے ذکر کی، اس کا پڑھ لینا مناسب ہے، اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ جائز نہیں، اور اصحابِ املاء نے امام ابو یوسف سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ایک شہر کی دو مسجدوں میں بھی جمعہ جائز نہیں، مگر اسی صورت میں جبکہ ان دونوں جمعوں کی نمازوں والے مقامات کے درمیان بڑی نہر ہو، تاکہ وہ دو شہروں کی طرح ہو جائے، اور امام ابو یوسف بغداد میں جمعہ کے دن پُل کو دوسری طرف کے حصے سے الگ کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

اگر ایسا نہ ہو، تو پہلے لوگوں کا جمعہ صحیح ہوگا۔

اور اگر معلوم نہ ہو سکے کہ کس نے پہلے پڑھا ہے، تو دونوں کے جمعے فاسد ہو جائیں گے۔

اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ اگر شہر بہت بڑا ہو، تو دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، تین مقامات پر جائز نہیں۔

اور امام محمد سے تعدُّدِ مطلق بھی مروی ہے، جس کو انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔

اور اسی وجہ سے سرخسی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک شہر میں دو مسجدوں میں اور زیادہ میں جمعہ کا قیام جائز ہے، اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

اور اشتباہ کی صورت میں چار رکعات احتیاطُ الظہر یا تو سنت واقع ہو جائیں گی، یا پھر نفل ہو جائیں گی‘‘۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] وکذا إذا تعددت الجمعة وشک فی أن جمعته سابقة أو لا ینبغی أن یصلی ما قلنا. وأصله أن عند أبی حنیفة لا یجوز تعددها فی مصر واحد، وکذا روی أصحاب الإملاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف جو اپنے زمانے کے قاضی تھے، ان کے زمانے میں بھی بغداد جیسے شہر میں ایک جمعہ کی نماز ہوتی تھی، اور نہر کے اردگرد دوجگہ، جمعہ جائز ہونے کی صورت میں امام ابو یوسف، پُل کو ہٹانے کا حکم فرماتے تھے۔

اورظاہر ہے کہ عام طور پر شہروں کے درمیان اس طرح کی بڑی نہروں کا وجود نہیں ہوتا، لہٰذا وہاں دوجگہ جمعہ کی نماز ہونا اس زمانہ میں نایاب تھا۔

اسی لیے اہلِ مرو نے جب دوجگہ جمعہ کی نماز کو شروع کیا، تو امام زاہدی (المتوفی 658ھ) کے بقول احتیاطُ الظہر کا حکم وجود میں آیا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

’’البنایۃ شرحُ الھدایۃ‘‘ کا حوالہ

’’البنایۃ شرحُ الھدایۃ‘‘ میں ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أبی یوسف أنہ لا یجوز فی مسجدین فی مصر إلا أن یکون بینھما نھر کبیر حتی یکون کمصرین، وکان یأمر بقطع الجسر ببغداد لذلک، فإن لم یکن فالجمعۃ لمن سبق، فإن صلوا معا أو لم تدر السابقۃ فسدتا .وعنہ أنہ یجوز فی موضعین إذا کان المصر عظیما لا فی ثلاثۃ.

وعن محمد یجوز تعددھا مطلقا.

ورواہ عن أبی حنیفۃ ولھذا قال السرخسی :الصحیح من مذھب أبی حنیفۃ جواز إقامتھا فی مصر واحد من مسجدین فأکثر، وبہ نأخذ لإطلاق :لا جمعۃ فی مصر، شرط المصر، فإذا تحقق تحقق فی حق کل منھا .وجہ روایۃ المنع أنھا سمیت جمعۃ لاستدعائھا الجماعات فھی جامعۃ لھا.

والأصح الأول خصوصا إذا کان مصر کبیر، فإن فی إلزام اتحاد الموضع حرجا بینا لاستدعائہ تطویل المسافۃ علی الأکثر، مع أن الوجہ المذکور مما یتسلط علیہ المنع.

وما قلنا من الکلام فی وقوعھا عن السنۃ إنما ھو إذا زال الاشتباہ بعد الأربع لتحقق وقوعھا نفلا، أما إذا دام الاشتباہ قائما فلا یجزم بکونھا نفلا؛ لیقع النظر فی أنھا سنۃ أو لا، فینبغی أن یصلی بعدھا السنۃ؛ لأن الظاھر وقوعھا ظھرا؛ لأنہ ما لم یتحقق وجود الشرط لم یحکم بوجود الجمعۃ فلم یحکم بسقوط الفرض، واللہ سبحانہ وتعالی أعلم(فتح القدیر، ج۲،ص۵۳، ۵۴، کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجمعۃ)

اور شرحُ الجامع الصغیر میں کتابُ الحج کے اندر اہلِ علم نے فرمایا کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو مقامات پر جائز ہے، بخلاف جمعہ کے، کہ وہ ایک شہر میں دو مقامات پر جائز نہیں، کیونکہ اس کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں، اور ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ پڑھنے میں لوگ متفرق ہوجاتے ہیں“۔انتہٰی۔ [1]

پہلے زمانے میں ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، اور ایک جگہ جمعہ پڑھنے کو ہی ترجیح دی جاتی تھی، لیکن اب شہروں میں کئی کئی جگہ جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں، اور یہ پہلے ذکر کیا جاچکا کہ اگر سابق زمانے کے فقہاء، موجودہ حالات کا مشاہدہ فرماتے، تو غالبًا وہ بھی علی الاطلاق تعددِ جمعہ کی اجازت دے دیتے۔

”البنایة شرحُ الهدایة“ میں ہی ہے کہ:

اور ”المبسوط للسرخسی“ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک شہر میں دو یا اس سے زیادہ مقامات پر جمعہ جائز ہے۔

اور جوامعُ الفقہ میں تعددِ جمعہ کے متعلق امام ابوحنیفہ سے دو روایات مروی ہیں، اظہر اور زیادہ مضبوط روایت یہ ہے کہ دو مقامات پر جمعہ جائز نہیں۔

پھر اگر دو مقامات پر جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے، تو جمعہ پہلے والوں کا درست ہوگا، اور اگر دونوں جگہ جمعہ کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی جائیں، یا آگے پیچھے کا پتہ نہ چلے، تو دونوں فاسد شمار ہوں گی۔

اور ”قُنیةُ المنیة“ میں ہے کہ جب اہلِ مرو، دو جمعے قائم کرنے میں مبتلا ہوئے،

---

[1] وقالوا فی "شرح الجامع الصغیر "فی کتاب الحج :دونت المسألة علی أن صلاة العید فی مصر واحد فی موضعین تجوز بخلاف صلاة الجمعة فإنها لا تجوز فی موضعین فی مصر واحد؛ لأنها سمیت جمعة لاجتماع الناس وفی ذلک تفرقهم(البنایة شرح الهدایة،ج۱۲،ص۲۶، کتاب الاضحیة)

اور علماء کا اس کے جواز میں اختلاف ہوا، تو جمعہ کے بعد چار رکعات (احتیاطُ الظہر) کا حکم دیا گیا''۔انتہیٰ۔ [1]

''قنية المنية لتتميم الغنية'' کا حوالہ

ملحوظ رہے کہ ''اہلِ مرو'' کے تعددِ جمعہ میں مبتلا ہونے کی صورت میں ''القنية'' کے حوالے سے، جمعہ کی نماز کے بعد، چار رکعت ''احتیاطُ الظهر '' کے مسئلے کا علامہ ابنِ عابدین شامی اور دیگر کئی حضرات نے ذکر کیا ہے۔ [2]

اور ''القنية'' دراصل ''مختار بن محمود بن محمد الزاہدی'' (المتوفیٰ: 658ھ) کی تالیف ہے، جس کا پورا نام ''قنية المنية لتتميم الغنية'' ہے، اس کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

ولما ابتلى اهل مرو باقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء فى

---

[1] وفى "المبسوط ":"الصحيح عن أبى حنيفة – رحمه الله – ومحمد جواز الجمعة فى مصر واحد فى موضعين وأكثر، وفى "جوامع الفقه "عن أبى حنيفة -رحمه الله -روايتان، والأظهر عنه عدم الجواز فى الموضعين، فإن فعلوا فالجمعة للأوليين، وإن وقعتا معا أو جهلت فسدتا .وفى " قنية المنية :"لما ابتلى أهل مرو بإقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء فى جوازهما أمر بأداء الأربع بعد الجمعة احتياطا.(البناية شرح الهداية، ج٣، ص٩٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] وفى القنية لما ابتلى أهل مرو بإقامة الجمعتين فيها مع اختلاف العلماء فى جوازهما أمر أئمتهم بالأربع بعدها حتما احتياطا .اهـ .ونقله كثير من شراح الهداية وغيرها وتداولوه وفى الظهيرية: وأكثر مشايخ بخارى عليه ليخرج عن العهدة بيقين(رد المحتار، ج٢ ص١٤٦، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

وفى القنية عن بعض المشايخ لما ابتلى أهل مرو بإقامة جمعتين مع اختلاف العلماء فى جوازها أمرهم أئمتهم بأداء الأربع بعد الظهر حتما احتياطا ثم اختلفوا فى نيتها فالأحسن والأحوط أن يقول: اللهم إنى أريد آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد لأن ظهر يومه إنما يجب عليه بآخر الوقت كما فى المطلب(مجمع الانهر، ج ١ ص١٦٧، ١٦٨، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

قال الزاهدى: لما ابتلى أهل مرو بإقامة الجمعتين بها أمر أئمتهم بأداء الظهر بعد الجمعة حتمًا احتياطًا، ثم اختلفوا فى النية، والأحسن أن ينوى آخر ظهر عليه والأحوط أن يقول: نويت آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد، ثم اختلفوا فقيل: يقرأ فى الكل، وقيل: فى الأوليين، والمختار عندى أن يحكم فيها برأيه واختلفوا/ فى مراعاة الترتيب فى الأربع بعد الجمعة حسب اختلافهم فى النية، وفى السبق بماذا يعتبر؟ فقيل: بالشروع، وقيل: بالفراغ، والأول أصح، انتهى(النهر الفائق، ج ١ ص ٣٥٤، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

جوازهما ،ففي قول ابي يوسف و الشافعي و من تابعهما هما باطلان ان دفعتا معا والا فجمعة المسبوقين باطلة امر ائمتهم باداء الاربع بعد الجمعة حتما احتياطاً (قنية المنية لتتميم الغنية، ص ۴۹، كتاب الصلاة، باب في صلاة الجمعة)

ترجمہ: اور جب ''اہلِ مرو'' دو جمعے قائم کرنے میں مبتلا ہوئے، اور علماء کا ان کے جواز میں اختلاف ہوا، امام ابو یوسف اور امام شافعی اور ان کے متبعین کے قول کے مطابق، اگر یہ دونوں جمعے ایک ساتھ پڑھے جائیں، تو دونوں باطل ہیں، ورنہ تو بعد والا جمعہ باطل ہے، تو ان کے ائمہ نے جمعہ کے بعد حتمی طور پر احتیاط کے پیشِ نظر، چار رکعت کا حکم فرمایا (قنية)

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں شہروں کے اندر جمعہ کی نماز عموماً ایک ہی مقام پر ہوتی تھی، اور ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ پڑھنے کے متعلق اہلِ علم کی طرف سے بھی زیادہ توسع نہ تھا، اسی وجہ سے جب ''مرو'' کے لوگوں نے شہر کے دو مقامات پر جمع کا قیام طے کیا، تو امام ابو یوسف وغیرہ کے قول کی وجہ سے اس کے جواز پر شبہ پڑا، تو اس کے حل کے لیے ''احتیاطُ الظہر'' کے حکم پر عمل شروع ہوا۔

''احتیاطُ الظہر'' کے مسئلہ پر ہم نے اس سے پہلے مضامین میں تفصیل سے کلام کر دیا ہے۔

اور اِذنِ عام کا مسئلہ بھی اسی زمانے اور اسی حالت سے متعلق ہے، جب باضابطہ تعدُّدِ جمعہ کا رواج نہ تھا، اور جمعہ کی سلطان کے ساتھ تخصیص موجود تھی، جیسا کہ علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی نے وضاحت فرما دی ہے۔

''شرحُ العینی علی الکنز'' کا حوالہ

علامہ بدرالدین عینی (المتوفیٰ:855ھ) ''شرحُ الکنز'' میں فرماتے ہیں کہ:

اذنِ عام کا امام کی طرف سے پایا جانا شرط ہے، کہ وہ جامع کے دروازے کھول

دے، اور لوگوں کو اجازت دے دے، یہاں تک کہ اگر کوئی جماعت، جامع میں جمع ہوگئی، اور انہوں نے دروازہ بند کرلیا، اور جمعہ پڑھا، تو ان کا جمعہ جائز نہیں ہوگا، اور اسی طریقے سے اگر سلطان اپنے محل کا دروازہ بند کرلے، اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائے، تو اِذنِ عام نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز نہیں۔

اور اگر وہ محل کا دروازہ کھول دے، اور لوگوں کو داخلے کی اجازت دے دے، تو مکروہ ہے، کیونکہ اس نے جامع مسجد کا حق ادا نہیں کیا۔ انتہیٰ۔ [1]

مذکورہ عبارت میں اذنِ عام کے امام یعنی حکمران کی طرف سے پائے جانے کے شرط ہونے کی قید لگائی گئی ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جامع مسجد سے مراد وہی جامع مسجد یا ''جوامع'' ہوں گی، جہاں امام یعنی حکمران، یا اس کا نائب جمعہ قائم کررہا یا کروا رہا ہے، اسی لیے اس کے مقابلے میں سلطان کے محل کا دروازہ بند کرنے کی صورت میں عدمِ جواز اور دروازہ کھولنے کی صورت میں کراہت کا حکم، اس بناء پر بتلایا گیا کہ جامع کا حق ادا نہیں ہوا۔

پس یہ صورت تعددِ جمعہ کی نہیں، اور جوامع سے مراد، مختلف شہروں کی جوامع ہیں، چنانچہ دیگر متقدمین ومتاخرین نے ''جوامع'' کے بجائے ''جامع'' کے الفاظ فرمائے ہیں، اور تعددِ جمعہ کی جو صورت اذنِ عام سے متعلق ہے، اس کی وضاحت پہلے کی جاچکی ہے، اور کچھ آگے بھی آتی ہے۔

''البحرُ الرائق'' کا حوالہ

''البحرُ الرائق'' میں شمس الائمہ سرخسی کے حوالے سے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک، شہر میں

---

[1] (والإذن العام) بالرفع عطف على المرفوعات قبله اى وشرط ادائها ايضا: الإذن العام من الإمام، وهو أن يفتح أبواب الجوامع ويأذن للناس، حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع، وأغلقوا الباب وجمعوا لم يجز ذلك. وكذا السلطان إذا أغلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز لعدمه، وإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول فيه يجوز، ويكره، لأنه لم يقض حق المسجد الجامع (شرح العينى على الكنز، ج ا ص ٩٩، كتاب الصلاة، باب فى بيان احكام صلاة الجمعة، مطبوعة: ادارة القرآن، كراتشى، الباكستان، الطبعة الاولىٰ: 2004ء)

متعدد اور کثیر مقامات پر جمعہ کا جائز ہونا نقل کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ صاحبِ بدائع کی اس بات کا رَد کیا گیا ہے کہ ''ظَاهِرُ الرواية ''میں دو مقامات پر جمعہ جائز ہے، اور دو سے زیادہ مقامات پر جائز نہیں۔ [1]

اس پر کلام پہلے متعدد مرتبہ گزر چکا ہے، جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

نیز ''البحرُ الرائق ''میں ہی ''السراجُ الوهاج'' کے حوالے سے مذکور ہے کہ:

''جامع مسجد کے علاوہ، تمام مساجد کو جمعہ کے دن بند رکھا جائے گا، تاکہ اس میں کوئی جماعت، جمع نہ ہو سکے''۔انتھیٰ۔ [2]

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سابق زمانوں میں شہروں کے اندر، ایک ہی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز قائم کی جاتی تھی، اور آج تک، قدیم شہروں اور قصبوں وغیرہ میں عام طور پر ایک ہی مسجد ''جامع مسجد'' کے نام سے معروف ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے زمانے میں اس ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کیا جاتا تھا۔

پھر بعد میں حنفیہ کے مختلف اقوال کی روشنی میں تعددِ جمعہ کے مسئلے میں توسع پیدا ہوتا اور ترقی

---

[1] (قوله وتؤدى فى مصر فى مواضع) أى يصح أداء الجمعة فى مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فى الاجتماع فى موضع واحد فى مدينة كبيرة حرجا بينا، وهو مدفوع كذا ذكر الشارح وذكر الإمام السرخسى أن الصحيح من مذهب أبى حنيفة جواز إقامتها فى مصر واحد فى مسجدين وأكثر وبه نأخذ لإطلاق :لا جمعة إلا فى مصر شرط المصر فقط، وفى فتح القدير الأصح الجواز مطلقا خصوصا إذا كان مصرا كبيرا كمصر فإن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر وذكر فى باب الإمامة أن الفتوى على جواز التعدد مطلقا وبما ذكرناه اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين، ولا يجوز فى أكثر من ذلك، وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا وإذا علمت ذلك فما فى القنية ولما ابتلى أهل مرو بإقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء فى جوازهما ففى قول أبى يوسف والشافعى، ومن تابعهما باطلتان إن وقعتا معا وإلا فجمعة المسبوقين باطلة أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتما احتياطا(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۲،ص۱۵۳، ۱۵۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] وأشار المصنف إلى أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع لئلا يجتمع فيها جماعة كذا فى السراج الوهاج.(البحرالرائق، ج۲ص۱۶۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

کرتا چلا گیا، اور ایک شہر میں کئی مسجدوں کو جامع مسجد کہا جانے لگا، یہاں تک کہ محلّہ در محلّہ ''جامع مسجد'' کا نام مشہور ہوتا چلا گیا، جیسا کہ آج کل صورتِ حال ہے۔

''البحرُ الرائق'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''جمعہ کی نماز کے لیے ''اذنِ عام'' کی شرط ہے، جس کا مطلب ''علیٰ سبیل الاشتھار'' جمعہ پڑھنا ہے، اور امیر اگر قلعہ کا دروازہ بند کر کے، جمعہ کی نماز پڑھے، تو وہ جائز نہیں، فقہاء نے اس کی تعلیل، شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین ہونا، بیان کی ہے۔

اور ''المجتبیٰ'' میں ہے کہ سلطان، عوام کا دین، دنیا میں محتاج ہوتا ہے، اس لیے عوام، جمعہ میں اس کے محتاج ہوں گے، اور اگر سلطان نے کسی شخص کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا حکم دے دیا، اور وہ خود دوسری مسجد میں موجود ہے، تو جامع مسجد والوں کا جمعہ جائز ہے، دوسری مسجد والوں کا جائز نہیں، مگر اسی صورت میں جبکہ لوگ اس کو جان لیں۔

اور صاحبِ ہدایہ نے اس شرط کا اس لیے ذکر نہیں کیا کہ یہ ظاہرُ الروایۃ نہیں ہے، بلکہ یہ نوادرُ الروایۃ ہے، جیسا کہ بدائع میں ہے''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں اذنِ عام کی تشریح ''علیٰ سبیل الاشتھار'' سے کی گئی ہے، اور امیر کے

---

[1] (قوله والإذن العام) أى شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار حتى لو أن أميرا أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلاة الجمعة لا تجوز كذا فى الخلاصة، وفى المحيط، فإن فتح باب قصره وأذن للناس بالدخول جاز ويكره؛ لأنه لم يقض حق المسجد الجامع وعللوا الأول بأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فيجب إقامتها على سبيل الاشتهار.

وفى المجتبى فانظر إلى السلطان يحتاج إلى العامة فى دينه ودنياه احتياج العامة إليه فلو أمر إنسانا يجمع بهم فى الجامع، وهو فى مسجد آخر جاز لأهل الجامع دون أهل المسجد إلا إذا علم الناس بذلك اهـ.

ولم يذكر صاحب الهداية هذا الشرط؛ لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية، وإنما هو رواية النوادر كما فى البدائع(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲، ص۱۶۲، ۱۶۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

قلعہ کا دروازہ بند کرکے، جمعہ درست نہ ہونے کی تعلیل، جمعہ کے شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہونے کی بیان کی گئی ہے۔

اور پھر ''المجتبیٰ'' کے حوالے سے ایک جزئیہ امیر کے جمعہ پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں سرخسی وغیرہ کی طرح کی تعلیل ذکر کی گئی ہے، لیکن اس کی تعبیر تھوڑی مختلف کی گئی ہے، اور آخر میں بدائع کا حوالہ دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بدائع کی پیروی کی گئی ہے، ہم اس پر پہلے مفصلاً کلام کرچکے ہیں اور اس سلسلہ میں اصل عبارات پیش کرچکے ہیں، اور نقل واصل میں فرق کی صورت میں، اصل کو ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے، اس لیے ہم یہاں مزید کلام کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

''منحۃُ الخالق'' کا حوالہ

''منحۃُ الخالق علی البحر الرائق'' میں ہے کہ:

''اگر امیر نے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا، یہ اس صورت پر محمول ہے، جبکہ لوگوں کو نماز سے روکے، ورنہ اذنِ عام، جامع مسجد کا دروازہ کھولنے سے حاصل ہوجاتا ہے، جیسا کہ ''الدرُّ المختار'' میں الکافی کی طرف اس کو منسوب کیا گیا ہے، اور ''الدرُّ المختار'' میں ہی ''مجمع الانھر'' کے حوالہ سے ''شرح عیون المذاھب'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے مذکور ہے کہ قلعہ کا دروازہ، دشمن یا قدیم عادت کی وجہ سے بند کرنا مضر نہیں، کیونکہ اذنِ عام اس کے اہل کے لیے مقرر ومعلوم ہے، اور قلعہ کا دروازہ دشمن سے حفاظت کے لیے بند کیا جاتا ہے، نمازی کو روکنے کے لیے بند نہیں کیا جاتا، تاہم پھر بھی دروازہ بند نہ کیا جائے، تو زیادہ اچھا ہے۔

اور اس سے شیخ اسماعیل نابلسی کے اس قول کا جواب ہوگیا کہ اذنِ عام کا اعتبار

کرنے کی صورت میں دمشق کے قلعہ اور اس جیسے دوسرے مقامات پر جمعہ کی نماز کی صحت میں شبہ ہوگا کہ جن کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے، اور لوگوں کو نمازِ جمعہ کی حالت میں اندر داخل ہونے سے منع کردیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اس طرزِ عمل کی عادت ہے، بلکہ ایسی صورت میں ظاہر یہی ہے کہ جمعہ کی نماز درست نہ ہوگی، کیونکہ اذنِ عام تو صرف اندر والوں کے لیے ہی ہوتا ہے، جیسا کہ وہ لوگ، جو محل کے اندر ہوں''۔انتھیٰ۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ شیخ نابلسی نے جو شبہ فرمایا، وہ راجح نہیں، کیونکہ نماز کی حالت میں قلعہ کا دروازہ بند کرنے کی صورت میں باہر سے آنے والوں کو تو نماز میں شریک ہونا، ممکن ہی نہ ہوگا، اس لیے نمازِ جمعہ میں شبہ نہ ہوگا، بلکہ راجح یہ ہے کہ نماز صحیح نہ ہوگی، مجمع الانھر کی عبارت سے اس کا جواب ہوگیا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے''ردُّ المحتار''میں باضابطہ تعددِ جمعہ کی صورت میں قلعہ کا دروازہ بند ہونے پر بھی نمازِ جمعہ کو جائز قرار دینے کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اور مجمع الانھر کی عبارت بھی آگے آتی ہے۔

اور''**منحة الخالق**''میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

''عید کی نماز کے لیے اگر سلطان شرط نہ ہوگا، تو اذنِ عام کی شرط کے بھی کوئی معنیٰ نہیں ہوں گے، اور عید کی نماز میں فقہاء نے سلطان کی شرط کا اس لیے ذکر نہیں کیا

---

[1] (قوله حتى إن أميرا لو أغلق إلخ) ينبغي حمله على ما إذا منع الناس من الصلاة وإلا فالإذن العام يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كما عزاه فى الدر المختار إلى الكافى وفيه عن مجمع الأنهر معزيا إلى شرح عيون المذاهب لا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى نعم لو لم يغلق لكان أحسن اهـ.

وبه اندفع قول الشيخ إسماعيل (النابلسى) وعلى اعتباره أى الإذن العام تحصل الشبهة فى صحتها فى قلعة دمشق وأضرابها حيث يغلق بابها ويمنع الناس من الدخول حال الصلاة كما هو المعتاد فيها بل الظاهر حينئذ عدم الصحة إذ لا إذن عام فيها إلا لمن فى داخلها كمن فى داخل القصر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص ۱۶۲، ۱۶۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

کہ اس میں اذنِ عام شرط نہیں، جبکہ پہلے یہ بھی گزر چکا ہے کہ اذنِ عام کا ظاھرُ الروایة میں ذکر ہی نہیں'' ۔انتھٰی۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ اذنِ عام کی شرط کا تعلق سلطان کے شرط ہونے کے ساتھ ہے، اور سلطان کی شرط کے بغیر اس کے معتبر ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اذنِ عام کا تعلق سلطان یا اس کے نائب سے ہے۔

اور دسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اذنِ عام کی شرط، سلطان کی شرط پر موقوف اور اس کے تابع ہے۔

اور راجح یہ ہے کہ اس باب میں جمعہ وعید کی نماز کا حکم برابر ہے، یعنی عندالحنفیة، عید کے لیے بھی سلطان کا شرط ہونا راجح ہے۔

''النهرُ الفائق'' کا حوالہ

''النهرُ الفائق'' میں ہے کہ:

''جمعہ ایک شہر میں متعدد مقام پر جائز ہے، امام ابوحنیفہ کا صحیح مذہب، امام محمد نے یہی نقل کیا ہے، جیسا کہ ''فتحُ القدیر'' میں ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، اور ''بدائع'' میں دو مقامات پر جمعہ کے جائز ہونے کو ظاہرُ الروایۃ قرار دیا گیا ہے'' [2]

---

[1] وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢، ص ١٧٩، كتاب الصلاة، باب العيدين)

[2] (وتؤدى) الجمعة (فى مصر فى مواضع) منه رواه محمد عن الإمام، وهو الصحيح، وفى باب الإمامة من (فتح القدير) وعليه الفتوى، دفعًا للحرج اللازم من إلزام الاجتماع فى موضع واحد خصوصًا إذا كان مصرًا كبيرًا كمصرنا، وخص الثانى الجواز بموضعين وجعله فى (البدائع) ظاهر الرواية .قال :وعليه الاعتماد وما عن محمد من إطلاق الجواز فى ثلاث مواضع فمحمول على موضع الحاجة والضرورة، انتهى.
وفى (الحاوى القدسى) وعليه الفتوى وفى (التكملة) للرازى، وعن محمد عدم الجواز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ کتاب ہی میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

''جمعہ ادا ہونے کے لیے، امام کی طرف سے اذنِ عام شرط ہے، امام، عوام کا دین اور دنیا میں محتاج ہوتا ہے، تو اسی طریقے سے عوام اس کے محتاج ہوتے ہیں، اور اس شرط کا ظاہرُ الروایۃ میں ذکر نہیں، بلکہ نوادر کی روایت میں ذکر ہے، اسی وجہ سے اس کو ہدایہ میں حذف کر دیا ہے''۔انتہٰی۔ [1]

امام کے عوام کا اور عوام کے امام کا محتاج ہونے کی توضیح پہلے گزر چکی ہے۔

مذکورہ عبارت میں بھی اذنِ عام کے امام کی طرف سے ہونے کی قید ہے۔

اور مذکورہ کتاب ہی میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

''اور جب عید کی نماز کے لیے، سلطان یا اس کا نائب شرط نہیں ہوگا، تو اذنِ عام کی شرط کے بھی کوئی معنیٰ نہیں ہوں گے۔

اور گویا کہ فقہاء نے سلطان کا ذکر کر کے اذنِ عام کی شرط سے اس لیے استغناء اختیار کیا کہ ہم نے یہ بات ذکر کردی ہے کہ اذنِ عام کا ظاہر الروایۃ میں ذکر نہیں''۔انتہٰی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فی أكثر من موضعين وبه نأخذ ويبنى على الخلاف صلاة الأربع بعد الجمعة بنية آخر ظهر عليه.

قال الزاهدى : لما ابتلى أهل مرو بإقامة الجمعتين بها أمر أئمتهم بأداء الظهر بعد الجمعة حتمًا احتياطًا (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص ٣٥٤، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[1] (و) شرط أدائها أيضًا (الإذن العام) من الإمام حتى لو غلق بابه وصلى باتباعه لا تجوز، ولو أذن للناس بالدخول فيه جاز ويكره فالإمام يحتاج للعامة فى دينه ودنياه. كما يحتاج العامة إليه فسبحان من تنزه عن الاحتياج، بل كل موجود إليه محتاج وهذا الشرط لم يذكر فى الظاهر، بل فى رواية (النوادر)، ولهذا حذفه فى الهداية (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص ٣٦٠، ٣٦١، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص ٣٧٣، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ عیدین کے لیے سلطان کا ہونا بھی، جمعہ کی طرح شرط ہے، اور جو بعض نے سلطان کے عید کے لیے شرط ہونے کی نفی کی ہے، مذکورہ عبارت میں اس کا جواب ہے، اور مذکورہ عبارت میں ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اگر سلطان کو عید کی نماز کے لیے شرط قرار نہیں دیا جائے گا، تو پھر اذنِ عام کی شرط لگانے کے بھی کوئی معنیٰ نہیں ہوں گے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اذنِ عام کی شرط سلطان کے لیے ہے، اور اس کے تابع ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کے صحتِ جمعہ کا حق سلطان کے پاس موجود ہے، جب وہ چھپ کر، یا دروازہ بند کر کے جمعہ پڑھتا ہے، یا لوگوں کو اپنے ساتھ جمعہ میں شریک ہونے کا اذنِ عام نہیں دیتا، تو وہ لوگوں کے حق پر قبضہ کرنے والا اور لوگوں کی حق تلفی کرنے والا ہوتا ہے۔

گویا کہ سلطان کا دروازہ بند کر کے نمازِ جمعہ پڑھنے میں لوگوں کے حق کو بھی بند کر لینا پایا جاتا ہے۔

اور اگر سلطان نے اپنا کوئی نائب جمعہ کے لیے مقرر کیا ہو، اس کا حکم بھی یہی ہوگا۔

''مجمعُ الأنهر'' کا حوالہ

''مجمعُ الأنهر'' میں ہے کہ:

> ''اور شہر میں چند مقامات پر، جمعہ کی نماز جائز ہے، فتح القدیر میں طرفین کا یہی قول مذکور ہے۔
>
> اور امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ جمعہ کی نماز شہر میں ایک مقام پر ہی جائز ہے، کیونکہ یہ دین کے شعائر میں سے ہے، اس لیے اس کی جماعت کی تقلیل جائز نہیں۔
>
> اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے مختلف روایات مروی ہیں''۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] (وتصح في مصر) واحد (في مواضع هو الصحيح) وهو قول الطرفين نقلا عن الفتح .وفي المنح :الأصح الجواز مطلقا خصوصا إذا كان مصرا كبيرا فإن في اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے شعائرِ دین ہونے کی علت کا اعتبار فقہاء نے جمعہ کے ایک ہی مقام پر جائز ہونے میں کیا ہے۔

جبکہ بعض دیگر حضرات نے اس کو اذنِ عام کی شرط کی علت بنایا ہے، اگر اس کو بھی اس صورت پر محمول کیا جائے، جبکہ جمعہ کی نماز شہر میں ایک ہی جگہ قائم ہو، تو پھر اس پر قابلِ ذکر شبہ نہیں، لیکن جب ایک یا متعدد مقام پر اِذنِ عام، اور اعلان واشتہار کے ساتھ نمازِ جمعہ قائم ہو، پھر کچھ لوگ اِذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ قائم کریں، تو وہاں اذنِ عام کا نہ ہونا شعار کے منافی نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔

اور ''مجمعُ الأنهر'' میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

> ''اذنِ عام یہ ہے کہ اگر عمارت میں جمعہ ادا کیا جائے، تو آنے والوں کے لیے جامع کے دروازے کھول دیئے جائیں، فقہاء نے فرمایا کہ سلطان اگر اپنے حشم وخدم کے ساتھ، جمعہ پڑھنا چاہے، تو اگر وہ دروازہ کھول کر، اذنِ عام دے دے،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفي كلامه إشعار بأنه لو كان المصر صغيرا لا مشقة في اجتماع أهله في موضع واحد لا تجوز فيه الزيادة على واحد.

(وعن الإمام) لا تجوز إلا (في موضع فقط) لأنها من أعلام الدين فلا يجوز تقليل جماعتها.

وفي جوازها في مكانين تقليلها فإن أديت في موضعين أو أكثر فالجمعة للأول تحريمة فإن وقعتا معا بطلتا لعدم المرجح وقيل فراغا وقيل فيهما جميعا وقيل :تجوز في موضعين ولا تجوز في أكثر وهو رواية عن أبي يوسف ومحمد ورواية عن الإمام ولكن في الخانية لم يذكر قول الإمام وإنما ذكر ما بين أبي يوسف ومحمد.

(وعند أبي يوسف تجوز في موضعين إن حال بينهما نهر) كبير كبغداد أو كان المصر كبيرا كما في الشمني وروى عنه أنه لا تجوز إذا كان عليه جسر وعنه أنه كان يأمر برفع الجسر في بغداد وقت الصلاة ليكون كمصرين ثم كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة بتفويت شرطها ينبغي أن يصلي أربع ركعات وينوي بها الظهر ليخرجوا عن فرض الوقت بيقين لو لم تقع الجمعة موقعها كما في الكافي(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ١، ص ١٦٧، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

تو نماز جائز ہے، مگر مکروہ ہے، ورنہ جائز نہیں، جیسا کہ ''الکافی'' میں ہے''۔

انتھٰی۔ [1]

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ حاکم شہید کی ''الکافی'' میں اِذنِ عام کے مذکورہ جزئیہ کا ذکر نہیں، البتہ متعدد حضرات نے حاکم شہید کی ''المنتقی'' کے حوالہ سے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔

شاید کسی سے ''المنتقی'' کے بجائے ''الکافی'' لکھنے میں خطاء ہوگئی ہو، اور پھر وہ نقل در نقل ہوتے ہوئے، آگے چلتی رہی ہو، جیسا کہ کئی دوسری عبارات میں اس طرح کے تسامحات کا صدور ہوا ہے، اور اس کی اہلِ علم حضرات نے نشان دہی فرمائی ہے۔

''شرحُ الوقایۃ'' کا حوالہ

''شرحُ الوقایۃ'' میں ہے کہ:

''اور معذور اور مسجون کے لیے شہر میں جمعہ کے دن، جماعت سے ظہر کی نماز، جائز نہیں، کیونکہ جمعہ تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے، اس لیے ایک ہی جماعت جائز ہوگی، اور اسی وجہ سے امام ابو یوسف کے نزدیک، دو مقامات پر جمعہ جائز نہیں، سوائے خاص صورت کے، اور امام محمد کے نزدیک دو یا تین مقامات پر جائز

---

[1] (والإذن العام) وهو أن يفتح أبواب الجامع للواردين قالوا :السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره فإن فتح الباب وأذن إذنا عاما جازت الصلاة ولكن يكره وإلا لم يجز كما في الكافي وما لا يقع في بعض القلاع من غلق أبوابه خوفا من الأعداء أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلا بأس به لأن إذن العام مقرر لأهله ولكن لو لم يكن لكان أحسن كما في شرح عيون المذاهب.

وفي البحر والمنح خلافه لكن ما قررناه أولى لأن الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ولا مدخل في غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره تدبر وعند الأئمة الثلاثة لا يشترط الإذن العام (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ١ ،ص ١٦٦ ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے‘‘۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے مسجون کے لیے ظہر کی جماعت کے مکروہ ہونے کی یہ وجہ معلوم ہوئی کہ جمعہ کے دن، شہر میں ایک ہی جمعہ کی جماعت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ قید خانے سے متعلق یہ حکم عدمِ تعددِ جمعہ پر محمول ہے، اسی لیے آگے امام ابو یوسف کے قول کی اس پر تفریع کی گئی ہے۔

اور جمعہ کے لئے چونکہ ظاہرُ الروایت کے مطابق سلطان شرط ہے، اور وہ جیل خانہ میں نہیں جاتا، اور تعامل بھی سابق زمانوں میں عدمِ تعدُّدِ جمعہ کا رہا ہے، اس لیے جیل خانے میں جمعہ کی نماز بھی جائز نہیں، یعنی جیل خانے میں جمعہ نہ ہونے کی بنیادی وجہ، ظاہرُ الروایت کی شرط کا فقدان ہے، اور اِذنِ عام کی شرط اس ظاہرُ الروایۃ کی شرط پر متفرع ہے۔

لہٰذا جیل خانے میں جمعہ نہ ہونے کی وجہ اِذنِ عام کے بجائے، سلطان یا اس کے اِذن کی شرط کے مفقود ہونے کو قرار دینا ہی راجح ہے، اگرچہ متعدد اہلِ علم میں اس کے برخلاف مشہور ہے۔

’’شرحُ النقایۃ‘‘ کا حوالہ

’’شرحُ النقایۃ‘‘ میں ہے کہ:

’’جمعہ، شہر کے اندر متعدد مقامات پر قائم ہونے کے متعلق چار روایات ہیں۔

ایک روایت امام ابوحنیفہ وامام محمد کی ہے، جس کے مطابق دو اور زیادہ مقامات پر جمعہ جائز ہے، جس کو سرخسی نے اصح ومختار قرار دیا ہے۔

---

[1] (وكره ظهر معذور أومسجون بجماعة فى مصريومها)؛ لأن الجمعة جامعة للجماعات، فلا يجوز إلا جماعة واحدة؛ ولهذا لا تجوز الجمعة عند أبى يوسف -رضى الله عنه- بموضعين إلا إذا كان مصر له جانبان، فيصير فى حكم مصرين كبغداد، فيجوز حينئذ فى موضعين دون الثلاثة.
وعند محمد -رضى الله عنه-: لا بأس بأن يصلى فى موضعين، أو ثلاثة سواء كان للمصر جانبان، أو لم يكن، (وبه يفتى)(شرح الوقاية مع حاشية عمدة الرعاية، ج٣، ص ٦١، ٦٢، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

دوسری روایت امام ابوحنیفہ کی ایک سے زیادہ مقامات پرعدمِ جواز کی ہے، کیونکہ یہ دین کی علامات میں سے ہے، لہٰذا اس کو ایک مجمع سے تقسیم کر کے، اس کی تقلیل جائز نہ ہوگی۔

تیسری روایت امام ابوحنیفہ اور آپ کے صاحبین کی ہے کہ دو مقامات پر جائز ہے۔

چوتھی روایت امام ابویوسف کی ہے کہ بڑے شہر یا دونوں مقامات کے درمیان بڑی نہر حائل ہونے کی صورت میں دو مقامات پر جمعہ جائز ہے''۔انتھٰی۔ [1]

تعدُّدِ جمعہ کے متعلق حنفیہ کے اختلاف اور مختلف روایات کا محققینِ حنفیہ کے حوالے سے پہلے ذکر گزر چکا ہے، اس کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

''شرحُ النقاية''میں ہی ہے کہ:

''جمعہ کے لیے اذنِ عام اس لیے شرط ہے کہ یہ اسلام کے شعائر میں سے ہے، تو اس کو لوگوں کے درمیان اشتہار کے طریقے پر قائم کرنا واجب ہے، اسی وجہ سے امیر کو دروازہ بند کر کے اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھانا جائز نہیں، کیونکہ سلطان کی

---

[1] ولو أقيمت الجمعة في مصر في مواضع، ففي المذهب أربع روايات:
أولاها عن أبي حنيفة ومحمد وهي أصحها :الجواز سواء كان التعدد في موضعين أو أكثر، لأن في عدم تعدد جوازها حرجا .والحرج مدفوع، فصارت كصلاة العيدين .وبه قال محمد، وهو مختار السرخسي.
ثانيتها عن أبي حنيفة :لا يجوز في أكثر من موضع واحد، لأن الجمعة من أعلام الدين، فلا يجوز تقليل جماعتها، وفي جوازها في مكانين تقليلها.
ثالثتها عن أبي حنيفة وصاحبيه :يجوز في موضعين لا غير نظرا إلى وجهي الروايتين الأوليين.
رابعتها عن أبي يوسف :يجوز في موضعين إذا كان المصر كبيرا، أو حال بين الخطبتين نهر كبغداد.
ثم من قال بعدم جواز التعدد قال :الجمعة هي السابقة .وفي المحيط :إن وقعتا معا بطلتا .وفي شرح المجمع :وكذا لو جهلت السابقة، ثم الأصح أنه يعتبر السبق بالشروع لا بالفراغ ولا بهما (شرح النقاية، ج ۱،ص ۴۸۵، ۴۸۶، كتاب الصلاة، باب في صلاة الجمعة، فصل في شروط وجوب الجمعة، شروط اداء الجمعة)

شرط، لوگوں سے جمعہ فوت ہونے سے بچانے کے لیے ہے، اور وہ اذنِ عام کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اور جس طرح عوام، سلطان کے جمعہ کو قائم کرنے میں محتاج ہوتے ہیں، تو سلطان جمعہ قائم کرنے میں ان کا محتاج ہوگا کہ وہ ان کو اذنِ عام دے دے، جس سے طرفین کی رعایت ہوجائے گی'' ۔انتھٰی۔ [1]

شعائر کی توجیہ بعض اہلِ علم سے لی گئی ہے، جو کہ بنیادی طور پر شہر میں ایک مقام پر جمعہ کے قیام کے قول کی دلیل ہے، جس پر کلام گزر چکا ہے، مزید آگے آتا ہے۔

اور سلطان کے دروازہ بند کرنے کی وجہ سے لوگوں کا جمعہ فوت ہونے کی توجیہ کی توضیح بھی گزر چکی ہے، اور واضح ہوچکا کہ عندالحنفیہ سلطان کے پاس لوگوں کی صحتِ جمعہ کی شرط موجود ہوتی ہے، کیونکہ حنفیہ نے سلطان کو صحتِ جمعہ کی شرط قرار دیا ہے۔

لہٰذا سلطان کے لوگوں کو اپنے ساتھ جمعہ میں اِذنِ عام نہ دینے سے لوگوں کا جمعہ فوت ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے سلطان کو اِذنِ عام کی شرط کا پابند کیا گیا۔

اور اس کے لئے ہر ایسے طرزِ عمل کو ناجائز ٹھہرایا گیا، جس کی وجہ سے جمعہ کی، اس کے ساتھ تخصیص ہونے کی بناء پر لوگوں کے فریضۂ جمعہ کا ضیاع لازم آئے، یا آئندہ کے لئے اس کا سبب بنے، اور سلطان کے لیے مظنۂ تہمت ہو۔

لہٰذا اس اِذنِ عام کی شرط کو اپنے درجہ پر رکھنا چاہئے۔

---

[1] (والإذن العام) أى وشرط لأدائها الإذن العام لأنها من شعائر الإسلام، فيجب إقامتها على وجه الاشتهار بين الأنام، حتى لو أغلق الأمير باب قصره وصلى بعسكره لم يجز، ولو فتح باب قصره وأذن بالدخول جازت مع الكراهة، كذا ذكره الشمنى .وفى المبسوط :إن الإذن العام هو أن تفتح أبواب الجامع، ويؤذن للناس حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع وأغلقوا الأبواب وجمعوا لم تجز. وكذا السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى قصره، فإن فتح بابه وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته، شهدتها العامة أو لا، وإن لم يفتح بابه ولم يأذن لهم بالدخول لا تجزئه، لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، وذا لا يحصل إلا بالإذن العام .وكما يحتاج العامة إلى السلطان فى إقامتها، فالسلطان يحتاج إليهم :بأن يأذن لهم إذنا عاما، فبهذا يعتدل النظر من الجانبين(شرح النقاية، ج ١،ص ٤٩١، ٤٩٢، كتاب الصلاة، باب فى صلاة الجمعة، فصل فى شروط وجوب الجمعة، شروط اداء الجمعة)

''الجوهرةُ النيرة'' کا حوالہ

''الجوهرُ النيرة''میں ہے کہ:

''شہر میں دو مقامات پر، جمعہ میں حرج نہیں، اور اس سے زیادہ مقامات پر جائز نہیں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے دو یا تین مقامات پر ہی جواز کی روایات مروی ہیں، اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق، صرف ایک مقام پر ہی جائز ہے''۔انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جمعہ کے تین مقامات تک جواز کا قول مذکور ہے، اس سے زیادہ کے جواز کا ذکر نہیں، جیسا کہ بعض دیگر حضرات نے بھی فرمایا۔

''دررُ الحكام شرح غرر الأحكام'' کا حوالہ

''دررُ الحكام شرح غرر الأحكام''میں ہے کہ:

''اور جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے اذنِ عام شرط ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ امیر، لوگوں کو اذنِ عام دے دے، یہاں تک کہ اگر وہ اپنے محل کے دروازے کو بند کر کے اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھائے گا، تو جائز نہیں ہوگا''۔انتھٰی۔ [2]

مذکورہ عبارت میں اذنِ عام کے امیر کی طرف سے دیئے جانے اور امیر کے محل کا دروازہ بند

---

[1] ولا بأس أن يجمع الناس فى المصر فى موضعين ولا يجوز فى أكثر من ذلک وعن أبى يوسف لا تجوز فى موضعين إلا أن يكون بين الجامعين نهر عظيم وإن لم يكن فالجمعة لمن سبق وعلى الآخرين إعادة الظهر وإن صلوا معا ولا يدرى من سبق لا تجوز صلاتهم جميعا، وعند محمد تجوز فى موضعين وثلاثة وعن أبى حنيفة لا تجوز إلا فى موضع واحد(الجوهرة النيرة، ج ۱ ،ص ۸۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] (و) شرط صحتها أيضا (الإذن العام) أى أن يأذن الأمير للناس إذنا عاما حتى لو أغلق باب قصره وصلى بأصحابه لم يجز(درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱ ،ص ۱۳۸ ، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

کرنے کا ذکر ہے۔

اور ہم متعدد حنفیہ سے یہ نقل کرتے آرہے ہیں کہ انہوں نے اس شرط کا سلطان وامیر کو ہی پابند کیا ہے، اور یہ پابندی، سلطان کے ہر نائب پر عائد ہے۔

اوراس کی وجہ حنفیہ کے نزدیک سلطان، یا اس کا نائب شرط ہونے کی بناء پر ہی متفرع ہے، تاکہ لوگوں کا جمعہ فوت نہ ہوجائے، یا آئندہ کے لیے سلطان وامیر کا یہ عمل لوگوں کے جمعہ کو فوت کرنے کی طرف مفضی یا اس کے لیے مظنۂ تہمت نہ ہوجائے۔

''غمز عیونِ البصائر'' کا حوالہ

''غمز عیونِ البصائر''میں بھی شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ کے متعلق اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ عید کی نماز تو دو مقامات پر جائز ہے، اور تین مقامات پر جائز ہونے میں اختلاف ہے، لیکن جمعہ کے مسئلے میں اصل تعدد میں ہی اختلاف ہے۔ [1]

''مراقیُ الفلاح و حاشیۃُ الطحطاوی'' کا حوالہ

علامہ شرنبلالی (المتوفی:1069ھ) کی ''مراقیُ الفلاح'' اوراس کی شرح ''حاشیۃ

---

[1] قال فی البزازیة: إن إقامته فی موضعین فی مصر يجوز بخلاف الجمعة؛ لأنها جامعة للجماعات: والتفرق ينافيه (انتهى)

وكتب عليه قاضی القضاة عبد البر بن الشحنة ما نصه: قلت الصحيح أنه يجوز الجمعة فی موضعين فأكثر وهی خلافية مشهورة (انتهى)

أقول: هذا الافتراق أخذه المصنف من كلام البزازی وأصلح عبارته بقوله على قول مرجوح فسلم من هذا الاعتراض، لكن فی التتارخانية نقلا عن المحيط تجوز إقامة صلاة العيد فی موضعين، وأما إقامتها فی ثلاث مواضع فعلى قول محمد يجوز، وعلى قول الإمام لا يجوز .(انتهى)

وعلى هذا فأصل التعدد فی صلاة العيد لا خلاف فيه، وإنما الخلاف فی إقامتها فی ثلاثة مواضع بخلاف الجمعة: فإن الخلاف فيها فی أصل التعدد؛ لأنها جامعة للجماعات والتفرق ينافيه(غمز عيون البصائر فی شرح الاشباه والنظائر، ج۴، ص۹۲،الفن الثالث من الأشباه والنظائر وهو فن الجمع والفرق، القول فی أحكام المسجد،ما افترق فيه الجمعة والعيد)

الطحطاوی" میں مبسوط سرخسی کے حوالہ سے تعدُّدِ جمعہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔
اور تعدُّدِ جمعہ کے جواز کے راجح ہونے کی طرف رُجحان ظاہر کیا گیا ہے، جس کے متعلق پہلے متعدد مرتبہ کلام ہو چکا ہے۔ [1]

نیز علامہ شرنبلالی (المتوفی: 1069ھ) نے "**مراقیُ الفلاح**" میں اِذنِ عام کے مسئلے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"صحتِ جمعہ کی پانچویں شرط، اِذنِ عام ہے، کیونکہ جمعہ شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہے۔
لہٰذا اس کو اشتہار اور عموم کے طریقہ پر قائم کرنا، لازم ہے۔
پس اگر حکمران نے اپنے قلعہ یا محل کے دروازہ کو بند کر کے اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھا دیا، تو جائز نہ ہوگا، اور اگر لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، تو جمعہ صحیح ہو جائے گا۔
لیکن جامع مسجد کا حق ادا نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا، اور **الھدایۃ**' میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا "**ظاھرُ الروایۃ**" میں ذکر نہیں پایا

---

[1] وتصح إقامة الجمعة فی مواضع كثيرة بالمصر وفنائه وهو قول أبی حنيفة ومحمد فی الأصح ومن لازم جواز التعدد سقوط اعتبار السبق وعلى القول الضعيف المانع من جواز التعدد قيل بصلاة أربع بعدها بنية آخر ظهر عليه(مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح،ص١٩٣، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

قوله" :فی الأصح "قال السرخسی وبه نأخذ وعليه الفتوى كما فی شرح المجمع للعينی وكما فی الفتح ومقابل الأصح ما فی البدائع أن ظاهر الرواية جوازها فی موضعين فلا تجوز فی أكثر من ذلک وعليه الإعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا وما قاله الشيخ العلامة المقدسی فی نور الشمعة عن الإمام لا تجوز إلا فی موضع واحد فی البلد الواحد وما قال الإمام الزاهد العتابی وإلا ظهر عنده أنها لا تجوز إلا فی موضعين ولو فعلوا فالجمعة للأولى وإن صليا معا فصلاتهم جميعا فاسدة والأصح إطلاق الجواز فی مواضع لا طلاق الدليل اهـ أفاده الشرح قوله" :وعلى القول الضعيف "هو قول أبی يوسف قوله" :المانع من جواز التعدد "فالجمعة عنده للسابق وتفسد بالمعية والاشتباه ثم يعتبر السبق بالشروع وقيل بالفراغ وقيل بهما(حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح،ص٥٠٦، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

جاتا، یہ تو ''النوادر'' کی ایک روایت ہے۔

اور قاضی عبدالبر ابن شحنہ (حلبی، قاہری، حنفی، المتوفیٰ 921ھ) نے قاہرہ کے قلعہ میں، جمعہ کے وقت دروازہ کے مقفل ہونے کی وجہ سے، جمعہ کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن ممانعت کا قول، بظاہر قابلِ نظر ہے، کیونکہ حاکم کے اپنے قافلے کے ساتھ، محل میں نمازِ جمعہ صحیح نہ ہونے کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ جمعہ کو اپنے ساتھ مختص کرلے، اور عام لوگوں کو جمعہ سے محروم کردے، لیکن قاہرہ کے قلعہ میں جمعہ پڑھنے کے قضیہ میں یہ علت مفقود ہے، کیونکہ قاہرہ کے اس قلعے کو اگرچہ جمعہ کے وقت مقفل کردیا جاتا ہے، لیکن حاکم نے جمعہ کو اپنے ساتھ مختص نہیں کیا ہوتا، کیونکہ قلعہ کے دروازے کے قریب کئی جامع ہیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر خطبہ اور جمعہ ہوتا ہے، اور ان کی وجہ سے قلعہ میں داخل ہونے سے منع کرنے کی وجہ سے جمعہ فوت نہیں ہوتا، بلکہ اگر قلعہ کا دروازہ کھلا بھی رکھا جائے، تو اس میں جمعہ کی نماز کے لیے جانے کی لوگوں کو زیادہ رغبت نہیں ہوتی، کیونکہ جمعہ کی نماز، اس قلعے میں چڑھنے کا تکلف کرنے کے مقابلے میں سہل مقامات پر بھی حاصل ہوجاتی ہے، اور قاہرہ شہر کے ہر محلے میں مختلف خطبے اور جمعے ہوتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں قلعہ کو بند کرکے صحتِ جمعہ کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی ''۔انتہیٰ۔ [1]

---

[1] و "الخامس من شروط صحة الجمعة "الإذن العام "كذا فى الكنز لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم حتى غلق الإمام باب قصره أو المحل الذى يصلى فيه بأصحابه لم يجز وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت ولكن لم يقض حق المسجد الجامع فيكره.

ولم يذكر فى (الهداية) هذا الشرط لأنه غير مذكور فى ظاهر الرواية وإنما هو رواية (النوادر).

قلت اطلعت على رسالة العلامة بن الشحنة وقد قال فيها بعدم صحة الجمعة فى قلعة القاهرة لأنها تقفل وقت صلاة الجمعة وليست مصرا على حدتها .وأقول فى المنع نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة والعلة مفقودة فى هذه القضية فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة لأن عند باب القلعة عدة جوامع فى كل منها خطبة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پہلے گزر چکا ہے کہ جمعہ کے شعائرِ دین ہونے کی علت کا اعتبار فقہاء نے جمعہ کے ایک ہی مقام پر جائز ہونے میں کیا ہے، اور بعض حضرات نے اس کو اذنِ عام کی علت بنایا ہے، علامہ شرنبلالی نے جمعہ کے اشتہار، یعنی اذنِ عام کے طریقہ پر قائم کرنے کی وجہ، جمعہ کے شعائرِ اسلام اور خصائصِ دین میں سے ہونے کی بیان فرمانے کے بعد، اس کو اس صورت پر محمول کیا ہے، جبکہ جمعہ کی نماز شہر میں ایک ہی جگہ قائم ہو، لیکن جب متعدد مقام پر نمازِ جمعہ قائم ہو، پھر حکمران، اِذنِ عام کے بغیر نمازِ جمعہ قائم کرے، تو جائز ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔

اور امام ابو یوسف کے متعلق گزر چکا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں بغداد کے اندر دو جمعہ کی نمازیں جائز ہونے کے لئے درمیان کی نہر کے پُل کو درمیان سے الگ کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، تا کہ وہ دوشہروں کا حکم حاصل کرلے، اس سے پہلے اس کو بھی جائز نہ فرماتے تھے، یعنی اس زمانے میں تعدُّدِ جمعہ کی صورتیں نایاب تھیں، لیکن علامہ شرنبلالی دسویں صدی کے قُرب میں فرمارہے ہیں کہ قاہرہ میں کئی جگہ شہر میں اور قلعہ کے قریب جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ دسویں صدی ہجری میں تعدُّدِ جمعہ کے مسئلہ میں کافی توسُّع ہو گیا تھا، اور اس وقت حکمرانوں کے ساتھ جمعہ کی تخصیص کا مسئلہ پہلا جیسا نہیں رہا تھا، جس کا مطلب یہی ہے کہ اس وقت حکمرانوں نے نمازِ جمعہ کے قیام کے لیے عملاً اپنے آپ کو کافی الگ تھلگ کرلیا تھا، اور انہوں نے شہروں میں مستقل ائمہ وخطباء اور جمعہ کے مقامات مستقل طور پر مقرر کردیے تھے، جہاں حکمران کے قضاء وفیصلے اور اجازت کے ساتھ جمعہ کی نمازیں قائم ہوتی تھیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب فى طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها .

وفى كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها(مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص ۱۹۴ ، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں حکمران کے ساتھ جمعہ کی تخصیص کی سابقہ کیفیت ختم ہوگئی تھی، اور اس طرح تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں حکمران کے دروازے بند کرکے جمعہ پڑھنے سے شہر کے دوسرے لوگوں کا جمعہ فوت ہونا اوران کی حق تلفی کرنا اور حکمران پر تہمت کا آنا لازم نہیں آتا تھا، اس لیے اب حکمران کا بھی اِذنِ عام کے بغیر اور دروازے بند کرکے جمعہ پڑھنا جائز تھا، اور جب اس صورت میں حکمران کے لیے جائز ہے، تو کسی دوسرے کے لئے جو حکمران بھی نہ ہو، کیسے جائز نہ ہوگا، جب تک ممانعت کی کوئی دوسری وجہ نہ ہو۔

احمد بن محمد طحطاوی نے ''حاشیۃُ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح ''میں مذکورہ عبارت کی تشریح کے ذیل میں فرمایا کہ:

> ''ابنِ شحنہ کا کہنا تو یہ ہے کہ قلعہ کا دروازہ بند کرکے اِذنِ عام کی شرط موجود نہیں رہتی، قطع نظر، اختصاص کے، اسی لیے مجمعُ الانھر میں فرمایا کہ دروازہ بند کرنا نمازیوں کو روکنے کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ دشمن سے حفاظت کے لیے ہوتا ہے، قاہرہ کے قلعہ اوراس جیسے دوسرے قلعوں وغیرہ کا یہی حکم ہے، اور قلعہ خود سے مستقل مصر نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں اگرچہ دوکانیں اور گلیاں وغیرہ ہوتی ہیں، لیکن مصر کے تمام تقاضے اور لوازمات وہاں موجود نہیں ہوتے، اس لیے وہ قلعہ باہر کے تابع ہے''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] قوله" :لأنها من شعائر الإسلام وخصائص الدين "أى وقد شرعت بخصوصيات لا تجوز بدونها والإذن العام والأداء على سبيل الشهرة من تلك الخصوصيات ويكفى لذلك فتح أبواب الجامع للواردين كذا فى الكافى.

قوله" :حتى لو غلق الإمام الخ "وكذا لو اجتمع الناس فى الجامع وأغلقوا الأبواب وجمعوا لم يجز كافى وظاهر عبارته أن غلق يأتى ثلاثيا والواقع فى عبارة غيره الرباعى وفى الآية وهو قوله تعالى: (وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ) للتضعيف وهو يأتى بدل الهمزة وراجعه .

قوله" :وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت "سواء دخلوا أم لا كذا فى الكافى قوله" :ابن الشحنة" هو العلامة عبد البر والشحنة حافظ البلد.

قوله" :فى قلعة القاهرة "أى ونحوها قوله" :وليست مصرا على حدتها "فإنه وإن كان فيها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمیں غور کرنے سے علامہ شرنبلالی کے موقف کا راجح ہونا معلوم ہوا۔

کیونکہ پیچھے علامہ سرخسی، اور صاحبِ المحیطُ البرھانی وغیرہ کے حوالے سے اِذنِ عام کی شرط کی جو بنیادی علت گزری، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان کے دروازہ بند کر لینے سے لوگوں کا جمعہ فوت ہو جاتا ہے۔

لیکن جب خود سلطان نے لوگوں کے جمعہ صحیح ہونے اور فوت ہونے سے بچانے کا شہر میں دوسرے مقامات پر باضابطہ انتظام کر دیا، جہاں لوگوں کو اپنے فریضۂ جمعہ کو ادا کرنے کا انتظام

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الجوانیت والسکک وغیر ذلک إلا أنها لم تستوف جمیع ما ذکر فی حد المصر من القاضی ونحوه.

قوله" :فی المنع "أی منع صحة الجمعة .

قوله" :اختصاصه بها دون العامة "فیه نظر فإن الناس لو أغلقوا باب مسجد وصلوها لا تجوز لهم فالعلة عدم الأذن ولذا قال فی مجمع الأنهر نافلا عن عیون المذاهب ولا یضر غلق باب القلعة لعدو أو عادة قدیمة لأن الإذن العام حاصل لأهله وغلق الباب لیس لمنع المصلی ولکن عدم غلقه أحسن.

قوله" :لم یختص الحاکم الخ "هو یقول بعدم الصحة وإن کان الحاکم یجمع خارجها وما ذاک إلا لعدم الإذن العام لا للإختصاص فتدبر.

قوله" :لأن عند باب القلعة "أی خارجه .

قوله" :لا یفوت من منع الخ "هی لا منع فیها قبل غلقها وإنما تغلق للعادة .

قوله" :فیما هو أسهل من التکلف "الأوضح أن یقول فیما هو أسهل منها للتکلف بالصعود إلیها

قوله" :وفی کل محلة الخ "أی فلا اختصاص بها لمن بالقلعة.

قوله" :لأن الجمعة مشتقة منها "أی مأخوذة فإن الاشتقاق من المصادر أی والأصل مراعاة المعانی اللغویة إذا لم یتحقق نقل.

قوله " :فانصرف من شهدها "قد تقدم قول أنه لا یشترط حضور أحد لسماعها وصحح قوله: "ولهما أن الجمع الصحیح إنما هو الثلاثة "وأیضا طلب الحضور فی قوله عز وجل :(فاسعوا إلی ذکر الله)متعلق بلفظ الجمع وهو الواو والذکر المسند إلیه السعی یستلزم ذاکرا وهو غیر الجمع المطلوب حضوره فلزم أن یکون مع الإمام جمع وما دون الثلاثة لیس جمعا متفقا علیه فلیس بجمع مطلق والمشروط هنا ظنا جمع مطلق وبیان ما ذکره المصنف أن أقل الجمع ثلاثة حقیقة لمخالفة صیغته الدالة علیه صیغة التثنیة والواحد والإثنان وإن کان جمعا من وجه نظرا إلی الاشتقاق فهو مجاز والعمل بالحقیقة هو الأصل وکون المثنی له حکم الجمع فی المیراث ونحوه لقیام الدلیل ثمة فأعلمناه فیه لا یلزم اطراده (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۵۱۰ الیٰ ۵۱۲، کتاب الصلاة ، باب الجمعة)

موجود ہے، تو سلطان نے اپنے ساتھ جمعہ کی تخصیص اور لوگوں کے حق کے اپنے پاس مقید ہونے سے برائت ظاہر کردی۔

اور ایسی صورت میں اس کا دروازے بند کر کے جمعہ اداء کرنا، فی نفسہٖ جائز ہے، کیونکہ اس عدمِ تخصیص کی وجہ سے لوگوں کے لئے صحتِ جمعہ کے ساتھ فریضہ اداء کرنے کے لئے اپنے مقام پر اِذنِ عام موجود ہے، اور مسلمان پر تہمت بھی لازم نہیں آتی۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے بھی اپنے الفاظ میں، اِذنِ عام کی اسی علت کا ذکر فرما کر تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں اِذنِ عام کے نہ ہونے پر جمعہ کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ انہوں نے تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں لوگوں کے جمعہ فوت نہ ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، سلطان کے جمعہ کے اپنے ساتھ اختصاص کا ذکر نہیں فرمایا، مگر مقصود ان کا بھی یہی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

''الدرُّ المختار وردُّ المحتار'' کا حوالہ

''الدرُّ المختار'' میں ہے کہ:

''حنفی مذہب کے مطابق، ایک شہر میں بہت سے مقامات پر علی الاطلاق، جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے، اسی پر فتویٰ ہے، دفعِ حرج کی وجہ سے، اور مرجوح قول کے مطابق متعدد مقامات پر جمعہ جائز نہیں''۔ انتہیٰ۔ [1]

یہ بھی ملحوظ رہے کہ صاحبِ ''الدر المختار'' نے جس زمانے میں یہ بات فرمائی، اس زمانے میں شہر کے اندر ایک ہی مقام پر جمعہ قائم ہوتا تھا۔

چنانچہ ''الدرُّ المختار'' میں ہی ہے کہ:

---

[1] (وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقا على المذهب وعليه الفتوى شرح المجمع للعيني وإمامة فتح القدير دفعا للحرج، وعلى المرجوح(الدر المختار مع شرحه رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۱۴۴، ۱۴۵، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

’’اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ، تمام مساجد کو بند کیا جائے گا‘‘۔انتھٰی۔ [1]

مسجد کے علاوہ شہر کی تمام مساجد کا بند ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ صرف ایک جامع مسجد ہی میں ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے ’’الدرُّ المختار‘‘ کی تعددِ جمعہ سے متعلق عبارت کی شرح کرتے ہوئے ’’ردُّ المحتار‘‘ میں فرمایا کہ:

’’شہر کے متعدد مقامات پر علی الاطلاق جمعہ جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ شہر بڑا ہو، یا بڑا نہ ہو، اور خواہ اس کی دونوں جانب میں بڑی نہر فاصل وحائل ہو، یا نہ ہو، اور خواہ وہ متعدد جمعے، دو مسجدوں میں پڑھے جائیں، یا زیادہ میں، اور فتح القدیر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز، حاجت کے بقدر ہو، جیسا کہ سرخسی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

حنفیہ کا اصل مذہب یہی ہے، اور اسی کو ہم لیتے ہیں، کیونکہ جمعہ کے لیے فقط (عندالحنفیة) شہر ہونا شرط ہے، اور مرجوح قول، وہ ہے، جو بدائع کے حوالے سے گزرا کہ شہر میں دو مقامات سے زیادہ میں جمعہ جائز نہیں‘‘۔انتھٰی۔ [2]

---

[1] وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع(الدرالمختار مع رد المحتار، ج۲ص۱۵۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

[2] (قوله مطلقا) أى سواء كان المصر كبيرا أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقى متصلا وسواء كان التعدد فى مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسى الآتى (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسى أن الصحيح من مذهب أبى حنيفة جواز إقامتها فى مصر واحد فى مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا فى مصر شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين لا فى أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر (قوله دفعا للحرج) لأن فى إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على أكثر الحاضرين ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراطه لا سيما إذا كان مصرا كبيرا كمصرنا كما قاله الكمال ط (قوله وعلى المرجوح) هو ما مر عن البدائع من عدم الجواز فى أكثر من موضعين (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۱۴۴، ۱۴۵، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں بہت سے مقامات پر جمعہ کی نماز کا قائم کرنا جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ اتنے سارے مقامات پر جمعہ قائم کرنے کی بظاہر ضرورت بھی نہ ہو، اور جب ضرورت ہو، تو پھر جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

ہمارے یہاں کے سلسلۂ حنفیہ پر مشتمل متعدد اردو فتاویٰ میں بھی اسی کے مطابق حکم مذکور ہے۔

اور آج دنیا کے بڑے بڑے شہروں کے ایک ایک محلّہ میں کئی کئی مقامات پر جمعہ کی نماز قائم کی جاتی ہے، جس پر ضرورت وعدمِ ضرورت کا فرق کیے بغیر کوئی نکیر بھی نہیں کی جاتی، بلکہ موجودہ دور کے بڑے شہروں میں متقدمین حنفیہ کے قول کے مطابق عمل کرنا بالفعل ناممکن، یا بعید ہے، بڑے شہروں میں ایسے مقامات دستیاب ہی نہیں ہیں، جہاں شہر کے سارے افراد جمع ہوسکیں، جن پر جمعہ واجب ہے۔

اگرچہ متعدد محققینِ حنفیہ نے تین سے زیادہ مقامات پر جوازِ جمعہ کے قول کو امام ابوحنیفہ اور صاحبین، کسی سے بھی ثابت نہ ہونے کا حکم لگایا ہے۔

لیکن اس بحث سے قطع نظر ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ عرف اور تمدنی حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر شہر میں علی الاطلاق، تعددِ جمعہ کا جواز راجح ہے، جب تک کوئی دوسرا مستقل مانع نہ ہو، وہ الگ بات ہے کہ عام حالات میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کے بجائے، بڑے اجتماعات منعقد کرنے کی کوشش زیادہ بہتر ہے۔

مگر یہ امر ہر موقع پر ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ جب عندالحنفیۃ، جمعہ قائم کرنے کا استحقاق، سلطان کو ہے، اور وہ صحتِ جمعہ کے لیے شرط ہے، خواہ شہر میں ایک جگہ جمعہ ہو، تب بھی سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے۔

تو ایک سے زیادہ مقامات پر جمعہ کے قیام کے لیے بدرجۂ اولیٰ سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہوگا۔

اور جس کو سلطان، جمعہ کے لیے مقرر کرے، وہ تو سلطان کا نمائندہ ہوتا ہی ہے۔

اور حاکمِ وقت اگر لوگوں کو خود سے اپنے طور پر کسی کو امام مقرر کر کے جمعہ پڑھنے کی مختلف مقامات پر اجازت دے دے، خواہ صراحتاً یا دلالتاً، وہ بھی درست ہے، جس کو آسان لفظوں میں اذنِ سلطان سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

’’الدرُّ المختار‘‘ کا حوالہ

علامہ حصکفی (المتوفی:1088ھ) ’’الدرُّ المختار‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

’’امام کی طرف سے اذنِ عام کا ہونا بھی جمعہ صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، جو کہ آنے والوں کے لیے، جامع کے دروازے کھولنے سے حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا قلعہ کے دروازے کا دشمن سے حفاظت کی غرض سے یا پرانے رواج کے مطابق، بند کرنا مضر نہیں، کیونکہ اذنِ عام وہاں کے لوگوں کے لیے ثابت ہے، اور ایسی صورت میں قلعہ کے دروازے بند کرنا دشمن سے حفاظت کے لیے ہے، نہ کہ نماز سے منع کرنے کے لیے، البتہ اس کے باوجود، اگر دروازے بند نہ کیے جائیں، تو اچھا ہے۔

پس اگر امیرِ مصر، اپنے قلعہ میں داخل ہوا، اور اس نے اپنے ساتھیوں سمیت، اس کے دروازے کو بند کر لیا، تو جمعہ درست نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے قلعہ کے دروازے کو کھول دیا، اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، تو پھر جمعہ کا پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے‘‘۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] (و) السابع :(الإذن العام من الإمام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كافى فلا يضر غـلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى، نعم لـو لم يغلق لكان أحسن كما فى مجمع الأنهر معزيا لشرح عيون المذاهب قال :وهذا أولى مما فى البـحـر والمنح فليحفظ (فلو دخل أمير حصنا) أو قصره (وأغلق بابه) وصـلى بأصحابه (لم تنعقد) ولـو فتـحـه وأذن لـلناس بالدخول جاز و كره، فالإمام فى دينه ودنياه إلى العامة محتاج، فسبحان من تـنـزه عـن الاحتيـاج(الدر المختار مع شرحه ردالمحتار،ج ٢ ص ١٥١،١٥٢، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

اذنِ عام کے وہاں والوں کے لیے ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قلعہ میں جمعہ کی نماز ہونے اور وہاں قلعہ سے باہر کے لوگوں کے لیے اذنِ عام ہونے کا لوگوں کو علم ہے، اور یہ بھی علم ہے کہ نماز کے دوران حفاظتی نقطۂ نظر سے قلعہ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

اس لیے ایسی صورت میں نماز کے دوران قلعہ کے دروازے بند کرنا، مُضِر نہیں، وہاں جمعہ کے قیام کا معلوم ہونے کی وجہ سے ہر شخص نماز شروع ہونے سے پہلے ہی حاضر ہونے کی کوشش کرے گا، تاخیر کرنا، اس کا اپنا فعل شمار ہوگا، جیسا کہ کوئی نماز ختم ہو چکنے کے بعد پہنچے، تو اس میں بھی اس کے فعل یا کوتاہی کو دخل ہوتا ہے، نماز قائم کرنے اور نماز پڑھنے والوں کا اس میں دخل نہیں ہوتا۔ [1]

”حاشیۃُ الطحطاوی علی الدر المختار“ کا حوالہ

”حاشیۃُ الطحطاوی علی الدر المختار“ میں ”الدرُّ المختار“ کی مذکورہ عبارت کی شرح میں ہے کہ:

> اذنِ عام اس لئے ضروری ہے کہ جمعہ اسلام کے شعائر اور دین کے خصائص میں سے ہے، لہٰذا اس کو اشتہار کے طریقہ پر قائم کرنا واجب ہے، شیخ زین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] منسلکہ فتوے میں ”الدرُّ المختار“ کی مندرجہ بالا عبارت سے عجیب استدلال کیا گیا ہے، اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ جن فیکٹریوں وغیرہ میں دروازے بند رکھنے کا معمول ہے، وہاں جمعہ جائز ہے۔

حالانکہ وہاں پر باہر کے لوگوں کے لیے جمعہ میں اذنِ عام کا نہ معمول ہے، نہ لوگوں کو اذنِ عام کا ہونا معلوم ہے۔

اور مفتی صاحب موصوف، جس حیثیت سے اذنِ عام کو شرط قرار دیتے ہیں، وہ فیکٹریوں اور سرکاری وحساس اداروں وغیرہ میں متحقق نہیں، کیونکہ وہاں باہر سے جمعہ کے لیے لوگوں کے حاضر ہونے کی اجازت ومعمول ہی نہیں، نہ جمعہ شروع ہونے سے پہلے، اور نہ بعد میں۔

اور ہمارے نزدیک ان مقامات پر جوازِ جمعہ کے لیے تعددِ جمعہ کی صورت میں، بیان کردہ تعلیل کو مؤثر نہ ماننے بغیر چارہ نہیں، جیسا کہ علامہ شامی نے فرمایا، مگر مفتی صاحب موصوف، اس اصولی بات سے تو اتفاق کرتے نہیں، اور اس کو علامہ شامی کا تفرد سمجھتے ہیں، اور پھر اِدھر اُدھر کی بے تکی باتیں کرتے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

اور اِذنِ عام کے الفاظ سے اِذنِ خاص سے احتراز کیا ہے۔

اور جس طرح امام یعنی سلطان کی طرف سے اِذن ضروری ہے، اسی طرح اس کے اس نائب کی طرف سے بھی ضروری ہے، جسے امام کی طرف سے جمعہ قائم کرنے کا اختیار ہو۔

لیکن صریح اِذن ضروری نہیں۔

اگر شہر کے لوگ قلعہ کے اندر جمعہ پڑھیں، اور دروازہ بند ہونے سے پہلے سب اس میں داخل ہوجائیں، تو پھر جمعہ جائز ہوگا۔

اور اگر دروازہ، نمازیوں کے لیے بند نہ کیا جائے، بلکہ قدیم عادت ورواج کی وجہ سے، یا دشمن سے حفاظت کی وجہ سے بند کیا جائے، تو نمازِ جمعہ جائز ہے، بلکہ دشمن سے حفاظت کی وجہ سے دروازے کا بند کرنا واجب ہوگا۔

اور اگر سلطان نے دروازہ تو بند نہیں کیا، اور کسی کو منع بھی نہیں کیا، لیکن اس طرح نمازِ جمعہ پڑھا کہ لوگوں کو اس کے جمعہ کا علم نہ ہوا، تو بھی اس کا جمعہ درست نہ ہوگا'' ۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] (قـولـه : الإذن الـعـام) لانهـا مـن شـعـائر الإسلام، وخصائص الدين، فيجب اقامتها على سبيل الاشتهار، ذكره الشيخ زين ، واحترز بالعام عن الاذن الخاص بجماعة فيه، لا تصح اقامتها.

(قوله: من الامام) مثله نائبه الذى يملك اقامتها .

(قوله: وهو يحصل الخ) أشار به إلى أنه لا يشترط صريح الإذن.

(قوله: للواردين) أى من المكلفين بها ، فلا يضر منع نحو النساء لخوف الفتنة .

(قوله :فلا يضر) تفريع على التقييد بالجامع.

(قوله :مقرر لاهله) حتى لو أرادوا الصلاة داخلها ، ودخلوها جميعا قبل الغلق، لم يمنعوا.

(قوله: بمنع العدو) أى أو للعادة ، والباء للسببية ، وفى نسخة باللام.

(قـولـه: لـكـان أحسـن) هـذا إذا كان القفل للعادة القديمة ، أما إذا كان لمنع عدو ، يخشى دخوله ، وهم فى الصلاة، فالظاهر وجوب الغلق، اهـ ، حلبى.

(قـولـه: وهذا أولى مما فى البحر) من أنه إذا أغلق أبواب الحصن، وصلى بعسكره، وأهله ، لايجوز، وهو الذى نقله المصنف بعدو، وجه الاولوية أنه اطلاق فى محل التقييد، فلا بد من حمله على ما اذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لوگوں کے سلطان کے نمازِ جمعہ قائم کرنے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا نمازِ جمعہ، دروازہ بند کرنے کی طرح درست نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ جب تک لوگوں کو علم نہ ہوگا، تو لوگوں کو اپنا فریضۂ جمعہ اداء کرنے کا حق حاصل کرنے کا بھی موقع نہ ہوگا، اور سلطان کا یہ عمل لوگوں کے فوتِ جمعہ کا سبب بنے گا، نوادر کی اصل روایت میں بھی عدمِ علم ہی کا ذکر ہے، جس کی تفصیل پہلے متعدد مرتبہ گزر چکی ہے۔

''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''الدرُ المختار'' کی مندرجہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے ''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''اذنِ عام سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو عام اجازت دے دی جائے، جن لوگوں کا جمعہ پڑھنا صحیح ہو، ان میں سے کسی کو اس مقام میں داخل ہونے سے منع نہ کیا جائے، جس مقام میں جمعہ کی نماز پڑھی جارہی ہے۔

لیکن اس شرط کا حنفیہ کی ''ظاهرُ الرواية'' میں ذکر نہیں، اسی وجہ سے ''الهداية'' میں بھی اس کا ذکر نہیں، البتہ یہ ''النوادر'' میں مذکور ہے ''كنز اور الوقاية اور النقاية اور الملتقىٰ'' اور (دیگر حنفیہ کی) بہت سی معتبر کتابوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منع الناس من الصلاة، حلبی.

(قوله: لم تنعقد) يحمل على ما إذا منع الناس لا ما إذا كان لمنع عدو، أو لقديم عادة ، وقد مر.

(قوله: وكره) لانه لم يقض حق المسجد الجامع، منح، وفيها وان صلاها فى الجامع الا انه أغلق باب المقصورة ، ولم ياذن للناس اختلفوا فيه ، وكذا لو جمع فى قصره بحشمه ، ولم يغلق الباب ، ولم يمنع أحدا الا أن الناس ، لم يعلموا بذلک، تمرتاشی.

(قوله: الى العامة محتاج) كاحتياج العامة اليه، بحر .

(قول: فسبحان من تنزه عن الإحتياج) بل كل أحد اليه يحتاج، نهر (حاشية الطحاوى على الدرالمختار، ج ا ص ۳۴۴، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

میں اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور امام کی طرف سے اذنِ عام کی قید، آنے والے قلعہ کی مثال کی وجہ سے لگائی گئی ہے، ورنہ تو اجازت کا اعتبار اس جمعہ کو قائم کرنے والے کی طرف سے ہے، خواہ وہ امام ہو، یا اس کی طرف سے متعین کردہ نائب وقیم (**لان السلطان او نائبه شرط، لصحة الجمعة، عند الحنفية**)

اور اذنِ عام کے لیے صریح اجازت شرط نہیں۔

اور قلعہ میں آنے کی اجازتِ عام کا اعتبار ان لوگوں کے لیے ہے، جو جمعہ کے مکلّف ہیں، لہٰذا عورتوں کو منع کرنا مضر نہیں۔

اور قلعہ کے دروازے، دشمن کی وجہ سے بند کرنے کی صورت میں اذنِ عام اس لیے موجود ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز شروع کرنے سے پہلے، شہر کے ہر نماز پڑھنے والے کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور باعثِ ضرر، نمازیوں کو منع کرنا ہے، نہ کہ دشمن کو منع کرنا۔

اور اجازتِ عام مصر والوں کے لیے ہونی چاہیے، جس میں تمام شہر کے مکلّف لوگ داخل ہیں، صرف قلعہ والوں کے لیے اجازت کافی نہیں، جیسا کہ ''بدائع'' کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کے وقت بھی دروازوں کو بند کرنا، درست نہیں، کیونکہ نماز کی حالت میں دروازوں کو بند کرنے سے بھی نمازِ جمعہ کے لیے داخل ہونے والوں کے لیے ممانعت متحقق ہوتی ہے، چنانچہ جو شخص کچھ دور دراز سے چل کر ایسے وقت پہنچا کہ جمعہ کھڑا ہو چکا تھا، تو اس وقت دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کا جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔

اور میں کہتا ہوں کہ نماز کے دوران، دروازے بند کرنے کی صورت میں مذکورہ

اختلاف کا اس صورت میں ہی پایا جانا مناسب ہے، جبکہ شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، لیکن اگر شہر کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کیا جاتا ہو، تو پھر (بغیر اذنِ عام اور بغیر اشتہار کے) جمعہ کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں وہاں دروازے بند کرنے سے، جمعہ کا فوت ہونا ثابت نہیں ہوگا، جیسا کہ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے (یعنی فقہائے کرام نے اذنِ عام کی شرط کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے دوسرے لوگوں کا جمعہ فوت ہوجاتا ہے)۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (قوله الإذن العام)أى أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه .وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وكذا فى البرجندى إسماعيل وإنما كان هذا شرطا لأن الله -تعالى -شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله (فاسعوا إلى ذكر الله) والنداء للاشتهار وكذا تسمى جمعة لاجتماع الجماعات فيها فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور تحقيقا لمعنى الاسم بدائع.

واعلم أن هذا الشرط لم يذكر فى ظاهر الرواية ولذا لم يذكره فى الهداية بل هو مذكور فى النوادر ومشى عليه فى الكنز والوقاية والنقاية والملتقى وكثير من المعتبرات.

(قوله من الإمام) قيد به بالنظر إلى المثال الآتى وإلا فالمراد الإذن من مقيمها لما فى البرجندى من أنه لو أغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لا يجوز إسماعيل.

(قوله :وهو يحصل إلخ) أشار به إلى أنه لا يشترط صريح الإذن ط (قوله للواردين) أى من المكلفين بها فلا يضر منع نحو النساء لخوف الفتنة ط.

(قوله لأن الإذن العام مقرر لأهله) أى لأهل القلعة لأنها فى معنى الحصن والأحسن عود الضمير إلى المصر المفهوم من المقام لأنه لا يكفى الإذن لأهل الحصن فقط بل الشرط الإذن للجماعات كلها كما مر عن البدائع.

(قوله :وغلقه لمنع العدو إلخ) أى أن الإذن هنا موجود قبل غلق الباب لكل من أراد الصلاة، والذى يضر إنما هو منع المصلين لا منع العدو (قوله لكان أحسن) لأنه أبعد عن الشبهة لأن الظاهر اشتراط الإذن وقت الصلاة لا قبلها لأن النداء للاشتهار كما مر وهم يغلقون الباب وقت النداء أو قبيله فمن سمع النداء وأراد الذهاب إليها لا يمكنه الدخول فالمنع حال الصلاة متحقق ولذا استظهر الشيخ إسماعيل عدم الصحة ثم رأيت مثله فى نهج النجاة معزيا إلى رسالة العلامة عبد البر بن الشحنة والله أعلم (قوله :وهذا أولى مما فى البحر والمنح) ما فى البحر والمنح هو ما فرعه فى المتن بقوله فلو دخل أمير حصنا أى أنه أولى من الجزم بعدم الانعقاد.

(قوله :أو قصره) كذا فى الزيلعى والدرر وغيرهما، وذكر الوانى فى حاشية الدرر أن المناسب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ شامی کی مندرجہ بالاعبارت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ میں اذنِ عام کی شرط کا ذکر نہیں، اور جمعہ کے اشتہار و اعلان سے بھی، یہی اذنِ عام مراد ہے، اور جب شہر میں اجازتِ سلطان وحاکم کے ساتھ، دوسرے مقامات پر نمازِ جمعہ قائم ہو، جس کی وجہ سے سلطان وحاکم نے اپنے ساتھ اس کی ایسی تخصیص کو باقی نہ رکھا ہو، جو ابتداء میں تھی، اور تعددِ جمعہ کی صورت لوگوں میں معروف ہوگئی ہو، اور وہ یہ جان چکے ہوں کہ سلطان کی موجودگی کے بغیر بھی ان کے صحتِ جمعہ پر فرق واقع نہ ہوگا، اوران کا فریضۂ جمعہ ادا ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں کسی گھر، یا عمارت کے دروازے بند کر کے نمازِ جمعہ کا قائم کرنا صحیح ہے، اوراس کے صحیح ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اس میں وہ علت پائی ہی نہیں جاتی، جس کی وجہ سے اذنِ عام کو شرط قرار دیا گیا تھا۔

پہلے زمانوں میں اور بطورِ خاص، جس وقت امام محمد کی ''نادرُ الروایۃ'' وجود میں آئی، تعددِ جمعہ کا موجودہ زمانے کی طرح، دور دور تک نام ونشان نہ تھا، بلکہ ہر شہر میں ایک مقام پر ہی جمعہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لـلسياق أو مصره بالميم بدل القاف .قلت :ولا يخفى بعده عن السياق .وفـي الكافي التعبير بالدار حيث قال :والإذن الـعـام وهـو أن تـفـتـح أبـواب الجامع ويؤذن للناس، حتى لو اجتمعت جماعة في الـجـامـع وأغـلـقوا الأبواب وجمعوا لم يجز. وكذا السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره فإن فتـح بـابهـا وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أو لا .وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبـواب وأجـلـس البـوابـيـن ليمنعوا عن الدخول لم تجز. لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لا يحصل إلا بالإذن العام .اهـ.

قلت :ويـنبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (قوله لم تنعقد) يحمل على ما إذا منع الناس فلا يضر إغلاقه لمنع عدو أو لعادة كما مر ط.قلت :ويؤيده قول الكافي وأجلس البوابين إلخ فتأمل .

(قوله وأذن للناس إلخ) مفاده اشتراط علمهم بذلك، وفي منح الغفار وكذا أي لا يصح لو جمع في قـصـره لحشمه ولم يغلق الباب ولم يمنع أحدا إلا أنه لم يعلم الناس بذلك .اهـ .(قوله وكره) لأنه لـم يـقض حق المسجد الجامع زيلعي ودرر (قوله فالإمام إلخ) ذكـره في المجتبى(ردالمحتار، ج ۲ ص ۱۵۱، ۱۵۲، كتاب الصلاة ،باب الجمعة)

مذکورہ عبارت میں ''وفـي الـكافي '' کے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاکم شہید کی ''الـكافي ''میں یہ عبارت موجود نہیں، البتہ ''المنتقیٰ ''میں اذنِ عام سے متعلق جزئیہ کا ذکر ہے۔ محمد رضوان خان۔

ہوتا تھا، اس وقت تعددِ جمعہ کی صراحت اور وضاحت اور قید کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کرنے کی خاطر خواہ ضرورت نہ سمجھی گئی تھی، پھر جب علامہ شرنبلالی اور اس کے بعد علامہ شامی کے زمانے میں، حاکم کی اجازت سے تعددِ جمعہ کا باضابطہ اور عام رواج ہوگیا، تو اس کی وضاحت کردی گئی، ان حضراتِ گرامی کی طرف سے کوئی نیا حکم بیان نہ کیا گیا۔

اور علامہ شامی کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی جگہ نمازِ جمعہ کا قیام، اور اس کے لیے اذنِ عام لوگوں کو معلوم ہو، تو نمازِ جمعہ کے دوران، دروازہ کا بند کرنا، نمازِ جمعہ سے روکنے کے بجائے، کسی دوسرے مقصد سے ہو، مثلاً حفاظتی نقطۂ نظر سے، تو بعض حضرات اس صورت میں بھی جمعہ کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ علامہ ابنِ عابدین شامی کا رجحان بظاہر اس کی طرف معلوم نہیں ہوتا، بہرحال بعض حضرات کا یہ قول موجود ہے، لیکن علامہ شامی کے نزدیک یہ اختلاف واشتباہ وغیرہ، عدمِ تعددِ جمعہ کی صورت میں ہے۔ [1]

اور علامہ شامی نے جب اشتہار سے مراد بھی اذنِ عام ہونے کی تصریح کردی ہے، یعنی ان دونوں قسم کے الفاظ سے ایک ہی چیز کی تعبیر مقصود ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ جب اِذنِ عام شرط نہ ہوگا، تو اشتہار بھی شرط نہ ہوگا۔

---

[1] (قوله حتى إن أميرا لو أغلق إلخ) ينبغي حمله على ما إذا منع الناس من الصلاة وإلا فالإذن العام يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كما عزاه في الدر المختار إلى الكافي وفيه عن مجمع الأنهر معزيا إلى شرح عيون المذاهب لا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلي نعم لو لم يغلق لكان أحسن اهـ.

وبه اندفع قول الشيخ إسماعيل وعلى اعتباره أي الإذن العام تحصل الشبهة في صحتها في قلعة دمشق وأضرابها حيث يغلق بابها ويمنع الناس من الدخول حال الصلاة كما هو المعتاد فيها بل الظاهر حينئذ عدم الصحة إذ لا إذن عام فيها إلا لمن في داخلها كمن في داخل القصر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص ۱۶۲، ۱۶۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ولا مدخل في غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره تدبر وعند الأئمة الثلاثة لا يشترط الإذن العام (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج۱، ص ۱۶۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

رہا یہ کہ نمازِ جمعہ تو شعائرِ اسلام میں سے ہے، جس کی وجہ سے اس کا اظہار واعلان ضروری ہے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ تعدُّدِ جمعہ کی صورت میں ہے، جس میں مختلف مقامات کے ذریعہ اظہار واعلان موجود ہے، جس سے اس کے شعارِ اسلام ہونے کی صفت قائم ہے، اور اس کا فی الجملہ قائم ہونا کافی ہے، جیسا کہ آگے باحوالہ اس کا ذکر آتا ہے۔

تعدُّدِ جمعہ کی مذکورہ بالا صورت میں یہ بات یادرکھنا ضروری ہے کہ اگر کچھ لوگ اِذنِ عام کی شرط کے بغیر جمعہ پڑھیں، تو ان لوگوں کا اپنا جمعہ تو درست ہو جائے گا۔

لیکن جس مقام پر نمازِ جمعہ کا قیام لوگوں کو معلوم ومشہور ہو، وہاں بلا عذر اِذنِ عام نہ دینا گناہ وکراہت سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ اس میں بلاوجہ دوسروں کو ایذاء پہنچانا اور فریضۂ جمعہ کی ادائیگی میں دشواری پیدا کرنا پایا جاتا ہے۔

مگر جس مقام پر نمازِ جمعہ کا قیام معلوم ومشہور نہ ہو، یا معلوم تو ہو، لیکن وہاں اِذنِ عام نہ ہونا معروف ومروج ہو، جیسا کہ جیل خانوں، فوجی ہیڈ کوارٹروں، صدر، وزیرِ اعظم ہاؤس، اور بعض دوسرے حساس اداروں اور فیکٹریوں میں ہوتا ہے، یا اتفاق سے کوئی گھر وغیرہ میں جمعہ پڑھے، جہاں جمعہ کے قیام کا معمول نہیں، تو وہاں اِذنِ عام نہ دینا گناہ ومکروہ نہ ہوگا، پھر بھی کوئی اِذنِ عام خود سے دے، تو حرج بھی نہیں، بلکہ ایک فعلِ مستحسن شمار ہوگا، بشرطیکہ کوئی مفسدہ یا قانون شکنی وغیرہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

علامہ شامی کے موقف پر شبہات کا ازالہ

علامہ شامی کے تعددّ ِ جمعہ کی صورت میں اذنِ عام کی شرط نہ ہونے کے موقف پر علامہ رافعی نے تقریراتِ رافعی میں یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ:

''علت کے انتفاء سے معلول کا منتفی ہونا لازم نہیں آتا، لہٰذا حق یہ ہے کہ کلام کو اپنے عموم پر رکھا جائے، اگرچہ وہ علت نہ پائی جائے، جس کا علامہ شامی نے ذکر کیا ہے، کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ کوئی دوسری علت پائی جارہی ہو، اور عموم کا تقاضا وہ علت بھی کرتی ہے، جو بدائع کے حوالے سے ''اشتہار'' کی ذکر کی گئی، جوکہ عمومِ حکم کا تقاضا کرتی ہے، اور فقہاء کا کہنا ہے کہ دلیلِ معین کے بطلان سے مدلول کا بطلان لازم نہیں آتا''۔انتہیٰ۔ [1]

لیکن ہماری نظر میں خود علامہ رافعی کا شبہ ہی محلِ نظر ہے، کیونکہ حنفیہ کے ہاں، نادرُ الروایۃ کے جس جزئیہ سے اِذنِ عام کے شرط ہونے کو اخذ کیا گیا ہے، خود اس جزئیہ سے اتنا عموم ثابت نہیں ہوتا، وہ جزئیہ امیرِ مصر کی ایسی حالت سے متعلق ہے، جس میں پہلے سے اس مصر میں تعددّ ِ جمعہ کا وجود نہیں، اور خاص اور عارضی واقعہ سے تعددِ جمعہ کو وجود میں لانے اور اس کو حکمِ قضاء کا درجہ دینے اور محلِ تہمت سے بچنے کے لیے امیر کو غیر معروف جگہ، اچانک جمعہ کے قیام کی صورت میں عوام کو مطلع کرنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اور علامہ سرخسی وغیرہ نے خود اس کی علت لوگوں کے جمعہ کے فوت ہونے کی بیان کی ہے، جو

---

[1] (قوله: قلت وينبغي أن يكون محل النزاع ما اذا كانت، الخ)
لايلزم من انتفاء العلة ، انتفاء المعلول، فالحق ابقاء الكلام على عمومه وان انتفت هذه العلة التى ذكرها،لاحتمال علة اخرى، اقتضت العموم على ان ما تقدم عن البدائع من التعليل، يقتض عموم الحكم ، وقد قالوا لايلزم من بطلان الدليل المعين، بطلان المدلول(تقريرات الرافعى، ص ١١٢ ، باب الجمعة)

ظاہر ہے کہ علی الاعلان تعددُّ دِ جمعہ کے قیام میں مفقود ہوتی ہے، جبکہ سلطان کی طرف سے لوگوں پر یہ ظاہر ہو گیا ہو کہ سلطان نے تعددُّ دِ جمعہ کا قضاءً حکم فرما دیا ہے، اور اب قضاء و قانون کی رو سے جمعہ کو اس نے اپنے ساتھ خاص نہیں رکھا، جس کی وجہ سے لوگوں کو دوسرے مقام پر جمعہ میں شریک ہو کر، اپنے جمعہ کو فوت ہونے سے بچانے کا انتظام موجود ہے۔

جہاں تک بدائع کے حوالے سے بیان کردہ اس علت کا تعلق ہے کہ جمعہ کو اشتہار کے طریقہ پر اداء کرنا ضروری ہے، تو اولاً تو وہ متعدد مقامات پر سلطان کے حکم و اِذن سے حکمِ قضاء کے ساتھ، اداء ہو رہی ہے، دوسرے صاحبِ بدائع نے جس آیت سے اشتہار پر استدلال کیا ہے، اس کے متعلق علامہ شامی خود واضح فرما چکے ہیں کہ اس سے اذنِ عام ہونا ہی مراد ہے، کچھ اور نہیں، بعض دیگر حضرات سے بھی اس کی تائید ملتی ہے، اور جب اذنِ عام کی شرط کسی جگہ ضروری نہ ہوگی، تو یہ علت بھی مؤثر نہ ہوگی۔

تیسرے صاحبِ بدائع کی طرف سے مذکورہ آیت سے استدلال کا مخدوش ہونا پہلے باحوالہ گزر چکا ہے، اور آگے یہ بھی آتا ہے کہ کسی چیز کا شعار ہونا، اس کے ہر ہر مقام پر اذنِ عام کے ساتھ اداء ہونے کی شرط نہیں ہوتا، ورنہ تو پنجگانہ فرض نمازوں کا باجماعت ہونا بھی شعار ہے، اذان و اقامت بھی شعار ہے، قربانی اور تراویح بھی شعار ہے، ان سب عبادات کے لیے فرداً فرداً اشتہار کو کوئی بھی اس طرح ضروری قرار نہیں دیتا کہ اگر کوئی علی الاعلان نہ کرے، مثلاً گھر کے دروازے بند کر کے یہ اعمال انجام دے، جبکہ فی الجملہ شہر میں متعدد مقامات پر یہ امور انجام دیے جا رہے ہوں، جن کا لوگوں کو علم ہو، تو یہ عبادات خفیہ اداء ہی نہ ہوں گی۔

خود علامہ کاسانی کے کلام سے بھی اس علت کا ایک مقام پر جمعہ ہونے کی صورت میں ہی مؤثر ہونا ظاہر ہوتا ہے، اور ہم باحوالہ متعدد فقہائے کرام سے بحمد اللہ تعالیٰ ثابت کر چکے ہیں کہ سابق ادوار میں شہر کے اندر ایک ہی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز قائم ہوتی تھی، باقی مساجد کو مقفل رکھا جاتا تھا، جبکہ موجودہ زمانے میں صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔

علامہ شرنبلالی سے بھی علامہ شامی کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

لہٰذا پھر کون سی علت عدمِ صحتِ جمعہ کے لیے مؤثر اور موجود ہوگی؟ اس کو واضح کرنا ضروری ہے، اور اگر علی الاطلاق علت کے انتفاء سے حکم کا انتفاء نہ مانا جائے، تو پھر علت کو علت قرار دینا ہی درست نہ ہو، اور نظامِ شریعت درہم برہم ہوکر رہ جائے۔

''فتاویٰ محمودیہ'' میں ہے کہ:

> ظاہرُ الروایۃ میں اگر کوئی شیئ، بدرجۂ مسئلہ، یابدرجۂ شرط مذکور ہو، اور اس کی علت وہاں مذکور نہ ہو، جیسا کہ عام متن ایسا ہی ہوتا ہے، اور متاخرین نے اس کی علت بیان کی ہو، اور پھر مواقعِ انتفاءِ علت میں، اس مسئلے یا شرط کے انتفاء کا حکم کردیا ہو، تو یہ ظاہرُ الروایۃ کے خلاف نہیں (ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد ۸ صفحہ ۵۱، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ: ادارۃ الفاروق، کراچی، تاریخِ طبع: 2005ء)

اگر مندرجہ بالا بات ظاہرُ الروایت میں مؤثر ومعتبر مانی جاسکتی ہے، تو غیر ظاہرُ الروایت میں مؤثر قرار دینے میں کون سی چیز مانع ہوگی۔

فقہائے کرام، جابجا علت کی نفی کر کے حکم کی نفی کرتے ہیں، اور علماء بلانکیر اس کو تسلیم کرتے ہیں، جبکہ علامہ شامی کی بیان کردہ علت، عباراتِ فقہاء کے معارض نہیں، بلکہ اس کی معاون اور اس کی تشریح وتوضیح ہے، علامہ شرنبلالی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور علامہ سرخسی وغیرہ سے اس علت کی تصریح ملتی ہے۔

فلہٰذا علامہ شامی کا موقف ہی راجح ہے، اور اس پر علامہ رافعی کا شبہ زیادہ قوی ومؤثر نہیں۔

''فتاویٰ رحیمیہ'' میں بھی علامہ شامی کے موقف پر شبہ وارد کیا گیا ہے، بلکہ ان کے موقف کو مجروح قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں ہے کہ:

> علامہ شامی رحمہ اللہ کی توجیہ، اکثر متون وشروح کے خلاف ہے، دوسری جگہ یا

دوسری مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو، تو اذنِ عام شرط ہے، ورنہ شرط نہیں ہے، ان کی یہ تحقیق مجروح معلوم ہوتی ہے، اذنِ عام کی شرط علی الاطلاق ہے، اور یہی منشاء، شرع کے مطابق ہے، نمازِ جمعہ ایک مخصوص اور مہتم بالشان عبادت ہے، شعائرِ اسلام اور شعائرِ دین بھی ہے، اس کو دوسری عبادتوں کی طرح ادا نہ کیا جائے، نمازِ جمعہ کی چند خصوصیات ہیں، اس کے مطابق ادا کی جائے، تو صحیح ہوگی، ورنہ ظہر ادا کرنا ہوگی۔

(1) ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصر (یعنی بڑی آبادی) میں ادا کی جائے، چھوٹی آبادی اس کے شایانِ شان نہیں، اس لیے چھوٹے گاؤں میں ادا کی گئی، تو صحیح نہ ہوگی۔

(2) اجازتِ امیر (یا اس کے نائب کی) شرط ہے، بلا اجازت ادا کی گئی، تو صحیح نہ ہوگی، ظہر لازم ہے۔

(3) وقتِ ظہر میں ادا کی جائے، وقت نکل جانے کے بعد ادا کی گئی، تو صحیح نہ ہوگی، ظہر ادا کرنا لازم ہے۔

(4) خطبہ شرط ہے، بلا خطبہ ادا کی گئی، تو صحیح نہ ہوگی۔

(5) جماعت شرط ہے، بلا جماعت ادا کرنا اس کے شایانِ شان نہیں ہے، اس لیے صحیح نہ ہوگی۔

(6) اذنِ عام شرط ہے، یعنی علی الاعلان اور علیٰ سبیل الاشتہار اور علی الاظہار ادا کی جائے، چھپ کر ادا کرنا، اس کے شایانِ شان نہیں، اس لیے ادا نہ ہوگی، نمازیوں کو آنے کی روک ٹوک، اذنِ عام کے خلاف ہے، اس لیے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں ہے، صحیح نہ ہونے کی وجہ اذنِ عام کا فقدان ہے، کسی نے یہ نہیں لکھا کہ شہر میں دوسری جگہ جمعہ نہیں ہوتا، اس لیے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں، کیا جس جگہ جیل

خانہ ہوتا ہے، اس شہر میں جمعہ نہیں ہوتا ہے؟ ضرور ہوتا ہے، اور متعدد جگہ ہوتا ہے، لہٰذا اذنِ عام کی شرط مطلق ہے، دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہو، یا نہ ہوتا ہو (...... پھر چند فقہی عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں......) ان تمام عبارتوں میں اس کی تصریح ہے کہ اگر بادشاہ اپنے محل اور قلعہ میں نمازِ جمعہ پڑھے، تو صحتِ جمعہ کے لیے اذنِ عام ضروری ہے، ظاہر ہے کہ اس شہر کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ تو ہوتی ہی ہوگی، مگر اس کے باوجود قلعہ میں اقامتِ جمعہ کے لیے اذنِ عام کی شرط ہے، اور ''بدائعُ الصنائع'' کی عبارت میں تو ''وتكون الصلاة في موضعين'' کی تصریح ہے، اور ''رسائلُ الارکان'' وغیرہ میں ''ان مبنى الجمعة على الاشتهار'' کی صراحت ہے، لہٰذا اب تو اشکال، رفع ہو جانا چاہیے۔ فقط۔ واللہ تعالٰی أعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ، ج۶ ص۸۵ الیٰ ۸۹ ملخصاً، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، تاریخ طبع: 2003ء)

ہمیں فتاویٰ رحیمیہ کے مذکورہ فتوے سے اتفاق نہ ہوسکا، اور ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں علامہ شامی کا موقف ہی صواب اور راجح ہے، جس کی تفصیل ہمارے مذکورہ مضمون میں گزر چکی ہے۔

اذنِ عام کی شرط کے متعدد حنفیہ کی کتب میں تعددِ جمعہ اور سلطان کے اپنے لیے تخصیصِ جمعہ کی قید کے ساتھ مذکور نہیں، اور علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی کی توجیہ کو زیادہ شہرت حاصل نہیں، جس کی وجہ سے کئی اردو کتابوں اور فتاویٰ میں علامہ شامی کی توجیہ کے بغیر مطلق ہی یہ مسئلہ مذکور ہے، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تاہم اس کے باوجود علامہ شامی کی توجیہ کو اکثر متون وشروح کے خلاف قرار دینا درست نہیں۔

کیونکہ اولاً تو ہم متعدد متون وشروح کی عبارات باحوالہ پیش کر چکے ہیں، جن میں کسی جگہ بھی علامہ شامی کے معارض ومخالف کوئی تصریح نہیں، بلکہ صرف فہم کا فرق ہے۔

اور علامہ شرنبلالی کا موقف بھی ہم ذکر کر آئے ہیں، جو علامہ ابنِ عابدین شامی کے موافق ہے، اور بعض اردو فتاویٰ میں بھی علامہ ابنِ عابدین شامی کے اس موقف کو ہی اختیار کیا گیا ہے۔

چنانچہ امدادُ احکام میں ایک مقام پر ہے کہ:

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں صرف فلاں صاحب کے (مسجد میں جمعہ کے لیے) منع کرنے سے اذنِ عام فوت نہیں ہوا۔

اذنِ عام ایسے شخص کی ممانعت سے فوت ہوتا ہے، جس کی مخالفت پر عوام قادر نہ ہوں، مثلاً حاکمِ وقت منع کر دے۔

اور حاکمِ وقت کی ممانعت سے بھی اذنِ عام اس وقت فوت ہوتا ہے، جبکہ کسی بستی میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع کر دے۔

اور اگر کسی ایک جگہ سے منع کرے، اور دوسری جگہ سے منع نہ کرے، تو اذنِ عام فوت نہیں ہوتا، نمازِ جمعہ اس بستی کی ہر مسجد میں صحیح ہوگی۔

اور فلاں صاحب کی یہ حرکت خلافِ شرع تھی کہ ان سے چندہ وصول کرنے پر ایسا جبر کیا، اور نمازیوں کو نماز سے روکا، اس کو علانیہ اپنی حرکت سے توبہ کرنی چاہیے، اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرے۔ **واللہ اعلم بالصواب**، ظفر احمد عفا عنہ۔

الجواب من جامع تتمۂ امدادالاحکام:

ظاہر یہی ہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے اذنِ عام مرتفع نہیں ہوتا، الّا آنکہ کہنے والا صاحبِ حکومت ہو، اور فعلاً منع کرنا، حاکم وغیر حاکم ہر دو کی جانب سے ہوسکتا ہے، یعنی اگر غیر حاکم بھی مسجد کا دروازہ بند کر دے، یا پہرہ زبردست دروازہ پر لگا دے، تو اذنِ عام فوت ہو جائے گا۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے، جبکہ وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہے، اور اگر دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو، تو بہرحال جمعہ جائز ہوجائے گا۔

فی الشامی "قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا یتحقق التفویت کما أفاده التعلیل تأمل "

پس صورتِ مسئولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا (امدادالاحکام، ج۱، ص۷۸۲، ۷۸۳، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجمعۃ والعیدین، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری 2009ء)

دوسرے اِذنِ عام کی شرط کے بارے میں خود متعدد محققینِ حنفیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ شرط سلطان، یا اُس کے نائب کے لئے ضروری ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ سلطان، یا اُس کے نائب کا ہونا، عندالحنفیہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے۔

لہٰذا سلطان یا اُس کے نائب کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اِذنِ عام کے بغیر جمعہ قائم کرے، اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کا جمعہ فوت ہوجائے، اور انہیں اس کی ادائیگی کی قدرت نہ رہے۔

اِذنِ عام کے امام کی طرف سے ہونے کی اُصولی قید کے ساتھ ہی مختلف علماء نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ [1]

---

[1] (و) السابع: (الإذن العام من الإمام (الدر المختار مع شرحه ردالمحتار، ج ۲: ص ۱۵۱، ۱۵۲، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ)

(قوله: من الامام) مثله نائبه الذی یملک اقامتها (حاشیۃ الطحاوی علی الدرالمختار، ج ۱ ص ۳۴۴، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ)

وشرط ادائها ایضا: الإذن العام من الإمام (شرح العینی علی الکنز، ج ۱ ص ۹۹، کتاب الصلاۃ، باب فی بیان احکام صلاۃ الجمعۃ، مطبوعۃ: ادارۃ القرآن، کراتشی، الباکستان، الطبعۃ الاولیٰ: 2004ء)

(الإذن العام) من الإمام (النهر الفائق شرح کنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۶۰، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ)

الإذن العام من الإمام -الحاکم- فلا تصح الجمعۃ فی مکان یمنع منه بعض المصلین فلو أقام الإمام الجمعۃ فی داره بحاشیته وخدمه فإنها تصح مع الکراهۃ ولکن بشرط أن یفتح أبوابها ویأذن للناس بالدخول فیها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ''نادرُ الروایۃ'' کا وہ جزئیہ، جس سے اذنِ عام کی شرط کو اخذ کیا گیا ہے، وہ بھی بنیادی طور پر حاکم سے متعلق ہے، اور عدمِ تعددِ جمعہ کی صورت پر مبنی ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

اور مسجون وغیرہ ہی کے متعلق جماعتِ ظہر کی کراہت کی علتوں کے ضمن میں متعدد حوالہ جات کی روشنی میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس کی بنیادی وجہ عدمِ تعددِ جمعہ کا ہونا ہی ہے، نہ کہ اذنِ عام کا نہ ہونا، سابق زمانوں میں حکمرانوں کی طرف سے جیل خانے تو کیا، شہر کی جامع مسجد کے علاوہ دوسری تمام مساجد کو بھی مقفل رکھا جاتا تھا، اور وہاں بھی کسی کو جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، پھر جیل خانے میں کیسے اجازت ہوگی۔

چنانچہ ''شرحُ الوقایۃ'' کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ:

> ''معذور اور مسجون کے لیے شہر میں جمعہ کے دن، جماعت سے ظہر کی نماز، جائز نہیں، کیونکہ جمعہ تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے، اس لیے ایک ہی جماعت جائز ہوگی''۔انتھٰی۔ [1]

نیز ''المبسوط للسرخسی، التجرید للقدوری، الدرُّ المختار، الاختیار، بدائعُ الصنائع اور البحرُ الرائق'' وغیرہ کے حوالوں سے بھی یہی تصریحات گزر چکی ہیں کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ تمام شہر کی مسجدوں کو بند رکھا جاتا ہے، اور کسی جگہ بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ومثلها الحصن والقلعة على أنه لا يضر إغلاق الحصن أو القلعة لخوف من العدو فتصح الصلاة فيها مع إغلاقها متى كان مأذونا للناس بالدخول فيها(الفقه على المذاهب الأربعة،لعبد الرحمن الجزيری، ج ۱، ص ۳۴۵، کتاب الصلاة ،مباحث الجمعة،شروط الجمعة)

كون الأمير أو نائبه هو الإمام، والإذن العام من الإمام بفتح أبواب الجامع للواردين عليه. اشترط الحنفية هذين الشرطين (الفقه الاسلامی وادلتهٗ للزحیلی، ج۲ص ۱۲۹۷، الباب الثانی ، الفصل العاشر، المبحث الثانی، المطلب الخامس)

[1] (وكره ظهر معذور أومسجون بجماعة في مصريومها)؛ لأن الجمعة جامعة للجماعات، فلا يجوز إلا جماعة واحدة(شرح الوقاية مع حاشية عمدة الرعاية ،ج۳،ص ۲۲، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

کسی زمانے میں ایک جامع مسجد کے علاوہ شہر میں کوئی دوسری جماعت نہیں ہوتی۔ [1]

اور ''نوادرُ الروایۃ'' کے جزئیہ کے ذیل میں اذنِ عام کے بعد، جمعہ کے جواز کے متعلق، جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ''یہ دو مقامات پر جمعہ کی نماز، قائم کرنے کی طرح ہو جائے گا'' اس کی توجیہ بھی پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ اس سے پہلے جمعہ ایک ہی جگہ قائم ہوتا تھا، اور یہاں یہ ایک اتفاقی واقعہ ہے، جس میں حاکم اپنی کسی ضرورت سے جمعہ کے لیے، اپنا نمائندہ مقرر کر کے، مصر سے باہر گیا، اور پھر واپس آ کر خود جمعہ پڑھنے لگا، جس کا عامۃُ الناس کو علم نہیں، تو اس صورت میں اذنِ عام کی وجہ سے ہی اس دوسرے جمعہ کو، وجود مل رہا ہے، جس میں علمِ عام واجازتِ عام کے بغیر حاکم کا دوسری جگہ جمعہ پڑھنا، دراصل اپنے لیے فیصلہ کرنا ہے، جو کہ جائز نہیں، اور جب وہ عوام کو مطلع کر دیتا ہے، تو جمعہ کے قیام کا یہ فیصلہ عوام ورعایا کے لیے ہونے کی وجہ سے مؤثر ومعتبر ہو جاتا ہے۔

اور جہاں پہلے سے بحکمِ قضاء، تعددِ جمعہ کو وجود حاصل ہے، اور حاکم کی طرف سے جمعہ کی اپنے لیے تخصیص موجود نہیں، وہ صورت اس سے خارج ہے۔

اور اگر سلطان کی طرف سے شہر کے مختلف مقامات پر لوگوں کو اپنے طور پر امام مقرر کر کے

---

[1] ولأن الناس أغلقوا أبواب المساجد فی وقت الظهر یوم الجمعة فی الأمصار (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۲،ص۳۶،باب صلاة الجمعة)

أن الناس فی سائر الأعصار یغلقون المساجد یوم الجمعة (التجرید للقدوری، ج۲، ص۴۹۸، کتاب الصلاة،یکره للمعذور أن یصلی الظهر یوم الجمعة فی جماعة)

(وکره) تحریما (لمعذور ومسجون) ومسافر (أداء ظهر بجماعة فی مصر) قبل الجمعة وبعدها لتقلیل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق یوم الجمعة إلا الجامع(الدر المختار مع ردالمحتار، ج۲،ص۱۵۷، کتاب الصلاة ،باب :الجمعة)

وقد جری التوارث فی جمیع الأمصار والأعصار بغلق المساجد وقت الجمعة (الاختیار لتعلیل المختار، ج۱ ص۸۴ ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

جری التوارث بإغلاق أبواب المساجد فی وقت الظهر یوم الجمعة فی الأمصار(بدائع الصنائع، ج۱ ،ص۲۷۰، کتاب الصلاة،فصل بیان ما یستحب فی یوم الجمعة وما یکره فیه)

وأشار المصنف إلی أن المساجد تغلق یوم الجمعة إلا الجامع لئلا یجتمع فیها جماعة کذا فی السراج الوهاج.(البحرالرائق، ج۲ص۱۶۶، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

نمازِ جمعہ قائم کرنے کی دلالۃً اجازت دے دی گئی ہو، جیسا کہ ملکِ پاکستان وغیرہ میں اس طرح کی صورتِ حال ہے، یا کسی جگہ مسلمانوں کی حکومت ہی نہ ہو، اور وہاں لوگ خود سے جگہ جگہ جمعہ قائم کرتے ہوں، تو ان حالات میں ہر جگہ جمعہ کے لئے اِذنِ عام ضروری نہیں رہتا، کیونکہ وہاں جمعہ کی سلطان، یا اُس کے نائب کی طرف سے اپنے لئے کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی، اور نہ ہی غیر مسلم حکمران کی طرف سے اذن ہونا نہ ہونا، اس میں معتبر ہے۔

سلطان، یا اس کے نامزد کردہ نمائندہ کے اذنِ عام کے بغیر، نمازِ جمعہ قائم کرنے کی صورت میں اس کی نمازِ جمعہ کی عدمِ صحت تو معقول ہے، بالخصوص جبکہ تعددِ جمعہ کو ناجائز قرار دیا جائے، یا سلطان کے نمازِ جمعہ پڑھ لینے کے بعد دوسروں کو خود کسی کی اقتداء میں نمازِ جمعہ پڑھنے کو غیر درست قرار دیا جائے۔

لیکن غیر سلطان، یا اس کے غیر مجاز کی نمازِ جمعہ کی عدمِ صحت کی وجہ، اذنِ عام نہ ہونا، فہم سے بالاتر ہے، اس کی اصل وجہ اذنِ سلطان نہ ہونا ہی ہے، اور اگر سلطان کی طرف سے صراحتاً، یا دلالتاً، متعدد مقامات پر اپنے طور پر امام مقرر کر کے نمازِ جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی ہو، تو پھر ان کے جمعہ کو غیر صحیح کہنا، غیر معقول بھی ہے، اور غیر منقول بھی۔

رہا جمعہ کے شعائرِ اسلام اور شعائرِ دین میں سے ہونے کی وجہ سے علی الاعلان، یا علی السبیل الاشتہار اور علی الاظہار اداء کرنے کو شرط قرار دینا، تو اس سے بھی علی الاطلاق اتفاق نہیں، کیونکہ جب قضاءً تعددِ جمعہ کا وجود ہو، اور فی الجملہ، علی الاعلان اس کی ادائیگی ہو رہی ہو، تو ہر مقام کے لئے یہ شرط ضروری نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ متعدد حنفیہ نے عدمِ تعددِ جمعہ کے قول کی دلیل ہی میں اس علت کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ گزرا، ورنہ تو اذان، اقامت اور پنجگانہ نماز با جماعت وغیرہ بھی شعائرِ اسلام اور شعائرِ دین میں سے ہیں، ان کے لئے بھی ہر جگہ اس طرح کا اِذنِ عام شرط ہونا چاہئے تھا، جس کا کوئی بھی قائل نہیں، بلکہ اس کے لئے فی الجملہ اظہار کافی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّ المحتار'' میں فرمایا کہ:

''شعائر، علامات کو کہا جاتا ہے۔

''معراجُ الدراية ''میں فرمایا کہ شرعی اعتبار سے ان عبادات کو کہا جاتا ہے، جو ''علی سبيل الاشتهار ''اداء کی جاتی ہیں، جیسا کہ اذان، اور جماعت، اور جمعہ، اور نمازِ عید، اور قربانی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ''شعائر'' ایسی چیزوں کو کہا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نشانی ہوں''۔انتہٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت میں جمعہ کی طرح اذان، باجماعت، پنجگانہ نمازوں اور قربانی کو بھی شعائر قرار دیا گیا ہے، اور ان عبادات کی شہروں میں متعدد مقامات پر ادائیگی کی صورت میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی کہ ہر فرد وجماعت سب کے سامنے علی الاعلان، اذنِ عام کے ساتھ یہ عبادات سرانجام دے۔

اور ''الموسوعة الفقهية الكويتية''میں ہے کہ:

''شعائر، شعيرة کی جمع ہے، جس کے معنیٰ علامت کے آتے ہیں، اور جب شعائر کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے، تو اس سے دین کے اعلام مراد ہوتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے، پس ہر وہ عمل جو اللہ کے دین کے اعلام میں سے اور اس کی طاعت میں داخل ہو، وہ ''شعائرُ اللّٰه'' ہے۔

چنانچہ نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور ان کے مناسک ومواقیت، اور اقامتِ جماعت و اقامتِ جمعہ ''فی مجاميع المسلمين فی البلدان والقریٰ ''اور اذان اور مساجد کا قیام، یہ سب اعمال ''شعائرُ اللّٰه ''اور ''اعلام طاعة اللّٰه''میں سے ہیں''۔انتہیٰ۔ [2]

---

[1] الشعائر :العلامات كما فى القاموس ح .قال فى معراج الدراية :وشرعا ما يؤدى من العبادات على سبيل الاشتهار كالأذان والجماعة والجمعة وصلاة العيد والأضحية .وقيل هى ما جعل علما على طاعة الله تعالى .اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج ١ ،ص ٢٢ ،مقدمة)

[2] شعائر:التعريف:الشعائر :جمع شعيرة :وهى العلامة :مأخوذ من الإشعار الذى هو الإعلام، ومنه شعار الحرب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسلام کے ظاہری شعائر کو قائم کریں، اور ان کا اظہار کریں، خواہ وہ شعائر فرض درجے کے ہوں، یا سنتِ مؤکدہ درجے کے ہوں، اور اسی وجہ سے اگر اہلِ بلد، اہلِ قریہ، یا اہلِ محلّہ، کسی شعیرۂ اسلام کے ترک پر متفق ومجتمع ہوجائیں، تو وہ قتال کے مستحق ہوجاتے ہیں ''۔انتھٰی۔ ا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو ما يسم العساكر علامة ينصبونها ليعرف الرجل رفقته . وإذا أضيفت شعائر إلى الله تعالى فهى : "أعلام دينه التى شرعها، الله فكل شيء كان علما من أعلام طاعته فهو من شعائر الله ."

والاصطلاح الشرعى فى (شعائر الله) لا يخرج عن المعنى اللغوى.

فكل ما كان من أعلام دين الله وطاعته تعالى فهو من شعائر الله، فالصلاة، والصوم والزكاة والحج ومناسكه ومواقيته، وإقامة الجماعة والجمعة فى مجاميع المسلمين فى البلدان والقرى من شعائر الله، ومن أعلام طاعته .والأذان وإقامة المساجد والدفاع عن بيضة المسلمين بالجهاد فى سبيل الله من

شعائر الله .قال تعالى :(إن الصفا والمروة من شعائر الله) .والآية بعد الأمر بالصلاة، والزكاة فى أكثر من آية من السورة وبعد ذكر الصبر والقتل فى سبيل الله -وهو الجهاد لإقامة دين الله -تفيد أن السعى بين الصفا والمروة من جملة شعائر الله، أى أعلام دينه.

وكذلك قوله تعالى :(والبدن جعلناها لكم من شعائر الله)

وكذلك المراد فى قوله تعالى :(ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب)، أى معالم دين الله، وطاعته .وتعظيمها :أداؤها على الوجه المطلوب شرعا.

وقيل :المراد منها العبادات المتعلقة بأعمال النسك، ومواضعها، وزمنها .وقيل :المراد منها الهدى خاصة .وتعظيمها :استسمانها .قاله ابن عباس .والإشعار عليها :جعل علامة على سنامها؛ بأن يعلم بالمدية ليعرف أنها هدى فيكون ذلك علما على إحرام صاحبها وعلى أنه قد جعلها هديا لبيت الله الحرام فلا يتعرض لها .

قال تعالى :(يا أيها الذين آمنوا لا تحلوا شعائر الله ولا الشهر الحرام)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦،ص٩٧، ٩٨،مادة"شعائر")

ا الحكم التكليفى:

يجب على المسلمين إقامة شعائر الإسلام الظاهرة، وإظهارها، فرضا كانت الشعيرة أم غير فرض.

وعلى هذا إن اتفق أهل محلة أو بلد أو قرية من المسلمين على ترك شعيرة من شعائر الإسلام الظاهرة قوتلوا، فرضا كانت الشعيرة أو سنة مؤكدة، كالجماعة فى الصلاة المفروضة والأذان لها .وصلاة العيدين وغير ذلك من شعائر الإسلام الظاهرة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ بعض سنت درجہ کی چیزیں بھی شعائرِ اسلام سے تعلق رکھتی ہیں۔ [1]

چنانچہ فقہائے کرام نے مساجد میں جماعت قائم کرنے اور اذان دینے کو بھی، شعائرِ اسلام میں شمار کیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأن ترک شعائر الله يدل على التهاون فی طاعة الله، واتباع أوامره.

هـذا ومـن شـعـائر الإسلام مناسک الحج كالإحرام والطواف والسعی والوقوف بعرفة والـمـزدلـفة ومنى وذبح الهدى وغير ذلک من أعمال الحج الظاهرة، ومن الشعائر فی غيـر الحج :الأذان، والإقـامة، وصـلاة الـجـمـاعة، والجمعة والعيدين، والجهاد وغير ذلک.

وتـنظر أحكام كل منها فی مصطلحه من الموسوعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦، ص٩٨، ٩٩، مادة"شعائر")

ويـخـتـلف الـعـدد بـالنسبة لإظهار الشعيرة فی البلدة أو القرية؛ إذ أن صلاة الجماعة من شعائر الإسلام، ولو تركها أهل قرية قوتلوا عليها، ولذلک قال المالكية :قوتلوا عليها لتـفـريـطهـم فـی الشـعيرة، ولا يخرج أهل البلد عن العهدة إلا بجماعة أقلها ثلاثة :إمام ومـأمـومـان، ومـؤذن يدعو للصلاة، وموضع معد لها، وهو المسجد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص١٧٠ ،مادة"صلاة الجماعة")

[1] أمـا غيـر الـواجبات من العبادات وهو ما يسمى مندوبا أو سنة أو نافلة فهو ما يثاب فـاعـلـه ولا يـذم تاركه، وهذا على الجملة؛ لأن من السنة ما يعتبر إظهارا للدين، وتركها يـوجـب إساءة وكراهية، وذلک كالجماعة والأذان والإقامة وصلاة العيدين؛ لأنها من شعائر الإسلام، وفی تركها تهاون بالشرع، ولذلک لو اتفق أهل بلدة على تركها وجب قتـالهـم بـخـلاف سـائـر الـمـنـدوبـات؛ لأنهـا تـفـعـل فـرادى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢،ص٣٣٩،مادة"أداء")

[2] صـلاة الـجـمـاعة فـی المساجد وإقامة الأذان فيها للصلوات من شعائر الإسلام، وعـلامـات متعبداته التی فرق بها رسول الله صلى الله عليه وسلم بين دار الإسلام ودار الشـرک، فإذا اجتمع أهل محلة أو بلد على تعطيل الجماعات فی مساجدهم، وترک الأذان فـی أوقـات صـلـواتهـم، كان المحتسب مندوبا إلى أمرهم بالأذان والجماعة فی الـصـلـوات، وهـل ذلک واجـب عـليه يأثم بتركه، أو مستحب له يثاب على فعله، على وجهيـن مـن اختلاف الفقهاء فی اتفاق أهل بلد على ترک الأذان والجماعة، وهل يلزم السلطان محاربتهم عليه أم لا؟

فـأمـا مـن تـرک صـلاة الـجماعة من آحاد الناس أو ترک الأذان والإقامة لصلاته، فلا اعتراض للمحتسب عليه إذا لم يجعله عادة وإلفا، لأنها من الندب الذی يسقط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ فقہائے کرام نے مستقل طور پر اذان کو بھی خصائصِ اسلام اور دین کے شعائرِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے، بعض نے جمعہ کی اذان کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔ [1]

اور متعدد فقہاء نے اذان میں رفعِ صوت کو واجب قرار دیا ہے، وہ بھی جبکہ غیر حاضرین کو اعلان مقصود ہو، لیکن جو اپنے ساتھ موجود حاضرین کے لیے اذان دے، اس کے لیے بقدرِ ضرورت رفعِ صوت کو کافی قرار دیا ہے، جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک رفعِ صوت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بالأعذار، إلا أن يقترن به استرابة، أو يجعله إلفا وعادة ويخاف تعدى ذلك إلى غيره فى الاقتداء به، فيراعى حكم المصلحة به فى زجره عما استهان به من سنن عبادته، ويكون وعيده على ترك الجماعة معتبرا بشواهد حاله، كالذى روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :لقد هممت أن آمر فتيانى أن يستعدوا إلى بحزم من حطب، ثم آمر رجلا يصلى بالناس ثم تحرق بيوت على من فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٢٤٧، ٢٤٨،مادة"حسبة")

[1] اتفق الفقهاء على أن الأذان من خصائص الإسلام وشعائره الظاهرة، وأنه لو اتفق أهل بلد على تركه قوتلوا، ولكنهم اختلفوا فى حكمه، فقيل :إنه فرض كفاية، وهو الصحيح عند كل من الحنابلة فى الحضر والمالكية على أهل المصر، واستظهره بعض المالكية فى مساجد الجماعات، وهو رأى للشافعية ورواية عن الإمام أحمد .كذلك نقل عن بعض الحنفية أنه واجب على الكفاية، بناء على اصطلاحهم فى الواجب . واستدل القائلون بذلك بقول النبى صلى الله عليه وسلم :إذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم ، والأمر هنا يقتضى الوجوب على الكفاية؛ ولأنه من شعائر الإسلام الظاهرة، فكان فرض كفاية كالجهاد وقيل :إنه سنة مؤكدة وهو الراجح عند الحنفية، والأصح عند الشافعية وبه قال بعض المالكية للجماعة التى تنتظر آخرين ليشاركوهم فى الصلاة، وفى السفر على الصحيح عند الحنابلة، ومطلقا فى رواية عن الإمام أحمد، وهى التى مشى عليها الخرقى .واستدل القائلون بذلك بقول النبى صلى الله عليه وسلم للأعرابى المسىء صلاته :افعل كذا وكذا ولم يذكر الأذان مع أنه صلى الله عليه وسلم ذكر الوضوء واستقبال القبلة وأركان الصلاة .وعلى كلا الرأيين لو أن قوما صلوا بغير أذان صحت صلاتهم وأثموا، لمخالفتهم السنة وأمر النبى صلى الله عليه وسلم.

وقيل هو فرض كفاية فى الجمعة دون غيرها وهو رأى للشافعية والحنابلة؛ لأنه دعاء للجماعة، والجماعة واجبة فى الجمعة، سنة فى غيرها عند الجمهور(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢،ص٣٥٧،٣٥٨،مادة"أذان")

بالاذان، سرے سے ہی سنت ہے۔ [1]

اسی طرح فقہائے کرام نے نماز باجماعت کے لیے اقامت کو بھی شعائرِ اسلام میں شمار کیا ہے۔ [2]

---

[1] أوجب الشافعية والحنابلة رفع الصوت بالأذان؛ ليحصل السماع المقصود للأذان، وهو كذلك رأى للحنفية، وهذا إذا كان الغرض إعلام غير الحاضرين بصلاة الجماعة، أما من يؤذن لنفسه أو لحاضر معه فلا يشترط رفع الصوت به إلا بقدر ما يسمع نفسه أو يسمعه الحاضر معه، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم لأبى سعيد الخدرى إنى أراك تحب الغنم والبادية، فإذا كنت فى غنمك وباديتك فأذنت بالصلاة فارفع صوتك بالنداء ، فإنه لا يسمع مدى صوت المؤذن جن ولا إنس إلا شهد له يوم القيامة وهو سنة عند المالكية وهو الراجح عند الحنفية، فإن النبى صلى الله عليه وسلم قال لعبد الله بن زيد :علمه بلالا فإنه أندى وأمد صوتا منك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ ،ص٣٦٥،مادة"أذان ")

[2] فى حكم الإقامة التكليفى رأيان:

الأول :أن الإقامة فرض كفاية إذا قام به البعض سقط عن الآخرين، وإذا ترک أثموا جميعا.

قال بهذا الحنابلة، وهو رأى لبعض الشافعية فى الصلوات الخمس، ولبعض آخر للجمعة فقط .وهو رأى عطاء والأوزاعى، حتى روى عنهما أنه إن نسى الإقامة أعاد الصلاة، وقال مجاهد :إن نسى الإقامة فى السفر أعاد، ولعله لما فى السفر من الحاجة إلى إظهار الشعائر.

واستدل للقول بأنها فرض كفاية بكونها من شعائر الإسلام الظاهرة، وفى تركها تهاون، فكانت فرض كفاية مثل الجهاد.

الثانى :أن الإقامة سنة مؤكدة، وهو مذهب المالكية، والراجح عند الشافعية، وهو الأصح عند الحنفية، وقال محمد بالوجوب، ولكن المراد بالسنة هنا السنن التى هى من شعائر الإسلام الظاهرة، فلا يسع المسلمين تركها، ومن تركها فقد أساء ، لأن ترک السنة المتواترة يوجب الإساءة وإن لم يكن من شعائر الإسلام، فهذا أولى، وفسر أبو حنيفة السنية بالوجوب، حيث قال فى التاركين :أخطئوا السنة وخالفوا وأثموا، والإثم إنما يلزم بترک الواجب .واحتجوا للسنية بقوله صلى الله عليه وسلم للأعرابى المسىء صلاته :افعل كذا وكذا .ولم يذكر الأذان ولا الإقامة مع أنه صلى الله عليه وسلم ذكر الوضوء واستقبال القبلة وأركان الصلاة، ولو كانت الإقامة واجبة لذكرها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ،ص٦ ،مادة"إقامة ")

اور تراویح بھی متعدد فقہاء کی تصریح کے مطابق دینِ ظاہرۃ کے اعلام سے تعلق رکھتی ہے۔ [1]

اسی طرح ختنہ کو بھی متعدد فقہاء نے شعائرِ اسلام قرار دیا ہے، لیکن اس کو بھی کوئی نہیں کہتا کہ سب کے سامنے علی الاعلان، یا علی سبیل الاشتہار کرنا ضروری ہے۔ [2]

اور بعض شعائر ایسے ہیں کہ اُن میں اظہار سنت یا مستحب ہوتا ہے، جیسا کہ تلبیہ، حج کا شعار ہے، لیکن اس کا رفعِ صوت کے ساتھ اظہار شرط نہیں، بلکہ رفعِ صوت سنت ومستحب ہے، وہ بھی مرد کے لیے۔ [3]

---

[1] اتفق الفقهاء على سنية صلاة التراويح، وهي عند الحنفية والحنابلة وبعض المالكية سنة مؤكدة، وهي سنة للرجال والنساء ،وهي من أعلام الدين الظاهرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ١٣٦، ١٣٧،مادة"صلاة التراويح")

[2] اختلف الفقهاء في حكم الختان على أقوال:

القول الأول:

ذهب الحنفية والمالكية وهو وجه شاذ عند الشافعية ، ورواية عن أحمد :إلى أن الختان سنة في حق الرجال وليس بواجب .وهو من الفطرة ومن شعائر الإسلام، فلو اجتمع أهل بلدة على تركه حاربهم الإمام، كما لو تركوا الأذان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩،ص٢٧،مادة"ختان ")

[3] حدثنا وكيع، حدثنا سفيان، عن عبد الله بن أبي لبيد، عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، عن خلاد بن السائب، عن زيد بن خالد الجهني، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " جائني جبريل، فقال: يا محمد، مر أصحابك، فليرفعوا أصواتهم بالتلبية، فإنها من شعائر الحج "(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢١٦٧٨)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير المطلب بن عبد الله ابن حنطب، وخلاد بن السائب -وهو ابن خلاد الأنصاري -فقد روى لهما أصحاب السنن، وهما ثقتان (حاشية مسند احمد)

عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، قال :سمعت أبا هريرة، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أمرني جبريل برفع الصوت بالإهلال، فإنه من شعائر الحج(المستدرك على الصحيحين للحاكم، رقم الحديث ١٦٥٤)

قال الحاكم: هذه الأسانيد كلها صحيحة، وليس يعلل واحد منها الآخر، فإن السلف رضي الله عنهم كان يجتمع عندهم الأسانيد لمتن واحد كما يجتمع عندنا الآن، ولم يخرج الشيخان هذا الحديث "(مستدرك حاكم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض چیزوں کا اعلان، اگرچہ نصوص کی رُو سے، مامور بہٖ ہے، جیسا کہ نکاح، لیکن اولاً تو نکاح پر شہادت کا قائم ہوجانا ہی ایک حیثیت سے اعلان میں داخل ہے، دوسرے اس سے اضافی اعلان مستحب ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استحب الحنفية والشافعية والحنابلة للمحرم أن يرفع صوته بالتلبية لما روى زيد بن خالد الجهني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :جاء نى جبريل عليه السلام فقال: يا محمد مر أصحابک أن يرفعوا أصواتهم بالتلبية فإنها من شعائر الحج وقال أبو حازم: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبلغون الروحاء حتى تبح حلوقهم من التلبية .وقال سالم :كان ابن عمر يرفع صوته بالتلبية فلا يأتي الروحاء حتى يصحل صوته .ولا يجهد نفسه في رفع الصوت بها زيادة على الطاقة لئلا ينقطع صوته وتلبيته .

وذهب المالكية إلى أن التوسط فيه مندوب فلا يسره الملبی حتى لا يسمعه من يليه، ولا يبالغ فی رفعه حتى يعقره فيكون بين الرفع والخفض ولا يبالغ فی أيهما، وفی الفواكه الدوانی :هذا فی غير المسجد لأنه لا يجوز رفع الصوت فيه إلا المسجد الحرام ومسجد منى لأنهما بنيا للحج، وقيل :للأمن فيهما من الرياء .

هذا فی حق الرجال .أما النساء فإنه لا خلاف بين الفقهاء فی كراهة رفع أصواتهن بالتلبية إلا بمقدار ما تسمع المرأة نفسها أو رفيقتها، فقد روی عن سليمان بن يسار قال :السنة عندهم أن المرأة لا ترفع صوتها بالإهلال وإنما كره لها رفع الصوت مخافة الفتنة بها ومثلها الخنثی المشكل فی ذلک احتياطا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣، ص٢٦٣، مادة" تلبية ")

[1] حدثنا هارون بن معروف، قال عبد الله: وسمعته أنا من هارون، قال: حدثنا عبد الله بن وهب، قال: حدثنی عبد الله بن الأسود القرشي، عن عامر بن عبد الله بن الزبير، عن أبيه، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال: " أعلنوا النكاح "(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٦١٣٠)

قال شعيب الارنؤوط:حسن لغيره وهذا إسناده فيه عبد الله بن الأسود القرشي، من رجال "التعجيل"، انفرد بالرواية عنه عبد الله بن وهب، قال أبو حاتم :شيخ، وذكره ابن حبان فی "الثقات"، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير عبد الله بن أحمد، فمن رجال النسائی، وهو ثقة (حاشية مسند احمد)

(وعن عائشة قالت :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-أعلنوا هذا النكاح) أی :بالبينة فالأمر للوجوب أو بالإظهار والاشتهار فالأمر للاستحباب كما فی قوله (واجعلوه فی المساجد) وهو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أو لحصول بركة المكان وينبغی أن يراعی فيه أيضا فضيلة الزمان ليكون نورا على نور وسرورا على سرور، قال ابن الهمام " :يستحب مباشرة عقد النكاح فی المسجد لكونه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس مسلمانوں پر شعائرِ اسلام کو قائم کرنا ضروری ہے، لیکن تمام شعائر کا اظہار ضروری نہیں، یا فی الجملہ اظہار کافی ہے، علی سبیل الأحاد والافراد سب کے لیے ضروری نہیں۔ [1]

لہٰذا جمعہ کو شعائرِ اسلام قرار دے کر، جو تمام آحاد وافراد اور جماعتوں کے لیے اس کا اشتہار اور اذنِ عام، ضروری قرار دیا جاتا ہے، اس کا اصولِ شریعت پر انطباق ممکن نہیں، ورنہ دوسرے شعائر کے لیے بھی، اس علتِ مشترکہ کی وجہ سے، اس طرح کی قیود ضروری ہوں گی۔

جہاں تک حنفیہ کی ''نوادرُ الروایۃ'' کے ایک جزئیہ کا تعلق ہے، تو اس کا محمل ومصداق، تفصیل کے ساتھ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے، لہٰذا اس کو اپنے درجے پر رکھنا چاہیے، اور اس ایک جزئیہ کی وجہ سے اصولِ دین وقواعدِ شریعت کو متاثر نہیں کرنا چاہیے۔

اور اس ''نادرُ الروایۃ'' جزئیہ کی فقہائے کرام کی طرف سے ذکر کردہ معتبر تاویل اور مناسب محمل کو نظر انداز کر کے، فریضۂ جمعہ کو علی الاطلاق غیر درست، بلکہ بہت سی صورتوں میں غیر واجب قرار دینے کے بے باکانہ طرزِ عمل سے بچنا چاہیے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ .

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عبادة وكونه في يوم الجمعة "اه، وهو إما تفاؤلا للاجتماع أو توقع زيادة الثواب أو لأنه يحصل به كمال الإعلان(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۵،ص ۲۰۷۲، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط)

[1] ويجب على أهل بلدان دار الإسلام، وقراها من المسلمين إقامة شعائر الإسلام، وإظهارها فيها كالجمعة، والجماعة، وصلاة العيدين، والأذان، وغير ذلك من شعائر الإسلام، فإن ترك أهل بلد أو قرية إقامة هذه الشعائر أو إظهارها قوتلوا وإن أقاموها سرا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۰،ص ۲۰۲،مادة"دار الإسلام")

خلاصۂ کلام

اس مضمون میں شروع سے اب تک جو تفصیل ذکر کی گئی، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ منسلکہ فتوے میں بحالاتِ موجودہ، مختلف حکومتوں کی طرف سے جمعہ کے قیام کے اذنِ عام نہ ہونے کے عنوان سے، یا محدود افراد کے ساتھ مساجد وغیرہ میں دروازہ بند کرنے کی بناء پر، جمعہ کی نماز کو جو غیر درست قرار دیا گیا ہے، اور دنیا بھر کے مسالک کے مسلمانوں کو اجتماعی طور پر ترکِ جمعہ کر کے نمازِ ظہر کا حکم لگا کر، جو نمازِ جمعہ کے شعائرِ اسلامی کو معطل کرنے کی تجویز دی گئی ہے، یہ درست نہیں۔

اور ایسی صورت میں ہمارے نزدیک وہی موقف راجح ہے، جو ہم اپنے سابق مضمون میں بیان کر چکے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں عند الحنفیہ ''تعددِ جمعہ'' کا علی الاطلاق جائز ہونا راجح ہے، اور اسی پر بلانکیر عمل جاری ہے، شہروں کے اندر، جمعہ کے دن، آزاد، بالغ اور عاقل، صحت مند، مقیم مرد پر جمعہ واجب ہے، لیکن جمعہ کی نماز کے لیے جماعتِ مخصوصہ شرط ہے، لہٰذا اس کے قیام کے لیے مخصوص افراد کا اجتماع بھی شرط ہوگا، جو کہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق، امام سمیت مجموعی طور پر چار عاقل، بالغ مرد افراد کا ہونا ہے، اور جب کسی شہر کی حدود میں کسی جگہ کم از کم اتنے مکلّف بالجمعۃ افراد موجود ہوں گے، یا اِن کو موجود ہونے کی قدرت ہوگی، تو ان پر نمازِ جمعہ واجب ہوگا، خواہ وہ مسجد کے قریب ہوں، یا دور ہوں، اور خواہ گھر میں ہوں، یا کسی دوسری عمارت میں، یا کھلے میدان میں، اور جب تک مسلم حاکم کی طرف سے اتنے افراد کے ساتھ قیامِ جمعہ کی ممانعت نہ ہوگی، تو عند الحنفیہ نمازِ جمعہ پڑھنا جائز بھی ہوگا، اور غیر حنفیہ اذنِ حاکم واذنِ عام کی شرط کو معتبر ہی نہیں مانتے۔

جبکہ غیر مسلم حکمران کی طرف سے قیامِ جمعہ کی اجازت عند الحنفیہ بھی ضروری نہیں، وہ الگ بات ہے کہ قانون شکنی اور اس کے ضرر سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

اور شہر کے متعدد مقامات پر بشرائطِ صحت جمعہ قائم ہونے کی صورت میں جمعہ کے قیام والے مقام کے دروازے بند کرنا بھی جائز ہوگا۔

اور اسی اصول کی بناء پر ہم بحالاتِ موجودہ، مذکورہ تفصیل کے مطابق نمازِ جمعہ کو واجب اور صحیح قرار دیتے ہیں، اور جمعہ کے قیام پر قدرت حاصل ہونے والے اشخاص وافرد کو نمازِ جمعہ کو ترک کر کے نمازِ ظہر پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، لیکن ظہر پڑھ لینے کے باوجود، عندالحنفیۃ ان کے فریضہ کے ادا ہو جانے کا حکم بھی لگاتے ہیں۔

اور اس کے برخلاف جو بعض اہلِ علم حضرات مذکورہ تفصیل کے مطابق قیامِ جمعہ کے وجوب اور اس سے بڑھ کر صحتِ جمعہ کی نفی کر رہے ہیں، ہم ان کے قول کی حنفیہ کے اصول وقواعد اور جزئیات وتصریحات سے تائید نہیں پاتے، اس لیے ان کے قول کو عندالحنفیۃ ناقابلِ اعتبار اور ناقابلِ قبول سمجھتے ہیں۔

اور بعض حضرات، جو موجودہ حالات میں ''اذنِ عام'' کی شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے، عدمِ صحتِ جمعہ کا حکم لگا رہے ہیں، ان کے بیان کردہ دلائل سے بھی ہمیں اتفاق نہ ہوسکا، خاص طور پر اذنِ عام کی جو تعبیر وتشریح، ان حضرات کی طرف سے پیش کی جارہی ہے، اور اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نمازِ جمعہ کو غیر صحیح قرار دیا جارہا ہے، وہ خطاء وتسامح اور فقہائے حنفیہ کی مراد کو صحیح طرح نہ سمجھنے پر مبنی ہے، جس سے توافق ممکن نہیں۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

محمد رضوان خان

12 / رمضانُ المبارک/ 1441ھ 06 /مئی/ 2020 بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

علمی و تحقیقی رسائل

حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے
نزدیک جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے کی مخصوص
فضیلت کا آغاز دن کی ابتداء ہونے پر ہو جاتا ہے۔ اور
قرآن وسنت کی رُو سے جمہور فقہائے کرام کے اس قول کے دلائل
ہی زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ البتہ جمہور فقہائے کرام کا اس بارے میں
باہمی اختلاف ہے کہ اس مسئلہ میں دن کی ابتداء طلوعِ فجر سے معتبر ہوگی، یا
طلوعِ شمس سے معتبر ہوگی؟ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی ابتداء کا طلوعِ فجر
سے ہونا راجح ہے، اور حنفیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی ابتداء کا طلوعِ شمس سے
ہونا راجح ہے، اور ہمارے نزدیک یہ آخری قول ہی راجح ہے۔ جبکہ مالکیہ
کے نزدیک نمازِ جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا آغاز دن کے
شروع ہونے کے بعد زوال کے وقت ہوتا ہے، اور ان کے نزدیک
نمازِ جمعہ کے لیے جمہور کے مطابق جلدی جانا مکروہ ہے۔ لیکن
اس مسئلہ میں مالکیہ کا قول دلائل کے لحاظ سے راجح
معلوم نہ ہو سکا۔ (صفحہ نمبر 133)